بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بسلسلہ چہاردہ صد سالہ یادگار شہادت امیر المومنینؑ (۴۰ھ - ۱۴۴۰ھ)، اشاعت نو

نفسِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

جلد (۱)

یعنی

حضرت امیر المومنین امام المتقین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مفصل سوانح عمری

معروف بہ

اعجاز الولی

مصنفہ

حجۃ الاسلام علامہ سید علی حیدر نقوی طاب ثراہ

(مدیر اوّل مجلۂ اصلاح)

ناشر

ادارۂ اصلاح

مسجد دیوان ناصر علی، مرتضیٰ حسین روڈ، یحییٰ گنج، لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۳ (انڈیا)

مشخصات

کتاب کا نام	:	نفس رسولؐ جلد (۱)۔ اعجاز الولی
مؤلف	:	حجۃ الاسلام علامہ سید علی حیدر نقوی طاب ثراہ
کمپوزنگ	:	------------------------
طبع	:	عظیم پریس، لکھنؤ
تاریخ طبع	:	رجب المرجب ۱۴۴۰ھ۔ مارچ ۲۰۱۹ء
صفحات	:	۵۲۰
قیمت	:	300 روپے
ناشر	:	ادارۂ اصلاح، لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۳ (انڈیا)

ISBN-13 : 978-93-87479-
ISBN-10 : 93-87479-

ادارۂ اصلاح

مسجد دیوان ناصر علی، مرتضیٰ حسین روڈ، لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۳ (انڈیا)

فون و فیکس نمبر:0091 522 4077872

E-mail:islah_lucknow@yahoo.co.in

www.islah.in

فہرست کتب

بسمہ تعالیٰ

عرض ناشر

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ علی اھلھا

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سابق سربراہ علامہ سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے سیرت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام پر "المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ" نامی کتاب لکھی تھی جس کے متعدد ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے دیباچہ کی ابتدا میں انھوں نے عمومی الفاظ میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

"یہ ایک تلخ تاریخی حقیقت ہے کہ بہت سی تاریخ ساز، عہد آفریں، نادر روزگار شخصیات ایسی بھی ہیں جن کی مکمل سیرت (جو ان کی روشن ترین خصوصیات پر حاوی اور ان کے مرکزی اور اہم کمالات و محاسن پر روشنی ڈالتی ہو) عرصۂ دراز تک مرتب نہیں ہوئی اور یہ بات ان کے ماننے والوں اور عقیدت مندوں پر ایک اخلاقی، دینی و علمی قرض کی نوعیت رکھتی ہے۔ جس کی ادائگی بعض اوقات انھوں نے بھی نہیں کی جو ان کی تعظیم میں غلو اور مبالغہ سے کام لیتے اور ان سے محبت و وابستگی کو سرمایہ ایمان و آگہی سمجھتے ہیں۔" (من بائے تحقیق)

آخری سطور میں اشارہ کس گروہ کی طرف ہے ان کے علم میں بہتر رہا ہوگا۔ اسی تحریر میں آگے انھوں نے اپنے برادر بزرگ مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی کے ایک حکم کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے "ایک روز بڑے دادا کے ساتھ گلوگیر لہجہ میں کہا کہ تم کو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی سیرت پر کتاب لکھنا چاہیے اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ صلاحیت بخشی ہے کہ تم یہ کام کر سکو" (منتہائے تحقیق)

اس حکم پر عمل کرنے کی نوبت جب تین دہائیوں کے بعد آئی تو اس سلسلہ میں سرِ اقدام سے پہلے ان کا یہ تجربہ تھا:

"مجھے اسلامیات کے کتابی ذخیروں میں ایک خلاء کا احساس پیدا ہوا اور یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ سیدنا حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی مکمل سوانح حیات (جو بقدر امکان) ان کے اہم اور مرکزی خصائص و کمالات پر روشنی ڈالتی ہو موجود نہیں ہے" (منتہائے تحقیق)

المرتضیٰ کی پہلی ہی اشاعت کے بعد مندرجہ جملے جب میری نظر سے گزرے تھے تو مجھے مشہور اہل علم کی غفلت پر سخت تعجب ہوا تھا۔ اس لئے کہ خود ادارہ اصلاح سے دس ضخیم جلدوں میں "نفس رسول" کے نام سے سیرت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام

شائع ہو چکی تھی جو ایک کارنامہ ہے لیکن چونکہ یہ شیعی مفکر کا کام ہے لہٰذا اسے نظر انداز کیا گیا۔ ادعا کے باوجود المرتضیٰ 20x26/8 سائز کے 500 صفحات تک بھی نہیں پہنچ سکی جبکہ "نفس رسولؐ" ہزاروں صفحات پر مشتمل ہونے کے باوجود نامکمل رہی اور جو منصوبہ تھا اس کی [illegible] حاصل نہیں کر سکی ہے جو اس حدیث پیغمبر ﷺ کی صداقت کا اعلان ہے کہ:

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لو ان الرياض اقلام، والبحر مداد والجن حساب والانس كتاب ما احصوا فضائل علي ابن ابي طالب عليه السلام (بحار الانوار جلد ۴۰ صفحہ ۷۰)

"اگر باغات قلم بن جائیں اور سمندر روشنائی بن جائیں اور تمام جن شمار کرنے والے بن جائیں اور تمام انسان لکھنے والے بن جائیں پھر بھی فضائل علیؑ کا احصا نہیں کر سکتے۔"

اوصاف علی به گفتگو ممکن نیست
گنجایش بحر در سبو ممکن نیست
من ذات علی به واجبی نشناسم
اما دانم که مثل او ممکن نیست

جب مجلہ اصلاح کے مدیر اول اور بانی اصلاح فخر الحکماء علامہ سید علی اظہر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کے قابل فخر فرزند حجۃ الاسلام علامہ سید علی حیدر طاب ثراہ نے دس جلدوں پر مشتمل سیرت امیر المومنینؑ "نفس رسولؐ" کو قلم بند کرنے کا ارادہ کیا تو دل میں شدید بے چینی تھی۔ اس سلسلہ میں ان کا جو منصوبہ تھا وہ نفس رسولؐ کی پہلی جلد "اعجاز الولیؑ" میں موجود ہے۔ اپنے منصوبہ کا اعلان انہوں نے بذریعہ مجلہ اصلاح کرنا شروع کر دیا تھا جبکہ اپنے وصیت نامہ میں انہوں نے ذکر بھی کیا ہے کہ:

"میں ماہ مئی ۱۹۵۰ء سے رسالہ اصلاح میں ایک عظیم الشان تاریخی اور تحقیقی کتاب لکھنے اور شائع کرنے کا وعدہ [illegible] رہا ہوں اور وہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی سب سے بڑی سب سے زیادہ جامع سوانح عمری گویا حضرت علی علیہ السلام کے حالات کی انسائیکلوپیڈیا ہوگی جو سات آٹھ جلدوں غالباً چار ہزار صفحوں میں پوری اور سات آٹھ سال میں ختم کی جائے گی۔ اس طرح میں نے ابھی سات آٹھ برس اور اس دنیا میں اپنے کو زندہ رکھنے کا سامان کر لیا ہے کیا بغیر اس سوانح عمری کے مکمل شائع ہوئے جناب ملک الموت کو میرے پاس آجاتے میں افسوس نہیں ہوگا لیکن اگر وہ مانے تو میں کیا کروں گا۔

"کار دنیا کسے تمام نہ کرد" اس حالت میں آپ میرے مکمل خطوط کی تعمیل کرتے رہیں گے۔"

والسلام احقر علی حیدر عفی عنہ (ایک مومن کے نام مکتوب اصلاح نومبر دسمبر ۱۹۵۰ء)

"چونکہ ہم کو علمی خدمت کرتے بفضل تعالیٰ ۴۵ سال گزر گئے اور اب اس عظیم الشان سوانح مبارکہ نفس رسولؐ دس جلدوں پر مشتمل سوانح امیر المومنینؑ کے مکمل شائع ہو جانے کے لئے بہت بے چین ہیں۔ مگر معلوم نہیں ہماری عمر یا قوت وفا کرسکے یا نہیں۔ اس وجہ سے بندہ زادوں مولوی سید محمد باقر صاحب ادیب فاضل (الہ آباد) فاضل ادب لکھنؤ یونیورسٹی مولوی فاضل (پنجاب یونیورسٹی) اور صدر الافاضل سے جن کی بہت مفید مقبول کتاب "مذہبی تعلیم" کے پانچ حصوں کی خدا کے فضل سے ہر طرف دھوم ہوگئی ہے۔ اور مولوی سید آغا جعفر سلمہ منتظم مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ سے وصیت بھی کر دی ہے کہ اس سوانح مبارکہ کو صرف خدائے کریم و قدیر کی تائید پہ بھروسہ کرکے ہم نے شروع تو کر دیا ہے لیکن جب ہم نہ رہیں تو "اگر پدر نتواند پسر تمام کند" اور "الولد سر لابیہ" کے مطابق اس کو ضرور مکمل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ دونوں فرزند خداوند مطلق پہ توکل کرکے اس کے مکمل کرنے میں جناب مولانا علی نقی صاحب قبلہ، جناب مولانا سید محمد سعید صاحب قبلہ لکھنؤ، مولانا سید رضی صاحب زنگی پوری، جناب مولانا سید عدیل اختر صاحب، جناب مولوی سید سبط الحسن صاحب فنوی، جناب ڈاکٹر مولوی سید مجتبیٰ حسن صاحب کامون پوری، جناب الحاج پرنس سید محمد عباس صاحب صفوی تعلقہ دار حسن آباد، جناب سید ظہیر حسین صاحب بخاری ایم اے پروفیسر علی گڑھ، جناب ڈاکٹر مولوی سید اعجاز حسن صاحب منیجر وقف ہوگلی، جناب خواجہ غلام السیدین صاحب پانی پتی، جناب آغا سلطان مرزا صاحب جج پنشنر کراچی، جناب ڈاکٹر محمد علی الحاج یاسین صاحب بمبئی، جناب مولانا حافظ کفایت حسین صاحب لاہور، اور جناب مولانا محمد بشیر صاحب ٹیکسلا سے پوری مدد لیتے رہیں۔"

(اختر علی حیدر مجلّہ ۷، صفر ۱۳۷۰ھ ہجری مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۵۰ء)

وصیت میں مزید تحریر فرمایا ہے:

"سوانح مبارکہ کے لئے وصیت کا مضمون بھی ہم اصلاح میں شائع کر چکے ہیں۔ چند ناموں کا اضافہ اس میں بھی ضروری ہے جن سے مدد اور مشورہ لیتے رہنا بہت مفید اور اہم ہے:

۱) جناب سید امتیاز حسین صاحب ترمذی وکیل پٹنہ۔ ۲) جناب سید حسن عسکری صاحب پروفیسر پٹنہ۔ ۳) جناب مولوی سید ابن حسن صاحب جارچوی، لکھنؤ۔ ۴) جناب مولوی سید اختر علی صاحب تلہری۔ ۵) جناب مولوی مرزا احمد علی صاحب امرتسری۔ اور ۶) جناب مولوی محمد مصطفیٰ صاحب جوہر کراچی۔

مذکورہ بالا حضرات نیز ان حضرات سے جن کے اسمائے گرامی دسمبر کے اصلاح میں شائع ہو چکے ہیں التماس ہے کہ ہماری عمر ۶۵ سال کی ہو چکی ہے اور علمی خدمات کرتے ہوئے تقریباً ۵۰ سال گزر چکے ہم کو بہت افسوس ہے کہ سوانح مبارکہ کے

مرتب کرنے کی توفیق بہت دیر کر کے ہوئی جب آفتاب لب بام پہنچ گیا ہے اس وجہ سے ہم بے چین ہیں کہ سوانح مبارکہ کیونکر اچھی سے اچھی ہوگی۔ آپ کل حضرت اس اہم دینی خدمت میں ہماری علمی اور قلمی مدد کر کے شکر گزار کریں اس طرح کہ کل حضرات سوانح مبارکہ کی دسوں جلدوں کے لئے جن قیمتی مضامین نادر تحقیقات، مفید مباحث اور ضروری افادات کا اندراج پسند کریں۔ ان سب کو جلد از جلد ہمارے پاس ارسال فرمانا شروع کر دیں۔ تاکہ ہم سب کو مرتب کرتے جائیں۔ اور دسوں جلدوں کے مسودات کو آپ حضرات کی اعانت سے اپنی زندگی ہی میں مکمل کر ڈالیں۔ اس کے بعد اگر اجل نے مہلت دی تو انشاء اللہ خود چھپوا کر شائع کریں گے۔ ورنہ خود آپ حضرات دفتر اصلاح سے شائع کراتے رہیں گے۔" (اصلاح مئی جون ۱۹۵۱ء)

علامہ علی حیدر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ نے پہلے ۶۔ ۷ جلدوں میں پھر دس جلدوں میں سوانح عمری امیر المومنینؑ کا ارادہ اس وقت کیا جب عمر ڈھل رہی تھی۔ جب اندازہ ہوا کہ عین حیات میں یہ کام پورا نہیں کر سکوں گا تو یہ کام اپنی اولاد کے سپرد کیا۔ مدیر دوم اصلاح مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی طاب ثراہ نے اس کام کو آگے بڑھایا۔ ۴ جلدیں خود لکھیں مگر اپنے والد مرحوم کے نام سے باقی دیگر مصنفین و مبلغین کی کتابوں کو شامل کر کے دس جلدیں پوری کر دیں۔ والد مرحوم مولانا سید محمد باقر جوراسیؒ ان کے ہم نام بھی تھے اور چالیس سال تک گہرے رفیق رہے تھے ان کی وفات کے بعد اپنے ایک مضمون "امام عصرؑ کا ایک خادم" کے عنوان سے مضمون میں تحریر فرمایا ہے:

"ان کے تالیفات و تصنیفات اور مضامین و تراجم کی تعداد تو بہت ہے جن کی فہرست پیش کرنا میرے لئے بھی دشوار ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان سب سے زیادہ نمایاں اور امتیازی حیثیت دس جلدوں میں مکمل ہونے والی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی عظیم و ضخیم سوانح عمری کو حاصل ہے یہ بات میرے علم میں ہے کہ مرحوم کے پدر بزرگوار مولانا سید علی حیدر صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اس کی صرف ابتدائی دو جلدیں ہی اپنے قلم سے تحریر فرمائی تھیں۔ اس کے بعد یہ اہم کام اپنے ہونہار فرزند کے سپرد کر دیا تھا۔ جسے مرحوم نے ان کے اعتماد اور توقعات کے مطابق پوری مہارت اور کامیابی کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

(اصلاح صدی نمبر جنوری تا مارچ ۱۹۹۹ء صفحہ ۲۰۷)

۳ سے ۷ جلدوں تک کی محنت مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی اعلی اللہ مقامہ کی کاوش ہے۔ ایک لائق فرزند ہونے کی حیثیت سے اور اپنے والد مرحوم کے جذبہ اخلاص کی قدردانی میں انہوں نے اس محنت کو بھی اپنے والد علام سے منسوب رکھا لیکن اب جبکہ اس کا انکشاف ہو چکا ہے کہ بعد کی جلدیں ان کا کارنامہ ہیں لہٰذا مناسب یہی ہے کہ ان جلدوں کو انہیں سے منسوب کیا جائے۔ ۷ جلدوں کے بعد دس جلدیں مکمل کرنے کے لئے مقبول و معروف جن تین کتابوں کا سہارا لیا گیا ان کے ترجمہ کی

زحمت بھی مرحوم ہی نے فرمائی تھی۔

چونکہ شہادت امیر المومنینؑ کی چودہ سو سال مکمل ہونے کی یادگار منائی جارہی ہے لہٰذا اس مناسبت سے ترتیب میں معمولی تبدیلی اور دیگر تالیفات وتراجم کو شامل کر کے نفس رسولؐ کی ۱۴ جلدیں پیش ہیں۔ اس کا افسوس ہے کہ مرحوم نے جو خاکہ مرتب فرمایا تھا کام کا مکمل اس نہج کے عین مطابق تو نہیں ہو سکا لیکن پھر بھی اس نفس رسولؐ کی ۱۴ جلدوں کی اشاعت کے ذریعہ ایک غیر معمولی کام انجام پا گیا ہے۔

اب تمام ۱۴ جلدوں کی ترتیب اس طرح ہے:

جلد (۱): اعجاز الولی (حجۃ الاسلام علامہ سید علی حیدر نقوی)۔

جلد (۲): قرآن ناطق (حجۃ الاسلام علامہ سید علی حیدر نقوی)۔

جلد (۳): عقل اکبر (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی زیر نگرانی علامہ سید علی حیدر نقوی)۔

جلد (۴): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ اول (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی زیر نگرانی علامہ سید علی حیدر نقوی)۔

جلد (۵): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ ثانیہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی زیر نگرانی علامہ سید علی حیدر نقوی)۔

جلد (۶): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ ثالثہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی زیر نگرانی علامہ سید علی حیدر نقوی)۔

جلد (۷): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ رابعہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی زیر نگرانی علامہ سید علی حیدر نقوی)۔

جلد (۸): ندائے عدالت انسانی ترجمہ صوت العدالۃ الانسانیہ جارج جرداق (مترجم مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی)۔

جلد (۹): تہذیب المتین فی سیرت امیر المومنینؑ (مولانا ظہور حسن سہارنپوری)۔

جلد (۱۰): قدیر تالیف حجۃ الاسلام مولانا ہادی محمد صاحب قبلہ وحجۃ الاسلام مولانا فضل اسلامی۔

جلد (۱۱): امیر المومنینؑ کے فیصلے مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی۔

جلد (۱۲): علی وفرزندان علی ترجمہ علی وبنوہ از طٰہ حسین (مترجم مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی)۔

جلد (۱۳): اصحاب امیر المومنینؑ، (آیۃ اللہ شمس الدین) (مترجم حجۃ الاسلام سلیم علوی)۔

جلد (۱۴): صفات شیعیان امیر المومنینؑ ترجمہ صفات الشیعہ شیخ صدوقؒ۔ (مترجم حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید رضی جعفر نقوی مدظلہ)

نفس رسولؐ کی جلد نمبر (۱) "اعجاز الولی" کے ذیل میں مصنف مرحوم نے فرمایا ہے: "اس پہلی جلد میں یہ ثابت کیا گیا ہے

کہ جس طرح قرآن مجید اسلام کا زندہ معجزہ ہے کہ شروع سے آج تک اس کے کروڑوں مخالفین گزر گئے مگر کوئی بھی اس کا جواب نہیں لا سکا۔ بالکل اسی طرح حضرت رسول خداﷺ کے اہل بیت طاہرینؑ اور خصوصاً حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ذات بھی اسلام کا نہایت عظیم الشان اور بے مثل و نظیر معجزہ ہے کیونکہ حضرتؑ کے مخالفین بھی کروڑوں گزر گئے جو آپ کے فضائل و کمالات و دینی خدمات و اسلامی احسانات چھپانے بلکہ مٹانے کی انتھک کوشش کرتے رہے اور اسلام میں آپ کا درجہ گھٹا کر دکھانے کیلئے دنیا کی بڑی زبردست اور قہار طاقتوں نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا مگر وہ لوگ کسی طرح آفتاب پر خاک نہیں ڈال سکے۔۔ اور اب بھی حضرتؑ کے علمی و عملی اور دینی و دنیوی کارنامے کتابوں میں اس کثرت سے بھرے ہوتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ کے سوائے کسی کے بھی نہیں مل سکتے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ خدا نے حضرت علیہ السلام کو حضرت رسول خداؐ کا نفس قرار دے دیا ہے"۔

میں نے جب المرتضیٰ کے پہلے ایڈیشن کا مطالعہ کیا تھا اور شروع میں منقولہ جملے نظر سے گزرے تھے تو یہ جذبہ پیدا ہوا تھا کہ کیوں نہ نفس رسولؐ کی تمام جلدیں سامنے آجائیں تاکہ ان لاعلم لوگوں کو معلوم ہو سکے جو نہیں جانتے کہ سیرت امیر المومنینؑ پر متعدد ضخیم جلدوں میں ایک قابل قدر کتاب موجود ہے۔ لیکن مالی وسائل کی وقت کی وجہ سے اس سلسلے میں اقدام کی ہمت نہیں پڑی۔ مگر جب امیر المومنینؑ کی شہادت کے چودہ سو سالہ یادگار کے منصوبے بننا شروع ہوئے تو مجلہ اصلاح کے مدیر اعزازی مولانا محمد حسنین باقری نے یہ عزم کیا کہ اس موقع کے اوپر نفس رسولؐ کی جلدوں کی اشاعت تو ہو جانا چاہئے اور اس سلسلے میں انہوں نے محنت بھی بہت کی۔ جس کا ثمرہ آپ کے سامنے ہے۔ ناظرین سے التماس ہے کہ اوقات دعا میں ادارۂ اصلاح کو شامل کرنے کو فراموش نہ فرمایا کریں۔

فقط

سید محمد جابر جوراسی

مسئول ادارۂ اصلاح لکھنؤ

۱۳ / رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

پنجشنبہ ۲۱ مارچ ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الاولین والآخرین افضل الانبیاء والمرسلین ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین الطاہرین۔

خادم دین مبین احقر علی حیدر علی عنہ ابن جناب صدر المتکلمین سید المتقین فخر الملت والدین ظہیر العلماء والمجتہدین نعمۃ اللہ علی الایمان والمومنین حجۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا ومقتدانا آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ (المتولد ۲۷ رماہ رمضان المبارک ۱۲۷۷ھ والمتوفی ۱۲ رشعبان المعظم ۱۳۵۲ھ) عرض کرتا ہے کہ:

قرآن مجید کی طرح جناب امیر علیہ السلام بھی اسلام کے بہت بڑے زندہ معجزہ ہیں

خداوند قادر مطلق نے اپنے کلام مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ. فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ. (سورہ بقرہ، آیت ۲۳ و ۲۴)

"اور اگر تم کو شک ہے اس چیز میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے تو تم بھی اس کے جوڑ کی ایک ہی سورہ بنالاؤ اور اللہ کے سوا تمہارے جو حمایتی ہوں ان کو بھی بلالو (اور ان سے بھی اس سورہ کے بنانے میں مدد لو) اگر تم سچے ہو لیکن اگر تم ایسا نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو انکار کرنے والوں کیلئے تیار کی ہوئی ہے۔"

مفسرین نے لکھا ہے کہ خدا کا مقصود یہ ہے کہ اگر تم کو اس چیز میں جو خدا نے حضرت رسول خدا ﷺ پر نازل کی یہ شک ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ آدمی کی بنائی ہوئی ہے تو تم بھی ایسی چیز بنالاؤ۔ جس زمانے میں قرآن مجید اترا اس وقت

عرب میں فصاحت اور بلاغت اور شعر و شاعری کا بہت چرچا تھا۔ تو ایک اُمّی (ان پڑھ) پیغمبر کا پکار پکار کر کہنا کہ قرآن کی ایک ہی سورہ بنالاؤ اور ان سب کا عاجز رہنا بہت بڑی دلیل ہے قرآن کے حق اور منزل من اللہ ہونے کی بعضوں نے کہا من مثلہ کی ضمیر آنحضرتؐ کی طرف پھرتی ہے یعنی آنحضرتؐ کے سے اُمّی شخص سیکڑوں اور ہزاروں ہیں۔ ان میں سے کسی سے کہو کہ ایک چھوٹی سورہ ہی قرآن کی سورتوں کی وضع اور قسم کی بنادے۔ سورہ قرآن کے ایک حصہ کو کہتے ہیں۔ بڑی سے بڑی سورۃ بقرہ ہے اور چھوٹی سے چھوٹی وہ سورہ ہے جس میں تین آیتیں ہیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ "ہرگز نہیں کرسکو گے"۔ یہ قرآن کا ایک بڑا معجزہ ہے کہ باوجود اس کے کہ صدہا برس گزر گئے اور عرب اور دوسرے ملکوں میں بڑے بڑے منشی اور شاعر اور ادیب گزر گئے لیکن قرآن کا مقابلہ کوئی نہ کرسکا اور اس کے جوڑ کی ایک چھوٹی سورہ بھی نہ بنا سکا حالانکہ قرآن میں صرف اسی مقام میں نہیں بلکہ سورۂ قصص اور سورہ بنی اسرائیل اور سورۂ ہود اور سورۂ یونس میں بھی کہا گیا کہ ایک ہی سورہ بنالاؤ اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر تمام آدمی اور جن اکٹھے ہوں جب بھی قرآن کا جوڑ نہیں لاسکتے"۔ (تفسیر وحیدی صفحہ ۶)

اور سورۂ یونس میں فرمایا ہے کہ:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (سورہ ہود، آیت ۱۳)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو خود پیغمبر نے بنالیا ہے؟ تو اے پیغمبر تم ان سے کہو کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو اور جیسا تم کہتے ہو میں اس کے بنالینے پر قادر ہوں تو تم بھی اہل زبان ہو ایسی ہی ایک سورۃ تم بھی بنالاؤ اور خدا کے سوائے جس جس کو تم سے بلاتے بن پڑے اپنی مدد کے لئے بلالو۔

اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے:

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا۔ (سورہ بنی اسرائیل، آیت ۸۸)

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو کہ اگر آدمی اور جنات جمع ہو کر اس بات پر آمادہ ہوں کہ اس قرآن کی طرح کا اور کلام بنالائیں تاہم اس جیسا نہیں لاسکتے اگرچہ ان میں سے ایک کی پشت پناہی پر ایک کیوں نہ ہو۔

ایک آیت کی تفسیر میں لکھا ہے "قرآن میں ایک نہیں کئی مقام پر پکار پکار کر سنادیا گیا کہ سب اکٹھے ہو کر ایک ہی سورہ قرآن کی طرح بنالاؤ۔ ہزاروں لاکھوں عرب لوگ اس وقت آنحضرتؐ کے مخالف تھے اور شعر و شاعری اور فصاحت و بلاغت کا دم

بھرے تھے۔ مگر لاکھ جتن کیے ایک مختصری سورہ بھی دوسرا نہ بن سکی۔ پھر اس زمانے کو جانے دو۔ چودہ سو برس ہوتے ہیں کہ قرآن کے مخالفین لاکھوں اور کروڑوں ہر ملک میں گزر گئے مگر کسی سے بھی یہ کام نہ ہو سکا کہ ایک ہی سورہ قرآن کی طرح بنا تا۔ پھر اس سے زیادہ روشن اور عمدہ دلیل کیا ہوگی کہ قرآن اللہ کا کلام ہے" (تفسیر وحیدی صفحہ ۱۱۹)

ما نزلنا علیٰ عبدنا سے کیا مطلب؟

قرآن مجید میں خدا نے دنیا بھر کے لوگوں سے فرمایا کہ:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ــــ (سورہ محمد، آیت ۲۴ وسورہ نساء، آیت ۸۲، وغیرہ)

کیا یہ لوگ قرآن کے مطالب میں غور وفکر نہیں کرتے؟

دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ سختی کا پہلو لیے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰى قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا (سورہ محمد، آیت ۲۴)

کیا لوگ قرآن کے مطالب میں غور وفکر نہیں کرتے؟ کیا (اس کی وجہ یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟

اس وجہ سے ہر شخص کا فرض ہے کہ قرآن مجید کو سرسری طور پہ صرف پڑھا کرے۔ بغیر غور وفکر کیے ہوئے اس کی آنکھوں سے نہ گزر جایا کرے بلکہ اپنی لیاقت کے مطابق ہر لفظ پر غور کیا کرے۔ اپنی قابلیت کے موافق ہر مضمون کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اور اپنی استعداد کی حیثیت سے اس کی باریکیوں اور نکتوں تک پہنچنے کی جدوجہد سے باز نہ رہے۔ ہم نے جو پہلی آیت نقل کی اس میں بھی سوچنا چاہیے کہ خدا نے ما نزلنا کیوں فرمایا؟ فی ھذا الکتاب (اس کتاب میں) کیوں نہیں کہا؟ فی القرآن (قرآن مجید میں) کیوں نہیں ارشاد کیا؟ خدا کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اس کی کوئی بات مصلحت سے الگ نہیں ہو سکتی اس کا کوئی کلام بے سبب نہیں ہو سکتا اب وہ کیا وجہ ہے کہ خدا نے مذکورہ بالا آیت میں نہ کتاب کی لفظ لکھی۔ نہ قرآن کا ذکر کیا۔ نہ فرقان کا استعمال کیا حالانکہ قرآن مجید میں اس کو کئی جگہ کتاب سے یاد فرمایا ہے۔ کئی جگہ قرآن کہا ہے کئی جگہ فرقان لکھا ہے۔ اگر یہاں بھی صرف قرآن مجید کے متعلق یہ تحدی ہوتی تو صاف صاف فرما دیتا: ان کنتم فی ریب فی ھذا الکتاب اگر تم کو اس کتاب میں کوئی شک ہو۔ یا ان کنتم فی ریب من القرآن اگر تم کو قرآن میں کوئی شک ہو۔ اور اس کی غرض پوری ہو جاتی۔ سب لوگ سمجھ جاتے کہ خدائے کریم صرف قرآن مجید کے معجزہ ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔ لیکن ایسی عبارت سے بچنا اور عام لفظ ما نزلنا علیٰ عبدنا (ہم نے اپنے بندے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو نازل کیا ہے) کا اختیار کرنا پتا دیتا

ہے کہ خدا کی غرض صرف یہ نہیں ہے کہ محض قرآن ہی معجزہ ہے۔ اگر یہ مقصود ہوتا تو حضرت رسول خداؐ کی مشہور حدیث ثقلین انی تارك فیکم الثقلین غلط ہو جاتی کیونکہ اس میں خدا ہی کے حکم سے حضرت رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا ہے:

انی تارکٌ فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا بعدی احدُھما اعظم من الآخر کتاب الله حبلٌ ممدودٌ من السماءِ الی الارض و عترتی اھلُ بیتی و لن یتفرقا حتیٰ یردا علیّ الحوض فانظروا کیف تخلُفونی فیھما۔ رواہ الترمذی۔ (مشکوۃ جلد ۸ صفحہ ۳۲)

بہ تحقیق میں تم لوگوں میں دو چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ جب تک تم اس کی پیروی کرتے رہو گے ہر گز میرے بعد گمراہ نہیں ہو گے۔ اس چیز کا ہر جزو دوسرے جزو سے بڑا ہے۔ ایک خدا کی کتاب جو آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی رسی ہے۔ اور دوسرا جزو میری اولاد جو اہل بیتؑ ہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے ہر گز جدا نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں اب دیکھو تم لوگ میرے بعد ان سے کیسا برتاؤ کرتے ہو۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور اہل بیتؑ ایک دوسرے سے ہر گز جدا نہیں ہوں گے۔ اس جدا نہ ہونے سے کیا مطلب؟ کیا دونوں کا ہر طرح ساتھ اور ایک درجہ میں رہنا نہیں واضح ہوتا؟ دونوں ہر زمانے میں ساتھ رہیں گے۔ دونوں ہر جگہ ساتھ رہیں گے دونوں ہر کام میں ساتھ رہیں گے۔ دونوں ہر درجے میں ساتھ رہیں گے۔ دونوں ہر فضیلت میں ساتھ رہیں گے۔ دونوں ہدایت میں ساتھ رہیں گے۔ دونوں تعلیم میں ساتھ رہیں گے۔ دونوں تبلیغ میں ساتھ رہیں گے۔ دونوں اسلام کا بے مثل و نظیر معجزہ ہونے میں ساتھ رہیں گے۔ دونوں ایمان کی زبردست آیت ہونے میں ساتھ رہیں گے۔ اور دونوں خدا کی ہر خدمت انجام دینے میں ساتھ رہیں گے۔ اسی مطلب کو حضرت رسول خداؐ نے اپنی دوسری حدیثوں میں بھی بار بار ارشاد فرمایا تھا جن میں اگر غور کیا جائے تو صاف نتیجہ نکلے کہ: ما نزلنا علیٰ عبدنا سے خدا کی مراد صرف قرآن مجید (جو قرآن صامت ہے) نہیں ہے بلکہ حضرت علیؑ بھی ہیں (جو قرآن ناطق ہیں) مثلاً:

عن اُم سلمة قالت سمعت رسول الله یقول علیٌّ مع القرآن والقرآن مع علی لا یفترقان حتیٰ یردا علیّ الحوض۔ (صواعق محرقہ باب ۱۱ رفصل ۲، صفحہ ۱۰۶))

حضرت رسولؐ کی محترم بی بی ام سلمہ فرماتی تھیں کہ میں نے سنا حضرت رسول مقبول صلعم فرماتے تھے کہ علیؑ قرآن کے ساتھ رہیں گے اور قرآن بھی ہمیشہ علیؑ کے ساتھ ہی رہے گا۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔

اس وقت دنیا میں ہزاروں کتابیں ایسی ہیں جن میں حضرت رسول خدا صلعم کی حدیثیں اس کثرت سے بھری ہوئی ہیں جن کا شمار کرنا دشوار اور جن سب کا ایک آدمی کی نظر سے گزرنا مشکل ہے۔ سب کو دیکھ جاؤ اس قسم کی کوئی حدیث حضرت نے نہ اپنی بی بیوں کے بارے میں فرمائی نہ اپنے صحابہ کے متعلق نہ ان خاص لوگوں کی شان میں جو حضرت کے پہلے دوسرے اور تیسرے خلیفہ سمجھے گئے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اہل بیتؑ اور قرآن کے بارے میں یا قرآن اور حضرت علیؑ کے متعلق ایسے کلام ارشاد فرمائے جن سے مثل آفتاب روشن ہوتا ہے۔ کہ قرآن اور اہل بیتؑ یا قرآن اور حضرت علیؑ کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ جس طرح کاغذ کا ایک ورق لو اس کی ایک طرف پہلا صفحہ اور دوسری طرف دوسرا صفحہ ہوگا بالکل اسی طرح ہدایت کے ایک ورق قرآن اور اہل بیتؑ یا قرآن اور حضرت علیؑ ہیں کہ ایک صفحہ قرآن ہے دوسرا صفحہ اہل بیتؑ یا ایک صفحہ قرآن ہے اور دوسرا صفحہ جناب امیر علیہ السلام۔ اسی وجہ سے حضرت رسول خدا صلعم نے جناب امیرؑ کے بارے میں وہ مشہور حدیث بھی فرمادی جو نہ اپنی کسی بی بی کے متعلق فرمائی۔ نہ کسی صحابی کی شان میں نہ کسی ایسے شخص کیلئے جس کو آنحضرت کا پہلا اور دوسرا خلیفہ سمجھا گیا۔ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تک نے تسلیم کرلیا ہے کہ:

حدیث دہم: رحم اللہ علیاً اللھم ادر الحق معہ حیث دار

این حدیث را نیز اہل سنت علی الراس والعین قبول دارند (تحفۂ اثنا عشریہ باب ہفتم صفحہ ۲۲۳)

دسویں حدیث یہ ہے کہ خدا علیؑ پر اپنی رحمتیں برابر نازل کرتا رہے۔ اے خدا تو حق کو ہر اس طرف پھیرتا رہ جس طرف علیؑ پھریں۔ اس حدیث کو بھی اہل سنت اپنے سر اور آنکھوں پر رکھتے اور دل سے قبول کرتے ہیں۔

یہ امر قابل غور ہے کہ اس حدیث مبارک سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو کتنی بڑی ہدایت کی ہے۔ اور خدا سے دعا کرکے جناب امیرؑ کی شان کتنی اونچی فرمادی ہے۔

حضرت کا درجہ قرآن مجید سے بڑھ گیا ہے:

کیونکہ حضرت نے یہ نہیں فرمایا: اللھم ادر علیاً مع الحق حیث دار۔

"اے خدا تو علیؑ کو برابر حق کے ساتھ پھیرتا رہ جس جس طرف حق پھرے" بلکہ حق ہی کے بارے میں دعا فرمائی کہ جس جس طرف علیؑ پھریں اس طرف تو حق کو بھی پھیرتا رہ۔ ان دونوں باتوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ اگر خدا یہ فرماتا کہ علیؑ کو حق کے ساتھ پھیر تو اس سے شبہ ہوتا کہ حضرت علیؑ کبھی حق کی طرف ہوں گے اور کبھی باطل کی طرف ہوجائیں گے۔ خدا سے وہی بات سوال کی جاتی ہے جو ہوتی نہیں یا جو ہوتی ہے مگر اس کے زائل ہوجانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لیکن حضرت امیر المومنینؑ کا

حق سے ایک سکنڈ کے لئے بھی جدا ہونا محال تھا۔ تو حضرت رسولؐ بھی یہ عبث فعل کیوں کرتے ؟ حضرت تو اس درجہ حق کے موافق تھے کہ اس سے علیحدہ ہونے کا تصور بھی کسی کو نہیں ہوسکتا۔ جس طرح حضرت رسول خداؐ اپنی پیدائش سے وفات تک ۶۳ سال کی عمر میں ایک سکنڈ کے لئے بھی حق سے الگ نہیں ہوئے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی باطل کی نسبت حضرت کی طرف نہیں ہوسکتی۔ بال برابر بھی آپ کا قدم حق سے نہیں ہٹا بالکل اسی طرح حضرت کے نفس جناب امیر المومنین علیہ السلام بھی آنکھ جھپکنے تک کے لئے حق سے جدا نہیں ہوئے۔ اور کیوں نہ ہو کہ خدا نے حضرت رسول خداؐ اور جناب امیر المومنین علیہ السلام کو مسئلہ حق میں ایک ترازو پر رکھا ہے۔ نور میں بھی دونوں ایک حق میں بھی ایک اور ہدایت میں بھی ایک۔

حضرت علی علیہ السلام کا نفس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونا:

چنانچہ خدا نے تو جناب امیرؑ کو قرآن مجید میں نفس رسولؐ فرمایا ہی ہے خود حضرت رسول خداؐ نے بھی اس کا اعلان کر دیا ہے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے حضرت سے پوچھنا شروع کیا کہ آپ کو سب سے زیادہ کس کی محبت ہے؟۔ جو مناسب سمجھا، حضرت نے جواب دیا۔ لوگوں نے بہت سے سوالات کئے مگر حضرت صلعم نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ کو علیؑ سے بہت زیادہ محبت ہے۔ تب اس صحابی نے کیا کیا؟ سننے کے قابل سوال و جواب ہے:

قلت یا رسول اللہ فاین علی فالتفت الی اصحابہ فقال ان ھذا ینسائی عن النفس۔ (کتاب کنزل العمال جلد۶ صفحہ ۴۰۰)

میں نے عرض کی اے خدا کے رسولؐ پھر حضرت علیؑ کیا ہوئے؟ کیا آپ کو ان کی محبت سب سے زیادہ نہیں ہے؟ اس سوال کو سن کر حضرت اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا (اس صحابی کی عقل کو دیکھتے ہو) یہ مجھ سے میرے نفس ہی کے بارے میں سوال کر رہا ہے (کہ وہ سب سے زیادہ مجھے پیارا ہے یا نہیں)

حضرت رسول خداؐ نے اپنے اس جواب میں بلاغت کو حد درجے پر پہنچا دیا کہ بار بار سوال پر بھی یہ نہیں فرمایا کہ علیؑ کو میں سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں کیونکہ وہ تو حضرت کے نفس ہی تھے۔ ان کے بارے میں کسی کو پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کوئی صاحب عقل کسی سے یہ سوال کر ہی نہیں سکتا کہ آپ کو آپ کا نفس سب سے زیادہ محبوب ہے یا نہیں؟ اسی طرح علیؑ کے بارے میں بھی یہ نہ پوچھو کیونکہ وہ تو حضرتؐ کے نفس ہی تھے۔

مختصر یہ کہ خدا نے جو فرمایا ہے **ما نزلنا علی عبدنا**۔ اس سے صرف قرآن مجید مراد نہیں ہوسکتا بلکہ قرآن اور اہل بیتؑ خاص کر جناب امیرؑ بھی مراد ہیں۔

جناب امیرؑ قرآن ناطق اور قرآن مجید قرآن صامت ہے:

علاوہ بریں جناب امیر علیہ السلام تو خود بھی قرآن مجید ہیں بلکہ اس سے بھی بڑے ہوئے۔ ہم نہیں کہتے بلکہ حضرت نے خود ہی فرمادیا ہے۔ اور اس کے نقل کرنے والے بڑے بڑے علماء اہل سنت اور پیشوایان اسلام ہیں۔ حضرات اہل سنت کے پیشوائے اعظم جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی تک ایسے محقق و علامہ دہر نے بھی لکھ دیا ہے جو جناب تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے والد ماجد تھے۔

حضرت مرتضیٰ فرمود کہ این قرآن قرآن صامت است و من قرآن ناطقم

(ازالۃ الخفاء جلد اول صفحہ ۱۵۳)

حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ نے فرمادیا ہے کہ (تمہارے ہاتھوں میں) یہ جو قرآن مجید ہے یہ قرآن صامت (خاموش کلام خدا) ہے اور میں قرآن ناطق (بولتا ہوا کلام خدا) ہوں۔

حضرت علیؑ میں سورے کہاں ہیں؟

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ خدا نے تو سب لوگوں سے فرمایا ہے کہ اگر قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے میں تم کو شک ہو تو اس کے ایک ہی سورہ کا مثل بھی بنا لاؤ۔ مگر ما نزلنا علیٰ عبدنا سے مراد حضرت علیؑ ہی ہوں تو کہنا پڑے گا کہ قرآن مجید کی طرح حضرت میں بھی بہت سے سورے تھے اور حضرت کے کسی ایک سورہ کا جواب بھی نہیں ہو سکتا۔ تو اس شبہ کے رفع کرنے کیلئے یہ بات ہے کہ قرآن مجید کے سوروں سے مراد اس کے کاغذ کے ٹکڑے تو نہیں ہیں بلکہ وہ حصے ہیں جن میں احکام خدا اور مطالب ہدایت و ارشاد درج ہیں۔ اسی طرح جناب امیر علیہ السلام کے قرآن ناطق ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت کے جسم مبارک کے ٹکڑے حضرت کے سورے ہیں بلکہ حضرت کی وہ طاقتیں ہیں جو اسلام کی حمایت میں صرف ہوئیں۔ حضرت کی وہ دماغی قابلیت ہے جس سے دین حق کی اشاعت ہوئی۔ حضرت کے وہ علمی کمالات ہیں جو فیوض و افادات قرآن مجید کی طرح آج تک بے مثل و بے نظیر ہیں۔ حضرت کی وہ روحانی طاقتیں جو انبیاء و مرسلین کے سوائے کسی میں دیکھی ہی نہیں گئیں حضرت کی عبادت و ریاضت کے وہ نمونے ہیں جو آج تک کسی میں موجود نہ دیکھے اور نہ سنے گئے۔ حضرت کے وہ فضائل و مناقب ہیں جو لاکھوں طاقتور انسانوں کی مساعی محو و اخفاء کے بعد بھی آفتاب کی طرح چمک رہے ہیں۔ حضرت کی وہ جلالت قدر ہے جس نے نہ معلوم کس کثرت سے لوگوں کو ایسا مبہوت کر دیا کہ وہ یہ تک نہیں سمجھ سکے کہ حضرت بشر ہیں یا خدا۔ غرض خدائے علیم و حکیم نے جس طرح قرآن کے بارے میں

دنیا بھر کے لوگوں سے تحدی فرمائی ہے کہ اگر اس کے بارے میں تم کو کوئی شک وشبہ ہو تو اس کے کسی سورہ کا مثل تم بھی پیش کر دو۔ بالکل اسی طرح قرآن ناطق حضرت امیر المومنین کے بارے میں بھی سب لوگوں سے تحدی فرمائی ہے کہ اگر ان کے درجہ ومرتبہ کے بارے میں تم کو کوئی شک وشبہ ہو تو ان کا مثل ونظیر بتاؤ کون تھا یا کون ہے۔ اگر ان کا پورا مثل نہیں بتا سکتے تو ان کے کمالات کے کسی حصے ہی کا مثل ونظیر پیش کرو۔

مثلاً بتاؤ: (۱) حضرت علیؑ ایسی فضیلتیں کس کو حاصل ہوئیں؟، (۲) جس طرح حضرت کا ذکر داخل عبادت ہے اسی طرح کسی اور شخص کا ذکر بھی داخل عبادت ہو سکا تو بتا دو؟، (۳) جناب امیرؑ کی شان میں جو احادیث وارد ہیں ویسی حدیثیں کسی کے بارے میں بھی کہیں دکھا سکتے ہو؟ (۴) جناب امیرؑ کی مانند کسی نے بھی اکتساب فضائل کیا؟، (۵) کیا فضائل ومناقب میں پہلے لوگ جناب امیرؑ سے سبقت لے گئے یا پچھلے لوگ ان تک پہنچ سکے؟، (۶) کیا جناب امیرؑ کے فضائل لا تحصی نہیں ہیں؟ پھر اور کسی شخص کے فضائل بھی لا تحصی ہیں؟ (۷) جناب امیرؑ کا جو روحانی حلیہ ہے وہ اور کسی کا بھی ہے؟ (۸) جس طرح جناب امیرؑ کل مدارج فضل کے جامع تھے کوئی اور بھی تھا؟ (۹) جناب امیرؑ کے جیسے فضائل نفسانیہ تھے ویسے کسی اور کے بھی ہوتے؟ (۱۰) جیسے فضائل علمیہ جناب امیرؑ کے تھے کسی اور کے بھی ہوتے؟ (۱۱) جس طرح جناب امیرؑ سب صحابہ سے اعلم تھے اور بھی کوئی تھا؟ (۱۲) جناب امیرؑ کو جیسا علم بالقرآن تھا اور بھی کسی کو حاصل ہوا؟ (۱۳) جناب امیرؑ کو تورات وانجیل کا جیسا علم ملا تھا اور کسی کو بھی میسر ہوا؟ (۱۴) جناب امیرؑ کو علم تفسیر قرآن جیسا تھا اور کسی کو بھی نصیب ہوا؟ (۱۵) جناب امیرؑ کا علم قراۃ جیسا تھا اور کسی کو بھی ہوا؟ (۱۶) جناب امیرؑ کے ایسا علم حدیث کسی کو بھی تھا؟ (۱۷) حضرت علیؑ ایسا علم فقہ کسی کا بھی ہو سکا؟ (۱۸) جناب امیرؑ ایسا علم فرائض کسی کو بھی حاصل ہوا؟ (۱۹) جناب امیرؑ کا اصول دین میں جیسا علم تھا اس تک کسی کی بھی رسائی ہو سکی؟ (۲۰) جناب امیر المومنینؑ کا علم کلام جس اعلیٰ درجے پر پہنچ چکا تھا وہاں کسی اور کا بھی پہنچا؟ (۲۱) جناب امیرؑ کا جو علم تصوف تھا وہ کسی اور کا بھی تھا؟ (۲۲) حضرت کا جیسا علم نحو تھا کسی اور کا بھی ہوا؟ (۲۳) حضرت امیر المومنینؑ ایسا علم فصاحت کسی کا بھی ہو سکا؟ (۲۴) جناب امیرؑ کی کتاب مستطاب نہج البلاغہ ایسی کتاب کسی کی بھی ہوئی؟ (۲۵) جناب امیرؑ ایسا علم شعر کسی کا تھا؟ (۲۶) جناب امیرؑ میں جیسی حاضر جوابی تھی اس کی مثال کہیں مل سکتی ہے؟ (۲۷) جناب امیرؑ کے علم کتابت کا کوئی بھی مقابلہ کر سکتا ہے؟ (۲۸) جناب امیرؑ کے علم تعبیر خواب کا جواب کوئی پیش کر سکتا ہے؟ (۲۹) جناب امیرؑ کے علم جفر وجامع کی مثال کہیں مل سکتی ہے؟ (۳۰) جناب امیرؑ کے علم حساب کی نظیر کہیں دکھائی دیتی ہے؟ (۳۱) حضرت امیر المومنینؑ کے علم ہیئت ایسا علم کسی کو مل سکا؟ (۳۲) حضرت علیؑ کے عملی فضائل کا مقابلہ کوئی کر سکا؟ (۳۳) جناب امیرؑ کے زہد فی اللباس کی نظیر کہیں دکھائی دیتی ہے؟ (۳۴) جناب امیرؑ ایسا

سادہ فرش کسی نے استعمال کیا؟(۳۵)جناب امیرؑ ایسی ہلکی غذا کسی سے برداشت ہوسکی؟(۳۶)صحابہ رسولؐ میں جناب امیرؑ کے سلسلے صبر کا مقابلہ کوئی کرسکا؟(۳۷)جناب امیرؑ ایسا تقویٰ کہیں دکھائی دیا؟(۳۸)جناب امیرؑ ایسی صفت تواضع کسی میں تھی؟(۳۹)جناب امیرؑ ایسا حسن خلق کہیں مل سکتا ہے؟(۴۰)جناب امیرؑ ایسا وسعت علم کسی میں پایا گیا؟(۴۱)جناب امیرؑ ایسا حسن الملاقات کہیں دیکھا گیا؟(۴۲)جناب امیرؑ ایسی شفقت علی الخلق کہیں نظر آئی؟(۴۳)حال رعایا کے لحاظ کی جو حالت حضرت میں تھی وہ کسی میں بھی سنی گئی؟(۴۴)قیدیوں کے ساتھ جناب امیرؑ کی جو رعایت تھی اس کی مثال کہیں مل سکتی ہے؟(۴۵)جناب امیرؑ میں جس قسم کا ترسّ تھا وہ کہیں دکھائی دیا؟(۴۶)جناب امیرؑ نے حقوق کا اس کی جس درجہ رعایت کی وہ کوئی اور بھی کرسکا؟(۴۷)جناب امیرؑ میں عدل کی صفت جیسی تھی ویسی کسی میں بھی موجود تھی؟(۴۸) جناب امیرؑ میں وصف حیا جیسا تھا ویسا کسی اور میں بھی پایا گیا؟(۴۹)جناب امیرؑ کی آئی غیرت کی نظیر کہیں مل سکتی ہے؟(۵۰)جناب امیرؑ ایسی فراست کسی میں بھی تھی؟(۵۱)جناب امیرؑ کا حافظہ جیسا تھا کسی اور کا بھی تھا؟(۵۲)جناب امیرؑ میں جیسی سرعت فہم تھی کسی اور میں بھی پائی گئی؟(۵۳)جناب امیرؑ کی صداقت میں حضرت کا مقابلہ کون کرسکتا ہے۔(۵۴)جناب امیرؑ کی امامت ایسی صاف امامت کسی کی بھی ہوئی؟(۵۵)جناب امیرؑ کی خلافت ایسی منصوص خلافت کسی کی بھی کہی جا سکتی ہے؟(۵۶)جناب امیرؑ ایسی طہارت کسی کی ہوسکی؟(۵۷)جناب امیرؑ کی عصمت میں کون حضرت کی برابری کا دعویٰ کرسکتا ہے؟(۵۸)جناب امیرؑ ایسی عبادت کس نے کی(۵۹)جناب امیرؑ ایسی نماز کسی کی ہوسکی؟(۶۰)جناب امیر کثرت صوم میں بھی کس درجے بڑھے تھے؟(۶۱)حضرت کی طرح صدقات کس نے دیئے؟(۶۲)حضرت ایسی سخاوت کس سے ظاہر ہوئی؟(۶۳)جناب امیرؑ ایسی مہمان نوازی کون کرسکا؟(۶۴)اصابت رائے میں جناب امیرؑ کے برابر کون ہوسکا؟(۶۵)حسن سلوک جناب امیرؑ ایسا کس میں دکھائی دیا۔(۶۶)جناب امیرؑ کے کرم میں کون آپ کی برابری کرسکا؟(۶۷)جناب امیرؑ کی ریاست میں بھی کوئی آپ کا مثل پیدا ہوا۔(۶۸)جناب امیرؑ کی نصرت دین یعنی جہاد کسی کا بھی ہوسکا؟(۶۹)جناب امیرؑ کے جہاد مع النفس کا مقابلہ کون کرسکا؟(۷۰)جناب امیرؑ کے جہاد بالعدو میں کوئی بھی حضرت کا ہمسر ہوا؟(۷۱)جناب امیرؑ کے جہاد بالدعوت کی نظیر کہیں مل سکتی ہے۔(۷۲)جناب امیرؑ ایسے آداب الحرب کسی نے بھی جانے؟(۷۳)جناب امیرؑ کی شجاعت کسی نے بھی دکھائی؟(۷۴)شب ہجرت جناب امیرؑ نے جو قربانی نفس کی اس کا مقابلہ کوئی کرسکا؟(۷۵)غزوہ عشیرہ میں جناب امیرؑ کی جیسی شجاعت ظاہر ہوئی کسی اور کی بھی ہوسکی؟(۷۶)غزوہ بدر میں حضرت نے جو جہاد کیا وہ اور کوئی کرسکا؟(۷۷)غزوہ احد میں حضرت کے جو کارنامے ہوئے وہ اور کسی کے ہوسکے؟(۷۸)غزوہ خندق میں حضرت نے اسلام کو جس طرح بچایا اور کوئی کرسکا؟(۷۹)غزوہ خیبر میں اسلام کی جو فتح

جناب امیرؑ کے ہاتھوں پر ہوئی کسی اور کو میسر ہو سکی؟ (۸۰) جنگ جمل میں حضرت کی جو بہادری نمایاں ہوئی اس کی مثال کہیں مل سکتی ہے؟ (۸۱) جنگ صفین میں جیسی کامیابی جناب امیرؑ کو ہوئی کسی کو بھی ہو سکی؟ (۸۲) جنگ نہروان میں حضرت کی جیسی شجاعت دکھائی دی کسی کی بھی نظر آئی؟ (۸۳) جناب امیرؑ نے اپنے ہاتھ سے جس تعداد میں خدا کے دشمنوں کو قتل کیا کوئی اور کر سکا؟ (۸۴) جناب امیرؑ ایسے جسمانی فضائل کسی کو بھی ملے؟ (۸۵) جناب امیر ایسا حسن صورت کسی میں بھی تھا؟ (۸۶) جناب امیرؑ کا جیسا جسمانی حلیہ مبارکہ تھا کسی اور کا ہو سکا؟ (۸۷) جناب امیرؑ کی قوت بدن ایسی طاقت کسی بدن میں بھی تھی؟ (۸۸) جناب امیرؑ کے جو خارجی فضائل تھے کسی اور میں بھی پائے گئے؟ (۸۹) جناب امیرؑ کا جو عالی نسب نامہ تھا کسی اور کا بھی تھا؟

ہم کہاں تک لکھتے جائیں اسی طرح حضرتؑ کی سینکڑوں خصوصیات و امتیازات ہیں۔

اہلسنت کے ایک عالم جلیل کی رائے:

مذکورہ بالا ۹۰ صفات کی فہرست بھی ہم نے خود نہیں پیش کی نہ کسی شیعہ کتاب سے نقل کی ہے بلکہ زمانہ حال میں حضرات اہل سنت کے ایک جلیل القدر عالم نے اپنی کتاب ارجح المطالب کے صفحہ الف و ب میں جو فہرست لکھی ہے اسی سے لی ہے۔ یہ کتاب تیسری مرتبہ محرم ۱۳۴۰ھ میں مطبع کریمی لاہور میں چھپی ہے۔ اس پر اس کے لکھنے والے عالم جلیل کا نام نامی اس طرح شائع ہوا ہے "مولفہ و مرتبہ سند المحققین، علامہ فطین، فاضل عدیم السہیم، مقتدائے اہل اللہ جناب مولانا مولوی عبید اللہ صاحب بسمل امرتسری سابق رجسٹرار کتب خانہ سرکار رام پور دامت اقبالہ۔ چونکہ مولوی صاحب موصوف نے اپنی کتاب میں جو تمہید لکھی ہے اس سے بھی جناب امیرؑ کے قرآن مجید کی طرح اسلام کے بے مثل و نظیر معجزہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے اس وجہ سے اس کا نقل کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ممدوح نے لکھا ہے: "امابعد الراجی الی رحمۃ ربہ المتعال اصغر العباد عبید اللہ بن مظہر جمال المتخلص بہ بسمل امرتسری محبان اہل بیت کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ جس زمانے میں میں ریاست رام پور کے کتب خانہ کی خدمت رجسٹراری پر مامور تھا مجھ سے ایک میرے ہم خیال مہربان نے ارشاد کیا کہ متقدمین نے جناب امیر علیہ السلام کے مناقب کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے جس سے عربی زبان کے جاننے والے ہی پورے فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ نہ یہ کتابیں عام طور پر دستیاب ہو سکتی ہیں اور نہ عوام ان سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ ماسوا اس کے ان کتابوں میں ہر ایک حدیث کا سلسلہ سند جو اس حدیث کی صحت اور سقم کا معیار ہے اس قدر طول و طویل ہے کہ نا آشنائے فن کی طبیعت اس کو پڑھ کر اکثر الجھتی ہے اگر اسناد کو حذف کر کے صرف متون احادیث کا اردو زبان میں ترجمہ کیا جائے تو زمانہ حال کے عوام لوگ اس سے بہت کچھ اپنے الجھے ہوئے عقائد کو سلجھا سکتے ہیں۔

مجھے اس وقت کتب خانہ کے آئے دن کی پیچیدگیوں سے دم بھر کی مہلت نہیں ملتی تھی تاہم میں نے اپنے ہم مشرب مہربان کے ارشاد سے سرتابی کی مجال نہ دیکھی گو چھوٹا منہ اور بڑی بات تھی لیکن بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا کہہ کر میں نے اپنی ٹوٹی پھوٹی کشتی کو اس پر امواج کی منجدھار میں چھوڑ دیا۔ اگر چہ بلا مبالغہ کے سوا لاکھ بہت سے موانع پیش آئے اور اس کار خیر میں مزاحمت کرنے والوں نے اپنی طینت کی خوبی کو ظاہر کیا مگر میں لاعلاج اپنے کام میں مصروف رہا۔ بجائے اس کے کہ کوئی محب اہل بیتؑ شریک ہو کر میرا ہاتھ بٹاتا اور رواں حسنات ہوتا از دست اپنی مخالفت سے میرے دل کو دکھاتا تھا۔ مگر مجھے اپنے کام سے کام تھا۔ نہ کسی کی مخالفت کی پروا تھی اور نہ اپنی کم استعدادی کا مطلق خیال تھا۔ جس وقت کہ اپنے فرض منصبی کو انجام دے چکا اس کو ڈھونڈ کر اپنے سامنے لے بیٹھتا۔ انہیں دنوں میں مجھے عظیم آباد پٹنہ (صوبہ بہار) کا سفر پیش آیا اور رضا بخش خاں صاحب کے کتب خانہ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ پھر لکھنؤ آ کر دہلی وغیرہ کتب خانوں کی سیر کرتا پھرا۔ غرض کہ جس دروازہ سے جو بھیک کا ٹکڑا ملا اس سے اپنے کشکول گدائی کو بھر لیا۔ اس میں جستجو کے پیچیدہ استدلال ہیں اور نہ فلسفیانہ نازک خیال ہیں۔ نہ کسی مذہب پر کوئی اعتراض کیا ہے اور نہ کسی اعتراض کا جواب دیا ہے۔ اگر کچھ ہے تو خدائے بے نیاز کی مقدس کتاب سے چند آیتیں یا پیغمبر آخر الزمانؐ کی چند حدیثیں یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار یا ائمہ حدیث رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال یا کچھ تاریخی واقعات یا مشہور اصحاب علیہ السلام کے حالات ہیں۔ احادیث کی سندوں کو بنظر اختصار حذف کیا گیا ہے۔ تاکہ کتاب کا حجم نہ بڑھ جائے اور پڑھنے والے کی طبیعت بھی لگی رہے۔ ہر ایک حدیث کی ابتدا میں صحابہ یا تابعین میں سے اس حدیث کے راوی اول کے نام پر۔ اور اختتام حدیث میں اس کی تخریج کرنے والے محدث کے نام پر اختصار کیا گیا ہے۔ اور اردو زبان میں اس کا مفہوم ترجمہ کر دیا ہے۔ جہاں تک ہو سکا ہے۔ حدیث کے نقل کرنے میں صحت کے خیال کو مد نظر رکھا ہے۔ لیکن اکثر کتابیں قلمی تھیں جن کے حروف بہت جگہ سے مشکوک اور محکوک تھے۔ اس وجہ سے اگر نقل کرنے میں غلطی واقع ہو گئی ہو تو میں خدا سے اس کی معافی کا خواستگار ہوں اور ناظرین سے تصحیح کی استدعا کرتا ہوں۔

مولف کی غرض اس تالیف سے مصنفین کی قطار میں شمار ہونے کی نہیں صرف اہل بیت علیہم السلام کی جناب میں اپنی عقیدت کا اظہار ہے۔ نہ کسی سے صلہ کی توقع ہے نہ انعام کی آرزو ہے۔ رب العزت کی جناب سے عفو تقصیرات کا صلہ چاہتا ہوں اور اہل بیتؑ کی درگاہ سے اپنے گناہوں کی شفاعت کا انعام مانگتا ہوں۔ ہاں اگر احباب میری لغزشوں سے قطع نظر کر کے دعائے خیر سے یاد فرمادیں تو ان کی قدردانی ہے۔

احقرالوری   انا   احسنت   امرأ

فان اخطات ایتونی صلاحاً

خواہ مجھے کوئی شیعہ کہے یا سنی میرا مذہب تو یہ ہے۔

پاس ادیم بہر چہارست لیکن بہ علیؑ ہزار کارست

میں اپنے مولا کی محبت میں مست ہوں، شیعہ سنی کی رد و قدح کا موازنہ نہیں کر سکتا۔ میں نے سوانح عمری کے پیرایہ میں جناب امیرؑ کے فضائل و مناقب کو جمع کیا ہے اور لوگوں کو اس مظہر العجائب کے روحانی اور جسمانی اور اخلاقی اوصاف کا مرقع کھینچ کر دکھایا ہے۔ اگر حسن عقیدت سے قطع نظر کر کے تھوڑی دیر کے لئے نظر انصاف سے بھی دیکھا جائے

جناب امیرؑ کا کیا درجہ تھا:

تو ناظرین کو رائے قائم کرنے کا بہ خوبی موقع مل سکتا ہے کہ جس جلیل الشان اسلامی پیرو کا یہ فوٹو لیا گیا ہے وہ صرف مذہبی پیشوا ہی نہیں بلکہ سلطنت کے تاریخی آسمان کا آفتاب ہے۔ دنیا میں جتنے مشاہیر گزرے ہیں اور جن کی سوانح عمریاں آب زر سے لکھی گئی ہیں ان میں سے جناب امیرؑ ایسے فرد الافراد ہیں کہ ہر طبقہ کے مشاہیر میں سر آمد نظر آتے ہیں۔ مجمع سلاطین میں آپ جلال الٰہی کا تاج سر پر رکھے ہوئے ایک عظیم الشان سلطان ہیں۔ کہ جن کے دربار میں قیصر و کسریٰ کے سفیر دست بستہ نہایت ادب سے سر نیچے کئے ہوئے خاموش استادہ ہیں معرکہ کارزار میں آپ ایسے یکہ تاز شہسوار ہیں کہ آستین چڑھا کر عمرو و مرحب جیسے عرب کے رستم زادوں کو پچھاڑ کر ان کے سینے پر چڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔

منبر پر آپ ایک شیوہ زبان اسپیکر ہیں کہ فصحاء عراق و بلغاء عرب آپ کے خطبہ کی فصاحت سے جوش میں آ کر کچھ پوچھنے کیلئے اٹھتے ہیں اور پھر بے خود بت بن کر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔

علم و فضل کی درگاہ میں آپ ایک طلیق اللسان پروفیسر ہیں کہ انبیائے بنی اسرائیل کی شریعت کے رموز کو یونانی فلسفہ کے ساتھ بنی اسرائیل کی زبان میں بیان فرما رہے ہیں۔

غرض کہ مسند فقر پر آپ ایک منکسر المزاج فقیر ہیں۔ اور چار بالش امارت پر آپ ایک ذی شوکت امیر ہیں۔ اگر عدالت میں آپ نوشیرواں ہیں تو شجاعت میں رستم داستاں ہیں اگر سخاوت میں آپ حاتم نوال ہیں تو شہامت میں کیخسرو مثال ہیں۔

ایسے صفات متضاد کا بشر ابو البشر کی اولاد میں پیدا نہیں ہوا اور ایسے اوصاف متقابلہ کا آدمی جناب آدم کی ذریت میں ہویدا نہیں ہوا۔ انہیں صفات متضادہ اور اوصاف متقابلہ کو دیکھ کر نصیریہ نے آپ کو خدا جانا اور صوفیہ نے خدا جانے کیا جانا۔ مگر سچ تو یہ ہے۔

ذات حیدری کو کوئی کیا جانے یا نبی جانے یا خدا جانے

میری بساط ہی کیا تھی میں ایسے اہم مطالب کا بیڑا اٹھاتا؟ مگر شوق نے دل کو ایسا گدگدایا کہ بے تاب کر دیا۔ ہر چند کہ میں اس دریا میں تیرنے کے لائق نہیں تھا مگر امید نے سہارا دیا اور اس سہارے سے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔

میں اپنے امامیہ احباب سے نہایت شرمسار ہوں کہ میں اس تالیف میں ان کی کتابوں سے اخذ مطالب میں قاصر رہا ہوں۔ اور حضرات اہل سنت و جماعت کی کتب حدیث پر ہی اس کتاب کی تدوین کا مدار رکھا ہے۔ اس لئے اہل سنت و جماعت کے ائمہ حدیث رحمۃ اللہ علیہم کے اسمائے مبارک کی ایک فہرست مع ان کے سنہ وفات کے دیباچہ میں درج کر دی ہے"۔ (ارجح المطالب صفحہ ۱ و ۲ و ۳)

مذکورہ بالا پوری عبارت جناب مولوی عبید اللہ صاحب امرتسری ہی کی ہے۔ جو حضرات اہل سنت کے اتنے بڑے عالم اور مذہبی پیشوا تھے جو ریاست رام پور کے عظیم الشان کتب خانہ کے عہدہ جمعداری پر فائز کئے گئے تھے۔ ان کے ہر حرف کو پڑھا جائے جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ہم نے شروع سے اب تک جو لکھا وہ صرف ہماری رائے نہیں ہے بلکہ انصاف پسند اور جلیل القدر علماء اہل سنت بھی یہی کہتے ہیں اور اپنی کتابوں میں لکھ کر چھپوا کر اور شائع کر کے ہر مسلمان تک پہنچانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ مذکورہ بالا عبارت میں ممدوح نے صاف لکھ دیا ہے کہ ایسے صفات متضادہ کا بشر ابو البشر کی اولاد میں پیدا نہیں ہوا" اور ہم کہتے ہیں کہ سوائے حضرت رسول خدا محمد مصطفیٰؐ کے حضرت امیر المومنینؑ ایسا کوئی شخص حضرت آدمؑ سے اس وقت تک پیدا نہیں ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہو سکتا ہے علماء اسلام کا کیا ذکر ہے۔ انصاف پسند عیسائی محققین بھی برابر یہی کہتے رہتے ہیں۔

فضیلت کی بحث:

جناب امیر علیہ السلام کے کمالات کی جو فہرست ہم نے کتاب ارجح المطالب سے اوپر نقل کی ہے ان کمالات کو تفصیل سے ذکر اور ہر فضیلت کے متعلق صحیح حدیثیں بیان کرنے کے پہلے ممدوح نے ایک مقدمہ فضیلت کی بحث میں بھی لکھا ہے جس میں تحریر کیا ہے کہ فضیلت کے معنی ہیں ترجیح ایک شخص کی دوسرے پر باعتبار کسی خاص صفت کے یا بوجہ مجموعہ صفات مختلفہ کے کیونکہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ زید افضل ہے عمرو سے تو اس سے کبھی یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ زید کو ہر طرح سے ہر قسم کے صفات میں عمرو پر رجحان حاصل ہے یعنی جس صفت میں کہ زید و عمرو کا موازنہ کیا گیا ہے۔ زید ہی کا پلہ بھاری نکلا ہے اس لئے بعض نے افضل کی یہ تعریف کی ہے الاجمع لمزایا الفضل والخلال الحمیدہ یعنی افضل وہ ہے جو ہر طرح کی فضیلت اور ہر قسم کے اوصاف حمیدہ کی مزیت کا جامع ہے۔ تمام قسم کے علوم سے اس کی جان آراستہ اور ہر طرح کے عبادات اور اخلاق فاضلہ اور شرافت حسب

ونسب سے اس کا درجہ پیراستہ ہو۔اور کبھی کل صفات کے باہم موازنہ کا خیال نہیں پیدا ہوتا بلکہ کسی خاص صفت میں افضل ہونا مراد ہوتا ہے۔یعنی اگر چہ اور صفات میں عمرو کو ترجیح ہو لیکن ایک خاص صفت میں زید ہی کو رجحان حاصل ہے۔اس لئے بعض نے افضل کی تعریف اکثر ثوابا من عند اللہ بما کسب من خیر کے لفظوں سے کی ہے۔یعنی زیادہ ثواب حاصل کرنے والا خدا کے نزدیک بذریعہ حاصل کرنے نیکی کے یعنی جس کو خدا کے نزدیک زیادہ ثواب حاصل ہو وہی افضل ہے۔اگر چہ دوسرے امور میں وہ دوسروں سے گھٹ کر ہو۔

(۱)اب جاننا چاہئے کہ فضیلت دو قسم پر ہے:ایک اختصاصی۔دوسرے جزئی۔فضیلت اختصاصی وہ ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ محض اپنے کرم عمیم سے کسی شخص کو یا کسی چیز کو بغیر سابقہ کسی عمل یا کسی عبادت کے عطا فرمائے اور اس کو اس کے ہم جنسوں پر ترجیح بخشے جیسے کہ ناقہ صالح کو تمام اونٹوں پر اور کعبۃ اللہ کو تمام روئے زمین کی مساجد پر فضیلت عطا کی ہے۔کبھی اس فضیلت کی وجہ انسان کی عقل میں آسکتی ہے اور کبھی نہیں آتی چنانچہ دوسرے مقامات پر مسجد کی زمین کی وجہ فضیلت اس کا محل عبادت ہونا خیال کیا جاتا ہے۔اور اس کی وجہ محض عنایت الٰہی ہی معلوم ہوتی ہے جیسے کہ حجر الاسود کی فضیلت دوسرے احجار پر۔اس کی وجہ دریافت کرنے سے عقل انسانی قاصر ہے۔اس فضیلت اختصاصی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ایک اصلی جیسے حجر الاسود کی فضیلت۔دوسری طفیلی،چنانچہ وہ مینڈھا جو جناب اسماعیلؑ کا فدیہ ہوا ہے۔حضرت اسماعیلؑ کے فدیہ ہونے کے طفیل سے اور مینڈھوں سے افضل ہے۔لیکن اس خصوصیت کی وجہ کہ وہ مینڈھا بہ نسبت اور مینڈھوں کے کیوں اس فضل سے مخصوص ہوا ہے محض عنایت الٰہی کے سوائے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔اس فضیلت میں بحث کی گنجائش نہیں۔اس کے ثبوت کے واسطے محض نص شارع کافی ہے۔

(۲)فضیلت جزئی وہ ہے کہ عمل کے مقابلے میں کسی کو خدا کی جانب سے عطا ہو۔اس کی کئی قسمیں ہیں۔اور یہ فضیلت ہمیشہ محل تنازع ہوا کرتی ہے۔لیکن کسی کو فضیلت دینے میں اس کے تمام اقسام پر نظر غائر ڈالنا چاہئے اور جو جانب کہ متنازعین میں احق اور اولیٰ ہو اس کو افضل سمجھنا چاہئے۔

(تنبیہ)

نہایت غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کو اس کے عمل کی وجہ سے اس کے ہم جنسوں پر سات وجہ سے فضیلت حاصل ہوسکتی ہے اور یہی سات وجہیں معیار فضیلت سمجھی جاتی ہیں:

(الف)ماہیت عمل یعنی ایک شخص کے عمل کی ذات دوسرے شخص کے عمل کی ذات سے افضل ہے۔جیسے فرائض کے ادا کرنے والے کے عمل کو نوافل کے ادا کرنے والے کے عمل پر فضیلت ہے۔

(ب) کیت[1] عمل یعنی دو شخصوں کا عمل ایک ہی ہو لیکن دونوں کے باہم اغراض مختلف ہوں چنانچہ ایک شخص محض بغرض رضائے الٰہی عبادت کرتا ہو۔ اور دوسرا لوگوں کے دکھانے کیلئے

ج) کیفیت عمل یعنی ایک شخص ایک عمل کو اس کے پورے آداب کے ساتھ بجالائے۔ اور دوسرا شخص اس کے بجالانے میں کسی قدر بے پرواہی کرے۔ گویا دونوں شخص ایک ہی عمل میں شریک ہیں لیکن پہلے شخص کو فضیلت حاصل ہے۔

(د) کیت عمل یعنی ایک ہی عمل کی کمی بیشی، چنانچہ ایک شخص نے بہت سے حج کئے ہوں اور دوسرے نے صرف ایک ہی حج کیا ہو۔

(ہ) کبھی فضیلت بہ باعث تقدیم و تاخیر زمان کے ہوتی ہے چنانچہ ایک شخص نے ابتداء اسلام میں یا ایام قحط سالی میں مسلمانوں کی دست گیری کی ہو۔ بہر حال اس شخص سے افضل سمجھا جاتا ہے جس نے بعد حاصل ہونے قوت اسلام کے یا بعد گزرنے قحط کے کوئی ویسا ہی عمل کیا ہو۔ کلام مجید میں خود پروردگار نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے۔ لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا (سورہ حدید، آیت ۱۰)۔

اس وجہ سے سابقین اسلام کو تمام امت پر فضیلت حاصل ہے۔ والسابقون۔

(و) کبھی مکان عمل کی وجہ سے فضیلت ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ ایک نماز حرم کعبہ یا مسجد نبوی میں پڑھنا بہتر ہے ہزار نماز سے جو دوسری مسجدوں میں پڑھی جائیں۔

(ز) کبھی امور خارجیہ کی اضافت سے فضیلت ہوتی ہے۔ جیسے ایک رکعت نماز کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے۔ ہزار رکعت اکیلے نماز پڑھنے سے اسی وجہ سے جو عمل نیک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو حضرات صحابہ سے وقوع میں آیا ہے وہ دوسرے اوقات کے اعمال سے بدرجہا افضل اور بہتر ہے۔

(۳) خواہ فضیلت اختصاصی ہو یا فضیلت جزئی تیجہ دونوں کا دو حال سے خالی نہیں:

(الف) فاضل کی تعظیم کا مفضول پر واجب ہونا۔

(ب) فاضل کے درجے کا دنیا و آخرت میں بہ نسبت مفضول کے درجے کے بلند ہونا۔

---

[1] کتاب ارجح المطالب میں اسی طرح چھپا ہے مگر ہمارے خیال میں یہ چھاپے کی غلطی ہے۔ اصل میں "نیت عمل" ہوگا جس کو کاتب نے کیت عمل لکھ دیا ہے ۱۲ مولفی عفی عنہ۔

(تــــنبیه)

اگر فضیلت سے یہ دونوں نتیجے پیدا نہ ہوں تو فضل محض لفظ مجرد ہوگا جس کے کچھ معنی نہ ہوں۔

(اعـــــتراض)

یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوسکتا ہے کہ جب افضل کی تعظیم مفضول پر واجب ہوئی تو ہر واجب التعظیم افضل ہوگا۔ اور کفار والدین بھی واجب التعظیم ہیں۔ اس وجہ سے وہ بھی افضل سمجھے جانے چاہئیں۔ اور یہ برخلاف شریعت ہے کہ کافر کو افضل سمجھا جائے۔

(جـــــواب)

کفار والدین کی تعظیم عرف شرع میں تعظیم نہیں کہلاتی۔ ایسی تعظیم کو شرع کی اصطلاح میں برّ اور احسان کہا جاتا ہے۔ اور کفار والدین کی تعظیم شرع میں جائز نہیں بلکہ اس سے برأت واجب ہے۔ تعظیم شرعی وہ ہے کہ محبت اللہ پر مبنی ہو۔

(۴) چونکہ فضیلت کے معنی ہیں ایک شخص کی خصوصیت دوسرے سے بہ اعتبار کثرت ثواب کے، پس یہ دو قسم پر ہے:

(الف) فضیلت اصلی۔ یعنی ایک شخص میں وجہ فضیلت پائی جائے اور دوسرا اس سے بے بہرہ ہو جیسے کہ ایک عالم ہو اور ایک جاہل۔

(ب) فضیلت زائدہ یعنی ایک شخص بہ نسبت دوسرے کے وجہ فضیلت زائد رکھتا ہو۔ مثلاً ایک عالم ہو اور دوسرا اعلم۔ اس دوسری قسم کی فضیلت کو مفاضلہ بھی کہتے ہیں۔

(۵) مفاضلہ اس وقت متحقق ہوتا ہے جب کہ دو چیزیں ایک ہی امر میں ایک ہی وجہ سے شریک ہوں۔ اور اگر وجہیں مختلف ہوں تو مفاضلہ متحقق نہیں ہوتا۔ غرض کہ مفاضلہ میں شرکت وجہ ضروری ہے کیونکہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ایُ ھٰذین افضل (یعنی ان دونوں میں سے کون افضل ہے) تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ ایُ ھٰذین اکثر او صافاً فی ما اشترکا (یعنی جس وصف میں کہ یہ دونوں شریک ہیں ان میں سے کون فضیلت سوا رکھتا ہے)۔ پس جہاں وجہیں مختلف ہوں وہاں مفاضلہ متحقق نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ ناقۂ صالح افضل ہے یا رمضان کیونکہ وجہ مفاضلہ متحد نہیں بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ افضل ہیں یا حضرت ابوبکر۔ کیونکہ وجہ مفاضلہ میں دونوں شریک ہیں۔ اگر وجہ مفاضلہ میں شریک نہ ہوتے تو اتنا جھگڑا کیوں ہوتا؟

(۶) جب وجوہ ہفت گانہ مفاضلہ میں تعارض واقع ہو تو از روئے آیات قرآنی اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق اور

اولی باعتبار کے فضیلت پر یقین کرنا چاہیے۔

یہ امر شریعت سے ثابت ہے کہ عمل کی کمیت کا کیفیت کے مقابلہ میں چنداں اعتبار نہیں اور زمان عمل کے سامنے ان دونوں کی وقعت نہیں: لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئك اعظم درجةً من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا۔ اور یہ امر بھی قرآن شریف سے ثابت ہے کہ صحابہ نے جو عمل کہ آنحضرتؐ کے حضور میں کیا ہے وہ بوجہ حضورؐ کی معیت کے نہایت افضل اور اعلیٰ ہے ان اعمال سے جو انہوں نے بعد آنحضرتؐ کی رحلت کے کئے ہیں۔ اسی وجہ سے انس بن مالک، ابو امامہ باہلی، عبد اللہ بن بشر و عبد اللہ بن الحارث، سہل بن سعد الساعدی، جابر بن عبد اللہ انصاری جیسے صحابہ اگرچہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد عمر طویل پانے کے باعث مدت مدید تک زندہ رہ کر اعمال صالحہ میں مشغول رہے لیکن خلفاء راشدین کے اعمال کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔ اسی وجہ سے یہ امر بھی قطعاً ثابت ہے کہ جو ذوات مقدسہ آنحضرتؐ کی معیت کے وقت افضل و اعلیٰ تھے آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد بھی ویسے ہی افضل اور اعلیٰ تھے

صحابہ کرام کے درمیان مشرف بہ اسلام ہونے کی تقدیم و تاخیر کی وجہ سے فضیلت سمجھی جاتی ہے چنانچہ السابقون الاولون من المهاجرین والانصار۔ اور السابقون السابقون اولئك المقربون فی جنات النعیم ، اس پر شاہد ہے۔ پس اس اعتبار سے جو بزرگوار سب سے پہلے اسلام لائے ہیں وہ سب سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔ وہ چار نفوس متبرکہ ہیں حضرت ام المومنین خدیجہ الکبریٰ، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت ابوبکر الصدیق، حضرت زید بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے بعد وہ جمیل القدر اصحاب جو ہجرت سے پہلے اسلام لائے ہیں۔ ان کے بعد اہل حبشہ۔ ان کے بعد اہل بدر، ان کے بعد مشاہد احد سے صلح حدیبیہ تک کے لوگ جن کے لئے احوال سکینہ ہوا ہے۔ ان کے بعد بالقطع کوئی عہد نہیں جو مدار فضل سمجھا جائے کیونکہ پھر اکثر منافق اور مولفۃ القلوب بھی شریک اسلام ہو گئے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید اس امر پر ناطق ہے۔ و من حولکم من الاعراب منافقون و من اہل المدینة مردوا علی النفاق۔

(تنبیہ) ان پچھلے لوگوں کی فضیلت قابل بحث نہیں اگر گفتگو ہے تو خلفاء اربعہ کی باہمی فضیلت میں ہے کیونکہ یہی لوگ باتفاق سابق الاسلام تھے۔

(۹) فضیلت کا ثبوت دو قسم سے ہو سکتا ہے: نقل سے یا عقل سے لیکن فضیلت کا عقلی کوئی کافی ثبوت نہیں ہے جو قطع بحث کر سکے اور جس سے خصم کو مجال کلام نہ رہے۔ اب رہی فضیلت نقلی تو اس کے جانچنے کے دو طریق ہیں اول نص شارع، دوم تتبع احوال۔

(الف) اس امر میں کہ فضیلت منصوص ہے یا نہیں باہم علمائے اہل سنت و جماعت کا اتفاق ہے کہ انه ثبت بالاجماع ولم یتعین الافضل ولم یوجد النص بعض کہتے ہیں کہ تفضیل قطعی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ظنی ہے۔ امام ابوالحسن اشعری اس کے قائل ہیں کہ قطعی ہے اور ابوبکر باقلانی اور امام الحرمین کہتے ہیں کہ ظنی ہے (دیکھو شرح جوہر اللقانی سعد الدین تفتازانی) شرح مقاصد میں لکھتے ہیں التفضیل من الاجتهاد یات لا قاطع فیها ---------- یعنی تفضیل ایک امر اجتہادی ہے کوئی قطعی دلیل اس کیلئے موجود نہیں۔ امام غزالی بھی اسی بات کے قائل ہیں کہ حقیقة الفضل ماهو عند الله و ذالک ممالایطلع علیه الا رسول الله صلی الله علیه وسلم ------ یعنی فضل کی حقیقت خدا کو معلوم ہے اور رسول اللہؐ کے سوا اس پر کوئی مطلع نہیں۔ شارح مواقف لکھتا ہے کہ واعلم یعنی فضیلت کا مسئلہ ایسا نہیں کہ اس سے جزم اور یقین کا طمع کیا جائے۔ عقل کو افضلیت بہ معنی کثرت ثواب پر طریق استدلال حاصل نہیں بلکہ یہ مسئلہ نقل سے مستند ہے۔ اور یہ مسئلہ وہ مسئلہ نہیں کہ جس کے ساتھ عمل کا لگاؤ ہوتا کہ مجرد ظن ہی اس کیلئے کافی سمجھا جائے کیونکہ احکام عملیہ کے لئے ظن ہی کفایت کرتا ہے بلکہ یہ مسئلہ علمی ہے (یعنی اعتقادی ہے) جس میں جزم اور یقین مطلوب ہے لیکن طرفین کے نصوص باہم متعارض ہونے کی وجہ سے قطعیت کا فائدہ نہیں بخشتے۔ قطع نظر متعارض ہونے کے وہ نصوص آحاد اور ظنی الدلالت ہیں۔ نہایت امر یہ ہے کہ وہ نصوص اسباب کثرت ثواب کے اختصاص پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن کثرت ثواب کے اسباب کا مرتب ہونا قطعاً ثواب کا موجب نہیں ہوسکتا صرف ظن کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ اجر و ثواب خدا کے مہربانی پر موقوف ہے۔ کسی خاص سبب پر منحصر نہیں۔ خدا چاہے تو ایک غیر مطیع کو ثواب عطا فرمائے اور مطیع کو محروم رکھے اور امامت کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے لیکن وہ قطعی ثبوت افضلیت کا نہیں ہوسکتا کیونکہ امامت مفضول کی افضل ہوتی ہے۔ ہمارے اہل سنت و جماعت کے نزدیک جائز ہے اور ناجائز ہونا اس کا قطعی نہیں۔ ہم نے سلف کو یہی کہتے ہوئے سنا ہے اور ہم اس کی اصل حقیقت کو خدا کے سپرد کرتے ہیں آمدی کہتا ہے کہ تفضیل سے مراد ایک شخص کی خصوصیت ہے دوسرے سے کسی خاص صفت میں۔ خواہ وہ اصلی فضیلت ہو یعنی ایک میں تو وہ صفت موجود ہو اور دوسرے میں مطلق پائی نہ جائے جیسے کہ صفت علم کی وجہ سے عالم جاہل سے افضل ہے کیونکہ صفت علم تو عالم میں موجود ہے اور جاہل میں موجود نہیں۔ یا یہ سبب زیادہ ہونے کسی خاص سبب کے فضیلت ہو (یعنی ایک ہی صفت میں دونوں شریک ہوں لیکن ایک میں وہ صفت زائد ہو اور دوسرے میں کم ہو) جیسے اعلم افضل ہے عالم سے بسبب زیادہ ہونے صفت علم کے پس اس وجہ سے صحابہ کرام کے درمیان کسی بھی فضیلت کے بارہ میں قطعی حکم نہیں لگایا جاتا کیونکہ جو فضیلت کہ کسی صحابی کے واسطے ثابت کی جاتی ہے اکثر ایسا ہی ان میں دوسرا بھی شریک پایا

جاتا ہے اور اگر بالفرض شریک نہیں پایا جاتا تو کسی اور ایسی فضیلت سے ممتاز نظر آتا ہے کہ یہ اس کی فضیلت اس دوسرے کی فضیلت کے مقابل ٹھہرتی ہے اور کثرت فضیلت سے ترجیح نہیں دی جا سکتی کیونکہ ممکن ہے کہ ایک ہی فضیلت بہ باعث شرف کے بہت سی فضیلتوں پر راجح ہو۔ اور ایک فضیلت والے کو بہت فضیلتوں والے سے من جانب اللہ ثواب زیادہ حاصل ہوا ہو پس افضلیت پر قطعیت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اس لئے سلف میں خلفاء اربعہ کی افضلیت کی نسبت متقدمین اہل سنت و جماعت مختلف مذاہب تھے:

(۱) اکثر لوگ فضلھم علی ترتیب الخلافۃ کے قائل تھے۔

(۲) امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ انہ کان فضل عثمان علی علی۔ یعنی وہ حضرت عثمان کو حضرت علیؑ پر فضیلت دیتے تھے۔

(۳) کوفہ کے اہل سنت و جماعت مثل سفیان ثوری کہ حضرت علیؑ کو حضرت عثمان پر فضیلت دیتے تھے چنانچہ تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی میں سیوطی لکھتے ہیں:

وجزم الکوفیۃ ومنھم سفیان الثوری بتفضیل علی علی عثمان

یعنی کوفے کے لوگ کہ ان سے سفیان ثوری بھی ہیں بالجزم یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرت علیؑ حضرت عثمان سے افضل ہیں۔

اور شرح عقائد جلالی میں لکھا ہے کہ ابوبکر خزیمہ بھی حضرت علیؑ ہی کی فضیلت کے قائل تھے۔ عن ابی بکر عن بعضہ تفضیل علی علی عثمان ــــــــــ شرح کبیر جواہر القانی سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء امام مالک کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ اکثر محدثین مثل حاکم وغیرہ بھی اسی کے قائل تھے۔ (بستان المحدثین للمحدث الدہلوی) اس سے بھی زیادہ ایک اور ثبوت ملتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کا بھی یہی مسلک تھا چنانچہ الخصائص میں امام نسائی لکھتے ہیں عن علاء بن عرار قال سئلت ابن عمر وھو فی مسجد رسول اللہ عن علی و عثمان فقال اما علی فلا تسالنی عنہ انظر الی قرب منزلہ من رسول اللہ ﷺ مالہ فی المسجد بیت غیر بیتہ فاما عثمان فانہ اذنب ذنباً عظیماً یوم التقی الجمعان فعفی اللہ عنہ فغفر واذنب فیکم دون ذالک فقتلتموہ۔

(۴) علامہ ابن عبدالبر استیعاب میں لکھتا ہے کہ حضرت علیؑ اور حضرت ابوبکر کی فضیلت میں بھی سلف کا مذہب مختلف تھا چنانچہ ان کا قول ہے: واختلف السلف ایضاً فی تفضیل علی و ابی بکر پھر اسی کے ذیل میں لکھتے ہیں عن سلمان ابی ذر المقداد و عمار و جندب و جابر و حذیفہ و ابی سعید الخدری و زید بن ارقم

رضی اللہ عنہم ان علی ابن ابی طالب اول من اسلم و فضلہ ھٰؤلاء علیٰ غیرہ۔ یعنی سلمان فارسی اور ابی ذر غفاری اور مقداد و عمار بن یاسر جندب و حذیفہ و ابی سعید خدری اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ وہ شخص ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے ہیں اور یہ اصحاب حضرت علیؑ کو ان کے غیر پر فضیلت دیتے ہیں۔ علامہ عبد البر استیعاب میں عبدالرزاق سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص عمر کو ابو بکر پر فضیلت دے تو میں اس کو منع نہیں کرتا۔ اور اگر علی کو ابو بکر سے افضل سمجھے تو بھی اس کو منع نہیں کرتا۔ اگر وہ ان دونوں سے محبت رکھے۔ پس عبدالرزاق کہتا ہے کہ میں نے اس بات کو وکیع سے بیان کیا اس کو یہ بات بہت پسند آئی۔

(۵) امام تاج الدین سبکی کہ ہمارے علماء شافعیہ میں بڑے مستند شمار کئے جاتے ہیں طبقات الکبریٰ میں نقل کرتے ہیں کہ بعض متاخرین کا یہ مسلک تھا کہ حضرات حسنین علیہما السلام کو بہ باعث جزئیت بضعۃ الرسولؐ کے خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فضیلت دیتے تھے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی الخصائص میں امام علم الدین عراقی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سیدہؑ اور ان کے بھائی ابراہیم بہ اتفاق سب صحابہ سے افضل ہیں۔ امام مالک کا قول ہے **ماتفضل علی بضعۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم احداً۔**

(۶) تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی میں علامہ جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں کہ **حکی الخطابی عن بعض مشائخہ انہ قال ابو بکر خیر و علی افضل**۔ غرضے کہ ان سب تقریروں کا ماحصل یہ ہے کہ تفضیل ظنی ہے اور اس کے ظنی ہونے پر سلف نے اتفاق کیا ہے۔ **فضلھم علی ترتیب الخلافۃ** قطعی نہیں اور ہمارے اہل سنت و جماعت اس کے برخلاف عقیدہ رکھنے والے کو بدعتی وغیرہ سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ ورنہ سلف صالحین تک اس کا اثر پہنچ سکتا ہے۔

بعض لوگوں نے اس جگہ ایک اعتراض کیا ہے کہ فضیلت کے ظنی سمجھنے سے مخالفت اجماع کی لازم آتی ہے۔ یہ روایات جو فضیلت کے ظنی ہونے کے بارے میں نقل ہوئے ہیں شاذ ہیں۔ ان کی طرف چنداں التفات نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ حضرت ابو بکر کی فضیلت پر اجماع ہو چکا ہے۔ اور اجماع دلائل قطعیہ میں سے ہے پس افضلیت کو بھی قطعی سمجھنا چاہیئے۔

اس کا جواب:

یہ ہے کہ یہ سچ ہے کہ اجماع دلیل قطعی ہے لیکن اجماع کے تمام اقسام قطعی نہیں۔ چنانچہ کتب اصول فقہ میں اس کی مفصل بحث موجود ہے۔ قطعی اس کو کہا جاتا ہے کہ جس میں اصلاً اختلاف نہ ہو۔ اور جس میں اختلاف ہو (اگر وہ اختلاف شاذ ہی ہو) ظنی ہے اور قطعیت کی حد سے نکل جاتا ہے۔ اگر چہ شاذ ہونے کی وجہ سے خلاف چنداں قابل اعتماد بھی نہ ہو لیکن اس اجماع کا

درجہ قطعیت سے گرا رہتا ہے۔

علاوہ بریں اگر اجماع ہوا بھی ہے تو اسی افضلیت ظنی پر ہوا ہے۔ اور صاحبان اجماع نے اس کی قطعیت پر حکم نہیں لگایا چنانچہ ہم سابقاً ائمہ کلام مثل ابوبکر باقلانی اور امام الحرمین اور حجۃ الاسلام غزالی وغیرہ کے اقوال نقل کر چکے ہیں۔ ان کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں افضلیت ان کے نزدیک صفت ظنیت سے موسوم ہے۔ نہ عارض حکم بعد از اجماع۔ نہایت الامر یہ ہے کہ اجماع سے ترتیب خلافت کا ثبوت ملتا ہے۔ نہ فضلهم علی ترتیب الخلافۃ چنانچہ پیشتر ثابت ہو چکا ہے کہ سلف کا حضرت عثمان کے افضل ہونے پر اختلاف ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قطعیت خلافت سے افضلیت ہرگز لازم نہیں آتی۔

طالوت ایک مومن بادشاہ اور خلیفہ وقت تھا۔ داؤد و دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اس کے عہد میں موجود تھے۔ اور اس کے تابع حکم تھے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ طالوت ان انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل تھا؟

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ محققین اہل سنت و جماعت کے نزدیک فضیلت کی اصلیت خدا کو معلوم ہے کسی کو اس پر پوری اطلاع نہیں۔

خلفاء اربعہ کی مدح و ثنا میں حدیثیں وارد ہیں اور باہم متعارض ہیں۔ اور سلف کا افضلیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور ایک بات پر اجماع قطعی نہیں ہوا کہ آنحضرتؐ کے بعد کون افضل و اعلیٰ ہے چونکہ افضلیت سے اکثریت ثواب مراد ہے۔ اکثریت ثواب کا ثبوت صرف مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے مل سکتا ہے۔ اور احادیث میں تعارض واقع ہے۔ پس جبکہ تعارض واقع ہو تو جانب اولیٰ کو ترجیح دینا چاہیے اور احادیث قوی اور ضعیف کا خیال رکھنا چاہیے۔

جناب امیرؑ کے فضائل:

جناب امیرؑ کے فضائل میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کی نسبت علامہ ابن عبد البر الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں بذیل ترجمہ جناب امیر علیہ السلام لکھتے ہیں:

قال احمد بن حنبل و اسماعیل بن اسحاق القاضی و احمد بن علی بن شعیب النسائی و ابو علی النیشا پوری لم یرو فی فضائل احد من الصحابۃ بالاسانید الجیاد ما روی فی فضائل علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

یعنی امام احمد بن حنبل اور اسماعیل ابن اسحاق قاضی اور امام احمد بن علی شعیب النسائی اور ابو علی نیشا پوری رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ جس قدر جید سندوں کے ساتھ حدیثیں جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے حق میں روایت ہوئی ہیں ویسے کسی

ایک صحابی کے حق میں نہیں ہوئیں۔

اس کے سوا اگر جناب امیرؑ کی خصوصیات کو دیکھا جائے اور آپ کے امور کثرت ثواب کے اسباب پر غور کیا جائے تو

جناب امیرهی افضل الناس بعد خیر البشر نظر آتے هیں

لیکن اگر یہ خیال کیا جائے کہ کثرت ثواب کی وجہ سے افضل ہونا تو امر ظنی ہے تو اس خیال کے دور کرنے کیلئے ہم آپ کے الاجمع لمزایا الفضل والخلال والحمید ۃ کی طرف ایک نظر ڈالتے ہیں جس سے ہمارا ظن بالکل رفع ہو جاتا ہے اور آپ کی فضیلت کا آفتاب یقین کی آنکھوں میں چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

(ب) جواب تتبع احوال جناب امیر علیہ السلام سے پیشتر ہم افضلیت کے اقسام بیان کرتے ہیں۔ظاہر ہے کہ افضلیت بہ اعتبار اپنے اقسام کے تین قسموں میں منحصر ہے: فضیلت نفسانی فضیلت جسمانی اور فضیلت خارجی ہم تیسرے باب میں اقسام ثلاثہ فضیلت میں جناب امیر کی افضلیت لوگوں کو دکھائیں گے۔پھر چوتھے باب میں ہم آپ کے خصوصیات اور اسباب کثرت ثواب کو لوگوں کی تشفی کیلئے نقل کریں گے اس باب میں ہم چند امور یعنی جناب امیرؑ کا ذکر داخل عبادت ہونا اور ان کی شان میں جس قدر حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان کی نسبت محدثین کی رائے۔اور جناب امیرؑ کے مثل کسی نے اکتساب فضائل نہیں کیا اور جناب امیرؑ کے فضائل و مناقب کا لاتحصی ہونا اور جناب امیرؑ کا روحانی حلیہ اور جناب امیرؑ کا جامع مدارج فضل ہونا۔ بطور تمہید کے لکھ کر پھر ہم آپ کے فضائل نفسانی اور جسمانی اور خارجی کو تفصیل وار لکھیں گے۔(ارجح المطالب صفحہ ۹۶)

چند صفحوں کے بعد موصوف نے پھر لکھا ہے"مدارج فضل کے متعین کرنے میں لوگوں نے بہت کچھ طبع آزمائی کی ہے لیکن خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن کا ذکر کیا ہے حقیقتاً وہی مدارج فضل ہیں۔انسانی قیاس سے ایسے مدارج کا مقرر کرنا صرف امر اعتباری ہے۔جب ہم خدائے واحد ذوالجلال کے کلام پاک کو پڑھتے ہیں تو آیہ وافی ہدایہ:" **اولئك انعمت الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين**"۔۔۔۔۔۔ سے ہماری سرگشتہ عقل کو یہ پتہ ملتا ہے کہ حقیقتاً مدارج فضل چار ہیں اور بس: مرتبہ انبیاء علیہم السلام مرتبہ صدیقین، مرتبہ شہداء مرتبہ صالحین۔

اس بات پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں صدیقین اور شہداء اور صالحین انبیاء سے مغائر ہیں لیکن ان صفات ثلثہ میں مفسرین کا اختلاف ہے۔بعض کے نزدیک ان تینوں اوصاف سے موصوف واحد مراد ہے اور بعض کے نزدیک ہر صفت سے موصوف جداگانہ مراد ہے یعنی صدیق اور ہیں اور شہداء اور ہیں اور صالحین اور ہیں۔اگر خداوند تعالیٰ اپنے کرم عمیم سے کسی خاص بندے کو یہ تینوں اوصاف عطا فرمائے تو کیا کہنا ہے جناب امیرؑ کی ذات مجمع صفات میں۔بجز منصب نبوت کے

یہ تینوں اوصاف بہ فحوائے نور علی نور موجود تھے (ارجح المطالب صفحہ ۱۰۱)

تقریر بالا کا نتیجہ:

یہ نکلا کہ جس طرح قرآن مجید کا مثل ونظیر آج تک نہیں ہوا بالکل اسی طرح حضرت رسول خدا کے بعد دنیا بھر میں حضرت علیؑ سے بہتر کوئی شخص نہیں ہوا۔ اس وجہ سے شدید ضرورت ہے کہ جناب رسول خدا کے حالات جس تفصیل و جامعیت سے لکھے جائیں بالکل اسی شرح وبسط سے جناب امیر علیہ السلام کے سوانح حیات بھی مرتب کئے جائیں اور اگرچہ حضرت رسول خدا کی سیرت میں سیکڑوں کتابیں پہلے لوگ لکھ چکے لیکن پھر بھی نئی نئی سوانح عمریوں کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے اسی طرح اگرچہ جناب امیر علیہ السلام کی سوانح عمریاں بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ مگر اب بھی نئی سوانح عمری سے اہل عالم بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

اہل بیت اور قرآن مجید ایک مقابلہ کے ہیں اور دونوں توام ہیں

ہم نے ابتدا کلام میں اس کا دعویٰ کیا ہے کہ خدا نے حضرت رسول خدا پر جس طرح قرآن مجید کو ایسا معجزہ نازل کیا جو آج تک بے مثل ونظیر ہے بالکل اسی طرح جناب امیر علیہ السلام کو بھی حضرت کا دین اسلام کا، حق کا اور ایمان کا وہ لاجواب اور زبردست معجزہ قرار دیا ہے جو آج تک بے مثال ہیں اور قیامت تک ایسے ہی رہیں گے۔ بلکہ حضرت کے علمی و عملی کمالات اور دینی و دنیوی احسانات کا مقابلہ بھی قیامت تک نہیں ہو سکتا۔ ہم اوپر حضرت رسول خدا کی وہ مشہور حدیث نقل کر چکے ہیں جس میں آپ نے قرآن اور اہل بیتؑ کو ایک درجہ میں رکھ کر اعلان فرما دیا کہ انھما لن یفترقا۔ یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ اس کا مطلب بھی بیان کر چکے کہ فضیلت میں، عزت میں، درجہ میں، مرتبہ میں، معجزہ ہونے میں بے مثل و بے نظیر ہونے میں اور نورانیت میں بھی ایک دوسرے سے کم نہیں ہو سکتا۔ نہ ایک دوسرے سے جدا ہو سکتا ہے۔ اسی بات کی تصریح بڑے بڑے علماء اہل سنت بھی برابر کرتے رہے ہیں۔ جیسے علامہ ملا علی قاری نے لکھا ہے:

فی قوله انی تارك فیکم اشارة الی انهما بمنزلة التوامین الخلفین عن رسول الله ﷺ وانه یوصی الامة بحسن المعاملة معهما و ایثار حقهما علی انفسهم کما یوصی الاب المشفق للناس فی حق اولاده و یعضده الحدیث السابق فی الفصل الاول اذکرکم الله فی اهل بیتی کما یقول الاب المشفق الله الله فی حق اولادی و القول الاظهر هو ان اهل البیت غالباً یکونون اعرف بصاحب البیت و احواله

فالمراد لهم اهل العلم منهم المطلعون على سيرته الواقفون على طريقته العارفون بحكمه و حكمته و بهذا يصلح ان يكونوا مقابلا لكتاب الله و سبحانه كما قال و يعلمهم الكتاب والحكمة و يويده ما اخرجه احمد فى المناقب عن حميد بن عبد الله بن زيد ان النبى صلى الله عليه و سلم ذكر عنده قضاء قضى به على بن ابى طالب فاعجبه و قال الحمد لله الذى جعل فينا الحكمة اهل ابيت۔

حضرت رسول خداؐ کے اس ارشاد میں کہ میں تم لوگوں میں کتاب خدا اور اپنے اہل بیت کو چھوڑے جاتا ہوں: اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دونوں بالکل اس طرح ہیں جس طرح حضرت کے دو توام بیٹے اور قائم مقام ہوں اور یہ کہ حضرت صلعم اپنی امت کو وصیت فرمارہے ہیں کہ ان دونوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے اور ان دونوں کے حق کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے رہیں جس طرح مہربان باپ لوگوں سے اپنی اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے۔ اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو پہلے فصل اول میں گزر چکی ہے جس میں حضرت نے فرمایا ہے کہ تم لوگوں کو اپنے اہل بیتؑ کے بارے میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں جس طرح مہربان باپ اپنی اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ ان کے متعلق اللہ کو یاد رکھنا۔ اللہ کو نہ بھولنا میں اپنی اولاد کے بارے میں تم لوگوں کو اللہ کو یاد دلائے جاتا ہوں اور میں کہتا ہوں کہ یہ بات سب سے زیادہ ظاہر ہے کہ گھر والے ہی زیادہ تر گھر والے اور اس کے حالات کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں تو اہل بیتؑ رسولؐ سے مراد وہی اہل علم ہیں جو حضرت کے حالات سے باخبر حضرت کے طریقے سے واقف اور حضرت کے حکم اور حکمت کے پہچاننے والے تھے اور اس وجہ سے ان میں اس بات کی صلاحیت تھی کہ کتاب خدا کے مقابل (ہم سر، ہم مرتبہ، ہم درجہ، ہم منزلت کردیئے گئے جیسا خدا نے فرمایا ہے کہ وہ رسولؐ ان لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں اس کی مناسب حدیث ہے بھی ہوتی ہے جس کو امام احمد بن حنبل نے مناقب میں ذکر کیا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا سے حضرت علیؑ کا ایک فیصلہ بیان کیا گیا تو حضرت پھڑک گئے اور فرمایا الحمد للہ کہ اس نے ہم اہل بیتؑ میں حکمت قرار دی یا ہم کو وہ اہل بیتؑ عطا فرمائے جو خود حکمت ہیں۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۶۰۰)

قرآن مجید کی تفسیریں:

جب یہ ثابت ہو گیا کہ اہل بیت اور قرآن مجید ایک مقابلے کے ہیں اور دونوں توام ہیں تو ضروری ہے کہ اہل اسلام دونوں کے ساتھ برابر برتاؤ کریں۔ دونوں کو اچھی طرح سمجھیں۔ دونوں کو پوری طرح جانیں۔ دونوں کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہوں، دونوں کے احکام کی پیروی کریں۔ دونوں کی باتوں کو سر اور آنکھوں پر رکھیں دونوں کے مطالب ومقاصد پر اچھی طرح غور کریں۔ اسی کو حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے فانظروا کیف تخلفونی فیھما (اب دیکھو تم لوگ میرے بعد ان سے کیسا برتاؤ کرتے ہو) برتاؤ میں بھی دونوں کو برابر رکھنا ضروری ہے اگر ایک میں بھی کمی ہوگی تو حضرت رسولؐ کی فرمائش کے خلاف ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے قرآن مجید کی سیکڑوں تفسیریں لکھی جاچکیں اور کوئی صدی ایسی نہیں ملتی جس میں تفسیر قرآن کی کچھ نئی کتابیں نہ لکھی گئی ہوں۔ اسی طرح حضرات اہل بیتؑ کے حالات میں بھی سیکڑوں کتابیں لکھی جاچکیں اور کوئی صدی ایسی نہیں مل سکتی جس میں ان حضرات کے حالات بھی نہیں لکھے گئے ہوں۔

جناب امیر علیہ السلام کی نئی سوانح عمری کی ضرورت:

ان دنوں بھی قرآن مجید کی نئی نئی تفسیر لکھنے سے اہل اسلام سبکدوش نہیں ہو گئے ہیں اور اس دینی وملی خدمت کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ تو پھر قرآن مجید کے مقابل اور توام جناب امیر علیہ السلام کی نئی سوانح عمری لکھنے کی خدمت بھی کس طرح ضروری نہیں سمجھی جائے؟ یورپ اور امریکہ اور ایشیا میں مختلف قسم کی انسائیکلوپیڈیا لکھنے کا رواج بھی بڑھتا جاتا اس کا شغل زیادہ ہوتا جاتا اور اس قسم کی کتابوں کی کثرت ہوتی جاتی ہے تو ضرورت اور شدید حاجت ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے حالات کی بھی ایک مکمل اور نہایت جامع تحقیقی انسائیکلوپیڈیا مرتب کی جائے۔ کیونکہ بڑے لوگوں کے حالات زندگی سے دوسروں کے دل ودماغ کی روشنی بڑھتی ان کے علوم میں ترقی ہوتی۔ ان کے اعمال کی اصلاح ہوتی۔ ان کی رفتار حیات بہ جلا ہوتی۔ ان کے عروج کے اسباب فراہم ہوتے اور ان کی انسانیت بہت زیادہ روشن ہو جاتی ہے فاضل معاصر جناب مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے کائنات عالم کا سب سے بڑا مقدم فرض اور سب سے زیادہ مقدس خدمت یہ ہے کہ نفوس انسانی کے اخلاق اور تربیت کی اصلاح و تکمیل کی جائے یعنی پہلے ہر قسم کے فضائل، اخلاق مذہبی، تقویٰ، عصمت وصفات، احسان وکرم، حلم، عفو، عزم وثبات، ایثار ولطف، غیرت واستغنا کے اصول وفروع نہایت صحیح طریقے سے قائم کیے جائیں اور پھر تمام عالم میں ان کی عملی تعلیم رائج کی جائے اس مقصد کے اصول کا عام طریقہ وعظ وپند ہے۔ اس سے زیادہ متمدن طریقہ یہ ہے کہ فن اخلاق میں اعلیٰ درجے کی کتابیں لکھ کر تمام ملک میں پھیلائی جائیں اور لوگوں کو ان کی تعلیم دلائی جائے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگوں سے بہ جبر محاسن اخلاق کی تعمیل کرائی

جائے اور رذائل سے روکے جائیں۔ یہی طریقہ ہیں جو ابتداء سے آج تک تمام دنیا میں جاری ہیں۔ اور آج اس انتہائی ترقی یافتہ دور میں بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن سب سے زیادہ صحیح، سب سے زیادہ کامل سب سے زیادہ عملی طریقہ یہ ہے کہ نہ زبان سے کچھ کہا جائے نہ تحریری نقوش پیش جائیں۔ نہ جبر وزور سے کام لیا جائے بلکہ فضائل اخلاق کا ایک پیکر مجسم سامنے آجائے جو خود ہمہ تن آئینہ عمل ہو جس کی ہر جنبش لب ہزاروں تصنیفات کا کام دے اور جس کا ایک ایک اشارہ اوامر سلطانی بن جائے دنیا میں آج اخلاق کا جو سرمایہ ہے سب انہی نفوس قدسیہ کا پرتو ہے دیگر اور اسباب صرف ایوان تمدن کے نقش ونگار ہیں۔

لیکن اس وقت تک دنیا جس قدر تاریخ معلوم ہے اس نے اس قسم کے نفوس قدسیہ جو پیش کئے ہیں وہ فضائل اخلاق کی کسی خاص صنف کے نمونے تھے مثلاً جب مسیح علیہ الصلواۃ والسلام کے مکتب درس میں صرف حلم وتحمل، صلح عفو وقناعت و تواضع کی تعلیم ہوتی تھی حکومت وفرمانروائی کیلئے جو فضائل اخلاق درکار ہیں مسیحی تعلیم کی بیاض میں ان سطروں کی جگہ سادی ہے۔ حضرت موسیٰ اور نوح علیہما السلام کے اوراق تعلیم میں عفو عام کے صفحے خالی ہیں۔ اس بناء پر ہر ہر قدم پر نئے نئے رہنما کی ضرورت پیش آئی اور اس لئے عالم انسانی اپنی تکمیل کے لئے ہمیشہ ایسے جامع کامل کا محتاج رہا جو صاحب شمشیر ونگین بھی ہو۔ اور گوشہ نشین بھی، بادشاہ کشور کشا بھی ہو اور گدا بھی۔ فرمانروائے جہاں بھی اور سبحہ گرداں بھی مفلس قانع بھی ہو اور غنی دریادل بھی یہ برزخ کامل، یہ ہستی جامع یہ صحیفہ یزدانی عالم کون کی آخری معراج ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم۔

عالم فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں۔ اس لئے یہ ہستی جامع، دنیا میں آکر ہمیشہ نہیں رہ سکتی اس لئے ضروری ہے کہ اس کی زبان کا ایک ایک حرف، اس کی حرکات وسکنات کی ایک ایک ادا اس کے حلیہ وجود کے ایک ایک خط وخال کا عکس لے لیا جائے کہ مراحل زندگی میں جہاں ضرورت پیش آئے، رہنمائی کے کام آئے۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح دیگر تمام بانیان مذہب، جامعیت کبریٰ کے وصف سے خالی تھے ان کے کارنامۂ زندگی کی تصویریں بھی ناتمام لی گئیں، جناب مسیح کی ۳۳ سالہ زندگی میں سے صرف ۳ برس کے حالات معلوم ہیں۔ فارس کے مصلحان دین، صرف شاہنامہ کے ذریعہ سے روشناس ہیں۔ ہندوستان کے پیغمبر، افسانوں کے حجاب میں گم ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت آج جو کچھ معلوم ہے اس کا ذریعہ صرف موجودہ توراۃ ہے جو حضرت موسیٰ کے تین سو برس بعد عالم وجود میں آئی۔ یہ قدرت کی طرف سے اشارہ تھا کہ ان کے کارنامے، اور اصول تعلیم ابدی نہ تھے۔ اس لئے نقل وروایت کے آئینے میں جس قدر ان کا ناتمام عکس اترا اس سے زیادہ ضروری بھی نہ تھا۔ قدرت خود ضرورت کی اندازہ داں ہے۔ اور جب جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ خود مہیا کر دیتی ہے۔ تمام ارباب مذاہب میں سے ہر ایک کو اپنا مذہب اسی قدر عزیز ہے جس قدر دوسرے کو ہے۔ اس لئے اگر بے پردہ یہ سوال کیا جائے کہ دنیا

میں کون ہستی تھی جس میں جامعیت کبریٰ کا وصف نمایاں تھا؟ تو ہر طرف سے مختلف صدائیں آئیں گی۔ لیکن اگر یہی سوال اس پیرایہ میں بدل دیا جائے کہ دنیا میں وہ کون شخص گزرا ہے جس کا کارنامۂ زندگی اس طرح قلم بند ہوا کہ ایک طرف تو صحت کا یہ التزام تھا کہ کسی صحیفۂ آسمانی کیلئے بھی نہ ہو سکا۔ اور دوسری طرف وسعت اور تفصیل کے لحاظ سے یہ حالت ہے کہ افعال واقوال وضع و قطع، شکل و شباہت، رفتار و گفتار، مذاق طبیعت، انداز گفتگو، طرز زندگی، طریق معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی تو اس سوال کے جواب میں صرف ایک صدا بلند ہو سکتی ہے:

(محمد عربی فلیۃ بابی و امی)

یہ جو کچھ کہا گیا، مقصد تصنیف کا صرف ایک پہلو تھا۔ اسی مسئلے کو علمی حیثیت سے دیکھو، علوم و فنون کی صف میں سیرت (بائیوگرافی) کا ایک خاص درجہ ہے، ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے حالات زندگی بھی حقیقت شناسی اور عبرت پذیری کیلئے دلیل راہ ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹا انسان بھی کیسی خواہشیں رکھتا ہے، کیا کیا منصوبے باندھتا ہے، اپنے چھوٹے سے دائرہ عمل میں کس طرح آگے بڑھتا ہے، کیونکر ترقی کے زینوں پر چڑھتا ہے، کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتا ہے، کیا کیا مزاحمتیں اٹھاتا ہے۔ تھک کر بیٹھ جاتا ہے سستاتا ہے اور پھر آگے بڑھتا ہے۔ غرض سعی و عمل، جہد و ہمت، عبرت و حیرت کی جو عجیب و غریب نیرنگیاں سکندر اعظم کے کارنامہ زندگی میں موجود ہیں، بعینہٖ یہی منظر ایک غریب مزدور کے مرقع حیات میں بھی نظر آتا ہے اس بنا پر اگر سیرت اور سوانح کا فن، عبرت پذیری اور نتیجہ رسی کی غرض سے درکار ہے تو "شخص" کا سوال نظر انداز ہو جاتا ہے۔ صرف یہ دیکھنا رہ جاتا ہے کہ حالات اور واقعات جو ہاتھ آتے ہیں وہ کس وسعت اور استقصاء و تفصیل کے ساتھ ہاتھ آتے ہیں تاکہ مراحل زندگی کی تمام راہیں اور ان کے پیچ و خم ایک ایک کر کے نظر کے سامنے آجائیں۔ لیکن اگر خوش قسمتی سے فرد کامل اور استقصائے واقعات، دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو اس سے بڑھ کر اس فن کی کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔

وجوہ مذکورہ بالا بنا پر کون شخص انکار کر سکتا ہے کہ صرف ہم مسلمانوں کو نہیں بلکہ تمام عالم کو اس وجود مقدس کی سوانح عمری کی ضرورت ہے جس کا نام مبارک "محمد" (رسول اللہ ﷺ) ہے اللّٰھم صلّ علیہ وسلم صلوٰۃ کثیرا کثیرا۔ یہ ضرورت صرف اسلامی یا مذہبی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک علمی ضرورت ہے، ایک اخلاقی ضرورت ہے، ایک تمدنی ضرورت ہے، اور مختصر یہ ہے کہ مجموعہ ضروریات دینی و دنیوی ہے۔

میں اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ اسلامی حیثیت سے میرا فرض اولین یہی تھا کہ تمام تصنیفات سے پہلے میں سیرت نبوی کی خدمت انجام دیتا، لیکن یہ ایک ایسا اہم اور نازک فرض تھا کہ میں مدت تک اس کے ادا کرنے کی جرأت نہ کر سکا، تاہم میں

دیکھ رہا تھا کہ اس فرض کے ادا کرنے کی ضرورتیں بڑھتی جاتی ہیں۔

اگلے زمانے میں سیرت کی ضرورت صرف تاریخ اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے تھی، علم کلام سے اس کو واسطہ نہ تھا۔لیکن معترضین حال کہتے ہیں کہ اگر مذہب صرف خدا کے اعتراف کا نام ہے تو بحث یہیں تک رہ جاتی ہے، لیکن جب اقرار نبوت بھی جزو مذہب ہے تو یہ بحث پیش آتی ہے کہ جو شخص حامل وحی، اور سفیر الٰہی تھا اس کے حالات، اخلاق اور عادات کیا تھے؟

یورپ کے مورخین آنحضرتؐ کی جو اخلاقی تصویر کھینچتے ہیں وہ (نعوذ باللہ) ہر قسم کے معائب کا مرقع ہوتی ہے، آج کل مسلمانوں کو جدید ضرورتوں نے عربی علوم سے بالکل محروم کر دیا ہے اس لئے اس گروہ کو اگر کبھی پیغمبر اسلامؐ کے حالات اور سوانح کے دریافت کا شوق ہوتا ہے تو انہی یورپ کی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، اس طرح یہ زہر آلود معلومات آہستہ آہستہ اثر کرتی جاتی ہیں۔ اور لوگوں کو خبر تک نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ ملک میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو پیغمبر کو محض ایک مصلح سمجھتا ہے جس نے اگر مجمع انسانی میں کوئی اصلاح کر دی۔ تو اس کا فرض ادا ہو گیا۔اس بات سے اس کے منصب نبوت میں فرق نہیں آتا کہ اس کے دامن اخلاق پر معصیت کے دھبے بھی ہیں۔

یہ واقعات تھے جنہوں نے مجھ کو بالآخر مجبور کیا۔ اور میں نے سیرت نبوی پر ایک مبسوط کتاب لکھنے کا ارادہ کیا۔ یہ کام بظاہر نہایت آسان تھا۔ عربی زبان میں سیکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ ان کو سامنے رکھ کر ایک ضخیم اور دلچسپ کتاب لکھ دینا زیادہ سے زیادہ چند مہینوں کا کام تھا۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ کوئی تصنیف اس تصنیف سے زیادہ دیر طلب اور جامع مشکلات نہیں ہوسکتی۔

آگے چل کر ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔ کہ خاص سیرت پر آج تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں صرف صحیح روایتوں کا التزام کیا جاتا، حافظ زین الدین عراقی جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے سیرۃ نبوی میں لکھتے ہیں:

ولیعلم الطالب ان السیر یجمع ما قد صح وما قد انکرا

یعنی طالب فن کو جاننا چاہئے کہ سیرۃ میں ہر قسم کی روایتیں نقل کی جاتی ہیں صحیح بھی اور قابل انکار بھی۔ یہی سبب ہے کہ مستند اور مسلم الثبوت تصنیفات میں بھی بہت سی ضعیف روایتیں شامل ہو گئیں۔ اس بناء پر ضرور تھا کہ نہایت کثرت سے حدیث و رجال کی کتابیں بہم پہنچائی جائیں اور پھر نہایت تحقیق وتنقید سے ایک مستند تصنیف تیار کی جائے۔لیکن سینکڑوں کتابوں کا استقصاء کے ساتھ دیکھنا اور ان سے معلومات کا اقتباس ایک شخص کا کام نہ تھا۔ اس کے ساتھ ایک ضرورت یہ بھی تھی کہ یورپ میں آنحضرتؐ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے واقفیت حاصل کی جائے۔ میں بد قسمتی سے یورپ کی کوئی زبان نہیں جانتا اس لئے

ایک محکمہ تصنیف

کی ضرورت تھی جس میں قابل عربی داں اور مغربی زبان کے جاننے والے شامل ہوں۔ خدا نے جب یہ سامان پیدا کر دئے تو اب مجھ کو کیا عذر ہو سکتا ہے؟ اب بھی اگر اس فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہتا تو اس سے بڑھ کر کیا بدقسمتی ہو سکتی تھی۔ (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۷)

مولوی شبلی صاحب کی کتاب کا سامان:

مولوی شبلی صاحب نے ابھی جو لکھا کہ "اس لئے ایک محکمہ تصنیف کی ضرورت تھی۔ خدا نے جب یہ سامان پیدا کر دئے تو اب مجھ کو کیا عذر ہو سکتا تھا؟" اس سامان کو انھوں نے یہاں ظاہر نہیں کیا کہ وہ کیونکر پیدا ہو گیا۔ مگر ان کے شاگرد و قائم مقام نے شروع ہی میں اس کا اعلان کر دیا ہے کہ سیرۃ نبوی جس کے غلغلہ سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہے آج ۷ سال کے بعد اس کی پہلی جلد شائقین کے ہاتھ میں جاتی ہے۔ مصنف مرحوم کو سیرۃ نبوی کے لکھنے کا خیال الفاروق کے بعد ہی پیدا ہو گیا تھا۔ بالآخر انھوں نے ۱۳۳۰ھ میں اس بار امانت کے اٹھانے کا آخری فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ پچاس ہزار روپیہ کے سرمایہ کیلئے انھوں نے قوم میں مراقعہ پیش کیا سینکڑوں مسلمان اس خدمت کے لئے آگے بڑھے۔ ان میں فقراء امت بھی تھے اور امراء ملت بھی لیکن یہ سعادت اخروی ازل ہی سے نواب سلطان جہاں بیگم تاج الہند فرمانروائے بھوپال کے لئے مقدر تھی۔ اس لئے وہ سب کے آگے بڑھیں اور سوانح نگار نبوت کو دوسرے آستانوں سے بے نیاز کر کے اس سرمایہ سعادت کو اپنے خزانۂ عامرہ میں شامل کر لیا۔ مصنف مرحوم کی وفات کے بعد شاید دوبارہ اس خدمت گزاری کیلئے مسلمانوں میں قرعہ اندازی ہوتی لیکن فرمانروائے بھوپال نے مصنف کے جانشینوں کیلئے بھی سلسلۂ فیض کو برابر جاری رکھا" (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲) مگر بعض معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس سیرۃ النبی کے لئے صرف ریاست بھوپال ہی سے پچاس ہزار روپیہ نہیں دیا گیا بلکہ تقریباً ایک ہزار روپیہ ماہوار ریاست حیدرآباد دکن سے بھی ملتا رہا اور اب تک ملتا ہے جس سے سیرۃ النبی کی اب تک کی سات ضخیم جلدیں شائع ہو چکیں۔

اب ہمارا فرض کیا ہے؟

جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی ضخیم سوانح عمری کی اب تک سات بڑی بڑی جلدیں شائع ہو چکیں (اور معلوم نہیں کہ ابھی اور کتنی جلدیں شائع ہوں گی) تو کیا حضرت رسول خدا کے نفس مبارک حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ضخیم سوانح عمری شائع کرنے کی بھی ضرورت تسلیم نہیں کی جائے گی؟ پھر تو تمام مومنین کے افسوس کا مستقل سامنا باقی رہ جائے گا۔ اور جس طرح

حضرت رسول خداؐ قیامت میں قرآن صامت کے بارے میں خدا سے شکایت فرمائیں گے کہ

وَقَالَ الرَّسُولُ يَارَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا

اے خدا میری قوم نے تیری اس کتاب قرآن مجید کو بکواس سمجھا یا چھوڑ دیا۔(سورہ فرقان، ۳۰)

ہم لوگوں کی شکایت بھی اس طرح فرمائیں کہ "اے خدا میری قوم (شیعیان امیر المومنینؑ) نے تیرے قرآن ناطق (جناب امیرؑ) کی بھی ضخیم سوانح عمری کیوں شائع نہیں کی؟"

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی عظیم الشان سوانح عمری کی ضرورت

اس وجہ سے نہایت شدید ضرورت ہے کہ جس طرح مولوی شبلی صاحب نعمانی نے حضرت رسولؐ کی بڑی سوانح عمری سات آٹھ ضخیم جلدوں میں شائع کی۔ حضرت باری عزاسمہ کے پیارے ولی حضرت امیر المومنینؑ نفس رسولؐ کے مفصل اور جامع تحقیقی حالات بھی اردو زبان میں شائع کئے جائیں جو حضرت کے سوانح کا مکمل ذخیرہ ہو جائے کہ جس وقت حضرت سے متعلق جس مضمون کو کوئی شخص چاہے آسانی سے نکال لے۔ اور کوئی ضروری امر ایسا نہ ہو جو اس میں درج ہونے سے رہ جائے۔ یہ کام اس قدر ضروری ہے کہ جناب شمس العلماء نجم الملۃ والدین مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ طاب ثراہ مدرس اعلیٰ مدرسہ ناظمیہ و متولی منتظم مدرسۃ الواعظین لکھنو بھی اس عظیم الشان سوانح عمری کے لئے بہت بے چین رہے۔ اور خاص موقعوں پر مومنین سے اس کی اہمیت کا ذکر فرماتے رہتے تھے بلکہ ایک دفعہ اخبار میں اپنی اس تمنا کو ان الفاظ میں ظاہر بھی فرما دیا تھا۔" میری تمنا ہے کہ جناب امیر المومنینؑ کی سیرۃ مکمل صورت میں شائع ہو۔ اب تک جو کتابیں لکھی گئیں وہ سراسر قاصر نظر آتی ہیں جس بزرگ و مقدس ذات کے فضائل و مناقب کی تحریر میں بحور عالم کی مداد، ریاض عالم کے اقلام، جن وانس کی کتابت و محاسبت ناکافی، جس کی محبت وعداوت مدار ایمان وکفر جس کا ہر کلمہ حکمت کا دفتر جس کا ہر فعل ہدایت کا سرچشمہ، جو نفس رسولؐ جس کے کمالات کا سکہ غیر اسلامی دنیا کے قلوب پر بھی اور جسے خدا اور رسولؐ نے اپنا محبوب قرار دیا ہو اس کی سیرت لکھنے میں بڑے عظیم الشان اہتمام کی ضرورت ہے پھر بھی ایک شمہ سمجھا جائے گا دعا کرتا ہوں کہ خداوند عالم ارباب ہمم کو متوجہ فرمائے اور سیرۃ علویہ کی اشاعت سے زمانہ فیض یاب ہو۔ نجم الحسن عفی عنہ۔"

(مکتوب ۱۳؍رجب ۱۳۴۵ھ)

مذکورہ بالا تحریر کو شائع ہوئے پورے پچیس سال گزر گئے مگر افسوس اب تک مومنین کے ارباب ہمم اس ضروری خدمت کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ اب تک ہماری جماعت کے مصنفین نے اس شاہکار کے انجام دینے کے لئے وقت نہیں نکالا۔

اور اب تک اہل ایمان کے صاحبان قلم نے اس کارنامہ کے لئے اپنے کو وقف نہیں کیا۔

اس سوانح عمری کی اہمیت اس وجہ سے بھی بہت زیادہ سخت ہوگئی کہ مذکورہ بالا شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے اپنی دھوم دھام کی کتاب سیرۃ النبی کی متعدد جلدوں میں در پردہ شمس رسولؐ جناب امیرؑ کے فضائل چھپانے، حضرت کے کارناموں پر پانی پھیرنے اسلام میں حضرت کا نہایت پست وجود دکھانے، حضرت کے احسانوں پر پردہ ڈالنے حضرت کے کمالات سے اہل اسلام کو ناواقف رکھنے، حضرت کی دینی خدمات حقیر دکھانے کی حد درجہ کوشش کی ہے۔ اور حق کو قتل کر کے، معتبر روایتوں کو چھوڑ کر، اصلی حالات کو طاق نسیاں پر رکھ کر، صحیح واقعات پر خاموش رہ کر اور بعض باتوں سے چشم پوشی کر کے صاف انکار کرنے سے زیادہ مہلک سامان کر دیا اور اس کیلئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا ہے کہ کوئی شخص حضرت کو کسی امتیاز کا مستحق نہ سمجھے اور زیادہ سے زیادہ ایک صحابی رسولؐ کی حیثیت سے آپ سمجھے جائیں۔

جناب امیرؑ کے ساتھ مولوی شبلی صاحب کی مہربانی اور عنایت کے چند نمونے:

اگر ہماری کتاب کے ناظرین مذکورہ بالا عبارت کو مبالغہ پر محمول فرمائیں تو ہم ان کی خدمت میں مولوی صاحب کی سیرۃ النبی کی چند کارروائیاں پیش کر کے فیصلہ انہیں پر چھوڑتے ہیں ملاحظہ ہو:

(۱) حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خانہ کعبہ میں پیدائش اسلام کا مشہور اور قابل فخر تذکرہ ہے۔ جس کو نہایت معتبر مورخین و محدثین اہل سنت نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور اس کے تواتر تک کا دعویٰ کیا گیا ہے مگر مولوی شبلی صاحب نے اس کو بالکل غائب کر دیا۔ کہیں اشارہ تک نہیں آنے دیا کہ جناب امیر کو ایسی عظیم الشان فضیلت حاصل ہوئی اگر کوئی صاحب کہیں کہ چونکہ مولوی صاحب نے حضرت علی کی سوانح عمری نہیں لکھی بلکہ حضرت رسولؐ کی سوانح عمری لکھی ہے اس وجہ سے اس واقعہ کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی۔ تو ہم بادب عرض کریں گے کہ پھر مولوی صاحب نے عرب کی وجہ تسمیہ، جغرافیہ عرب کے اقوام و قبائل عرب کی قدیم حکومتوں، عرب کے تمدن و تہذیب وغیرہ مباحث پر کیوں کئی صفحے لکھ ڈالے؟ حضرت رسولؐ کی سوانح عمری میں ان باتوں کے لکھنے کی ضرورت تو تھی مگر حضرتؐ کے چچا زاد بھائی، حضرت کے قوت بازو حضرت کے داماد حضرت کے شریک فی اشاعت الاسلام حضرت کے خلیفہ جناب امیر کی جائے پیدائش لکھنے کی گنجائش نہیں نکلی۔ لطف یہ ہے کہ "خانہ کعبہ کی تعمیر" کا عنوان قائم کر کے موصوف نے کئی صفحے تحریر کر دیے ہیں۔ لیکن اس میں کون آفتاب عرب پیدا ہوا؟ اس کا تصور تک نہیں آنے دیا۔ ایک مقام پر لکھا ہے "چند چند واقعات ہیں واقعات تھے جن میں تاریخی ترتیب معلوم ہے اس لئے مسلسل لکھے گئے

ان کے سوا اور جستہ جستہ واقعات کا بھی پتا لگتا ہے چونکہ ان کے سنین اور تاریخیں غیر معلوم ہیں اس لئے ان کو عام سلسلہ سے الگ یک جا لکھنا زیادہ موزوں ہوگا"۔(سیرۃ النبی جلدا۔ ۱۳۷)

پھر ان جستہ جستہ واقعات میں "حدود سفر، مراسم شرک سے اجتناب، موحدین کی ملاقات، احباب خاص" وغیرہ عنوان قائم کر کے کئی صفحے لکھ ڈالے ہیں۔ مگر ممدوح کو یہ خیال نہیں ہوا کہ جستہ جستہ واقعات میں جناب امیر علیہ السلام کی خانہ کعبہ کے اندر ولادت باسعادت بھی ہے۔ اس کو بھی درج کر دیں۔ پس حضرت امیر المومنینؑ کی بڑی سے بڑی فضیلت جو حضرت کے ابتدائی حالات کی موصوف کو نظر آئی وہ یہ ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں کی فہرست میں آپ بھی مل گئے۔ چنانچہ لکھا ہے "جو پچھلے تجربوں کی بناء پر آپ کے صدق دعوے کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے، یہ لوگ حضرت خدیجہ آپ کی حرم محترم تھیں، حضرت علیؑ تھے جو آپ کی آغوش تربیت میں پلے تھے، زید تھے جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندہ خاص تھے" (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ٦٦) یہ بھی جناب امیرؑ کا اسلام بہت ہلکا دکھانے کی تدبیر ہے کہ جب گودی میں پلے تھے تو اسلام کیوں نہ قبول کرتے۔

(۲) حضرت ابو طالبؑ کے ایمان کے بارے میں علماء اسلام کے درمیان ضرور اختلاف ہے اگر مولوی صاحب ان کے ایمان کا لکھنا گوارہ نہیں کر سکتے تھے تو کفر کا بھی ذکر نہ کرتے خاموش رہ جانے میں آپ پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن آپ کے سکوت سے جناب امیرؑ پر آپ کی عنایت کیونکر ظاہر ہوتی؟ اس وجہ سے لکھ دیا ایک دفعہ آپ (حضرت رسولؐ) حضرت علیؑ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے آپ کے چچا، ابو طالب آ نکلے۔ ان کو اس جدید طریقۂ عبادت پر تعجب ہوا۔ کھڑے ہو گئے اور بغور دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد پوچھا یہ کون دین ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہمارے دادا ابراہیم کا یہی دین تھا، ابو طالبؑ نے کہا میں اس کو اختیار تو نہیں کر سکتا لیکن تم کو اجازت ہے اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہ ہو سکے گا۔ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۵۱)

اس عبارت میں موصوف نے حضرت ابو طالبؑ کو صرف کافر ہی نہیں ثابت کیا بلکہ انتہا درجہ کا جاہل بھی بنا دیا۔ افسوس! موصوف نے یہاں عقل وفہم کے کل درجوں کو بھی علیحدہ کر دیا دنیا میں کسی شخص کی عقل اس بات کو تسلیم کر سکتی ہے کہ جناب ابو طالبؑ کے گھر میں جناب رسول خداؐ اور جناب امیرؑ دونوں رہتے ہیں دونوں بزرگ اسلام کے کام کریں۔ خدا کی عبادت کریں۔ بت پرستی کا نام بھی نہ لیں۔ کفر کے خلاف کل فرائض انجام دیتے رہیں مگر جناب ابو طالبؑ کو کسی بات کی خبر بھی نہ ہو۔ معاذ اللہ کیا جناب رسول خدا صلعم اور جناب امیرؑ مل کر کسی چوری یا ڈکیتی کا انتظام کرتے رہتے تھے جس کو اپنے بزرگ سے بھی اس درجہ

چھپانے پر مجبور تھے؟ کیا دونوں حضرات کسی کے قتل و غارت کی سازش کرتے رہتے تھے۔ جس کو جناب ابوطالبؑ سے بھی مخفی رکھنے کی ضرورت تھی؟؟ اگر حضرت رسولؐ ایسے ہی بزدل تھے کہ اپنے حقیقی چچا تک سے اسلام کو پوشیدہ رکھا تو معاذ اللہ خدا نے بڑی غلطی کی کہ آپ کو اس زمانے کا پیغمبر اور ہادی بنا دیا۔ مولوی صاحب نے کس سادگی سے لکھ دیا کہ "ان کو اس جدید طریقہ عبادت پر تعجب ہوا کھڑے ہو گئے اور بغور دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد پوچھا کہ یہ کون دین ہے"۔ مگر یہ نہیں لکھا کہ جس طرح جناب ابوطالبؑ سے بھی کیوں نہیں ذکر کیا؟ اور ان کو بھی شروع ہی میں اسلام کی دعوت کیوں نہیں دی؟ کیا یہ ممکن ہے کہ آنحضرتؐ نے چچا کو چھوڑ کر پہلے ان کے فرزند ہی کو اس دین کے قبول کرنے پر آمادہ کیا ہو؟ اور کیا جناب امیرؑ نے بغیر اپنے والد کی اجازت لئے اس دین کو قبول کر لیا ہوگا؟ روایت میں جو کچھ بھی ہو مگر عقل کا فیصلہ تو یہی ہے کہ پہلے جناب ابوطالبؑ ہی سے اسلام کا ذکر کیا گیا ہوگا۔ ان کے بعد جناب خدیجہؑ کا نمبر تھا۔ اگر حضرت علیؑ نے جناب رسولؐ کی آغوش تربیت میں پلنے کی وجہ سے اسلام ظاہر کیا تو جناب رسولؐ نے بھی جناب ابوطالبؑ ہی کی آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی۔ ان کو حضرت کیسے چھوڑ سکتے تھے (انشاء اللہ اس سوانح عمری "نفس رسولؐ" میں جب موقع آئے گا تو اس پر مفصل بحث کی جائے گی۔)

(۳) مولوی صاحب کے اس اندھیر کو بھی زمانہ کسی طرح دیکھے اور خوب یاد رکھے کہ لکھتے ہیں "تین برس تک آنحضرت نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ کیا لیکن اب آفتاب رسالت بلند ہو چکا تھا۔ صاف حکم آیا فاصدع بما تؤمر اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے وا شگاف کہہ دے اور نیز حکم آیا وانذر عشیرتک الاقربین۔ اور اپنے نزدیک خاندان والوں کو خدا سے ڈرا۔ آنحضرتؐ نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا: یا معشر قریش! لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟ سب نے کہا ہاں۔ کیونکہ تم کو ہمیشہ سے ہم نے سچ بولتے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا۔ یہ سن کر سب لوگ جن میں ابولہب آپ کا چچا بھی تھا سخت برہم ہو کر چلے گئے۔ چند روز کے بعد آپ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو۔ یہ در حقیقت تبلیغ اسلام کا پہلا موقع تھا۔ تمام خاندان عبد المطلب مدعو کیا گیا۔ حمزہ ابو طالب عباس سب شریک تھے۔ آنحضرتؐ نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کا کفیل ہے۔ اس بار گراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا؟ تمام مجلس میں سناٹا تھا۔ دفعتاً حضرت علیؑ نے اٹھ کر کہا گو مجھ کو آشوب چشم ہے گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نو عمر ہوں تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا"۔ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۵۳)

اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اس طرح آفتاب پر خاک ڈالی جاتی ہے۔ پھر اگر عیسائی حضرت رسولؐ کے ساتھ ایسی ہی

کاروائی کرتے ہیں تو کسی کو شکایت کا حق ہے؟ کون پوچھے کہ کیوں مولوی صاحب کیا یہ واقعہ اسی طرح ہے جس طرح آپ نے لکھ دیا؟

کیا حضرت رسولؐ نے صرف یہی فرمایا تھا کہ ”اس بار گراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا؟“ اہل سنت کی کل کتب حدیث وتفسیر وتاریخ وسیرۃ تو اور کچھ بھی بتاتی ہیں۔ سنئے۔ حضرتؐ نے فرمایا تھا ”تم میں سے کون ایسا ہے جو اس بار گراں کے اٹھانے میں میرا ساتھ دے اور میں اس کو اپنا بھائی وصی، وزیر اور خلیفہ قرار دوں۔ تمام مجلس میں سناٹا تھا۔ دفعتاً حضرت علیؑ نے اٹھ کر کہا مجھ کو آشوب چشم ہے۔ گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نوعمر ہوں۔ تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ یا رسول اللہؐ میں آپ کا وزیر ہوں گا، جو حکم آپ کریں گے میں اس کی تعمیل کروں گا۔ آپ کی مدد کروں گا۔ آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ۔ شاید جو لوگ تم سے بڑے ہیں قبول کریں۔ تین مرتبہ حضرتؐ نے اس مضمون کا اعادہ کیا مگر کسی نے جواب نہ دیا اور علیؑ اس طرح کلمات اطاعت وفرمانبرداری دہراتے رہے۔ آخری مرتبہ آپ نے علیؑ کو اپنے پاس بلایا بیعت لی ہاتھ پھیلا کر گلے سے لگایا اور فرمایا دیکھو میرے بھائی، میرے وزیر، میرے وصی، میرے خلیفہ کو۔ سب اس کی بات کو ماننا اور اس کی اطاعت کرنا۔ قریش قہقہہ مار کر ہنسنے لگے اور ابو طالبؑ سے یہ کہہ کر کہ علیؑ کو سلام کرو اور اس کا حکم مانا کرو سب چلے گئے۔

”(تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۷) (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۲) (تاریخ ابوالفدا جلد ا صفحہ ۱۱۶) (تفسیر لباب التاویل جلد ۳ صفحہ ۳۷۱) (تفسیر معالم التنزیل جلد ۵ صفحہ ۱۰۵) (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۲۔ صفحہ ۳۹۶ وصفحہ ۳۹۷، وصفحہ ۴۰۱ وغیرہ) (تاریخ حبیب السیر جلد ا جزو ۳ صفحہ ۱۶) وتاریخ کیمبن جلد ۳ صفحہ ۴۹۹) وتاریخ اوکلی صفحہ ۱۵) و (تاریخ کارلائل صفحہ ۶۱) و (تاریخ ایرونگ صفحہ ۴۷) و (تاریخ گلن صفحہ ۸۳ و ڈیون پورٹ صفحہ ۵ وغیرہ۔“)

انصاف پسند دنیا مولوی شبلی صاحب کی اس استادی کی داد دے کہ انہوں نے اسلامی واقعات اور تاریخی حقائق کے کتنے بڑے آفتاب درخشاں کو معمولی کانٹ چھانٹ سے کیسا حقیر ذرہ بنا دیا۔ قرآن مجید میں خدا نے کئی جگہ اپنی خواہش کے مطابق دوسرے کے کلام میں کانٹ چھانٹ کرنے کی سخت مذمت فرمائی ہے ایک جگہ فرمایا ہے:

ویحرفون الکلم عن مواضعہ (پارہ ۵ ع ۴)

یہ لوگ دوسروں کی باتوں میں تحریف کر دیتے اور ان کو ان کی اصل جگہ سے ہٹا دیتے ہیں۔

فبما نقضھم میثاقھم ولعنا ھم و جعلنا قلوبھم قاسیۃً یحرفون الکلم عن مواضعہ و نسوا حظاً مما ذکروا بہ (پارہ ۶ ع ۷)

پس انہی لوگوں کے اپنے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان کو پھٹکار دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا باتوں میں تحریف کر دیتے ہیں اور لفظوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور ان کو جو نصیحت کی گئی تھی اس میں سے ایک حصہ بھلا بیٹھے۔

مگر مولوی شبلی صاحب ایسے مشہور مصنف کے بارے میں کسی کی کیا مجال ہے جو کچھ بول سکے:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

(۴) مولوی صاحب نے ایک جگہ یہ بھی تحریر فرمادیا ہے "اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خاندان ہاشم اور بنو امیہ برابر کے حریف تھے۔ اور دونوں میں مدت سے رشک و رقابت چلی آتی تھی" صفحہ ۱۵۶) اس کا آخری جملہ تو صحیح ہے مگر پہلا جملہ "خاندان ہاشم اور بنو امیہ برابر کے حریف تھے" ایسا ہے کہ افسوس کوئی تاریخی کتاب اس کی تصدیق کرنے پر آمادہ نہیں ہے علامہ دیار بکری نے لکھا ہے کہ کان هاشما افخر قومه واعلاهم لیتی قوم میں ہاشم سب سے زیادہ فخر کے مستحق اور سب سے زیادہ عزت و شرف کے مالک تھے۔ (تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۱۶۸) دونوں خاندانوں کے درمیان جو مقدمہ ہوا اس کے جج نے بھی اپنے فیصلہ میں لکھ دیا تھا لقد سبق هاشم امیه الی المآثر اول منه و آخر۔

یعنی میں قسم کھا کر فیصلہ کرتا ہوں کہ ہر امر میں ہاشم کا درجہ امیہ سے کہیں بلند اور امیہ ان سے بہت پست ہے (تاریخ کامل جلد ۲، صفحہ ۷) پھر دونوں کو برابر کا حریف بتانا کیا خاندان بنی ہاشم پر مولوی صاحب ممدوح کی مہربانی نہیں کہی جائے گی؟

(۵) بنی امیہ کی حمایت کے جوش میں مولوی صاحب نے یہ بھی لکھ دیا ہے "قریش کا رئیس اعظم حرب بن امیہ تھا" (صفحہ ۱۵۶) افسوس حرب کی تاریخ اس کے بھی خلاف ہے جناب عبدالمطلب کے مقابلہ میں خاندان بنی امیہ سے کوئی شخص بھی قریش کا رئیس اعظم نہیں ہو سکا۔ آپ کے ہم درجہ شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی بھی آپ کے خلاف ہی لکھتے ہیں۔ "عبد المطلب بن شعور کو پہنچے تو تمام کمالات و فضائل کو اپنے میں جمع کر لیا مکہ کی ریاست کی باگ ان کے ہاتھ میں آگئی"۔ (امہات الامہ چھاپہ دہلی صفحہ ۳۰)

فرمائیے کس کی بات مانی جائے؟؟ آپ بھی شمس العلماء اور آپ کا جواب دینے والے دوست بھی شمس العلماء ہی تھے۔

(۶) ایک جگہ اس طرح گہر افشانی کی ہے "خاندان ہاشم میں سب سے ممتاز اور کبیر السن ابولہب تھا جو رسول اللہ کا حقیقی چچا تھا" یہ بھی در حقیقت جناب ابوطالب کی توہین کے لئے لکھا۔ چونکہ ابولہب خاندان بنی امیہ کا داماد اور حضرت رسول خدا صلعم کا سخت ترین دشمن تھا۔ اس وجہ سے اس کی یہ عزت افزائی کی گئی۔ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی ہی کی عبارت آپ کی تحقیق پر

تبصرہ کرنے کے لئے کافی ہے جنہوں نے صاف لکھ دیا ہے ''یوں تو عبدالمطلب کی اولاد ذکور بقول بعض دس اور بقول بعض تیرہ تھی مگر سب میں زیادہ باوقار اور عقل مند ابوطالب تھے۔ یہ ہمارے نبی اکرمؐ پر بہت مہربان تھے'' (امہات الامہ صفحہ ۴۰) ہماری غرض آخری جملہ سے نہیں بلکہ ''سب میں زیادہ باوقار'' سے ہے مولوی شبلی صاحب حضرت رسولؐ کے سخت دشمن کو بنی ہاشم میں سب سے ممتاز لکھتے ہیں۔ اور مولوی نذیر احمد صاحب جناب ابوطالبؑ کو سب میں زیادہ باوقار ثابت کرتے ہیں اور تمام کتب تاریخ وسیرۃ وحدیث بھی مولوی نذیر احمد صاحب ہی کی ہم آواز ہیں۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ مولوی شبلی صاحب کتاب تو لکھتے ہیں حضرت رسولؐ کی سیرت کی مگر ان لوگوں کی مدح وثنا کے پل باندھتے ہیں جو حضرت کے سخت دشمن تھے اور پھر مدح وثنا بھی ایسی جس کو کل تاریخیں بہ آواز بلند کہتی ہیں کہ یہ سب ایجاد بندہ ہیں۔

(۷) مولوی صاحب قدم قدم پر ایسی تحقیقات ایجاد کرتے گئے ہیں جن سب کو دیکھ کر انسان متحیر ہوجاتا ہے اور یہ سوچنے لگتا ہے کہ کیا واقعاً سیرۃ النبی مولوی شبلی صاحب کی لکھی ہوئی ہے۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں ''عبدالمطلب نے اپنے زور اور اثر سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری کردیا تھا'' کس قدر خلاف واقع یہ جملہ ہے اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ جناب ہاشم میں خود زور اور اثر نہیں تھا اور ان کا پلہ بالکل ہلکا تھا۔ یہ تو بالکل ایسا ہے جیسے دن کو کوئی شخص اندھیری رات کہہ دے اور آفتاب کو چولہے کا توا بنادے۔ جناب ہاشم اور عبدالمطلب دونوں اپنے اپنے زمانے میں وہ سرداران عرب گزرے ہیں جن کا مقابل کوئی ماناہی نہیں گیا۔ سب کی تفصیل انشاء اللہ اس کتاب میں اپنے محل پر آئے گی۔ اس کے بعد لکھا ہے ''لیکن ان کے بعد ان خاندان میں کوئی صاحب اثر نہیں پیدا ہوا'' یہ بھی آفتاب پر خاک ڈالنی ہے جناب ابوطالبؑ ایسے زبردست صاحب اثر تھے کہ جب تک وہ زندہ رہے تمام عرب مل کر بھی ان کے خلاف کوئی کام نہیں کرسکا حضرت رسول خدا صلعم علانیہ عرب کو گمراہ اور جہنمی کہتے تھے۔ علانیہ بتوں کو جہنم کا ایندھن بتاتے تھے۔ ہر شخص کو اسلام کی طرف دعوت دیتے تھے۔ تمام اہل مکہ ان باتوں پر خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے تھے اور وہ صرف جناب ابوطالبؑ ہی کے اثر سے۔ خدا کے سوائے کوئی دوسرا شخص نہیں تھا جس کے خوف سے کل اہل مکہ دہلتے ہوں۔ کوئی دوسری چیز نہیں تھی جس کے رعب سے سب مخالفین تھراتے رہتے ہوں۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے لکھا ہے جس وقت پیغمبر صاحب نے اسلام کی منادی شروع کی ان کے چچا ابوطالب زندہ تھے اور وہ دل سے پیغمبرؐ صاحب کو سچا پیغمبر اور اسلام کو خدائی دین سمجھتے تھے ابوطالب اپنے والد عبدالمطلب کے بعد تمام قبیلہ قریش کے مانے ہوئے رئیس تھے اور ان کی حمایت کے ہوتے ہوئے پیغمبرؐ صاحب کو کسی کی حمایت کی ضرورت نہ تھی ایک چچا ابوطالب تھے جو پیغمبرؐ صاحب کو اپنے صلبی بیٹوں پر ترجیح دیتے تھے جہاں پیغمبرؐ صاحب کا پسینہ گرے اپنا خون بہانے کو موجود اور ایک چچا ابولہب تھا جو اسلام کے

نام سے چڑتا تھا اور پیغمبر صاحب کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا۔ بس ابوطالب کی حمایت پیغمبر صاحب کی ضمانت تھی"۔ (اجابت الاہمہ صفحہ ۷۹)

(۸) پھر ایک جگہ لکھا ہے "ابولہب جو خاندان ہاشم میں سب سے زیادہ ممتاز تھا" (صفحہ ۱۵۹) اگر مولوی صاحب اپنے ممدوح اور بنی امیہ کے داماد ابولہب کو دنیا بھر میں سب سے زیادہ ممتاز بھی لکھ دیتے تو کسی کا کچھ بگڑتا نہیں دنیا میں کتنے لوگ بتوں ہی کو اپنا معبود مانتے ہیں اور اپنی پیشانیاں پتھروں کے سامنے رگڑتے ہیں تو یہ اعتقادی بات ہے لیکن اگر کوئی کہے کہ فلاں ملک میں ایک بت ہے جو لوگوں کا بادشاہ ہے وہ ہر روز اپنی رعایا کو جو حکم دیتا ہے لوگ اس پر عمل کرتے ہیں اور جب وہ پتھر کا بت تلوار لے کر حملہ کرتا ہے تو سیکڑوں کا لشکر اس سے پناہ مانگنے لگتا ہے۔ تو ہر شخص اس کہنے والے سے فرمائش کر سکتا ہے کہ بھائی ذرا اس ملک میں چل کر ہم کو بھی اس بت بادشاہ سے ملاقات کرا دو" اسی طرح مولوی صاحب اگر ابولہب کو اس سے بھی زیادہ گراں بہا الفاظ سے سراہتے تو کسی کو مجال دم زدن نہیں ہوتی لیکن جب وہ تاریخی واقعہ کے طور پر اس طرح لکھتے ہیں تو ہر شخص کو حق ہے کہ ان سے سوال کرے جناب والا ابولہب کو مرے ہوئے تقریباً چودہ سو سال گزر گئے آپ خود تو اس وقت موجود تھے نہیں کہ اپنا چشم دید واقعہ بیان کریں اور آپ کے ماننے والے اس بیان کو تسلیم کرلیں بلکہ آپ اس وقت جو کچھ لکھ سکتے ہیں وہ اس زمانے کی تاریخی یا ادبی کتابوں ہی سے تحریر کر سکتے ہیں۔ تو مہربانی کر کے ارشاد فرمائیں دنیا میں کوئی تاریخی یا حدیثی یا تفسیری یا ادبی کتاب ایسی ہے جو آپ کی اس تحقیق انیق کی تصدیق کر سکے؟

(۹) مولوی شبلی صاحب کا آزاد قلم ترقی ہی کرتا جاتا ہے آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں "قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اس لئے اب یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرت اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص خاندان بنی ہاشم سے نہ قرابت کرے گا نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا، نہ ان سے ملے گا، نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا جب تک وہ محمدؐ کو قتل کے لئے حوالہ نہ کر دیں۔ ابوطالب مجبور ہو کر تمام خاندان بنی ہاشم کے ساتھ شعب ابوطالب میں (یہ پہاڑ کا ایک درہ تھا جو خاندان ہاشم کا موروثی تھا) پناہ گزیں ہوئے تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی، یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے" (صفحہ ۱۷۹) افسوس مولوی صاحب نے اس کے وہ کل واقعات غائب کر دئے جو باعلان کہتے ہیں کہ جناب ابوطالبؑ نے حضرت رسول خدا صلعم کی وہ حفاظت کی اور اسلام پر ایسا احسان کیا جس کی مثال حضرت آدمؑ سے اس وقت تک کسی زمانہ کسی ملک اور کسی قوم میں نہیں مل سکتی۔ علامہ حلبی وغیرہ نے لکھا ہے:

وکان ابوطالب فی کل لیلة یامر رسول اللہ ان یاتی فراشه ویضطجع به فاذا نام الناس اقامه وامر احد ابنه اوغیرھم ای من اخوته او بنی عمه ان یضطجع مکانه خوفاً علیه ان یغتاله احد ممن یرید به السوء

یعنی حضرت ابوطالب نے یہ معمول کرلیا تھا کہ ہررات حضرت رسول خداؐ سے فرماتے کہ میرے ہی فرش پر سورہو۔ پھر جب سب لوگ سوجاتے تھے تو آپ حضرتؐ کو اس جگہ سے ہٹادیتے اور اپنے بیٹوں یا حقیقی بھائیوں یا چچازاد بھائیوں سے کسی کو حکم دیتے تھے کہ رسول خداؐ کی جگہ سورہے۔ اس خوف سے کہ شب کو کوئی شخص دھوکے سے حضرتؐ کو قتل نہ کردے۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۳۴۲)

(۱۰) پھر ایک جگہ لکھا ہے ''ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے اس لئے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں''۔ (صفحہ ۱۸) مگر مولوی صاحب خود اس کے پہلے لکھ چکے ہیں'' خلاف قیاس جو واقعہ بیان کیا جائے قطعاً سمجھ لینا چاہئے کہ غلط ہے۔۔۔۔۔۔۔حسب ذیل صورتوں میں روایت اعتبار کے قابل نہ ہوگی اس کے متعلق اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا نہیں جو روایت عقل کے مخالف ہو جو روایت اصول مسلمہ کے خلاف ہو، محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو (صفحہ ۳۳) اگر مولوی صاحب غور کرتے تو آسانی سے سمجھ لیتے کہ حضرت ابوطالبؑ کا ایک منٹ کیلئے بھی کافر رہنا عقل کے بھی مخالف تھا، اصول مسلمہ کے بھی خلاف تھا اور محسوسات و مشاہدات کے بھی عکس تھا۔ انشاء اللہ اس سوانح عمری نفس رسولؐ میں جب موقع آئے گا تو ایمان جناب ابوطالبؑ کی حقیقت اس طرح ظاہر کردی جائے گی جس کے بعد کسی شخص کو ذرہ برابر بھی شک رہ ہی نہیں سکتا۔ سردست صرف ممدوح کا ایک شعر لکھ کر ہم اس بحث کو مختصر کردیتے ہیں ممدوح نے اپنے طویل قصیدہ میں فرمادیا تھا:

الم تعلموا انا و جدنا محمداً
رسولاً کموسیٰ صح ذالك فی الکتب

کیا تم لوگوں کو خبر نہیں ہے کہ ہم نے محمدؐ کو ویسا ہی رسولؐ (نبی اور پیغمبر) پایا جیسے رسول حضرت موسیٰ تھے اور ان کی نبوت کی پیشین گوئیاں تو آسمانی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی ہیں (اسنی الطالب صفحہ ۵) دنیا بتائے کہ حضرت ابوطالبؑ اس سے بڑھ کر کون بات کہتے جس سے آپ کا اسلام بھی یقینی ہوجاتا؟ اس سے واضح اعلان کیا ہوتا؟

(۱۱) جناب رسول خداؐ پر جس طرح ابوطالبؑ کے بڑے بڑے احسانات ہیں اسی طرح جناب فاطمہ بنت اسد (والدۂ

جناب امیرؑ) کی محبت وشفقت بھی اس حد کی تھی کہ آنحضرتؐ ان کو بیٹی مال فرمایا کرتے تھے۔ اور دنیا میں کوئی چچی ایسی نظر نہیں آئی جس نے اپنے بھتیجے کو اپنے بیٹوں پر ہر حالت میں ترجیح دی ہو۔ مگر کس قدر افسوس کی بات ہے کہ مولوی شبلی صاحب حضرت رسول خدا صلعم کی اتنی مفصل اور جامع سوانح عمری لکھیں لیکن حضرت فاطمہ بنت اسد ایسی جانثار محسنہ کے احسانوں سے بالکل چشم پوشی کر لیں۔

(۱۲) حضرت رسول خدا کی ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے (جناب امیرؑ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو" (صفحہ ۱۹۷) اس واقعہ کو اتنے سادہ طور پر لکھ گئے کہ جناب امیرؑ کے فضائل کی طرف ہلکی نظر نہ جاسکے۔ حالانکہ حضرت رسول خداؐ کے پاس خاص خدا نے یہ حکم بھیجا کہ تم اپنی جگہ علیؑ کو سلا دو۔ خدا کے انتخاب کرنے، خدا کے حکم دینے اور بذریعہ وحی اس انتظام کے انجام پانے کی جو عظمت تھی اس کو مورخ نے کس خوبصورتی سے بالکل اڑا دیا۔ اور کتنی صفائی سے اس مقام سے گزر گئے۔

(۱۳) اذان کے متعلق لکھا ہے "حضرت عمر نے اذان کی تجویز پیش کی اور آپ نے اس کے موافق حضرت بلال کو بلا کر اذان کا حکم دیا" (صفحہ ۲۰۷) حالانکہ صحیح روایت یہ ہے کہ خدا نے جناب جبرئیل کو اذان کا حکم دے کر جناب رسولؐ کے پاس بھیجا اور انہیں نے حضرت رسولؐ کو اس خدائی تجویز سے مطلع کیا۔ اس وقت حضرت رسولؐ کا سر مبارک جناب امیرؑ کی گود میں تھا۔ جناب جبرئیلؑ نے (اذان و اقامت کہی) جب رسول اللہ بیدار ہوئے تو پوچھا اے علیؑ تم نے بھی سنا؟ عرض کی ہاں۔ پوچھا یاد بھی کر لیا؟ عرض کی ہاں۔ فرمایا بلال کو بلا کر تعلیم کر دو۔ تو حضرت علیؑ ہی نے بلال کو طلب کر کے اذان تعلیم کر دی اور اسی وقت سے بلال موذن مقرر ہو گئے اس کی مفصل تحقیق انشاء اللہ جلد آئے گی۔

(۱۴) مدینہ میں پہنچ کر حضرت رسولؐ نے بڑا اخلاقی، تمدنی، سیاسی انتظام عقد مواخاۃ کا کیا۔ اس میں جناب امیر علیہ السلام کو وہ فضیلت حاصل ہوئی جس سے تمام صحابہ محروم رہے مگر مولوی صاحب نے اس فضیلت کی طرف اشارہ کر دینا بھی گوارہ نہیں کیا اس مواخاۃ میں حضرت ابوبکر کے بھائی خارجہ بن زید انصاری، حضرت عمر کے بھائی عتبان بن مالک انصاری اور حضرت عثمان کے بھائی اوس بن ثابت انصاری بنائے گئے لیکن حضرت امیر المومنینؑ اور خود حضرت سید المرسلین کا بھی کون بنایا گیا؟ خود جناب امیرؑ نے عرض کی یا رسول اللہ اور میں کس کا بھائی بنایا گیا؟ فرمایا انت اخی فی الدنیا و الآخرۃ اے علیؑ دنیا اور آخرت میں تمہارا بھائی تو میں ہوں اور میرے بھائی تم ہو کسی اور کو یہ فضل نہیں مل سکتا۔ ہجرت سے پہلے بھی مکہ میں ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے وہاں کے مسلمانوں میں عقد مواخاۃ قائم کیا تھا۔ اس میں حضرت ابوبکر کو حضرت عمر کا طلحہ کو زبیر کا بھائی بنایا

تھا۔اس وقت بھی آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں یہی فرمایا تھا کہ اے علیؑ تمہارا بھائی تو دنیا و آخرت دونوں میں میں ہوں۔(تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۳۹۸)(ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۹۵ وغیرہ (یہ واقعہ مواخاۃ اسلام کا عظیم الشان کارنامہ ہے جس میں جناب امیرؑ کو بھی بے انتہا فضیلتیں حاصل ہوئیں۔

(۱۵) آگے چل کر لکھا ہے "ایک دفعہ آنحضرتؐ سے فاطمہ زہراؑ نے درخواست کی کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہیں مجھ کو ایک کنیز عنایت ہو تو فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تم کو دوں اور صفہ والے بھوکوں مریں۔" (صفحہ ۲۱۵) یہاں بھی ممدوح نے ایسے اختصار سے کام لیا جس سے جناب سیدہؑ کی بڑی فضیلت پردہ میں رہ گئی۔حضرتؐ نے اس کے ساتھ جناب سیدہ کو تسبیح کی تعلیم بھی فرمائی جو آج تک تسبیح فاطمہ کے نام سے مشہور ہے۔

(۱۶) غزوہ بدر کے واقعات کو بہت تفصیل سے لکھا ہے مگر حضرت علیؑ کی شاندار خدمات سے بالکل چشم پوشی کر لی ہے حالانکہ اس میں ستر کفار مارے گئے جن میں سے نصف سے زیادہ (۳۶) کافروں کو تنہا حضرت علیؑ نے قتل کیا اس غزوہ میں علم بردار بھی حضرت علیؑ ہی تھے۔

(۱۷) جناب سیدہؑ کی شادی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "حضرت فاطمہؑ جو آنحضرتؐ کی صاحب زادیوں میں سب سے کم سن تھیں اب ان کی عمر ۱۸ برس کی ہو چکی تھی" (صفحہ ۲۶۷) اگرچہ اہل سنت عام طور پر کہتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ کی صاحب زادیاں تھیں اور اس وجہ سے مولوی شبلی صاحب کا بھی اسی بات کا اعادہ کرنا قابل اعتراض نہیں ہوسکتا لیکن جب اتنی عظیم الشان سوانح عمری لکھ رہے ہیں اور سابق علماء و محدثین و مورخین کے بیانات کی دھجیاں اڑانا بھی اپنا فرض سمجھا ہے تو یہاں بھی تحقیق کرتے کہ کیا واقعاً حضرت کی متعدد صاحب زادیاں تھیں جیسا کہ بے خبر مورخین نے لکھ دیا ہے۔ یا صرف جناب سیدہؑ تھیں جیسا کہ پوری تحقیق کرنے والے حضرات نے تصریح کر دی ہے۔اسی طرح ۲ھ میں جناب سیدہؑ کی عمر کا ۱۸ سال ہونا بھی خلاف تحقیق ہے جس کا مولوی شبلی صاحب کے قلم سے نکلنا بہت افسوس ناک ہے۔اس وقت جناب سیدہؑ کی عمر دس سال سے زیادہ نہیں ہوسکتی اور نہ حضرت رسول خداؐ کی عزت و شرف کبھی اس کو گوارا کرسکتا تھا کہ وہ اپنی پیاری صاحب زادی کو اتنے دنوں تک بٹھائے رکھنا پسند کریں کہ ان کی عمر کے ۱۸ سال عرب ایسے ملک میں (جہاں لڑکیاں عام طور پر ۹۔۱۰ برس کی عمر میں بیاہ دی جاتی تھیں) گزر جائیں۔اور جب اس شادی کا اہتمام خود خدا نے کیا اسی نے حضرت علیؑ کو تجویز کیا اسی نے جناب جبرئیل کو اس حکم کے ساتھ بھیجا اور حضرت علیؑ بھی حضرت رسولؐ کے قبضہ ہی کے تھے تو پھر اس شادی میں اتنی تاخیر کیوں کی جاتی کہ سیدہؑ کی عمر ۱۸ سال کی ہو جاتی؟

(۱۸) شادی کے پیغام میں بھی ممدوح نے بہت اختصار سے کام لیا۔ لکھتے ہیں "سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے آنحضرتؐ سے درخواست کی آپ نے فرمایا کہ جو خدا کا حکم ہوگا" پھر حضرت عمر نے جرأت کی، ان کو بھی آپ نے کچھ جواب نہیں دیا حضرت علیؑ نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہؑ کی مرضی دریافت کی" (صفحہ ۲۶۷)۔ اصلی واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کی درخواست پر حضرت رسول خداؐ کو اتنا غصہ ہوا کہ حضرتؐ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس پر حضرت ابوبکر روتے ہوئے حضرت عمر کے پاس گئے اور کہا کہ میں ہلاک ہوگیا۔ حضرت عمر نے پوچھا کیوں؟ کہا میں نے فاطمہؑ سے شادی کا پیغام دیا تو حضرتؐ نے میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر حضرت عمر نے بھی جا کر درخواست کی اس پر بھی آنحضرتؐ اس درجہ غضب ناک ہوئے کہ ان کی طرف سے بھی منہ پھیر لیا۔ (کنزالعمال جلد ۷ صفحہ ۱۱۳) مگر حضرت علیؑ سے بغیر آپ کی درخواست کے خود فرمایا کہ اے علیؑ! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ فاطمہؑ کی شادی تم سے کردوں۔ تم کو بھی منظور ہے؟۔ حضرت علیؑ نے کہا ہاں اور دونوں کی شادی کردی گئی۔ (ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۴)

(۱۹) غزوہ احد کو بھی موصوف نے بہت تفصیل سے لکھا ہے مگر افسوس حضرت علیؑ کی خدمات کو بہت کم لکھنے کا موقع پایا۔ لکھا بھی تو آپ کی تلوار کا نام لیا مگر حضرت کا نہیں چنانچہ فرماتے ہیں "دل کا دل ہجوم کرکے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ کر رہ جاتا تھا" (صفحہ ۲۷۷) مختصر واقعہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو شکست ہونے لگی تو حضرت علیؑ جہاد میں مصروف تھے اور کبھی کبھی حضرت کو دیکھ بھی جاتے تھے۔ آخری مرتبہ کفار کو ہٹا کر حضرت رسول خداؐ کو پہاڑی کے اوپر لے گئے۔ رات ہوگئی اور دوسرے دن صبح کو مدینہ روانہ ہوئے۔ اس غزوہ میں کفار صرف ۳۰ یا ۲۲ مارے گئے جن میں سے ۱۲ کو تنہا حضرت علیؑ نے قتل کیا۔ اس جنگ میں بھی علمدار حضرت علیؑ ہی تھے (تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۴۸۵ و کنزالعمال جلد ۵ صفحہ ۲۷۵ وغیرہ) اس جنگ میں حضرت کی تلوار ٹوٹ گئی تو حضرت رسول خداؐ نے آپ کو ذوالفقار عطا کی۔ تمین دفعہ ایسا ہی ہوا۔ جس وقت حضرت علیؑ نے یہ شجاعت دکھائی اور آنحضرتؐ کی اس طرح مدد کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ اپنی تعریف سنتے ہو کہ رضوان فرشتہ آسمان پر کہہ رہا ہے لافتیٰ الا علیؑ لا سیف الا ذوالفقار یہی آواز سنائی دی کہ لا سیف الا ذوالفقار لافتیٰ الا علی (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۵۸)

(۲۰) غزوہ احد میں حضرت علیؑ کے ایسے فضائل ظاہر ہوئے جن سے اسلامی کتابوں کے اوراق بھرے ہوئے ہیں مگر افسوس حضرت رسولؐ کی سب سے مفصل سوانح عمری میں ان کے لئے گنجائش نہیں نکل سکی۔ حضرت علیؑ نے باوصف اس امر کے کہ آپ کا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا اور آپ زخمی ہوگئے تھے کفار پر حملہ کرکے سب کو شکست دی اس وقت جبرئیل نازل ہوئے اور

حضرت رسولؐ سے پوچھا یہ کس نے ابھی کفار سے جنگ کی ہے جس کی وجہ سے خدا ملائکہ پر فخر ومباہات کررہا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا وہ علیؑ تھے۔(تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۴۳۶)

(۲۱) غزوہ خندق کو بھی موصوف نے بہت تفصیل سے لکھا ہے۔مگر جناب امیرؑ کی خصوصیات کو وہاں بھی درج کرنے کا موقع نہیں ملا۔اسی غزوہ میں جناب امیرؑ نے عمرو بن عبدود کو قتل کر کے اسلام کی پوری حفاظت کر لی۔جب حضرت اس کے مقابلے میں نکلے تو رسولؐ نے فرمایا۔برز الایمان کله الی الشرک کله پورا ایمان پورے کفر کے مقابلے کو نکل پڑا ہے (حیاۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۲۳۸ وسیرت محمدیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ وغیرہ) غزوہ خندق میں حضرت علیؑ سے ایسی شجاعت اور وہ کارنامے ظاہر ہوئے جو حد قیاس سے خارج ہیں۔حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا یقیناً جنگ خندق میں علیؑ کا جہاد میری امت کے ان کل اعمال سے افضل ہے جو وہ قیامت تک کرتی رہے گی۔نیز حضرت رسول مقبولؐ نے حضرت علیؑ کے حق میں دعائیں فرمائیں (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۱۳)

(۲۲) ایک مقام پر آپ یہ بھی لکھ گئے ہیں ''قرآن مجید میں جب تک کوئی خاص حکم نہیں آتا تھا آنحضرت توراۃ کے احکام کی پابندی فرماتے تھے چنانچہ اکثر مسائل مثلاً قبلہ،نماز،رجم،قصاص بالمثل وغیرہ وغیرہ میں جب تک خاص وحی نہیں آئی آنحضرتؐ نے توراۃ ہی کی پابندی فرمائی۔(صفحہ ۳۱۹) موصوف نے یہ بہت تردد خیز بحث چھیڑی ہے مگر افسوس کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا جب آپ اس کتاب کو معتبر ترین کتب حدیث سے لکھ رہے تھے تو آپ کا فرض تھا کہ حضرت کے اس اصول کی تصدیق بھی قرآن مجید کی کسی آیت یا صحیح بخاری کی کسی حدیث یا صحیح مسلم وغیرہ کی روایت سے کر دیتے اس عبارت سے اسلام کے مخالفین کو عام طور پر اور یہود ونصاریٰ کو خصوصیت سے اسلام کے خلاف زہر اگلنے کا کوئی کافی سامان مہیا ہو جائے گا۔اور اب تک وہ لوگ جو کچھ کہہ چکے ہیں اس کی کافی تائید ہو جاسکتی ہے۔سخت تعجب ہے کہ مولوی صاحب خود کیوں اس خطرناک نتیجے کی طرف ملتفت نہیں ہوئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۲۳) غزوہ خیبر میں جناب امیر کا مرحب کو قتل کرنا مشہور واقعہ ہے۔مگر مولوی صاحب نے اس کو بھی اختلافی مسئلہ بنا دیا لکھتے ہیں ''ابن اسحاق،موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے مارا تھا،مسند ابن حنبل اور صحیح مسلم میں بھی ایک روایت ہے''۔(صفحہ ۳۵۸) کیا اس عبارت سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ محمد بن مسلمہ کو مرحب کا قاتل بتانے والے بہت سے حضرات ہیں (۱) ابن اسحاق،(۲) موسیٰ بن عقبہ،(۳) واقدی،(۴) احمد بن حنبل،(۵) امام مسلم اور حضرت علی کو اس کا قاتل بتانے والے صرف امام بخاری ہیں۔اور ظاہر ہے کہ پانچ کے مقابلہ میں ایک کی بات تو کوئی دماغ خوشی سے نہیں مان

سکتا۔ اس وجہ سے سب کہیں گے کہ مرحب کو حضرت علی نے قتل نہیں کیا حالانکہ جناب امیرؑ کو اس کا قاتل بتانے والے ایک دو چار پانچ نہیں سینکڑوں ہیں۔ انشاء اللہ ان میں سے کچھ لوگوں کی تفصیل ہماری اس سوانح عمری محسن رسولؐ میں جلد ہی آئے گی۔

(۲۴) موصوف نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے "مرحب کے مارے جانے پر یہود نے جب عام حملہ کیا تو اتفاق سے حضرت علی کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑی۔ آپ نے قلعہ کا در جو ریتا یا پارہ سنگ تھا اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا، اس واقعہ کے بعد ابو رافع نے سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا تو جگہ سے بھی نہ ہل سکا۔ یہ روایتیں ابن اسحاق اور حاکم نے روایت کی ہیں لیکن بازاری قصے ہیں (صفحہ ۳۵۸) نہایت حیرت کا مقام ہے کہ جب ان باتوں کی روایت علامہ ابن اسحاق اور امام حاکم ایسے پیشوایان اسلام کر چکے ہیں تو مولوی صاحب نے ان سب کو کس قاعدے سے بازاری قصے کہہ دیا اس کی کچھ وجہ لکھنی ضروری تھی۔ لطف یہ ہے کہ بڑے بڑے مورخین تک نے اس کا ذکر کیا ہے۔ وہ در اس قدر وزنی تھا کہ اس کو ۸ آدمی اور دوسری روایت کے مطابق ستر آدمی بھی پلٹ نہیں سکے۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۵۶ و تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۳) انشاء اللہ ہم اپنی کتاب میں اس کی پوری تحقیق کریں گے۔

(۲۵) حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ بھی جناب امیر علیہ السلام کے شاندار کارناموں میں ہے مگر افسوس مولوی صاحب نے بہت اختصار سے یہاں بھی کام لیا لکھتے ہیں "حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کو خفی خط بھیجا۔ آنحضرت کو اطلاع ہوگئی حضرت علی کو بھیجا کہ قاصد سے خط چھین لائیں" (صفحہ ۳۷۵)۔ بس انہیں چند لفظوں پر جناب امیر علیہ السلام کی کل خدمات کو ختم کر دیا۔ اس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ حاطب کا راز حضرت رسول خدا پر کھل گیا اور آپ نے علیؑ کے ساتھ چند صحابیوں کو بھیجا کہ جو عورت وہ خط لے جا رہی تھی اس سے لے لیں۔ سب نے اس عورت کو گرفتار کر لیا مگر تلاشی پر کچھ نہ نکلا اور لوگ تو اس عورت کے چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ مگر حضرت علیؑ کو یقین کامل تھا کہ رسول خدا پر جو وحی نازل ہوئی ہے وہ غلط نہیں ہو سکتی اور خط اس کے پاس سے ضرور نکلے گا اب آپ نے تلوار کھینچ کر اس عورت سے فرمایا کہ خط نکال نہیں تو ابھی تیرا سر جدا کر دیتا ہوں جب اس عورت کو یقین ہو گیا کہ اب قتل سے نہیں بچ سکتی تو فوراً اپنے بالوں میں سے وہ خط نکال کر حوالے کر دیا۔ (تاریخ کامل وابو الفدا وغیرہ)

جب حضرت رسول خدا کی اتنی ضخیم سوانح عمری شائع کی جا رہی تھی تو صرف جناب امیرؑ کے تعلق کی باتیں کس وجہ سے اس درجہ مختصر کر کے لکھی گئیں؟ کیا اس سوال کا جواب کوئی صاحب دے سکتے ہیں؟۔

(۲۶) فتح مکہ کے بعد خانہ کعبہ کے اندر بت شکنی کے واقعہ کو بھی موصوف نے مختصر کر دیا جب آنحضرت کعبہ میں داخلہ

ہوئے تو اور بتوں کے ساتھ وہ بھی برباد کر دیا گیا'' (صفحہ ۳۸۶)

اس کا واقعہ یہ ہے کہ ماہ رمضان ۸ھ میں آنحضرتؐ دس ہزار فوج کے ساتھ مکہ کی طرف چلے۔ حضرت علیؑ سالار فوج تھے۔ دونوں حضرات بلا مزاحمت مکہ میں داخل ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے نیچے کے بتوں کو توڑ دیا اور جو اونچے تھے ان کے توڑنے کے لئے حضرت علیؑ کو اپنے کاندھے پر چڑھایا حضرت علیؑ نے سب بتوں کو توڑ کر گرادیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علی محمد نے تم کو اپنے کاندھے پر چڑھایا اور جبریلؑ نے اتارا ہے (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۹۶ وغیرہ)

(۲۷) ایلاء اور تخییر کے واقعہ میں بھی موصوف نے بہت اختصار سے کام لیا۔ حالانکہ اس واقعہ میں جو آیت نازل ہوئی اس نے جناب امیرؑ کی فضیلت میں بھی اضافہ کر دیا۔ جس کی تفصیل انشاءاللہ ہم اسی موقع پر کریں گے۔

(۲۸) حدیث منزلت جناب امیرؑ کے فضائل کی مشہور حدیث ہے۔ جس سے بڑے بڑے فیصلے پیدا ہو گئے ہیں۔ مگر مولوی صاحب نے اس حدیث کے الفاظ تک نقل کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ اور جو ترجمہ لکھا وہ بھی پورا نہیں لکھتے ہیں۔ آنحضرتؐ جب مدینہ سے تشریف لے جاتے تو کسی کو شہر کا حاکم مقرر فرما کر جاتے۔۔۔۔ اس غزوہ (تبوک) میں۔۔۔۔ یہ منصب جناب امیرؑ کو ملا لیکن انہوں نے شکایت کی کہ آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ کہ تم اس پر راضی نہیں ہو، تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی'' (صفحہ ۴۱۰) حالانکہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا تھا: الا ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه ليس نبی بعدی۔ یہ بھی فرمایا: انه لا ینبغی ان اذهب الا و انت خلیفتی کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت قائم رہے جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ سے تھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ میں جاؤں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو۔ (ازالۃ الخفا جلد ۲ صفحہ ۲۶۱)

(۲۹) تبلیغ سورہ براۃ کے بیان میں مولوی صاحب نے انقلاب عظیم پیدا کر دیا لکھا ہے کہ ''ذی الحجہ ۹ھ میں آنحضرتؐ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کیلئے روانہ فرمایا۔ ان میں حضرت ابوبکر قافلہ سالار۔ حضرت علیؑ نقیب اسلام۔۔۔ تھے۔۔۔۔ حضرت ابوبکر نے مناسک حج کی لوگوں کو تعلیم دی۔ اس کے بعد حضرت علیؑ کھڑے ہوئے سورہ براۃ کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں۔'' (صفحہ ۴۱۳) اب اصل واقعہ ملاحظہ ہو۔ غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ یا ذی الحجہ ۹ھ میں آنحضرتؐ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ سے حج کیلئے روانہ کیا اور حضرت ابوبکر کو حاجیوں کا امیر مقرر کر کے سورۂ برأت دی کہ مکہ میں جا کر اس کی تبلیغ کر دیں ان کے روانہ ہو جانے کے بعد خدا نے حضرت جبریلؑ کو حضرت رسول خداؐ

کے پاس بھیجا وہ نازل ہوئے اور کہا یا حضرت یا آپ نے کیا کیا؟ آپ کی طرف سے تو سوائے آپ کے یا اس شخص کے جو آپ ہی سے ہو اور کوئی شخص بھی یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس اعتراض پر حضرت رسول خداؐ نے جناب امیر علیہ السلام کو حضرت ابوبکر کے پیچھے بھیجا اور فرمایا کہ جا کر جلد ابوبکر سے ملو۔ ان سے سورۂ برأت لے لو۔ انہیں میرے پاس واپس کر دو۔ خود جاؤ اور مکہ معظمہ میں اس سورہ کی تبلیغ کرو۔ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا۔ جس کے بعد حضرت ابوبکر جناب رسول خداؐ کے پاس واپس چلے آئے مگر اس عہدے کی معزولی سے آپ کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر رونے لگے۔ جب کسی طرح خاموش ہوئے تو حضرتؐ سے پوچھا کیا میرے متعلق کوئی امر حادث ہو گیا؟ حضرت رسول خداؐ نے صاف صاف فرمایا کہ مجھے خدا کا حکم پہنچا کہ اس حکم کی تبلیغ یا میں کروں یا وہ شخص کرے جو مجھ ہی سے ہو۔ (صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۲۳۸۔ درج الباری پارہ ۱۹ صفحہ ۱۹۴۔ کنز العمال جلد ا صفحہ ۲۴۶ و تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۳۱۰۔ تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ وغیرہ)۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی تحقیق ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے حضرت ابوبکر و عمر دونوں صاحبوں کو سورۂ برأت دے کر بھیجا تھا۔ اور پھر دونوں کو اس خدمت سے معزول کر کے حضرت علیؑ کے سپرد یہ کام کر دیا۔ (قرۃ العینین صفحہ ۲۳۴) اس عہدے کی معزولی اور اس شرف کی محرومی سے حضرت ابوبکر و عمر کو نہایت درجہ صدمہ ہوا مگر خدا یا رسولؐ نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔

(۳۰) فتح مکہ کے موقع پر امام حسنؑ کی بھی عظیم الشان فضیلت ظاہر ہوئی جس کو مولوی صاحب نے اپنے کمال اختصار سے بہت خفیف کر دیا لکھتے ہیں:

"ابوسفیان نے مدینہ آ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں درخواست کی بارگاہ رسالت سے کچھ جواب نہ ملا ابوسفیان نے حضرت ابوبکر و عمر کو بیچ میں ڈالنا چاہا لیکن سب نے کانوں پہ ہاتھ رکھا۔ ہر طرف سے مجبور ہو کر جناب فاطمہ زہراؑ کے پاس آیا، امام حسن علیہ السلام پانچ برس کے بچے تھے، ابوسفیان نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہہ دے کہ میں نے دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کرا دیا تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائے گا۔ جناب سیدہؑ نے فرمایا۔ بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل۔ بالآخر ابوسفیان نے حضرت علیؑ کے ایماء سے مسجد نبوی میں جا کر اعلان کر دیا کہ میں نے معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کر دی" (سیرۃ النبی، صفحہ ۴۷۳)

اب اصل واقعہ ملاحظہ فرما کر مولوی صاحب کی احتیاطوں کا شکریہ ادا کیجئے۔ جب ابوسفیان نے امام حسنؑ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہہ دے تو جناب سیدہؑ نے وہ جواب نہیں دیا جو ممدوح نے لکھا ہے بلکہ خود امام حسن علیہ السلام نے اس کا جواب دینا چاہا۔ حضرت اس کی طرف بڑھے۔ اور ایک ہاتھ سے اس کی ناک اور دوسرے

ہاتھ سے اس کی داڑھی پکڑ کر کمال اطمینان اور شان ہدایت سے ارشاد فرمایا: اے ابوسفیان کلمۂ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دو تو میں فوراً تمہاری شفاعت اپنے جد بزرگوار حضرت رسول خداؐ سے کر دیتا ہوں۔ آپ کے اس جواب کو سنکر جناب امیرؑ کی خوشی کی کوئی حد نہیں رہی۔ آپ نے فرمایا اس خدا کا لاکھ لاکھ شکر جس نے آل محمدؐ میں بھی خاص ذریت محمد مصطفیؐ سے یحییٰ ابن ذکریہ پیغمبر کا مثل ونظیر پیدا کر دیا اور بچپن ہی میں ان کو حکومت شریعت عطا فرمائی۔ (سیرۃ ابن اسحاق وسیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۲۸)۔

اگر مولوی صاحب امام حسنؑ کے اس جواب کو بھی اسی کتاب میں درج کر دیتے تو ان کے موضوع سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ امام حسنؑ حضرت رسول خداؐ کے نواسے ہی تھے۔ حضرت رسولؐ ہی کی گود میں پرورش پائی تھی۔ حضرت ہی کا جزو اعلیٰ تھے۔ پھر آپ کی فضیلت کی طرف سے اس طرح آنکھیں بند کر لینی کس وجہ سے ہوسکتی ہے؟ رہ گیا جناب سیدہؑ کا جواب تو ممدوح نے اس کتاب کا حوالہ نہیں دیا جس میں جناب معظمہ کا وہ قول مذکور ہے عقل تو کسی طرح اس کو تسلیم نہیں کر سکتی کیونکہ ابوسفیان نامحرم تھا۔ جناب سیدہؑ اس سے باتیں کیسے کرتیں؟

یہ تیس ۳۰ باتیں سیرۃ النبی کی صرف جلد اول سے چن کر اور بہت اختصار سے کام لے کر نقل کی گئیں ایسے بکثرت امور ابھی جلد اول ہی میں بھرے ہوئے ہیں جو صاف بتاتے ہیں کہ مولوی صاحب کی غرض صرف حضرت رسول خداؐ کے مفصل حالات لکھنے کی نہیں تھی بلکہ الفاروق کی طرح اس سیرۃ النبیؐ میں بھی دوسری سیاسی اور مذہبی ضرورتیں بھری ہوئی تھیں اور کہنے کو تو یہ سیرۃ النبیؐ حضرت رسول خداؐ کی سوانح عمری ہے مگر اصلی مقصود، واقعی غرض، اور صحیح مطلوب کے لحاظ سے آپ کی مشہور کتاب الفاروق کی بڑی بہن ہے آپ نے اہلبیتؑ طاہرین پر جو مہربانیاں الفاروق میں کی ہیں انہیں کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر اس کتاب سیرۃ النبیؐ میں بھی پیش کیا ہے اور جن باتوں کی کمی الفاروق میں رہ گئی تھی وہ سب اس میں پوری کر دی گئی ہیں۔

علامہ جرجی زیدان مصری اور مولوی شبلی صاحب نعمانی:

مذکورۂ بالا عبارتوں کو پڑھ کر اگر کوئی صاحب کہیں کہ زمانہ بہت ترقی کرتا جاتا ہے۔ اب ایسی ایسی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے۔ اس سے ہم لوگوں کی تنگ نظری ثابت ہوگی۔ تو ہم عرض کریں گے کہ جس طرح ہم مولوی شبلی صاحب کے خلاف ان کی کتاب سیرۃ النبیؐ کی وجہ سے فریاد بلند کر رہے ہیں بالکل اسی طرح مولوی صاحب موصوف بھی مصر کے ایک بڑے عیسائی مصنف علامہ جرجی زیدان کے خلاف اس کی کتاب تمدن اسلام کی وجہ سے فریاد بلند کر چکے ہیں، ممدوح ایک ماہوار رسالہ

الندوہ لکھنو سے شائع کرتے تھے۔ اسی پرچہ میں ایک دفعہ ۳۵ صفحہ کا ایک مضمون شائع کیا تھا۔ جس کا عنوان تھا "تمدن اسلام مصنفہ جرجی زیدان کی پردہ دری" اس مضمون کے چند جملے ملاحظہ کر لیجئے تاکہ جس سے معلوم ہوگا کہ اس زمانہ ترقی میں بھی کوئی شخص اپنے مذہب کے خلاف کوئی چھوٹی بات بھی برداشت نہیں کر سکتا اور اپنے بزرگان دین کی حق تلفی سے نہایت درجہ بے چین ہو جاتا ہے۔ ممدوح نے لکھا ہے: "جرجی زیدان ایک عیسائی مصنف نے یہ کتاب چار حصوں میں لکھی ہے، جس میں مسلمانوں کی تہذیب وتمدن کی تاریخ لکھی ہے اس کتاب میں مصنف نے در پردہ مسلمانوں پر نہایت سخت اور متعصبانہ حملے کئے ہیں لیکن بظاہر مسلمانوں کی مدح سرائی کی ہے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگوں کی نظر اس کی فریب کاریوں پر نہیں پڑی اور کتاب گھر گھر پھیل گئی۔ میں اس حالت کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن قلت فرصت کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ...... نامس نے حال میں ایک مضمون لکھا کہ حضرت عمر کا کتب خانہ اسکندریہ کو جلانا ثابت ہے جیسا کہ جرجی زیدان نے اس کو "تمدن اسلام" میں بیہودہ دلائل سے ثابت کر دیا ہے۔ ان واقعات نے مجبور کر دیا کہ میں اس کی فریب کاریاں تفصیل کے ساتھ ناظرین کے پیش نظر کروں۔ اصل مضمون عربی میں لکھا ہے اور اس کو نہایت وسعت دی ہے اردو میں مختصر کر دیا ہے اور طرز تحریر سے بھی معلوم ہے مصنف کا اصل مقصود کیا ہے۔ آج کل یورپ میں تصنیف کا ایک طرز یہ ہے کہ مصنف کسی خاص قسم کے واقعات جب ملک میں پھیلانا چاہتا ہے تو اس پر مستقل حیثیت سے کوئی کتاب نہیں لکھتا بلکہ کوئی ناول لکھتا ہے جس میں ان واقعات کو جا بجا ضمنی موقعوں پر لایا جاتا ہے اور اسی طرح دلچسپی کے ساتھ ان تمام واقعات کو گوش آشنا کر دیتا ہے۔ اسی قسم کا طریقہ مصنف نے اختیار کیا ہے۔ اس کے اہم مقاصد جن کے لئے اس نے یہ کتاب لکھی ہے حسب ذیل ہیں...... (۲) خلفاء (بنو امیہ وعباسیہ) مذہب کی توہین کرتے تھے یہاں تک کہ منصور نے بغداد میں کعبہ کی تعمیر کیلئے قبہ خضرا بنوایا اور معتصم نے سامرہ میں کعبہ اور صفا و مروہ تعمیر کیا۔ (۳) مسلمانوں پر عام اعتراضات۔ ان مضامین پر مصنف اگر کوئی مستقل کتاب لکھتا تو لوگ اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے، اس لئے اس نے تاریخی واقعات کے پردے میں ان مضامین کو ادا کیا اور آہستہ آہستہ یہ زہر اس طرح سرایت کر گیا کہ لوگوں کو خبر بھی نہ ہونے پائی۔ مصنف نے ان اغراض کے حاصل کرنے کیلئے جو طریقے اختیار کئے ان کی تفصیل ذیل میں ہے:۔ (۱) صریح کذب و دروغ (۲) روایات کی قطع وبرید اور تحریف (۳) کسی صحیح واقعہ میں اپنی طرف سے ایسا اضافہ کر دینا کہ واقعہ کی صورت بدل جائے (۴) غلط استناد اور استدلال۔ کتاب کا ایک بڑا موضوع بنو امیہ کی برائی اور عیب گیری ہے جس کے ضمن میں دراصل عرب پر حملہ کرنا مقصود ہے ان باتوں کے ثابت کرنے کیلئے مصنف نے بنو امیہ کے عجیب عجیب ظلم کے واقعات لکھے ہیں۔ بنو امیہ کی برائی اگر بنو امیہ کی خصوصیت کی بنا پر کی جائے تو ہم کو اس سے بحث نہیں، بنو امیہ یا عباسیہ اسلام

کے نمونے نہیں ہیں، وہ خلفاء نہ تھے بلکہ بادشاہ تھے، اس لئے اور سلاطین کی طرح ہر قسم کے عیوب ان میں ہو سکتے تھے۔ امیر معاویہ نے قصد کیا تھا کہ تمام نومسلموں کو یا ان میں سے ایک حصہ کو محض اس وجہ سے قتل کر دیں کہ وہ غیر قوم ہیں۔ گویا یہ لوگ بھیڑ بکریاں تھیں۔ مصنف نے جا بجا اور ایک موقع پر خاص ایک عنوان قائم کر کے ثابت کیا ہے کہ خلفاء مذہبی شعائر کی تحقیر کرتے تھے۔ اس موقع پر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اس میں مصنف کا کیا قصور ہے۔ یہ تاریخی واقعات ہیں، مصنف نے ان کو نقل کر دیا اور سند بھی نقل کر دی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مصنف نے ان عبارتوں کی نقل میں سخت تحریف اور خیانت سے کام لیا ہے۔ مصنف نے اس تصنیف میں مختلف طریقوں سے کام لیا ہے کہیں علانیہ جھوٹے حوالے دیتا ہے، کہیں عبارت کو ادل بدل کر دیتا ہے۔ کہیں ایک خاص واقعہ کو عام کر دیتا ہے اور اس سے عام نتیجہ نکالتا ہے، کہیں اپنے موافق ایک واقعہ کو نقل کرتا ہے اور اس کے مخالف بہت سے صحیح واقعات جو مذکور ہیں ان کو چھوڑ جاتا ہے، کہیں استدلال اور استنباط میں غلطی کرتا ہے یہ چالاکی کی کہ چھاپے کی تعیین نہیں کرتا۔ اس کارروائی کی وجہ سے مصنف کی بہت سی خیانتوں کا پردہ رہ گیا ایک موقع بھی مجھ کو ایسا نہ ملا کہ مصنف نے سخت خیانت نہ کی ہو کیا دنیا میں اس سے زیادہ کذب و افترا کی مثال مل سکتی ہے۔ مصنف نے اس موقعہ میں کس قدر فریب اور خدع سے کام لیا ہے۔ مصنف کی یہ دروغ بیانی دیکھو۔ مصنف کے کذب و افترا فریب و تدلیس، غلط استدلال اگر چہ الگ الگ عنوان قائم کر کے تفصیل سے لکھے جا سکتے ہیں مصنف نے ان واقعات میں حسب معمول ان سب ہتھیاروں سے کام لیا ہے جو فطرت نے اس کو عنایت کئے ہیں۔ مصنف نے خیانت اور فریب کاری سے ان باتوں کو عام عرب کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ مصنف ان کو تحریف پسندی کی بناء پر عام کر لیتا ہے اور ان سے استدلال کرتا ہے مصنف کی غلط نمائی ان کا ظاہر کرنا پسند نہیں کرتی۔ سلیمان اعمش۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے ان کو خط لکھا کہ حضرت عثمان کے مناقب اور علیؑ کے مصائب لکھ کر میرے پاس بھیج دے۔

مصنف کی خیانت اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ مصنف نے اس مضمون میں کن خیانتوں سے کام لیا ہے۔ مصنف کی خیانت دیکھو مصنف کا سب سے بڑا مرکز نظر بنوامیہ کی ہجو و تحقیر ہے۔ اس بحث میں اس نے جی کھول کر زور طبع صرف کیا ہے اور جس قدر کذب، و تحریف، تمویہ فریب تدلیس خدع، غلط بیانی کی قوت فطرت نے اس کو عطا کی تھی سب صرف کر دی۔ مصنف یہ کتاب۔۔۔۔۔ مورخ بن کر لکھتا ہے۔ اور اسی حیثیت سے اس تصنیف کو تمام دنیائے اسلام کے سامنے پیش کرتا ہے اس لئے سب سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ وہ اس فرض کو کہاں تک ادا کر سکا ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی خدمت سچائی کا پھیلانا ہے، اس لئے اگر مصنف نے غلط بیانی سے کام لیا ہے تو اس نے لٹریچر کے ساتھ، تاریخ کے ساتھ بلکہ کل دنیا کے ساتھ برائی کی ہے۔ مصنف کا اصلی مقصد بنوامیہ کی برائیاں ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا روئے سخن عرب کی طرف ہے وہ بہ تصریح کہتا ہے کہ بنوامیہ کی سلطنت

خالص عربی تھی جس کی بنیاد تعصب اور سخت گیری تھی۔ بنو امیہ کے پردے میں مصنف نے قرن اول کے عام مسلمانوں کی ہر قسم کی برائیاں ثابت کی ہیں اس لئے ایسے اتہامات کا رفع کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ جن باتوں نے اس کتاب کو تاریخی پایہ سے بالکل گرا دیا ہے یعنی تحریف، تعصب، کذب وغیرہ۔ ان کا سب سے زیادہ استعمال بنو امیہ ہی کے واقعات میں کیا گیا ہے۔ اس لئے اسی کے ساتھ زیادہ توجہ اور اعتناء کی ضرورت ہے۔ مصنف نے ایک عنوان قائم کیا ہے کہ بنو امیہ مذہب کی توہین کرتے تھے مصنف نے نہایت مغالطہ کاری اور ملمع سازی سے کام لیا ہے۔ اس لئے پہلے یہ واقعہ لکھا ہے عبدالملک کو جب خلافت کی خبر پہنچی تو اس کی گود میں قرآن تھا۔ اس نے قرآن کو بند کر کے کہا یہ آخری ملاقات ہے اس کے بعد اس نے اپنے عامل حجاج کو اجازت دی کہ کعبہ پر منجنیق نصب کرے اور ابن زبیر کو قتل کر دے اور اس کا سر عین کعبہ کے اندر اپنے ہاتھ سے کاٹے، حالانکہ کعبہ حرم ہے جس کے اندر اور اس کے حوالی میں لڑائی جائز نہیں لیکن ان لوگوں نے اسے جائز رکھا اور تین دن تک لوگوں کو قتل کرتے رہے اور کعبہ کو ڈھا دیا حالانکہ ان کے نزدیک وہ خدا کا گھر تھا۔ اور کعبہ کے پتھروں اور پردوں میں آگ لگا دی جو کبھی اسلام میں نہیں ہوا تھا اور مدینہ میں پہنچے اور وہ ایک حرم ہے اور وہاں کے لوگوں سے لڑے اور ان کا خون بہایا الخ۔۔۔۔۔

جس فریب و ترتیب سے مصنف نے ان واقعات کو لکھا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالملک نے خلافت پانے کے ساتھ توہین اسلام کو اپنا مقصد قرار دیا اور اس بناء پر کعبہ پر چڑھائی کی اور کعبہ کو آگ لگا دی۔ مصنف بظاہر عبدالملک کو بے دین ثابت کرنا چاہتا ہے لیکن وہ دراصل تمام مسلمانوں کو بے دین ثابت کر رہا ہے کہ ان کے سامنے کعبہ پر چڑھائی ہوئی کعبہ ڈھایا گیا، پردہ کعبہ میں آگ لگا دی گئی اور تمام ملک چپ چاپ دیکھا کیا۔ مصنف نے لکھا ہے کہ بنو امیہ کے عمال خلفائے بنو امیہ کو رسول اللہ پر ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ حجاج بن یوسف اور خالد قسری کے اقوال نقل کئے ہیں۔ ولید بن یزید کی نسبت کفر اور زندقہ کا۔۔۔۔۔ الزام۔۔۔۔۔ لگایا ہے۔

بنو امیہ کا ظلم مصنف نے سارا زور اس مضمون پر صرف کر دیا ہے وہ کہتا ہے کہ بنو امیہ کے ظلم سے تمام رعایا چیخ اٹھی تھی، ملک اجاڑ ہو گیا تھا، غیر مذہب والوں کو کسی صورت سے یعنی مسلمان ہو کر بھی ظلم سے نجات نہیں ملتی تھی وغیرہ وغیرہ۔ اصلی عبارتوں کا نقل کرنا چونکہ طول عمل ہے اس لئے ہم ان کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں، مصنف نے بنو امیہ کے ظلم و جور کے گوناگوں طریقے بتائے ہیں جو اجمالاً حسب ذیل ہیں:۔ (۱) رعایا کا مال زبردستی چھین لیتے تھے۔ (۲) صوبوں کی گورنریاں رشوت لے کر فروخت کرتے تھے۔ (۳) بہت بڑے بڑے محصول اور ٹیکس لگاتے تھے۔ (۴) مذہب کی بالکل پروا نہیں کرتے تھے۔ (۵) چھوٹے چھوٹے بچوں کو قتل کرتے تھے۔ (۶) لوگوں کے سر کاٹ کر خزانہ میں رکھواتے تھے۔ چنانچہ ایک

خاص خزانہ تھا جس کا نام خزانۃ الرؤس تھا۔(۷) طرح طرح کی سخت اور نفرت انگیز سزائیں دیتے تھے۔(۸) غیر قوموں کو عرب سے شادی بیاہ کرنے پر سزائیں دیتے تھے۔ان واقعات کو اس طرح لکھا ہے کہ چنگیز خاں اور ہلاکو کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے بلکہ ان کے مقابلہ میں چنگیز خاں وغیرہ ہیچ نظر آتے ہیں۔مصنف حسب عادت کہیں ایک جزئی واقعہ کو عام کر دیتا ہے کہیں تاریخی حوالوں میں تحریف کرتا ہے کہیں غلط استدلال سے کام لیتا ہے لیکن اگر اس کی ایک ایک جزئی خیانتوں کی تفصیل لکھی جائے تو ایک بہت بڑی کتاب تیار کرنی ہوگی اس لئے ہم اختصار کے ساتھ اس کی فریب کاریوں کو دکھاتے ہیں۔مصنف بنوامیہ کو عموماً جو ظالم اور غارت گر بتاتا ہے یہ تعمیم خود اس کے تفحص اور استقصاء کا نتیجہ ہے یا مورخین قدیم نے تصریح کی ہے بنوامیہ کی جس قدر تاریخیں لکھی گئیں سب دولت عباسیہ کے زمانے کی ہیں عباسیوں کو بنوامیہ کے ساتھ جو دشمنی تھی اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہیکہ انہوں نے تمام خلفائے بنی امیہ کی قبریں اکھڑوا دیں اور ان کی ہڈیاں آگ میں جلا دیں، ان کے زمانے میں بنوامیہ کی مدح کرنا قریباً ناممکن تھا، بنوامیہ کی برائیوں کے بیان کرنے پر انعام ملتا تھا مصنف نے۔۔۔ تحریف، تدلیس اور غلط بیانیاں کی ہیں بنوامیہ جس طرح عرب کی طرف داری میں تعصب برتتے تھے اور تمام قوموں کو حقیر سمجھتے تھے اس کے نتائج میں ایک یہ ہے کہ وہ مفتوحہ مقامات کے آدمیوں کو اپنا رزق حلال جانتے تھے۔بنوامیہ نہ صرف جائیداد اور زمین بلکہ وہاں کے لوگوں کو بھی اپنی ملک سمجھتے تھے مصنف نے سخت خیانت کی ہے ایک خاص عنوان قائم کیا ہے۔جس کے الفاظ یہ ہے الفتک و البطش فی عصر الامویین۔یعنی بنوامیہ کے زمانے کی سفاکی۔اس میں دعویٰ کیا ہے کہ بنوامیہ بے دریغ لوگوں کو قتل کرتے تھے یہاں تک کہ امیر معاویہ نے واقعۂ تحکیم کے بعد بسر کو بھیجا کہ ملک میں دورہ کرے اور جہاں جہاں شیعیان علیؑ ہوں ان کو قتل کر دے اور عورتوں اور بچوں میں سے کسی کو نہ چھوڑے، مصنف کے الفاظ یہ ہیں: و یقال انہ اوصافہ ان یسیروا فی الارض و یقتلوا کل من وجدوہ من شیعۃ علی و لا یکفوا ایدیھم من النساء و الصبیان (حصہ ۴ صفحہ ۸۲)اور کہتے ہیں کہ معاویہ نے ان لوگوں کو یہ حکم دیا کہ ملک میں جائیں اور جس شیعہ کو پائیں قتل کر دیں اور عورتوں اور بچوں کو بھی نہ چھوڑیں مصنف نے ثابت کیا ہے کہ یہ صرف حکم نہ تھا بلکہ مدینہ، یمن وغیرہ میں اس کی بخوبی تعمیل ہوئی اس میں شبہ نہیں کہ اگر یہ واقعات صحیح ہوں تو امیر معاویہ اور چنگیز خاں میں کچھ فرق نہ ہوگا اس کے بعد مصنف نے حجاج کی سفاکیوں کا ذکر کیا ہے وہ ہم کو تسلیم ہے مصنف نے ثابت کیا ہے کہ بنوامیہ کے ظلم کی وجہ سے ملک برباد ہوگیا تھا۔اس جھوٹ کی کیا انتہا ہوسکتی ہے کہ عبدالملک کو حجاج سے بڑھکر سفاک اور خون ریز کہا جائے مصنف کا دعویٰ ہے کہ حجاج وغیرہ جو مظالم کرتے تھے خود خلیفہ وقت کے اشارے سے کرتے تھے یہ ثابت کیا ہے کہ بنوامیہ جزیہ کے وصول کرنے میں اس قدر ظلم کرتے تھے کہ

غیر قوموں نے مسلمان ہونا شروع کیا لیکن اس پر بھی ان کو نجات نہیں ملتی تھی اور مسلمان ہونے پر بھی ان سے جزیہ لیا جاتا تھا۔ آخر مجبور ہو کر انہوں نے راہب یعنی تارک الدنیا بننا چاہا لیکن یہ تدبیر بھی کام نہ آئی اور راہبوں پر جو جزیہ قائم کیا گیا۔ جزیہ کے سوا اور طرح طرح کے محصول قائم کرتے تھے اور ان کے وصول کرنے میں اس قدر ظلم سے کام لیتے تھے کہ ملک کے ملک ویران ہو گئے۔ فوجیں جب چلتی تھیں تو جدھر سے گزرتی تھیں لوگوں کو لوٹ لیتی تھیں۔ اس بحث کو اس طرح لکھا ہے کہ ظلم اور غارت گری کی تصویر کھینچ دی ہے ایک موقع پر لکھتا ہے پھر جزیہ خراج میں اضافہ کر دیا اور اس کے وصول کرنے میں شدت کی اور لوگوں کو سخت تنگ کیا یہاں تک کہ جو لوگ مسلمان ہو جاتے تھے ان سے بھی جزیہ لیا باقی جو اپنے مذہب پر قائم رہتے تھے ان کو بری طرح سے عذاب دیتے تھے۔ (حصہ ۴ صفحہ ۱۰۲)

مصنف کی اس خیانت کو دیکھو مصنف نے کس قدر جھوٹ اور فریب اور رنگ آمیزیاں کی ہیں غیر قوموں پر چونکہ بنو امیہ ظلم کرتے تھے۔ مصنف نے سخت خیانت اور علانیہ دروغ گوئی کی ہے بنو امیہ چونکہ غیر مذہب والوں کو سخت عذاب دیتے تھے اور ان لوگوں نے دیکھا کہ مسلمان ہونے پر بھی جزیہ سے نجات نہیں ملتی اس لئے بعضوں نے راہب (جوگی) بننا اختیار کیا، عمال نے جب یہ دیکھا تو راہبوں پر بھی جزیہ لگایا۔ مصنف نے سخت خیانت کی ہے۔ اس عبارت کے نقل کرنے میں خیانت کی الخ"۔ (الندوہ اکتوبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۵ تا ۳۵)

نتیجہ:

مولوی شبلی صاحب نے اس صدی کے اتنے بڑے علامہ اور مورخ (جرجی زیدان) کی جس قدر شکایتیں کی ہیں ان کی تحقیق کا یہ موقع و محل نہیں۔ ہم کو صرف یہ دکھانا ہے کہ جس طرح عربی زبان کا بہت بڑا مصنف علامہ جرجی زیدان گزرا ہے مولوی صاحب بھی اردو زبان کے بڑے مصنف مانے جاتے ہیں۔ مولوی صاحب کو علامہ موصوف سے جو شکایتیں پیدا ہوئیں وہی سب شکایتیں شیعوں اور سچے مسلمانوں کو بھی خود مولوی شبلی صاحب سے ہوئیں جس طرح علامہ موصوف نے کتاب تو لکھی تمدن اسلامی کی خوبیوں کے بیان میں اور اس کے اندر بنو امیہ کی برائیاں درج کر دیں، بالکل اسی طرح مولوی شبلی صاحب نے کتاب تو لکھی سیرۃ النبی اور اس کے اندر جناب امیر اور اہل بیت کی حق تلفی کا پورا سامان کر دیا۔ بنو امیہ کو شروع سے آج تک تمام دنیا برا جانتی اور کہتی ہے۔ علامہ جرجی زیدان نے بھی انہیں باتوں کو نقل کر دیا تو کیوں اس کو جعل ساز، فریبی، مدلس، خیانت کرنے والا مکاری کرنے والا جھوٹا مفتری وغیرہ الفاظ کے خطابات دیئے جائیں اور جناب امیر و اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے فضائل و مناقب سے اسلام کی ہر کتاب بھری ہوئی ہے قرآن مجید تو ہئی ہے۔ خود صحاح ستہ اور صحیح بخاری

میں کافی فضائل موجود ہیں مگر ان حضرات کے فضائل چھپانے والے ان حضرات کے کمالات پر پردہ ڈالنے والے، ان حضرات کے اسلامی احسانات سے چشم پوشی کرنے والے ان حضرات کے دینی فیوض سے انکار کرنے والے اور ان حضرات کے انسانی کارناموں کے مخفی کرنے والے مصنف کو کیا خطاب دیا جائے اور کیا نہ کہا جائے۔ لطف یہ کہ علامہ جرجی زیدان نے جو کچھ لکھا سب مسلمانوں کی معتبر تاریخی کتابوں ہی سے نقل کیا ہے۔

جناب امیرؑ کے متعلق علامہ جرجی زیدان کی رائے:

اگر علامہ جرجی زیدان کو بنو امیہ سے اس وجہ سے نفرت ہوتی کہ وہ خاص عرب کے باشندے تھے اور ان کی حکومت بھی محض عربی حکومت تھی تو حضرت امیر المومنینؑ بھی خالص عرب تھے اور آپ کی حکومت بھی محض عربی حکومت تھی۔ اس کو جناب امیرؑ سے بھی نفرت ہوتی بلکہ اس کو جناب امیرؑ کا سب سے زیادہ مخالف ہونا چاہیے تھا کیونکہ عیسائیوں کو حضرت رسول خداؐ اور خاص دین اسلام سے بڑی ہی نفرت ہے اور سب جانتے ہیں کہ جناب امیرؑ اسلام کے قائم کرنے میں حضرت رسول خداؐ کے ویسے ہی شریک تھے جیسے ایک گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں۔ لہٰذا علامہ جرجی زیدان حضرت امیرؑ کا بھی دل میں دشمن ہو کر حضرت کی زندگی کے واقعات کو بہت کچھ بری تصویر میں دکھا سکتا تھا۔ مگر اس نے حضرت کے بارے میں کیا لکھا ہے سنیے اور دل لگا کر سنیئے اور پھر سمجھ لیجئے کہ اس کلام کا بیان کرنے والا کس عظمت و جلالت کا شخص تھا۔ علامہ جرجی زیدان زمانہ حال میں مصر کا بڑا نامی اور مشہور عیسائی مصنف و محقق گزرا ہے وہ عربی، فارسی، انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، لاطینی، غرض بڑی بڑی علمی زبانوں اور علوم کا بہت بڑا ماہر تھا اور خاص کر اسلامی تاریخ کا تو بحر العلوم یعنی سمندر بے پایاں تھا۔ اس نے اسلامی تاریخ کے متعلق متعدد کتابیں بکمال تحقیق جامعیت اور دقت نظر سے لکھی ہیں۔ اس کا ایک نہایت قابل قدر اور مشہور عالم علمی رسالہ الہلال نکلتا تھا۔ جو مصر، یورپ، ہندوستان، عرب، عراق، شام، چین اور روس کے تمام عربی داں مسلمانوں اور عیسائیوں میں نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ علامہ موصوف کو اسلامی تاریخ پر جو بے مثل و نظیر عبور حاصل تھا۔ اس کی شہادت کے لئے صرف یہی امر کافی ہے کہ حال میں ملک مصر کی (جو کتنی بڑی اسلامی حکومت ہے) جو قومی اور علمی یونیورسٹی قائم ہوئی اس میں اسلامی تاریخ پر اعلیٰ درجے کا لیکچر دینے کیلئے ایک وسیع النظر، مذہبی تعصب سے پاک، بہت روادار نہایت روشن خیال، دقیق النظر اور یوروپین لیکچراروں کا ہم پلہ مورخ پروفیسر کی تلاش ہوئی تو مصر، ترکی، شام، عراق اور حجاز وغیرہ میں کوئی مسلمان عالم اس کے درجے کا نہیں ملا جو اس عیسائی علامہ کے برابر بھی اس کام کو انجام دے سکتا مجبوراً مسلمانوں نے اسی عیسائی علامہ و مورخ کو اسلامی تاریخ کا پروفیسر مقرر کیا اس کامیاب مصنف و مورخ نے اپنی بے مثل مولفات میں ایک دھوم دھام کی کتاب

تاریخ التمدن الاسلامی بھی لکھی ہے جو پانچ جلدوں میں ہے اور جس کی تحقیق و وسعت اطلاع و کثرت معلومات کی مدح میں تمام علماء یورپ رطب اللسان ہیں اس عربی کتاب کا ترجمہ دنیا کی تقریباً تمام اسلامی زبانوں میں ہو گیا ہے اس کتاب کی چوتھی جلد صفحہ ۴۰۷ میں حضرت امیر المومنینؑ کے متعلق علامہ ممدوح نے جو لکھا ہے وہ سونے کے حرفوں سے تحریر کرنے کے قابل ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"اما علی: فحکایاته فی الزهد والتقوی کثیرة و کان شدید التمسک بالاسلام حر القول والفعل لا یعرف الدهاء ولا یرکن الی الحیلة فی شأن من الشؤون وانما همه الدین و عمدته فی اعماله الصدق والحق. فمن امثلة تقشفه و زهده انه تزوج فاطمة بنت النبی ولیس له فراش الا جلد کبش کانا ینامان علیه باللیل و یعلفان علیه ناضحهما بالنهار ولم یکن عنده خادم یخدمه وجاءه مال من اصبهان فی ایام خلافته فقسمه علی سبعة اسهم. فوجد فیه رغیفاً فقسمه علی سبعة وکان یلبس قطیفة لا تقیه البرد. ورآه بعضهم یحمل تمراً فی ملحفته قد اشتراه بدرهم فقال له یا امیر المومنین الا نحمله عنک؟ فقال ابو العیال احق بحمله ومن اقواله فی کیف یجب ان یکون المسلمون قوله: خمص البطون من الطوی یبس الشفاه من الظما. عمش العیون من البکاء (ابن اثیر صفحہ ۲۰۲ جلد ۳) ومن امثلة عدله انه رای درعاً له عند رجل فتقاضیا الی شریح القاضی فوقف علی بجانب خصمه احتراماً للعدل وکان اذا بعث رجاله فی حرب اوصاهم ان یرفقوا بالناس و ان یکفوا الاذی عن النساء. وکان شدیداً فی محاسبة رجاله حرصاً علی العدل والحق کما کان یفعل عمر ولو تولی امور المسلمین فی زمن عمر والناس فی دهشة النبوة و صدق العقیدة لکان نصیبه من الحکم اطول ولما بدا فی تدبیره ضعف ولکنه تولاها و قد فسدت النیات وطمع العمال فی الاحکام واطمعهم وادهاهم معاویة بن ابی سفیان فانه جمع الرجال حوله بالدهاء والحیلة والبذل. حتی ضیع الاحزاب بتدقیقه فی محاسبة عماله و تواده المبالغة فی المحافظة علی الدین واسباب التقوی ففارقه جلة الصحابة حتی ابن عمه عبد الله بن عباس وکان عاملاً له علی البصرة فوشی به ابو الاسود الدئلی الی علی فکتب علی الی ابن عباس بذلک ولم یذکر اسم الواشی فاجابه اما بعد فان الذی بلغک باطل و انی لما تحت یدی لضابط وله

حافظ فلا تصدق الظنين والسلام۔ فكتب اليه على اما بعد فاعلمنى ما اخذت من الجزية ومن اين اخذت و فيما وضعت فكتب اليه ابن عباس اما بعد فقد فهمت تعظيمك مرزأة ما بلغك انى رزئته من اهل هذه البلاد۔ فابعث الى عملك من احببت فانى ظاعن عنه والسلام۔ واستدعى اخواله من بنى هلال بن عامر فاجتمعت معه قيس كلها۔ فحمل مالا و قال: هذه ارزاقنا اجتمعت۔ فتبعه اهل البصرة الى مكة۔ ولم ينتفع على به ولا باحزابه۔ فلم يفعل علیؑ بابن عمه غير ما كان عمر يفعله بعماله لكن الاحوال كانت قد تغيرت و قام معاوية يبتاع الاحزاب بالعطاء يجتذب القواد بالدها۔

یعنی (حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی حالت کا کیا کہنا ہے۔ زہد اور تقویٰ کے بارے میں آپ کے بڑے بڑے کارنامے اور کثرت سے واقعات ہیں۔ اصول اسلام کی پوری پابندی کرنے میں حضرت بہت سخت اور اپنے ہر قول و فعل میں نہایت شریف، بڑے بزرگ اور آزاد تھے۔ جعل فریب، دھوکا مکر، چال بازی کی باتوں کو تو آپ جانتے بھی نہیں تھے۔ اور اپنی زندگی کے مختلف زمانوں سے کسی وقت میں بھی حضرت نے مکر و فریب حیلہ سازی اور دھوکا بازی کی طرف ذرہ برابر بھی رخ نہیں کیا۔ حضرت کی تمام تر ہمت صرف دین اور آپ کا پورا اعتماد اور بھروسہ محض سچائی اور حق پر تھا۔ چنانچہ حضرت امیر المومنینؑ کے زہد اور فقیرانہ زندگی کی مثالوں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت نے جس وقت حضرت رسول خداؐ کی صاحب زادی حضرت فاطمہ زہراؑ کے ساتھ شادی کی تو حضرت کے پاس فرش کی قسم سے کوئی چیز بھی نہیں تھی۔ سوائے دنبے (بھیڑے) کی ایک کھال کے کہ اسی پر دونوں (میاں بی بی حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ) رات کو پڑ کر سو رہتے اور دن کے وقت اسی چمڑے پر اپنے اونٹ کو دانہ کھلاتے تھے۔ آپ کے پاس کوئی خدمت گار تک نہ تھا۔ جو آپ کے کاموں کو انجام دیتا (سب خود ہی کر لیتے) حضرت کی خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ (ملک ایران کے شہر) اصفہان سے (خراج کا) کچھ مال آیا تو حضرت نے اس کو سات حصوں میں تقسیم کر دیا پھر اس میں ایک روٹی نظر آئی تو حضرت نے اس کے بھی سات ٹکڑے کئے اور خراج کے ہر حصے پر اس روٹی کا ایک ٹکڑا بھی رکھ دیا حضرت علیؑ علیہ السلام ایسے کم قیمت کا لباس پہنتے تھے جو آپ کو ذرہ برابر سردی سے محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا۔ بعض لوگوں نے حضرت کو دیکھا کہ اپنے اوڑھنے کی چادر میں کھجوریں اٹھا کر خود لا رہے ہیں جن کو ایک درہم میں خریدا تھا۔ تو حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ اے امیر المومنینؑ یہ بوجھ ہمیں مرحمت فرمائیں کہ حضور کے دولت سرا پر اس کو پہنچا دیں مگر حضرت امیر علیہ السلام نے جواب دیا کہ عیال والے کو مناسب ہے کہ اپنا بوجھ اٹھایا کرے۔

حضرت علیؑ کے حکیمانہ کلاموں سے یہ بھی ہے جس میں آپ نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کو کیسا ہونا چاہیے۔ ارشاد فرمایا کہ چاہیے مسلمان اتنا کم کھایا کریں کہ بھوک سے ان کے پیٹ دبلے رہیں اور اتنا کم پانی پئیں کہ پیاس سے ان کے ہونٹ سوکھے رہیں۔ اور خدا کے ڈر سے اس قدر رویا کریں کہ ان کی آنکھیں زخمی رہیں (تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۰۳) اور حضرت کے عدل و انصاف کے واقعات سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنی ایک زرہ کسی شخص کے پاس دیکھی تو آپ اور وہ شخص دونوں قاضی شریح کے پاس اس کا فیصلہ کرانے کے لئے گئے وہاں حضرت علیؑ صرف عدل و انصاف کے اصول کی پابندی اور مساوات کا لحاظ ثابت کرنے کیلئے اس شخص کے مقابلے میں کھڑے رہے اور بہ حیثیت بادشاہ ملک یا خلیفہ وقت کے اس کچہری میں اس شخص سے ممتاز جگہ پر بیٹھنے کی خواہش نہیں کی۔ ۱ ؎ حضرت علیؑ کا معمول یہ تھا کہ جب اپنی فوج کو کسی لڑائی پر بھیجتے تو اس کے ہر شخص کو وصیت فرما دیتے کہ بھاگنے والے کو مت مارنا، مقابلہ میں جو فوج ہے اس کے ہر شخص سے نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کرنا اور عورتوں کی پوری حفاظت کرنا ان کو ہراساں اور پریشانی سے بچانا۔ باوجود اس رحم دلی کے مسلمانوں کے مال کی نگرانی میں حضرت علیؑ ایسے سخت تھے کہ اپنے ماتحت والیوں اور کارپردازوں سے ایک ایک پیسہ کا حساب کرتے اور اس میں بہت شدت کرتے اور یہ صرف اس وجہ سے کہ آپ عدل اور حق قائم کرنے کیلئے بڑے حریص تھے جیسا عمر (خلیفہ دوم) کرتے تھے اگر حضرت عمر کے زمانے میں جب لوگوں کے دلوں میں نبوت کی دہشت اور سچا اسلامی اثر باقی تھا حضرت علیؑ ہی خلیفہ اور بادشاہ مقرر ہوتے تو آپ (حضرت علیؑ) کی حکومت اور سیاست کہیں بہتر اور اعلیٰ درجے کی ثابت ہوتی اور آپ کی کارروائیوں میں کسی قسم کا بھی ضعف ظاہر نہیں ہوتا مگر آپ کے قبضہ میں خلافت اس وقت آئی جب لوگوں کی نیتیں بگڑ گئی تھیں اور ملکی انتظامات نیز حکومت کے اصول کے بارے میں آپ کے والیوں اور ماتحت کارپردازوں کے دلوں میں حرص اور طمع پیدا ہو گئی تھی اور ان سب سے زیادہ لالچی مکار اور دھوکا باز اس وقت کا معاویہ ابن ابوسفیان تھا کیونکہ اس نے دھوکا فریب مکر و حیلے سے اور اپنی حکومت جمانے کیلئے مسلمانوں کا مال بے دریغ خرچ کر کے لوگوں کو اپنی طرف پھیر لیا تھا۔ اس کے برعکس حضرت علیؑ کی حالت تھی کہ اپنے عاملوں اور فوج کے سرداروں سے چھوٹی چھوٹی رقموں تک با قاعدہ حساب لینے اور دین حق کی پابندی کرتے رہنے کی وجہ سے

---

۱ ؎ اس وقت تک کہ علم و تمدن و تہذیب و اخلاق کے اصول کی بہت ترقی ہو گئی ہے اور دنیا تیرہ سو برس سے بہت آگے جا پہنچی ہے کسی متمدن اور ترقی یافتہ مقام پر بھی یہ مساوات رواداری اور عدل نہیں پایا جاتا جو حضرت امیر المومنینؑ نے خود پیش کر کے دکھایا اس کی روشنی کے زمانے میں بھی اگر کوئی معزز شخص مدعی یا مدعا علیہ ہوتا تو عدالت کے کمرے میں اسے کرسی ملتی ہے جس پر وہ فخر سے بیٹھتا ہے مگر قاضی شریح کی عدالت میں حضرت امیر المومنینؑ کی حیثیت مدعی کی ہے اور مدعا علیہ کی باوجود اس کے حضرت بیٹھے تک نہیں بلکہ جس طرح مدعا علیہ کھڑا تھا بالکل اسی طرح حضرت بھی کھڑے رہے اور اس طرح اپنے ہر کام اور ہر حالت سے لوگوں کو عدل و مساوات کی تعلیم دیتے رہے کسی نے خوب کہا ہے ۔ ع ... ۱۲ مولف غفی عنہ

اپنے لوگوں کو اپنے سے علیحدہ کرتے جاتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر صحابہ رسولؐ نے بھی آپ کا سایہ چھوڑ دیا یہاں تک کہ آپ کے چچازاد بھائی (اور آپ کے معزز شاگرد) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ) بھی آپ سے الگ ہوگئے جس کی صورت یہ ہوئی کہ یہ بزرگ حضرت علیؑ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے اس زمانے میں ابوالاسود دوئلی نے حضرت علیؑ کے پاس ان (عبداللہ بن عباس) کی شکایت لکھ بھیجی (کہ یہ خیانت کرر ہے ہیں اور جو مال ان کے ہاتھ میں آتا ہے اس میں ذاتی تصرف بہت کرتے رہتے ہیں)۔ اس پر حضرت علیؑ نے جناب ابن عباس سے حقیقت حال دریافت کی اور لکھا کہ مجھ تک تمہاری اس قسم کی شکایتیں پہنچی ہیں لیکن اس خبر دینے والے (ابوالاسود دوئلی) کا نام ظاہر نہیں کیا عبداللہ ابن عباسؓ نے حضرت علیؑ کے خط کا یہ جواب بھیج دیا کہ آپ کو جو شکایت پہنچی ہے وہ سب غلط ہے میں اپنے فرائض کو بہت پابندی اور ضبط سے انجام دے رہا ہوں اور ہر بات کی پوری نگرانی رکھتا ہوں آپ بدگمانوں کے فتنہ اور افترا پردازوں کی بات کا کوئی خیال نہ کریں والسلام لیکن حضرت علیؑ نے ابن عباسؓ کی اس تحریر کو نہیں مانا بلکہ پھر ان کو لکھا کہ مجھے تفصیل کے ساتھ مطلع کرو کہ تم نے جزیہ کی رقمیں کس قدر وصول کی ہیں اور کہاں کہاں سے لی ہیں اور ان کو کہاں کہاں رکھا یا کن کاموں میں خرچ کیا ہے اس خط کے جواب میں عبداللہ ابن عباسؓ نے حضرت علیؑ کو لکھ بھیجا کہ آپ کا خط مجھے ملا اور میں سمجھ رہا ہوں کہ یہاں سے لوگ میری مخالفت میں جس قسم کی شکایتیں آپ کو لکھتے رہتے ہیں۔ ان کو آپ بہت اہمیت دے رہے ہیں تو اب آپ اس صوبے کی حکومت کیلئے جس شخص کو پسند کریں مقرر کر کے بھیج دیں کہ اب یہاں نہیں رہ سکتا اور اس جگہ سے روانہ ہو جاتا ہوں۔ والسلام۔ یہ خط لکھ کر جناب عبداللہ ابن عباسؓ نے اپنے ننھیال کے قبیلہ بنی ہلال بن عامر والوں کو بلا بھیجا تو ان کے پاس پورا قبیلہ قیس جمع ہوگیا۔ اور جناب عبداللہ ابن عباس بصرہ کا کافی مال لے کر وہاں سے چلے گئے اور ظاہر یہ کیا کہ "یہ سب وہ مال ہے جو میرے مشاہرے سے بچتا گیا تھا" بصرہ والوں نے مکہ جا کر ان کو پہنچا دیا۔ اور اس طرح ان سے اور ان کے ساتھیوں سے حضرت علیؑ کوئی نفع نہ اٹھا سکے (کیونکہ صرف باقاعدہ حساب کی گرفت کرنے سے ابن عباسؓ نے بھی حضرت علیؑ کا ساتھ چھوڑ دیا اگر حضرت علیؑ ان سے مسلمانوں کے مالوں کا باقاعدہ حساب نہ طلب کرتے یا ان کی دولت کے بارے میں ان سے کوئی باز پرس نہ کرتے اور خوف خدا کو بالائے طاق رکھ دیتے تو ابن عباسؓ ایسے بزرگ بھی آپ کے ساتھ ہی رہتے) یہ امر قابل لحاظ ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنے چچازاد بھائی (عبداللہ بن عباسؓ) کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کیا جو حضرت عمرؓ اپنے عاملوں اور کارپردازوں کے ساتھ کرتے تھے۔ لیکن (اس کو کیا کیا جائے کہ حضرت علیؑ کی خلافت میں) زمانہ بدل گیا تھا، حالتوں میں انقلاب پیدا ہوگیا تھا، لوگوں کی نیتیں بدل گئی تھیں، اور دوسری طرف معاویہ اپنے خزانوں کا منہ کھولے ہوئے اور آنکھیں بند کر کے روپیہ اشرفیاں

لٹا کر لوگوں کو اپنی جانب کھینچتا جاتا اور لشکروں کے سرداروں تک کو دے کر فریب سے اپنا طرف دار بناتا جاتا تھا۔ (ایسی حالت میں حضرت علیؑ کی حکومت کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہے)۔ (دیکھو تاریخ تمدن اسلامی مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۷۳)۔

ہم تو نہیں کہتے:

مگر علامہ جرجی زیدان کی مذکورہ بالا عبارت پڑھنے والے دوسرے انصاف پسند حضرات کہہ سکتے ہیں کہ مولوی شبلی صاحب نے علامہ مذکور پر اپنے رسالہ انتقاد میں جس قدر غیظ و غضب ظاہر کیا اور اس کو جس درجہ مہذب خطابات صریح کذب و دروغ، روایات کی نقل میں خیانت اور تحریف ایسا اضافہ کر دو قصہ کی صورت بدل جائے غلط استنباط و استدلال، چالاکی کذب و افترا، فریب و خدع دروغ بیانی فریب و تدلیس، غلط نمائی، کذب، تحریف، تمویہ، فریب، تدلیس، خدع اتہامات، تعصب، مغالطہ کاری ملمع سازی، فریب و ترتیب اس جھوٹ کی کیا انتہا، رنگ آمیزیاں سخت خیانت اور علانیہ دروغ گوئی وغیرہ) دیئے ہیں ان سب کی اصلی وجہ یہی ہے کہ اس نے حضرت عمر اور معاویہ کو آسمان پر نہیں چڑھا دیا۔ ان کی برائیوں کو خوبیاں ہی خوبیاں نہیں کر دکھائیں اور ان کا درجہ حضرت رسول خدا سے بھی بڑھا نہیں دیا۔ بلکہ انصاف سے حضرت علیؑ کو ان دونوں بزرگوں سے بھی افضل ثابت کر دیا۔ معاویہ کے بارے میں اس عیسائی مصنف نے صاف طور پر لکھ ہی دیا ہے کہ: واطمعهم وادهاهم معوية بن ابی سفیان (ان سب لوگوں سے زیادہ لالچی طماع اور دھوکا باز معویہ تھا) واقام معوية يمناع الاعراب بالعطاء ويجتلب القواد بالدهاء۔ اور دوسری طرف معویہ اپنے خزانوں کا منہ کھولے ہوئے لوگوں کو اپنی جانب کھینچتا جاتا اور لشکروں کے سرداروں تک کو اپنے مکرو فریب سے اپنا طرف دار بناتا جاتا تھا) حضرت عمر اور حضرت علیؑ کو بھی اس عیسائی مصنف نے برابر نہیں رکھا۔ بلکہ کھلے الفاظ میں حضرت علیؑ کا درجہ حضرت عمر سے بڑھا دیا اس طرح کہ لکھ دیا: ولو تولى امور المسلمين فى زمن عمر و الناس فى دهشة النبوة و صدق الدين لكان نصيبه من الحكم الطول (اگر حضرت عمر کے زمانے میں جب لوگوں کے دلوں میں نبوت کی دہشت اور سچا اسلامی اثر باقی تھا حضرت علی ہی خلیفہ اور بادشاہ مقرر ہوتے تو حضرت علیؑ کی حکومت اور ریاست کہیں بہتر اور اعلیٰ درجے کی ثابت ہوتی) اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ حضرت علیؑ کی حمایت میں وہ سب لکھ گیا جو سچے مسلمان کہتے اور حضرت کی ہر طرح عصمت ثابت کرتے ہیں۔ لما بدا فى تدبيره ضعف ولكنه تولاه وقد فسدت النيات وطمع العمال فى الاحكام۔ (اگر لوگوں کے دلوں میں نبوت کی دہشت اور سچا اسلامی اثر باقی رہتا تو حضرت علی علیہ السلام کی کارروائیوں میں کسی قسم کا بھی ضعف ظاہر نہیں ہوتا۔ مگر آپ کے قبضہ میں خلافت اس وقت آئی جب لوگوں کی نیتیں بگڑ گئی تھیں۔ اور ملکی انتظامات نیز حکومت کے اصول کے بارے میں آپ کے والیوں اور ماتحت

کار پردازوں کے دلوں میں حرص اور طمع پیدا ہو گئی تھی۔

علامہ جرجی زیدان نے چند سطروں میں حضرت امیر المومنینؑ کی سیاست عدل اور عصمت کے متعلق جو زرین خیالات ظاہر کئے ہیں یہ سب واقعاً سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہیں اور ضرورت ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ کی تحقیق کی جائے کہ اس نے یہ باتیں اپنے دل سے صرف مولوی شبلی صاحب ایسے مسلمانوں کو چڑانے کو لکھ دی ہیں یا کل معتبر اسلامی کتب تفسیر وحدیث وسیرۃ ورجال وتاریخ کے یقینی بیانات وتحقیقات کا جوہر ہیں جو شخص تعصب کی عینک اتار کر حضرت کے سوانح حیات کا مطالعہ کرے گا۔ وہ یہی بلکہ اس سے بڑھ کر رائے قائم کرنے پر مجبور ہوگا۔ اور جو شخص اپنے مذہبی جوش اور بے جا حمایت دین کے پردوں کو ہٹا کر خلوص اور انصاف سے حضرت علی علیہ السلام کے حالات دیکھے گا۔ اس کا دل پورا، اعتقاد کرلے گا۔ اور وہ اپنی زبان سے بے اختیار پکار اٹھے گا۔ کہ حضرت رسول خداؐ کے بعد حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے بہتر کوئی شخص دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا نہ انبیاء میں کوئی مل سکتا ہے۔ نہ اوصیاء میں نہ ظاہری خلفاء میں نہ کل صحابہ میں نہ اولیاء میں۔ نہ اس قدر زمانہ ترقی کر جانے کے بعد بھی تیرہ سو سال کی مدت میں مسلمانوں میں کسی ملک، کسی جماعت یا کسی خاندان میں نظر آسکتا ہے۔

جناب امیر علیہ السلام پر معاذ اللہ شراب پینے کا اتہام

اگر کوئی صاحب یہاں کہیں کہ یہ شیعوں کا مبالغہ اور اپنے امام کے بارے میں وہ غلو ہے جس کی تائید کسی طرح حدیث اور تاریخ اسلام کی کتابیں نہیں کرسکتیں۔ چنانچہ مولوی شبلی صاحب نے سیرۃ النبی جلد دوم میں اہل سنت کی کتابوں سے یہ عبارت تک لکھ دی ہے ایک دفعہ ایک انصاری نے حضرت علیؑ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کی دعوت کی جس میں شراب بھی تھی کھانے کے بعد مغرب کا وقت آگیا اور حضرت علیؑ نے نماز پڑھائی لیکن نشہ کے خمار میں کچھ کا کچھ پڑھ گئے۔ یہ پورا واقعہ ابوداؤد کتاب الاشربہ میں مذکور ہے (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صفحہ ۱۱۳)

توہم بہ ادب کہیں گے کہ حضرات اہلسنت نے جس طرح حضرت علیؑ پر شراب پینے کا اتہام قائم کیا ہے اس سے زیادہ حضرت رسول خداؐ کے معاذ اللہ: (الف) شراب پینے (ب) چوری کرنے اور (ج) کسی عورت کو بھگانے کے بعد اس سے زنا کرنے کی کوشش کو بھی تحریر فرمادیا ہے اگر ان روایتوں کی وجہ سے آپ حضرات حضرت رسول خداؐ کو معاذ اللہ شراب پینے والا چوری کرنے والا اور زنا کرنے والا ماننے پر تیار ہیں تو پھر دوسروں کے بارے میں بھی آپ کو اختیار ہے۔ ملاحظہ فرمایئے حدیث کی کتاب سنن نسائی میں یہ روایت موجود ہے:

عن انس رضی اللہ عنہ قال کان لام سلیم قدح من عیدان فقالت سقیت فیہ رسول اللہ کل الشراب: الماء والعسل واللبن والنبیذ

انس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ام سلیم کے پاس ایک پیالہ تھا اور وہ کہتی تھیں کہ میں نے اس پیالے میں رسول اللہ کو ہر قسم کی چیز پلائی ہے۔ پانی اور شہد اور دودھ اور نبیذ (نبیذ کھجور خرما کی شراب کو کہتے ہیں چنانچہ اس کا بیان آگے آئے گا) (سنن نسائی مطبوعہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۷)

یہ روایت تو بتاتی ہے کہ حضرت رسول خدا یہ نبیذ نوش فرمایا کرتے تھے۔

کان ینبذ لرسول اللہ فیشربہ من الغد ومن بعد الغد (جلد ۲ صفحہ ۳۳۶)

حضرت رسول خدا کے لئے نبیذ شراب بنائی جاتی تو حضرت اس کو صبح کو بھی پیتے اور صبح کے بعد بھی۔

اسی طرح اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

عن ابی مسعود قال عطش النبی حول الکعبۃ فاستسقی فاتی بنبیذ من السقایۃ فشمہ فقطب و قال علی بذنوب من زمزم فصب علیہ ثم شرب (جلد ۲ صفحہ ۳۳۳)

ابو مسعود بیان کرتے تھے کہ جناب رسالتمآب ایک مرتبہ خانہ کعبہ کے قریب تشریف فرماتے تھے کہ آپ کو پیاس معلوم ہوئی اور آپ نے کسی سے کوئی چیز پلانے کو کہا تو لوگ ایک مشک سے نبیذ لائے حضرت نے اس کو سونگھ کر منہ بنالیا پھر اس میں کچھ پانی ملا کر پی گئے۔

اس قسم کی سیکڑوں روایتیں حضرات اہل سنت کی معتبر کتب حدیث میں بھری ہوئی ہیں۔ واضح ہو کہ عربی زبان میں خمر اس شراب کو کہتے ہیں جو انگور سے بنائی جائے اور نبیذ وہ شراب ہے۔ جو کھجور خرما سے بنتی ہے انہیں حضرات کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن ابن عمر قال خطب عمر علی منبر رسول اللہ فقال انہ قد نزل تحریم الخمر وھی من خمسۃ اشیاء العنب والتمر والحنطہ والشعیر والعسل (مشکوٰۃ جلد ۵ ص ۳۲)

روایت ہے ابن عمر سے کہا کہ خطبہ فرمایا حضرت عمر نے اوپر منبر رسول اللہ کے پس کہا تحقیق نازل ہوئی تحریم خمر کی اور خمر پانچ چیزوں سے بنتی ہے۔ انگور، کھجور، گیہوں، جو اور شہد سے۔

اور لغت کی مشہور کتابوں میں بھی نبیذ کھجور کی شراب ہی بتائی گئی ہے۔

والنبيذ ما يعمل من الاشربة من التمر والزبيب والعسل والحنطة والشعير

(مجمع بحارالانوار جلد ۳ صفحہ ۳۳۰)

نبیذ ہر وہ شراب ہے جو بنائی جائے (۱) کھجور سے یا (۲) منقے سے یا (۳) شہد سے یا (۴) گیہوں سے یا (۵) جو سے۔

علامہ ابن اثیر جزری کی مشہور کتاب لغت نہایۃ اللغۃ میں بھی یہی عبارت ہے اور خود مولوی شبلی صاحب لکھ چکے ہیں "اس وقت اسلامی سوسائیٹیاں عموماً اس رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں ایک مذہب البتہ درانداز ہوسکتا تھا لیکن جدت پسند طبیعتیں اس کو بھی کھینچ تان کر اپنے ڈھب کا بنالیتی تھیں شراب کی جگہ نبیذ (کھجور کی تاڑی) موجود تھی" (المامون جلد ۲ صفحہ ۲۲۱) اور سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ صحیح مسلم کی جو صحیح بخاری کے ہم پلہ ہے شرح میں لکھا ہے:

فی من شرب النبیذ و هو ما سوی عصیر العنب من الانبذة المسکرة (شرح صحیح مسلم از علامہ نووی جلد ۲ صفحہ ۷۱)

انگوری شراب کے علاوہ جو نشہ لانے والی شرابیں ہوتی ہیں ان کو نبیذ کہتے ہیں۔

اور ملاحظہ ہو حضرات اہل سنت کے پیشوائے اعظم جناب مولوی شیخ عبدالحق صاحب دہلوی نے تحریر فرمایا ہے:

مسجد فضیخ، در وقتے کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم محاصر بنی النضیر کردہ بود قریب آن قبہ زدہ بود و در موضع ایں مسجد شش روز نماز گزاردہ بود۔ بعد ازاں در آں جا بنائے مسجد کردند ابن شیبہ و ابن زبالہ آوردہ اند کہ ابو ایوب و جمعیت از انصار ہم در موضع ایں مسجد نشستہ فضیخ کہ نوعے از مشروبات است استعمال می کردند چوں آیت حرمت نزول یافت بہ استماع ایں خبر بند دہان سقارا گشادہ دادند و فضیخ کہ در وے بود ہم در آن موضع ریختند ازاں جہت اورا مسجد فضیخ گویند۔ و امام احمد در مسند خویش از حدیث ابن عمر آوردہ کہ ہم دریں موضع پیش آن سرور صلی اللہ علیہ و آلہ کوزہ از فضیخ آوردند و آں را بخورد۔ ازیں جہت اورا مسجد فضیخ گویند۔

یعنی مسجد فضیخ کا بیان: جس زمانے میں کہ حضرت رسول خداؐ بنو نضیر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اس کے قریب قبہ قائم کیا تھا اور اسی مسجد کی جگہ چھ ۶ رکعت نماز پڑھی تھی۔ اس کے بعد لوگوں نے وہاں اسی مسجد فضیخ کو بنایا۔ ابن شیبہ اور ابن زبالہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ابو ایوب انصاری اور دوسرے انصاری بھی اس مسجد کی جگہ بیٹھے ہوئے فضیخ پیتے تھے جو ایک قسم کی شراب تھی۔ جب شراب حرام ہونے کی آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے اس خبر کو سن کر اس مشک کا دہانہ جس میں فضیخ شراب تھی کھول دیا اور جو کچھ فضیخ شراب اس میں تھی اسی جگہ بہادی اس وجہ سے لوگ اس مسجد کو مسجد فضیخ کہنے لگے۔ اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت عمر کے صاحب زادے عبداللہ ابن عمر کی یہ حدیث لکھی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اسی جگہ لوگ حضرت رسول

خدا کے پاس فضیح شراب کا ایک پیالہ لائے اور حضرت نے وہ شراب پی لی اس وجہ سے اس کو مسجد فضیح کہنے لگے (کتاب جذب القلوب مطبوعہ مطبع قدسی صفحہ ۲۰۳) حضرت رسول خدا کے شراب پینے کی روایت حضرات اہل سنت کی ایک ہی کتاب میں نہیں ہے بلکہ بہت سی کتابیں اس مضمون سے بھری پڑی ہیں علامہ نورالدین علی سمہودی نے بھی اپنی کتاب میں تحریر فرمایا ہے:

ان احمد روی فی مسندہ و من حدیث ابن عمر ان النبی اتی بفضیخ فی مسجد الفضیخ فشربہ فلذالک سمی مسجداً الفضیخ و رواہ ابو یعلی و لفظہ اتی بجر فضیخ ینش وھو فی مسجد الفضیخ فشربہ فلذالک سمی مسجد الفضیخ۔

(کتاب وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۳۳)

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت عمر کے صاحب زادے ابن عمر کا بیان لکھا ہے کہ مسجد فضیح کے اندر حضرت رسولؐ کے پاس فضیح لائی گئی تو حضرت نے وہ شراب پی لی۔ اسی وجہ سے اس کا نام مسجد فضیح ہو گیا اس مضمون کو ابو یعلی نے بھی روایت کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت رسولؐ کے پاس مسجد فضیح میں فضیح شراب کی ایک مٹکی لائی گئی، اس مٹکی کی شراب جوش مار رہی تھی۔ حضرت رسولؐ نے اس شراب سے پیا۔ اسی وجہ سے اس مسجد کو مسجد فضیح کہنے لگے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ہر گناہے کہ کنی در شب آدینہ بکن   تا کہ از صدر نشینان جہنم باشی

یعنی تمہیں جو گناہ کرنا ہے اسے خاص کر شب جمعہ میں کرو تا کہ دوزخ کے صدر نشینوں سے ہو جاؤ۔ اسی طرح حضرت رسول خداؐ کو بھی شراب پینا تھا تو گھر میں پیتے۔ جو وہ لطف کیا گھر ملتا جو خاص اس خانہ خدا اور مسجد میں استعمال کرنے سے ہو سکتا تھا۔ اس وجہ سے حضرت نے عین مسجد میں شراب خواری کی اور وہ بھی چھوٹی بوتل میں نہیں آئی کسی پیالے میں نہیں آئی بلکہ مٹکی میں لائی گئی۔ اور پوری مٹکی حضرت ہی تنہا پی گئے یا اور لوگوں کو بھی اس میں سے دی۔

اور ملاحظہ ہو حضرات اہل سنت کی کتب احادیث میں کنز العمال مستند کتاب اور بہت بڑا ذخیرہ احادیث کا ہے اور نہایت اہتمام سے ریاست حیدر آباد دکن میں آٹھ جلدوں میں طبع کی گئی ہے اس میں یہ مضمون بھی موجود ہے

اتی النبی یسرا و ھو راکب علی بغلۃ فقال عبد اللہ لنا ندعوھا جارۃ شامیۃ فدخل رسول اللہ و اصحابہ فقاموا اھی فوضعت لرسول اللہ قطیفۃ علی حصیر فی البیت جعلت توثرھا لہ فلما

جلس علیھا رسول اللہ لطت بالحصیر فقدم لھما بی تمرا اشغلھم بہ وامرامی فضعت لھم حشیشاً و کنت انا الخادم فی ما بین ابی و امی و کان ابی القائم علی رسول اللہ و اصحابہ فلما فرغت امی من الحشیش جئت احملہ حتیٰ وضعت بین ایدیھم فاکلوا ثم سقاھم فضیحاً نشرب وسقی الذی من یمینہ ثم اخذت القدح حین نفدما فیہ فملاتہ فجئت بہ الی رسول اللہ فقال اعط الذی انتھی الیہ القدح فلما فرغ رسول اللہ دعا لنا۔

(کنزالعمال طبع حیدرآباد جلد ۷ صفحہ ۶۲)

عبداللہ بن بسر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسولؐ میرے باپ کے ہاں آئے تو میری ماں نے حضرت کیلئے ایک بوریئے پر چادر بچھادی اور میرے باپ نے کچھ کھجوریں لاکر حضرت کے سامنے رکھ دیں اور میری ماں سے کہا حشیش بنادو۔ جب حشیش تیار ہوگی تو میں رسولؐ کے پاس لایا۔کل لوگوں نے اسے کھایا پھر انہیں شراب پلائی تو رسولؐ نے بھی وہ شراب پی اور خود ہی حضرت نے شراب کا وہ برتن اپنے ان صحابیوں کو دیا جو حضرت کی داہنی جانب تھے ان سب نے وہ شراب پی۔اور جب وہ برتن شراب سے خالی ہوگیا تو میں نے اسے لے لیا اور پھر اس میں شراب بھر کر حضرت کی خدمت میں لایا تو حضرت نے فرمایا جو لوگ بچ گئے ہیں ان کو پلاؤ غرض جب جناب رسولؐ اس دعوت طعام وشراب سے فارغ ہو چکے تو ہم لوگوں کے لئے دعا فرمائی کہ خدا ان کو رزق میں برکت عطا فرمائے۔

اس روایت میں اصل عبارت **ثم سقاھم فضیحا** (ان لوگوں کو فضیح پلائی) اس فضیح کو دیکھنا چاہئے کہ کیا چیز تھی۔ اگر کسی شخص کو اس کے شراب ہونے میں شک ہو تو وہ عربی زبان کی کتب لغت میں دیکھ کر آسانی کے ساتھ تحقیق کرسکتا ہے۔ چنانچہ قاموس میں ہے:

الفضیح عصیر العنب و شراب یتخذمن بسر

فضیح انگوری شراب کو کہتے ہیں اور وہ شراب بھی ہے جو خشک اور گدر کھجور سے ملا کر بنائی جاتی ہے۔

اور منتھیٰ الارب میں ہے:۔فضیح کامیر شرابے کہ از انگور شرابے است کہ از عصارہ غورخام سازند" اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو قاموس کی عربی عبارت کا لکھا گیا۔

اور صحیح بخاری میں ہے:

عن انس بن مالک ﷺ قال کنت اسقی ابا عبیدۃ و ابا طلحۃ و ابی بن کعب من فضیح زھو و تمر فجاءھم

اتٍ فقال ان الخمر قد حرمت فقال ابو طلحة قم یا انس فاهرقها فاهرقتها

(صحیح بخاری طبع مصر جلد ۳ صفحہ ۱۹۸)

انس بن مالک کہتے ہیں کہ ابو عبیدہ، ابو طلحہ اور ابی بن کعب کو میں فضیخ (گدر اور خشک کھجور کی شراب) پلا رہا تھا تو کسی نے آ کر کہا شراب حرام کر دی گئی۔ تو ابو طلحہ نے کہا اے انس اٹھو اور اس فضیخ شراب کو زمین پر بہادو تو میں نے اٹھ کر اس کو بہادیا۔

اور صحیح مسلم میں ہے:

عن انس بن مالک قال کنت ساقی القوم یوم حرمت الخمر فی بیت ابی طلحة وما شرابهم الا الفضیخ البسر والتمر فاذا مناد ینادی الا ان الخمر قد حرمت قال فجرت فی سکک المدینة فقال لی ابو طلحة اخرج فاهرقها فهرقتها (صحیح مسلم مطبوعہ دہلی جلد ۲ صفحہ ۱۶۲)

مشہور صحابی انس بن مالک کہتے تھے کہ جس روز شراب کا حرام ہونا ثابت ہوا اس دن میں ابو طلحہ کے گھر میں ان کا ساقی بنا ہوا تھا اور ان کی شراب فضیخ کے علاوہ کوئی چیز نہیں تھی۔ (یعنی جو شراب تھی وہ یہی فضیخ) کہ نا گاہ ایک شخص ندا دینے لگا۔ تو ابو طلحہ نے کہا باہر جا کر ذرا دیکھو کس بات کی منادی ہے۔ میں نکلا تو سنا کہ وہ کہہ رہا ہے آگاہ ہو جاؤ کہ شراب حرام کر دی گئی۔ اس پر مدینہ کی گلیوں میں فضیخ بہنے لگی۔ ابو طلحہ نے کہا اے انس اب یہ شراب بہادو تو میں نے بہادی۔

پھر صحیح مسلم کے اسی صفحہ میں یہ بھی ہے:

سالوا انس بن مالک عن الفضیخ فقال ما کانت لنا خمر غیر فضیخکم هذا الذی تسمونه الفضیخ

لوگوں نے انس بن مالک سے فضیخ کو دریافت کیا کہ وہ کیا چیز ہے تو کہا کہ ہم لوگوں کی اور کوئی شراب اس شراب کے سوا تھی ہی نہیں جس کا نام تم لوگوں نے فضیخ رکھا ہے۔

اور پیشوائے فرقہ اہل حدیث جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے فضیخ وہ شراب جو گدر کھجور سے توڑ کر بنا جائے۔ (انوار اللغۃ مطبوعہ بنگلور پارہ ۲ صفحہ ۴۷)

یہی مضمون عربی لغت کی دوسری کتابوں نہایہ ابن اثیر، مجمع البحرین، مجمع بحار الانوار، صحاح جوہری مصباح منیر، اللسان العرب وغیرہ میں بھی ہے۔

کیا قدرت خدا ہے کہ اگر حضرت امیر المومنینؑ کو بدنام کرنے کے لئے ایک کتاب سنن ابو داؤد میں حضرت پر شراب خواری کا اتہام لگایا گیا تو حضرت رسولؐ کو بدنام کرنے کیلئے بھی ایک کتاب نہیں بلکہ متعدد کتب حدیث میں تصریح کے ساتھ یہ

اتہام لگادیا گیا کہ حضرت بھی کئی قسم کی شراب پیا کرتے تھے۔ نبیذ بھی اور فضیح بھی جس طرح ہندوستان میں کھجور کی تاڑی بھی ہوتی ہے، تاڑی کی بھی۔ اور شراب مہوے کی بھی بنتی ہے۔ اور انگور کی بھی۔ اسی طرح عرب میں بھی شراب مختلف چیزوں کی بنائی اور پی جاتی تھی انگور کی بھی، جو کی بھی، گدر کھجور کی بھی اور بھی متعدد چیزوں کی جن کی تفصیل لغت کی کتابوں میں بھری ہوئی ہے اور سب کی تفصیل انشاء اللہ اس سوانح کی اس جلد میں آئے گی جو حضرت کی عصمت کے متعلق خدا کے فضل وکرم سے لکھی جائے گی۔

حضرت رسولؐ پر معاذ اللہ چوری کا اتہام

سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی سے جو دونوں صحاح ستہ میں داخل ہیں کتاب تلخیص الصحاح مطبوعہ لاہور میں یہ عبارت مرقوم ہے (اور اس کے علاوہ بھی بہت کثرت سے کتب حدیث وتفسیر میں موجود ہے)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال نزلت هذه الآية وما كان لنبي ان يغل في قطيفة حمراء فقدت يوم بدر فقال بعض القوم بعد رسول الله اخذ ما فانزل الله تعالىٰ هذه الآية اخرج ابو داؤد والترمذی (تلخیص الصحاح جلد ا۔ ص ۱۴۲)

ابن عباس سے آیہ مبارکہ ما کان لنبی ان یغل (نبی کا یہ کام نہیں ہے کوئی چیز چرالیں) کی شان نزول اس طرح روایت کی گئی ہے کہ بدر کی لڑائی میں غنیمت کے مال سے ایک سرخ رنگ کی روئی دار رضائی کھو گئی تو بعض صحابہ نے کہا شاید رسول خداؐ نے چرالی ہو تب خدا نے یہ آیہ شریفہ نازل فرمایا۔

رسول اللہؐ پر معاذ اللہ ارادہ زنا کا اتہام

اصح الکتب بعد کتاب الباری صحیح بخاری میں اس کی روایت بھی موجود ہے جس کا صرف ترجمہ نقل کردیا جاتا ہے۔ اوزاعی کہتے تھے کہ میں نے زہری سے دریافت کیا کہ آنحضرتؐ کی عورتوں سے کن معظمہ نے جناب رسالتمآبؐ سے خدا کی پناہ مانگی تھی؟ زہری نے جواب دیا مجھ سے عروہ نے بیان کیا ہے کہ ان سے حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا کہ جون کی بیٹی جب حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں لائی گئی اور حضرتؐ اس کے قریب ہوئے تو اس نے حضرت کو خطاب کرکے کہا اعوذ باللہ منک (اے محمدؐ! میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں) تو حضرت نے اس سے فرمایا تم نے بڑی ذات کی پناہ مانگی!۔ اب اپنے خاندان میں واپس چلی جاؤ ابوسید بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ ہم لوگ جناب رسولؐ خدا کے ساتھ مدینہ سے باہر چلے ایک باغ کی طرف

روانہ ہوئے جس کو شوط کہتے تھے یہاں تک کہ ہم لوگ دو باغوں کے قریب پہنچے اور ان دونوں کے درمیان بیٹھ گئے (تاکہ دونوں باغ دونوں طرف سے پردے کا کام کریں اور ہم لوگوں کی کارروائی کسی آنے جانے والے پر ظاہر نہ ہونے پائے) وہاں پہنچنے پر جناب رسول خداؐ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ یہیں بیٹھ جاؤ اور خود حضرت تنہا اندر داخل ہوئے جہاں جونیہ لائی گئی تھی اور امیمہ دختر نعمان بن شراحیل کے گھر میں کھجور کی شاخوں میں ایک کمرے میں بٹھائی گئی تھی۔ اس کے ساتھ اس کی دایہ حاضنہ بھی تھی غرض جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جونیہ کے پاس پہنچے تو اس نے کہا:

هبی نفسک لی قالت و هل تهب الملکة نفسها للسوقة قال فاهوی بیده یضع یده علیها لتسکن فقالت اعوذ بالله منک۔ (صحیح بخاری کتاب الطلاق جلد ۳ صفحہ ۱۹۷ طبع مصر)

مجھے اپنے تئیں حوالے کر دے۔ اس پر وہ فوراً بول کیا شاہزادی بھی بازاری لوگوں کو اپنے تئیں حوالہ کر سکتی ہے؟ یہ سن کر حضرت نے اپنا ہاتھ بڑھایا اس کے بدن پر رکھنا ہی چاہتے تھے کہ وہ چیخ گئی میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔

جب معاملہ اس قدر طول کھینچ گیا تو حضرتؐ نے اس سے فرمایا تو نے بڑی پناہ مانگی اور اس گھر سے نکل آئے اور مجھ سے فرمایا کہ اے ابا اسید اس کو دو رازقیہ پہنا دو اور اس کے گھر پہنچا دو۔ انتہی

اس قسم کی بے حد حساب حدیثیں بھری ہوئی ہیں۔

حضرت رسول خداؐ نے (معاذ اللہ) بتوں کی تعریف بھی خوب کی!

انتہا ہو گئی کہ حضرت رسول خداؐ پر یہ اتہام بھی کیا گیا کہ حضرت نے بتوں کی تعریف بھی کی تھی۔ مخدوم مولوی شبلی صاحب کی عبارت میں اس کو بھی ملاحظہ کرتے چلے لکھتے ہیں:

آنحضرتؐ نے حرم میں ایک دفعہ نماز ادا کی کفار بھی موجود تھے جب آپؐ نے یہ آیت پڑھی و مناة الثالثة الاخری تو شیطان نے آپؐ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے:

تلک الغرانیق العلی وان شفاعتهن لترتجی

یعنی یہ بت معظم و محترم ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے آپ کی متابعت کی۔ یہ قصہ افسوس تو اس بات کا ہے کہ بہت سے

محدثین نے اس روایت کو بہ سند نقل کیا ہے۔ ان میں طبری ابن ابی حاتم، ابن المنذر، ابن مردویہ، ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ شہرت عام رکھتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کو جن کے کمال فن حدیث پر زمانے کا اتفاق ہے اس روایت کی صحت پر اصرار ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

وقد ذکرنا ان ثلاثة اسانید منها علیٰ شرط الصحیح وهی مراسیل یحتج مثلها من یحتج بالمراسیل۔

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس روایت کی تین سندیں صحیح کی شرط کے موافق ہیں۔ اور یہ روایتیں مرسل ہیں اوران سے وہ لوگ استدلال کر سکتے ہیں جو مرسل روایتوں کے قائل ہیں" (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۱۷۶)

بعض محدثین نے اس روایت کے بارے میں کچھ باتیں بنانے کی کوشش کی تو اس کے بارے میں لکھتے ہیں تلك الغرانیق العلی کی حدیث کو جس میں بیان ہے کہ شیطان نے آنحضرتؐ کی زبان سے وہ الفاظ نکلوادیئے جن میں بتوں کی تعریف ہے بعض محدثین نے ضعیف اور نا قابل اعتبار کہا تھا اس کے باطل ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ بیان کی تھی:

لو وقع لارتد کثیر ممن اسلم ولم ینقل ذالک

اگر ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان اسلام سے پھر جاتے حالانکہ ایسا ہونا مذکور نہیں۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

وجمیع ذالک لا یتمشیٰ علی القواعد فان الطرق اذا کثرت وتباینت مخارجها دلّ ذالک علیٰ ان لها اصلاً

یہ تمام اعتراضات اصول کے موافق چل نہیں سکتے اس لئے کہ روایت کے طریقے جب متعدد ہوتے ہیں اور ان کے ماخذ مختلف ہوتے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ روایت کی کچھ اصل ہے۔ (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۵۱)

غرض حضرات اہل سنت کی کسی کتاب میں یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے شراب پی لی تھی تو انھیں حضرات کی بہت سی کتابوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت رسول خداؐ شراب پیتے تھے، چوری کرتے تھے، دوسروں کی بہو بیٹیوں کو منگوا کر اس سے چوری چھپے۔۔۔ کرنا چاہتے تھے اور بتوں کی تعریف بھی کرتے تھے۔ (معاذ اللہ)

مگر

جس طرح ان مہربانوں کی اس قسم کی حدیثوں سے حضرت سید المرسلین شفیع المذنبین کے دامن عصمت پر کوئی دھبہ نہیں لگ سکتا بلکہ یہ کتابیں ہی دریا میں ڈبو دینے کی مستحق ہو گئیں بالکل اسی طرح حضرت امیر المومنینؑ اور مصداق قول خدا ویطهرکم تطهیرا؟ کی ذات والاصفات پر بھی اس روایت سے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا بلکہ وہ کتابیں بھی غرق سمندر کر دی جائیں تو بہتر ہے اور جس طرح آنحضرتؐ کی عظیم الشان سوانح عمری سات یا آٹھ یا دس جلدوں میں لکھنے کی ضرورت محسوس کی گئی بالکل اسی طرح حضرت امیر المومنینؑ کی جلیل القدر حیات مبارکہ کا تقاضہ بھی ہے کہ حضرت کی زندگی کے واقعات حضرت کے فضائل و درجات حضرت کے فیوض و احسانات اور حضرت کے اقوال و کمالات بھی دس جلدوں میں پوری تفصیل و جامعیت سے لکھے جائیں دنیا کو حضرت کی اصلی تصویر دکھائی جائے۔ اور تاریکی کے پردوں کو ہٹا کر حضرت کے اصلی مرتبہ سے روشناس کرا دیا جائے اسی سبب سے رسالہ اصلاح کی گزشتہ جلدوں میں بھی حضرت کی سوانح عمریاں لکھنے کے متعلق بار بار مطالبہ ہوتا رہا ہے اور مختلف اہل معرفت حضرات نے اس کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے بلکہ ہندوستان کے دوسرے علمی، دینی اور ادبی اخباروں اور رسالوں میں بھی اس ضروری خدمت کے انجام دینے کی طرف اشارہ ہوتا رہا ہے۔ مثلاً چند تحریروں کا نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ان تحریروں کے دیکھنے سے ثابت ہوگا کہ حضرت مولائے مومنینؑ کے سوانح مبارکہ کی کیا اہمیت ہے:

فضائل ساقیٔ کوثر بہ زبان حضرت عمر

عموماً حنفیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ افضل ناس بعد جناب رسالت مآب حضرات ثلاثہ گزرے اور حضرت علی مرتضیٰ کو جس طرح خلافت ظاہری میں چوتھا نمبر دیا گیا اسی طرح ان کے فضائل و مناقب بھی ان حضرات سے کم ہیں۔ چنانچہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض یادگار بنی امیہ اب بھی معاویہ شاہی زمانہ سمجھ لیا کرتے اور کھلے الفاظ جناب امیر کی شان میں وہی الفاظ استعمال کر جاتے ہیں جو ان کے جد بزرگوار نے بتائے تھے۔ خیر وہاں تو شام کی گورنری نے خاندان رسالت سے علیحدگی پر مجبور کیا تھا۔ مگر آج کل جبکہ انگریزی سایہ اور ہندوستان کی سرزمین میں بہ حیثیت رعایا رہ کر ان کے مقلدین کو ایک روز مرنا ہے تو خواہ مخواہ کیلئے اہل بیت رسولؐ کی شان میں نامہذب الفاظ استعمال کرنا اگر ہٹ دھرمی نہیں تو کیا ہے؟ وہ اتنا تک نہیں خیال کرتے کہ دیگر صحابہ و محدثین جو کچھ فضائل جناب امیر المومنینؑ کے نقل فرما رہے ہیں اگر ان سے درگزر بھی کیا جاوے تو سواد اعظم کے خلیفہ دوم حضرت عمر نے جن فضائل و مناقب کا اظہار کیا ہے اسی کو بغور دیکھیں اور اسی سے سبق حاصل کریں۔ وہاں تو

بآواز بلند یہ کہا جاتا ہے:

لولا علی لھلک عمر اگر جناب علیؑ نہ ہوتے تو حضرت عمر کا وجود بھی دنیا میں نہ رہتا۔

اور یہاں یہ شور کہ حضرت عمر سے بہتر اور افضل جناب علیؑ ہو نہیں سکتے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ اسلام نے یہ غلط اصول قائم ہی نہیں کیا۔ اور خود حضرت عمر نے بھی اپنی ظاہری پالیسی ایسی نہ رکھی چنانچہ ذیل کی چند روایات واقوال حضرت عمر امر کی کافی دلیل ہیں۔ انصاف پسند حضرات انہیں ملاحظہ فرمائیں اور علی الخصوص چند ایڈیٹران اخبار اور لیڈران قوم تو حضرت خلیفہ کی روایات واقوال کی عزت کریں:

(۱) عن عمر ابن الخطاب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما اکتسب مکتسب مثل فضل علی یھدی صاحبہ الی الھدی ویردہ عن الروی (اخرجہ الطبرانی)

حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص نے علیؑ کے مثل فضل کا اکتساب نہیں کیا۔ وہ اپنے دوست کو ہدایت کی راہ دکھاتے ہیں اور برائی کی راہوں سے پھیرتے ہیں (طبرانی نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے)

(۲) عن عمر ابن الخطاب قال ان رسول اللہ صلعم قال لعلی انک اول المومنین معی ایمانا اعلمھم بایات اللہ واوفاھم بعھد اللہ وروفھم بالرعیۃ واقسمھم بالسویۃ واعظمھم عند اللہ منزلۃ (اخرجہ احمد)

حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ بہ تحقیق جناب رسول خداؐ جناب علیؑ سے فرماتے تھے کہ تم سب مومنوں سے پہلے میرے ساتھ ایمان لانے والے ہو۔ اور تم ان سب سے خدا کی آیتوں کے ساتھ زیادہ تر علم رکھنے والے ہو اور تم ان سب سے خدا کے عہد کو زیادہ تر پورا کرنے والے ہو اور تم ان سب سے رعیت کے ساتھ زیادہ مہربانی کرنے والے ہو اور ان سب سے اللہ کے نزدیک بڑے رتبہ والے ہو۔

(۳) عن سعید بن المسیب قال کان عمر یتعوذ باللہ من معضلۃ لیس لھا ابو الحسن

(اخرجہ احمد)

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر خدا کی طرف پناہ مانگتے تھے اس مشکل امر سے جس میں جناب ابوالحسن نہ ہو۔

(۴) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خطبنا عمر فقال اقضانا علی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے ہم کو خطبہ سنایا اور کہا کہ ہم میں بڑے قاضی علیؑ ہیں۔

(۵) عن یحیی بن عقیل قال کان عمر یقول لعلی اذا سألہ ففرج عنہ لا ابقانی اللہ بعدک یا علی (اخرجہ الخجندی)

یحییٰ ابن عقیل کہتے ہیں کہ حضرت عمر جناب علی علیہ السلام سے کچھ پوچھا کرتے اور ان کے جواب سے خوش ہوتے تو فرماتے یا علیؑ خدا مجھے آپ کے بعد زندہ نہ رکھے۔

(۶) عن ابی ہریرہ قال قال عمر بن الخطاب لقد اعطی علی ثلاث خصال لان یکون لی واحدۃ منہن احب الی من ان اعطی حمر النعم فسئل ماھی قال تزوجہ ابنتہ فاطمۃ واسکنہ المسجد مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحل لہ ما لا یحل لغیرہ والرایۃ یوم خیبر۔ (اخرجہ احمد وابو یعلی والحاکم فی المستدرک)

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب کہا کرتے تھے کہ جناب علی علیہ السلام کو ایسی تین باتیں حاصل ہیں کہ اگر ان میں سے مجھے ایک بھی حاصل ہوتی تو میرے نزدیک سرخ چشم والے اونٹ سے بھی زیادہ محبوب ہوتی۔ کسی نے اس سے سوال کیا وہ کیا باتیں ہیں؟ کہنے لگے آنحضرت کا (۱) اپنی بیٹی جناب فاطمہ (صلوات اللہ علیہا) سے ان کا نکاح کرنا۔ (۲) اور مسجد میں اپنے ساتھ ان کو رکھنا کہ جو بات مسجد میں ان کیلئے جائز تھی اور ان کے سوائے دوسرے کسی کو جائز نہیں تھی۔ (۳) اور خیبر کے روز علم کو دیا جانا۔

(۷) عن ابن عباس قال قال عمر بن الخطاب فی ذکر علی فانی سمعت رسول اللہ صلعم یقول فی علی ثلث خصال لان تکون واحدۃ منہن احب الی مما طلعت علیہ الشمس کنت انا وابو بکر وابو عبیدۃ بن الجراح ونفر من اصحاب رسول اللہ والنبی صلعم متکئا علی علی حتی ضرب بیدہ علی منکبیہ ثم قال ان یا علی اول المومنین ایمانا واولہم اسلاما۔ ثم قال انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ وکذب علی من زعم اللہ۔ یحبنی ویبغضک (اخرجہ الحسن بن بدر فی ما رواہ الخلفاء والحاکم فی الکنی والشیرازی فی الالقاب وابن النجار والمتقی فی کنز العمال وابن السمان فی الموافقۃ ومحب الطبری فی الریاض النضرۃ فی فضائل العشرۃ۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب کہتے تھے کہ میں نے جناب رسالت مآب کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ علیؑ میں ایسی تین باتیں ہیں کہ اگر ایک بھی مجھے (عمر کو) حاصل ہو جاتی تو سب ان چیزوں سے جن پر آفتاب طلوع ہوتا ہے میں اس کو بہتر سمجھتا میں اور ابوبکر اور عبیدہ بن الجراح اور چند نفر اصحاب جناب رسول خدا کے حضور میں حاضر تھے اور حضرت

جناب علیؑ کے سینہ کے ساتھ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے کہ حضرتؐ نے جناب علیؑ کے کندھے پر ہاتھ مار کر ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ تو (۱) سب مومنوں سے ایمان لانے میں مقدم ہے اور (۲) سب مسلمانوں سے اسلام لانے میں پہلا ہے اور (۳) تو مجھ سے بمنزلہ ہارون کے ہے موسیٰ سے۔ وہ شخص جھوٹ بولتا ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے۔ درآں حالیکہ وہ تجھ سے بغض رکھتا ہے۔

(۸) عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلعم علی منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی (اخرجہ النخطیب و المتقی فی کنزل العمال)

حضرت عمر بن خطاب کہتے ہیں کہ فرمایا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ علی مجھ سے بمنزلہ ہارون کے ہے موسیٰ سے مگر یہ کہ میرے بعد پھر کوئی نبی نہ ہوگا۔

(۹) عن عمر ابن الخطاب قال قال رسول اللہ صلعم یوم خیبر لاعطین الرایۃ لرجل یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ کرار اًغیر فرار یفتح اللہ علیہ جبریل عن یمینہ و میکائیل عن یسارہ فبات الناس متشوقین فلما اصبح قال این علی قالو ایا رسول اللہ ما یصبر قال ایتونی بہ فلما اتی بہ فقال النبی صلعم ادن منی فدنا منہ فتفل فی عینیہ و مسحھما بیدہ فقام علی من بین یدیہ کانہ لم یرمد (اخرجہ المتقی فی کنز العمال)

حضرت عمر روایت کرتے ہیں کہ خیبر کے روز آنحضرتؐ نے فرمایا ہم علم ایسے شخص کو دیں گے جو اللہ واور اللہ کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس کو دوست رکھتا ہے اور وہ حملہ کرنے والا ہے۔ بھاگنے والا نہیں۔ خدا اس کو فتح دے گا۔ جبرئیلؑ اس کے داہنے اور میکائیلؑ اس کے بائیں ہوگا لوگ رات کو اشتیاق میں رہے جب صبح ہوئی تو حضرت نے فرمایا علیؑ کہاں ہیں! لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ فرمایا انہیں میرے پاس لے آؤ جب وہ حاضر ہوئے حضرتؐ نے فرمایا میرے قریب آؤ وہ حضرت کے پاس گئے۔ حضرتؐ نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگایا اور اپنے ہاتھوں سے ان کو چھوا۔ علیؑ اٹھ کھڑے ہوئے گویا کہ ان کی آنکھیں دکھتی ہی نہ تھیں۔

(۱۰) عن عمر ابن الخطاب قال نصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم علیا فقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ و اخذل من خزلہ و انصر من نصرہ اللھم انت شھیدی علیھم قال عمر و کان فی جنبی شاب حسن الوجہ طیب الریح۔ فقال لی یا عمر لقد عقد رسول اللہ صلعم عقدۃ لا یحلہ الا منافق فاحذر ان تحلہ قال عمر فقلت یا رسول اللہ انک حیث قلت فی علی کان فی جنبی شاب حسن الوجہ طیب

الربیع قال کذا کذا۔ قال نعم یا عمر انہ لیس من ولد آدم لکنہ جبرئیل اراد ان یوکد علیکم ما قلتہ فی علی اخرجہ علی بن شہاب الدین الہمدانی فی کتاب مودۃ القربی۔

حضرت عمر ابن الخطاب سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا نے جناب علی علیہ السلام کو کھڑا کر کے ارشاد کیا جس کا میں مولا ہوں پس اس کا علی مولا ہے اے میرے پروردگار دوست رکھ اسے جو دوست رکھے اس کو۔ اور دشمن رکھ اسے جو اسے دشمن رکھے اور چھوڑ دے اسے جو اسے چھوڑ دے اور نصرت دے اسے جو اسے نصرت دے اے پروردگار تو میرا ان پر گواہ ہے۔

حضرت عمر کہتے ہیں میرے پہلو میں ایک نوجوان خوبصورت پاکیزہ خوشبو والا کھڑا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا اے عمر البتہ سرور دین پناہ صلعم نے ایک ایسی گرہ لگائی ہے کہ منافق کے سوائے کوئی اس کو نہیں کھولے گا۔ پس تو اس کے کھولنے سے ڈرتا رہ حضرت عمر کا بیان ہے کہ پھر میں نے آنحضرت سے عرض کیا یا رسول اللہ جبکہ حضور نے جناب علی علیہ السلام کے حق میں ارشاد کیا تھا تو میرے پہلو میں ایک نوجوان خوبصورت پاکیزہ خوشبو والا موجود تھا اس نے مجھ سے ایسا کہا۔ حضرت نے فرمایا اے عمر وہ شخص آدم کی اولاد میں سے نہیں تھا۔ وہ جبرئیل تھے اور میرے کہنے کی تاکید تم کو کرنے کیلئے آئے تھے جو کچھ میں نے تم سے علی کی نسبت کہا تھا۔

مسلمانو ان احادیث کو ذرا گوش دل سے پڑھو اور سوچو کہ جس مقدس وجود کے بارے میں اس طرح تاکیدی الفاظ رسول اللہ فرماتے ہوں۔ یوں جناب جبرئیل تنبیہ کرتے ہوں اور خود حضرت عمر جس کا نام سن کر کانوں پر ہاتھ دھرتے ہوں اسی کی شان میں اب ایسی کمینہ اور ناپاک لفظیں اور عبارتیں استعمال کی جاویں جن کے نقل کی بھی جرأت نہیں ہو سکتی ہے اور تم انہیں ٹھنڈے دل سے سنو بلکہ ان کے لکھنے والوں کو اپنے گروہ کا مذہبی لیڈر سمجھو! کیا میرا یہ جملہ غلط ہے؟ کیا.........اور.........اور.........کے الفاظ تم نے نہیں دیکھے؟ اور کیا باوجود ایسے کھلے الفاظ کے تم ان کی عزت نہیں کرتے؟ واقعات کھلے ہوئے ہیں۔ تمہارا عام سکوت بتا دے رہا ہے اور تمہیں اس کی اچھی طرح خبر بھی ہے مگر کیا کہوں تمہیں شاید خاندان رسالت کی بے آبروئی میں مزہ ملتا ہے اور تم ان باتوں سے خوش ہوتے ہو۔ ورنہ اگر تمہیں اسلام کا دعوی ہے، جناب رسول خدا اور واحنا فداہ کی وقعت ہے۔ صحابہ کی عزت ہے تو سوچو۔ سمجھو کہ یہ بات کہاں تک تمہارے لئے مفید ہو سکتی ہے اور کس وقت تک تم کو دائرہ اسلام میں رکھ سکتی ہے۔ اگر شیعوں کی دل آزاری کا یہ طریقہ نکالا گیا ہے تو ان کا اس میں کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ ان نجس الفاظ سے اہل بیت رسالت کی عزت و محبت ان کے دلوں سے نہیں نکل سکتی؟ پیشوایان دین کے برا کہنے سے وہ بد اعتقاد نہیں ہو سکتے وہ سچے دل سے ایمان لانے والوں میں ہیں۔ وہ آیات خدا کی وقعت فرض جانتے ہیں انہیں واجب الاطاعت مانتے ہیں اور

انبیاء وائمہ کو خدا کی نشانیاں سمجھتے ہیں۔ احادیث نبوی پر ان کا ایمان ہے۔ خلاف واقعہ وہ کچھ نہیں کہتے۔ البتہ موضوع احادیث کی وقعت نہیں کرتے بلکہ ان سے نفرت کرتے ہیں۔

اسی آخری حدیث ۱۰۱ کو دیکھو، اسی کے الفاظ پر نگاہ کرو اور تھوڑا انصاف بھی دل میں کرو۔ تمہاری ہی کتابیں تمہارے لئے بس ہیں۔ تمہارا ہی قرآن تمہارے لئے کافی ہے۔ اس نے اپنے کلام میں متنبہ کر دیا ہے۔ اس کی یہ آیت اسی کتاب مقدس میں موجود ہے۔ اس کو دیکھو اور عبرت حاصل کرو جو اپنے حبیب کے ذریعہ عالم میں پہنچا رہا ہے اور صاف صاف کہہ رہا ہے:

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللَّـهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

(سورہ مائدہ، آیت ۱۰۰).

''کہہ دو کہ اچھے اور برے کبھی برابر نہیں ہو سکتے اگر چہ تم کو برے کی کثرت خوش کرے۔ تو اے عقل والو خدا سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو''۔ (راقم اسحاق پاردی) (منقول از رسالہ اصلاح ماہ جمادی الآخر ۲۷ ۱۳ھ)

جب حضرت عمر کی یہ چند روایتیں حضرت امیر المومنینؑ کی عظمت وجلالت ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں تو انہیں کی باقی روایتیں بھی جو صحاح ستہ، تفسیر در منثور، کنز العمال، مستدرک وغیرہ میں بھری ہوئی ہیں مسلمانوں تک کیوں نہ پہنچائی جائیں کیونکہ اوپر چند حدیثیں تو ایک مختصر مضمون نمونہ مشتے از خروارے کے طور پر نقل کی گئی ہیں۔ حضرت رسول خداؐ، جناب سیدہؑ اور جناب امیرؑ پر حضرت عمر کی جس قدر مہربانیاں جس حد تک شفقتیں اور جس درجہ عنایتیں رہیں ان سے پڑھے لکھے مسلمان اچھی طرح واقف ہیں پھر جب ممدوح تک حضرت امیر المومنینؑ کی ایسی فضیلتیں بیان کرتے رہتے تھے تو دوسرے حضرات کی روایتوں کو کون شخص گن سکتا ہے۔ اب اہل علم اور خادمان دین کا فرض ہے کہ ان حدیثوں کو بھی جمع کریں جن میں حضرت کے فضائل حضرت ابوبکر کی زبانی مروی ہیں۔ اور ان روایتوں کو بھی ضرور ضرور اکٹھی کر دیں جو حضرت عائشہ سے مروی ہیں اور جن میں حضرت امیر المومنینؑ کا ذکر بھی کسی طرح آ گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر صرف انہیں دونوں عنایت فرما حضرات (حضرت عمر اور حضرت عائشہ) کی مرویات جو جناب امیرؑ کی شان میں اب بھی مل جاتی ہیں ترجمہ کے ساتھ شائع کر دی جائیں، تو دین اسلام کی نہایت شاندار خدمت انجام پائے۔ ایک طرف ان دونوں شفیقوں کے وہ برتاؤ دکھائے جائیں جو انہوں نے حضرت رسول خداؐ کی زندگی میں اور حضرت کے انتقال کے بعد بھی جناب امیرؑ اور جناب سیدہؑ کے ساتھ کئے اور دوسری طرف وہ روایتیں جمع کی جائیں جو ان دونوں صاحبوں نے حضرت رسول خداؐ سے سن کر لوگوں سے بیان کیں تو دنیا محو حیرت ہو کر بول اٹھے: ''این کہ می

شتوم بہ بیداری است یا رب یا بہ خواب؟" ان حدیثوں سے یہ بات بھی آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ جب ان دونوں مہربانوں کی زبان سے حضرت علیؑ کا درجہ خدا اور رسولؐ نے اس درجہ ظاہر کیا تو دوسروں کی زبان سے کس حد تک بلند کردیا ہوگا۔ جن میں جناب عبداللہ بن عباس بھی ہیں۔ جناب ابوذر بھی جناب سلمان بھی جناب جابر بھی، جناب ابوسعید خدری، جناب زید بن اسلم بھی اور جناب مقداد بھی اور یہ بھی واضح ہوگا کہ اس وقت جو کتابیں حدیث و تفسیر کی موجود ہیں جب ان میں حضرت کے فضائل اس کثرت سے ملتے ہیں تو جو کتابیں اس وجہ سے غائب کردی گئیں۔ یا نہ نقل کی گئیں نہ شائع کی گئیں کہ ان میں خاص کر ان حضرات کے فضائل مرقوم ہیں ان میں کیا کچھ نہ ہوگا۔ کیونکہ کتاب کشف الظنون اور ابجد العلوم وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نیز سائر اہلبیتؑ کے فضائل و کمالات سیکڑوں کتابوں میں علماء متقدمین جمع کر کے دیتا ہے چلے گئے۔ مگر بعد والوں نے ان کتابوں کی کوئی قدر نہیں کی نہ تو ان کی نقلیں لی گئیں نہ ان کی حفاظت کی گئی نہ ان کے دیکھنے کی لوگوں نے خواہش کی نہ کسی نے ان کی طرف توجہ کی۔ اس وجہ سے مطبع کا رواج ہونے کے بعد کسی نے ان کے چھاپنے کا خیال بھی نہیں کیا۔ بس صرف چند بڑے بڑے کتب خانے رہ گئے ہیں جن میں چند کتابیں پڑی ہوئی ہیں۔ لطف یہ کہ ان قلمی کتابوں کے دیکھنے کا بھی کسی کو خیال نہیں ہوتا۔ پہلے ہی طے کرلیا ہے کہ وہ کتابیں ہی دیکھنے کے قابل نہیں ہیں جن میں آل رسولؐ کا ذکر خیر ہو۔ ان کتابوں کا نام تک لینا مناسب نہیں ہے جن سے حضرت علیؑ اور آپ کے خاندان کی عظمت و جلالت کا پتہ چل سکے۔

(جناب خان بہادر سید محمد خلیل صاحب ایم۔ اے مرحوم کا بھی یہ مضمون رسالہ اصلاح میں شائع ہوا تھا)

سوانح عمری جناب امیر علیہ السلام

علم الادراک کے ابتدائی اصول میں ہے کہ نفس ناطقہ انسانی تین چیزوں سے متاثر ہو کر من حیث الوجود ایک مستقل حیثیت اختیار کرتا ہے ان موثرات ثلاثہ میں: (۱) فطرت، (۲) تربیت، (۳) صحبت ہیں میں نے یہاں صحبت سے مراد فقط انسانی یکجائی نہیں لیا ہے بلکہ تمام واقعات جو ایک شخص کے زمانہ حیات میں پیش آتے ہیں وہ سب صحبت میں داخل ہیں۔ اول الذکر تو اخلاق و عادات شخصی کا بنیادی پتھر ہے اور تغیر پذیر نہیں اگرچہ ممکن ہے کہ تربیت و صحبت کے ذریعہ سے اتنا مادہ پیدا ہو جائے کہ ایک فطرتاً بد آدمی برے کام کو بھی حتی الامکان ایک سلیقہ سے کرے۔ بقیہ دو کا اثر ابتدائے سن شعور سے لیکر ایک عرصہ دراز تک ہوجاتا ہے مگر اس طرح پر کہ نفس انسانی تربیت اور صحبت سے اثر بھی قبول کرجاتا ہے آثار مکتبہ کو عملاً ظاہر بھی کرجاتا ہے۔ اور اسی حالت فاعلی و انفعالی میں آگے کو بھی ترقی کرتا جاتا ہے۔

اس طرف چند برسوں کے اندر اکثر حضرات نے سوانح عمریاں زبان اردو میں تالیف کی ہیں اور ان پر بہت سا وقت اور

روپیہ صرف کیا ہے مگر افسوس کہ زمانہ حال کے مذاق پر سوانح عمری کے مفہوم کو کم سمجھے ہمارے یہاں کے افسانوں کی طرح یہ سوانح عمریاں بھی فقط واقعات کا ذخیرہ ہیں جن کے جمع کرتے وقت کوئی خاص ترتیب بجز ترتیب تاریخ کے مدنظر نہیں رکھی گئی اور نہ اصول مذکورہ تمہید بالا پر خیال کیا گیا۔ اکثروں نے دعویٰ تو انگریزی سوانح نویسوں کی تقلید کا کیا مگر ان کی کتاب اس نظم سے خالی ہے جو انگریزی کتابوں میں عموماً اور بڑی بڑی کتابوں مثل حیات جانسن نلسین، نپولین گلیڈ اسٹون میں خصوصاً پایا جاتا ہے سوانح حیات عموماً بڑے لوگوں کی لکھی جاتی ہے۔ یہ بڑائی بہت سی حیثیتوں سے ہوسکتی ہے مگر یہ ضرور ہے کہ وہ شخص کسی خاص قوت یا کئی قوتوں میں بہت سے انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے۔ ہر مصنف اپنے ممدوح یا ہیرو میں ان اوصاف کو دکھانا چاہتا ہے۔ جو عموماً اوصاف حسنہ کہے جاتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ ہیرو زمانہ شعور سے وقت وفات تک شخص واحد رہتا ہے مگر اس کے اخلاق وعادات میں بتدریج تغیر عظیم ہوجاتا ہے۔ اور یہ تغیرات اس کے مواقع زندگی سے ملکر دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کرتے ہیں جس سے اس شخص کی زندگی غیر معمولی زندگی ہوجاتی ہے۔ ایک سوانح نویس کا یہی کام ہے کہ اس کی فطرت کی تشریح کرکے اور جو جو اثر اس پر خاص تربیت کے ہوئے ہیں ان کا پتہ لگا کر اس کے واقعات زندگی کو ان اسباب کے نتائج دکھائے۔ اس کی پوری تفصیل کرے کہ اس کے ہیرو کی اندرونی دنیا نے بیرونی دنیا پر کیا کیا اثر ڈالا اور خود کون کون سے آثار قبول کئے۔ ان دونوں واقعات ظاہر و باطن میں ابتداء کیا تعلقات پیدا ہوئے بعدہٗ وہ کیونکر بڑھے اور کہاں تک منتہی ہوئے۔ اور کیا ضرورت ہے کہ ہم ایسے شخص کو یاد رکھیں۔

جناب امیر علیہ السلام من جملہ ان بڑے لوگوں کے ہیں جن کی زندگی نے دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کیا ہے اسی وجہ سے بے شمار کتابوں میں آپ کے حالات زندگی مذکور ہیں۔ مگر افسوس کہ سوانح عمری کی صورت میں اب تک منضبط نہ تھے۔ صرف چند سال ہوئے کہ بعض حضرات کو اس کا خیال ہوا اور بہت محنت و عرق ریزی سے یہ حالات یکجا کئے گئے۔ تہذیب المتین المرتضیٰ اور سوانح عمری مولفہ مولوی عبید اللہ امرتسری اس کے نمونہ ہیں۔ اگرچہ ان حضرات نے دنیا پر بڑا احسان کیا ہے کہ بہت سے واقعات کا ذخیرہ یکجا کردیا ہے۔ مگر بہ لحاظ ترتیب مضامین زمانہ حال کے مذاق پر ان کو سوانح عمری نہیں کہہ سکتے اور حضرت کی سوانح عمری لکھنا واقعی ہے بھی بہت مشکل۔ سب سے بڑی دقت تو یہ ہے کہ آپ کے واقعات زندگی اس کثرت سے کتابوں میں درج ہیں کہ ان کا منضبط کرنا بہت مشکل کام ہے۔ گویا کرہ باد کو ایک غبارے میں بند کرنا ہے۔ دوسری دقت متضاد پولیٹیکل واقعات ہیں جنہوں نے مذہبی رنگ اختیار کرلیا ہے۔ اور جن کی وجہ سے آپ کے صحیح واقعات زندگی کا دریافت کرنا بغیر تنقید

کامل اور بہت کاوش کے ناممکن ہے۔ سلاطین بنی امیہ نے تو آپ کے محاسن پر اس قدر پردہ ڈالنا چاہا کہ اگر تائید ربانی نہ ہوتی تو اس زمانے کے حالات جب کہ فن اشاعت صرف قلمی نسخوں اور حافظوں تک محدود تھا اور شخصی سلطنت کا اقتدار معراج کمال پر پہنچا تھا ہم تک ایک بھی صحیح نہ پہنچتے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ حق ہی حق کی مدد کرتا ہے۔ دوسری دقت آپ کے فضائل کی کثرت ہے جس کی وجہ سے آپ کے سوانح نویس کو جا بجا ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ اس لئے بڑا ظرف درکار ہے۔ وہ تیسری بھی تو انسان ہی تھے۔ آخر کار کیا نوبت پیش آئی۔ الحمد للہ کہ ان سب دقتوں کو پیش نظر رکھ کر ہمارے کرم فرما سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی نے سات برس کی محنت اور کاوش کے بعد جناب امیر علیہ السلام کی سوانح عمری مسمیٰ بہ "صراط المبین فی احوال امیر المومنین" تیار کی ہے۔ میں نے اس کتاب کو شروع سے آخر تک بغور دیکھا ہے اور باوجود قلیل بضاعت ہونے کے اس کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ آج تک اس قسم کی جتنی کتابیں زبان اردو میں لکھی گئی ہیں ان سب میں یہ بہترین کتاب ہے اس لئے کہ جناب مصنف نے قریب قریب کل مستند عربی و انگریزی کتابیں بچشم خود دیکھی ہیں اور واضح ترین نچوڑ اپنے مقصد کے لئے اخذ کئے ہیں جیسا کہ کثرت اسناد و حوالوں سے ظاہر ہے۔ لطف یہ ہے کہ اگرچہ بہت کثرت سے دوسرے مصنفوں کے اقوال منقول ہیں مگر ہر ایک حوالہ اپنی جگہ پر نہایت چسپاں ہو رہا ہے۔ اور پھر سلسلہ کلام اور وحدت نظام میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس ضخیم کتاب کے پڑھنے میں چونکہ ذہن اپنی فطری راہ میں جاتا ہے اس لئے جی نہیں اکتاتا اور کتاب نہایت دلچسپ معلوم ہوتی ہے ہر ہر کتاب کے صفحے کا حوالہ متن کتاب میں اگرچہ اکثر باطل سلسلہ معلوم ہوتا ہے مگر کتاب کی صحت کو بڑھا جاتا ہے اور مصنف کی انتہائی احتیاط ظاہر کرتا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ اکثر واقعات دوسروں کی زبان سے بیان کئے گئے ہیں اور مصنف نے ان کو صرف ربط دے کر نتائج پیدا کئے ہیں بلکہ بعض اوقات یہ کام بھی دوسروں ہی کے قلم سے لیا ہے تو ایک حد تک درست ہوگا اس سے ان کی کثرت معلومات کو منظم کرنے کی قوت اور سلیقہ ظاہر ہوتا ہے۔

مصنف کی وحدت نظام کی ایک مثال یہ ہے کہ اس پانچ سو صفحوں کی کتاب کا لب لباب جناب امیر علیہ السلام کا وہ وعدۂ نصرت ہے جو دس برس کے سن میں حضرت نے دعوت عشیرہ میں جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں بالاعلان کیا تھا۔ تمام کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وعدے کے بعد کے تمام کارنامے اسی ایفا کی کوشش ہیں جن میں ہمیشہ حضرت کامیاب رہے ہیں جہاں ضرورت ہوئی آپ نے اس وعدہ کو اپنے کارہائے نمایاں سے پورا کیا ہے اور جب جب ضرورت سکوت کی آپڑی ہے تو آپ نے بلا لحاظ اپنے نفس کے صبر و تحمل سے بھی اسی درجہ کام لیا ہے اگرچہ یہ کتاب زبان اردو میں لکھی گئی ہے مگر اس میں موقع بموقع عربی اشعار اور میدان جنگ کی رجز خوانیاں اس خوبی سے درج ہیں کہ عربی دانوں کی

دلچسپی کا ایک کافی ذخیرہ موجود ہے۔ ہم اس موقع پر صرف یہی کہیں گے کہ یہ عربی عبارتیں اور حوالہ جات اگر بطور فٹ نوٹ کے اس کتاب میں ترتیب دیئے جاتے تو اردو عبارت کے سلسلہ زیادہ مربوط ہو جاتا اور اردو داں حضرات کیلئے رکاوٹیں نہ پیدا ہوتیں۔ عربی عبارتوں کا ترجمہ ہونے کی وجہ سے عموماً اس کی زبان پر بھی نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے سب سے بڑی خوبی اس تصنیف کی بقول ایک عنایت فرما کے یہ ہے کہ بجز خارجیوں کے ہر شخص اس کتاب سے لطف اٹھا سکتا ہے اس بے تعصبی اور مورخانہ متانت سے جناب مصنف نے کام لیا ہے کہ اس کے پڑھنے والوں کو بمشکل ان کا مذہب معلوم ہو سکتا ہے۔ اس میں نہ تو اہل تصوف کی ارادت مندی کا اظہار ہے اور نہ معجزوں کی بھرمار ہے بلکہ بیان امر واقع سیدھے سادے الفاظ میں نہایت واضح طور سے کیا ہے اور اپنے ہیرو کی اسی قدر طرف داری کی ہے جس قدر ایک ایماندار سوانح نویس کو کرنی چاہئے اس کو کتاب المناقب ہو جانے سے بچایا ہے تا کہ ہر مذہب کا آدمی اس سے مستفید ہو سکے۔ افسوس کہ خرابی مطبع کی وجہ سے یہ کتاب ویسی نہیں چھپ سکی جیسی اس کی شان تھی۔ مگر امید ہے کہ طبع ثانی میں اس امر کا لحاظ رکھا جائے گا۔ تا کہ ظاہر پسند حضرات کو بھی اس کی خریداری پر رغبت ہو۔ بالفعل تو جناب مصنف ملک اور قوم کی قدر دانی کے مستحق ہیں تا کہ اس کتاب کا دوسرا حصہ جس میں جناب امیر علیہ السلام کے نظام حکومت ملی حکام مختلف صیغہ جات مثل وزارت، محاصل، قضا، فوج، تعلیم، بیت المال وغیرہ، کمالات ذاتی، علوم مختلفہ دینی و دینوی وغیرہ کا مفصل بیان ہے۔ جلد شائع ہو سکے انشاء اللہ یہ دوسرا حصہ نہایت دلچسپ اور لا جواب ہوگا۔ فقط محمد خلیل (یعنی جناب خان بہادر سید محمد خلیل صاحب ایم، اے ڈپٹی سپر نٹنڈنٹ پولیس صوبہ بہار) منقول از رسالہ اصلاح کھجوا ماہ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ)

اس تحریر کو شائع ہوئے ۴۳ سال گزر گئے اور افسوس ہے کہ نہ راقم مضمون ہی زندہ ہے اور نہ مولف کتاب سراج مبین ہی ہم میں موجود ہیں۔ خدا ان حضرات کے درجات عالی کرے۔ مضمون مذکورہ بالا کے شائع ہونے کے ۹ سال کے بعد شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی کی سیرۃ النبی کی پہلی جلد شائع ہوئی اس وجہ سے ان مہربان نے اپنی کتاب میں حضرت امیر المومنینؑ پر جو عنایتیں کی ہیں ان کی حقیقت ہماری وہ کتاب جو ۹ سال قبل لکھی اور شائع کی جا چکی تھی کس طرح ظاہر نہیں کر سکتی۔ البتہ ۱۳۳۶ھ کے بعد جب سیرۃ النبی شائع ہونے لگی موقع تھا کہ مومنین بھی پھر ایسی سوانح جناب امیر علیہ السلام شائع کرتے جو مولوی شبلی صاحب کے کل زہروں کا تریاق مہیا کر دیتی۔ ہم کو خود بھی نہایت درجہ صدمہ ہے کہ ۳۴ سال تک اس اہم دینی خدمات کی طرف کیوں متوجہ نہیں ہوئے۔ کم سے کم اس کی ضرورت ہی رسالہ اصلاح میں ظاہر کر دیتے۔ اگر سیرۃ النبی شائع ہونے کے دس سال کے بعد (۱۳۴۶ھ) میں بھی اس کی ہمت کی جاتی تو اس کتاب میں چار چاند لگ جاتے کیونکہ حضرت حجۃ

الاسلام والدی العلام جناب مولانا آقا السید علی اکبر صاحب قبلہ طاب ثراہ ایسے محقق کا سایہ ہمارے سر پر قائم تھا حضرت حجۃ الاسلام محقق علام جناب مولانا آقا السید ناصر حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ ایسے بحر العلوم صدر المحققین کی ہر طرح اعانت ومشورہ وافادہ حاصل کرنے کا بہترین موقع تھا۔ اور ہمارے اعضاء وجوارح بھی اس درجہ ضعیف ومضمحل نہیں ہو گئے تھے۔ لیکن اب ماضی پر بیٹھ کر رونے سے کیا فائدہ۔ اگر خدائے کریم وعلیم وقدیر وحکیم کی اعانت شامل حال ہو جائے تو اب بھی بہت کچھ کامیابی کی امید ہو سکتی ہے۔ اور اس رحیم مطلق کی تائید پر بھروسہ کر کے اس جلیل خدمت کی ابتدا کر دی گئی ہے۔ البتہ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت کے حالات کو اختصار سے دو تین جلدوں ہی میں شائع کر دینا کسی طرح مناسب نہیں ہوگا۔ ہاں اس کی کوشش کی جائے کہ ایک جلد میں ایک قسم کے حالات پورے اور ختم کر دئے جائیں مثلاً قرآن مجید میں حضرت کا جس قدر ذکر ہے اور تفسیروں میں جو کچھ مل سکے وہ سب ایک جلد میں مکمل شائع کر دیا جائے۔ یا حضرت کے متعلق جس قدر حدیثیں مل سکیں وہ سب ایک جلد میں درج کر دی جائیں۔ حضرت کی خلافت بلافصل کی کل اہم دلیلیں ایک جلد میں جمع کر دی جائیں۔ حضرت کے علمی کمالات ایک جلد میں اور عملی کارنامے ایک جلد میں لکھ دیے جائیں۔ غرض جس پیمانہ پر مولوی شبلی صاحب کی سیرۃ النبی کی سات ضخیم جلدیں لکھی اور شائع کی گئیں اور معلوم نہیں ابھی اور کتنی جلدیں مرتب ہو کر شائع کی جائیں گی۔ اسی انداز کی سوانح عمری حضرت نفس رسول کی بھی آٹھ دس جلدوں کی ترتیب کی کوشش کی جائے۔ ہمارے سابق علمائے اسلام نے تو دینی تحقیقات میں بیس بیس پچیس پچیس جلدوں کی کتابیں لکھ ڈالی تھیں علمائے اہل سنت نے بھی بڑی بڑی کتابیں متعدد جلدوں میں لکھ ڈالی تھیں۔ ایک علامہ ابن الحدید معتزلی ہی کو دیکھئے کہ اس بہت بڑے محسن اسلام وعلم نے وہ کام کیا جس پر قیامت تک اہل اسلام فخر اور ناز کرتے رہ سکتے ہیں اگر علامہ فخر الدین رازی نے قرآن مجید کی تفسیر آٹھ جلدوں میں لکھ ڈالی (اگرچہ آخری جلدیں انہیں کی لکھی ہوئی نہیں ہیں) اور علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر در منثور چھ جلدوں میں لکھ ڈالی تو علامہ ابن الحدید نے بھی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی بے مثل وبے نظیر کتاب مستطاب نہج البلاغہ کی شرح بیس جلدوں میں تحریر کی جو پہلے ایران میں مکمل چھاپی گئی۔ اور بعد کو ملک مصر میں بھی بہت خوب صورت نہایت اہتمام سے طبع کی گئی ہے۔

حضرت امیرالمومنینؑ کی سوانح عمری کے متعلق اشارہ کے طور پر یہ مضمون رسالہ اصلاح میں شائع ہوا تھا

''شرع اسلام اور جناب امیرؑ کی لائف''

خود ان جناب کی زبان سے یعنی

''نہج البلاغہ اور شیعیان ہندوستان''

ے زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا   کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

یوں تو جو کوئی شیعہ کچھ تھوڑا بہت بھی پڑھا ہوا ہوگا غالباً اس نام مبارک نہج البلاغہ کو ضرور سنا ہوگا مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ہندوستان کے شیعہ ابھی تک نہج البلاغہ سے ناواقف ہیں۔ میں بھی مدت سے اس مقدس کتاب کا نام سنتا تھا۔ یا کبھی کبھی اس کی عبارت کسی دوسری کتاب میں دیکھ لیا کرتا تھا۔ وہ اس طرح درخشاں نظر آتی تھی ع جیسے ستاروں میں ماہ منیر۔ مگر جب ''حیات دبیر'' لکھنے کا دو سال سے میں نے عزم بالجزم کیا اور کچھ کتابیں معانی و بیان کی بھی منگائیں تو اس کتاب مقدس کی زیارت کا بھی ارادہ کیا۔ اول مقدمہ نہج البلاغہ مصنفہ جناب مولانا ومقتدانا ظہیر العلماء والحکماء سید علی اظہر صاحب قبلہ مدظلہ العالی منگا کر دیکھا۔ آنکھوں میں نور دل میں سرور آیا۔ اب اصل کتاب کا شوق ہوا۔ مولوی نظیر حسن صاحب سنی مشنری اسلام نے مصر کی مطبوعہ نہج البلاغہ جس کی شرح مولفہ مفتی محمد عبدربہ ذیل میں چھپی ہے مجھے بمبئی سے گویا منگا دی یعنی انہوں نے وہ کتاب جو اپنے واسطے منگا رکھی تھی مجھے مرحمت فرمائی اور خود دوسری منگا لی۔ اسی کتاب کی طلب کے وقت انہوں نے افسوس ناک لہجہ میں ہمدردی سے یہ فرمایا کہ ''دیکھئے ہندوستانی شیعہ کس قدر غافل ہیں، عربی، فارسی، میں بہت سی شرحیں ہیں اور بعض چھپ چکیں مگر ایسی مقدس کتاب کہ کسی نے آج تک اردو میں شرح بھی لکھ کر نہیں چھپوائی ایسے فیض سے عامۂ مسلمین عموماً اور شیعہ پارٹی خصوصاً محروم ہے۔ یہ کیسا تعجب اور افسوس کا مقام ہے میں نے جناب مولانا ظہیر الحکماء والعلماء کی

شرح اردو کا ان سے تذکرہ کر کے وہ مقدمہ مطبوعہ بھی ان کو دکھایا پھر بھی مجھے ان کا اعتراض قبول کرنا پڑا کہ واقعی ابھی تک اردو شرح نہج البلاغہ چھپی نہیں۔ اگر کچھ لکھی گئی تو وہ چھپی نہیں (یعنی قلمی) ہے۔ مفتی صاحب ممدوح کی نہج البلاغہ میں نے ہر روز تھوڑی تھوڑی وظیفہ کے طور پر پڑھنی شروع کی۔ اگرچہ اس کے نکات و لطائف میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ مگر پھر بھی یہ اثر اپنے دل میں پایا کہ کبھی کسی مقام پر ٹپ ٹپ آنسو میرے ٹپک پڑے۔ کبھی دل پر چوٹ لگی۔ کبھی کسی انتظامی امر میں ایسے مضامین عالیہ نظر آئے کہ یہ جزو کتاب خدا معلوم اسے تمام دنیا کی کتابیں اس کے سامنے گری ہوئی نظر آئیں۔ ایک عجیب وغریب امر جس کو میں ظاہر کرتے ہوئے جھجکتا ہوں (کہ زمانہ نئی روشنی کا ہے۔ جو فیشن والے اس کو ضعیف یا جنون نہ کہیں) یہ نظر آیا کہ جب سے یہ کتاب میرے گھر میں آئی طرح طرح کی برکتوں کا ظہور ہوا۔ اسی سال خلاف امید میری ترقی بھی ہوگئی۔ میں نے کتاب حیات وغیرہ میں بھی بعض جگہ اس سے مدد لی۔

اب میں مولانا ظہیر الحسن صاحب سے دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ حضرت! آپ جس قدر شرح اردو لکھ چکے ہوں اس پر ایک اور نظر فرمائیں اور باقی کتاب بھی جس قدر جلد ممکن ہو مکمل فرما کر جلد چھپا دیں۔ اور اپنے دینی بھائیوں (شیعوں) سے عرض کرتا ہوں کہ جو صاحب تھوڑی سی بھی استطاعت رکھتے ہیں وہ بھی ضرور اس کو (ہدیہ) لے کر تبرکاً ہی اپنے گھر میں رکھیں۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ہم حیدری کہلائیں اور حیدر کرار کی ایک کتاب وہ کتاب جو تمام علوم دین و دنیا کی جامع ہے (وہ کتاب جو ہم کو راہ راست پر لاتی ہے، وہ کتاب جو ہم کو انسان بناتی ہے، وہ کتاب جس سے آدمی موحد بن سکتا ہے، وہ کتاب جس سے آدمی مسلم ہو سکتا ہے، وہ کتاب جس سے انسان مومن، بلکہ لوگ مجھے غالی نہ کہیں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ فرشتہ بن سکتا ہے۔ وہ کتاب جس میں اس زمانہ اور اہل زمانہ کے اخلاق و عادات کی چلتی پھرتی تصویریں نظر آتی ہیں۔ وہ کتاب جس میں سیاست، مدن و جہانداری کے آئین درج ہیں) اپنے پاس نہ رکھیں۔ اس موقع پر مجھے ایک حکایت کسی بھولے سید کی یاد آگئی وہ عرض کر دوں۔ ایک سیدوں کی بستی میں کسی جائداد کے متعلق کوئی مقدمہ کسی عدالت میں دائر تھا۔ پرانے زمانے کے ایک سید بطور گواہ پیش ہوئے۔ جرح کے سوالات میں ایک فریق کے وکیل نے یہ سوال کیا کہ آپ کون ہیں"؟ کہا "سید"۔ اس نے پوچھا "اس کی سند کیا ہے"؟ فرمایا "ہمارے گھر میں مرثیے امام حسینؑ کے رکھے ہوئے ہیں یہ سند ہے"۔ ان پرانے زمانے کے سید نے سیدھی سادی بات کہی مگر از بسکہ بات میں بات نکلا کرتی ہے۔ اس میں ایک بہت بڑی نصیحت تھی۔

واقعی جب ہم حیدری ہیں تو اپنے آقا کی کتاب بطور سند (یادگار) ضرور ہم کو اپنے گھر میں رکھنا چاہئے۔ اگر ہم مطلق جاہل ہیں جب بھی اس طرح رکھنا چاہئے جیسے قرآن شریف اور دعاؤں کو حفاظت وغیرہ کے خیال سے رکھتے ہیں۔ بعض مسلمانوں

نے اس زمانے میں جناب امیر علیہ السلام کی لائف لکھی ہے اور ہر مولف نے اپنی اپنی لیاقت کے موافق اچھی لکھی ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اگر کتاب نہج البلاغہ کی شرح تواریخ وسیر سے مدد لے کر لکھ دی جائے تو اس سے بہتر جناب امیر علیہ السلام کی دوسری لائف نہیں ہوسکتی اس لئے کہ یہ لائف گویا ان حضرات کی زبان سے لکھی جائے گی۔

آخر میں جناب مولانا سے میں اتنا اور عرض کرتا ہوں کہ جناب نہج البلاغہ کے ترجمہ اور شرح میں وہ روش اختیار فرمائیں جو رسالہ الوضو میں (حضور نے) اختیار فرمائی ہے۔ تاکہ ہم وہ کتاب اپنے سنی بھائیوں کو بھی دکھا سکیں یعنی الفاظ نرم اور معنی گرم ۔اور ایسی عبارت بلیغ لکھنے کی خدا نے آپ کے دماغ اور زبان و دل میں طاقت و قوت بخشی ہے۔ اس سے میرے سیدھے سادھے مضمون کو دیکھ کر جو صاحب اس کتاب کے خریدار بننا چاہیں وہ ابھی سے اپنے فرمائشی خطوط ایڈیٹر صاحب اصلاح کی خدمت عالی میں بھیج دیں اور مقدمہ نہج البلاغہ کی اگر کچھ جلدیں، باقی ہیں تو جب تک اصل کتاب چھپے۔ اس کو منگا کر گھر میں تبرکاً اور عقیدتاً رکھیں ۔

صلائے عام ہے یاران ہم زباں کیلئے ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا

سید افضل حسین ثابتؔ رضوی لکھنوی مولف کتاب حیات دبیرؔ از مقام ریاست کوٹہ"

(از اصلاح جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ مطابق مئی ۱۹۱۲ء)

ممدوح نے اس مضمون میں ہمارے دل کی بات کہہ دی۔ یہ حقیقت ہیکہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو کچھ پہچاننے کیلئے حضرت ہی کی کتاب مستطاب نہج البلاغہ یا اس کا ترجمہ اور اردو شرح پڑھنے کی ضرورت ہے۔ یہ وہ جلیل القدر اور عظیم المنزلت کتاب ہے کہ سوائے کلام مجید کے دنیا کے کسی فن کی کتاب اس کے مرتبہ عظمت و جلالت تک نہیں پہنچ سکتی خواہ وہ فن حدیث کی کتابیں ہوں یا تفسیر کی۔ فن کلام کی ہوں یا اصول دین و عقائد کی۔ تہذیب اخلاق کی ہوں یا تصوف و معرفت کی۔ سیاست کی ہوں یا فن حرب وضرب کی۔ قوانین کی ہوں یا اصول تمدن کی۔ ادب کی ہوں یا وعظ و نصیحت کی ہوں یا فن خطابت کی ہوں یا معانی و بیان کی۔ تاریخ کی ہوں یا سیر کی۔ منطق قدیم کی ہوں یا منطق جدید کی۔ حکمت قدیم کی ہوں یا فلسفہ جدیدہ کی۔ ریاضی کی ہوں یا ہیئت کی۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ جس طرح مختلف دریاؤں کا ایک خاص منبع ہوتا ہے جہاں سے ان کے چشمے پھوٹ کر نکلتے اور آگے بڑھ بڑھ کر دریا کی صورت اختیار کر لیتے ہیں بالکل اسی طرح یہ کتاب مستطاب ہے کہ بعد کلام مجید کے جمیع علوم شریفہ و فنون لطیفہ و حکم و معارف الٰہیہ کا منبع کہے جانے کی مستحق ہے یہ تو اس کی اجمالی کیفیت ہے جس کی مزید توضیح یہ ہے کہ حضرت نے مختلف اوقات اور متعدد مواقع میں جو خطبے ارشاد فرمائے ہیں جو علوم تعلیم کئے ہیں جو ارشادات

فرمائے ہیں، فلسفہ و حکمت کے جس قدر مسائل سمجھائے ہیں جن علمی اور فلسفی دقائق کو مس کیا ہے، جو مواعدانہ مضامین اور ناصحانہ اقوال آپ سے صادر ہوئے ہیں جن احکام کو جاری کیا ہے جو خطوط لکھے ہیں، جو ملکی انتظامات کئے ہیں جو قوانین و قواعد حکومت و سلطنت مدون فرمائے ہیں ان سب کو جناب علامہ سید شریف رضی علیہ الرحمہ و رضی اللہ عنہ نے چوتھی صدی ہجری میں نہایت کوشش، محنت، قابلیت، اور کمال سے ایک جگہ جمع کیا اور اس مجموعہ کا نام نہج البلاغہ رکھا ہے۔ اس کتاب کی دو جلدیں ہیں۔ پہلی جلد میں وعظ و نصیحت، تفصیل ایمان تہذیب اخلاق، تاریخی واقعات آئندہ واقعات کے بارے میں پیشین گوئیاں، توحید باری رسالت جناب خاتم المرسلین، مسئلہ خلافت، مسئلہ قضاء و قدر، زہد فی الدنیا بے ثباتی عالم، حالات صحابہ حالات خوارج، حالات معاویہ و بنی امیہ، ذکر جنگ جمل و میدان صفین، جنگ نہروان، حالات علماء و مفتیان دین، حالات بنی آدمؑ نقل از بہشت آنحضرتؐ، برکات فیوض، اسلام محاسن نبوت آنحضرتؐ کیفیت خلقت عالم و حضرت آدمؑ، فوائد جہاد وغیرہ امور و مباحث کے متعلق ایسے مفصل اور محققانہ خطبے ہیں جو علوم و معارف کے خزانے ہونے کے علاوہ اس قدر مناسب عنوان سے جمع کئے گئے ہیں کہ انسان کا ذہن ان کے مطالعہ سے گھبرا نہیں سکتا۔ آپ کتاب کا ایک خطبہ پڑھنا شروع کریں۔ اس کے دیکھنے سے جس قسم کا اثر آپ کے دل پر ہوگا اور جس فن کی لذت آپ کو ملی ہوگی اس سے ابھی فراغت نہ ہونے پائے گی کہ دوسرے خطبے پر پہنچ کر آپ اپنے کو علم و فن کی بالکل دوسری دنیا کی سیر کرتا ہوا دیکھیں گے۔ معارف و حقائق کے ایک ناپیدا کنار سمندر کی سیر کرنے لگیں گے۔ انوار علم و دین کے خزانوں کی زیارت میں منہمک ہو جائیں گے۔ اسرار حقائق و اسرار خلقت ارض و سماء جن و انس کے عارف ہو جائیں گے۔ معارف روح و مدارج کمال انسانی کی حقیقت سے اپنے کو اچھی طرح واقف اور باخبر پائیں گے دوسری جلد حضرت کے زمانہ خلافت ظاہریہ کی حالت۔ آپ کے ملکی انتظامات فوج، لشکر، محکمہ مال کے احکام، محتاج، صدقات، زکوٰۃ، اور دیگر پولٹیکل تعلقات، حالات سلطنت اسلام در عہد حضرت، ملکی رعایا کی تقسیم اور تفصیل، اہل اسلام، اہل صنعت و حرفت، اہل حرب، تجار، فقراء، مساکین، قضاۃ، عمال ملکی، دفتر قضا، ادائے حقوق رعایا، وزراء و مشیران، سلطنت، محکمہ تحصیل، خراج، تقسیم بیت المال، رسد رسانی وغیرہ امور کے متعلق جو ہدایات، احکام قوانین نصائح اور وصایا حضرت سے صادر ہوتے رہے ان سب کا مجموعہ ہے۔ غرض جلد اول حضرت کی دینی اور جلد دوم دنیوی قابلیتوں، صلاحیتوں اور کارناموں کا ایسا روشن آئینہ ہے جس کو سامنے رکھ کر ہر شخص اس زمانے کی حالت کو ہر وقت مشاہدہ کر سکتا ہے۔ ہاں مگر یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جناب امیر علیہ السلام کے کل خطبے یا خطوط اس کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں، کیونکہ بہت سے خطبے ایسے ہیں جو اس میں درج نہ ہو سکے چنانچہ خود جناب علامہ سید رضی رحمۃ اللہ نے اس کیلئے سادے کاغذ چھوڑ دیئے تھے جو شاید سادہ ہی رہ گئے اور

اس کتاب مستطاب کا شمار نہ کتب فقہیہ میں ہے نہ کتب احادیث مرویہ میں بلکہ جس طرح قرآن مجید ام الکتاب ہونے پر سب سے جدا ہے اسی طرح اس نہج البلاغہ کی شان بھی سب سے علٰحیدہ ہے اس کتاب کی عظمت سمجھنے کیلئے علامہ ابن ابی الحدید کا (جو ایک بڑے سنی معتزلی عالم ہیں اور ادب، تاریخ، سیر، انساب، اشعار، فلسفہ، حکمت، ہیئت، ریاضی، تفسیر، احادیث وغیرہ علوم کی جامعیت میں اپنی نظیر کم رکھتے ہیں اور جنہوں نے اس کتاب مستطاب کی شرح بزبان عربی بیس ضخیم جلدوں میں ایسی لکھی ہے کہ کوئی دوسری شرح اس کے مثل نہیں ہوسکی اور نہ عام اسلامی تصنیفات میں ایسی کثیر الفوائد وعزیز العوائد کتاب نظر آتی ہے) یہ قول نقل کردینا کافی ہے ''جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم دنیا میں واعظ بنیں، موعظہ بیان کریں، اور دنیا کی قدر دنیا والوں کی نگاہوں میں دکھلائیں ان کو ایسے ہی مضامین اور الفاظ پیدا کرنے چاہئیں جیسے امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمائے ہیں اور تمام عالم سے اپنی جامعیت اور فصاحت و بلاغت کی داد لی ہے۔ اور اگر وہ ایسے مضامین اور الفاظ نہ پیدا کرسکیں تو بہتر ہے کہ چپ رہیں اور اپنے کلام کو دنیا پر ظاہر کرکے اپنے آپ کو رسوا اور بدنام نہ کریں جس شخص کو ہمارے اس بیان کی تصدیق میں شک ہو وہ سمجھ لے کہ علیؑ ایسے شخص تھے جس نے اپنی اعلیٰ قابلیتوں کا اعتراف معاویہ جیسے شخص سے کرالیا جیسا کہ معاویہ نے خود کہا: ما سنّ الفصاحۃ لقریش غیرہ۔ یعنی حضرت علیؑ کے سوائے تو کسی نے بھی قریش کو فصاحت و بلاغت کا راستہ بتایا ہی نہیں تمام فصحاء و بلغاء عرب کا فرض ہے کہ وہ لوگ ایک جگہ جمع ہوکر حضرت کو سجدہ کریں میں اپنی نسبت خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ پچاس برس سے یہ خطبات میرے پیش نظر ہیں اور ہزار مرتبہ سے زائد میں نے انہیں ضرور پڑھا ہوگا مگر اب بھی ہر موقع پر جب میں ان کو پڑھتا ہوں تو ان کے پڑھنے سے ایک عجیب ہیئت طاری ہوتی ہے۔ اور ہمیشہ ایک نیا اثر میرے دل پر پڑتا ہے۔، (شرح علامہ ابن ابی الحدید مطبوعہ مصر جلد) خدا نے خوب فرمایا ہے کہ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۔ وہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو بڑی خوبی ملی (سورہ بقرہ، آیت ۲۶۹)

سیرۃ علویہ

اور جناب سید حیدر حسین صاحب سابق اڈیٹر رسالہ شیعہ کھجوا اور رسالہ مسلم ریویو لکھنؤ کا حسب ذیل مضمون رسالہ اصلاح میں شائع ہوا تھا:

سوانح عمری کا مقصود

کسی بڑے روشن دماغ کی سوانح عمری صدیوں بعد لکھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ موجودہ اور آئندہ زمانہ کے انسان مشکلات

حاضرہ اور مہمات آئندہ میں رہنمائی حاصل کر سکیں اور اس بزرگ کے اقوال و اعمال کے حسن سیرت سے مستفیض ہو کر خطۂ عالم کو خوشنما بنا سکیں اسی وجہ سے تواریخ کا مطالعہ ایک گراں قدر تحفہ اور روشن ضمیر مسلم کا کام ہوتا ہے۔

سوانح عمری جناب امیر علیہ السلام

حضرت امیر المومنین علیؑ کی ذات والا صفات چونکہ پیغمبر اسلامؐ کے معجزات میں ایک بیش بہا معجزہ ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اس کے سمجھنے اور زمانہ حاضرہ میں اس سے ہدایت پانے میں عامہ دنیا کو موقع دیا جائے بدقسمتی سے ایسی کتابیں موجود نہیں ہیں جو اس خاص نظر سے مرتب کی گئی ہوں کہ ان سے معلوم ہو سکے مسائل زندگی مصاحب دنیا، نظم سلطنت، روشہ ہائے ملکی و ملی، اسباب ترقی و تنزل، آزادی و حرمت شخصی، بقدر ضروریات ملک و ملت، اخوت انسانی، دولت اور اس کی تقسیم، اصول مساوات، زراعت، تجارت، مزدوری وغیرہ جیسے اہم ترین امورات حاضرہ پر کیا اثر حضرت علیؑ کی تعلیم، ہدایت اور زندگی بسر کرنے کے عنوان نے ڈالا۔ آنکھ کھول کر دیکھنے سے پتہ چلے گا کہ موجودہ کمال ترقی انسانی کے ہر مختلف عروج کو امیر المومنینؑ نے تیرہ صدی پہلے بتلا دیا تھا۔ اور صرف قول سے بلکہ عمل کر کے دکھلا دیا تھا کہ بہترین فلاح انسان کس عنوان سے زندگی بسر کرنے اور کس اصول پر نظم ملک مستحکم ہونے میں ہے۔ آج انگلستان، روس، فرانس، امریکہ وغیرہ جیسے بیدار اقوام کی روش اور تنازل اور مقاصد پر غور کرنے سے حضرت علیؑ کے حالات سے واقف کاروں کو پتہ چلے گا کہ جو سبق آج سے تیرہ صدی پہلے آپ نے پڑھایا تھا اس کی فطرتی موزونیت اور قدرتی مناسبت کا حال یہ ہے کہ باوجود اس استاد کامل سے ناواقف اور ناآشنا ہونے کے امور معاشیات، اخلاقیات، سیاسیات میں ہزاروں پیچ و تاب کھا کر اسی نتیجہ پر بیدار ترین قومیں پہنچ رہی ہیں۔ فطرت انسانی کے ماہر استاد نے جو معیار عروج انسانی کا بعض پہلوؤں کیلئے تجویز کر دیا تھا جو حرمت مزدوری اور مزدور پیشہ طبقہ کی قرار دے دی تھی۔ جو عنوان نظم ملکی کا قائم کرنا چاہا تھا مالیات اور ان کی تقسیم پر عنوان مساوات جو مدنظر رکھا تھا اور انسان کے درمیان جو ربط مساوات قرار دیا تھا اسی کو کم و بیش موجودہ ترقی یافتہ ممالک کے روشن ضمیر مدبر ایک دوسرے عنوان سے اختیار کرنے میں زندگی کی کشمکش سے نجات کا ذریعہ پا رہے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ناواقف اور ناآشنا لوگ تو اپنے فہم و ادراک سے حضرت علیؑ کے بتائے ہوئے سبق کی موزونیت اور مناسبت کو محسوس کر کے سود مند ہوں۔ اور ہم باوجود ان کی ہدایات قیمتی سے قدرے متنبہ رہنے کے اس کی جستجو کریں اور اپنی بگڑی حالت کو سنبھالنے میں اس رہبر کامل کے عمل اور ارشاد سے ہدایت نہ لیں۔ موجودہ مشکلات اور آئندہ خطرات سے اگر اہل اسلام کو نجات منظور ہو اور اپنے ساتھ غیر اسلامی اقوام کی رہبری اور دوستی مدنظر ہو تو ضرورت یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے سوانح مع ارشادات و ہدایات کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ میں جداگانہ مرتب کر کے ان کی اطاعت پر آمادہ ہو جائیں۔ مسر

دست وہ چیزیں عربی، فارسی کتابوں میں منتشر اور بے ربط مخلوط ہیں جس کے سبب سے ان کی عظمت پر کافی روشنی نہیں پڑتی۔ نہ ان کے اثرات زمانہ مابعد کا کوئی اندازہ ہوتا ہے۔ جو چند سوانح زمانہ حال میں لکھے گئے وہ محدود اور تنگ نظری کے ساتھ مرتب ہوئے اور لکھنے والوں کی وسعت نظر محض امیر المومنینؑ کے بعض ممتاز معاصرین سے مقابلہ دور ہی حضرت علیؑ کے سوانح اس نظر سے مرتب نہ ہوئے کہ رسول ہاشمی کے گراں قدر معجزات میں یہ بیش بہا زندہ معجزہ تا قیامت مابعد کے ہر زمانے کی رہنمائی اور ہدایت کیلئے خلق ہوا تھا۔ اسلام اور حضرت علیؑ کا چولی دامن کا ساتھ ہے مخصوص افراد سے تقابل کیلئے آپ کی ذات بابرکات مخلوق نہیں ہوئی تھی کہ ان پر فوق لانا اور ان سے بالاتر ہونا آپ کے کمالات کیلئے کافی ہو۔ فرقہ وارانہ نقطہ نظر سے مناظرہ اور مجادلہ کے لئے آپ کی سوانح عمری لکھنا آپ کے ساتھ سخت ترین ناانصافی اور ناقدردانی ہے۔ آپ کسی فرقہ کیلئے مخلوق نہ ہوئے تھے بلکہ جس طرح آسمان، زمین، آفتاب، ماہتاب، پانی اور ہوا کو خداوند عالم نے مخلوق کے دوامی نفع کے لئے خلق کیا اسی طرح اپنے نور ہدایت کو صلب عبدالمطلب سے دو ٹکڑے کر کے نبی اور وصی کی صورت میں ظاہر فرمایا کہ ہر زمانہ اور ہر آب و ہوا میں حسب ضرورت اس نور سے مخلوق کی ہدایت ہوتی رہے۔

سیرۃ علویہ کی اصلی غرض:

اسی لئے میرا مقصد یہ ہے کہ آپ کے سوانح اس نظر سے مرتب کئے جائیں کہ حالات گزشتہ سے واقعات موجودہ کا ربط بھی صیغہ بہ صیغہ شعبہ بہ شعبہ بتایا جاسکے تاکہ اوسط عقل وفہم کے پڑھے لکھے انسان کو پتا چل سکے کہ جو راستہ نجات موجودہ کشمکش کے ہر شعبہ میں عاقل ترین دانایان روزگار محسوس کر کے قدرے نفع اٹھا رہے ہیں اور تکمیل نظر سیاسیات و معاشیات کے اس راستے سے متوقع ہیں وہ عنوان زیادہ مکمل اور واضح طرح سے پیغمبر اسلامؐ اور ان کے ولی و وصی نے ایک ہزار تین سو سال قبل مقتضائے فطرت اور ضروریات ترقی وعروج انسانی کے لئے تجویز فرمادیا تھا۔ تواریخ اگر اس نظر سے نہ لکھی جائیں کہ آئندہ اور موجودہ زمانے کے عقلاء گزشتہ احوال سے اپنے اپنے زمانے کے مہمات مشکلہ میں سبق لے کر سودمند ہوں تو ان کی کوئی قدرو قیمت نہیں ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ باوجودیکہ اس کے کہ اہل سلام نے فن تواریخ کو ہنر مکمل کا جامہ پہنایا لیکن تواریخ کے اصول پر حالات اور ارشادات رسول کریمؐ اور حضرت علیؑ وغیرہ جیسے بزرگوں کو سوانح کے عنوان پر مرتب نہ کیا کہ مابعد کی نسلیں اور ان کے معاصرین اپنے اپنے زمانے کے مشکلات کو ان کی ہدایت سے حل کرتے اور اپنی زندگی کو ان راستوں پر نظم کر سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ اس طرف توجہ کرنے سے کثیر منافع حاصل ہوں گے اور مہذب دنیا کی تشنگی ترقی وعروج کے کوچہ میں بڑی حد تک سیر ہوسکتی ہے بشرطیکہ وہ سوانح مناظرہ اور فرقہ وارانہ تنگ نظری سے مرتب نہ ہوں۔ اور ترقیات و

مشکلات حاضرہ سے باخبر مورخ حالات کو مختلف شاخوں میں باقاعدہ منقسم کر کے درج کرتا ہوا ان کے اثرات کو حالات موجودہ پر دکھا سکے۔

سیرۃ علویہ کون لکھے؟

جناب امیرؑ کے سوانح کا مکمل اس وضع پر مرتب کرنا کسی فرد واحد کا کام نہیں ہے۔ ہاں موجودہ عنوان تاریخ نویسی سے کوئی واقف کار مورخ بقدر ضرورت مختصر سوانح عمری اس غرض و غایت سے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اگر لکھے تو دنیائے تمدن پر بڑا احسان کرے گا۔ سر دست جو کتابیں اس موضوع پر اردو زبان میں لکھی گئی ہیں وہ مقصود ضرورتوں کی نظر سے قابل قدر ہیں۔ لیکن وہ کسی طرح ضروریات حاضرہ کے ریفارم اور موزونانہ اصول جدیدہ کے مطابق نہیں ہیں جن کا مطالعہ ایک غیر معتقد اور معتقد کے لئے سودمند خواہ دلچسپ ہے حضرت علیؑ کی سوانح عمری پر اگر دو چار اسلامی مورخ ہستیاں مختلف نقطۂ نظر سے مرتب و جدوجہد کریں تو شاید زندگی کے ان کثیر جدید مسائل کے ہر ضروری شعبہ پر روشنی ڈال سکیں جو مہذب دنیا کے ہر ملک کو مضطر اور منتشر کر رہے ہیں اور جن کا حل حضرت امیرؑ کے کسی ارشاد یا عمل سے تیرہ صدی پہلے سے موجود ہے۔

سیرۃ علویہ کے تین حصے ہوں

امیر المومنینؑ کی زندگی کو تین زمانے پر منقسم کرنا ہوگا پہلا زمانہ رسول اللہؐ کی ماتحتی ہے۔ دوسرا زمانہ خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا ہے اور تیسرا دور بہ حیثیت صدر جمہوریہ اسلام کے ہے۔ اب ہر ایک دور کے مختلف شعبے ہیں اور ہر شعبہ میں شاخ در شاخ ہے۔ سب کی تفصیل مقصود نظر ہو تو بجائے خود ایک بڑا رسالہ فہرست مضامین کا ہو جائے گا لیکن بعض کوچوں کو اشارۃً بتا دینا ضروری ہے تاکہ ہمارا منشاء کسی قدر واضح ہو سکے۔

دور اوّل:

دور اول زمانہ ماتحتی رسول اللہؐ میں بچپن سے حالات درج کرتے ہوئے یہ دکھانا چاہیئے کہ ماتحتی کے زمانے کو کس فہم و فراست، وفاداری، و جانبازی سے ہر حکم کو بجا لانے میں نفس امارہ کے جذبات کو کامیابی سے دبائے رکھا۔ یہاں تک کہ خوشنودی خدا اور رسولؐ کے درجات کو حاصل کرتے رہے اور کبھی قاصر نہ پائے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ درجات تقرب بڑھتے گئے۔ ولی وصی داماد و نفس رسولؐ کے درجات رفیع پر سرفراز ہونے کے بعد غدیر خم کے موقع پر اعلان خلافت ختم نعمت اور تکمیل اسلام قرار پایا۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں سپاہی، سردار فوج، نائب ایلچی گورنر کے مختلف عہدے پر ممتاز ہوئے۔ اشاعت و

حفظ اسلام میں کیا کیا جان بازیاں کیں۔ حق ہم سایہ شرائط خیر فرائض صلہ رحم کس طرح ادا کرتے رہے۔ علم نبوی کے حصار عظیم کے دروازہ قرار پائے اور ان قدیم النظیر خدمات اور قدرتی ذکاوت طبع اور شرافت نفس کے سبب سے اتنے درجات عامیہ پر سرفراز ہوئے آخر کار بہترین معاصر، احباب انسانی کمزوریوں میں مبتلا ہو کر نہ صرف حضرت علی علیہ السلام بلکہ خود آنحضرتؐ سے بد ظنی اور دل ہی دل میں برسر پرخاش ہو گئے۔

دورثانی:

دورثانی میں جبکہ اس اقتدار سے جو زمانہ رسولؐ اللہ میں حاصل ہو چکا تھا پست ترین درجہ پر گر کر زندگی بسر کرنے میں نفس پر کیا قدرت رکھی۔ اور باوجود ناکس مپرسی کے کوئی موقع جو اصلاح کا ہاتھ آیا اس کو خدمت اسلام و اسلامیات میں صرف کرنے سے نہ چوکے۔ دوسرے کو غلطی کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش نہ ہو رہے کہ ان کی تذلیل ہو۔ بلکہ فوراً ہدایت کی کہ اس امر میں حکم خدا یا سیرت نبی کیا ہے۔ غرض یہ کہ تمام ذاتی اور خاندانی ذلتوں کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا لیکن حق کا بول بالا کئے رہے۔ ہدایت مسلمین سے دست بردار نہ ہوئے۔ ابتدائی زمانے میں اسلام کو کس طرح تا امکان ضعف میں گر کر مسلمانوں کو گمراہی کے پیشہ آبائی کی طرف رجوع ہو جانے کا موقع نہ دیا۔ اگر وفات رسولؐ کے بعد آپ اپنی خلافت کی تائید میں تلوار سے کام لیتے اور قبل اس کے کہ کوئی دوسرا شخص خلافت کی لگام مضبوط ہاتھوں سے پکڑ سکے میدان کارزار گرم کر دیتے تو اغلب کہ غالب تعداد کفر کی طرف پلٹ جاتی اور اسلام کمزور ہو جاتا وحدانیت اور رسالت دونوں کے نام عرب سے شاید مٹ جاتے ہمسایہ قوموں کا دھاوا ہو جاتا اور خانہ جنگی کے سبب اسلام پر عیسائی اور اہل فارس غالب آجاتے۔ آپ نے عامۃ کے نفع عظیم کے لئے اپنا حق تلف ہونا نہ صرف گوارا کیا بلکہ ہر حالت میں اپنے حریفوں کے اس طرح ساتھ رہتے اور ان کو اپنے مشوروں سے مستغنی فرماتے رہے کہ اسلام کو تا امکان نقصان مزید نہ پہنچے۔ گرچہ اس اسلام پرستی اور ایثار سے آپ کے حریفوں نے اپنی لاٹھی کے زور سے حاصل شدہ حکومت کو برحق ہونے کا جامہ زیب تن کیا اور خود آپ کے حقوق و درجات کو گھٹا دیا۔ بہر حال سارے دورثانی میں آپ کی جانفشانیاں کس طرح رسول خداؐ کے بخشے ہوئے درجات کا آپ کو مستحق بتاتی ہیں اور اسلام کے آپ کتنے سچے محسن تھے اس کو مسلسل واقعات سے شمار کرانا چاہیئے۔ غرض یہ کہ دور اول و دوئم کے واقعات سبق آموز عنوان سے اختصار کے ساتھ درج کر کے آپ کی زندگی کے دو اہم حصوں کے احوال کو ظاہر کر دینا چاہئے کہ معلوم ہو سکے جو انس و محبت خود رسول کریمؐ کی حیات میں اسلام سے آپ کو ظاہر ہوتا رہا اور جس کے سبب آپ افضال عظیم کے مستحق اور اہل قرار پاتے تھے جب دور اول ختم ہوا اور امتحان شدید زانداز پچیس سال دورثانی میں ہوا تو ہر قسم کی تلخی و ترشی کے عالم میں خدا و رسولؐ کے اعتبار و انتخاب کے آپ اسی طرح سزاوار پاتے

گئے جس طرح دور اول میں ہو چکے تھے شہامت کی کسوٹی پر جانچی گئی طاقتوں کے زمانے میں جب کہ ہر ایک زمانہ سے دور شدید تر اور تیسرا اشد ترین تھا آپ کھوٹے ثابت نہ ہوئے۔

دور ثالث:

اس اختصار سے دور اول و ثانی پر نظر ڈالتے ہوئے ہم دور ثالث پر آتے ہیں جب کہ آپ صدر جمہوریہ اسلام کی حیثیت سے بغیر مانع کسی شخص کے حکمران رہے اور احکام خدا اور رسول کو جاری کرنے اور ان کے ماتحت جمہوریہ اسلام کو چلانے کا آپ کو موقع ملا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ موقع امن و سکون کے زمانے میں نہ ملا بلکہ ہر چہار طرف سے قوی ترین جنگی مخالفتوں کے ساتھ ساتھ آپ کو نظم جمہوریہ اسلام کی ترتیب کرنی پڑی۔ تاہم یہ زمانہ آپ کی زندگی میں لاجواب نظیریں قائم کرنے اور دنیا کو سبق دینے میں گزرا ہے۔ ہم اختصار کے ساتھ اس دور کے بعض بعض ان زریں شعبوں کا ذکر کریں گے جو نظم سلطنت با حسن وجوہ منظم کر کے آپ نے مابعد کی شائستہ دنیا کو سبق دیا ہے اور جس طرف آج دنیا کے مدبر ترین روشن ضمیر سیاسی لیڈر راغب ہیں:۔

(۱) آپ کی بہادری شجاعت کا ذکر تو خندق و خیبر کے واقعات کے سلسلے میں آیا جاتا ہے لیکن بحیثیت صدر جمہوریہ آپ نے کس عنوان اور کن رغبتوں سے اپنی فوج میں بھرتی کی، کن اوصاف کے اشخاص کو فوج کی مختلف جماعت کے سردار بنائے۔ رسد رسانی کا کیا سامان اختیار فرمایا آپ کی فوجی پالیسی کیا رہی۔ عنوان جنگ کیا تھا۔ خود جب میدان جنگ میں لشکر کی سرداری فرماتے تو کس عنوان سے ترتیب لشکر رہی۔ عین کارزار میں اور زمانہ جنگ میں دشمنوں کے ساتھ ترحم کا کیا برتاؤ رہا۔ فوج کو کیا ہدایت تھی۔ فتح کی حالت میں کیا احکام مروج فرمائے غرض پوری روشنی اس شعبہ پر ڈالنی چاہئے اور دکھانا چاہئے۔ کہ آپ کے کون کون احکام جنگ سے متعلق ایسے ہیں جن کو زمانہ حال کی مہذب قوموں نے قانون بین الاقوام میں داخل کر لیا اور مزید کن کن کو داخل کر لینا چاہئے؟

(۲) آپ کے نظم بیت المال کو دکھانا چاہئے اور یہ کہ اس کا اصول کہ اس کا روپیہ جمع نہ کیا جائے بلکہ صرف ہو جایا کرے سے حد تک موجودہ زمانے میں مستعمل ہے تاکہ ہر طبقہ تک اس کے صرف کے فوائد و بہبود پہنچ سکیں۔ اس پبلک امانت کو کس شدید دیانت سے انجام دیا کہ اس کی دوسری مثال ملنی دشوار ہے۔

(۳) حریت و مساوات کے زریں اصول کو کس بلند ترین پایہ تک اپنے زمانہ صدارت جمہوریہ اسلامیہ میں پہنچا دیا تھا جس کے حصول کیلئے صدیوں سے موجودہ شائستہ قومیں جدوجہد کر رہی ہیں اور اب تمام شائستہ دنیا کا منزل مقصود یہی ہے کہ مساوات کا درجہ ہر فرد ملک کو وسیع ترین معانی میں حاصل ہو۔

(۴) گورنروں کو رعایا کی فلاح ''امن وامان'' ترقی زراعت، آزادی تجارت، مسلم وغیر مسلم رعیت کے ساتھ سلوک کے جو قیمتی احکام دیئے تھے وہ شایستہ دنیا کو حیرت میں ڈالنے والے اور اسلام کی عزت بڑھانے والے ہیں۔ ان کو خاص اہمیت دے کر پبلک کے سامنے لانا چاہیئے۔

(۵) حق ناس کی کیا عظمت آپ نے بتائی ہے اس کی پوری شرح ہونی چاہیئے۔

(۶) بہ حیثیت قاضی آپ کے فیصلے کس درجہ منصفانہ اور اعلیٰ ترین حد عدالت اور روشن دماغی پر مبنی ہوا کئے ہیں۔ وہ عجائب روزگار سے ہیں اور ان کی اشاعت تا قیامت دنیا کو تقلید پر رجوع رکھے گی۔ اور آپ کا معیار انصاف دنیا کا معیار مقصد اعلیٰ ہو کر رہے گا۔

(۷) ضعفاء یتیم، بیوہ، غرباء کے ساتھ آپ کا سلوک اور ان کی اعانت، حفاظت اور کفالت میں آپ کی جدوجہد دنیا کی ہدایت کے لئے محکم سبق ہے۔

(۸) عورتوں غلاموں اور نوکروں، مزدوروں کی بابت آپ کے عمل اور احکامات کیا ہیں۔

(۹) محنت ومزدوری کی کیا عظمت اور بزرگی آپ کی نظر میں رہی کہ آپ خود اپنا آذوقہ مزدوری سے حاصل کرتے رہے۔ اس زمانے میں کس طرح مزدور پیشہ جماعت کے ہاتھ میں ملکوں کی حکومت آتی جارہی ہے اور اگر مسلمان حضرت علیؑ کی سیرت پر عمل کرتے چلے آتے تو آج دنیا کی بادشاہی انہیں کی ہوتی۔

(۱۰) اعلیٰ درجے کی نظیر سیاسیات کی آپ کے زمانہ صدارت میں جمہوریہ اسلام نے قائم کر کے دنیا کو بتادیا کہ تعلیم قرآن مجید اور سیر النبیؐ کی ماتحتی میں پرلے درجے کی حریت ومساوات بنی نوع انسان کیلئے کس طرح ممکن ہے یورپ و امریکہ باوجود تمام جدوجہد کے اس پایہ کی آزادی اور برابری قائم نہ کر سکا جس کے حصول کے لئے ہر ترقی یافتہ آزاد مملکت میں آج خانہ جنگی جاری ہے۔

(۱۱) اندرون ملک میں خانہ جنگی آپ کے خلاف غالباً موقوف ہوگئی ہوتی اگر آپ نے کسی عیسائی یا دوسرے غیر مسلم ملک پر اشاعت اسلام کی غرض سے چڑھائی کر کے عربوں کے حصول مال و دولت کا موقع وسیع پیمانے پر دے دیا ہوتا۔ مگر نفس رسول حکم خداوندی اور مسلک نبوی کے خلاف باوجود بے بدل فوجی سپہ سالار ہونے کے مصالح پولٹیکل کے رذیل استعمال کو کب گوارا کر سکتے تھے۔ اور یہ طرز عمل کہ آپ کے زمانہ اختیار میں اشاعت اسلام کیلئے ایک روز بھی تلوار نہ اٹھی اس کا کافی ثبوت ہے کہ اسلام کو بہ زور شمشیر پھیلانا نہ حکم خدا تھا نہ مقصد رسولؐ۔

(۱۲) دنیا کے سارے سلطنت ہائے جمہوریہ کے صدر نشینوں میں آپ وہ تنہا صدر ہیں کہ جس نے عہدہ صدارت کے لئے کوئی معاوضہ، کوئی تنخواہ، کوئی امتیاز اپنے لئے جائز نہ رکھی اور انتہائی عاجزی و انکسار کا جامہ زیب تن کئے رہے۔

(۱۳) آپ کے حکیمانہ اقوال، مدبرانہ نصائح اور روح افزا خطبے دنیائے تمدن و شائستگی کیلئے نایاب گوہر ہدایت ہیں۔ گرچہ آپ کا وجود ایسے تاریک تمدن کے زمانے میں واقع ہوا کہ آپ کی قدر و منزلت کی معرفت کی لیاقت آپ کے معاصرین اور ان کے مابعد کی نسلوں تک میں ہزار سے زیادہ سال تک نہ رہی مگر بنی ہاشمی کا یہ معجزہ تیرہ سو سال گزرنے پر بھی آج کی ترقی یافتہ قوموں کیلئے شمع ہدایت ہے اور جب تک عقل و تہذیب قائم ہیں اور عقل انسانی کو عروج ہوتا رہے گا آپ کے اقوال اور اعمال کے جوہر کا فلسفہ روشن تر ہوتا جائے گا اور ان کے سمجھنے کی لیاقت روشن ضمیری اور انسانی کمال کا معیار رہے گا۔

جناب نجم العلماء کا خیال:

مختصر طور پر یہ چند نکتے نمونے کے لئے پیش کر دیئے گئے تاکہ شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ کی تحریک در بارہ اشاعت "سیرۃ علویہ" کے حق کو ارباب ذوق بخوبی سمجھیں اور تشفی کر کے اختر اضات سے ان کی دل شکنی نہ کریں جناب ممدوح نے جس مقصد سے سیرت علویہ کی اشاعت کی ضرورت بتائی ہے اس کی حکمت معمولی غور سے واضح ہو سکتی ہے۔ یہ کام بڑے پایہ پر بھی ہو سکتا ہے جس کیلئے کسی سلطنت کی سرپرستی ممکن ہو۔ لیکن اگر چھوٹے پیمانہ پر بھی یہ کام کیا جاسکے تو اہم نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور محض چند باہمت آدمی اس کام کو انجام دے سکتے ہیں۔ حضرت نجم الملۃ اس ضرورت کی طرف توجہ دلانے کیلئے تمدن کے محسن ہیں کہ اس کی کشمکش اور اضطراب کے زمانے میں وہ اس کے سامنے بہت سے مشکلات کے حل کرنے کا راز پیش کر دینا چاہتے ہیں تاکہ خلقت ہدایت یافتہ ہو سکے اور زندگی کے مسائل پیچیدہ کی گتھی کو بآسانی سلجھانے کا راز رسولؐ امی کے شاگرد کی سیرت سے معلوم ہو سکے۔ چونکہ جناب نجم الملۃ کی زیارت سے مشرف ہوئے راقم الحروف کو ایک زمانہ ہو گیا اس لئے ان کی مختصر تحریر کو سرفراز مورخہ ۲۳ رجب میں پڑھ کر جو مفہوم میرے ذہن میں آیا ہو سکتا ہے کہ میرے معروضات جناب ممدوح کے خیال کی صحیح اور مکمل ترجمانی نہ کرتے ہوں لیکن شاید تمام تر مغایر بھی نہ ہوں۔ البتہ اس بڑے کوچہ میں مجھ جیسے عامی کو جسارت نہ کرنی چاہئے مگر میں اشاعت سیرت علوی کا ذکر سن کر بے ساختہ پھڑک اٹھا اور حدیث دل کی تشریح ضبط تحریر میں پیش کرنے کی اجازت کا خواستگار ہوں۔ خدا کرے حضرت نجم الملۃ کے ملاحظہ سے گزرے اور قدر سے تائید تحریک و خیال ممدوح کی عزت حاصل ہو سکے۔ فقط سید حیدر حسین ساکن کجھوا ضلع سارن ۱۷ ار شعبان المعظم ۵ ۱۳ھ

(منقول از رسالہ اصلاح ماہ رمضان ۵ ۱۳۴ھ مارچ ۱۹۲۷ء)

اس مضمون کو شائع ہوئے بھی ۲۵ سال گزر گئے۔ اس مدت میں دنیا بہت آگے بڑھ گئی نجف اشرف اور مصر میں بہ کثرت کتابیں ایسی شائع ہو گئیں جو حضرت رسولؐ خدا اور جناب امیرؑ کے حالات میں قیمتی اضافہ کہی جا سکتی ہیں۔ یورپ کے طرز پر عربی میں بھی نئی نئی کتابیں لکھنے کا کام بہت سرعت سے ترقی کرتا جا رہا ہے۔ اسلامی ممالک میں جو اہل علم پیدا ہو رہے ہیں وہ عیسائیوں کی علمی جدوجہد محنت، کمال اور ترقی کو غور سے دیکھتے جاتے اور اپنے کاموں کا ان سے مقابلہ کرتے ہیں۔ ایک جوش ہے کہ جس طرح دوسرے لوگ دنیا میں اچھے اچھے علمی کام کر رہے ہیں ہم بھی کیوں نہ کریں اور دوسرے لوگ اپنے باطل مذہبوں یا نا قابل فخر سرداروں کو بہت اونچا کرنے کی مساعی میں دن رات لگے رہتے ہیں تو اہل اسلام اس دین حق اور اس کے قابل احترام پیشواؤں کے حالات نشر کرنے میں کیوں کوتاہی کریں اس طرف مصر میں بہت سی کتابیں عربی زبان میں لکھی اور شائع ہوئی ہیں جن میں حضرت رسول خداؐ کے متعلق تو مصریوں کی یہ کوششیں زیادہ باعث حیرت نہیں۔ البتہ یہ خدا کی قدرت قابل وجد ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ کی بھی بہت سی جدید سوانح عمریاں لکھی اور شائع کی گئی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ہر لکھنے والا اس کی کوشش کرتا رہتا ہے کہ حضرت کے حالات بھی اس طرح لکھے جائیں کہ یورپ والے ان کو دل لگا کر پڑھیں۔ ہمارا (اور جو دوسرے حضرات اس جلیل القدر سوانح مبارکہ کی تصنیفی خدمات کے انجام دینے کا شرف حاصل کریں ان سب کا) فرض ہے کہ مصر میں اس چودہویں صدی کے اندر جس قدر کتابیں حضرت رسول خداؐ، جناب امیرؑ اور امام حسینؑ کے متعلق لکھی گئیں ہیں ان سب کو جمع کریں۔ ایک ایک حرف پڑھیں۔ ہر مضمون پر اچھی طرح غور و فکر کریں اور جو باتیں پسند آئیں ان سب کو بھی اردو زبان کے جامہ میں پیش کرتے جائیں انصاف یہ ہے کہ نجف اشرف اور مصر کے افاضل و علماء اس طرف خاص ترقی کرتے جا رہے ہیں ہم لوگوں کو ان سے سبق لینا چاہئے۔ اور اس کی پوری کوشش کرنی چاہئے کہ حضرت امیرالمومنینؑ پر سیاست میں کمزور ہونے کا جو غلط خیال بعض جلد بینوں کے ذہن میں پیدا ہوتا جاتا ہے اس کا دفعیہ اچھی طرح کیا جائے۔ حضرت کا مقابلہ اسلام کے دوسرے حکمرانوں سے کرنا سخت غلطی ہے۔ حضرت تو جناب رسول خداؐ کے شریکِ کار بنا کر پیدا کئے گئے۔ اس وجہ سے حضرت کو اس طرح سمجھانے کی کوشش کرنی چاہئے کہ حضرت رسول خداؐ کے حالات سے اس نفس رسولؐ کے حالات بالکل مشابہ ہیں یا کسی جگہ مختلف ہو گئے ہیں۔ اگر موافق ہیں تو پھر کسی مسلمان کو چوں و چرا کرنے کی جرأت نہیں کرنی چاہئے۔

اور مکرم و محترم جناب مولانا شیخ فدا حسین صاحب پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے تحریر فرمایا تھا:۔

قائلین نبوت جناب امیرؑ

اگر چہ جناب امیر کو خدا ماننے والے تو کروڑوں پیدا ہوئے اور مر گئے اب بھی دنیا میں شہر شہر خصوصاً ایشیائے کوچک اور ترکستان اور جنوبی ہندوستان میں اب بھی آباد ہیں۔ مگر حضرت کو نبی ماننے والا فرد تو کبھی کتابوں میں نہیں ملا ورنہ بھی سنا کہ کوئی فرد حضرت کو نبی بھی مانتا ہے۔ البتہ خصائص نطنزی کی یہ حدیث سنی تھی جسے نطنزی امام اہل سنت نے اپنے اسناد سے جناب رسالت مآبؐ سے متصل کر دیا کہ آنحضرتؐ نے ایک مرتبہ جناب امیرؑ سے فرمایا: علی اسمک فی دیوان الانبیاء اللذین لم یوح الیھم (اے علی تمہارا نام ان انبیاء کے دفتر میں لکھا ہوا ہے جن کی طرف خدا کی کوئی وحی نازل نہیں ہوئی ہے)۔ اور یہ بھی معلوم تھا کہ قدیم زمانے میں ایک گروہ غلاۃ میں غرابیہ بھی گزرا ہے جو اس زمانے میں مثل حشرات الارض پیدا ہوا اور منقرض ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ العیاذ باللہ جناب امیرؑ جناب رسالتمآبؐ سے اس قدر مشابہ و مماثل تھے جیسے ایک غراب دوسرے غراب سے اسی فرقہ ملعون کا یہ بھی خیال تھا کہ اسی مشابہت سے معاذ اللہ حضرت جبریل کو اشتباہ ہو گیا کہ انہیں وحی لانا تھی حضرت علیؑ پر مگر دھوکے سے وہ جناب رسالتمآبؐ کے پاس چلے گئے اس لئے آنحضرتؐ پیغمبر ہو گئے۔ یہ فرقہ ملعونہ اسی لئے معاذ اللہ حضرت جبرئیل کی شان میں گستاخی کرتا تھا چنانچہ یہ واقعہ تمام کتب ملل و مقالات میں مذکور و مسطور ہے۔ مگر تعجب خیز یہ امر ہے کہ آج مجھے معلوم ہوا کہ اس زمانے میں بھی ایک بڑا گروہ ترک و تاجیک کا جو وسط ایشیا میں کوہستان پامیر یعنی بامیان جسے بام دنیا بھی کہتے ہیں اس مذہب کا آباد ہے حضرت علیؑ کو انبیاء اولوالعزم سے کہتا ہے اور اپنی خیال مذہبی روایات کے مطابق آپ کی قبر اور حسنینؑ کی قبور مطہرہ ایک حظیرۃ القدس میں تیار کی ہیں اور شب و روز ان کی پرستش میں مصروف رہتے ہیں۔ آج کالج کی لٹن لائبریری کی انگریزی شاخ کا مطالعہ کر رہا تھا کہ میری نگاہ مسٹر رالف پاٹسن گوبولڈ (RALPHPATTERSON GOBBOLD) کی کتاب وسط ایشیا پر جس کا انگریزی نام (JHHER MOSTASIA) ہے جا پڑی اور میں اس کتاب کا مطالعہ کرنے لگا چنانچہ اس کے باب ہفتم میں جس کا عنوان برتنگ تا قلعہ وامار (through the bartang tovall wamey) ہے صفحہ ۱۹۹ میں مسٹر گوبلڈ تحریر کرتے ہیں کہ میں اسی کوہستان بامیان میں جا رہا تھا اور گوناگوں مصائب سفر درپیش آ رہے تھے کہ تھوڑے عرصہ کے بعد ہمیں ایک مزار نظر پڑا جو وہاں کے باشندوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مزار حسن و حسین دونوں بھائیوں کا اور ان کے والد حضرت علی پیغمبر کا ہے کا ایک جوایک تاجیک ملازم میرا تھا اور میرا رہبر تھا اس نے مجھے پورا یقین دلایا کہ یہ پیغمبر (یعنی علی علیہ السلام) اور ان کے دونوں صاحب زادے بالکل مثل و مماثل ان چند پیغمبروں کے ہیں جن کا ذکر ہماری کتاب مقدس یعنی توراۃ میں وارد ہے۔

کیونکہ حضرت علیؑ اپنے دونوں لڑکوں کو نکال کر ایک بڑے بیاباں یا میدان میں لائے کہ ان دونوں کی پروردگار عالم کی جناب میں قربانی کریں لیکن چھری ہی نے کچھ کام نہ دیا۔ لیکن جب اس چھری کو حضرت نے ایک پتھر پر لگایا تو وہ پتھر دو ٹکڑے ہو گیا۔ خداوند عالم نے صرف حضرت علیؑ کا امتحان لیا تھا کہ معلوم ہو جائے کہ اس کی کس قدر عبادت کرتے ہیں اور اس امتحان کے بعد وہ ایک بڑے پیغمبر ہو گئے۔ مسٹر گوبولڈ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ترک و تاجیک کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ یہ دونوں بھائی حسنؑ اور حسینؑ اہل فرنگ کی ایک بڑی لڑائی میں شہید ہوئے لیکن ان فرنگیوں کا سردار بھی مارا گیا مسٹر گوبولڈ کہتے ہیں کہ یہ مزار جس کی بابت دعویٰ ہے کہ یہ تینوں بزرگوار اس میں مدفون ہیں اس کے گرداگرد ایک حلقہ پتھروں کا بنا ہوا ہے جس کے اندر ان کے مقدس و مطہر اجساد مدفون بتائے جاتے ہیں اہل تاجیک کا بیان ہے کہ یہ بزرگوار بڑے قد و قامت کے تھے اور ان میں کوئی تیس فٹ سے کم بلندی کا نہ تھا۔ کالیک جو (لیہ) کا باشندہ ہے اس نے تو بیان کیا کہ لداخ میں جو بودھ کی پرستش کرنے والے لوگ ہیں وہ اب تک ایک بیس گز کے لانبے بت کی پرستش کرتے ہیں جسے وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ صرف ایک آٹھ سال کے بچے کی مورت ہے۔ مگر اس کی طوالت بعینہ اس بچے کے قد کے موافق بنائی گئی ہے۔ فی الواقع اہل ترک و تاجیک اس مزار کی بے حد عظمت و پرستش کرتے ہیں۔ اور جو تاجیک ادھر سے گزرتا ہے وہ ان پتھروں میں کسی ایک پتھر کو بوسہ دیتا ہے اور اپنی داڑھی اس سے مس کر لیتا ہے چنانچہ کالیک اور میرے ملازمین نے بھی ایسا ہی کیا۔ انتھیٰ موضع الحاجۃ من کلامہ اب اگر آپ اسے شائع کریں تو خالی از لطف نہ ہوگا۔ والتسلیم

عاصی فدا حسین۔

اصلاح۔ اس حدیث صواعق محرقہ صفحہ ۱۰۶ سے بھی شاید سند لی ہو **فقال ابو بکر ما کنت لا تقدم رجلاً اسمعت رسول اللہ یقول فیہ علی منی کمنزلتی من ربی**۔ حضرت ابو بکر نے کہا ہم کیونکر تقدم کر سکتے ہیں ایسے شخص پر جس کے بارے میں حضرت رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ علی علیہ السلام کو ہم سے وہی منزلت ہے جو منزلت ہم کو خداوند عالم سے ہے۔

(منقول از رسالہ اصلاح ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ)

جس طرح مولانا ممدوح نے مسٹر گوبولڈ کی کتاب سے ایک دلچسپ عبارت کا ترجمہ پیش کیا ہمارا خیال ہے کہ اسی طرح بہت سی انگریزی کتابیں ایسی ہیں جو پٹنہ، علی گڑھ، لکھنؤ، حیدر آباد، رامپور، کلکتہ، اور بمبئی کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ اور ان میں اسلام۔ ایمان۔ جناب امیر علیہ السلام اہل بیت طاہرین علیہم السلام اور شیعوں کے متعلق قابل اقتباس و ترجمہ عبارتیں مل سکتی ہیں۔ اگر اس کام میں مدد کی جائے تو وہ ہماری اعانت نہیں بلکہ اسلام کے بہت بڑے محسن کی خدمت ہوگی۔ اس سے زیادہ اہم

کتابیں جرمنی، فرنچ اور لاطینی زبانوں میں ہوں گی ان کتابوں کا پتہ لگانا اور پھر ان کے ضروری اقتباس سے کام لینا بھی بہت مفید ہوگا۔ ہم کو معلوم نہیں کہ ہماری جماعت میں کتنے اور کون کون حضرات اس قابل ہیں کہ وہ جرمنی، فرنچ اور لاطینی زبان اچھی طرح جانتے اور ان کتابوں کے دیکھنے میں دل لگا سکتے ہیں۔ ہم کو ہندوستان میں جن حضرات سے اس قسم کی توقع ہے۔ ان کو زحمت دیں گے کہ ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ مگر ہم سے زیادہ کوشش ناظرین کو کرنا چاہیے کہ اس سوانح مبارک کی دو تین جلدیں شائع ہونے کے بعد ایک جلد میں وہ سب عبارتیں شائع کراویں جو انگریزی، جرمنی، فرنچ اور لاطینی زبانوں کے علمی ذخیروں میں ہمارے قابل فخر پیشوایان دین کے متعلق تھی، مستور یا کم از کم ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ ہم اس سوانح مبارک کے گذشتہ صفحات میں مولوی شبلی صاحب کی یہ عبارت نقل کر چکے ہیں کہ "یورپ کے مورخین آنحضرتؐ کی جو اخلاقی تصویر کھینچتے ہیں وہ ہر قسم کے معایب کا مرقع ہوتی ہے" مولوی صاحب موصوف نے اس کی وجہ ظاہر نہیں کی جو صرف یہ ہے کہ یورپ کے مورخین آنحضرتؐ کی اخلاقی تصویر صحیح بخاری، سنن ابوداؤد، مسند احمد بن حنبل، مشکوٰۃ، تفسیر در منثور، مواہب لدنیہ وغیرہ سے کھینچتے ہیں اور انصاف یہ ہے کہ دنیا کا جو شخص بھی سواد اعظم کی کتابوں سے کھینچے گا وہ اس کے سوائے کچھ کر ہی نہیں سکتا ہے۔ ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جس کتاب کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اسلام میں قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح سب سے زیادہ معتبر سب سے زیادہ مقدس کتاب ہے اس صحیح بخاری میں یورپ والے جب یہ دیکھتے ہیں کہ ایک عورت جو یہ حضرت کے پاس شہر کے باہر ایک تخلیہ مقام پر لائی گئی اور حضرت نے جا کر اس سے اپنا کام نکالنا چاہا (معاذ اللہ) جس پر وہ چیخنے چلانے اور شور و غل کرنے اور خدا کی دہائی دینے لگی تو وہ حضرت رسول خداؐ کے بارے میں محاسن کا مرقع کیونکر کھینچ سکتے ہیں؟ ہاں اگر یورپ والے اس فرقہ کی کتابوں کو چھوڑ کر صرف شیعوں کی کتابیں دیکھیں اور زیادہ نہیں بس نہج البلاغہ، ارشاد، اعلام الوریٰ اور بحار الانوار ہی کا مطالعہ کریں تو یقیناً وہ اپنے خیالات سے باز آ جائیں اور حضرت کو اس درجے کے قریب ماننے پر مجبور ہو جائیں جس پر خدا نے واقعاً حضرت کو رکھا تھا۔ ان شیعوں کے پیشوایان دین کے بارے میں بھی اگر یورپین مصنفین کی کچھ تحریریں قابل اعتراض ملیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ ان لوگوں نے ہمارے مقتدایوں کو بھی انہیں کتابوں کے ذریعے سے جاننا چاہا جو سواد اعظم کی لکھی ہوئی ہیں اس وجہ سے ہمارا فرض ہے کہ اغیار کو ہمارے متعلق بھی جو غلط فہمیاں ہو گئی ہیں اگر ان کو ان یورپین مصنفین کے دماغوں سے نہ نکال سکیں تو کم از کم اس کی کوشش کریں کہ مسلمانوں کے نئے تعلیم یافتہ حضرات اور خصوصاً مومنین کا جدید علوم سے آراستہ طبقہ اپنے خیالات کی اصلاح کر سکے اور یورپ کی زہریلی ہواؤں سے اس کا دماغ محفوظ رہ سکے۔ مشہور ہے کہ ہر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت رسول خداؐ کو پہچاننا ہو تو صحیح بخاری وغیرہ سے آنحضرتؐ کی معرفت ہرگز نہیں حاصل ہو سکتی بلکہ حضرت کو حضرت کی اولاد یعنی آل رسولؐ، عترت

طیبہ، اور ائمہ طاہرین سے پہچاننا چاہئے۔ ان کی خوبیاں دیکھئے اور نتیجہ نکالئے کہ جب یہ دوازدہ امام اس معرفت، اس تقدس، اس عفت، اس عصمت اور اس طہارت کے تھے تو خود حضرت رسولؐ کس درجے کے ہوں گے صحیح بخاری تو ثابت کرتی ہے کہ حضرت رسولؐ معاذ اللہ عورت کے معاملے میں ایسے تھے لیکن حضرت ہی کی اولاد کرام یعنی ائمہ طاہرین عورت کے معاملہ میں کیسے تھے؟ صرف ایک امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا واقعہ بیان کر دینا کافی ہے۔ جس زمانہ میں آپ بنی عباس کے مشہور خلیفہ ہارون رشید کے قید خانہ میں پڑے تھے خلیفہ نے ایک بڑی خوبصورت جوان زیوروں سے آراستہ لونڈی آپ کی خدمت کے لئے بھیجی جس سے مقصود یہ تھا کہ آپ کی عفت کا امتحان لے۔ وہ لونڈی اس قید خانہ میں چھوڑ دی گئی اور قید خانہ کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ بعد میں ہارون نے ایک شخص کو اس عورت کا حال دریافت کرنے کیلئے بھیجا تو اس نے دیکھا کہ امام کا فیض عبادت اس لونڈی میں بھی اثر کر گیا اور وہ سجدہ میں سر جھکائے ہوئے قدوسٌ قدوسٌ سُبحانکَ سبحانکَ کہہ رہی ہے۔ ہارون کو یہ حال معلوم ہوا تو کہا معلوم ہوتا ہے موسیٰ کاظمؑ نے اس کنیز پر جادو کر دیا ہے۔ اور حکم دیا کہ وہ عورت دربار میں لائی جائے جب وہ آئی تو اس پر ایک عجیب حالت طاری تھی سارے جسم میں بید کی طرح رعشہ تھا اور اس کی آنکھیں آسمان کی طرف عالم تحیر میں اٹھ کر رہ گئی تھیں۔ ہارون نے کہا یہ کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ میں خدمت امام میں پہنچی اور بند کر دی گئی تو وہ حضرت میری طرف متوجہ نہیں ہوئے برابر عبادت خدا ہی میں مشغول رہے تب میں نے خود ہی حضرت کو چھیڑنا چاہا اور کہا یا حضرت میں آپ کی خدمت کو حاضر ہوں۔ اس پر حضرت نے فرمایا مجھے تیری کوئی حاجت نہیں ہے اور بدستور سابق عبادت کرنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر میں بھی سجدے میں گر پڑی یہاں تک کہ حضور کے اس خادم نے مجھے اٹھایا تب مجھے محسوس ہوا کہ میں وہیں ہوں جہاں پہلے تھی۔ وہ عورت یہ فضائل بیان کر کے پھر عبادت خدا میں زندگی بسر کرنے لگی۔ (مناقب جلد ۵ صفحہ ۶۳ مطبوعہ بمبئی) اگر حضرات ائمہ طاہرین کے اس قسم کے واقعات انگریزی، جرمنی، فرنچ، اور لاطینی زبانوں میں شائع کر کے ان لوگوں کو بتایا جائے کہ جن لوگوں کی چال چلن فرشتوں ایسی تھی انہیں کے جد بزرگوار حضرت رسول خداؐ تھے۔ اب تم لوگ خود اندازہ کر لو کہ حضرت رسول خداؐ کا کیرکٹر واقعاً کیسا رہا ہوگا۔ تو کون ایسا ہوگا جو حضرت رسول خداؐ کی وہ تصویر کھینچ سکے جس کا رونا مولوی شبلی صاحب اس طرح رو رہے ہیں لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ: ع

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ایک اور بہت قابل قدر مضمون حضرات اہل سنت کے معزز رسالہ البیان لکھنؤ کا لائق دید ہے:

عیسائیوں کو ائمہ اسلام کی حاجت:

(درباب دعا از خدا: از فاضل کامل مولانا سراج الدین حسن القرشی)

مذہب اسلام کے عجیب و غریب آثار و علامات سے ایک یہ امر ہے کہ خداوند عالم نے اس دین کو دیگر شائستہ قوموں کے دین اور مذہبوں میں اس امر کی خصوصیت عطا فرمائی ہے اور وہ نور و برکت عنایت کی ہے کہ تا قیام قیامت اس کی روشنی بجھ نہیں سکتی۔ خواہ کیسے ہی اس مذہب کی سلطنت یعنی مسلمانوں کی سلطنت میں ضعف آگیا ہو اور اس کی مضبوط رسیاں کھل بھی ہوں۔ مگر اس نور کی چمک دمک ہمیشہ یکساں رہے گی۔ انہیں خصوصیتوں میں ایک خصوصیت توحید کی ہے کہ جب سے آفتاب اسلام اپنے اس آسمان وجود کے افق سے طالع ہوا ہے کل جہات وجود فطرت کو محدود ہے جس کے قوانین میں بہ جز مشیت الٰہی کسی طرح کا خرق و التیام روا نہیں ہے اس وقت سے اس نور توحید کی وجہ سے تمام عالم منور ہو گیا ہے یہی وجہ ہے کہ جتنی تعلیم یافتہ اور دیندار قومیں عالم میں پائی جاتی ہیں سب اس مسئلے توحید میں اسی مذہب کے علماء و حکماء کی کاسہ لیس و دریوزہ گر ہیں۔

اگر آپ بہ نظر غور تمام مذاہب و ملل کی تاریخ سوائے مذہب اسلام کے ملاحظہ فرمائیں جن میں اختلافات کی وجہ سے ہزاروں فرقے پیدا ہو گئے ہیں تو آپ کو ہر ایک مذہب ایسا ہی نظر آئے گا جس میں تشبیہ کی گھٹائیں برس رہی ہیں اور ظلمت شرک نے نور توحید کو چھپا لیا ہے خداوند عالم کے لئے جہت و مکان ثابت کرنے کی عبارتیں آباد اور خدا کو معطل محض کہنے اور کار آفرینش دوسری قوموں کے سپرد کر دینے کے ابر موسلادھار برس رہے ہیں۔ علاوہ ذات خدا کے ہزار ہا صفات کا زمانہ ترقی پر ہے انسان کو بے اختیار محض کہنے کا دور دورہ ہے خدا کو مثل جسم ماننے کے چشمے بہہ رہے ہیں اور معاذ اللہ اس کو قابل تقسیم کہنے کی تاریکی زائل ہی نہیں ہوتی خدا کی جہت و مکان کی عمارتیں نہایت مستحکم اور بری باتوں کے اس کی طرف نسبت دینے کی بنائیں نہایت بلند و استوار ہیں۔ یہی حال رہا یہاں تک کہ اس عالم میں اس شخص کا قدم آیا جو:

حضرت علی علیہ السلام

سابق ترین حکماء اسلام تھا اور آنحضرتؐ کے اول شاعر عرب کے قلب کا حق تھا اور آنحضرت کا شاگرد رشید علم حکمت و کلام میں تھا۔ وہ کون؟ امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ۔ اس فیلسوف اسلام نے توحید کے گہرے اور عمیق سمندر میں غوطہ مارا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معرفت الٰہی کے سمندروں نے جو کچھ اسرار لاہوت اپنے اندر چھپا رکھے تھے وہ سب اگل دیئے اور جو عجیب و غریب اور بیش بہا باتیں عالم ملکوت کی ان میں تھیں وہ سب اس کے حوالے کر دیں۔ اب کیا تھا فیلسوف اسلام نے ایسے ایسے حیرت خیز فصیح و بلیغ خطبے اسرار توحید میں بیان کئے کہ جن سے اسرار توحید کے دریا پھوٹ بہے اور وہ باریکیاں بیان کیں کہ ناخن فکر جن کے حل سے عاجز ہے۔ بڑے بڑے حکیموں کی عقلیں ان کے مطالب کی تہہ تک پہنچنے میں سرگرداں اور فصحا کی زبانیں اس کی تہہ کی خبر لانے سے گنگ اور لال ہو رہی ہیں۔ بڑے بڑے صحابہ و تابعین جن کا علمی مذاق تھا انہوں نے ان خطبوں کو جمع کیا

اور بڑے بڑے حکماء و متکلمین نے ان کو درس دیا اور محدثین قدماء نے بھی اپنی مسندوں میں اس امام کے علوم کو درج کیا۔ مثلاً حارث ہمدانی ابن نباتہ حنظلی زید بن وہب کوفی وغیرہ وغیرہ۔ علماء علم کلام کے طبقے میں بھی ان لکچروں کا درس رہا اور واصل بن عطائے عزال وغیرہ ائمہ معتزلہ نے ان کی پوری قدر کی۔ اسی طرح محدثین کرام نے بھی ان خطبوں کے جمع کرنے میں علماء سابقین سے کمی نہیں کی۔ بڑے بڑے راویان سیر ومسند نے ادھر توجہ فرمائی مثلاً حافظ دیار یمن ابو اسحاق، ابراہیم بن حسن کسائی متوفی ۱۸۱ھ ہجری، حافظ بغداد احمد بن ابراہیم الدورقی متوفی ۲۴۶ھ ہجری، حافظ جرجان ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن سنجر جرجانی متوفی ۲۵۸ھ حافظ بصرہ یعقوب بن شیبہ سدوسی مقیم بغداد، علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علیؑ کی جو مسند جمع کی ہے پانچ جلدوں میں ہے۔ ۲۶۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ علیٰ ہذا حافظ عراقی اسماعیل بن اسحاق مالکی متوفی ۲۸۲ھ، حافظ مرورو قاضی ابوبکر احمد بن علی متوفی ۲۹۲ھ، حافظ حضرت مُوت ابوجعفر محمد بن عبداللہ متوفی ۲۹۷ھ، حافظ بلانسا احمد بن شعیب مصنف سنن نسائی متوفی ۳۰۳ھ، حافظ ابومحمد عبدالرحمن بن عثمان بن ابونصر وغیرہ وغیرہ، مذکورین کے علاوہ اور بھی لوگوں نے ادھر توجہ کی جن کے نام سے ہم کو واقفیت نہیں ہوئی۔ اس طبقہ کے بعد متاخرین کا طبقہ آیا جس کے اکثر مشاہیر نے خطبات علی بن ابی طالب کی تدوین وروایت میں کوشش کی۔ حافظ ابن عساکر دمشقی نے تاریخ دمشق میں اس کو درج کیا، حافظ ابونعیم اصفہانی نے کتاب الحلیہ میں نقل کیا۔ ابن عبدربہ نے عقد الفرید میں لکھا قاضی ابوبکر باقلانی نے اعجاز القرآن میں کچھ اقتباس کیا۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں تلخیص کی، جلال الدین سیوطی نے جمع الجوامع میں اس کو جگہ دی، اخطب خوارزمی نے مناقب میں اس سے مدد لی۔ کمال الدین ابن طلحہ شافعی نے مطالب السئول کے لئے اس کو منتخب کیا۔ حافظ محمد ابن اسلم گنجی شافعی نے کفایۃ الطالب کو اس سے آرائش دی۔ علاوہ بریں اور بزرگوں نے بھی ادھر توجہ فرمائی جن کے بیان کے لئے البیان کی وسعت کافی نہیں ہوسکتی۔

کتاب نہج البلاغہ

جس شخص کو کتب تاریخ وایام عرب ومعاجم ومسانید وسیر واجزاء افراد تک رسائی نہ ہو اس کو صرف کتاب مستطاب نہج البلاغہ کا دیکھ لینا کافی ہے جس میں اس امام عالی مقام کے خطبات جمع ہیں اور جن کے مطالعہ سے آنکھوں میں خنکی وتازگی آتی ہے۔ علاوہ بریں بحار کی کتاب التوحید میں بھی جس کے مانند عالم میں کوئی دوسری تالیف نہ ہوگی وہ رجوع کرسکتا ہے۔ نہج البلاغہ کو محدث دیار یمن قاضی القضاۃ امام الثقات الاثبات محمد بن علی شوکانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند اپنی کتاب اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر میں درج کی ہے۔ بہت سے مشہور علماء اہل سنت نے اس کتاب کی شرح بھی لکھی ہے اور اس کے مشکلات وغوامض

کے حل کرنے میں جن کی عقدہ کشائی میں عقل حیران ہے سعی بلیغ فرمائی ہے اور غور و فکر کے ساتھ ان مسائل علیہ و دقائق مرتضویہ کے دقیق معانی و مطالب حل کئے ہیں اور اس کے کمال تک پہنچے ہیں از ان جملہ فاضل کامل مولوی قوام الدین یوسف مشہور بہ قاضی کی ایک شرح ہے یہ بزرگ سلطان بایزید ثانی بادشاہ روم کے علماء عہد سے تھے طاش کبری زادہ نے شقائق نعمانیہ تذکرہ علماء دولت عثمانیہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے حکیم الاسلام معروف بین الانام حضرت شیخ محمد بن عبدہ نے بھی کہ ملک مصر کے مفتی اعظم تھے اپنے تحشیہ سے یہ کتاب چھپوائی ہے اور ان کے علاوہ دوسرے علماء سابقین و فضلاء ماکثین نے بھی شرحیں لکھی ہیں مگر ان سب شرحوں سے عمدہ و اعلیٰ شرح عزالدین عبد اللہ مشہور بہ عبدالحمید بن ابی الحدید معتزلی کی ہے جو اسلامی فیلسوف و مورخ اور علم کلام و عربیت کا امام تھا۔ باوجود اس قدر مدت دراز گزرنے کے ایسی نادرہ بے نظیر شرح اب تک زمانہ کو میسر نہیں آئی اور نہ کوئی اس کے مانند لکھنے پر قادر ہو سکا۔ اس نے یہ ایسی کتاب لکھی ہے کہ کسی کے لئے کچھ اور اس پر بڑھانے یا زیادہ کرنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی ہے اور بیس جلدوں میں ایسی شرح لکھی ہے کہ کوئی اس کا کسی حیثیت سے مقابلہ نہیں کر سکتا اور اس قدر مدت مزید گزرنے پر بھی کسی کو اس کی ہمت نہ ہو سکی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام

اسی طرح اس فیلسوف اسلام حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے بعد جو ائمہ ان کی اولاد میں ان کے قائم مقام ہوئے انہوں نے بھی تمام بنی نوع آدم کو توحید الٰہی سکھائی جس کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اور اس ثبوت کے واسطے صرف ایک حدیث اہلیلج کافی ہے جسے مفضل بن عمر و ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جبکہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے اور ایک ہندی طبیب سے قدیم زمانے میں وجود صانع تعالیٰ شانہ کے اثبات میں مناظرہ ہوا تھا یہ شخص نہایت مشکک المزاج تھا یہاں تک کہ اپنے وجود میں بھی شک کرتا تھا خدا کے وجود کا کیا ذکر مگر حضرت امامؑ نے اسے ہر طرح مناظرہ میں عاجز کر دیا اور بالآخر اس کو مسلمان ہو جانا پڑا اور نہایت زور و شور کے ساتھ اسلام لایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حدیث اہلیلج وہ عالی شان کتاب اسلام میں ہے جس نے قیامت تک جتنے ملحد و زندیق پیدا ہونے والے اور شک کرنے والے ہیں سب کے مادہ شک و الحاد کو قطع کر دیا ہے مگر صرف خاص خاص عالموں نے ان علوم کو جمع کیا ہے جن سے ہر قسم کی تاریکی جہل و گمراہی دور ہوتی ہے یہی سبب ہے کہ آج ایک شخص بھی یہود و نصاریٰ و ہنود و مجوس وغیرہ سے ایسا نہیں ملے گا جو شرک و تجسیم و انکار صانع کے ساتھ متہم ہونے سے بغل بچانے ہو جیسے کوئی کسی کو گالی دے یا شیطان کا ہم پلہ قرار دے یا کسی بدترین شخص کی اولاد میں اسے قرار دے اس علانیہ گوئی اور اظہار کی جو توحید خدائے واحد و غالب کے دعوے میں ہر روز پیدا ہے دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ شب و روز اسی

کوشش میں ہیں کہ ان کی مذہب کی کتابوں میں جو عاروننگ کی باتیں ہیں ان کو دھو ڈالیں اور مٹا دیں۔ ہر صاحب مذہب پکار پکار کر اپنے تئیں اہل توحید میں شمار کرتا ہے اور اپنی مذہبی کتابوں میں جو شرک وکفر کی باتیں بھری ہیں ان کی تاویلیں کر کے رفع شرمندگی کرتا ہے۔اس کا ثبوت دینے کی کچھ ضرورت نہیں ہے جو لوگ آج کل کے اخبارات کہ دنیا کے ہر گوشہ میں شائع اور دور ونزدیک ہر شہر میں ان کی اشاعت ہے پڑھتے ہیں انہیں بخوبی معلوم ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو ہر امر کہ خود واضح ہے اس کی تحصیل حاصل واعلام معلوم کی ہم کو ضرورت نہیں ایسا نہ ہوتا تو فرقہ آریہ ہندوؤں میں اور یونیٹرین نصاریٰ میں اور اسی قسم کے بہت سے فرقے کہاں سے پیدا ہوتے؟ یہ سب اسی اسلام وائمہ اسلام کی برکت ہے اور انہیں کا طفیل ہے الغرض کل متکلمین وحکماء جو اسلام میں پیدا ہوئے ہیں وہ سب اپنے فلسفہ وحکمت کی نسبت شاگردی حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کے ساتھ درست کرتے ہیں جیسا کہ کتب تواریخ مذاہب وملل میں بخوبی بالتفصیل مرقوم ہے اور اگر ہم کو اپنے اصل مقصود مضمون سے دور پڑ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں کچھ خطبے اور کلام حضرت علیؑ کا توحید میں ہدیہ ناظرین کرتے۔

ائمہ طاہرین کی دعائیں

ازاں جملہ ایک خوبی اس مذہب کی یہ ہے کہ اسلام میں جو امام گزرے ہیں انہوں نے ہمارے ساتھ اور کل بنی آدم کے ساتھ یہ احسان کیا ہے کہ ہم لوگوں کو انہوں نے وہ طریقہ بتلا دیا کہ جس طریقے سے ہمیں خدا سے دعا مانگنا چاہئے۔یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ہم میں سے اگر کوئی کسی بادشاہ کے پاس جائے یا بادشاہ اس کو بلوائے تو دیکھنا چاہئے کہ اس کو کیا تردد درپیش ہوتا ہے کہ کیونکر میں بادشاہ کو سلام کروں۔اور اگر وہ کوئی بات پوچھے تو کیونکر جواب دوں کہ جس میں اس کی تعظیم اور تکریم کے فراخور حال لحاظ کیا جائے۔جب یہ حال ہمارا دنیاوی بادشاہوں کے ساتھ ہے حالانکہ ہم اور وہ سب بندۂ خدا ہیں تو پروردگار عالم جو آسمان وزمین کا منتظم اور کل بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس کے ساتھ کیا ہونا چاہئے۔لیکن سوائے مذہب اسلام کے اور کسی مذہب میں ہم نے کوئی گروہ ایسا نہیں پایا جو خدا سے باتیں کرنے کا طریقہ بتلائے سوائے انہیں ائمہ اسلام کے کہ ان حضرات نے ہمیں اور تمام دنیا کو وہ طریقہ بتلا دیا کہ ہم خدائے تعالیٰ کی عزت وجلال کا لحاظ کر کے کیونکر دعا مانگیں یا باتیں کر سکیں جو لوگ دقیقہ رس، باریک بین صاحب غور وتعمق حضرات ہیں ان کو بخوبی معلوم ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے اوصاف سمجھنے سے عاجز ہیں اور کسی طرح سے وہ اوصاف کسی زبان کے لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتے اگرچہ وہ اوصاف خدا کے عین ذات ہیں اور خدا میں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے ان ہی اوصاف میں اس کے اسماء مقدسہ ہیں جن کے ذریعہ سے یہ اوصاف مختلف زبانوں میں تعبیر کئے جاتے ہیں اور تمام موجودات حتیٰ کہ ایک ایک ذرہ خاک کا بھی وہ بہ نص قرآنی اپنے خالق کو جانتا ہے اس کے وجود کا مدرک

ہے اس کی حمد میں تسبیح پڑھتا ہے، اس کے شکر میں تر زبان ہے اس کی محبت میں فنا ہے جیسا کہ کتاب اللہ کے کئی مقامات میں اس کی تصریح موجود ہے۔ لیکن عقل مند آدمی جو کہ دور اندیش ہے اور اپنے خاتمہ کار و انجام افعال پر ہوشیاری کے ساتھ نظر رکھتا ہے اس وقت تک خدا سے باتیں کرنے کی جرأت نہ کرے گا جب تک کہ اس کو وہ خاص طریقہ نہ معلوم ہو جسے خدا نے اس غرض کے لئے پسند کیا ہے اور اس کو پورا یقین نہ ہو جائے کہ اوقات دعا و ساعات سوال میں خدا کے غضب سے میں محفوظ رہوں گا اور اس کی خوشنودی مجھ کو حاصل ہوگی۔ اس لئے کہ خوف اس امر کا ہوتا ہے کہ طرز سوال و کیفیت دعا میں خدانخواستہ کوئی ایسی صورت نہ پیش آ جائے جو حد عبودیت و شان بندگی سے خارج ہو۔ کیونکہ جلال الٰہی کو دیکھ کر انسان پر خود فراموشی چھا جاتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا کی شان بڑی ہے۔ اس کا رتبہ نہایت ارفع و اعلیٰ ہے اور اس کی عزت و سطوت حد قیاس سے خارج ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ امر بغیر اس کے ممکن ہے کہ خداوند عالم نے وہ طریقے اپنے خاص صاحبان وحی والہام کے ذریعہ سے اپنے بندوں کو بتا دیئے ہوں۔ ایسی حالت میں جس طرح ان کو اپنی تکالیف شرعیہ میں جو علت غائی بعثت انبیاء کی ہے علم اور معرفت حاصل کرنے کی ضرورت ہے اسی طرح دعا مانگنے میں بھی ان کو اس کا طریقہ سیکھنے کی حاجت ہے۔ کیونکہ درحقیقت وہ بھی منجملہ انہیں تکالیف شرعیہ کے لئے ہیں جو علت بعثت انبیاء ہے پس ان حضرات نے خدا سے طریقہ دعا مانگنے کا سیکھا تاکہ ان جاہل بندوں کو تعلیم کریں جو محض اپنی عقل سے اپنی تکالیف کو بھی نہیں دریافت کر سکتے۔ ایک منصف منصف مزاج جو انصاف پسند ہو اور خلاف انصاف حکم کرنے کو برا جانتا ہو جب دنیا کے مذاہب میں نظر دوڑائے گا اور خور د حاصل سے کام لے گا اور تاریخ انسان کے تمام مذہبوں اور مشربوں سے پوری اطلاع بہم پہنچائے گا اور جن کتابوں پر ان مذاہب کی بنیاد ہے ان پر بخوبی نظر جمائے گا تو اسے صاف نظر آئے گا کہ یہ بجز دین اسلام کے جو خدا نے منعم کا آج کے روز دین حق ہے نہیں بلکہ یہ اس وقت سے دین الٰہی ہے جب سے کہ موجودات کتم عدم سے ہستی میں آئے اور عالم میں ظہور پذیر ہوئے اور اس مقام نفی سے باہر آئے جہاں ہمارے متکلمین کے ستر ثبوت حال کا اثبات ہی نہیں تھا اور ان چیزوں کا اس وقت تک تذکرہ ہی نہیں آیا تھا یہ وہ بطون سے نکل کر یہ امور عالم ظہور میں جلوہ گر ہی نہیں ہوئے تھے اس مسئلہ میں بڑے بڑے مشہور فاضل متکلمین کے قدم ڈگمگا گئے ہیں اور عہد گزشتہ سے اب تک اسی میں غلطاں و پیچاں ہیں تو اسے بخوبی معلوم ہوگا کہ یہ کل مذہب طریقہ دعا کی تعلیم سے بالکل خالی ہیں۔ ہاں کفر و الحاد اور شرک کی ایسی بدبو آتی ہے جس سے جی متلایا جاتا ہے اور ان میں ان چیزوں سے مدد مانگی جاتی ہے جن کو خود کا شعور و تمیز نہیں ہے اور جن پر مدد مانگنے والے کو خود فضیلت حاصل ہے اور عرصہ قدیم سے لیکر عہد جدید تک ہمیشہ ان معبودوں پر خود انسان کو حکومت حاصل رہی ہے۔ یہ

لوگ اس غلطی میں صرف شیطان کے وسوسہ ڈالنے سے پڑے ہیں لیکن جب سے کہ خدا نے بندوں پر کرم کر کے دین اسلام کو شائع فرمایا اور اس کی روشنی کی چمک دمک اطراف دنیا میں پھیلی اور اس کے آفتاب عالم تاب کی نورانیت سے نظریں خیرہ ہونے لگیں اور توہمات وشبہات کی تاریکیاں زائل اور نابود ہونے لگیں اس وقت میں منکرین اسلام ومخالفین شریعت کو ہوش آیا اور وہ سمجھے کہ ہمارے مذہب میں طریقۂ دعا کس قدر کج اور ٹیڑھا ہے۔ ان کو یقین ہوگیا کہ خدائے قہار سے دعا کرنے کی یہ روش اچھی نہیں۔ تو اس کجروی سے وہ منحرف ہونے لگے اور خود بخود نفرت کرنے لگے اور مجبور ہو کر قرآن مجید اور آنحضرتؐ اور ان کی آل اطہار صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کی دعاؤں کو اختیار کرنا پڑا۔ اور دلیل اس کی یہ ہیکہ فی زمانناً مجھے ایک کتاب مسمیٰ بہ میقات الصلوٰۃ فی سبعۃ اوقات علی گڑھ کالج کے کتب خانہ میں ملی۔ یہ کتاب ہامر برگ اسٹال کی تالیف ہے جو جرمن کے بڑے مشہور فاضل مستشرقوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ بڑا باکمال آدمی جرمن میں گزرا ہے۔ یہ رسالہ بہت مختصر ہے۔ اس کا نام اس نے حزب اعظم بھی رکھا ہے۔ اصل رسالہ پہلے عربی میں تالیف کیا اور پھر اس کا ترجمہ زبان جرمنی میں کیا بطور تحفہ وہدیہ کے اسے اپنی زوجہ متوفی کی روحانیت پر جس کا نام کیرولائن تھا اور جو اس سے چند سال پیشتر مر چکی تھی کتاب کو ڈی ڈے کیٹ کیا ہے۔ یہ امر مسلمانوں کے ذہن نشین رہنا چاہئے کہ یہ نامور مولف یورپ کا سربر آوردہ فاضل اور مشہور مستشرق ہے اور جرمنی کے شہرہ آفاق علماء میں ہے۔ اس کی ولادت ایک مقام میں ہوئی تھی جو عرف عام میں بنام گزار مشہور ہے جنوری ۱۷۷۴ء میں اس کی پیدائش ہوئی اور ۲۲ نومبر ۱۸۵۶ء کو وائنا کے پرانے اور قدیم شہر میں اس نے قابض ارواح کو جان شیریں سپرد کی اور دنیائے فانی سے سرائے جاودانی کی راہ لی اور وفات پائی (البقاء للہ تعالیٰ) اس کی بڑی بڑی تصنیفیں یورپ میں مشہور تھیں از اں جملہ تاریخ دولت آل عثمان من ابتداء ۱۸۲۷ء لغایت ۱۸۳۴ء تذکرہ شعراء دولت آل عثمان من ابتداء ۱۸۳۶ء لغایت ۱۸۳۸ء تاریخ علم وادب عربی من ابتداء ۱۸۵۰ء لغایت ۱۸۵۷ء یہ سب کتابیں یورپ میں نہایت معروف ومشہور ہیں۔

ائمہ طاہرین کی دعاؤں کی معرفت وعظمت

اصل یہ ہے کہ اس شخص کو کچھ دعائیں آئمہ اسلام کی مل گئی تھیں مثلاً دعائے کمیل جو کمیل بن زیاد نخعی کے نام سے مشہور ہے کمیلؓ حضرت علیؑ کے جلیل القدر ساتھیوں میں تھے اور چونکہ حضرت علیؑ سے یہ دعائیں انہیں نے روایت کی ہیں اور حضرت نے انہیں کو اس کی تعلیم دی تھی لہٰذا انہیں کی نام ہی سے معروف ہے۔ یا مثلاً دعائے سمات کہ وہ بھی حضرت علیؑ کی ہے۔ اور انبیاء سابقین کے عجیب وغریب اسرار ورموز پر جن سے عقل کو حیرت ہوتی ہے اور اہل نظر کی بصیرت متحیر ہوجاتی ہے مشتمل ہے یا

مثلاً دعائے ابوحمزہ ثمالی جو سید الساجدین علی بن حسینؑ بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے کہ یہ لقب امام زین العابدین مشہور معروف ہیں۔ ابوحمزہ مذکورہ نے اس کی روایت کی ہے حضرت اس دعا کو ماہ رمضان کی راتوں میں کہ قرآن پاک جو دنیا کیلئے ہدایت و ارشاد کا سرمایہ اور حق کو باطل سے الگ کرنے کا ذریعہ ہے انہیں راتوں میں اترا ہے پڑھا کرتے تھے۔ یا مثلاً دعائے سحر جو بہ سند صحیح حضرت امام محمد بن علی (امام محمد باقرؑ) سے مروی ہے اور جسے وہ رمضان شریف کی ہر شب میں بوقت سحر پڑھا کرتے تھے اور مہینہ بھر اس کا ورد رکھتے تھے اس عیسائی فاضل نے ان دعاؤں کو جو ائمہ اسلام سے ماثور اور تمام بلاد نزدیک و دور میں مشہور معروف ہیں بے حد پسند کیا اور ان کے بعض فقرات جن میں بتایا گیا ہے کہ بندہ اپنے مولا سے کیونکر خطاب کرے اور اللہ تعالیٰ سے کس طرح دعا مانگے اور زاہدوں سے دعا نکلنے کا کیا طریقہ ہے۔ اس شخص نے وہ فقرات لے لئے اور جن جن مقامات میں کہ رسول اللہ اور آپ کے اہل بیت کا ان میں ذکر اور وسیلہ دلایا گیا ہے ان فقرات کو بالکل خارج کر دیا اور ترتیب بدل دی اور مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کر دیا اور طرز کلام کی خوبی کو خراب کر دیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو فقرات اس کو مشکل اور دقیق معلوم ہوئے اور جن کا مطلب اس کی سمجھ میں نہیں آیا ان کو بھی اس نے چھوڑ دیا۔ آنحضرتؐ کے ذکر کو محض اپنی نصرانیت کی وجہ سے چھوڑ دیا کیونکہ دین اسلام سے اس کو انکار اور جناب رسالتمآبؐ کی نبوت سے اس کو کرار تھا اور اس کے قلب کو آنحضرت کا نام مبارک اپنی کتاب میں درج کرنا گوارا تھا۔

دین اسلام کی دعائیں

مگر وہ اپنے مذہب کی دعاؤں سے چشم پوشی کرنے میں ناچار تھا مجبوراً اس کو دین اسلام کی دعائیں جو بدائع اسرار ربوبیت و خواص حقائق عبودیت کی جامع ہیں لینا پڑیں اور انجام کار مسلمانوں ہی کی کاسہ لیسی کرنی ہوئی حتیٰ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف جو زبور منسوب ہے اس میں سے بھی کچھ لیا اس نے پسند کیا۔

ائمہ طاہرین کی دعاؤں کی چند اور کتابیں:

میں کہتا ہوں کہ اس غریب (جرمن فاضل) کا اس وقت کیا حال ہوتا جبکہ ان ائمہ مبارکہ کے علاوہ نقیب الطالبین ابو القاسم علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن طاؤس علوی حسینی کی جو بہ لقب رضی الدین مشہور ہیں کتابیں دیکھتا اور کتاب اقبال الاعمال و کتاب مہج الدعوات و منہج العنایات و کتاب جمال الاسبوع بکمال العمل المشروع و کتاب الدروع الواقیہ من اخطار الاسفار والازمان مطالعہ کر سکتا نیز کتاب مصباح المتہجد کو جو سید ابن طاؤس کے جد مادری ابو جعفر محمد بن حسن طوسی کی ہے اور کتاب مصباح کفعمی و کتاب الحمد ار متعلق بحار الانوار فاضل مجلسی کو دیکھتا اور۔

صحیفۂ کاملہ:

ان سب سے بڑھ کر یہ کہ صحیفہ سجادیہ کو جس کی روایت بطریق تواتر حضرت امام زین العابدین علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے کہ وہ شیعوں کے امام چہارم ہیں ثابت ہے دیکھے ہوتا تو اس کی کیا کیفیت ہوتی۔ مجھ سے اگر کوئی شخص رکن ومقام کے مابین حلف لے کہ طبقہ متمدنہ وغیر متمدنہ میں کوئی بھی اس کی نظیر نہیں پیش کرسکتا تو میں قسم کھالوں گا اور امید ہے کہ مجھ کو کفارہ نہ دینا پڑے گا۔ الی غیر ذالک من کتب الادعیة

غریب (جرمن فاضل ہامرگ اشتال) اگر ان کتابوں کو جو نہایت جلیل القدر ادعیہ ائمہ اسلام کو حاوی ہیں، دیکھے ہوتا تو جیسے وحشی سر بہ صحرا ہوتے ہیں وہ بھی بیابانوں میں سرگرداں ہوجاتا اور جس طرح کہ بن مانس انسان سے بھاگتے ہیں وہ آبادی سے نفرت کرنے لگتا۔ خدا پرست عابدوں اور راہبوں کی خوف خدائے ارض وسما سے جو کیفیت ہوتی ہے اور جیسا کہ خدا کے ڈر سے وہ مضطرب رہتے ہیں وہی حالت اس کی بھی ان کتابوں کے دیکھنے سے ہوتی مجبوراً واضطراراً اس جرمنی کو اپنی گردن سے عیسائیت کا جوا اتارنا پڑتا اور دین اسلام کی جانب رجوع بہ حق کرنا ہوتا۔ ان دعاؤں کی نورانیت جو عقل کو خیرہ کرنے والی ہے لامحالہ اس کو راہ راست پر لاتی اور مسلمان بناتی'' فقط

(منقول از ماہوار عربی رسالہ البیان مطبوعہ لکھنؤ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ)

حضرات ائمہ طاہرین علیھم السلام کی نورانی دعاؤں کا جواب عیسائی تو کیا اسلام کا سواد اعظم بھی نہیں پیش کرسکتا مگر دعاؤں کا تعلق تو خالق اور مخلوق، عابد اور معبود میں ہوتا ہے۔ ائمہ طاہرینؑ کی دعاؤں کی عظمت تک یورپ والے زیادہ نہیں پہنچ سکتے۔ اس وجہ سے ساتھ ہی ساتھ ان لوگوں کو ہمارے ائمہ طاہرین کی وہ انسانی خوبیاں بھی بتائی جائیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرات نوع انسان کے محسن اعظم تھے۔ معمولی انسانوں کا ذکر تو علیحدہ رہا اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی ایسا سلوک کرتے تھے جس کی مثال پردہ دنیا میں نہیں مل سکتی۔ مثال کیلئے حضرت امیر المومنین کا یہی واقعہ کافی ہے کہ معاویہ ایک لاکھ بیس ہزار کی فوج سے حضرت کے ساتھ لڑنے نکلا تو نہر فرات پر پہلے ہی قبضہ کر کے اس کا پانی بند کردیا اور حضرت کی فوج والوں کو پیاسا ہی تباہ کرڈالنا چاہا۔ حضرت نے معاویہ کے پاس پیغام بھیجا کہ پانی روکنا مناسب نہیں مگر معاویہ کسی طرح نہیں مانا حضرت کی فوج نے اصرار کیا کہ حضور اجازت دیں ہم لڑکر پانی لائیں پہلے تو حضرت جنگ پر راضی نہیں ہوتے تھے مگر آخر میں مجبوراً اجازت دے دی تو حضرت کی فوج نے لڑکر گھاٹ پر قبضہ کرلیا۔ اب معاویہ بہت گھبرایا کہ پیاس سے ان کا لشکر ہلاک ہوگا مگر اس کے وزیر عمر وعاص نے کہا حضرت علیؑ تمہارے ایسے نہیں ہیں۔ وہ کفو کریم ہیں وہ ایسا نہیں کریں گے۔ معاویہ نے

مجبوراً جناب امیرؑ کے پاس درخواست بھیجی کہ ہمارے لشکر پر پانی بند نہ کیا جائے۔ حضرت تو کریم ابن کریم، رحمۃ للعالمین کے جانشین اور ساقی کوثر تھے جواب میں فرمایا ہم کسی پر پانی بند نہیں کرتے مطمئن رہو اور عام منادی کرادی کہ پانی سب کیلئے حلال ہے۔ دونوں لشکروں سے جس کو ضرورت ہو لے جائے۔

مذکورہ بالا بیانات اور تحریروں سے بھی اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کی بھی بہت جامع، مفصل تحقیقی اور عظیم الشان سوانح عمری شائع کرنے کی شدید ضرورت ہے جس کے مکمل شائع نہ ہونے سے ہمارے مذہبی سرمایہ میں ایک بہت بڑی کمی رہ جائے گی جس کے نہ ہونے سے اسلام کا دینی لٹریچر ناقص سمجھا جائے گا اور جس کے بغیر ہم فدایان جناب امیر علیہ السلام دوسری قوموں کے سامنے شرمندہ رہیں گے۔

اس وجہ سے اس جلیل القدر خدمت کے انجام دینے کی کوشش دفتر اصلاح کھجوا نے شروع کی ہے وھو حسبی و نعم الوکیل و نعم المولی و نعم النصیر۔ اگر تائید باری ہو گئی تو پوری امید ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کی یہ عظیم الشان، جامع، مکمل، تحقیقی، اور بے مثل و نظیر سوانح عمری جو کل مسلمانوں کے لئے ایک دینی نعمت عظمیٰ ہے، حفاظت دین حق و صراط مستقیم کا زبردست قلعہ ہے حمایت ایمان کا شاندار خزانہ ہے۔ اور حضرت کے حالات کی بڑی قیمتی اور قابل فخر انسائیکلو پیڈیا ہے اس چودھویں صدی کے مومنین عارفین کا قابل فخر علمی اور مذہبی کارنامہ ہو جائے خدا پر بھروسہ کرکے کوشش کی جائے گی کہ یہ حضرت کے حالات کا اتنا بڑا سرمایہ ہو جائے جس کے مقابلے کا دوسرا کہیں نظر نہ آئے۔ حضرت کے کل فضائل و مناقب حضرت کے کل اسلامی احسانات، حضرت کے کل ایمانی خدمات حضرت کی کل دینی خصوصیات حضرت کے کل ذاتی اور خاندانی امتیازات، حضرت کے کل تاریخی واقعات حضرت کی کل ازواج و اولاد و صحابہ و صحابیات کے مکمل سوانح حیات اس میں درج کر دیئے جائیں حضرت کے کل علمی و عملی مفاخر اور فضلی و حکمی آثار اس میں جمع کر دیئے جائیں اور قرآن مجید، احادیث رسول، تاریخی بیانات اور اغیار کے اعترافات سے ثابت کیا جائے کہ جس طرح خدا نے حضرت کو جناب رسول خدا کا نفس قرار دے دیا واقعاً حضرت اسی درجے پر تھے جو حضرت رسولؐ سے بالکل ملتا جلتا تھا اور سوائے نبوت و شرف رسالت کے دونوں بزرگوں میں کوئی فرق سمجھنا ہی نہیں چاہیے۔

پہلے خیال تھا کہ حضرت کے حالات کا یہ مکمل ذخیرہ (یا حضرت کے سوانح زندگی، فضائل و کمالات اور فیوض و برکات کی بے مثل و نظیر (انسائیکلوپیڈیا) بھی شاید سات جلدوں میں مکمل ہو سکے لیکن زیادہ غور و فکر سے اندازہ ہوا کہ یہ کام دس جلدوں سے کم میں پورا نہیں ہو سکتا۔ اس سبب سے دسوں جلدوں کے مضامین کی مختصر فہرست یہاں درج کی جاتی ہے۔ خدائے کریم

اس کتاب کو پورے اہتمام سے شائع کرادے اور عامہ ناس کی ہدایت کا بہترین ذریعہ قرار دے۔ وھو علیٰ کل شی قدیر۔ درحقیقت یہ کتاب حضرت امیر المومنین کے حالات کا وہ مجموعہ ہے جس کے اندر دس کتابیں شائع ہورہی ہیں۔ ہر کتاب حضرت کے حالات کے ایک حصے کا آئینہ ہوگا اور جو شخص کسی ایک جلد یا کتاب کو دیکھ لے گا وہ اس جلد یا کتاب کے حالات جاننے کیلئے دوسری جلدوں یا کتابوں کا محتاج نہیں رہے گا۔ اسی وجہ سے اس کی ہر جلد کا جو گویا علٰحیدہ علٰحیدہ کتاب ہوگی الگ الگ نام بھی تجویز کرلیا گیا ہے جس کی تفصیل اس طرح پر ہے۔

(۱) جلد اول یعنی پہلی کتاب ''اعجاز الولی'' جو اس کتاب کا دیباچہ یا مقدمہ ہے۔ اس میں یہ ثابت کیا جارہا ہے کہ جس طرح قرآن مجید اسلام کا زندہ معجزہ ہے کہ شروع سے آج تک اس کے کروڑوں مخالفین گزر گئے مگر کوئی بھی اس کا جواب نہیں لاسکا۔ بالکل اسی طرح حضرت رسول خداؐ کے اہل بیتؑ طاہرین اور خصوصاً حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بھی اسلام، دین خدا، صراط مستقیم اور حق مبین کا نہایت جلیل القدر اور بے مثل و بے نظیر معجزہ ہے کیونکہ حضرت کے مخالفین بھی کروڑوں گزر گئے جو آپ کے فضائل و کمالات اور دینی خدمات و اسلامی احسانات کے چھپانے بلکہ مٹانے کی ان تھک کوشش کرتے رہے اور اسلام میں آپ کا درجہ گھٹا کر دکھانے، دنیا کے سامنے حضرت کی بری تصویر پیش کرنے اور لوگوں کو آپ سے نفرت پیدا کرانے کیلئے دنیا کی بڑی زبردست اور قہار طاقتوں نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کردیا مگر وہ لوگ اپنی کوششوں میں ذرہ برابر کامیاب نہیں ہوسکے۔ نور خدا کو بجھا نہیں سکے حق کو مٹا نہیں سکے۔ دین مبین کو فنا نہیں کرسکے۔ اور کسی طرح آفتاب پر خاک نہیں ڈال سکے اور اب بھی حضرت کے علمی و عملی اور دینی و دنیوی کارنامے کتابوں میں اس کثرت سے بھرے ہوئے ملتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ کے سوائے کسی کے بھی نہیں مل سکتے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ خدا نے حضرت امیر المومنین کو حضرت سید المرسلین کا نفس قرار دے دیا ہے۔ اس جلد میں معتبر کتب تاریخ وحدیث وتفسیر وسیرۃ سے دکھایا جائے گا کہ اسلامی دنیا کا برتاؤ حضرت کے ساتھ ایسا رہا کہ حضرت کی فضیلت میں ایک آیت کی شان نزول یا کسی حدیث نبوی کا پتہ بھی مل جاتا تو قدرت خدا کی بے مثل و نظیر شان اور اسلام کا عجیب و غریب معجزہ ہوتا مگر ہر عہد کے مہربانوں کی ہر طرح عنایتوں کے بعد آج بھی اسلامی لٹریچر (خواہ عربی زبان میں ہو یا فارسی میں یا اردو میں) سیکڑوں آیتوں کی تفسیر سے بھرا پڑا ہے جو پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ حضرت امیر المومنینؑ کی شان ہی میں نازل ہوئیں دوسرا کوئی شخص ان آیات کا مصداق مدح نہ ہے نہ ہوسکتا ہے پھر حدیثوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہوسکتا۔

(۲) جلد دوم یعنی دوسری کتاب جس کا نام ''قرآن ناطق'' تجویز کیا گیا ہے انشاء اللہ حضرت کی وہ تصویر پیش کرے گا جو قرآن میں نظر آتی ہے۔ قرآن مجید کے تیس پارے ہیں اور غالباً ہر پارہ میں حضرت امیر المومنینؑ و اہل بیتؑ کے فضائل کی کچھ

آیتیں موجود ہیں۔ اسی ترتیب سے اس کتاب قرآن ناطق میں بھی وہ سب آیتیں جمع کی جائیں گی اور معتبر کتب تفسیر سے دکھایا جائے گا کہ یہ سب حضرت ہی کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور علماء اسلام نے لاکھ کوشش کی کہ وہ دوسرے لوگ ان آیات کے مصداق سمجھے جائیں مگر ان کی کل کوششیں ناکامیاب ہو کر رہ گئیں اور خود انہیں کے بڑے علماء کو اقرار کرنا پڑا کہ در حقیقت یہ سب حضرت امیر المومنینؑ اور اہل بیت طاہرینؑ ہی کی شان میں نازل ہوئیں۔

(۳) جلد سوم یعنی تیسری کتاب جس کا نام "فضل اکبر" تجویز کیا گیا ہے انشاء اللہ حضرت کی وہ خوبیاں دکھائے گی جو حضرت رسول خدا کی معتبر حدیثوں میں بھری ہوئی ہیں۔ حضرت کے فضائل و مناقب و مدح و ثنا و اظہار کمالات علم و عمل و مراتب و درجات و تقرب الی اللہ وغیرہ و امتیازات کی کل قابل انتخاب حدیثیں مع ترجمہ جمع کی جائیں گی۔ جو حضرات اہل سنت کی صحیح ترین کتابوں میں موجود ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن نسائی، موطاء، مستدرک امام حاکم، مسند امام احمد بن حنبل، استیعاب، اسد الغابہ، اصابہ، طبقات ابن اسعد، ریاض النضرہ، صواعق محرقہ، ینابیع المودۃ، کنز العمال، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ازالۃ الخفاء وغیرہ، میں مرقوم ہیں۔ اس جلد کی ترتیب و تالیف بھی انشاء اللہ اس حسن انتظام سے کی جائے گی کہ جو شخص صرف اسی جلد کا مطالعہ کرے وہ خود فیصلہ کرے کہ حضرت امیر المومنینؑ و اقعا نفس رسولؐ تھے اور حضرت رسول خدا کے بعد اسلام کا سرپرست اور محافظ ایسا ہی ولی خدا ہونا چاہیے جس کا درجہ حضرت رسول خدا سے اتنا ملتا جلتا ہو کہ دونوں میں بہت کم فرق معلوم ہو سکے۔ اور یہ کہ اگر خدا حضرت علی علیہ السلام کو پیدا نہیں کرتا تو حضرت رسول کو نبی بھی نہیں بناتا کیونکہ اسلام کی گاڑی بھی دونوں بزرگ جو ایک ہی نور کے دو جزو تھے چلا سکتے تھے۔

(۴) جلد چہارم یعنی چوتھی کتاب جس کا نام "حضرت امیر المومنینؑ" تجویز کیا گیا ہے حضرت کے تاریخی حالات کا آئینہ ہوگا۔ حضرت آدم سے جناب ہاشم تک حضرت امیر المومنینؑ کا شجرہ نسب لکھ کر اور اس کی خوبیاں بیان کرنے کے بعد جناب ہاشم، جناب عبد المطلب، جناب ابو طالب، جناب عبد اللہ حضرت رسول خدا اور ان کل حضرات کی ماؤں دادیوں، نانیوں، بہنوں اور بی بیوں کے حالات جمع کئے جائیں گے۔ پھر حضرت کی پیدائش، بچپن، جوانی اور حمایت اسلام کے واقعات لکھ کر آپ کے وہ کارنامے دکھائیں جائیں گے جن کی وجہ سے اسلام اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکا اور دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا گیا۔ مکہ معظمہ میں آپ نے حضرت رسول کو مدد کب کب اور کس کس طرح کی۔ پھر ہجرت کے وقت کیسی جان فروشی کی جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔ پھر مدینہ میں اسلام پر کیا کیا احسانات کرتے رہے کہ ہر غزوہ اور ہر جہاد کی فتح یابی کا سہرا آپ ہی کے سر پر بندھتا چلا گیا۔ پھر وفات رسولؐ کے بعد حضرت اول کے زمانے میں حضرتؑ نے اسلام اور مسلمانوں پر کیا کیا

شفقتیں کیں۔ کس طرح اس دین خدا کی حفاظت کا سامان کرتے رہے۔ پھر حضرت دوئم کے عہد میں آپؑ کے کون عظیم الشان کارنامے تاریخ کے زریں اوراق پر نظر آتے ہیں۔ اس دور میں دین الٰہی جن مشکلات میں مبتلا ہوتا گیا ان میں کس طرح حضرت اس کو بچاتے رہے۔ غیر مسلمین کے مقابلے میں کس طرح حاکم وقت کی مدد اور رہبری فرما کر بار بار ان کی زبان سے اعلان کراتے رہے کہ ''لولا علی لھلک فلاں'' (اگر حضرت علیؑ نہ ہوتے تو فلاں شخص تباہ و برباد ہو جاتے) پھر حضرت سویم کے زمانے میں حضرتؑ نے کس طرح اسلام پر کوئی آنچ آنے سے اس کو محفوظ رکھا کس کس نازک موقع پر ان کی حفاظت کی۔ کس طرح اپنے کو اسلام اور مسلمانوں کا سچا اور بہترین غمخوار ثابت کرتے رہے۔ کس کس طرح حضرت ممدوح کے مخالفین کو روکتے اور اسلامی احسان کا نمونہ پیش کرتے رہے۔ چونکہ دفتر اصلاح نے بفضلہ تعالیٰ خلیفہ اول و دوم کی مفصل سوانح عمری تو شائع کی مگر خلیفہ ثالث صاحب کی سوانح عمری لکھنے کا موقع نہیں پایا اس وجہ سے اسی جگہ اس کی تلافی بھی کر کے ان کے مفصل حالات شائع کر دیئے جائیں گے تا کہ ممدوح کی بھی گویا اصلی اور سچی سوانح عمری کی ضرورت پوری ہو جائے اور اس کمی کا عوض مختصر طور پر ہی ہو سکے۔ اس کے بعد حضرتؑ کی ظاہری خلافت، حضرت عائشہ، وطلحہ وزبیر کی مخالفت جنگ جمل کی تفصیل پھر معاویہ کا مقابلہ جنگ صفین کا بیان پھر خوارج کا فتنہ اور جنگ نہروان کے واقعات لکھ کر حضرت کی شہادت اور دفن کے حالات ذکر کئے جائیں گے۔

(۵) جلد پنجم یعنی پانچویں کتاب جس کا نام ''سادات متقین'' تجویز کیا گیا ہے حضرت کے قریبی متعلقین کے بارے میں ہوگی حضرت کی ازواج، اولاد، اصحاب کے حالات اور شیعوں کے فضائل اس میں جمع کئے جائیں گے۔ اکثر مومنین کو اس کا اشتیاق رہتا ہے کہ حضرت رسول خداؐ کے ایماندار صحابہ کی فہرست معلوم کریں اور ان کے حالات سے واقف ہوں مثلاً جناب ابوذر، جناب سلمان، جناب مقداد، جناب عمار، جناب حجر بن عدی، جناب طرماح بن عدی، جناب میثم تمار، جناب رشید ہجری، جناب مالک اشتر، جناب کمیل ابن زیاد، جابر بن عبداللہ وغیرہ۔ ان کے مفصل حالات درج کر دیئے جائیں گے۔ ساتھ ہی ایماندار صحابی بیبیوں کے حالات بھی پوری تفصیل سے لکھنے کی کوشش کی جائے گی۔ انشاء اللہ ان کل نیک مردوں اور بیبیوں کے کافی حالات جمع کرنے کی پوری جدوجہد کی جائے گی۔ تا کہ یہ جلد ہی اسلامی تاریخ کا بہت بڑا سرمایہ ہو جائے اور ناظرین کتاب کی اسلامی تاریخی معلومات میں قابل قدر اضافہ ہو سکے۔ حضرت امیر المومنین کے ان صاحبزادوں کے حالات بھی جو بطن جناب سیدہؑ سے نہیں تھے پوری تفصیل سے جمع کئے جائیں گے۔ جیسے جناب محمد بن حنفیہ یا حضرت عباسؑ وغیرہ اور دکھایا جائے گا کہ ان حضرات نے بھی تاریخ و سیرۃ کے اوراق پر عزت و شرف کے وہ یادگار نقوش چھوڑے ہیں جن کی مثال پیش کرنے سے آج تک زمانہ عاجز رہا۔ گویا

حضرات درجہ عصمت و امامت پر فائز نہیں ہوئے مگر اپنے علمی و عملی امتیازات سے ان کل پیشوایان دین سے بڑھ گئے جن پر اسلام کے دوسرے فرقے ناز کرتے ہیں۔ حضرت کے غلام قنبر اور کنیز فضہ کے جو حالات معتبر کتابوں میں مل سکیں گے ان سب کو بھی اس جلد میں لکھ دینے کی پوری کوشش کی جائے گی اس طرح اس جلد کو حضرت کے کل متعلقین کے حالات کا بھی مکمل خزانہ بنانے کی پوری جدوجہد کی جائے گی۔

(۶) جلد ششم یعنی چھٹی کتاب جس کا نام "خلیفۃ اللہ والرسول" تجویز کیا گیا ہے حضرت کی خلافت کے بیان میں ہوگی۔ اس میں انشاء اللہ حضرت کی خلافت بلافصل کی مکمل دلیلیں لکھی جائیں گی۔ پہلے عقلی دلیلوں سے ثابت کیا جائے گا کہ جناب امیرؑ کے سوائے حضرت رسولؐ کا کوئی خلیفہ بلافصل ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر حضرت رسول اللہؐ خدا کے سچے پیغمبر تھے تو حضرت علیؑ بھی آنحضرتؐ کے خلیفہ بلافصل تھے۔ دوسرے کسی شخص میں خلافت رسول اور امامت اسلام کی شرطیں موجود ہی نہیں تھیں اور نہ کسی میں خلافت کے اوصاف پائے جاتے تھے۔ جس طرح حضرت رسولؐ کے زمانے میں (مسلیمہ کذاب) مسیلمہ سجاح، اسود عنسی وغیرہ جھوٹے مدعیان نبوت کے کھڑے ہونے سے آنحضرتؐ کی نبوت میں کوئی شک نہیں ہوا اسی طرح حضرت امیر المومنینؑ کے زمانے میں بھی تینوں صاحبوں کے خلیفہ بن جانے یا بنا دیے جانے یا دوسروں کے مان لینے سے حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت بلافصل میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد قرآن مجید کی وہ آیتیں لکھی جائیں گی جن سے حضرت کا خلیفہ بلافصل رسولؐ ہونا مثل آفتاب واضح ہو جاتا ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں اور ان کے صاحبزادے جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے مشہور کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں اپنے تینوں حضرات خلافت کو حق اور صحیح ثابت کرنے کیلئے جس قدر زور لگایا ہے اس پر مکمل تبصرہ بھی کر دیا جائے گا۔ تاکہ اس عظیم الشان سوانح عمری کے دیکھنے والوں کو خلافت حضرت امیر المومنینؑ کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہ ہو سکے۔ اسی جلد میں غیر مسلم محققین کے اقوال بھی جو حضرت امیر المومنینؑ اور باقی گیارہ اماموں نیز فرقہ شیعہ کے مدح یا تائید یا تفضیل میں مل سکیں اصل انگریزی عبارتوں میں ٹائپ پر چھپا کر ملا دی جائیں گی اور ان کے اردو ترجمے بھی شائع کر دیے جائیں گے۔ جس طرح رسولؐ کی سوانح عمری میں حضرت کے نبی برحق ہونے کی دلیلیں دینا ضروری ہیں اور بغیر اس کے وہ سوانح عمری حضرت کی مکمل سیرۃ نہیں ہو سکتی۔ بالکل اسی طرح جناب امیرؑ کی سوانح عمری میں حضرت کے جائز صحیح اور برحق خلیفہ رسولؐ ہونے کی دلیلیں جمع کر دینا نہایت اہم ہے اور بغیر ان ادلہ کے حضرت کی سیرۃ مبارکہ بھی ناقص ہی تصور کی جائے گی۔ جب خدائے کریم نے حضرت کی خلافت بلافصل کا اعلان کرنے کیلئے حضرت پر وحی نازل کی کہ وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ اے رسولؐ اگر تم نے علیؑ کی خلافت بلافصل کا یہ حکم نہیں پہنچایا تو رسالت کا کوئی

کام کیا ہی نہیں۔ (پارہ ۶ رکوع ۱۴) تو حضرت کی مکمل سوانح عمری لکھنے والے کے لئے کیونکر جائز ہوسکتا ہے کہ حضرت کے حالات تو جمع کرے مگر حضرت کی خلافت بلافصل کا ذکر نہ کرے۔ پھر اس سوانح عمری کو بھی دنیا کہہ سکتی ہے کہ حضرت علیؑ کی سوانح عمری ہی نہیں ہے۔ اگر مذہب شیعہ کو زندہ رکھنا ہے تو ہر شیعہ بچہ کے ذہن میں اس اعتقاد کو مستحکم رکھنا بھی ضروری ہے کہ شیعہ وہی ہوسکتا ہے جو حضرت امیر المومنینؑ کو حضرت سید المرسلینؐ کا خلیفہ بلافصل مانے اور اس اعتقاد کی عقلی اور نقلی دلیلوں کا جاننا بھی ساتھ ہی لازم ہے۔ جب سواد اعظم کے بڑے بڑے علماء حضرت اول و دوم وسوم کی خالفت کو صحیح ثابت کرتے رہنے میں اپنی عمریں صرف کرتے رہے اور اب بھی کرتے ہیں اور حضرت امیر المومنینؑ کو آپ کی اصلی جگہ سے ہٹا کر چوتھے درجے پر پہنچا دینے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے رہتے ہیں تو اس باطل پروری اور بطلان کوشی کو کیوں نہ روکا جائے اور حق کی طرف لوگوں کو کیوں نہ دعوت دی جائے جس کیلئے خدا نے صاف حکم دیا ہے۔

اُدعُ الیٰ سبیلِ ربک بالحکمۃِ و الموعظۃِ الحسنۃ و جادلھم بالتی ھی احسن۔

اپنے رب کے سیدھے راستے کی طرف لوگوں کو ہوشیاری اور اچھی نصیحت سے بلاتے اور ان کے ساتھ خوبصورت عنوان سے بحث ومناظرہ کرتے رہو۔

(۷) جلد ہفتم یعنی ساتویں کتاب جس کا نام ''سیرۃ الوصی'' بہتر معلوم ہوتا ہے، حضرت کی اصلی سیرت کا جوہر پیش کرے گی۔ اس جلد کو اس سوانح عمری کا تاج یا سر سمجھنا چاہیئے۔ خدا نے جب فرشتوں سے کہا تھا کہ:

انی جاعل فی الارض خلیفۃ. میں ہی کسی کو زمین میں خلیفہ مقرر کرتا رہوں گا۔

تو فرشتوں نے عرض کی تھی کہ کیا ضرورت ہے؟ تو خدا نے حضرت آدمؑ کو علم کے اعلیٰ درجے پر پہنچا کر فرشتوں کو جواب دیا کہ جو باتیں آدمؑ کو معلوم ہیں وہ تم بھی بتادو۔ اس سے خدا نے اپنا یہ اصول واضح کر دیا کہ جس کو زیادہ علم ہوگا صرف وہی خلیفہ ہوسکتا ہے۔ اگر علم والے کے مقابلے میں فرشتے بھی ہوں گے تو وہ محروم کردیئے جائیں گے اور فرشتوں کے اجماع سے بھی کوئی شخص خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ بس خلافت کا یہی معیار ہے۔ ہر زمانے میں خدا نے اسی شخص کو نبی اور رسول بنایا جو سب سے زیادہ علم والا تھا۔ اور ہر نبی کا خلیفہ اور وصی بھی ایسے ہی شخص کو مقرر کیا جو اس زمانے میں رسول کے بعد سب سے زیادہ علم والا ہوا۔ اسی اصول کے مطابق حضرت رسولؐ کا خلیفہ بھی حضرت امیر المومنینؑ کو بنایا جو حضرت کے بعد سب سے زیادہ علم والے تھے۔ سوانح عمری کی اس جلد میں حضرت کے علوم وفنون ومعارف وحکم ومصنفات وقضایا وجہاد وعبادت ومکارم اخلاق کی تفصیلی حالت بیان کی جائے گی۔ حضرت کے دینی ودنیوی امتیازات اور علمی وعملی کمالات کی توضیح کرکے حضرت کا اصلی جوہر دکھایا جائے گا۔

حضرت کیا تھے؟ اس کی تحقیق، صفات نبوت وخصائل رسالت ولوازم ہدایت سے حضرت کو کتنا حصہ ملا تھا۔ ارشاد ناس میں آپ کا کیا درجہ تھا اس کی شرح۔ تعلیم نفس، تربیت وصلاح، تزکیہ روح اور تکمیل مکارم اخلاق میں حضرت کا کیا مرتبہ تھا اس کی تصویر۔ حضرت کے محیر العقول علمی کارناموں، معجزنما فیصلوں، اور مافوق العادۃ تحقیقات کی فہرست، حضرت کی سچی پیشین گوئیوں کا مفصل تذکرہ، حضرت کی بے مثل وبے نظیر کتابوں نہج البلاغہ۔ دستور معالم الحکم، غرر ودرر دیوان صحیفہ علویہ وغیرہ کی جلالت قدر اور ان کے ترجموں اور شرحوں پر مفصل تبصرہ کیا جائے گا۔ غرض حضرت کی صفاتی ذاتی اور روحانی ونفسانی معراج کی تصویر کشی پوری طرح اسی جلد میں کی جائے گی۔ اور زبان حال سے دنیا کو خطاب کر کے یہ شعر پڑھا جائے گا۔

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

اے بھائیو! دیکھو اور آنکھیں کھول کر کہ ہمارے پیشوایان دین ایسے تھے اگر تم کو بھی ایسے میسر ہوئے ہوں تو دکھادو۔

(۸) جلد ہشتم یعنی آٹھویں کتاب جس کا نام "عصمۃ المرتضیٰ" اچھا معلوم ہوتا ہے حضرت کے معترضین کی زبان بندی کے لئے ہوگی۔ اس میں تحقیق کی جائے گی کہ حضرت رسول خدا سیاست وحکومت میں کس درجے پر تھے۔ کیا آپ نے حکومت کا کام کسی اور شخص کے حوالہ کر دیا تھا؟ یا خود ہی مسلمانوں کے مذہبی پیشوا، ہادی معلم بھی تھے اور دنیوی امیر، سردار اور حاکم بھی بالکل اسی طرح حضرت کے قائم مقام کو بھی مذہبی پیشوا، ہادی، معلم، امیر، سردار اور عالم بھی ہونا چاہئے یا کوئی ایسا شخص مانا جائے گا جو ان صفات نبوت ولوازم رسالت میں حضرت کا بالکل عکس ہو۔

حضرت امیر المومنینؑ کی سیاست کی پوری تحقیق کمال تفصیل اور جامعیت سے کی جائے گی۔ پھر حضرت پر علمی عملی دینی و دنیوی سیاسی اور اخلاقی اور جنگی وسیاسی جس قدر اعتراضات ہوتے یا ہو سکتے ہیں ان سب کو مفصل جمع کر کے، ان پر پوری تحقیق سے تبصرہ کیا جائے گا حضرت کی سیرت کے کل محاسن امتیازات ومفاخر خصوصیات کی تحقیق، حضرت نے اسلام پر جو احسانات کئے ان کی تفصیل مسلمانوں کو جو جنگی، مذہبی، اخلاقی، علمی اور عملی فائدے پہنچائے ان کی توضیح۔ ہر طرح حضرت کی عصمت پر نقد وتبصرہ، حضرت کے ہر قول وفعل کی اس حیثیت سے جانچ کہ عقل نے اس کو پسند کیا یا نہیں یا پسند کر سکتا ہے یا نہیں۔ فرض کیجئے دنیا حضرت کی ایک یا متعدد باتوں کو ناپسند کرتی اور موجب طعن جانتی ہے مگر حضرت کے معبود اور دنیا کے مالک نے بھی ان امور کو مکروہ یا نامناسب جانا ہوگا یا نہیں۔ یا عقل سلیم بھی ان باتوں کو قابل اعتراض کہہ سکتی ہے یا نہیں۔

(۹) جلد نہم یعنی نویں کتاب جس کا نام ممکن ہے "محسن عالم" پسند کیا جائے یہ دکھائے گی کہ حضرت امیر المومنینؑ نے موجودات عالم کے کس کس حصے پر کیا احسان کیا (الف) جمادات، نباتات اور حیوانات پر حضرت کے احسانات (ب) نوع

انسان پر حضرت کے احسانات۔(ج) دین اسلام پر حضرت کے احسانات (د) صحابہ پر (ہ) ازواج رسول پر (و) حضرت ابوبکر پر (ز) حضرت عمر پر (ح) حضرت عثمان پر (ط) معاویہ اور بنی امیہ پر (ی) اہل علم وعمل وحکام ورعایا وغیرہ پر۔

(۱۰) جلد دہم یعنی دسویں کتاب جس کا نام "مشاہد مشرفہ" تجویز کیا گیا ہے (مکہ معظمہ جہاں حضرت کا اصلی وطن تھا۔ مدینہ منورہ جہاں اسلامی قیام رہا، کوفہ جو حضرت کا دار الخلافۃ تھا، نجف اشرف جو حضرت کا مدفن ہے) پھر حضرت کی اولاد کے مدفنوں (کربلائے معلیٰ، سامرہ، کاظمین اور خراسان وغیرہ) کے تاریخی اور جغرافیائی حالات اس کتاب میں لکھ کر کتاب کی تکمیل کردی جائے گی۔ اگر خدا نے ہمیں اتنی عمر، طاقت اور صحت دی کہ ان سب کو مکمل لکھ کر شائع کرسکیں تو اس کے ہزاروں احسانوں میں یہ درخشاں احسان ہوگا۔ ورنہ دوسرے اہل علم اس سلسلے کو پورا کرسکتے ہیں کیونکہ ہمارے خیال میں دسویں جلدیں ضروری اور ان سب کے مضامین ہمارے دین ومذہب کیلئے بہت مفید اور اہم ہوں گے۔ ممکن ہے ابھی بہت سی باتیں ایسی رہ گئی ہوں جن کیلئے کسی اور جلد کا اضافہ بہتر سمجھا جائے۔ لیکن کسی جلد کو کم کرنا یا کسی جلد کے مضامین کو نکال دینا ہمارے خیال میں مناسب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حضرت کی ذات تنہا علیؑ کی ذات نہیں تھی بلکہ دنیا کے تمام محاسن کا دفتر تھی۔ تمام عالم کے کل مفاخر کا خزانہ تھی اور جمیع انوار ارشاد وہدایت کا ذخیرہ تھی۔ شاعر نے خوب کہا ہے:

تعریف علیؑ بہ گفتگو ممکن نیست
گنجائش بحر در سبو ممکن نیست

نفس رسولؐ

جلد اول

مسمّٰی بہ

اعجاز الولی

اس کے مطالب چند بابوں میں بیان کئے جاتے ہیں

باب اوّل

دنیائے اسلام میں تصنیف وتالیف کی ابتداء کب اور کیونکر ہوئی اور کیا اس زمانے میں حضرت کی صحیح اور مکمل سوانح عمری کا لکھنا آسان ہے؟

خدائے علیم وقدیر کا نام لے کر اس عظیم الشان سوانح عمری کا کام شروع تو کردیا گیا مگر قدم قدم پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت کی پوری اور واقعی سوانح عمری کا مرتب کرنا آسان بھی ہے؟ کیا کوئی شخص حضرت کے حالات زندگی کو جمع کرنا چاہے تو وہ کامیاب بھی ہوسکتا ہے۔؟ کیا ہمارے مہربانوں نے جن کی عنایتوں کا سلسلہ حضرت رسول خداؐ کے زمانے سے جاری ہے تاریخ کو اس قابل رکھا بھی ہے کہ اس سے حضرت امیر المومنین کے حالات نکالے اور ترتیب دیئے جاسکیں؟ ہمارا جواب تو ان سب کے بارے میں یہی ہے کہ نہیں بلکہ یہ خدمات بہت مشکل، بہت پریشان کن اور بہت مدت طلب ہیں ایک معمولی صحابی کی سوانح عمری لکھنا بہت آسان مگر حضرت امیر المومنینؑ کے سوانح مبارکہ کا مرتب کرنا حضرت کی اصلی خوبیوں کو بیان کرنا، حضرت کے صحیح حالات زندگی کو جمع کرنا نہایت دشوار ہے۔ اس کی وجہ کوئی راز یا معمہ نہیں ہے سب جانتے ہیں اور تاریخ اسلام پکار پکار کر کہتی آئی ہے کہ شروع سے اسلامی واقعات کے لکھنے والے صرف وہی اہل قلم آزاد تھے جو جناب امیرؑ اور حضرات اہل بیتؑ طاہرین پر نہایت درجہ مہربان رہے ہیں۔ وہ ایسے مہربان تھے کہ ان حضرات کا نام تک لینا نہ خود پسند کرتے تھے نہ ان کے زمانے کی حکومت سے ان کو اس کی اجازت مل سکتی تھی۔ نہ ان کے اعزا واحباب ان کو ایسا کرنے دے سکتے تھے۔ پھر وہ لوگ حضرت کا حال لکھ کر اپنی ذات کو اپنے اہل وعیال کو اور اپنے اعزا و متعلقین کو ہلاک کرانا اور اپنی عزت و دولت، جائیداد، اسباب میں آگ لگتے دیکھنا کیونکر پسند کرتے؟ یہ بہت بڑا نکتہ ہے اس وجہ سے اس کے سبب کو تفصیل سے جاننا ضروری ہے تا کہ معلوم ہوسکے باوجود ان ہزاروں بندشوں اور بے حساب رکاوٹوں کے حضرت کے جو حالات ہمیں اب بھی مل جاتے ہیں یہ صرف خدا کی قدرت جس نے وعدہ کر رکھا ہے:۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (سورہ صف، آیت ۸)

یہ لوگ اپنے منہ سے پھونک مار کر نور خدا کو بجھانا چاہتے ہیں مگر خدا اس کو پورا کر کے رہے گا اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔

یہ مضمون بہت اہم اور غور طلب اور نہایت درجہ نتیجہ خیز ہے اس سبب سے اس کو سوانح مبارک کا سنگ بنیاد سمجھنا اور ایک ایک حرف کو ذہن نشین کر لینا چاہئے تا کہ بعد کے مضامین و مطلب کی عظمت واضح ہو سکے۔ پہلے چند تحریریں نقل کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اسلام میں تفسیر، تاریخ، حدیث، سیرۃ وغیرہ کے لکھنے کا سلسلہ کیونکر جاری ہوا۔

پہلی تحریر ایک معتبر معاصر کی ہے۔ لکھنؤ سے عربی زبان میں اردو ترجمے کے ساتھ ایک معتبر رسالہ البیان نکلتا تھا جو کچھ اہل علم اہل سنت حضرات شائع کرتے تھے اس کے بڑے فاضل اور وسیع النظر ایڈیٹر مولوی عبداللہ العمادی صاحب تھے جو اعلیٰ درجے کی تحقیقی کتابوں کے مصنف بھی تھے ان کا مندرجہ ذیل مضمون پڑھنے کے قابل ہے۔

اسلام میں کتابوں کی تالیف و تصنیف کی
ابتداء پہلی صدی ہجری میں ہوئی

لوگ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے اور نیز صحابہ کے زمانہ میں کتابوں کے نام سے کوئی واقف نہ تھا۔ تصنیف و تالیف کی بناء دوسری صدی ہجری میں پڑی اور پہلے پہل ربیع بن صبیح و سعید ابن ابی عروبہ نے کتابیں تالیف کیں اور بعض مورخین کا یہ قول ہے کہ اسلام میں ابتداء جو کتاب تصنیف ہوئی وہ ابن جریج کی کتاب تھی۔ اور بقول بعض موطا امام مالک تھی۔ بعض حضرات نے ان اقوال کو احادیث و آثار نبوی بلکہ اسلام کی ابتدائی تاریخ کے متعلق طعن کرنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ ان میں خصوصاً یورپ کے مستشرقین کی یہ حالت ہے کہ ہزار ان سے کہا جائے کہ اہل عرب کا حافظہ نہایت وسیع تھا۔ ذہن میں صدور سینہ کی روانی تھی، تنقید اور جرح و تعدیل ان کا خاص حصہ تھا۔ لیکن اس طبقہ کی عادت یہ ہے کہ بجز ان باتوں کے جو کتابوں میں کسی طریقے سے لکھی ہوں، زبانی بیان کو صحیح نہیں مانتے اس لئے کہ بسا اوقات طبیعت غافل ہو جاتی ہے، ذہن غائب رہتا ہے، حافظہ میں فراموشی آجاتی ہے مگر زبان قلم کو بات یاد رہتی ہے بھولتی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود تورات کے واقعات و تاریخ کا یہ فرقہ معتقد نہیں کیونکہ عقیدہ ان کا یہ ہے کہ تورات حضرت موسیٰؑ کے بہت زمانہ بعد تحریر ہوئی۔ چنانچہ خاص تورات کی جو انسائیکلوپیڈیا یورپ نے تیار کی ہے اس بحث کی تحقیق اس میں بصراحت موجود ہے۔ شبہ۔ بہت دن سے میرے دل میں تھا۔ آخر تحقیقات کے بعد جس میں ایک زمانہ دراز تک میں نے اس امر کی اصل حقیقت دریافت کرنے میں سخت تکلیف اٹھائی، مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ حقیقت حال عام رائے کے خلاف ہے تاریکی ہر جانب سے محیط ہو گئی ہے روشنی جاتی رہی اور لوگ اندھیرے میں پڑے ہیں دیکھ نہیں سکتے۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ

اسلام میں کتابوں کی تالیف وتصنیف کی ابتداء دوسری صدی ہجری میں نہیں ہوئی بلکہ شروع اسلام سے اس کا پتہ چلتا ہے والحمد للہ۔

قدیم اسلامی کتابوں اور پہلی صدی ہجری کے بابرکت آثار میں، میں نے اچھی طرح نظر ڈالی اور صحابہ کے واقعات و حالات کا تتبع کیا تو معلوم ہوا کہ خود صحابہ میں ایک گروہ نے کتابیں تالیف کی تھیں اور رسول اللہؐ کے آثار مبارک جمع کئے تھے۔لیکن شدت احتیاط اور غلطی سے بچنے کیلئے آخر میں یہ کتابیں چاک کر ڈالیں۔خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق نے ایک کتاب لکھی تھی جس میں چار سو سے زیادہ حدیثیں جمع کی تھیں چنانچہ تذکرۃ الحفاظ کے شروع ہی میں ہمارے شیخ المشائخ امام ذہبی نے اس خبر کو بہ سند بیان کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ حضرت ابوبکر نے آخر عمر میں یہ کتاب اس خوف سے چاک کر ڈالی اور مٹادی کہ اس میں کوئی غلطی نہ رہ گئی ہو۔(تذکرۃ الحفاظ ذہبی قلمی) تنویر الحوالک میں علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ ہردی نے ذم الکلام میں زہری کی یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ عروہ بن زبیر نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عمر نے چاہا کہ حدیث میں ایک کتاب تالیف کریں، اس بارہ میں صحابہ سے مشورہ کیا تو سب نے یہی رائے دی۔حضرت عمر کو اس امر میں شک تھا، ایک مہینے تک استخارہ کرتے رہے۔آخر خدا نے یہ مشکل حل کر دی، صبح کو ایک دن اٹھے اور صحابہ سے فرمایا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میں نے کتاب السنن لکھنے کو کہا تھا۔ اس کے بعد میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اہل کتاب (یہودی ونصاریٰ) نے بھی بہت سی کتابیں لکھی تھیں۔نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں کتابوں میں منہمک ہو گئے اور کتاب اللہ چھوڑ دی۔خدا کی قسم میں کتاب اللہ میں کسی دوسری کتاب سے التباس نہ ہونے دوں گا اس کے بعد کتاب لکھنے کا ارادہ فسخ کر دیا۔(تنویر الحوالک سیوطی قلمی) اسی واقعہ کو طبقات ابن سعد میں قبیصہ بن عقبہ نے سفیان سے بحوالہ معمر زہری سے روایت کیا ہے۔باایں ہمہ احتیاط حضرت عمر کی عادت تھی کہ جب کوئی مشکل مسئلہ آپڑتا تو اس میں کوئی نہ کوئی رسالہ ضرور لکھتے امام مالک نے اپنی سند سے ابن مریٰ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر کے پاس بیٹھا تھا، نماز ظہر پڑھنے کے بعد انہوں نے اپنے غلام یرقا کو آواز دی کہ وہ کتاب تولانا۔وہ کتاب انہوں نے عمر کی میراث میں لکھی تھی اور خدا سے استخارہ کیا تھا کہ عمر کو کچھ ترکہ ملے گا یا نہیں، یرقا جب اسے لے آیا تو ایک طشت میں یا قدح میں پانی منگوا کر کتاب دھو ڈالی اور کہا کہ خدا کو اگر اس ترکہ کا بیان پسند ہوتا تو قرآن ہی میں نہ بیان کرتا۔(موطا امام محمد باب میراث العمہ صفحہ ۳۱۶)

کتاب الامامت والسیاست سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی وہ کتابیں لکھتے رہے مگر اس خوف سے کہ قرآن شریف سے مل جل نہ جائے پھر مٹا ڈالتے تھے۔ان کے مرض الموت کے واقعات میں مذکور ہے کہ اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا کہ مقوے مجھے دینا۔خدا کو اگر منظور ہوتا خود ہی بیان کرتا، یہ کہہ کر اپنے ہاتھ سے کتاب چاک کر ڈالی۔اس کتاب میں دادا کی میراث کا بیان تھا۔(کتاب الامامت والسیاست جلد ا صفحہ ۳۶)

ایسا ہی واقعہ عبداللہ بن عمرو ابن العاص کا بھی ہوا۔ رسول اللہؐ کے متعلق انہوں نے دو کتابیں لکھی تھیں۔ ایک میں لکھا تھا کہ رسول اللہؐ نے یہ فیصلے کئے اور یہ باتیں فرمائیں۔ دوسری کتاب حوادث وفتن کی تھی۔ شفی اصبحی نے یہ دونوں کتابیں ان سے سنی تھیں۔ چنانچہ ابوسعید بن یونس نے تاریخ مصر میں حیاۃ بن شریح سے روایت کی ہے کہ میں حسین بن شفی بن ماتع الاصبحی کے پاس گیا تو وہ یہ کہہ رہے تھے کہ فلاں (ایک شخص کا نام لیا) سے خدا سمجھے میں نے پوچھا کیا ہوا؟ جواب دیا کہ اس نے وہ دونوں کتابیں جو شفی نے عبداللہ بن عمر سے سنی تھیں خود در باب جوڑے جہازوں ان کے بیچ پھینک دیں۔ یہ دونوں جہاز بل کے پاس فسطاط (مصر قدیم) کے قریب رہا کرتے تھے اور اتنے بڑے تھے کہ ان کے بیچ سے اور کشتیاں گزرا کرتی تھیں اس واقعہ کو مقریزی نے کتاب الخطط والآثار میں بیان کیا ہے۔ (کتاب الخطط والآثار للمقریزی) تالیف وتدوین میں ان بزرگوں کی یہ حالت تھی اور کلام اللہ کا ان کو اتنا خیال تھا کہ ڈرتے تھے کہیں ان کتابوں کی عبارتیں قرآن شریف سے گڈمڈ ہو جائیں لیکن یہ احتیاط صرف مذہب تک تھی، ماورائے مذہب، کتاب الامامت والسیاست سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تورات کا عبرانی سے عربی میں ترجمہ کیا تھا چنانچہ کتاب مذکورہ میں لکھا ہوا ہے کہ عوام نے حضرت عثمان پر شورش کی، اور دار الخلافہ کو گھیر لیا اور ان کو قتل کرنا چاہا تو حضرت عبداللہ بن سلام نے جو وہیں محصور تھے، مکان کی چھت پر چڑھ کر کہا کہ "اے عثمان کے مکان کا محاصرہ کرنے والو! اے مہاجرین وانصار! اے مسلمانو! عثمان کو قتل نہ کرو۔ اس لئے کہ عثمان کا ہر مسلمان پر وہی حق ہے جو باپ کا بیٹے پر ہوتا ہے۔ میں نے ان کے اوصاف تورات میں دیکھے ہیں۔ جس کو خدا نے حضرت موسیٰ پر اتارا تھا اور دست قدرت نے عبرانی میں لکھا تھا اور تمہارے اسی مظلوم شہید خلیفہ نے عربی میں اس کا ترجمہ کیا تھا۔

(کتاب الامامت والسیاست جلد ۱ صفحہ ۱۷)

خلفائے راشدین کے آثار وتالیفات سے بجز ان چند کتابوں کے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب ہیں اب کوئی باقی نہیں۔ ان کتابوں کے راوی کئی بزرگ ہیں لیکن ہم نے صرف شیعہ امامیہ کی روایت سے ان کو پایا ہے۔ ان میں ایک کتاب ہے:۔

"خطب امیر المومنین علی المنابر فی الجمع والاعیاد وغیرہا" اس کتاب کے جامع زید بن وہب ہیں جو تابعی تھے۔ ابوجعفر بن محمد بن حسن طوسی اس کو اپنی سند سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے احمد بن محمد بن موسیٰ نے احمد بن محمد بن سعید سے بحوالہ یعقوب بن یوسف بن زیاد ضبی خبر دی کہ نصر بن مزاحم منقری نے عمرو بن ثابت سے صلیہ بن حرث کے واسطے سے اور عمر بن سعد نے ابو مخنف لوط بن یحییٰ کے واسطے سے بیان کیا کہ ابو منصور جشمی نے زید بن وہب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے امیر المومنینؑ کے خطبے روایت کئے اور پھر کتاب مدرج کی ہے۔ ایک راوی ابراہیم بن محمد بن سعید بن ہلال ثقفی ہیں جو خود بھی کئی کتابوں کے مولف ہیں ان کی ایک کتاب ہے "رسائل امیر المومنین" جس کو ابوجعفر نے احمد بن عبدون سے بروایت علی

ابن محمد بن زبیر قرشی، عبدالرحمٰن بن ابراہیم مستملی کی سند سے ابراہیم بن محمد بن سعید ثقفی سے روایت کیا ہے۔ ایک راوی عبد اللہ بن ابی رافع صحابی ہیں جو حضرت علیؑ کے منشی تھے ان کی کتاب ''قضایا امیر المومنین'' ہے جس کو محمد ابن الحسن نے اپنی سند سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ مجھے اس کتاب کی خبر احمد ابن عبدون نے ابوبکر دوری سے بہ وساطت ابوالحسن محمد بن جعفر بن محمد بن حسین بن جعفر بن حسن بن حسن بن علی ابن ابی طالب کے دی اور کہا کہ احمد بن عبدالمنعم نے مجھ سے حسن بن حسین بجلی کے ذریعہ سے علی بن قاسم کنانی کی روایت بیان کی کہ محمد ابن عبداللہ بن ابورافع نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے خاص امیر المومنینؑ سے یہ کتاب سنی تھی۔ اس کے بعد پوری کتاب درج کی ہے۔ ایک دوسرے راوی اصبغ بن نباتہ ہیں جو حضرت علیؑ کے خاص اصحاب میں تھے۔ اور آپ کے بعد بھی زندہ رہے۔ انہوں نے عہد مالک بن حارث الاشتر النخعی اور حضرت علیؑ کی وصیت جو اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو کی تھی، یہ دونوں چیزیں روایت کی ہیں۔ کتاب العہد کے متعلق محمد بن الحسن کہتے ہیں کہ مجھے اس کی خبر ابن ابی الجید نے بذریعہ محمد بن الحسن سید حمیری کی سند سے دی اور انہوں نے ہارون بن سلام وحسن بن طریف دونوں بزرگوں سے بواسطہ حسین بن علوان کلبی، سعد بن طریف سے سنا کہ اصبغ بن نباتہ نے امیر المومنین سے کتاب العہد کی روایت کی۔ رہی کتاب الوصیہ تو اس کو محمد بن الحسن اپنی سند سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حسن بن عبیداللہ نے بذریعہ دوری (دوری کا پورا نام احمد بن عبداللہ بن احمد ہے) محمد بن احمد بن ابی الثلج سے جعفر بن محمد الحسنی کی سند پر علی بن عبدک صوفی سے حسین بن علوان کے حوالے سے بیان کیا کہ سعد بن طریف نے اصبغ بن نباتہ مجاشعی کی روایت بیان کی کہ امیر المومنینؑ نے محمد بن حنفیہ کو کتاب الوصیت تحریر کی تھی۔ اس کے بعد پوری کتاب نقل کی ہے یہ کتابیں اہل سنت کے نزدیک حضرت علیؑ سے ثابت نہیں ہیں اس لئے کہ سنیوں کی رائے میں اصبغ بن نباتہ وابراہیم ثقفی وزید بن وہب نے خود یہ کتابیں وضع کر کے حضرت علی علیہ السلام سے منسوب کردی تھیں لیکن یہ تو معلوم ہے کہ یہ سب صاحب پہلی صدی ہجری کے تھے۔ لہٰذا ان کی یہ کتابیں بھی پہلی ہی صدی کی ہوں گی اور اسی صدی کی تالیفات کا ہم تذکرہ بھی کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا مقصود صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ اہل عرب نے پہلی ہی صدی میں کتابیں تالیف کرنا شروع کردی تھیں۔ خواہ یہ کتابیں حضرت علی علیہ السلام کی ہوں یا کسی اور کی۔ مطلب ایک ہے۔ اس صدی کے ایک مولف ابوالصلت زائدہ بن قدامہ ثقفی الکوفی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی تقریب میں فرماتے ہیں کہ زائدہ مستند وثقہ کتاب السنۃ کے مولف، ساتویں طبقہ میں سے تھے ۶۰ھ میں اور بقول بعض اس کے بعد وفات پائی (تقریب التہذیب ص ۱۲۶) علامہ ابن الندیم فرماتے ہیں کہ ۶۱ھ یا ۶۰ھ میں جب حسن بن عطیہ نے روم پر لشکر کشی کی، زائدہ نے اسی جنگ میں انتقال کیا۔ ان کے مولفات میں ایک کتاب السنن ہے اور جیسی سنن کی کتابیں

ہوتی ہیں وہ بھی اسی طرز کی ہے کتاب القراءات و کتاب الزہد و کتاب المناقب بھی انہیں کی ہیں (کتاب الفہرست صفحہ ۲۲۶)
علم الانساب میں پہلے پہل زیاد بن سمیہ نے کتاب لکھی۔ حضرت معاویہ نے جب اس کو اولاد ابو سفیان میں داخل کیا تو لوگوں نے اس پر طعن کرنا شروع کیا۔ مجبور ہو کر اس نے مطاعن عرب میں ایک کتاب لکھی اور سب کے نسب و حسب پر جرح کی جس کی وجہ سے لوگ خاموش ہو گئے۔ علامہ ابن الندیم لکھتے ہیں کہ زیاد کے نسب کا جب حال کھلا تو اس نے یہ کتاب تالیف کر کے اپنے بیٹوں کو دی کہ عرب کے طعنے سے یہ تمہاری پشت پناہ ہے اب وہ تم سے منہ بولیں گے۔ (کتاب الفہرست صفحہ ۸۹)۔
ایک مشہور مولف عبید بن شریہ جرہمی ہیں جو حضرت معاویہ کے زمانے میں تھے اور رسول اللہ کا زمانہ بھی پایا تھا کچھ سنا نہ تھا حضرت معاویہ کے پاس آئے تو انہوں نے واقعات قدیمہ اور سلاطین عرب و عجم اور زبانوں کے مختلف ہونے کی وجہ اور ممالک میں لوگوں کے بسنے کا واقعہ دریافت کیا معاویہ نے ان کو صنعاء یمن سے اسی غرض کیلئے بلایا بھی تھا۔ انہوں نے ان باتوں کا جواب دیا اور کتابیں تالیف کیں۔ ان میں دو کتابوں کے نام یہ ہیں:۔ کتاب الامثال، کتاب الملوک واخبار الماضین
(ابن الندیم صفحہ ۹۰)

سلیم بن قیس ہلالی حضرت علیؑ کے ایک یار تھے حجاج بن یوسف ان کے قتل کے در پے تھے۔ لہٰذا ان سے بھاگے بھاگے رہتے تھے۔ ابان ابن ابو عیاش کے پاس گئے تو انہوں نے پناہ دی۔ جب مرنے لگے تو ابان سے کہا کہ تمہارا مجھ پر حق ہے اور میں مر رہا ہوں۔ اسے میرے بھائی کے بیٹے رسول اللہ کا یہ واقعہ تھا۔ یہ کہہ کر انہیں ایک کتاب دی اور یہی سلیم بن قیس ہلالی کی مشہور کتاب ہے اس کے راوی صرف ابان ہیں۔ دوسرا کوئی نہیں (ابن الندیم صفحہ ۲۱۸) یہ کتاب بالفعل امام فرقہ اثنا عشری مجتہد العصر جناب مولوی ناصر حسین صاحب کے کتب خانہ لکھنؤ میں موجود ہے۔ امام زہری جو اپنے زمانے کے محدثین تھے وہ بھی مولف ہیں حضرت عمر بن عبد العزیز کے عہد خلافت میں انہیں کے حکم سے احادیث کو ایک کتاب میں جمع کیا تھا علامہ سیوطی نے کتاب احسن الرسائل الی معرفۃ الاوائل میں اس کا تذکرہ کیا ہے (کتاب الوسائل لکھی) ایک دوسرے مولف ابو بکر حزمی ہیں امام مالک موطا میں (بروایت محمد بن حسن از یحییٰ بن سعید) لکھتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ دیکھو رسول اللہ کی جو حدیث قولی یا فعلی وغیرہ ہو سب میرے لئے لکھ لو اس لئے کہ مجھے خوف ہے کہ علم مندرس نہ ہو جائے اور علماء جاتے نہ رہیں۔ صحیح بخاری میں اس کی تعلیق امام بخاری نے بھی کی ہے۔ اور ابو نعیم نے تاریخ اصفہان میں ان لفظوں سے روایت کیا ہے:۔ عمر بن عبد العزیز نے تمام ممالک میں لکھا کہ رسول اللہ کی جو حدیثیں ہوں ان سب کو جمع کرو۔ ابن عبد البر کتاب التمہید میں بروایت ابن وہب لکھتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عمر بن عبد العزیز تمام بلاد اسلام میں لوگوں کو لکھ لکھ

کر حدیث وفقہ کی تعلیم دیتے تھے مگر مدینہ میں لکھ کر پوچھتے تھے اور مسئلہ دریافت کرتے تھے۔ ابو بکر بن عمر بن حزم کو لکھا تھا کہ احادیث جمع کر کے میرے لئے ایک کتاب تیار کریں۔ چنانچہ ابن حزم نے کئی کتابیں لکھیں مگر قبل اس کے کہ بھیجنے پائیں عمر بن عبدالعزیز نے انتقال کیا (تنویر الحوالک قلمی)

لیکن ان دنوں علوم عقلیہ سے عرب کو چنداں امتنانہ تھا اور بہ جز یحییٰ نحوی کی کتابوں کے جو ارسطو کی منطقی و فلسفی اور جالینوس کی طبی تالیفات کا مترجم ہے، عربی میں اور کتابیں اس صدی میں تالیف نہیں ہوئیں۔ یحییٰ بقول الندیم کے حکیم ساواری، کا شاگرد تھا۔ مسیحی المذہب اور مصر کے ایک کلیسیا کا پادری تھا۔ آخر میں تثلیث کے متعلق عیسائیوں کے اعتقاد سے اس نے رجوع کر لیا تھا۔ تمام پادریوں نے جمع ہو کر اس سے مناظرہ کیا مگر وہ سب پر غالب رہا سب نے اس سے بہ مہربانی اور دلاسا دے کر خواہش کی کہ اس بداعتقادی سے رجوع کرے یا کم از کم اس کو ظاہر کرنا ترک کر دے۔ مگر جب اس نے انکار کر دیا اور اپنے عقیدہ پر قائم رہا تو پادریوں نے اس کا درجہ توڑ دیا۔ عمرو بن عاص نے جب مصر کو (بہ عہد خلافت حضرت عمر) فتح کیا ہے وہ اس وقت تک زندہ رہا۔ عمرو کے پاس وہ آیا اور عمرو نے اس کی تعظیم کی اور اس کو ایک جگہ بھی دی۔ وہ ارسطو کی کتابوں کا شارح ہے اور خود بھی مصنف ہے اس کی ایک کتاب ''برقلس کی تردید'' میں اٹھارہ جلدوں میں ہے۔ ایک کتاب اس موضوع میں لکھی تھی کہ ''جو اجسام متناہی ہیں ان کی طاقت بھی متناہی ہوتی ہے''۔ اس کی کتاب ''تردید ارسطو'' چھ جلدوں میں ہے اور تردید نسطورس'' ایک جلد میں جالینوس کی بعض طبی کتابوں کی بھی اس نے شرحیں لکھی تھیں۔ (ابن الندیم صفحہ ۲۵۵)۔ اس کے بعد خالد بن یزید کا رتبہ ہے جو علامہ قریش و حکیم آل مروان مشہور تھا۔ محمد بن اسحاق مصنف کتاب المغازی لکھتے ہیں کہ: خالد بن یزید بن معاویہ ہی وہ شخص ہے جس نے متقدمین کی کتابوں کے نکالنے (یعنی اشاعت و ترجمہ) میں توجہ کی۔ وہ بڑا گویا (اسپیکر) و شاعر و فصیح و دور اندیش و صاحب الرائے تھا۔ طب و نجوم و کیمیا کی کتابیں اسی کے لئے ترجمہ ہوئی تھیں ان فنون میں خود اس کی بھی چند تالیفات اور رسالے ہیں۔ اس کے اکثر اشعار اسی عنوان کے ہیں۔ چنانچہ (پانچ سو) ورق اس کے میری نظر سے گزرے ہیں۔ اس کی مولفات میں کتب ذیل میں نے دیکھی ہیں:۔ کتاب الحرارت صحیفہ کبیر صحیفہ صغیر کتاب الوصیت، جس میں علم کیمیا کے متعلق اپنے بیٹے کو وصیت کی ہے۔ (ابن الندیم صفحہ ۳۵۴) واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب

(مضمون جناب فاضل وسیع النظر مولوی عبداللہ عمادی صاحب ایڈیٹر ورسالہ البیان لکھنو ماہ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء) صفحہ ۹۸ تا ۱۱۴)

فاضل معاصر کی اس تحقیقی تحریر سے حسب ذیل نتائج پیدا ہوتے ہیں جو مفید مطلب ہیں:

(الف) لکھا ہے تصنیف و تالیف کی بنا دوسری صدی ہجری میں پڑی اور پہلے پہل ربیع بن صبیح و سعید بن ابی عروبہ نے کتابیں تالیف کیں''۔ دوسری صدی کی ابتداء ۱۰۱ھ سے ہوئی۔ اس وقت بنی امیہ کے بادشاہوں کا زور اور غلبہ تھا۔ یزید بن عبد

الملک، ہشام بن عبد الملک، ولید بن یزید بن عبد الملک، یزید الناقص، ابراہیم بن ولید، مروان حمار کا دور دورہ تھا بڑی بڑی حدیث وضع کرنے کے کارخانے تمام اسلامی دنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کارخانوں میں خلفاء ثلثہ اور خلفاء بنی امیہ کی شان میں حدیثیں گڑھنے کا کام اس طاقت اور وسعت سے ہو رہا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کو کون پوچھتا اور آپ کا حال لکھنے کی مصیبت کون اپنے سر لیتا۔ یہی وہ زمانہ تھا جس کے بارے میں مولوی شبلی صاحب نے اپنے رسالہ الندوہ لکھنؤ میں لکھا تھا "سلیمان اعمش جو امام حدیث اور سفیان ثوری کے استاد تھے وہ بھی گئی غلام تھے۔ اور ان کا یہ تجربہ تھا کہ جب خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے ان کو خط لکھا کہ حضرت عثمان کے مناقب اور علی کے معائب لکھ کر میرے پاس بھیج دیجئے"۔ (الندوہ شوال ۹ جلد ۱۳۲۹ھ) جس سے معلوم ہوا کہ خلفاء بنی امیہ کا مسلکی انتظام یہ بھی تھا کہ وہ دور دراز کے لوگوں کے نام فرمان جاری کرتے رہتے تھے کہ حضرت علی کی شان میں بری بری باتیں لکھ کر ان کے پاس بھیجتے رہیں۔ اس کے عوض ان لوگوں کو بڑے بڑے انعام ملتے تھے۔ اسی ہشام کے بارے میں لکھا ہے کہ "جب خلیفہ ہوا تو پانچ سو اشرفیاں زاد راہ بھیج کر اس کو دربار میں طلب کیا" جب صرف زاد راہ کے لئے پانچ سو روپے نہیں بلکہ اشرفیاں دی جاتی تھیں تو حدیثیں وضع کرنے کے بعد جو انعام دیا جاتا تھا اس کا حساب کون کر سکتا ہے؟ اللہ اکبر! جب بنی امیہ کے خلیفہ ہشام کی یہ کوشش تھی کہ حضرت علی کے معائب میں حدیثیں وضع کی جاتی رہیں تو اس کے بزرگ معاویہ کے عہد میں کیا کچھ نہیں کیا گیا ہوگا؟

(ب) آگے چل کر لکھا ہے "یہ کتابیں اہل سنت کے نزدیک حضرت علی سے ثابت نہیں ہیں اس لئے سنیوں کی رائے میں اسحٰق بن حماد اور ابراہیم تیمی و زید بن وہب نے خود یہ کتابیں وضع کر کے حضرت علی سے منسوب کر دی تھیں"۔ یہ عجیب و غریب دعویٰ ہے جو دنیا کی کسی عقل میں آ نہیں سکتا۔ سب جانتے ہیں کہ جو لوگ شاعر یا ادیب یا مصنف بننے کی کوشش کرتے ہیں وہ دوسروں کی علمی، ادبی، دینی چیزیں چرا کر یا نقل کر کے اپنے کو ان کا مصنف ظاہر کرتے اور دنیا کو یقین دلاتے ہیں کہ انہیں کے دماغ نے ان چیزوں کو نکالا ہے۔ اگر کوئی شاعر کسی استاد کا شعر چراتا ہے تو لوگوں کو یقین دلاتا ہے کہ یہ شعر اسی کے دماغی زور کا نتیجہ ہے۔ اگر کوئی واعظ کسی استاد کا نکتہ یا مضمون چراتا ہے تو حاضرین و سامعین پر واضح کرنا چاہتا ہے کہ اس نکتہ یا مضمون کو خود اس نے پیدا کیا اور کسی دوسرے کے دماغ کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکی۔ کوئی مصنف کسی علامہ کی تحریر چوری یا نقل کرتا ہے تو ناظرین پر ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اسی کے علم و فضل کا جوہر وہ تحریر ہے۔ کتنے لوگوں نے میر، غالب، انیس، و دبیر کے اشعار لے کر اپنی نظموں کی عزت بڑھانے کی کوشش کی۔ کتنے مصنفین نے سعدی کی کتاب گلستاں سے مضامین لے کر اپنی کتابوں کا حسن دوبالا کر دیا۔ مگر یہ تو آج تک نہیں سنا گیا کہ کسی نے کوئی شعر خود کہہ کر اپنے استاد کی طرف منسوب کر دیا ہو۔ کوئی شخص کہہ سکتا

ہے کہ میر تقی میر یا مرزا غالب کے کسی شاگرد نے کوئی اچھی غزل لکھی تو خود ہو مگر اس کو منسوب کر دیا ہو میر اور مرزا غالب کی طرف؟ اگر ایسا ہی ہے تو حضرت ابو بکر کے ماننے والوں نے بھی کچھ کتابیں خود وضع کر کے حضرت ابو بکر کی طرف کیوں نہ منسوب کر دیں؟ حضرت علیؑ تو فقیر تھے ان سے اصبغ بن نباتہ وغیرہ کو کسی مالی نفع کی امید بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ جس کے لالچ میں وہ لوگ ایسا کرتے۔ برخلاف حضرت ابو بکر کے کہ وہاں لاکھوں کی رقمیں برستی رہتی تھیں۔ ان کی طرف کتابیں وضع کر کے منسوب کرنے سے بڑے بڑے عہدے مل سکتے تھے۔ بڑے بڑے خزانے ہاتھ آسکتے تھے۔ ان سے زیادہ حضرت عمر کا اختیار تھا۔ وہ بڑے فاتح ملوک بھی ہوئے ان کے خزانے کی رقموں کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ لوگوں کو چاہئے تھا کہ ہر قسم کی کتابیں (ادب کی بھی نظم کی بھی، سیاست کی بھی، تاریخ کی بھی، فقہ کی بھی، حدیث کی بھی) وضع کر کے ان کی طرف منسوب کرتے جاتے اور اس کے عوض اپنے خاندان بھر کو حکومت کے معزز عہدوں پر فائز کرا دیتے۔ مگر کیا حضرت عمر کی طرف کوئی کتاب وضع کر کے منسوب کی گئی؟ اگر ہے تو نام بتایا جائے اگر نہیں تو وجہ کیا۔

(۳) آگے چل کر لکھا ہے "ایک مصنف ابو الصلت زائد بن قدامہ ثقفی کوفی ہیں ان کی مولفات میں کتاب السنن، کتاب الزہد و کتاب المناقب ہیں" جب یہ بزرگ ۱۶۱ھ یا ۱۶۰ھ میں مرے اور ۴۰ھ سے ۶۰ھ تک یعنی ۲۰ سال کامل معاویہ کی حکومت کے مزے لوٹتے رہے ہیں تو انہوں نے اپنی کتابوں میں حضرت علیؑ اور اہلبیتؑ کے خلاف کیا کچھ نہ بھر دیا گیا ہوگا۔ اگر وہ کتابیں آج ملیں تو ان سے حضرت امیر المومنینؑ کا برادر رسول یا زوج بتول ہونا بھی ثابت کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

(۴) آگے لکھا ہے "علم انساب میں پہلے پہل زیاد بن سمیہ نے کتاب لکھی" اسی زیاد کو معاویہ نے بزور سلطنت اپنے باپ ابوسفیان کا بیٹا اور اپنا سوتیلا بھائی بنایا تھا۔ اور اسی زیاد کے لڑکے ابن زیاد نے معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر ہو کر بحکم یزید امام حسینؑ کو قتل کیا۔ پھر اس نے اپنی کتاب در علم انساب میں بنی ہاشم کے خلاف کیا کچھ زہر نہ بھرا ہوگا۔

(۵) آگے لکھا ہے عبید بن شربہ جرہمی نے کتابیں تالیف کیں ان کتابوں میں بھی جو معاویہ کی خوشنودی کے مطابق لکھی گئی تھیں حضرت علیؑ کے خلاف کیا کیا سامان فراہم نہ کیا گیا ہوگا۔

(۶) سلیم بن قیس ہلالی حضرت علیؑ کے ایک یار تھے" یار تو نہیں البتہ صحابی تھے۔ حضرت کے پاس بھی آجایا کرتے تھے۔ مگر اتنے قصور کی بھی یہ سزا تجویز ہوئی کہ حجاج بن یوسف ان کے قتل کے درپے رہتا تھا اور یہ بے چارے ان سے بھاگے بھاگے پھرتے تھے پھر کس کی مجال تھی کہ کسی شخص سے وہ حضرت علیؑ کا نام لے سکے۔ حضرت کا حال بیان کر سکے۔ حضرت کی فضیلت ذکر کر سکے۔ حضرت کے بارے میں کوئی بات پوچھ یا خود کہہ سکے۔ غرض معاویہ کی سلطنت شروع ہونے کے وقت

(۴۰ھ) سے ۱۳۲ھ تک اسلامی دنیا میں جتنے اہل علم اہل حدیث، اہل فقہ، اہل ادب، اہل تفسیر، اہل قلم اہل منبر تھے سب تو خلفاء بنی امیہ کے زیر اثر ہی رہے۔ جو علانیہ فرمان لکھ لکھ کر دور دور مقامات کے لوگوں کے پاس بھیجتے اور ان کو حکم دیتے حضرت علی کے معائب میں حدیثیں وضع کر کے دربار میں بھیجتے جاؤ۔ حضرت کی مذمت میں حالات گڑھ گڑھ کے بادشاہ کے پاس روانہ کرتے جاؤ اور انعام میں عہدے، جاگیریں خزانے وظیفے جاگیرے لیتے جاؤ۔ اس کا نتیجہ تو یہی ہونا چاہیے تھا کہ اسلام کی کوئی کتاب حضرت کی برائیوں سے خالی نہ ہوئی کیونکہ سلطنت کے ذور پر سب کام ہو رہے تھے۔

اور سنیے مولوی شبلی صاحب کے ایک حریف مولوی ابو یحییٰ محمد صاحب شاہجہاں پوری گزرے ہیں جنہوں نے مولوی شبلی صاحب کی کتاب سیرۃ النعمان کا جواب اپنی کتاب الارشاد میں دیا ہے۔ اس میں لکھا ہے:۔

تمام مذاہب:

اور فرقے جو ہم دیکھ رہے ہیں وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے حتیٰ کہ ۳۷ھ میں جب حضرت علی اور حضرت معاویہ کی باہم فوج کشی ہوئی اور آخر میں دو پنچوں کی پنچایت پر فیصلہ ٹھہرا اس موقع پر حضرت علی کے لشکر کے کچھ لوگ پنچایت کے خلاف ہو کر علیحدہ ہو گئے اور حضرت علی اور ان کے ساتھ والوں کو مشرک و کافر کہنے لگے اور مضمون آیہ "ان الحکم الا للّٰہ" سے استدلال کیا اور حروراء میں جا کر ایک علیحدہ اپنی جماعت قائم کی یہ لوگ خارجی کہلائے اب ان میں بھی کوئی بیس فرقے ہیں۔" غرض اسی طور سے وقتاً فوقتاً یہ تمام مذاہب و فرقے جو دیکھ رہے ہیں پیدا ہوتے گئے اور ابتداء تو ان کی کسی کی بد باطنی یا چالاکی یا خود غرضی یا تعصب یا لالچی یا کسی اور اتفاقی وجہ سے ہوئی مگر آہستہ آہستہ اس کو ترقی ہوتی رہی اور تھوڑے بہت لوگ اس میں مبتلا ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ رواج نے تھوڑے دنوں کے بعد ایک مستقل مسلک اور پورا مذہب بنا کر کھڑا کر دیا۔ ظاہر ہے کہ رواج یافتہ بات کی ابتدائی حالت کچھ ہوتی ہے اور ترقی و رواج کے بعد کچھ اور ہی رنگ پکڑ جاتی ہے جس سے اصلی حقیقت اس کی نامعلوم ہو جاتی ہے۔ اور اس کا رسم و رواج اس کے پیروؤں کو دکھاتا ہے کہ یہی مذہب قدیم ہے اور یہی اصلی اور صحیح طریقہ ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی بات کسی خاص مصلحت یا کسی مناسب وجہ کی بناء پر شروع ہوتی ہے اور بعد رواج کے اس کی اصلی منشاء تو نظر انداز ہو جاتی ہے اور وہ اپنی ایک مستقل صورت قائم کر لیتی ہے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ اربعہ کے ہم عصر اور ان کے بعد کے زمانے میں جس قدر امام اور مجتہدین طبقہ بعد طبقہ گزرے ہیں ان کا شمار تو اللہ ہی کو معلوم ہے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں امام ایسے گزرے ہیں جو اجتہاد کے بڑے بڑے پایہ پر پہنچے اور بہت سے صاحب مذہب مستقل کہلائے مگر جن کا زمانہ مساعد ہوا اور اسباب موافق مہیا ہو گئے ان کا نام آگے کو بھی چلا اور عوام دخواص سب نے ان کو جانا اور جن کو یہ باتیں نصیب نہ ہوئیں وہ آگے کے لئے مشہور

ہوئے اور نہ سوا خواص کے عموماً لوگ ان سے واقف ہوئے بلکہ عام لوگ یہی سمجھتے رہے کہ سوا ان کے جن کو ہم جانتے ہیں اور کوئی امام نہیں ہوا اور یہی ساری دنیا کے لئے امام کر کے بھیجے گئے۔ان اماموں کے اگر ہم صرف نام ہی شمار کرانا چاہیں تو اس کے لئے ایک مستقل کتاب چاہئے مگر اس موقع پر ملخص طبقات ذہبی سے اجمالی مضمون اس کے متعلق نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں سمجھتے۔امام ذہبی نے طبقات کے پہلے طبقہ میں حفاظ صحابہ کو اور سب سے پہلے حضرت ابوبکر کو ذکر کیا پھر طبقہ ثانیہ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں اس وقت اسلام غالب اور زور پر تھا اور تمام روئے زمین پر پھیل گیا تھا اور بلاد ترک اور اقلیم اندلس عرض تسعین تک خلافت ولید میں فتح ہو گئے تھے تمام امت انہیں کے زیر حکم تھی ان کی کثرت اموال وجیوش اور قوت سلطنت اور فراوانی خزانہ کا حال لکھ کر طبقہ ثالثہ کا ذکر کیا۔یہ طبقہ جماعت وسطی تابعین کا ہے پھر طبقہ رابعہ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں اس طبقہ کے زمانہ میں دولت اسلام بنی امیہ سے ۱۳۲ھ میں نکل کر عباسیوں کے ہاتھ میں گئی۔اس انقلاب میں خون کے ندی نالے بہہ گئے اور خراسان اور عراق اور شام وغیرہ میں ایک عالم تہہ تیغ ہوا جن کا شمار اللہ ہی کو معلوم ہے اور مبتدعین کے مقابلے پر علماء تابعین اور ائمہ سلف کھڑے ہوئے اور لوگوں کو ان کی بدعت میں مبتلا ہونے سے روکا اور علماء کبار نے تدوین سنن (حدیث) اور جمع فروع (مسائل)۔۔۔شروع کی پھر آگے بڑھ کر یہ سلسلہ تالیف وتصنیف ہارون رشید کے زمانے میں ترقی پکڑ گیا ذہبی فرماتے ہیں اس وقت ۱۴۳ھ میں علماء اسلام نے تدوین حدیث وفقہ وتفسیر شروع کی تدوین کتب اور ترتیب ابواب کی کثرت ہوئی علامہ ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں احادیث نبویہ پیغمبر،صحابہ کبار تابعین کے زمانے میں کتابیں بنا کر مدون ومجتمع نہ کی گئی تھیں۔۔۔اخیر زمانہ تابعین میں جب کہ علماء دور دراز ممالک میں منتشر ہوئے اور بدعات زائد ہوئیں تو تدوین آثار اور تبویب اخبار شروع ہوئی۔پس سب سے اول جمع کرنے والے حدیث کے ربیع بن صبیح اور سعید بن ابی عروبہ وغیرہما ہیں پھر کبار طبقہ ثالثہ (تبع تابعین) اٹھے۔انہوں نے احکام کو جمع کیا چنانچہ مدینہ میں امام مالک نے موطا لکھا اور مکہ میں ابن جریج نے کتاب تصنیف کی اور شام میں امام اوزاعی نے اور کوفہ میں سفیان ثوری نے اور بصرہ میں حماد بن سلمہ نے پھر ان کے بعد بہت سے ان کے معاصرین انہیں کی طرز پر تصنیف کرنے لگے عبید اللہ بن موسیٰ کوفی نے ایک مسند لکھی۔۔۔وہ اسباب جو ان ائمہ کی شہرت وعروج وبقا نام اور ان کے مذہب کے قیام کے باعث ہیں اگرچہ بہت ہیں۔مگر سب سے زیادہ موثر اور سب سے بڑا قوی سبب اس کا اپنے معتقدوں اور مخلص شاگردوں کا ملکی خدمات اور معزز عہدوں کے ساتھ ممتاز ہونا اور سلطنت کے ساتھ رسوخ حاصل کرنا ملک میں بااختیار ہونا ہے چنانچہ جس امام ومجتہد کے لئے یہ بات مہیا ہو گئی ان کے نام ومذہب نے خوب فروغ پایا اور برابر پھیلتا گیا اور حسب قوت وبقا سبب سلسلہ اس کا آئندہ کیلئے قائم ہو گیا۔شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے

ہیں: تو جس مذہب کے اصحاب مشہور ہوئے اور عہدۂ قضا اور افتاء ان کے سپرد ہوئی اور ان کی تصانیف لوگوں میں مشہور ہوئیں اور لوگوں نے ان کو پڑھا پڑھایا تو وہ اطراف عالم میں پھیل گیا اور ہمیشہ روز بروز پھیلتا رہا۔ اور جس مذہب کے اصحاب غیر مشہور ہوئے اور قاضی و مفتی نہ بنائے گئے اور لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے وہ مذہب کچھ دنوں کے بعد مٹ گیا۔ انتہی۔ ان چاروں اماموں[1] اور ان کے مذہبوں کیلئے اتفاق سے یہی قوی و موثر سبب مہیا ہو گیا جس سے ان کے مذہب چل نکلے اور آئندہ کے لئے ان کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ مشہور امام ابو یوسف تھے وہ ہارون الرشید کے وقت میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے یہ سبب ہو گیا ابو حنیفہ کے مذہب کے پھیلنے اور اسی کے موافق فیصلہ جات ہونے کا اصلاع عراق و خراسان و ماوراء النہر میں۔ انتہی

علامہ قاضی ابن خلکان فرماتے ہیں ابو یوسف نہ ہوتے تو ابو حنیفہ کی شہرت نہ ہوتی۔ امام ابو یوسف قضاۃ کے سب سے اعلیٰ عہدہ سے سرفراز ہوئے۔ خلیفہ ہارون رشید کے تمام ممالک محروسہ کی قضا کا کل سررشتہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ یہی جس کو چاہتے قاضی و مفتی مقرر کرتے اور پھر ایسے واقعات پیش آئے تھے جس سے خلیفہ کو ان سے بے حد انس ہو گیا تھا اور ان کو سلطنت کے ساتھ نہایت رسوخ حاصل تھا۔ انہوں نے چند مسائل خلیفہ کی خواہش کے موافق جن میں وہ راضی ہونے کی خلیفہ کو بہت خواہش تھی بتا دیئے تھے دیکھو تاریخ الخلفاء سیوطی وغیرہ۔[2] اس وجہ سے خلیفہ ان کی بہت خاطر کرتے تھے بلکہ یہ بھی کہہ دیا تھا کہ یہ بھی

۱۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل۔

۲۔ "قاضی ابو یوسف صاحب نے ہارون رشید کی خواہش کے موافق جو بہت سے فتوے دیئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ ایک مرتبہ عبداللہ ابن مبارک بیان کرتے تھے کہ جب خلیفہ ہارون رشید مسند آرائے خلافت ہوا تو اس کے دل میں اپنے باپ مہدی کی ایک منکوحہ (یعنی اپنی سوتیلی ماں) کا شدید عشق پیدا ہو گیا۔ تو اس نے اس عورت کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئی بلکہ کہتی رہی کہ میرے ساتھ آپ کا ایسا فعل کسی طرح مناسب نہیں کیونکہ میں آپ کے باپ کے تصرف میں رہ چکی ہوں لیکن ہارون اس کے عشق میں مجنوں ہو گیا۔ آخر امام ابو یوسف (شاگرد امام ابو حنیفہ صاحب) کو طلب کیا اور دریافت کیا کہ تمہارے ذہن میں کوئی تدبیر میرے مطلب برآری کی آتی ہو تو بیان کرو۔ ابو یوسف صاحب نے کہا سرکار کیا ہر عورت جو کچھ بھی کہے اس کی تصدیق ضروری ہے؟ حضور والا اسے سچا ہی جان لیں گے؟ وہ کہتی ہے تو کہنے دیجئے اس کے قول کا اعتبار ہی نہ کیجئے۔ غرض ہارون ان کے فتوے کے مطابق اپنے باپ کی اس لونڈی کو جو خلیفہ مہدی کے تصرف میں رہنے کی وجہ سے ہارون کی سوتیلی ماں ہو چکی تھی اپنے تصرف میں لا کر برابر ہارون اس سے ہمبستری کرتا رہا۔ اس کے بعد ابن مبارک کہتے تھے کہ میری عقل نہیں کام کرتی میں ان تینوں سے کس کے حال پر زیادہ تعجب کروں ہارون رشید پر جس نے تمام مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کئے ان کے مال کو غصب کیا اور اپنے باپ کی زوجہ کی ہتک حرمت کی یا اس عورت کے حال پر تعجب کروں جو بادشاہ وقت کی ہمبستری سے انکار کرتی رہی یا اس شخص (امام ابو یوسف) کے حال پر تعجب کروں جو تمام ہوئے دین کا قاضی اور فقیہ ہے اور ہارون رشید کو فتویٰ دیتا ہے کہ اپنے باپ کی ہتک حرمت کر اپنی شہوت اس عورت سے پوری کر اور اس کے عذاب کو میری گردن پر چھوڑ دے۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۹۰)

معزول نہ ہوں گے۔ دیکھو تاریخ ابن خلکان، امام ابو یوسف نے اپنے استاد کا نام روشن کرنا چاہا اور کیا اور ان کے نام کا مذہب تمام ممالک مشرق میں پھیلا دیا اور اس کو گویا قانون سلطنت قرار دے دیا چنانچہ برابر نظام سلطنت بیشترانہیں پر قائم رہا جس کے سبب اس مذہب کو نہایت شہرت ہوئی اور آگے کے لئے اس کا سلسلہ بڑے استحکام کے ساتھ قائم ہو گیا اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانہ مابعد کے اکثر سلاطین اسی مذہب کے نام لیوا اور اسی کے حامی رہے۔ وہ مذہب وطریقہ جو چل نکلا اور لوگ اس سے مانوس ہو گئے یا کچھ عرصہ تک نظام سلطنت اس کے اوپر قائم رہا پچھلے سلاطین کا اسی پر کار بند ہونا اور اسی کی طرف منسوب ومائل رہنا کوئی قابل تعجب امر نہیں اس لئے کہ عموماً سلاطین کو انتظام ملکی اور حفظ دولت کے سوائے ایسے امور کی تحقیق وبحث کم ہوا کرتی ہے الا ماشاء اللہ امام ابو یوسف کے سوا امام صاحب کے اور شاگرد بھی معزز عہدوں پر مامور ہوئے جنہوں نے اپنے استاد کے نام اور مذہب کی اشاعت وحمایت کی۔ اسی طرح امام مالک صاحب کا مذہب بھی جاری ہوا۔ حکم بن ہشام اموی جن کا لقب تھا منتصر ۱۸۰ھ میں اندلس کے خلیفہ ہوئے انہوں نے یحییٰ بن یحییٰ اندلسی کو نہایت بااختیار عہدے پر ممتاز کیا۔ خلیفہ ان سے بہت ہی تخصیصی برتاؤ برتتے تھے اور خود ان کے دروازے پر آتے تھے۔ ملک میں ان کو وہ عزت حاصل تھی جو کسی کو نہ تھی۔ تمام محکمہ قضاو افتاء کا انہیں کے اختیار میں تھا۔ سارے بلاد اندلس میں بغیر ان کی رائے کے کہیں کوئی قاضی مفتی مقرر نہ ہوتا تھا۔ امام یحییٰ بن یحییٰ امام مالک صاحب کے مخلص شاگرد تھے۔ انہوں نے اپنے استاد کے نام ومذہب کو فروغ دینا چاہا اور اس کو جاری کیا لہٰذا لوگ امام مالک کے مذہب کو اختیار کرنے لگے اور بلاد اندلس میں امام ملاک کا نام اور ان کا مذہب پھیل گیا اس سے پہلے اندلس کے لوگ زیادہ تر امام اوزاعی کو مانتے تھے اب سلطنت کے زور سے اوزاعی کا مذہب اٹھ گیا اور امام مالک کا مذہب پھیل گیا جیسا کہ ہم نے بزور حکومت ان مذاہب کے زور پکڑنے اور جاری ہو جانے کی بابت لکھا علامہ ابن حزم نے بھی ایسا ہی تحریر فرمایا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ دو مذہبوں نے سلطنت کے زور سے ابتداہی میں رواج عام حاصل کیا ایک ابو حنیفہ کا مذہب کیونکہ جب قاضی ابو یوسف کو قاضی القضاۃ کا منصب ملا تو انہوں نے حنفی لوگوں کو عہدۂ قضا پر مقرر کیا۔ دوسرا امام مالک کا مذہب اندلس میں کیونکہ امام مالک کے شاگرد یحییٰ مصمودی خلیفہ اندلس کے نہایت مقرب تھے اور کوئی شخص بے ان کے مشورے کے عہدۂ قضا پر مقرر نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ صرف اپنے ہم مذہبوں کو مقرر کراتے تھے۔ دیکھو تاریخ ابن خلکان ترجمہ یحییٰ مصمودی۔ شبلی صاحب اس کو ابن حزم کی ظاہر بینی بتا کر اس سے اس بناء پر انکار کرتے ہیں کہ قاضی ابو یوسف کے فروغ سے پہلے پچاس برس کا زمانہ گزر چکا تھا جس میں امام ابو حنیفہ کے مذہب نے قبول عام حاصل کر لیا تھا اور ان کے سیکڑوں شاگرد قضا کے عہدوں پر مامور ہو چکے تھے۔ لیکن ابن حزم کے اصل مقصود کے اندر امام ابو یوسف کی کوئی تخصیص نہیں۔ مقصود تو یہ ہے کہ شاگردوں کے معزز عہدوں پر مامور

ہونے اور ملک میں بااختیار ہونے اور سلطنت کی تائید سے مذہب کو رواج عام دیا"۔ (کتاب الارشاد مطبوعہ دہلی صفحہ ۵۲)

اہل حدیث اور مقلدین

مسلمانوں کی دو بڑی تقسیم یہ ہے: شیعہ اور سنی۔ سنی وہ ہے جو حضرت رسول خدا کے بعد حضرت ابی بکر کو خلیفہ اول حضرت عمر کو خلیفہ دوم اور حضرت عثمان کو خلیفہ سوم مانتا ہے۔ پھر سنیوں میں دو بڑے بڑے فرقے ہو گئے۔ ایک اپنے کو غیر مقلد یا اہل حدیث کہتے ہیں۔ دوسرے مقلدین ہیں ان مقلدین کے بھی چار حصے ہو گئے: حنفی شافعی مالکی اور حنبلی۔ مولوی یحییٰ محمد صاحب شاہجہاں پوری کی کتاب الارشاد انہیں مقلدین اور اہل حدیث کی نزاعوں کے متعلق لکھی گئی ہے۔ مولوی شبلی صاحب شروع میں بڑے مشہور حنفی تھے انہوں نے اپنے امام ابوحنیفہ صاحب کی ایک بڑی سوانح عمری سیرۃ النعمان لکھی تھی جس میں امام ابوحنیفہ صاحب کا درجہ بہت بڑھا چڑھا کر دکھایا ہے۔ یہ بات اہل حدیث حضرات کو ناگوار ہوئی اور انہوں نے اس کتاب کے کئی جواب لکھ کر شائع کر دیئے ایک کتاب یہ الارشاد بھی ہے۔ اس میں مولوی شبلی صاحب کی کارروائیوں کو کھول کر اچھی طرح بیان کیا ہے۔ ممدوح نے اپنی کتاب جس عبارت سے شروع کی اس سے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے متعلق بھی بہت سے مفید نتیجے پیدا ہوتے ہیں جو ہماری اس کتاب کے دیکھنے والوں کو آئندہ بہت نفع دیں گے۔ اس وجہ سے ہم ان کا نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ناظرین ان باتوں کو خارج از موضوع یا بے ضرورت خیال نہ کریں۔ ابھی اگر یہ امور بے کار معلوم ہوں جب بھی آگے چل کر ان سے بہت کام نکلنے کی قوی امید ہے۔ ممدوح نے لکھا ہے "انسان کا طبعی طور پر دستور ہے کہ ہمیشہ وہ اس بات کو جو اس کے رسم و رواج کے موافق ہے اور جس کو اپنے آباؤ اجداد سے متوارث دیکھتا چلا آیا ہے اور جس وضع و طریقے پہ بڑھا پلا ہے اس کو استحسان کی نظر اور قبول کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اسی کو نہایت سچ اور بہت درست سمجھتا ہے اور جس بات کو اپنے رسم و رواج کے خلاف پاتا ہے اس کو انکار کی نظر اور رد کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور فوراً اس پر غلط اور نادرست حکم لگا دیتا ہے۔ اگرچہ کسی قوی تحریک پر یہ خیالات پلٹا بھی کھا لیتے ہیں مگر عام دستور یہی ہے اور یہ دستور کسی خاص بات کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا بلکہ بول چال۔ خورد و نوش۔ آداب نشست و برخاست۔ مراسم شادی و غمی وغیرہ سب کے ساتھ انسان کی یہی حالت ہے۔ جب امور دنیاوی میں رسم و رواج کی بابت طبیعت انسانی کی یہ حالت ہے تو امور مذہبی اور رسوم دینی کی بابت جو بڑے احکام اور پابندی کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں کیا حالت ہوگی صدق اللہ تعالیٰ:-

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ وقال كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ (سورہ انعام رکوع ۱۳)

ہر فرقہ جو اپنے پاس ہے اس پر خوش ہو رہا ہے (سورہ روم) اسی طرح ہم نے بھلے دکھائے ہیں ہر فرقہ کو ان کے کام۔

اسی واسطے عام دستور دیکھا جاتا ہے کہ جب آدمی ایسا مسئلہ یا کوئی مذہب کے متعلق وہ بات جو پہلے اس نے نہیں سنی یا اس کے علم میں یا اس کے رسم و رواج میں اس کے خلاف چلا آتا ہے۔ سنتا ہے تو کسی طرح اس بات کا اس کو اعتبار نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کو فوراً بلا غور کئے ہوئے غلط اور غیر صحیح کہہ دیتا ہے اور یہ خیال اس کا ایسا پختہ ہوتا ہے کہ اس پرانے خیال کی صحت اور نئی بات کی غلطی میں اس کو ذرا بھی شک نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے وہ اس پیش آمدہ بات کی اصل اور حقیقت معلوم کرنے کا قصد تک نہیں کرتا کہ اس کے حق و ناحق ہونے کا اس کو حال کھلے بلکہ بجائے اس کے کہ تحقیق کرے اس میں عیب نکالنے اور نکتہ چینی کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ غرض وہ کسی طرح اس کو اپنے ذہن میں جگہ دینا نہیں چاہتا۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام اور سابق کے اور دینوں میں بھی حق کے خلاف بہت سے مذہب اور طریقے باہمی نزاعات و تعصبات یا اغراض نفسانی یا کسی اور اتفاقی وجہ سے پیدا ہو کر اور کچھ عرصہ تک جاری رہ کر اور رفتہ رفتہ ترقی پکڑنے کے بعد رواج پا کر ایسے مستحکم ہو گئے کہ ان کا نہ صرف عوام کے بلکہ خواص کے بھی ذہنوں سے نکلنا اور دلوں سے جانا سخت دشوار اور ناممکن ہو گیا بلکہ ان لوگوں کو جن میں ان مذہبوں نے رواج پایا وہی مذہب اصلی اور صحیح اور دین آسمانی معلوم ہونے لگے اور اس کے خلاف کا باطل و ناحق ہونا ان کے ذہن میں بس گیا جس کے سبب سے ان کی یہ حالت ہو گئی کہ ان کے سامنے ان کے مروجہ مسلک کے خلاف کوئی اس اصلی اور واقعی مسلک کو جو قدیمی تھا اور جو نفس الامری اور حق ہے پیش کرے تو ان کو اپنے مروجہ مذہب کی حقانیت اور اس کے خلاف کے بطلان کے ذہن میں مستحکم ہونے کے سبب سے بالکل توجہ نہیں ہوتی کہ وہ پورے طور پر اس مذہب کی تحقیق کر کے نفس الامری حق کو معلوم کریں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان فرقوں میں جن کو ہم ناحق جانتے ہیں اور نیز یہود و نصاریٰ و ہنود میں کوئی ایسا فرد بشر نہیں جس کو اپنے خالق کا ڈر ہو یا یہ چاہتا ہو کہ ہم اس کے سچے دین پر قائم ہو کر اس کو راضی کریں۔ اور کیا یہ سب کے سب یہی چاہتے ہیں کہ ہم حق مذہب کے سوا کسی گمراہی کے مسلک پر رہ کر عمر ضائع کر دیں۔ اور مر کر سیدھے دوزخ میں جا پڑیں۔ یا کیا یہ سب کے سب سخت بے وقوف اور بالکل چار پایوں کی طرح بے عقل یا مجنون ہیں ور ان میں کوئی ہوش مند اور عقل والا نہیں یا کچھ بھی علم نہیں رکھتا جو مذہب حق کی حقانیت کا ادراک کر سکے۔ ہر گز نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ایسے صاف اور ستھرے مذہب کو جس کی حقانیت نہایت آشکارا ہے اور آفتاب نیمروز کی طرح چمکنے والے سچے اور پکے دین اسلام کو جس کی خوبی سے کوئی عاقل انکار نہیں کر سکتا قبول نہیں کر لیتے اور سب کے سب اس طرف نہیں آجاتے۔ (بہت سے عقلاء یورپ اور مسیحی حکماء کے اقوال ہمارے پیش نظر ہیں جنہوں نے برابر اسلام کی حقانیت اور اس کے انواع و اقسام کی خوبیوں کا اقرار کیا ہے۔ اگر ہم ان کو نقل کریں تو ایک مستقل کتاب بنے۔ اس باب میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کو دیکھو)۔ بڑی وجہ اس کی یہی ہے جو ابھی ہم کہہ چکے

میں یعنی اپنے آباؤ اجداد سے متوارث بات کی پابندی اور اپنی ذہن نشین بات کے خلاف بلا غور اور اصلیت دریافت کئے ناحق جھگڑ لینا اور غلط کہہ دینا اور اس کی اصلیت کے دریافت کا قصد تک نہ کرنا بلکہ اور عیب گیری اور نکتہ چینی کی طرف متوجہ ہو جانا۔ اس لئے ضرور اور بہت ضرور ہے (اور اگر ضرور نہیں تو ناحق مذہب والے فرقوں پر الزام لگانے اور قصوروار بنانے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ وہ بھی تو اپنے خیال میں حق ہی پر قائم ہیں اور اپنے آپ کو سچے مذہب پر خیال کرتے ہیں۔ اب ان پر الزام ہے تو یہی ہے کہ وہ اپنے دل کو پرانے خیالات سے علیحدہ کر کے اور ان کی محبت کے پردے کو اٹھا کر منصفانہ نظر سے اس بات کو جو ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے کیوں نہیں دیکھتے۔ اگر ایسا کریں تو ضرور حق ظاہر ہو جاوے چنانچہ جو ایسا کرتے ہیں وہ بے تامل راہ حق پر پہنچ جاتے ہیں۔ نو مسلمانان امریکہ اور یورپ نے یہی طرز عمل برتا ان پر حق کھل گیا اور دولت اسلام ان کو نصیب ہوئی۔ (دیکھو مسٹر الکزینڈر رسل ویب صاحب اور مسٹر کوئیلم صاحب کی تحریرات جو ان لوگوں نے اپنے قبول اسلام کی وجہ بیان کی ہے ۱۲) کہ آدمی جب کسی مذہبی اختلاف پر واقف ہو یا اس طریقے سے کہ جس کو وہ حق سمجھ رہا ہے کوئی خلاف کہنے والا ملے تو وہ نہایت غور اور انصاف کو کام میں لا کر اور اپنے پرانے خیالات سے پہلے خالی الذہن ہو کر اس نئے اور پرانے طریقے کو ایک نظر اور برابر کی نگاہ سے دیکھ کر دونوں کے محاسن اور عیوب ہر ایک کے دلائل و وجوہ پر غور کر کے پھر دیکھے کون راجح اور سچا معلوم ہوتا ہے ایسی صورت میں راہ سچی رائے قائم کرنے کا بہت اچھا موقع مل سکتا ہے کیونکہ حاکم کی نظر فریقین کے ساتھ مساوی ہونا چاہئے اگر وہ ایسا نہ کرے تو کبھی انصاف نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر انسان مذہبی اختلاف کے فیصلے کے وقت اپنے آپ کو پہلے سب سے علیحدہ کرے اور ان مباحثوں اور زیادتیوں کو جو ہر فریق اپنے فریق پر جوڑ دیا کرتے ہیں اور حق کو پھاڑ کر کے بیان کرتے ہیں یا سچی بات کی بری صورت بنا کر دکھاتے ہیں نظر انداز کرے اور فریقین کے اصل منشا کو خوب اچھی طرح معلوم کرے اور ہر ایک کے اصل بیانات اور دعوے اور وجوہ ذہن نشین کرے (دیکھو ایک طرفی بیان پر کفایت کر بیٹھے ہم نہیں سمجھتے وہ لوگ جو اس قسم کی تحریروں کو جو اختلافی مسائل اور نزاعی مذاہب میں بطور فیصلہ یا ترجیح احد الجانبین کے متضاد دعوے سے لکھے جاتے ہیں یا کسی امر کی اصل حقیقت بیان کی جاتی ہے اس کے دو ورق پڑھ کر اپنے ذہن میں اپنے خیال کی تحریر سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں اور دیکھنا نہیں چاہتے۔ اگر اتفاق سے عنداللہ ان کا خیال ناحق پر ہوا تو وہ اس اعراض کا اللہ کو کیا جواب دیں گے؟ اگر ایسی سریع الفہم اور ذہنی قوت انتقالیہ رکھتے ہیں کہ وہ ایک ورق کے پڑھنے سے کل رسالہ کے مطالب کو سمجھ گئے تو اپنی ہی سمجھ کے موافق سمجھ گئے۔ مصنف کے منشا کو تو جب تک اول سے آخر تک نہ دیکھیں کیسے سمجھ سکتے ہیں اور اگر نفس الامر میں بھی وہ حق پر ہیں تو کیا ایسی تحریرات دیکھنے میں اتنا بھی فائدہ نہیں کہ ایک خلاف فریق کے دلائل و مقاصد ہی معلوم ہو جائیں گے ۱۲) انصاف نہیں کر سکتا۔

میری رائے میں اگر آدمی ان تمام مراحل طے کرنے اور نہایت نیک نیتی اور انصاف سے کام لینے کے بعد بھی حق سمجھ کر اس طریقے پر قائم رہا۔ یا اب ہوا۔ جو نفس الامر میں حق نہیں تو وہ معذور ہے۔

لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا۔

اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر جو اس کی گنجائش ہو (سورہ بقرہ رکوع ۴۰)

مجھ کو افسوس اور سخت افسوس ہے کہ اس فرقے کے معاملے میں جس کا ذکر میں نے شروع کیا ہے۔

اکثر لوگوں نے اس طریقہ انصاف سے کام نہ لیا بلکہ ان غلط بیانوں اور زیادتیوں پر جو مخالفین نے ان پر جوڑ دیں یا جن کی بنا محض غلط فہمی یا بیان کی بدعنوانی پر ہے جن سے کوئی عاقل بے نفرت کئے نہیں رہ سکتا اعتماد کر لیا گیا۔ اسی قسم کی جھوٹی برائیاں مشہور ہونے سے لوگوں کے دلوں میں اس فرقہ کا ایک ایسا نقشہ جم گیا کہ جس وقت وہ وہابی یا غیر مقلد کا لفظ سنتے ہیں تو سنتے ہی ان کے ذہن میں اس کا ایک ایسا برا مفہوم گزر جاتا ہے جو رافضی یا خارجی بلکہ کافر کے سننے سے بھی نہیں گزرجاتا۔ اس نام کے سننے سے یا اس مذہب والے کی صورت دیکھنے سے معاً ان کے ذہن میں یہ خیال گزر جاتا ہے کہ قدیمی مذہب کے خلاف نئے تراشے ہوئے مذہب والے۔ بدعقیدہ۔ رسولؐ کے منکر۔ اولیاء کے غیر معتقد۔ ائمہ کے ساتھ گستاخ وغیرہ۔ ہم کو خود بھی یاد ہے جب تک ہم اس مذہب کی اصل حقیقت سے واقف نہیں ہوئے تھے، ہم بھی ایسا ہی سمجھتے اور بے حد نفرت رکھتے تھے حالانکہ جب تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ ایک خیال تھا غلط۔ اور وہ ہرگز ایسے نہیں بلکہ یہ مخالف فرقے کے تعصب نے جب کہ ان کو بہت برا ذریعہ عوام کے مشتعل کرنے کا اور ان کی دلچسپ باتوں اور قرین قیاس ہدایتوں سے روکنے کا یہی ملا لہٰذا اس سے کام لیا۔ پس عوام کیلئے اس مذہب سے نفرت کی بجائے ایک کے دو وجہیں ہوگئیں ایک تو اپنے موروثی اور دین نشین مذہب کے خلاف ہونا۔ دوسری سخت نفرت وہ باتوں کا اس مذہب میں یقین دلایا جاتا۔ اس لئے عموماً اس گروہ کے ساتھ معاملے کی وہ حالت رہی جو کسی رافضی یا خارجی سے بھی نہیں کی جاتی ایک صاحب نے ایک رسالہ لکھ کر شائع کیا انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمفاسد۔ اس کے صفحہ ۷ میں اہل حدیث کی بابت لکھتے ہیں۔ حکام اہل اسلام کو لازم ہے کہ ان غیر مقلدوں کو قتل کریں اگر وہ لاعلمی کے عذر سے توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہ کریں۔ عوام اہل اسلام پر لازم ہے کہ مدعی و گواہ ہو کر حکام وقت سے سزا یابی ان کی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ انتہیٰ اور ان کے ساتھ وہ برتاؤ برتا گیا جو کسی بدتر سے بدتر آدمی کے ساتھ نہیں برتا جاتا۔ کسی عیسائی ہندو، دہریے، رافضی، نیچری کے ساتھ ملنا جلنا، اٹھنا، بیٹھنا ایسا برا نہیں سمجھا گیا جیسا ان کے ساتھ ایسا بھی ہوا کہ اگر کوئی ان میں کا کسی مسجد میں چلا گیا تو مسجد خوب دھوئی اور پاک کی گئی۔ بعض جگہ سنا گیا کہ مٹی بھی

کھود کر نکالی گئی کیا اگر کتا یا سور یا ہندو یا عیسائی مسجد میں آجائے تو ایسا کیا جاتا ہے؟ کبھی نہیں۔ اور ایسا تو بہت ہوا کہ کسی جماعت میں جا کر شریک ہو گئے اور زور سے آمین کہہ دی تو امام سمیت حنفیوں کی نماز میں خلل آگیا بلکہ فاسد ہو گئی اور پھر سے پڑھنا پڑی۔ تعجب ہے کہ صرف پاس کھڑے ہونے سے کیسے نماز فاسد ہو گئی۔ اگر ہو تو صرف اسی شخص کی ہو جس نے آمین کہی لیکن اوروں کی طرف فساد کیسے متعدی ہوا؟ (۱)

---

(۱) مولوی شبلی صاحب نعمانی کی تصنیفات و تحقیقات اور دوسری کارروائیوں کی حقیقت:

چونکہ مولوی شبلی نعمانی صاحب کی کتاب سیرۃ النعمان اور اس کی اشاعت کی کاروائیوں کا بھی واضح کرنا ضروری ہے اس وجہ سے اس جگہ حضرات اہل سنت کے ان کامل قدر مصنف [illegible] کی چند عبارتوں کو نقل کر دینا بھی مناسب ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ [illegible] باتوں پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں [illegible] ایک جگہ لکھا ہے شبلی صاحب اس کا اظہار [illegible] کرتے ہیں لیکن [illegible] مولوی شبلی صاحب کی اس تحقیق [illegible] نعمانی صاحب خود اقرار ہے۔ (الانتقاد صفحہ ۸۷) پھر لکھا ہے اور یہ خیال کیا [illegible] شبلی ہے جیسا کہ نعمانی صاحب کی عبارت (سیرۃ النعمان صفحہ ۱۵۲) کہتی ہے نعمانی صاحب جو احادیث [illegible] کے بیان کرتے ہیں اس میں بھی شبلی نعمانی (صفحہ ۱۰۷) پھر لکھا ہے افسوس ہے کہ نعمانی صاحب نے سیرۃ النعمان میں قاضی ابو یوسف کا اور امام [illegible] کے جواب میں کتاب لکھنے کا [illegible] مگر امام [illegible] شبلی صاحب کا اس کے رد کر دینے کا [illegible] (صفحہ ۱۰۸) پھر لکھا ہے: جب ہم نے [illegible] نعمانی صاحب کے اقوال نقل کیے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تاریخ کے [illegible] کر کے کتاب سیرۃ النعمان لکھی ہے جیسا کہ خود انہوں نے اول میں اقرار کیا ہے۔ جس میں امام اعظم کی سوانح عمری [illegible] اور ان کے مذہب کی ترجیح کی [illegible] کوشش کی گئی ہے انہوں نے اس حصہ میں حد سے زیادہ غلو کی وجہ سے سخت مسامحات کیے ہیں۔

مولوی شبلی صاحب نے حد سے زائد غلو کی وجہ سے سخت مسامحات کئے:

[illegible]

مولوی شبلی صاحب دعوی کرتے ہیں مگر ثبوت نہیں پیش کرتے:

اگر نعمانی صاحب بلا کسی ثبوت پیش کرنے کے [illegible] کے کلام سے بھی یہ بات صراحتاً [illegible] (صفحہ ۱۲۲)۔

مولوی صاحب کی بعض کارروائیوں کی شکایت:

آگے چل کر لکھا ہے نعمانی صاحب نے دعوے تو بڑے لانبے چوڑے اور خوب خوش آئند الفاظ میں کئے مگر افسوس کہ ثبوت کچھ نہ پیش کر سکے۔ کہیں کہیں جو عقود الجمان کا حوالہ دیا ہے۔ تو عقود الجمان تاریخ رجال کی کوئی معتبر کتاب نہیں۔ یہ بھی انہیں کتابوں میں ہے جن کو آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں دور از کار اور فضول قصے مذکور ہیں۔ (صفحہ ۶۹)

مولوی شبلی صاحب کا جی جس کو چاہتا ہے صحیح کہہ دیتے ہیں اور جس کو جی چاہتا ہے غلط کہہ دیا کرتے ہیں:

جن میں سے جس کو آپ کا جی چاہتا ہے صحیح تسلیم کرتے ہیں اور جس کو جی چاہتا ہے غلط کہہ دیتے ہیں۔ پھر ایسی غیر معتبر کتاب کا حوالہ کیا حجت ہو سکتا ہے؟ اس لئے کہ اس کا روایت کی رو سے ناقابل اعتبار ہونا تو ثابت ہی ہو گیا۔ رہی درایت تو جو بات درایت کی رو سے ناممکن الوقوع ہے تو اس کا نہ ہونا تو مسلم و یقینی ہے اور جو روایت کی رو سے ممکن الوقوع ہو تو مجرد امکان سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ واقع بھی ہوتی ہے اس لئے کہ:

مولوی شبلی صاحب کی افسوس ناک جرأت:

ہر عاقل جانتا ہے کہ ہر ممکن کے لئے واقع ہونا بھی ضروری نہیں۔ افسوس کہ اس پر آپ کی جرأت یہ ہے کہ صفحہ ۱۲۳ میں لکھتے ہیں تعجب ہے کہ ایسا صریح خلاف دعویٰ!!! بعض شیوخ کے نام تو بیشک بعض معتبر کتابوں کے حوالے سے گناتے ہیں مگر تحصیل حدیث کے حالات کون سی ایسی کتاب سے لکھے ہیں؟ ذرا بتائیں تو (صفحہ ۱۲۵) پھر لکھا ہے "اس سے سیرۃ النعمان کی وہ غلطی بھی ظاہر ہوتی ہے جو

کوفہ بصرہ کو حرمین کا مثل بنا دیا:

انہوں نے کوفہ بصرہ کو حرمین کا مثل بنایا ہے اور نعمانی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ کوفہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کی وجہ سے دار العلم تھا جیسا کہ حرمین حضرت عمر اور حضرت ابن عباس کی وجہ سے اس کا جواب حسن البیان میں دے دیا گیا ہے اس وجہ سے ہم لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے گھوم گھام کر نعمانی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ الخ (صفحہ ۱۲۶)

مولوی شبلی صاحب قطعی اور صریح باتوں کا بھی انکار کر دیتے تھے:

آگے چل کر پھر لکھا ہے "ہم کو نعمانی صاحب کے باوجود دعوے اجتہاد و تاریخ دانی و تحقیق کے اس سخت تعصب پر سخت تعجب ہے ایک ایسی قطعی و صریح بات کا انکار کر دیا جس میں آج تک کسی مورخ یا محقق عالم نے شک نہیں کیا۔ ایک ایسی مسلم بات ہے جس کی برابر محقق و اکابر علماء تصریح کرتے چلے آئے مگر نعمانی صاحب کی غیرت تھی کہ انہوں نے ایسی صریح بات سے انکار کر دیا۔ مگر نعمانی صاحب کی حمیت نے ان باتوں کی ذرا پروانہ کی نعمانی اس کے بعد اپنے دعویٰ کا ثبوت جو پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے (صفحہ ۱۳۳)

مولوی شبلی صاحب علماء محققین کے خلاف لکھا اور بات بنایا کرتے ہیں:

آگے چل کر لکھا ہے "پھر نعمانی صاحب اپنے فرط حمایت کی وجہ سے محققین کو کوتاہ نظر بنا کر لکھتے ہیں نعمانی صاحب خوب سمجھتے تھے کہ بغیر کسی اور بات کے پیدا ہوتے اب تک جو کچھ ہم نے لکھا اس سے امام صاحب کے مذہب کی پوری حمایت اور ان سے رفع الزام ممکن نہیں اس وجہ سے یہ بات بنائی حالانکہ یہ وہیں بن سکتا ہے۔ ورنہ ہر جگہ ایسا خیال کرنا سخت غلطی ہے جس کے غلط ثابت کرنے کیلئے ہماری یہ تمام مدلل تحقیقات جو ذکر کی کافی ہے اور خود ظاہر ہے۔ (صفحہ ۱۳۵)

مولوی شبلی صاحب کی خوش فہمی اور بخاری پر بھی ہاتھ صاف کرنا:

پھر لکھا ہے "اس کے بعد نعمانی صاحب نے اپنی خوش فہمی سے امام بخاری پر بھی ہاتھ صاف کیا جو اگر خود ہماری نظر سے نہ گزرا ہوتا تو ہم کبھی یقین نہ کرتے کہ نعمانی صاحب باوجود ایسے دعوؤں کے امام بخاری پر ایسے بے اصل اعتراض کریں گے جس کا جواب غالباً حسن البیان میں دیا گیا ہے اس وجہ سے

مختصر یہ کہ علامہ شاہ جہاں پوری کی کتاب مولوی شبلی صاحب کی کارروائیوں کو طشت از بام کرنے کے لئے کافی ہے اور ہم نے جو چند جملے نقل کئے ان سے زیادہ کی اب ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

مولوی شبلی صاحب کی عربی دانی:

مولوی صاحب موصوف نے اپنی تقریباً ہر کتاب میں شیعوں کی مخالفتوں کا ڈھیر لگا دیا ہے۔ جس سے ممکن ہے کچھ لوگوں کو خیال ہو کہ جب وہ اس قدر قابل محقق اور بڑے مصنف تھے کہ ہر طرف علامہ شبلی کے معزز لقب سے یاد کئے جاتے ہیں تو انہوں نے غلط باتیں نہیں لکھی ہوں گی اور شیعوں کے خلاف بھی صحیح ہی لکھا ہوگا۔

اس وجہ سے شدید ضرورت ہے کہ ان کی واقعی قابلیت پر بھی ہلکی سی روشنی ڈال دی جائے۔ تیس سال کا زمانہ گزرا رسالہ اصلاح کھجوا میں حسب ذیل مضمون شائع ہوا تھا ''مولوی شبلی صاحب کی عربی دانی'' زمانہ حال کے علماء اہل سنت میں جناب شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی ایک نہایت مشہور اور معزز عالم گزرے ہیں جن کو فن تاریخ و تاریخ نویسی میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مولوی صاحب ممدوح وسیع النظر مصنف گزرے ہیں میرا مقصود اس مقام پر صرف مولوی صاحب کی عام علمی شہرت کا دکھانا ہے نہ ان کی واقعاً عالم علوم عربیہ تسلیم کرنا۔ اور میں کیا کوئی طالب العلم بھی جو کچھ بھی عربیت کا۔

ذوق رکھتا ہے ممدوح کو عالم کیا مولوی ماننے پر بھی آمادہ نہ ہوگا کیونکہ آپ کی مصنفات میں جہاں تاریخی معلومات کے ذخیرے بھرے ہوئے ہیں وہیں عربی زبان سے ناواقف ہونیکے دلائل بھی نہایت کثرت سے پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں جن سے کوئی معمولی باسواد شخص بھی چشم پوشی نہیں کرسکتا مثلاً عرض کرتا ہوں کہ:

(۱) کیا ایک معمولی اور کافیہ و سلم الادب کا پڑھنے والا طالب علم بھی کبھی ایسی غلطی کرسکتا ہے کہ منبر کو جو عربی زبان میں ہنر کا اسم آلہ ہے نہ سمجھ سکے کہ کیا ہے اور اس کا معنی کیا ہے؟ چنانچہ مولوی صاحب ممدوح اپنی تصنیفات میں جس جگہ بھی لفظ منبر کا ذکر کرتے ہیں وہاں اس کو انگریزی زبان کا ممبر لکھتے ہیں ایسی غلطیاں مولوی صاحب کی کل کتابوں میں بھری ہوئی ہیں جن کی فہرست اگر تیار کی جائے تو پورا مضمون اسی سے مملو ہو جائے یہاں صرف ایک عبارت نقل کرتا ہوں الفاروق جو ۱۸۹۸ء میں کانپور کے مشہور مطبع نامی پریس میں چھپی ہے۔ اس کی جلد اول صفحہ ۲۰ کو نمونہ کے طور پر جس شخص کا دل چاہے دیکھ لے کہ تحریر فرمایا ہے ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کے بجائے ممبر نصب ہوا۔ اسی طرح متعدد مقام پر اس لفظ کو جو عربی زبان کا ہے اور عربی قاعدے کے مطابق منبر (میم کے بعد نون۔ پھر ب پھر ر) ہے مولوی صاحب نے اپنی قابلیت کی وجہ سے ممبر (میم کے بعد میم پھر ب پھر ر سے) لکھا ہے جس کا صحیح ہونا کسی طرح ممکن ہی نہیں نہ کسی لغت سے ثابت ہوسکتا ہے اور نہ کسی قاعدے سے۔ اس سے زیادہ افسوس ناک مثال ملاحظہ فرمایئے:۔

(۲) سیرۃ النبیؐ کے صفحہ ۴ پر ایک عربی عبارت اس طرح لکھی ہے۔ اللھم صلی علیہ وسلم صلوٰۃ کثیراً کثیراً کون ہے جو مولوی شبلی صاحب سے دریافت کرے کہ عربی زبان کی کس کتاب نحو میں یہ لکھا ہے کہ مونث موصوف کی صفت مذکر لائی جائے جس پر عمل کر کے آپ لفظ صلواۃ مونث کی صفت کثیراً کثیراً مذکر لائے ہیں۔ اس سے زیادہ لطیف اور مضحکہ واقعہ:۔

(۳) لفظ تثقہ کا ہے کہ مولوی صاحب نے جو علامہ کہے جانے لگے ہیں سینکڑوں مقام پر اس لفظ کو استعمال کیا ہے حالانکہ عربی زبان میں کہیں بھی یہ لفظ نہیں ہے اور اس کے استعمال پر کتاب نحو میر کے پڑھنے والے لڑکے بھی بجائے ہنس دینے کے رو پڑیں گے کہ اللہ اکبر اب عربی علوم کی یہ کساد بازاری ہوگئی جو بزرگ اس زمانہ میں ہندوستان کا فخر اور مایہ ناز عالم گزرا ہے وہ عربی زبان سے اس درجہ ناآشنا تھا کہ اس کو یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ لفظ ثقہ کا مادہ کیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ثقہ کے آخری حرف کو ہائے ہوز اور وہ بھی اصلی سمجھ کر اس کو باب تفعل میں لے گیا اور اس سے تثقہ بنا دیا اور یہ تک نہ خیال کیا کہ وثوق اور ثقہ ایک ہی مادے سے ہیں جس کو اگر جانتے نہیں تھے تو کم از کم متنبہ ہو کر کسی مکتب کے طالب علم سے پوچھ لیتے کہ دونوں ایک ہی معنیٰ کے ہیں پھر اس سے تثقہ بنانا درست ہے یا نہیں چونکہ محض اردو داں حضرات مولوی صاحب کی اس شرمناک غلطی کا پورا لطف نہیں حاصل کرسکتے لہٰذا میں اس کی توضیح کر دیتا ہوں کہ عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے جس لفظ کے شروع میں واو ہوتا ہے اس کے بعض مشتقات سے حرف واو کو گرا کر اس کے عوض آخر میں گول ۃ بڑھا دیتے ہیں جو حالت

بزورِ حکومت مذہب اہل سنت کی اشاعت:

ممدوح نے آگے چل کر لکھا ہے کہ افریقہ میں عبداللہ بن فروج فارسی نے امام ابوحنیفہ کا مذہب وہاں پہنچایا اور بعض قضاۃ کے ذریعہ سے اس کو فروغ ہوگیا۔ پھر قضا علامہ سخنون بن سعید تنوخی کے ہاتھ آئی۔ انہوں نے امام مالک کے مذہب کی اشاعت کی حتیٰ کہ معز بن بادیس جب کہ ۴۰۶ھ میں افریقہ کے حاکم ہوئے بزور حکومت انہوں نے تمام ملک میں ملکی فقہ کو رواج دے دیا۔

ان ممالک میں کوئی مفتی قاضی نہیں ہوسکتا تھا جب تک مالکی فقہ کا نام لینے والا نہ ہو اور عوام کو بھی بہ مجبوری زیادہ تر اسی کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ اس لئے تمام بلاد مغربیہ (افریقہ واندلس، میں امام مالک کا نام اور ان کا مذہب پھیل گیا اور اس کی بنیاد خوب مستحکم ہوگئی۔ جیسا کہ بلاد شرقیہ (خراسان وغیرہ وافغانستان وہندوستان) میں امام ابوحنیفہ کا نام اور ان کا مذہب پھیلا اور اس کی بنیاد مستحکم ہوئی۔ کم وبیش یہی اسباب امام شافعی اور امام احمد کے لئے بھی بہم ہوئے جن سے ان کے نام اور ان کے مذہب نے شہرت پائی اور آئندہ کے لئے اس کا سلسلہ قائم ہوا۔ یہ سب جس سے یہ چار امام اور ان کے مذہب عام طور پر قائم ہوئے اور ان کا سلسلہ آگے کیلئے چل نکلا۔ دیگر ائمہ اور ان کے مذہبوں اور اصحاب کو بہم نہ ہوا لہٰذا وہ زیادہ دنوں باقی نہ رہ سکے اور کچھ دنوں کے بعد معدوم یا گمنام ہوگئے ابتداء میں جب حکام وقت کی توجہ اور حمایت سے ان چاروں مذہبوں کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا گیا تو دن بہ دن ان مذہبوں کی ترقی وتکمیل ہوتی رہی۔

لہٰذا انہیں کی طرف رجوع ورغبت اور دیگر مذہبوں سے استغناء اور بے رغبتی ہوتی گئی اور نیز جب یہ مذاہب ایک زمانے تک مرجع اور معمول بہ رہے تو اب وہ مانوس ہوگئے اور طبعی اور اصلی مذہب معلوم ہونے لگے اور لوگ ان کے عادی بن گئے اور یہ ایک مستقل وجہ مقبولیت اور عام طور پر مروج رہنے کی ہے۔

ورنہ حقیقت میں کہیں اللہ اور رسولؐ نے بھی حکم نہ دیا تھا کہ فلاں وفلاں چار امام ہوں گے، انہیں کی پیروی کی جائے اور انہیں کے مذہبوں کو اختیار کیا جائے اور ان کے سوا اور کسی کے بتائے ہوئے مسائل کا اعتبار نہ کیا جائے۔ یہ کچھ نہ تھا صرف زمانے کا دور تھا جس نے ان چار کو باقی رکھا اور ان کے ساتھ موافقت کی۔ اور باقی کو فنا کردیا اور یہ ایک ایسی صاف بات ہے جس میں ادنیٰ واقفیت رکھنے والا بھی شک نہیں کرسکتا۔

علماء اہل سنت بادشاہوں کی طاقت ہی سے اپنا مذہب پھیلایا کرتے:

ان چاروں مذاہب کے اصحاب آپس میں چشمک بھی رکھتے تھے اور اپنے مذہب کے فروغ دینے اور دوسرے کے

زیر کرنے کی تدبیریں اور کوششیں کیا کرتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ ہمارا ہی مذہب منظور نظر سلاطین رہے اور اسی کے موافق نظام سلطنت ہو چنانچہ استاذ ابو حامد اسفرائنی نے جب خلیفہ ابوالعباس القادر باللہ کے دربار میں رسوخ پایا تو خلیفہ سے اس بات کی منظوری حاصل کرائی کہ ابو محمد بن اکفانی حنفی قاضی بغداد کو معزول کر کے بجائے ان کے ابوالعباس بارزی شافعی قاضی مقرر کیا جائے بے چارے قاضی ابو محمد صاحب کو خبر بھی نہیں آخر وہ معزول ہوئے اور بارزی قاضی مقرر کئے گئے اور ابو حامد اسفرائنی کے ادھر سلطان محمود بن سبکتگین کو جو اس وقت اعظم السلاطین تھے لکھا بھیجا کہ خلیفہ نے حکم قضا کا حنفیوں سے منتقل کر کے شافعیوں کو دیا ہے لہذا آپ کو بھی اپنے ممالک میں اس پر عمل درآمد کرنا چاہئے۔ اس انقلاب سے خراسان میں شور اٹھا کہ حنفی کب چاہتے تھے کہ شافعی المذہب قاضی مقرر ہو؟ اور بغداد و دار الخلافہ کے لوگ بھی مختلف ہو کر دو فریق ہو گئے۔ اور ملک میں فساد و فتنہ پھیل گیا۔ آخر خلیفہ کو سابق دستور کے موافق بدلنا پڑا اور بارزی کو معزول کر کے اکفانی کو قضا دی یہ ۳۹۳ھ کا واقعہ ہے۔ اسی طرح برابر ایک دوسرے پر حملے کرتے رہتے تھے۔ کبھی کوئی غالب ہو جاتا تھا کبھی اور جھگڑے قضیے ہوتے رہتے تھے آخر ۶۶۵ھ میں شاہ ظاہر بیبرس بندقداری نے چاروں مذہب کے چار قاضی مقرر کئے۔ اس سے پہلے مصر میں سوائے شافعی المذہب کے کوئی قاضی مقرر نہ کیا جاتا تھا۔

سلطنت کے زور سے مذہب شیعہ مٹایا اور مذہب اہل سنت قائم کیا جاتا:

وجہ اس کی یہ تھی کہ مصر میں پہلے تو تشیع غالب تھا سلطان صلاح الدین نے جب دولت شیعہ کا ازالہ کر کے مصر میں اہل سنت کا قدم جمایا تو چونکہ سلطان صلاح الدین شافعی المذہب تھے۔ لہذا انہوں نے حکم قضا صدر الدین مارانی شافعی کے ہاتھ میں دے دیا۔ پس اقلیم مصر میں سوائے شافعی المذہب کے کوئی قاضی نہ ہو سکتا تھا۔ سلطان مذکور اگرچہ امام شافعی کے مذہب کے معتقد تھے مگر انہوں نے جہاں فقہائے شافعیہ کے لئے مصر میں مدرسہ کھولا ایک مدرسہ فقہائے مالکیہ کیلئے بھی کھول دیا تھا۔ اس وجہ سے مصر میں مالکی مذہب بھی چل نکلا تھا۔ ادھر سلطان نور الدین محمود زنگی حنفی مذہب کے بڑے حامی تھے۔ ان کے سبب سے بلاد شام میں حنفی مذہب خوب زوروں پر تھا انہیں کے اثر سے مصر میں بھی حنفی مذہب پھیلنے لگا مگر قضاء مصر میں شافعیوں ہی کے ہاتھ میں تھی حتی کہ جب سلطنت ملک ظاہر بیبرس کے ہاتھ آئی تو انہوں نے ہر مذہب کا ایک ایک قاضی مقرر کیا

ا۔ علامہ شاہجہان پوری پہلے بھی لکھ چکے ہیں "تشیع کا دور مصر سے اٹھا وہ مصر میں بہت غالب رہا حتی کہ ۵۶۷ھ میں سلطان صلاح الدین نے دولت اسماعیلیہ کو شکست دے کر اور تباہ کر کے مصر کو تشیع سے صاف کیا۔ تشیع کے بجائے شافعیت مصر میں بہت ترقی کی" (کتاب الارشاد صفحہ ۴۹)

ایک شافعی، ایک مالکی، ایک حنفی اس وقت سے آئندہ کیلئے یہی دستور جاری ہو گیا۔

اگر شیعہ بھی ختم نہ ہوتے تو کیا ہوتے:

اور اب سے گویا سرکاری طور پر چاروں مذہب تسلیم کر لئے گئے اور ان چاروں مذہبوں کی سلطنت حامی ہوگئی۔ ان کے سوا اگر کوئی تھا ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا لہٰذا ان کو ترقی نہ ہوتی تو کس کو ہوتی؟ اور دوسرے بے چارے گمنام اور نابود نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور برابر ان کو روز بروز ترقی ہوتی رہی۔ آخر سلطان فرح بن برقوق نے،

کعبہ شریف کے چار مصلے کب اور کس نے مقرر کر دیئے:

جو کہ اشر ملوک چراکسہ کہے جاتے ہیں اوائل نویں صدی میں مسجد کعبہ شریف کے اندر چاروں مذہب کے چار مصلے بھی قائم کر دیئے اور اچھی طرح سے دین محمد کو چار حصوں اور جماعتوں پر تقسیم کر دیا۔ اگر چہ اس احداث پر اس وقت کے حق شناس علماء نے مخالف بھی کی مگر جس بات کی اتنے دنوں سے تمہید جم رہی ہو اور اب ایک بااختیار بادشاہ کے ذہن میں ٹھن گئی ہو وہ کیسے ٹل سکتی تھی۔ چنانچہ نہ ٹلی اور اس کا اثر ان مذہبوں کے استحکام اور ان کی تقلید کی بابت عموماً لوگوں پر ایسا پڑا جو کسی دوسرے ذریعہ سے بمشکل پڑ سکتا تھا۔ اور عوام کے ذہنوں میں یہ بات اچھے طور پر قائم ہوگئی کہ یہ چاروں مذہب اور ان کی تقلید اصلی طریقہ اسلام اور عین حکم الٰہی ہے۔ جس کی مخالفت کسی مسلمان کو جائز نہیں اور جس نے اس کا خلاف کیا اس نے اسلام اور اصل طریقہ کا خلاف کیا حالانکہ اس کی اصلیت صرف اسی قدر ہے جو معلوم ہو چکی ہے۔

خانہ کعبہ کے چا مصلوں کی برائی:

زمانہ مابعد کے علماء نے بھی ان مصلوں کے قائم کرنے کو امر زبوں اور بدعت کہا ہے چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تفسیر فتح العزیز میں تحت آیہ وما اللہ بغافل عما تعملون کے اس کو بدعت لکھتے ہیں اور مولوی رشید احمد صاحب سرگروہ احناف دیوبند سبیل الرشاد میں تحریر فرماتے ہیں "البتہ چار مصلے جو مکہ معظمہ میں مقرر کئے ہیں لاریب یہ امر زبوں ہے"۔

سلاطین اہل سنت بدعتوں کے بانی ہوتے ہیں:

مگر یہ تفرقہ کسی وقت میں سلطنت میں کسی وجہ سے حادث ہوا ہے پس یہ طعن سلاطین پر ہے کہ مرتکب اس بدعت کے ہوئے انتہی (صفحہ ۳۳)

کسی بات کا مکہ میں ہونا یہ نہیں بتاتا کہ وہ ضرور حق ہی ہے:

اس سے ثابت ہوا کہ مخالف فریق کو بھی تسلیم ہے کہ کسی بات کا مکہ میں ہونا اس بات کو نہیں چاہتا کہ وہ عنداللہ بھی صحیح ہو۔

حرمین شریفین کی بزرگی اور وہاں کے ذاتی فضائل سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہاں کے سب باشندے خطاء سے معصوم اور غلطی سے پاک ہیں یا وہاں کوئی ناجائز بات نہیں ہو سکتی۔

مکہ اور مدینہ میں رہنا تک حرام:

ملا علی قاری کی حنفی مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں اگر حنفیہ میں ان متاخرین کو دیکھتے جس پر ہمارے زمانے کے خلفاء کرنے والے لوگ ہیں تو وہ حرمین شریفین کی مجاورت پر حرمت کا حکم لگا دیتے حرمین میں ظلم کے شائع ہو جانے اور جہل کی کثرت ہو جانے اور بری باتوں اور بدعات کے پھیل جانے اور کل حرام و شبہات کی وجہ سے انتہی۔ ملا علی قاری نے خاص بدعات حرمین کے بارے میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ پیغمبر صاحب اور ان کے قریب کے زمانوں کے بعد تو احوال بگڑ گئے اور بدعات کی کثرت ہو گئی۔ بہر حال کسی عمل یا کسی مسلک کا حرمین شریفین میں ہونا اس کے حق میں ہونے کے لئے سند نہیں ہو سکتا۔

تمام شرفاء مکہ شیعہ ہو گئے تھے:

ایک زمانے میں تمام شرفاء مکہ زیدی شیعہ ہو گئے تھے اور وہاں کی امامت بھی انہیں کے ہاتھ تھی دیکھو صواعق علامہ نصر اللہ کابلی کتاب الارشاد صفحہ ۵۸۔

مذہب اہل سنت کیوں پھیلا:

علامہ شاہ جہاں پوری بھر اپنے سلسلہ کلام کو اس طرح جاری کرتے ہیں ظاہر ہے جس ملک میں جس مذہب نے رواج پایا اس کو رواج دیا گیا دیگر طریقے وہاں سے اگر بالکل رخصت نہیں ہوئے تو کمزور اور مضمحل تو ضرور ہی ہو گئے جب کہ بعض سلاطین کو اس قسم کے مباحث کی طرف توجہ پیدا ہوئی تو لوگوں نے اپنے مذہب کے ہمونہ کچھ وجوہات عقلی یا نقلی پیدا کر کے اس کو راجح ثابت کیا۔

اپنے مذہب کے امام کی مدح اور دوسرے کی مذمت میں حدیثیں بنائی گئیں:

اور بعض نے تو اس مقصود کے حاصل کرنے کے لئے یہاں تک افراط و تفریط سے کام لیا کہ اپنے امام کی مدح وغیرہ اور دوسرے مذہب کے امام کی مذمت میں حدیثیں بنا کر مشہور کیں اپنے امام کے لئے مبالغہ آمیز مجاہد اور دوسرے مذہب کے امام کی نسبت ایسے ناشائستہ الفاظ بولے جو کسی طرح زیبا نہ تھے اپنے مذہب کو ترجیح ثابت کرنے کے لئے عمداً اصول کے ایسے

قواعد ممہد کئے جس سے اپنے مذہب کے مسائل چسپاں ہو جائیں۔ اور مخالف کی بات کا رد ہو جائے دن بدن اس کو ترقی اور پختگی ہوتی گئی اور اسی کے ساتھ تعصب بڑھ گیا۔

مذہب پر سلطنت کا اثر:

جب سلطنت کا مذہب تقلید رہا تو رعایا کا زیادہ تر اسی مذہب پر ہونا اور اسی طرف مائل رہنا ایک لابدی اور ضروری الوقوع امر تھا کیونکہ اول تو بادشاہ و سلطنت کا کسی وضع یا مسلک پر ہونا قطع نظر دوسری باتوں کے لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کیلئے کافی ہے کیا تم اپنے زمانے کے سلاطین طبع کو نہیں دیکھتے باوجود شرعی مزاحمت اور علماء کے روکنے کے کس قدر لوگ انگریزی وضع قطع، چال، ڈھال، طرز مباشرت، آداب اکل و شرب اقسام کھانوں وغیرہ کی طرف جھکتے چلے جاتے ہیں اور بلا کسی ضرورت یا معتد بہ نفع کے اسی طرف مائل ہیں۔

بادشاہ کا مذہب اختیار کرنے کے فائدے:

دوسرے ظاہر ہے کہ سرکاری مذہب کے اختیار کرنے میں ملکی خدمات معزز عہدے، عزہ وجاہ رجوع خلائق وغیرہ جو ہاتھ آسکتے ہیں خلاف میں نہیں آسکتے۔ تیسرے سرکاری طریقہ اور مروج مسلک باعث امن و عافیت ہوتا ہے اس کے خلاف میں ذلت و مصائب و آفات کا سامنا ہے۔

شیعہ سنی کے انقلاب سلطنت کی تاریخ:

چوتھے جس نے اس وسطی زمانے کے سلاطین کی تواریخ دیکھی ہے وہ جانتا ہے کہ کسی مسلمان کو کسی مسلمان بادشاہ کی کسی امر میں مذہباً مخالفت کیسی دشوار تھی۔ غرض اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سلطنت کا مذہب و مسلک رعایا میں بہت زور کے ساتھ اشاعت پاتا ہے اور اسی بنا پر یہ قول مشہور ہے الناس علی دین ملوکھم شیعہ سنی کے انقلاب سلطنت کی تاریخ دیکھو سلطنت کے پلٹنے سے عام رعایا کا رنگ کس قدر بدل جاتا تھا۔ اس میں بڑا دخل سلطنت کے مذہب کو ہے۔

مذہب پر حکوت کے وظیفوں اور تنخواہوں کا اثر:

اس زمانے میں امن و عافیت بلاکسی امام کی طرف انتساب کے کیسا دشوار تھا۔ تواریخ دیکھو خاص خاص مذہب کے نام پر وقف تھے اسی طرح قضا و افتاء کے محکمہ کا حال تھا کہ خاص خاص مذاہب کے نام کی مدات تھیں جب تک کوئی انہیں میں شامل نہ ہو وہ اس عہدے پر مقرر نہ ہو سکتا تھا وظائف خاص خاص مذہب کے نام کے مقرر تھے اور جو ان سے باہر ہونے کا نام لیتا وہ ان سے محروم رکھا جاتا بلکہ اور مطعون ہوتا تھا۔

شاہی مذہب کے خلاف رائے ظاہر کرنے کی سزائیں:

خلیفہ مستعصم باللہ کے زمانے میں مجلس سے پہلے محمد شہرستانی محدث نے اس مسئلے پر فتویٰ لکھ دیا تھا کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے اور محدث عبدالرحمٰن حنبلی نے ان کی موافقت کی لہٰذا ان دونوں کو ایذائیں دی گئیں اور شہرستانی جس مدرسہ میں تھے اس سے نکال دیئے گئے اور حنبلی بھی شہر بدر کر دیئے گئے۔ علامہ ابن حزم کو جو ظاہر حدیث پر عمل کرتے تھے اور کسی امام کی طرف منسوب ہونا نہیں چاہتے باوجودیکہ وہ ایک نہایت معزز شخص تھے ان کے معاصر زمانہ کے ہم رنگ علماء نے بالاتفاق ان کو گمراہ ٹھہرایا اور لوگوں کو ان سے ملنے کی ممانعت کر دی اور سلاطین کو بھی ان کی طرف سے برگشتہ کر دیا حتیٰ کہ تمام سلاطین ممالک نے اپنے اپنے ملک سے ان کو نکال دیا۔ آخر بے چارے مجبور ہو کر کسی گاؤں کی طرف نکل گئے اور وہیں انتقال کیا۔ علامہ ابن تیمیہ کو بھی ان کے معاصرین نے سخت سخت اذیتیں دیں طرح طرح سے ان کے معاصر ان کے بھڑکانے کے لئے ان پر تہمتیں لگاتے تھے اس وجہ سے کئی مرتبہ بے چارے قید کئے گئے۔ اور قید خانہ ہی میں انتقال کیا لوگوں نے بہت مرتبہ ان کو جان سے مار دینے کے لئے ان پر حملے کئے اسی طرح علامہ ابن القیم کو ایذائیں دی گئیں اور وہ بھی ابن تیمیہ کے ساتھ قید کئے گئے اور اونٹ پر بٹھا کر پھرائے گئے۔ درے لگائے جاتے تھے اور ستائے جاتے تھے امام ہروی کو قید کر دیا۔ علامہ سعدی کلام کرنے لگے اس پر ان کا قتل مباح قرار دیا۔ بادشاہ ان کے قتل پر آمادہ ہو گیا مگر کچھ امراء نے دوڑ دھوپ اور سفارش کر کے ان کی جان چھڑوائی۔ آخر وہ شہر بدر کر دیئے گئے اور ایک دوسرے مقام پر جا کر تمام عمر روپوش ہو کر رہے۔ امام حمیدی کو جو کہ ظاہر قرآن و حدیث پر چلتے تھے سخت سخت تکلیفیں سہنا پڑیں اسی طرح شیخ الاسلام ہروی اور علامہ صالح حنبلی اور سید محمد بن اسماعیل امیر کو جو کہ یہ سب علماء اہل حدیث سے تھے اور زمانہ کے رنگ کے خلاف قرآن و حدیث پر چلتے تھے زمانہ کے لوگوں سے طرح طرح کے مصائب برداشت کرنا پڑے۔ بھلا یہ لوگ تو گویا سب سے بے خبر تھے ان کو جتنا ستایا جائے تعجب نہیں۔ علامہ منصور بن محمد تمیمی کو جو کہ حنفی تھے وہ حج کو گئے وہاں ان کو شافعی مذہب زیادہ پسند آیا اس کی طرف وہ منتقل ہو گئے اس پر بھی باوجودیکہ وہ شافعی کا نام لیتے تھے لوگ ان کی ایذا رسانی سے باز نہ رہے اور ان کے ساتھ سخت تعصب اور بدسلوکی کا برتاؤ رہا۔

زمانے کی عام روش کے خلاف کرنا آسان نہ تھا:

غرض اس میں کچھ کلام نہیں کہ زمانے کی عام روش اور رنگ کے خلاف کسی بڑے یا چھوٹے کا زبان ہلانا کچھ آسان امر نہ تھا اور اس سے نہ صرف اپنی ہی جان کو نشانہ بلا و آفات کرنا ہوتا بلکہ اہم امور کو نقصان پہنچتا تھا۔

علماء اہل سنت کا تقیہ:

بس اس خاص وجہ سے بہت سے علماء محققین نے دنیا کے پیچھے دین کو چھپایا اور انہوں نے یہ مصائب اٹھانے کے واسطے

برداشت کئے یہ صرف عوام کے فتنہ فرو کرنے کی غرض سے تھا خلاصہ یہ کہ بہت سے اسباب ایسے پیش آئے جن کی

علماء اہل سنت کی مجبوریاں:

وجہ سے یہ علماء ان مشہور مذاہب میں سے کسی نہ کسی طرف منسوب ہوئے یہ نسبت اصل میں بوجوہ مجبوری تھی اکابر علماء یا تواضع کرتے رہے یا ڈر کے مارے بخوف ضرر یا فوت نفع کے چپ رہے۔

سلاطین اور حکام کا ڈر:

اگر کوئی عالم اعلان کے ساتھ ممالک اسلام میں سے کسی شہر میں کہتا کہ یہ بدعت ہے اس پر رہنا جائز نہیں تو اگر گل نہیں تو اکثر تو ضرور اس کی اہانت کے لئے اور اس کو اس کے مال و بدن و آبرو میں نقصان پہنچانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے جو اس سے ادنیٰ درجہ کے آدمی کی شان کے بھی لائق نہیں۔ اور یہ تو جب ہوتا کہ مقلدین اور ان کے مددگار سلاطین اور حکام کے ہاتھ سے قتل ہونے سے بچ جاتا ورنہ جان ہی بچنا مشکل تھی اور اسی سبب سے یہ بدعت تمام بلاد اسلام پر چھا گئی اور تمام افراد مسلمین کو شامل نظر آنے لگی تو ناواقف لوگ خیال کرتے ہیں۔

کیا یہ دین ہمیشہ ایسا ہی رہا ہے:

کہ یہ دین ہمیشہ سے ایسا ہی رہا ہے اور ایسا ہی قیامت تک رہے گا اور بھلی بری بات کو نہیں جانتے اور بسبب اپنی ناواقفیت کے حال سے واقف نہیں اور یہی حال عالموں کا بھی ہے۔

علماء اہل سنت کی ہٹ:

بلکہ ان کا ضرر اور زائد ہے کیونکہ ان کا اپنے مذہب پر زائد ہٹ ہوتی ہے اور وہ علماء محققین کی تحقیر کرتے ہیں اور ان پر تہمت لگاتے ہیں ملوک اور امراء ان سے سن کر یقین کر لیتے ہیں کیونکہ انہیں کے ہم جنس ہیں جیسا کہ وہ بے علم ہیں ایسے ہی یہ بے علم ہیں خصوصاً جبکہ کہیں کے قاضی یا مفتی بھی ہوئے کیونکہ عوام لوگ اہل علم میں سے کامل اور غیر کامل کو کیا پہچان سکتے ہیں؟ بجز اس کے کہ جس کو مناسب اور قرب سلاطین حاصل ہوا اور جس کی طرف رجوع زائد دیکھیں اس کو بڑا عالم سمجھیں۔

اسلامی سلطنتوں کا تعصب اور حق پوشی:

چنانچہ حال کے اور پہلے زمانے کے حالات کا ہر جاننے والا اس بات کو جانتا ہے جس کو دیکھتا ہو اس زمانے میں دیکھ لے اور زمانہ سابق کی کتب تواریخ کو دیکھتے۔ اور علماء محقق بے چارے لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے اکثر پوشیدہ اور علیحدہ رہے ہم نے یا علامہ شوکانی نے جو لکھا کہ بہت سے علماء عوام کے مروج مسلک کی برائی ان کے فتنہ اور امراء و سلاطین کی مخالفت کی وجہ

سے علی الاعلان ظاہر نہ کر سکے۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جس سے کوئی صاحب بصیرت انکار کر سکے خود ہمارے زمانے کی بھی یہی حالت ہے۔ کسی متبع سنت کی ایذا رسانی میں جب قابو پاتے ہیں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتے۔ ہندوستان کی اسلامی ریاستیں جن کے رئیس باوجودیکہ برائے نام ہی خود مختار ہیں پھر بھی ان کی حدود ریاست کے اندر کوئی عالم طاقت نہیں رکھتا کہ اس مذہب و مسلک کو یا اور کسی مسئلے کو جو وہاں کے رئیس کے عقیدے کے مطابق ہے اور وہاں عموماً مروج ہے بدعت ناجائز و غلط علی الاعلان کہہ سکے۔ اس بات کا اگر کوئی

سورج پر خاک ڈالنا:

سورج پر خاک ڈال کر انکار کر دے تو کر دے مگر دیوبندی المذہب لوگ تو کسی طرح انکار نہیں کر سکتے۔ ورنہ جواب دیں کیا وجہ ہے وہ علماء جو ریاست حضور نظام یا ریاست رامپور یا دیگر ممالک اسلامیہ مثل افغانستان یا ممالک عثمانیہ میں رونق افروز ہیں ان باتوں کو کیوں منع نہیں کرتے اور ان کو موقوف کرا دیتے؟ کیا سب کے سب وہ جاہل ہیں جن کو ان امور کا منع ہونا ان کے علم میں نہیں آیا؟ یا سب کے علم میں ہے لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آتا؟ یا ایسے بددین ہیں کہ باوجود جاننے اور قدرت دفع کے دفع نہیں کرتے۔

مذہب کی وجہ سے ارباب سلطنت کی ایذا رسانی:

جب کوئی علماء مجتہدین سے مقلدین کے معتقدات کے خلاف کوئی بات کہتا ہے تو علماء مقلدین جاہلانہ طریقے سے اس کے مقابلے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اہل دنیا اور ارباب سلطنت ان کی موافقت کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ایذا بدنی اور مالی کی قدرت پاتے ہیں کر گزرتے ہیں اور اس سے ان کے ہم جنس لوگ ان کا اور شکریہ ادا کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے ان کے گمان میں دین کی مدد کی اور ائمہ اور ان کے مذاہب کی طرف سے جواب دہی کر دی۔ پس ان کی اور حرمت بڑھ جاتی ہے اور اس سے بچارے محقق عالم کی آبرو ان لوگوں کی آنکھوں کا نشانہ ذلیل و حقیر اور جھوٹا اور جاہل اور گمراہ بنایا جاتا تو ذرا غور کرو کون ہے جو ایسی حالت میں اس بدعت کے رد کے لئے کھڑا ہو باوجودیکہ ہر شخص کو طبعی طور پر دنیا مقدم ہے۔

خوف سے علماء اہلسنت کا سکوت:

اور جب مال و جاہ کی طرف عموماً دل مائل ہیں تو اے منصف نظر انصاف سے دیکھ۔ سکوت ان علماء کا کیا موافقت پر دلالت کرتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ سکوت خوف سے ہے نہ رضامندی سے۔ مگر اس پر بھی یہ لوگ اللہ کے عہد اظہار حق کو کسی نہ کسی

۱؎ یہ کتاب للارشاد ۱۳۳۸ھ (۱۹۱۹ء) کی لکھی ہوئی ہے۔ اس وجہ سے مصنف نے ریاست رامپور حکومت حسن الحسن ورکا نام بھی لکھ دیا اس وقت لکھی جاتی تو ریاست رامپور کا نام زبان پر نہیں آتا۔ ۱۲

طور سے پورا کرتے تھے۔

دنیا والوں کے خوف سے اپنی تحریر چھپا کر رکھ دی کہ مرنے پر ظاہر ہو:

کسی نے اپنی تصنیف میں صراحتاً لکھ دیا کسی نے اشارۃً لکھا۔ کسی نے اپنی تحریر کو چھپا کر رکھ دیا کہ بعد موت ظاہر ہووے چنانچہ ادفوی اپنے استاد امام ابن دقیق العید کی حکایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مرض الموت میں ان سے ایک کاغذ مانگا اور لکھ کر اپنے بستر کے نیچے رکھ دیا۔ جب انتقال کر گئے تو لوگوں نے پرچہ نکال کر دیکھا تو اس میں بالکل تقلید کی حرمت لکھی تھی اور بعض اپنے معتمد لوگوں سے کہہ دیا کرتے تھے اور طبقتاً بعد طبقۃ یہ نصیحت متوارث چلی آتی تھی اور کامل لوگ اپنے خاص خاص ناواقفوں کو بتا دیا کرتے تھے آخر معاصرین نے ان کے ساتھ جھگڑے کئے اور ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں اور انہوں نے ان کو برداشت کیا جس سے ان کا اجر اور بڑھا غرض جو علم تقلیدی کے حاصل کرنے والے ہیں ان پر علماء اجتہاد کے ساتھ بے حد تعصب غالب ہوتا ہے۔

قرآن وحدیث کے دلائل بھی نہیں سنے جاتے ہیں:

اور گو وہ کیسا ہی قرآن وحدیث سے اپنے دلائل بیان کرے مگر کوئی اس کی نہیں سنتا بلکہ ہمیشہ اس کے در پے توہین رہتے ہیں اس حد تک کہ کسی فاسق اور مبتدع اور خارجی ورافضی کے نہیں رہتے اور اس سے اس قدر بغض رکھتے ہیں جتنا یہودی ونصاریٰ سے نہیں رکھتے۔ اور جو اس سے انکار کرے وہ اصل واقعات سے بے خبر ہے۔ حاصل کلام یہ کہ وہ ان کے نزدیک ضال ومضل ہے۔ افسوس مذہب نے ان محقق علماء کو بھی نہ چھوڑا اور ان کی نفس الامر کے خلاف صورت بنا کر دکھائی۔

اہلسنت نے آپس میں ایک دوسرے پر کیا کیا ظلم کئے:

صرف یہی نہیں کیا جو ہم نے اب تک لکھا یعنی یہ کہ خیر القرون کے رنگ کو بدل کر دوسرا رنگ پیدا کیا۔ مسلمانوں میں تفریق ڈال کر چار جماعتوں پر تقسیم کر دیا۔ لوگوں سے اصل ونئے نئے دعوے کرائے عالموں کے ساتھ انبیاء کا سا معاملہ کرایا۔ خیر بقاع الارض مکہ معظمہ میں چار مصلے قائم کرا دیئے۔ اور جماعت صلوٰۃ میں تفریق پیدا کر دی۔ لوگوں سے آزادی وانصاف پسندی کی بحث کو جس کا نام تحقیق ومناظرہ ہے چھڑا کر خاص خاص راویوں اور مذہبوں کی طرف داری وحمیت پر مجبور کیا لوگوں سے ان کے خاص خاص اماموں کی واقع کے خلاف تعریفیں اور دوسرے اماموں کی مذمتیں کرائیں۔

جھوٹی حدیثیں بنوائیں:

اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ ان کی تائید کے حیلے سے ان سے جھوٹی حدیثیں بنوائیں۔ علماء حقانی کے ساتھ عداوت پیدا

کرادی۔ اور ان پر ظلم کرائے گویا ان کے نزدیک بس شریعت وہی ہے جو ان کے امام فرما گئے۔ جب قضا و افتاء نظام سلطنت اور ملکی قوانین وغیرہ کا مدار ان ہی فقہی مسائل پر قرار پا گیا اور عموماً لوگ اپنے حوادث و واقعات، عبادات و معاملات میں انہیں پر عمل کرتے اور انہیں کو پوچھتے تھے لہٰذا انہیں کے حاصل کرنے کی ضرورت ہوئی اور انہیں کی قدر ہوئی پس انہیں کی طرف عام توجہ ہوئی اور انہیں کو حاصل کیا گیا۔

جس چیز کی قدر نہیں ہوتی اس کو کون پوچھتا ہے:

اور ظاہر ہے کہ جس چیز کی ضرورت اور اس کی قدر ہوتی ہے اسی کو حاصل کیا جاتا ہے اور اسی میں کمال پیدا کیا جاتا ہے۔ اور اسی کی طرف عام توجہ ہوتی ہے اور جس چیز کی ضرورت نہیں ہوتی یا اس کی قدر نہیں ہوتی اس کے حاصل کرنے والے اور اس میں کمال پیدا کرنے والے بہت کم نکلتے ہیں۔

بڑے علماء یہودیوں کے نمونہ ہیں:

شاہ ولی اللہ صاحب الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں: "اگر نمونہ یہود خواہی بینی علماء سوء کہ طالب دنیا باشند و خو گرفتہ تقلید سلف معرض از کتاب و سنت و تعمق و تشدد و استحسان عالمے را مستند ساختہ از کلام شارع معصوم بے پروا شدہ باشند و احادیث موضوعہ تاویلات فاسدہ را مقتدا خود ساختہ باشند تماشا کن کانہم ہم"۔[1]

کلام الٰہی اور حدیث رسول سے روک دیا:

اس نے کلام الٰہی اور حدیث رسولؐ پر عمل سے روکا اور ان سے طرح طرح کے حیلوں و بہانوں کے ساتھ ان دونوں کا رد اور دونوں سے انکار کرایا۔ خواہ وہ عوام میں سے ہوں یا خواص میں سے الا ماشاء اللہ کوئی ایسی آیت یا حدیث پیش کی جاتی ہے جو ان کے مذہب کے موافق نہیں تو اس کے دفع کے لئے کیا کیا وہ حیلے نکالتے اور باتیں پیدا کرتے ہیں اور کسی طرح وہ ان کو تسلیم کرنا نہیں چاہتے۔ امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔ اے طالب! اگر تو ٹھیک ٹھیک طور پر غور کرے یہ بلا تو اکثر میں تو گھسی ہوئی پائے گا جو اہل دنیا سے ہیں شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ کے باب ۳۱۸ معرفت نسخ شریعت میں لکھتے ہیں اس مضمون کو شیخ موصوف نے طویل عبارت میں لکھا ہے ہم نے اس کا خلاصہ بطور حاصل کے ذکر کردیا۔

---

[1] یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو ان برے عالموں کا تماشا دیکھو جو دنیا پرستی میں مشغول ہو چکے پرانے لوگوں کی تقلید کا جوا اپنی گردن میں ڈال کر قرآن و حدیث سے منہ موڑے ہوئے کسی عالم کو پسند کر کے اپنے اقوال کا مستند بنا کر شارع معصوم کے کلام سے بے پروا ہو گئے اور جھوٹی حدیثوں اور باطل تاویلوں کو اپنا مقتدا بنائے ہوئے ہیں۔ ۱۲

شیطان کا ان علماء پر تسلط:

شیطان کو اللہ تعالیٰ نے خیال پر تسلط دیا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی فقیہ خواہش کی طرف مائل ہے تو اس کو بہکاتا ہے اور یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہ روایت اللہ کی ہے اور یوں سمجھاتا ہے کہ پہلے نیک لوگ بھی بسبب رائے کے اللہ تک پہنچے ہیں اور احکام میں قیاس سے کام لیا ہے۔ اسی قسم کی باتیں اس فقیہ کے دل میں ڈال کر اس کی خواہشات پوری کرنے کیلئے اسے ایک حیلہ شرعی بنا دیا ہے پس وہ فقیہ احادیث نبویہ کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ وہ ترک حدیث پر ایسے ہی عذر و حیلے کرتا ہے۔ وہ کتاب وسنت کو چھوڑ کر اپنے ہی اماموں کی طرف رجوع کرتا ہے۔

اہل سنت کے عالموں نے، حضرت رسولؐ کی شریعت منسوخ کردی:

غرض کہ خواہشات نفسانی کے سبب سے فقہانے شریعت محمدیؐ کو منسوخ کر دیا ایسے شخص کے قول کو جس کے لئے قرآن و حدیث وقیاس صحیح شاہد ہے نہیں قبول کرتے بلکہ ظاہر کتاب وسنت کے رد کرنے کیلئے حیلے ڈھونڈتے ہیں اور ان میں بعید اور غلط تاویلیں کرتے ہیں۔ ابلیس نے بہت سے لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا۔ لہٰذا ان کو حدیث خیر البشر پر عمل کرنے سے محروم کر دیا کیا انہوں نے اللہ کا یہ قول نہیں سنا: فلا وربک لایومنون حتیٰ یحکمون فی ما شجر بینھم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً۔ یعنی سو تیرے رب کی قسم ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنی اختلافی باتوں میں تم کو پنچ نہ ٹھہرائیں اور تمہاری طرف رجوع نہ کریں پھر تمہارے فیصلے سے اپنے دلوں میں ذرا بھی تنگی نہ پائیں اور تمہاری بات کو خوب اچھے طور سے نہ تسلیم کرلیں۔

اہل سنت نے اپنے علماء کو پیغمبری بلکہ خدائی تک پہنچادیا:

شاہ عبدالعزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ این از آن قبیل است کہ علماء را بہ پیغمبری رسانیدہ شود بلکہ بخدائی ا[۱]۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سے مستند علماء کی شہادتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے کس قدر عمل بالحدیث سے روکا اور کس کس طرح سے حدیث رسولؐ کا انکار کرایا۔ ان مختلف زمانے کے لوگوں کی شہادت سے ثابت ہوا کہ ان تمام زمانوں میں مذہب نے اپنا یہ اثر دکھایا اور صرف انہیں شہادتوں سے نہیں بلکہ ہم نے جو پہلے اذیتیں دیئے جانے کے چند قصے لکھے ان سے بھی ثابت ہے۔ ناظرین کو اس بیان سے خوب واضح ہو گیا کہ لوگوں کو حدیث پر عمل سے انکار اور عداوت یہ کچھ آج نئی بات نہیں ہے بلکہ پہلے ہی سے ہوتا چلا آیا ہے۔

ا[۱]۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا علماء کو پیغمبری کے بلکہ خدائی کے درجے تک پہنچا دیا جائے۔ ۱۲۔

ہمیشہ اہل تحقیق کی مخالفت کی گئی:

ہمیشہ اہل تحقیق ان کے مقابلے میں موجود رہے اور ان کا رد اور ان سے بحث کرتے رہے۔ افسوس مذہب ۔۔۔ نے اسلام میں یہ کس قدر بڑی خرابی پیدا کر دی جس نے مین منشاء اسلام کے ساتھ مزاحمت کی اور اصل تعلیم اسلام ما اتاکم الرسول فخذوہ و مانہاکم عنہ فانتھوا۔ یعنی جو رسول تم کو حکم دیں اس کو مان لو اور جس بات سے منع کریں اس سے باز رہو، کے ساتھ مخالفت پیدا کرا دی۔ الحاصل مذہب پر جو نتائج مرتب ہوئے اس کا نمونہ یہ تھا جو تم نے دیکھا اور دراصل میں یہ جو کچھ ذکر کیا بطور نمونہ کے ذکر کیا ہے۔ ورنہ نتائج ان کے سوا اور بھی ہیں جن میں سے بعض بعض متفرق طور پر انشاء اللہ آگے بھی ہماری تحریر میں تم پاؤ گے۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے:

بہت ترقی ہو گئی اور ماشاء اللہ روز افزوں ہوتی چلی جاتی ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا اس لئے کہ وہ وقت جس میں ان تمام نئے نکلے ہوئے مذہبوں کا فنا و زوال ایک لازمی امر ہے یعنی وقت ظہور مہدی موعود و نزول مسیح علیہما السلام غالباً بہت قریب آگیا اور یہاں نفس الامر کے خلاف ایسے خیالات پہنچے گئے ہیں۔

امام مہدی علیہ السلام کا مذہب کیا ہوگا؟

کہ وہ مقلد اور حنفی المذہب ہوں گے اگر کوئی ان لغو خیالات کا رد کرنے والا نہ ہوتا تو یہ مسئلہ بھی ان کے قطعی علامات میں داخل ہو جاتا۔ اور جب وہ ان کے قطعی عقیدے کے خلاف ظہور فرماتے جیسا کہ ہونے والا ہے اس لئے کہ وہ خود مجتہد و عامل بالحدیث ہوں گے نہ مقلد تو بجواس کے کہ ان کی تکذیب کی جاتی اور کیا ہوتا چنانچہ رد المختار حاشیہ در مختار میں لکھتے ہیں:

وما يقال ان الامام المهدي يقلد ابا حنيفة رده ملا علی قاری فی رسالته المشرب الوردی فی مذهب المهدی قدر فيها انه مجتهد مطلق ورد فيها ما وضعه بعض الكذابين من قصة طويلة انتهى۔ (سطر ۲۲)

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت امام مہدی ظاہر ہو کر ابو حنیفہ صاحب کی تقلید کریں گے اس کو ملا علی قاری نے رسالہ مشرب وردی میں باطل کیا ہے۔ اور اس میں ثابت کر دیا ہے کہ حضرت مجتہد مطلق ہیں اور اس کتاب میں ان باتوں کو بھی باطل کیا ہے جس کو بعض جھوٹے لوگوں نے ایک طویل قصہ میں وضع کیا ہے۔

اور خود پیغمبر صاحب نے بھی فرما دیا ہے کہ وہ عامل بالحدیث ہوں گے چنانچہ امام مہدیؑ کی بابت ایک حدیث میں فرمایا ہے:

ويعمل فی الناس بسنة نبيهم

حضرت مہدیؑ لوگوں کے درمیان آنحضرتؐ کی شریعت کے مطابق عمل کریں گے۔

اس حدیث کو امام احمد اور ابو داؤد اور حاکم نے روایت کیا۔ علامہ شوکانی فی التوضیح فی تواتر ماجاء فی المهدی المنتظر والدجال والمسیح [1] میں اس حدیث کی بابت فرماتے ہیں واخرجه ایضاً الطبرانی فی الاوسط و رجاله رجال الصحیح یعنی یہ حدیث اس درجہ کی صحیح ہے کہ اس کے راوی وہی ہیں جو صحیح بخاری کی احادیث کے راوی ہیں۔

اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا: یقول بسنتی ۔یعنی میری سنت و حدیث کے ساتھ مسئلہ کہا کریں گے۔ اخرجه الطبرانی فی الاوسط اور حضرت عیسیٰ کی بابت فرمایا فامکم منکم ۔راوی حدیث ابن ابی ذئب اس کے معنی بتاتے ہیں امکم بکتاب ربکم عزوجل و سنة بینکم صلی الله علیه وآله وسلم یعنی وہ قرآن وحدیث کے ساتھ تم پر حکومت کریں گے۔ اخرجه مسلمؒ۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ مسیح موعود و مہدی منتظر ان مذہب میں سے کسی کے مقلد نہ ہوں گے بلکہ وہ خود مجتہد اور عامل بالقرآن والحدیث ہوں گے نہ کسی اور کے اجتہاد و رائے کے پابند۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے زمانے میں جو ان کا طرز عمل وطریقہ ہوگا ان کے خلاف کوئی اپنا علیحدہ مذہب وطریقہ قائم نہیں رکھ سکتا لہٰذا ان مذاہب کی خاص خاص تقلید اور ان کی تخصیص اور ان کی تقلید ان کے وقت میں قائم نہیں رہ سکتی"۔ (کتاب الارشاد صفحہ ۹۶)

مذکورہ بالا عبارتوں کے زبردست نتائج یا مذہب شیعہ کی دردناک مختصر تاریخ

اس کتاب اعجاز الولی کے صفحہ ۱۳۲ سے یہاں تک کی عبارت کو ناظرین بار بار پڑھیں۔ پھر ایک ایک حرف پر اچھی طرح غور کریں۔ ہر مضمون کو سبق کی طرح یاد کرلیں اور یقین رکھیں کہ جس طرح ایک انچ کاغذ کی تصویر کو بہت بڑی بنا لینے کا دستور ہے اسی طرح انہیں باتوں کو وسیع کیا جائے بلکہ کل باتیں ہزار درجہ بڑھا کر لکھی جائیں تو شیعوں کی مختصر تاریخ ہو جائے اور تیرہ سو سال میں ان پر جو کچھ گزرتی رہی اس کا سچا فوٹو نظر آنے لگے ہم نے صفحہ ۱۲۷ میں لکھا ہے ۴۰ھ سے ۱۳۲ھ تک اسلامی دنیا میں جتنے اہل علم اور اہل قلم تھے سب تو خلفاء بنی امیہ کے زیر اثر ہی رہے ہیں جو علانیہ لکھ لکھ کر دور دور مقامات کے لوگوں کے پاس بھیجتے اور ان کو حکم دیتے کہ حضرت علیؑ کے معائب میں حدیثیں وضع کر کے دربار میں بھیجتے جاؤ حضرت کی مذمت میں حالات گڑھ گڑھ کے بادشاہ کے پاس روانہ کرتے جاؤ اور انعام میں عہدے جاگیریں، خزانے، وظیفے جائزے لیتے جاؤ۔ اس کا نتیجہ یہی ہونا چاہئے تھا کہ اسلام کی کوئی کتاب حضرت امیر المومنینؑ اور اہل بیتؑ طاہرین کی برائیوں سے خالی نہ ہوتی کیونکہ سلطنت کے زور پر سب کام ہو رہے تھے۔

---

[1] کتاب توضیح جس میں اس کا بیان ہے کہ امام مہدیؑ منتظر و دجال و مسیح کے بارے میں جو حدیثیں آئی ہیں وہ متواتر ہیں ۱۲۔

ہمارے اسی دعوے کی تائید وتصدیق مولوی ابو یحییٰ محمد صاحب شاہجہاں پوری کی کتاب ارشاد کی مذکورہ بالا عبارتوں سے سوفیصدی ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ جب حنفی بادشاہ شافعی مذہب والوں کے ساتھ اور مالکی بادشاہ حنبلی مذہب والوں کے اس درجہ مظالم کر رہے تھے اور مقلدین حضرات کے جور و جفا سے غیر مقلدین برادران گمنام اور فنا کئے جاتے رہے ہیں تو شیعوں کے ساتھ یہ سب برتاؤ ہزاروں درجہ بڑھ کر کئے جاتے رہے ہوں گے۔ اس لئے کہ ان بادشاہوں کو جو نفرت غیر حنفی لوگوں سے تھی جو مخالفت مالکی مسلک والوں سے ہوئی اور جو عداوت غیر مقلد حضرات سے رہتی اس سے لاکھوں درجہ حضرات اہل بیت رسولؐ کے ماننے والوں اور حضرت علی کا دم بھرنے والوں سے رہی ہے۔ اسلام کے بڑے فرقے بھی دو ہیں۔ ایک شیعہ دوسرا سنی شیعہ وہ جو حضرت علی کو حضرت رسول خدا کا خلیفہ بلا فصل ماننے والے ہیں۔ اور سنی وہ جو حضرت ابو بکر کو آنحضرت کا خلیفہ اول جانتے ہیں۔ پھر ان سنیوں میں چھوٹی پارٹیاں ہوگئیں۔ ایک حنفی دوسری شافعی، تیسری مالکی، چوتھی حنبلی۔ پانچویں غیر مقلد، چھٹی اس زمانے کے اہل قرآن ساتویں قادیانی وغیرہ۔ یہ سب فرقے عقائد، اعمال، عبادات میں بالکل ایک ہیں۔ خدا کے بارے میں ایک، رویت خدا کے بارے میں، خدا کے غیر عادل ماننے میں ایک، رسولؐ کے بارے میں ایک خلفا ثلاثہ کے بارے میں ایک، خلفاء بنی امیہ کی طرفداری میں ایک، خلفاء بنی عباس کی پیروی میں ایک، ازواج رسولؐ کی مدح سرائی میں ایک، صحابہ رسولؐ کی ثناء خوانی میں ایک، تابعین کی طرفداری میں ایک، صحاح ستہ کے ماننے میں ایک، وضو میں (سوائے مالکیوں کے) پاؤں پر مسح کرنے کے عوض اس کے دھونے کے متعلق ایک، (سوائے مالکیوں کے) ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے میں ایک، بغیر سجدہ گاہ کے سجدہ کرنے میں ایک، صلوا خلف کل بر و فاسق (ہر اچھے اور ہر بدمعاش کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو) پر عمل کرنے میں ایک، روزہ میں ایک، دیگر عبادات میں ایک، شادی بیاہ مرنے جینے، کھانے پینے میں ایک، یہاں تک کہ صریح حکم خدا۔

انما المشرکون نجس۔ مشرک جس قدر ہیں وہ سب پلید نجس ہیں، کی مخالفت کرکے کافروں کے پاک سمجھنے اور ان کے پانی سے بے تکلف غسل اور وضو کرنے میں ایک ہی ہیں، بہت زیادہ اسی بات کی وجہ سے ان کا خاص نام ہوگیا پھر صرف برائے نام اختلاف رائے کی وجہ سے ایک پارٹی نے دوسری کے ساتھ کیا کیا؟ ایک جماعت نے دوسری کو کس درجہ ستایا؟ ایک گروہ نے دوسرے گروہ کو کس قدر مٹانا چاہا؟ ایک مسلک والوں نے دوسروں کے فنا کر ڈالنے کی کس حد تک کوشش کی؟ یہ سب باتیں کتاب الارشاد کی محولہ بالا عبارتوں سے اچھی طرح نمایاں ہیں پھر شیعوں کے بارے میں ان لوگوں نے کیا کیا ہوگا؟ ع

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

اس تذکرہ سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔اس کے بیان کیلئے دل اختیار میں نہیں رہتا اور اس کی تفصیل کیلئے قلم کو حرکت نہیں ہوتی۔

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد　　　وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، غیر مقلد تو سب بھائی سب خلفاء ثلاثہ کے فدائی، سب معاویہ اور یزید کی خلافت کو سمجھنے والے اور سب حضرت عائشہ وحفصہ کے ماننے والے ہیں مگر جب ان کا آپس میں یہ برتاؤ رہا اور اب تک ہے کہ سب زبان حال سے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ؎

وظلم ذوی القربیٰ اشد مضاضۃ　　　علی المرء من وقع الحسام المھند

(قرابت داروں اور قریبی رشتہ والوں کے ظلم کا اثر انسان پر تیز تلوار کی مار سے بھی زیادہ تباہ کن ثابت ہوتا ہے) تو پھر بے چارے شیعوں کی داستان غم کون بیان کر سکتا۔ان مظلوموں کی کہانی کون سنا سکتا اور ان کشتگان حق کا نام تک کون لے سکتا ہے۔

وہ قصے اور ہوں گے جن کو سن کر نیند آتی ہے　　　تڑپ جاؤ گے کانپ اٹھو گے سن کر داستاں میری

اور اس مظلوم جماعت کے مصائب سننے کی کس میں طاقت ہے؟ جس کا بچہ بچہ اپنی تاریخی زبان حال سے سواد اعظم کی ہر فرد کو فریاد کر رہا ہے کہ ؎

کسے نہ ماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی　　　مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

غیر مقلدوں کی شکائتیں تو آپ سن چکے۔حنفیوں کے ہاتھوں شافعیوں کے مصائب پڑھ چکے حنبلیوں کی وجہ سے مالکیوں پر جو گزرتی رہی، ان سب سے واقف ہو گئے۔چاروں مقلد جماعتوں نے غیر مقلدوں کو جس طرح پیسا اس کا علم ہو چکا اور ان کے بادشاہوں نے خون کی جو ندیاں بہائیں ان کا نظارہ کر چکے ؎

نالہ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر!　　　اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی

حضرت رسول خداؐ نے فرمایا تھا:

مااوذی نبی کمااوذیت　　　جتنی اذیت مجھے پہنچائی گئی کسی نبی کو نہیں پہنچی۔

ممکن ہے حضرت کا مطلب شاید یہ بھی رہا ہو کہ میرے اہل بیت طاہرینؑ اور میرے سچے ماننے والوں میرے قدم قدم پر چلنے والوں میرے اصلی دین کی پیروی کرنے والوں حقیقی ایمان رکھنے والوں صراط مستقیم پر رہنے والے مسلمانوں یعنی فرقہ حقہ شیعہ کو اتنی اذیت پہنچائی جائے گی جس قدر دنیا کی کسی جماعت، کسی مذہب والوں، کسی دین کے پیروؤں اور کسی نبی کسی پیغمبر

، کسی وصی، کسی مذہبی پیشوا کو نہیں پہنچی۔ اس وجہ سے وہ مصیبت وہ سب بلائیں مجھے پہنچیں گی۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ حضرت رسولؐ نے اس حدیث میں صیغہ ماضی کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور شیعوں پر مصیبتیں حضرت کے انتقال کے بعد پہنچیں اس وجہ سے اس حدیث کا یہ مطلب کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ تو ان سے ہم عرض کریں گے کہ ممکن ہے آنحضرت کا یہ کلام بھی ویسا ہی ہو جیسا خداوند نے قرآن مجید میں فرمایا ہے اور ایک ہی نہیں بلکہ اس قسم کے بکثرت کلام قرآن مجید میں موجود ہیں:۔

وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا (پارہ ۱۹)

اور اس وقت رسولؐ نے کہا کہ اے میرے پروردگار میری امت نے اس قرآن کو لغو اس سمجھا۔

حضرت تو ابھی زندہ تھے اور خدا سے یہ فریاد نہیں کی تھی۔ پھر خدا نے صیغہ ماضی استعمال کر کے قال الرسول (رسول نے کہا) کیوں فرمایا؟ اور یقول الرسول (رسول کہیں گے) کیوں نہیں ارشاد فرمایا؟ جو بات حضرت کے بعد بلکہ قیامت میں ہونے والی تھی اس کو حضرت کی زندگی ہی میں صیغہ ماضی سے کیوں بیان کیا؟ جس سبب سے خدا نے صیغہ ماضی یعنی قال کو استعمال کیا اور مقصود مستقبل ہے۔ اسی طرح حضرت رسول خدا چونکہ یہ شکایت کرنے والے ہیں جس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا اس وجہ سے خدا نے صیغہ ماضی استعمال کیا اسی طرح حضرت رسولؐ کے اہلبیتؑ اور شیعہ یقیناً حضرت کے بعد ستائے جانے والے تھے اس وجہ سے حضرت رسولؐ خدا نے بھی صیغہ ماضی استعمال کر کے اوذیت فرمایا۔ اگر کوئی صاحب کہیں کہ حضرت رسول خدا کی ذات ہی کو تمام بلائیں کہاں تک پہنچیں کہ آنحضرتؐ نے بے چین ہو کر یہ جملہ صرف اپنی مصیبتوں کے بارے میں فرمایا۔ تو ان سے کہا جائیگا کہ آنحضرتؐ کی زبان مبارک پر کوئی لفظ غلط تو جاری نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وجہ سے لازم ہے کہ حضرتؐ کے ذاتی مصائب کل سابق انبیاء سے بڑھ گئے ہوں لیکن حضرت تو آگ میں نہیں ڈالے گئے۔ اور حضرت ابراہیمؑ ڈالے گئے حضرت کنویں میں نہیں ڈالے گئے اور حضرت یوسفؑ ڈالے گئے۔ حضرت قید نہیں کئے گئے اور حضرت یوسف قید کئے گئے۔ حضرت آرے سے نہیں چیرے گئے اور حضرت ذکریا چیر ڈالے گئے حضرت رسول قتل نہیں کئے گئے اور حضرت یحییٰ قتل کر دیے گئے۔ حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے پکڑ کر سولی دینی چاہی مگر حضرت رسول کو کسی نے نہ پکڑا نہ سولی دی۔ ان تمام وجوہ سے عقل یہی فیصلہ کرتی ہے کہ حضرت رسولؐ کے اہل بیتؑ اور شیعوں پر بعد میں جو ظلم ہونے والے تھے انہیں کے بارے میں حضرت نے یہ پیشین گوئی فرمادی تھی کہ ما اوذی نبی کما اوذیت۔ اور تاریخ اسلام کا ایک ایک لفظ آنحضرتؐ کے اس پورے قول کی تصدیق کیلئے موجود ہے کہ جس طرح حضرت رسول اکرمؐ کے اہلبیتؑ اور شیعہ مصائب کا نشانہ بنائے گئے۔ سابق انبیاء سے کسی نبی کی امت نے ان مصائب کا سامنا نہیں کیا۔ جس طرح حضرتؐ کے اہلبیتؑ اور شیعوں پر مظالم کے

پہاڑ ڈھائے گئے کسی نبی کی امت پر نہیں پڑے۔ جس طرح آنحضرتؐ کے اہلبیتؑ اور شیعوں کی جان مال عزت آبرو برباد کی گئی کسی نبی کی امت تباہ نہیں ہوئی۔ اسی طرح اسلام کے ۷۳ فرقوں سے مظلومیت، مصیبت اور اذیت اٹھانے میں بھی کوئی فرقہ شیعوں کی برابری کا دعویٰ نہیں کرتا۔ حجاز، عراق، شام، مصر، ایران، افغانستان، ہندوستان غرض ہر مقام کی تاریخ اٹھا کر پڑھ جائیے کہیں بھی حنفیوں، شافعیوں، مالکیوں، حنبلیوں یا غیر مقلدوں کی زندگی میں وہ کرب اور بے چینی نہیں پاسکتے جو شیعوں میں رہی ہے اس کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ دنیا میں حضرت علیؑ کو حضرت رسول خداؐ کا پہلا خلیفہ ماننے والا ایک بھی نہ ملتا۔ کوئی شخص حضرت کی پیروی کرنے کا نام نہیں لیتا۔ اور ان وجوہ سے نہ حضرت کے فضائل کبھی لکھے جاتے نہ حضرت کے حالات جمع کئے جاتے۔ نہ حضرتؑ کی سوانح عمری مرتب ہوسکتی نہ حضرتؑ کا نام لیا جاتا بلکہ حضرتؑ کے وجود تک سے انکار کر ڈالنا آسان ہوتا۔ جیسا کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ حضرت کا نام ظاہر کر کے حضرت رسولؐ کی کوئی حدیث بھی کسی سے روایت کر سکے اور کسی عام اسلامی مسئلے میں حضرت کا اسم گرامی بھی بتا سکے ناظرین کتاب خود اچھی طرح غور کریں اور انصاف سے بتائیں کہ جب حضرات اہلسنت کے فرقوں میں وہ رفاقت مقابلہ مخالفت اور عداوت رہی جس کی مختصر توضیح کتاب الارشاد کی منقولہ بالا عبارتوں سے اوپر کی گئی تو ان سب نے مل کر یا انفرادی طور پر شیعوں کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا ہوگا اور اپنے زمانہ کی سلطنتوں بادشاہوں، حاکموں اور عوام کو ان غریبوں کے نیست و نابود کر دینے پر آمادہ کر کے انہیں کس حد تک نقصان پہنچایا ہوگا۔ پھر شیعوں کے سردار، انہیں مظلوموں کے آقا، انہیں مصیبت زدوں کے پہلے امام کی فضیلت بیان کون کرتا اور اس کا وجود کتابوں میں کیونکر ہوسکتا؟ کون شخص اپنی زندگی اپنے مال اور جائیداد سے ہاتھ دھو کر اس خطرناک جہاد پر آمادہ ہوتا۔

لاہورؔ کے مشہور شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال بیرسٹر نے خوب کہا ہے گویا شیعوں ہی کی پوری پوری تصویر کھینچ دی ہے۔ اس شعر کی وجہ سے پورا فرقہ شیعہ ممدوح کا شکر گزار ہے اور رہے گا۔ بس ایک شعر میں ہزاروں ورق کی تاریخ شیعہ کو کوٹ کر بھر دیا ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی مشہور رباعی حقا کہ بنالا الہ است حسین اور ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر سونے کے حروف اور ہیرے کے قلم سے لکھنے کے قابل ہے کہتے ہیں:

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری — صدیوں سے رہا ہے دشمن دور زماں ہمارا

شیعوں کے سوائے اسلام کا کوئی فرقہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ اس شعر کا کبھی بھی مصداق رہا ہے اور تاریخ اسلام کا ایک ایک حرف پکار کر کہے گا کہ بیشک یہ شعر شیعوں ہی کی سچی تصویر ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے شیعوں کے خیال سے تو ہرگز اس کو نہیں کہا بلکہ

تمام مسلمانوں کو گمراہ کر دیا ہے مگر در حقیقت قسمت نے ان کے ظلم سے شیعوں ہی کا بیڑا ڈبویا ہے۔ ورنہ کوئی بتائے کہ اسلام کی تیرہ صدیوں سے کس صدی کو کوئی کہہ سکتا ہے کہ زمانہ اس میں اہل سنت کا دشمن رہا ہے۔ پہلی صدی خلفاء ثلاثہ اور بنی امیہ کا دور رہا ہے۔ اہل سنت ہی کا آسمان اور اہل سنت ہی کی زمین تھی۔ دوسری صدی سے ساتویں صدی تک خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس کا طوطی بولتا رہا پھر نویں صدی ہجری تک اندلس میں بنی امیہ کا، اور ساتویں صدی سے گویا اس وقت تک سلاطین عثمانیہ کا اور ہندوستان میں مغل بادشاہوں کا سکہ قائم رہا۔ پھر وہ کون سا زمانہ تھا جس کو کوئی کہہ سکے کہ زمانہ اہل سنت کا دشمن رہا ہے؟ اگر ہمارا بیان کسی طرح مبالغہ پر محمول کیا جائے تو ہم سے اتفاق نہ کرنے والے بتائیں کہ:

(۱) جب افریقہ کے بڑے بڑے علاقوں میں عبداللہ بن فروخ فارسی نے امام ابوحنیفہ کا مذہب وہاں پہنچایا اور بعض قضاۃ کے ذریعہ سے اس کو فروغ ہو گیا تو معلوم ہوا کہ مذہب شیعہ وہاں سے بالکل رخصت کر دیا گیا کیونکہ شیعہ تو صرف حنفیوں ہی کے غیر نہیں بلکہ مذہب سنی سے ہی الگ ہیں ان حاکموں نے ان کی کسی فرد کو چھوڑا ہی کیوں ہوگا؟ ان لوگوں کا برتاؤ اس مظلوم فرقہ کے ساتھ تو بے حساب ہی ہوگا۔

(۲) پھر جب علامہ سحنون بن سعید تنوخی نے قاضی ہو کر امام مالک کے مذہب کی اشاعت شروع کی اور معز بن بادیس نے افریقہ کا حاکم ہو کر بزور حکومت تمام ملک میں مالکی فقہ کو رواج دیا تو انہوں نے بھی بچے کھچے مومنین کو چن چن کر ختم کر دینے کی کس درجہ کوشش کی ہوگی؟ اور بزور حکومت اہل ایمان کے مٹانے میں کیا کچھ نہ کر ڈالا ہوگا؟

(۳) جس سبب سے امام ابوحنیفہ وغیرہ اور ان کے مذہب عام طور پر قائم ہوئے اور ان کا سلسلہ آگے کے لئے چل نکلا وہ سبب دیگر ائمہ اور ان کے مذہبوں اور ان کے اصحاب کو بہم نہ ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ دنوں باقی نہ رہ سکے اور کچھ دنوں کے بعد معدوم یا گمنام ہو گئے۔ اب وہ سبب ہمارے شیعوں کو تو کبھی اور کسی زمانے میں میسر نہیں ہو سکا۔ اس وجہ سے دوسروں سے زیادہ شیعہ معدوم بھی ہوئے اور گمنام بھی رہے۔ بلکہ ان کے سارے نشان مٹا دیئے گئے ہوں گے۔

(۴) جب یہ بات مانی جاتی ہے کہ صرف زمانے کا دور تھا جس نے ان چار مذہبوں کو باقی رکھا اور ان کے ساتھ موافقت کی اور باقی کو فنا کر دیا" تو شیعوں کا وجود بھی ان ملکوں میں اسی وجہ سے فنا ہوا کہ زمانہ کا دور ان کے موافق نہ تھا۔ زمانہ کے دور نے مومنین کو باقی نہیں رکھا اور ہر جگہ ان کو فنا ہی کرتا رہا۔ پھر امیر المومنینؑ کے فضائل کون بیان کرتا؟ کون سنتا؟ کون لکھتا اور کون اپنی کتابوں کو لوگوں کی نظروں میں قابل نفرت اور باعث مذمت بناتا؟ ان کتابوں کو بھی کوئی شخص دنیا میں رہنے کیوں دیتا؟

(۵) جب ان چاروں مذہب کے اصحاب آپس میں چشمک بھی رکھتے تھے اور اپنے مذہب کے فروغ دینے اور

دوسرے کے زیر کرنے کی تدبیریں اور کوششیں کیا کرتے تھے کہ اور چاہتے تھے ہمارا مذہب منظور نظر سلاطین رہے اور اسی کے موافق نظام سلطنت ہو۔ تو وہ شیعوں سے بھی کس درجہ چشمک رکھتے ہوں گے اور ان کے تباہ و برباد کرنے کی کون سی صورت چھوڑ دیتے ہوں گے؟ کیونکہ شیعہ نہ صرف امام ابوحنیفہ سے الگ ہیں۔ نہ صرف امام شافعی سے علٰحیدہ ہیں۔ نہ صرف امام مالک سے بے تعلق ہیں نہ صرف امام احمد بن حنبل سے جدا ہیں بلکہ یہ تو سرے سے مذہب اہلسنت ہی کے غیر ہیں۔ حضرت ابوبکر ہی کو نہیں مانتے اور حضرت عمر ہی کی خلافت نہیں تسلیم کرتے۔ پھر ان کے مذہب کو کون فروغ دیتا؟ اور ان کے مسلک کو کون شخص منظور نظر سلاطین بنا سکتا؟ اور کون کوشش کرتا کہ ان کے موافق نظام سلطنت ہو۔ ان کا تو زمین پر کا ذرہ ذرہ دشمن تھا۔ آسمان عدو تھا۔ ہوا خلاف تھی اور پانی مخالف تھا۔ کوئی بھی ان کا نام تک نہیں سن سکتا تھا۔ نہ کوئی ان کا ذکر بھی کر سکتا تھا۔ یہ بیچارے کہاں رہے؟ کیسے رہے؟ کس طرح زندگی کی سانس لے سکے؟ کس ملک میں بچ سکے؟ کس زمانے میں ٹھہر سکے؟ کن لوگوں سے میل جول رکھ سکے؟ کن لوگوں کے سامنے اپنے کو ظاہر کر سکے؟ کن لوگوں کو بتا سکے کہ ہم کون ہیں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور عقل کوئی ذریعہ ہماری زیست کا بتانے پر قادر ہی نہیں ہے

تیری سختی سے اے گردوں یہ حال قلب نازک ہے ۔۔ کہ جیسے چور کر ڈالے کوئی شیشے کو پتھر سے
ہنروان آسیا ہے چرخ کی سختی سے کیا بھاگیں ۔۔۔ کہ جو داناں ہیں دنیا میں وہی پستے ہیں پتھر سے
فلک نے پا کے رنگین طبع یوں پیسا بہت مجھ کو ۔۔۔ حنا کو پیستے ہیں بے گنہ جس طرح پتھر سے

(۶) جب کوئی حنفی عالم خلیفہ کے دربار میں رسوخ پا کر خلیفہ سے اس بات کی منظوری حاصل کر لیتا تھا کہ دوسرے مسلک کے قاضی کو معزول کر کے بجائے اس کے اپنے مسلک کے قاضی کو مقرر کرے اور اسی پر عمل کر کے رہتا تھا تو چاروں مسلکوں کے علما بیچارے شیعوں کے کسی عالم کو کسی جگہ کا قاضی کیوں کر مقرر ہونے دیتے؟ اور اگر کوئی شیعہ عالم تقیہ میں رہ کر اپنے علم کے زور سے کسی جگہ کا قاضی ہو بھی جاتا ہوگا تو کچھ دنوں میں اس کا پتہ چل جانے کے بعد اس کا بھی وہی انجام ہوتا ہوگا جو جناب شہید ثالث مولانا قاضی سید نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ کا (جن کا مزار آگرہ میں ہے) ہندوستان کے اندر جہانگیر کے زمانے میں اہل سنت کی کوشش سے کیا گیا۔

کرے کون غم کی چارہ جوئی کہاں جا کے دوں دہائی نہ کہیں پہ داد پائی نہ کہیں مراد پائی

(۷) جب علماء اہل سنت کے چاروں مسلکوں کے پابند حضرت برابر ایک دوسرے پر حملے کرتے رہتے تھے، کبھی کوئی غالب آجایا کرتا تھا، کبھی کوئی، اور جھگڑے قصے ہوتے رہتے تھے، تو شیعوں کی حالت زار پوچھنے کی نہ ضرورت باقی رہی اور نہ

کسی کے واضح کرنے کی حاجت ہے۔ وہاں اگر ایک دوسرے پر زبان سے حملے ہوتے تھے تو بیچارے شیعوں پر تلواروں، نیزوں، تیروں اور خنجروں سے وار ہوتے ہوں گے اور ان لوگوں میں اگر جھگڑے اور قصے ہوتے رہتے تھے" تو شیعوں کے لئے گردن زدنی، خون ریزی، آتش اندازی اور دریا بردی کے سامان مہیا کئے جاتے ہوں گے اور ہر شیعہ زبان حال سے یہ شعر پڑھ کر اپنی تصویر کھینچتا رہتا ہوگا ۔

شادی و عیش تو گھر گھر ہے مری پر قسمت　　　عید کا چاند محرم نظر آتا ہے ہمیں

(۸) جب اس حقیقت کو تسلیم کر لیا گیا کہ "سرکاری مذہب کے اختیار کرنے میں ملکی خدمات معزز عہدے عزّ و جاہ اور رجوع خلائق وغیرہ جو ہاتھ آسکتے ہیں خلاف میں نہیں آسکتے۔ تو جن شیعوں نے کسی ملک میں سرکاری مذہب نہیں اختیار کیا بلکہ خدائی مذہب حق پر قائم رہے ان کو ملکی خدمات معزز عہدے، عزّ و جاہ و رجوع خلائق وغیرہ کیونکر ہاتھ آتے؟ اور بغیر ان باتوں کے وہ وہاں کتنے دنوں تک زندہ رہنے پاتے ہوں گے؟ وہ تو گویا اپنے بارے میں خود ہی کہتے رہتے ہوں گے ۔

جان جانے کیلئے ہے موت آنے کیلئے　　　یاد اک رہ جائے گی اپنی فسانے کیلئے

(۹) جب سرکاری طریقہ اور مروج مسلک عموماً باعث امن و عافیت ہوتا ہے اس کے خلاف میں ذلت، مصائب و آفات کا سامنا ہے" تو شیعوں کی ذلت، مصائب و آفات کا کیا پوچھنا ہے؟ ۔

دور ہی کیا تھا جو تے باغباں دیکھا کئے　　　آشیاں اجڑا کیا ہم ناتواں دیکھا کئے

(۱۰) مولوی صاحب ممدوح نے بہت خوب لکھا ہے کہ سلطنت کا مذہب و مسلک رعایا میں بہت زور کے ساتھ اشاعت پاتا ہے۔ اسی بناء پر یہ قول مشہور ہے:

(لوگ اپنے بادشاہوں کے مذہب پر ہوا کرتے ہیں) شیعہ سنی کے انقلاب سلطنت کی تاریخ دیکھو، سلطنت کے پلٹنے سے عام رعایا کا رنگ کس قدر بدل جاتا تھا۔ اس میں بڑا دخل سلطنت کے مذہب کو ہے" یہی شیعہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا میں سنیوں کے مقابلے میں شیعوں کے بہت کم تعداد اور کمزور ہونے کی وجہ صرف یہی ہوئی اور اب تک ہے کہ اس میں بڑا دخل سلطنت کے مذہب کو ہے۔ اگر شیعوں کے ہاتھ میں بھی لاٹھی ہوتی۔ اگر شیعوں کے پاس بھی سلطنت ہوتی۔ اگر شیعوں کو بھی دنیا کی حکومت ملتی تو آج مسلمانوں میں شیعہ کسی طرح ۶۰ فیصدی سے کم نہ ہوتے۔ اگر شیعہ بھی دنیا پرستی کی طرف مائل ہوتے تو وہ بہت کچھ ترقی کرتے۔ اگر شیعہ بھی حق کو بالائے طاق رکھ کر باطل کو اختیار کرتے اور آخرت کا خیال چھوڑ کر دنیا ہی دنیا کے پیچھے پڑے رہتے تو مسلمانوں میں کوئی بھی ان کا مثل نظر نہیں آتا مگر ان کی نظریں تو ہمیشہ ان آیات قرآن مجید پر رہی ہیں:۔

(۱) أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۸۶﴾ (پارہ۱ع۔۱)

وہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے آخرت کی زندگی کے بدلے دنیا کی زندگی مول لی۔ تو نہ عذاب قیامت ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا نہ کہیں سے ان کو مدد ہی پہنچے گی۔

(۲) فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ أُولَـٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّـهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾۔ (پارہ۲ع۹)

پھر لوگوں میں سے ایسے ہیں جو دعا مانگتے ہیں کہ اے خدا ہم کو جو کچھ دینا ہے دنیا میں دیدے اور آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں ہوگا۔ اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو دعا مانگتے ہیں کہ اے خدا ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا یہی ہے وہ لوگ جن کو آخرت میں ان کے کئے کا حصہ یعنی ثواب ملتا ہے اور اللہ تو بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔

(۳) وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ﴿۱۴۵﴾۔ (پارہ۴ع۶)

جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہے ہم اس کو وہیں دیں گے اور ہم شکر کرنے والوں کو جزائے خیر عطا کریں گے۔

(۴) أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿۳۸﴾۔ (پارہ۱۰ع۱۲)

کیا تم نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پسند کرلی ہے۔ تو یہ تمہاری سخت غلطی ہے کیونکہ آخرت کے فائدوں کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کے فائدے بے حقیقت ہیں۔

(۵) وَعَدَ اللَّـهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّـهِ أَكْبَرُ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۷۲﴾۔ (پارہ۱۰ع۱۵)

ایمان والے مردوں اور عورتوں سے اللہ نے بہشت کے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور عمدہ مکانوں کا وعدہ بھی کر رکھا ہے جو بہشت میں ہوں گے اور خدا کی خوشنودی سب سے بڑی ہوگی۔ یہی ان کے لئے اعلیٰ درجے کی کامیابی ہوگی۔

(۶) مَن كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿۱۵﴾ أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾۔ (پارہ۱۲ع۲)

جو دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتے ہیں ہم ان کے عملوں کا بدلہ یہیں دنیا میں دے دیں گے۔ اور دنیا میں وہ گھاٹے

میں نہیں رہیں گے۔ لیکن یہ لوگ ہیں جن کیلئے آخرت میں دوزخ کے سوائے کچھ نہیں اور جو نیک عمل ان لوگوں نے دنیا میں کئے وہ سب بیکار ہو کر رہ جائیں گے کہ ان کو کچھ بھی نفع نہیں ہوگا۔

(۷) وفرحوا بالحیوۃ الدنیا وما الحیوۃ الدنیا فی الآخرۃ الا متاع۔ (پارہ ۱۳ ع ۹)

اور یہ لوگ دنیا کی زندگی سے بڑے خوش ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں محض بے حقیقت چیز ہے۔

(۸) من کان یرید العاجلۃ عجلنا لہ فیھا ما نشاء لمن نرید ثم جعلنا لہ جہنم یصلاھا مذموما مدحورا ومن اراد الآخرۃ وسعی لہا سعیہا وھو مومن فاولئک کان سعیہم مشکورا (پارہ ۱۵ ع ۲)

جو شخص دنیا چاہتا ہے تو ہم جسے مناسب سمجھتے ہیں اسے دنیا میں فوراً دے دیتے ہیں پھر ہم نے اس کے لئے دوزخ معین کر رکھی ہے جس میں وہ برے حالوں راندہ درگاہ خدا ہو کر داخل ہوگا اور جو شخص آخرت چاہتا ہے اور اسی کیلئے کوشش کرتا ہے اور وہ مومن ہوتا ہے تو بھی وہ لوگ ہیں جن کی محنت کا خدا شکر گزار رہے گا۔

(۹) ان اللہ یدخل الذین آمنوا وعملوا الصالحات جنات تجری من تحتہا الانہار ()

جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں خدا ان کو ایسے بہشتوں میں رکھے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔

(۱۰) من کان یرید حرث الآخرۃ نزد لہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا وما لہ فی الآخرۃ من نصیب۔ (پارہ ۲۵ ع ۳)

جو شخص آخرت کی کھیتی چاہے گا ہم اس کی کھیتی میں زیادہ دیں گے اور جو شخص دنیا کی کھیتی چاہے گا ہم اس کو اس میں سے کچھ دے دیں گے مگر پھر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں رہے گا۔

اس مضمون کی آیتوں اور اشاروں سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ ہم نے صرف نمونہ کے طور پر دس آیتیں نقل کر دی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ خدا نے لوگوں کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک وہ جو دنیا کی ترقی، آرام، عزت، دولت شہرت چاہتے ہیں۔ دوسری وہ جو آخرت کی کامیابی، فلاح، نجات، راحت اور مسرت کے خواہاں ہیں۔ اور دونوں قسموں کا جو انجام ہوگا اس کی خبر بھی کھول کر بیان کر دی ہے۔ اس سے یہ یقینا ثابت ہوا کہ دونوں قسم کے لوگ دنیا میں ابتدائے اسلام سے موجود ہے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ کوئی زمانہ ایسے لوگوں سے خالی نہیں رہ سکتا ورنہ خدا کا قول غلط ہو جائے گا۔ جب دونوں قسم کے لوگ ہر زمانے میں ہوتے رہیں گے تو ہم لوگوں کو تلاش کرنا چاہیے کہ اسلام کی پہلی صدی میں کون لوگ پہلی قسم والے تھے اور کون دوسری قسم والے پھر دوسری صدی بنی امیہ کے زمانے میں کون قسم اول کے اور کون قسم دوم کے تھے پھر تیسری صدی (بنی

عباس کے زمانہ) میں کون پہلی قسم اور کون قسم دوم کے مسلمان تھے۔ اسی سلسلہ سے اس وقت ۱۳۷۰ھ تک دونوں قسم کے مسلمانوں کو دو طرف رکھتے جایئے۔ جن کو دیکھئے کہ وہ برابر دنیا کی ترقی آرام، عزت دولت، شہرت خطابات، القاب کے خواہاں رہے ہیں۔ ان کو سمجھئے کہ جو ملنا تھا دنیا میں سب ان کو مل گیا۔ خدا نے کوئی کمی نہیں کی۔ انہیں سلطنت بھی ملی، حکومت بھی ملتی رہی، فوجیں بھی قبضہ میں رہیں۔ دولت بھی ملی، جائیداد بھی حاصل ہوئیں۔ خزانے بھی بھرے رہے۔ عزت اور شہرت بھی بہت ہوئی۔ بڑے بڑے القاب اور خطابات سے سرفراز کئے گئے۔ ان کو پہلی طرف رکھئے اور کچھ لوگ پہلی صدی سے اس وقت تک ایسے بھی ہوتے رہے اور اب تک ہیں جن کو سلطنت سے کوئی واسطہ نہیں۔ حکومت سے کوئی تعلق نہیں۔ فوج بھی نہیں میسر ہوئی۔ دولت بھی نہیں ملی۔ جائیداد بھی گویا نہیں برابر خزانے کا تو ذکر ہی کیا۔ عزت، شہرت، القاب خطابات کا بھی کہاں گزران کو دوسری قسم میں سمجھئے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کا حصہ خدا نے آخرت میں بہت زیادہ رکھا ہے۔ اب اگر اس دوسری قسم میں بھی کچھ لوگ سلطنت، دولت، خزانے جائیداد، عزت شہرت القاب وخطاب والے مل جائیں تو یہ الشاذ کالمعدوم (جو کم ہوتا ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہے) کے حکم میں ہیں۔ اور قاعدہ مقرر ہے کہ وللا کثر حکم الکل (جو زیادہ تعداد والے ہیں وہ گویا سب ہیں) اس وجہ سے ماننا پڑے گا کہ دوسری قسم والے وہی مومنین ہیں جو حضرت رسول خداؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی سب سے زیادہ مغلوب، سب سے زیادہ کمزور، سب سے زیادہ نادار، سب سے زیادہ مصیبت زدہ اور سب سے زیادہ مظلوم رہے ہیں۔ ہم خود کچھ نہیں کہتے تم ہی اسلامی تاریخ کے ایک ایک ورق سے پوچھو۔ اسلامی زمانے کے ہر روز سے دریافت کرو۔ اسلامی عہد کی ہر رات سے سوال کرو۔ اسلام کے آسمان سے پتہ لگاؤ، اسلام کی زمین سے تحقیق کرو۔ سب ایک زبان ہوکر جواب دیں گے کہ یہ دوسری قسم انہیں مسلمانوں کی ہے جن کے سردار و آقا اور جن کے مولا و پیشوا وہی بزرگ تھے جن کا زمانہ اس قدر دشمن رہا کہ ان حضرات کی وفات کے بعد بھی لوگوں کے دلوں سے حضرت کی دشمنی نہیں گئی اس وجہ سے حضرت کی اولاد حضرت کی قبر مبارک کا پتہ بھی لوگوں سے نہیں بتا سکتے تھے۔ یا یوں سمجھئے کہ وہ لوگ ہی حضرت کی طرف سے ایسے لاپرواہ، بےفکر، بےتعلق تھے کہ کسی کو اس کا بھی خیال نہیں ہوا کہ حضرت کی قبر کا نشان تو دریافت کرے۔ حضرت کس جگہ آرام فرما رہے ہیں اس کو تو جانے حضرت کس مقام پر ابدی خواب راحت میں ہیں اس کا تو علم حاصل کرے۔ کس زمین کو آپ کا مرقد ہونے کا شرف ملا۔ اس کو تو سمجھئے حضرت کے دفن کو سال بھر گزر گیا مگر زیادہ تعداد والے مسلمانوں سے کسی نے بھی نہیں پوچھا کہ حضرت کی خواب گاہ کس جگہ ہے۔ دو سال گزر گئے بیس سال گزر گئے۔ پچاس سال گزر گئے بلکہ غالباً ڈیڑھ سو سال کے بعد ایک اتفاقی واقعہ سے حضرت کی قبر مبارک کا پتہ ملا۔ وہ حضرت کون تھے؟ وہی مظلوم اعظم، محسن اسلام، نفس

رسول ؐ جن کے سوانح مبارکہ اس کتاب میں لکھے جا رہے ہیں۔ یعنی حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔ اس واقعہ کو تفصیل سے لکھنے کا شرف تو ان خوش قسمت دوست کو حاصل ہوگا جو اس سوانح عمری کی آخری (دسویں) جلد مرتب کرنے کا موقع پائیں گے۔ ہم یہاں مختصر طور پر اس کو ذکر کر دیتے ہیں تاکہ ناظرین کو اس کا اشتیاق بے چین نہ کرے۔

حضرت امیر المومنینؑ کی قبر مبارک کی حیرت خیز کرامت:

علامہ دمیری اور مورخ حبیب السیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ خاندان بنی عباس کے خلیفہ ہارون الرشید (جس نے ۱۷۰ھ سے ۱۹۳ھ تک بادشاہت کی) کے زمانے تک سوائے حضرات ائمہ طاہرینؑ کے کسی مسلمان کو بھی حضرت علیؑ کی قبر کا پتہ نہ تھا۔ ایک دن بادشاہ ہارون اسی طرف شکار کھیل رہا تھا۔ ایک ہرن یا اور کسی شکار پر اس نے اپنے شکاری کتوں یا چیتوں کو چھوڑا۔ وہ شکار ایک بلند ٹیلے پر بھاگ گیا۔ ہارون نے بڑی کوشش کی کہ اس کے شکاری کتے یا چیتے اوپر چڑھ کر اس شکار کو پکڑیں مگر ان سبھوں نے بالکل قدم نہیں بڑھایا تو بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا اور اس راز کی تحقیق شروع کی۔ بہت کچھ تفتیش کے بعد ایک بوڑھا شخص بولا کہ یہ حضرت علیؑ کی قبر ہے اس وجہ سے شکاری کتے یا چیتے اس پر نہیں چڑھ پاتے۔ بادشاہ نے پوچھا تم کو کیسے معلوم ہوا؟ اس نے جواب دیا میرا باپ حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ یہاں زیارت کیلئے آیا کرتا تھا اور وہ اپنے والد حضرت امام باقرؑ کے ساتھ اور وہ اپنے والد حضرت امام زین العابدینؑ کے ہمراہ تشریف لاتے تھے جن کو اس قبر مبارک کا پورا علم تھا۔ بادشاہ ہارون رشید نے یہ خیالات سن کر اس قبر مبارک پر گنبد بنوا دیا۔ پھر سلاطین سامانیہ کے عہد حکومت میں یہاں بہت سی عمارتیں بنیں۔ پھر بنی بویہ کے عہد حکومت میں وہ عمارتیں ویران ہو کر نئے سرے سے اور عمارتیں بنائی گئیں (حیاۃ الحیوان علامہ دمیری جلد ۲ ص ۱۸۷)

اس واقعہ کا نتیجہ

ہر شخص آسانی سے نکال سکتا ہے۔ جب مسلمانوں کا برتاؤ حضرت کے ساتھ ایسا رہا کہ اللہ اکبر! ۴۰ھ سے ۱۹۰ھ تک کسی نے یہ تک نہیں جانا کہ حضرت کہاں دفن کئے گئے ہیں۔ کسی نے یہ تک معلوم کرنا نہیں چاہا کہ حضرت علیؑ جو حضرت رسول خداؐ کے بھائی، داماد، شریک کار اور خلیفہ تھے دنیا سے جانے کے بعد کس جگہ سپرد خاک کئے گئے حضرت علیؑ جو امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے پدر بزرگوار تھے کہاں ان کی قبر ہے۔ اگر قبر کا نشان نہیں مل سکتے تو کم از کم اس جگہ کا پتہ چل جائے جہاں حضرت کی قبر کھودی گئی تھی۔ ان حضرت علیؑ کی فضیلت لکھنے کی ہمت کسے کی ہوگی۔ حضرت علیؑ کے حالات جمع کرنے کیلئے کون مجاہد آمادہ ہوا ہوگا؟ ان حضرت علیؑ کی حدیثیں روایت کرنے کی فکر کس کو ہوئی ہوگی؟ ان حضرت علیؑ کا نام تک لینے کی طاقت کس میں پیدا ہوئی ہوگی؟ اب تو ہمارے اس دعوے کے حق ہونے میں کسی کو ذرہ برابر شک نہیں ہو سکتا کہ ایک معمولی صحابی کی سوانح عمری لکھنا

بہت آسان مگر حضرت امیر المومنینؑ کے سوانح مبارکہ مرتب کرنا نہایت دشوار ہے۔ کیونکہ معمولی صحابی برابر بھی تو حضرت علیؑ کی قدر نہیں کی گئی۔

مذہب شیعہ کس کس طرح مٹایا جاتا رہا؟

مولوی ابو یحییٰ محمد صاحب شاہجہاں پوری نے جن کی کتاب الارشاد سے بڑے بڑے راز کی باتیں ہم نے اوپر نقل کیں کہیں جگہ لکھا ہے "سلطان صلاح الدین نے مصر کو مذہب تشیع سے صاف کیا"۔ کچھ مختصر بیان اس کا بھی سنتے چلئے کہ سلطان صلاح الدین نے مصر کو مذہب تشیع سے کب اور کس طرح صاف کیا۔ ہمارے سواد اعظم والے بھائی اس کی تو بڑی شکایت کرتے ہیں کہ عیسائیوں نے یورپ کے ملک اسپین (اندلس) کو مذہب اہل سنت سے صاف کیا ۹۳ھ سے ۸۹۷ھ تک اہل سنت حضرات اسپین میں حکومت کرتے اور آباد ہو کر ترقی کرتے رہے۔ مگر ۸۹۷ھ میں عیسائیوں نے دس لاکھ سنیوں کو زبردستی افریقہ کی طرف جلا وطن کر دیا یہاں تک کہ وہاں ایک مسلمان بھی باقی نہیں رہا اور وہاں کی تمام مسجدیں مسمار کر دی گئیں۔ یا گرجا بنا ڈالی گئیں مگر خود اہل سنت حضرات نے مصر میں شیعوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کو کوئی یاد نہیں کرتا لیکن بہر صورت تاریخ کی کتابیں ان حالات کو مٹنے نہیں دیتیں۔ سنئے مصر میں شیعوں کی سلطنت ۲۹۷ھ مطابق ۹۰۹ء سے ۵۶۷ھ مطابق ۱۱۷۱ء تک یعنی ۲۷۰ سال رہی ہے۔ انتہائے عروج کے زمانے میں ان کی سلطنت بحر ظلمات سے صحرائے شام تک اور بحرہ روم سے صحرائے اعظم افریقہ تک پھیل گئی تھی۔ مراکش، بلاد الجزائر، تونس، طرابلس، برقہ، مصر، شام، حجاز، یمن، جزیرہ، صقلیہ اور بحرہ روم کے بعض اور جزیرے بھی اس میں شامل تھے بلکہ خلفائے بنی عباس کے پایہ تخت بغداد اور اس کے قریب شہر موصل تک میں سال بھر ان خلفاء فاطمین کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ حدود آراضی اور درازی مدت کے لحاظ سے بنی امیہ اور بنی عباس کے بعد اسلامی سلطنتوں میں اسی سلطنت کا درجہ مانا گیا ہے۔ اول تونس میں قیروان کے پاس مہدیہ ان کا دار الحکومت رہا۔ پھر جب ۳۵۸ھ مطابق ۹۶۹ء میں انہوں نے مصر فتح کر کے قاہرہ آباد کیا تو دار الحکومت بھی قاہرہ میں منتقل کر لیا اور اس وقت سے اب تک قاہرہ ہی مصر کا دار السلطنت چلا آتا ہے۔ ان شیعہ بادشاہوں کو علوم و فنون کا کمال ہی شوق تھا۔ خود بھی بڑے عالم و فاضل اور اسلام کا نام روشن کرنے والے تھے۔ انہوں نے مصر میں ہر قسم کی ایسی ترقی، رونق اور روشنی پھیلائی جو انہیں کے زمانے سے مخصوص ہو گئی۔ نہ ان سے پہلے مصر کو یہ دن نصیب ہوا تھا نہ ان کے بعد ہوا۔ یوروپین مورخ اسٹینلی لین پول نے لکھا ہے کہ خاندان فاطمیہ کی دولت و حشمت اور تجارت بحیرۂ روم کی خوش حالی کا باعث ہوئی۔ اس خاندان میں ۱۴ر بادشاہ ہوئے مگر سب انصاف پرور، عادل گستر، رحم دل، رعایا پر شفیق، کمزوروں کے حامی، مصیبت زدوں کے سرپرست، غیر مسلموں کے بھی جائے پناہ دوسرے مذہب والوں کو پوری آزادی

دینے والے۔ دوسرے دین والوں کی بھی عزت کرنے والے حضرات اہل سنت کو معزز عہدے سپرد کرنے والے۔ انہیں بڑی عزتوں پر سرفراز اور مشرف کرنے والے گزرے ہیں مورخین اہلسنت نے بعض بادشاہان مصر کے متعلق لکھا ہے کہ ایسی عدالت اور سخاوت کے ساتھ سلطنت کی کہ اس سے زیادہ خیال میں نہیں آسکتا۔ پندرہ ہزار اونٹ اور دس ہزار خچر اشرفیوں سے بھرے ہوئے افریقہ سے قاہرہ لے کر آئے تھے اور اپنے خزانچی کو حکم دے رکھا تھا کہ ہر روز اشرفیوں سے بھرے ہوئے چند صندوق دربار میں لا کر رکھتا تھا اور سب محتاجوں کو عام اجازت دے دی تھی کہ ان میں سے ایک ایک مٹھی بھر کر اشرفیاں لے جائیں۔ صندوق تو اب تک موجود ہیں مگر افسوس وہ بخشش اور کرم اب کہاں؟

مصر[1] کے ان شیعہ بادشاہوں کو خاندان فاطمیہ اور خاندان اسماعیلیہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس خاندان کے بانی (جناب عبید اللہ المہدی بن حسین التقی بن احمد الوفی بن عبد اللہ الرضی بن محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادق) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بڑے صاحب زادے جناب اسماعیل کی اولاد سے تھے جو اپنے والد ماجد کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ اثنا عشری شیعہ ان لوگوں کو ششش امامی بھی کہتے تھے کیونکہ یہ بارہ اماموں سے صرف شروع کے چھ اماموں کو مانتے ہیں۔ امام جعفر صادق کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو امام نہیں مانتے بلکہ جناب اسماعیل کے بیٹے جناب محمد کو امام جانتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ امامت جناب اسماعیل کی اولاد میں قیامت تک رہے گی۔ ہندوستان کے شیعہ بوہروں اور آغا خانی کا یہی مذہب ہے۔ مشہور علامہ اہل سنت ثعالبی نے اپنے تذکرہ یتیمۃ الدہر میں لکھا ہے کہ اس خاندان کے ایک بادشاہ کا کوئی لڑکا عید کے دن انتقال کر گیا تو انہوں نے اپنا دل بہلانے کیلئے یہ چند شعر کہے جو گویا پورے اہل بیتؑ اور کل شیعوں کی تاریخی حالت کا جوہر ہیں ان شعروں میں ایک ایک لفظ مرثیہ اور اس فرقہ کے مصائب کو پورا نوحہ معلوم ہوتا ہے:

نحن بنو المصطفیٰ ذوو محن   یجرعها فی الحیوة کاظمنا   عجیبة فی الانام محنتنا

اولنا مبتلی وخاتمنا   یفرح هذا الوری بعیدهم   طرا واعیادنا ماتمنا

ہم لوگ حضرت رسول خدا کی کل اولاد صاحبان رنج و الم ہی ہیں۔ ہمارے بڑے صبر اور ضبط کرنے والے بزرگ تمام عمر رنج اور غم کو گھونٹ گھونٹ پیتے رہے ہیں۔ تمام دنیا میں ہمارے رنج و مصیبت کی داستان عجیب و غریب ہے ہمارے اول

---

[1] سلطنت کیونکر قائم ہوئی۔ اس میں کون کون بادشاہ ہوئے۔ شیعوں نے دنیا میں کیسے کیسے ... [illegible] ... یہ کل حالات ہم اپنی کتاب تاریخ احمد میں پہلے لکھ چکے ہیں۔ اس ... [illegible] ... کتاب تاریخ احمد کو دیکھ سکتے ہیں۔ ۱۲

اور آخر سب ہی آزمائش کی کسوٹی پر کسے جاتے ہیں دنیا کے سب لوگ تو اپنی عیدوں کی خوشیاں منایا کرتے ہیں مگر ہم آلِ رسولؐ کی عیدیں بھی نوحہ و ماتم ہی میں گزرا کرتی ہیں۔

بہت دنوں تک ان کی سلطنت بڑی شان کی رہی۔ مگر آخر میں ان بادشاہوں کی رحمدلی اور رواداری کی وجہ سے حضرات اہل سنت نے شیعوں سے اس درجہ تعصب برتنا شروع کیا کہ جس سے مومنین کی جانوں کے لالے پڑ گئے۔ افریقہ کے گورنر معز نے جو مذہب اہل سنت رکھتا تھا اور جس کو مصر کے شیعہ بادشاہ حاکم نے "شرف الدولہ" خطاب سے سرفراز کر رکھا تھا اپنے آباؤ اجداد کا حنفی مذہب ترک کر کے مالکی مسلک اختیار کیا اور اہل مغرب کو جبراً مالکی بنانے لگا۔ اس کے عہد میں ۴۰۷ھ میں افریقہ کے تمام شہروں میں شیعہ چن چن کر قتل کیے اور زندہ جلائے بھی گئے یہاں تک کہ ان میں سے ایک ایک شخص ختم کر دیا گیا۔ ۴۱۵ھ میں اس خاندان کے چھٹے بادشاہ حاکم بامر اللہ نے عراق و خراسان کے حاجیوں کو جو شام و مصر کی راہ سے الٹے پھرے تھے خلعت دیئے۔ مگر بغداد کے سنی خاندان بنی عباس کا خلیفہ قادر باللہ اس کو برداشت نہیں کر سکا۔ اور عراقیوں کے وہ سب خلعت "مذہب رافضیوں کے ناپاک خلعت" قرار دے کر جلا دیئے۔ اسی طرح ایک اور سنی بادشاہ محمود بن سبکتگین نے بھی خراسانیوں کے خلعت کو اسی عذر سے کہ "رافضیوں کا نجس خلعت ہے" ان سے لے کر جلا ڈالا ۴۱۱ھ میں بادشاہ حاکم بامر اللہ جبل مقطم پر چڑھ رہے تھے تنہا پا کر کسی دشمن نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ۴۱۵ھ میں ایک شخص پکڑا ہوا آیا جس نے اقرار کیا کہ میں سنی ہوں اور میں نے مذہبی تعصب کی وجہ سے ان شیعہ بادشاہوں کو قتل کیا ہے اس کے پاس سے بادشاہ کے سر کی کھال کا ایک ٹکڑا اور اس چادر کا بھی ایک ٹکڑا نکلا جو بادشاہ قتل کے وقت اوڑھے ہوئے تھے۔ ۴۴۲ھ میں افریقہ کے سنی گورنر معز بن بادیس نے جو شیعوں سے بہت جلتا تھا مصر کے شیعہ بادشاہ مستنصر کے نام کا خطبہ قطع کر کے عباسی خلیفہ کا خطبہ پڑھ دیا۔ مصر میں ترکی غلاموں کا زور بھی بہت بڑھ گیا تھا وہ سب سنی تھے۔ ناصر الدولہ نے جو سنی تھا ترکوں کا ساتھ دیا اور سکندریہ و دمیاط پر قبضہ کر کے وہاں سے مستنصر کا خطبہ منقطع کر دیا اور پھر قاہرہ میں آ کر شیعہ بادشاہ کا سو دینار روزانہ وظیفہ کر کے خود آزادانہ حکومت کرنے لگا۔ وہ ونکہ سنی اور کمزور بادشاہ شیعہ تھا اس وجہ سے بادشاہ سے بہت سخت مذہبی دشمنی رکھتا تھا اور معزبی جو سنی تھے اس کے مددگار ہو گئے تھے جس کے سبب سے اس کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی۔ مصر کے چودھویں یعنی آخری شیعہ بادشاہ عاضد الدین اللہ کے وزیر شاور کو ایک شخص ضرغام نے قاہرہ سے نکال دیا اور خود وزیر بن گیا تو شاور بھاگ کر ۲۳ ذیقعدہ ۵۵۸ھ کو شام (دمشق) میں سلطان نور الدین محمود کے پاس پہنچا اور کہا کہ اگر آپ مجھے پھر مصر کا وزیر بنا دیں تو آپ کی بڑی مدد کروں گا نور الدین محمود نے اسد الدین شیرکوہ بن شادی اور اس کے بھتیجے صلاح الدین یوسف کو فوج دے کر شاور کے ساتھ کر دیا۔ شاور ۵۵۹ھ میں قاہرہ میں داخل

ہو گیا اور پھر وزیر بن گیا مگر بہت سی لڑائیوں کے بعد شاور قتل کیا گیا اور شیرکوہ مصر کا وزیر بن گیا۔ شیعہ بادشاہ عاضد الدین اللہ نے اپنے سنی وزیر شیرکوہ کے مرنے پر اس کے بھتیجے صلاح الدین یوسف کو ملک الناصر کے خطاب سے اپنا وزیر بنا لیا۔ اس متعصب سنی وزیر صلاح الدین نے شیعوں کا اس طرح خاتمہ کیا کہ دادودہش سے لوگوں کو اپنا بنا لیا۔ پھر بادشاہ کو کمزور کرنے کی غرض سے رئیس وصول کر کے معطل بنا دیا۔ تمام امور سلطنت پر حاوی ہو کر شیعوں کو بالکل بے دخل کر دیا۔ جمادی الاخری ۵۶۶ھ میں دار المعونہ کو منہدم کر کے مدرسہ شافعیہ اور دار العدل کو مدرسہ مالکیہ بنا دیا۔ شیعہ قاضیوں کو معزول کر کے تمام ملک میں شافعی قاضی مقرر کیے اس وقت سے ملک مصر سے مذہب شیعہ گم ہو کر نسیاً منسیاً ہو گیا اور سنیوں کے مذہب مالکی و شافعی نے زور پکڑا۔ محرم ۵۶۷ھ کے دوسرے جمعہ کو صلاح الدین نے شیعہ بادشاہ عاضد کا خطبہ مصر سے بند کر کے مستضی عباسی کا خطبہ پڑھوا دیا۔ آخر بیمار شیعہ بادشاہ عاضد، محرم ۵۶۷ھ کو انتقال کر گئے۔ صلاح الدین کہا کرتا تھا کہ میں نے ان (شیعہ بادشاہ) عاضد سے زیادہ کسی کو سخی اور کریم نہیں دیکھا۔ وہ بڑے نرم مزاج تھے۔ ان کی طبیعت پر خیر غالب رہتا تھا۔ اور رعایا سے بہت محبت رکھتے تھے۔ عاضد لدین اللہ کی وفات پر ان کے سنی وزیر صلاح الدین نے ان کے تمام مال اسباب پر قبضہ کر لیا اور ان کے اہل و عیال کو محل کے ایک گوشہ میں قید کر دیا یہاں تک کہ سب قیدی قید ہی میں مر گئے۔ عاضد کی وفات پر سلطنت فاطمیہ کا تارہ جو ممالک افریقیہ و مصر پر دو سو ستر برس سے چمک رہا تھا، بالکل غروب ہو گیا۔ مصر کے یہ تمام شیعہ بادشاہ اپنی تمام رعایا کو مثل اپنی اولاد کے سمجھتے تھے۔ ان سے نہایت محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ جو جو فیوض و برکات ان کے عہد میں مصر کو حاصل ہوئیں سلف سے خلف تک کسی بادشاہ کے عہد میں میسر نہیں ہوئیں۔ انہوں نے علوم و فنون، تجارت و حرفت سب کو کمال ترقی دی۔ سب کے سب نہایت فیاض اور سخی تھے۔ ان میں ایک بھی ممسک یا بخیل نہیں ہوا۔ شفاخانے، مدرسے، مسجدیں اور رفاہ عام کی دیگر بے شمار عمارتیں اور اوقاف مدتوں ان کی یادگار رہیں۔ ان کی نیک نیتی کی وجہ سے خدا نے انہیں برکتیں بھی بہت دی تھیں۔ ان کے خزانے میں ایسی ایسی عجیب و غریب چیزیں تھیں جو کبھی دیکھی یا سنی نہیں گئیں۔ دنیا ان سے خالی ہے۔ ایسے ایسے جواہر جو کسی کو میسر نہیں کثرت سے تھے۔ سونے کا زیور، چاندی سونے کے برتن، فانوس، آفتابے، پتیلیاں، رکابیاں، خوان، قندیل، ہوز، آبخورے، گھڑوں وغیرہ سب سونے کے۔ انہوں نے ایک توشہ خانہ بنایا تھا جس میں مردوں، عورتوں، بچوں اور ان کے متعلقین سب کو جاڑے گرمی کے کپڑے عمامہ سے لے کر پاجامہ اور رومال تک تقسیم ہوا کرتے تھے۔ ۱۶ لاکھ دینار سے زیادہ کا کپڑا گرمی جاڑے میں تقسیم ہوتا تھا۔ یہی حالت انقراض سلطنت تک قائم رہی۔ منجملہ ان عجائبات کے جو اس خزانے میں تھے ایک سونے کا مور مرصع بجواہر نفیسہ تھا جس کی آنکھیں یاقوت احمر کی تھیں اور پر بالکل مور کے پروں جیسے زجاج مینا اور سونے سے بنائے تھے۔ اور ایک سونے کا

مرغ جس کا بڑا سا تاج یاقوت احمر کا تھا اور تمام درو جواہر سے مرصع تھا۔ ایک ہرن جو نفیس درو جواہر سے مرصع اور اس کا سفید پیٹ بلور اور عمدہ موتیوں سے بنایا گیا تھا، ایک سونے کا کھجور کا درخت جو جواہر اور موتیوں سے مکلل تھا سونے کے گملے میں رکھا ہوا تھا۔ اس کے شگوفے اور کچی پکی کھجوریں اپنے اصلی رنگ و وضع میں مختلف جواہرات کی بنائی گئی تھیں۔ ایسے جواہرات جن کی کوئی قیمت نہیں لگا سکتا تھا۔ ایک کافور کا تربوز جس کا وزن سولہ ہزار مثقال تھا ستر مثقال کے یاقوت ارزق کے قطع اسی درہم کے زمرد کے ٹکڑے، تین تین چار چار سو دینار (اشرفی) کا ایک ایک بلوری برتن، کئی صندوق دواتوں کے بھرے ہوئے جن میں سے ہر ایک ہزار ہزار دینار سے زیادہ کی تھی۔ متعدد چینی کی گولیں کافور قیصوری کی بھری ہوئیں۔ متعدد پیمانے عنبر شجری کے بے شمار نافے مشک تبتی کے اور بہت سا عود یہ سب چیزیں منجملہ اس سامان کے تھیں جو بادشاہ مستنصر سے اس کے مخالفین نے لے لی تھیں۔ ایک لاکھ تیس ہزار قسم کی سولہ لاکھ کتابیں نہایت اعلیٰ درجے کے خوشنویسوں کی لکھی ہوئی اور نہایت نفیس جلدیں بندھی ہوئی تھیں، مقریزی المواعظ والاعتبار میں لکھتا ہے کہ ابن ابی طی کہتا ہے کہ یہ کتب خانہ دنیا کے عجائبات میں سے تھا تمام بلاد اسلام میں اس سے بڑا کوئی کتب خانہ نہیں تھا۔ اس میں تمام مذہبوں کی فقہ نحو، لغت، حدیث، تواریخ، نجوم، روحانیت، کیمیا وغیرہ ہر قسم کی متعدد کتابیں تھیں اور ابن مقلہ اور ابن البواب کے لکھے ہوئے قطعے اور قرآن مجید جو سب سے بلند جگہ رکھے جاتے تھے بعد میں یہ سب کتابیں صلاح الدین نے اپنے کاتب قاضی فاضل عبدالرحیم بیسانی کو دے دیں۔ (تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین صاحب مرحوم دہلوی جلد ا ص ۱۳۱) اتنے قابل قدر اتنے شریف، اتنے مہربان بادشاہوں کو بھی صرف اس وجہ سے مٹایا گیا کہ وہ شیعہ تھے۔ وہ سچے اسلام کے علمبردار تھے۔ وہ حضرت امیرالمومنینؑ کی اولاد سے تھے۔ وہ ائمہ طاہرینؑ کے قائم مقام تھے اور وہ آل رسولؐ تھے۔ پھر حضرت امیرالمومنینؑ کی خوبیاں کون بیان کرتا؟ حضرت کی مدح کرنے کا خیال کس کو ہوتا؟ حضرت کے فضائل ذکر کرنے کی طرف کس کو توجہ ہوتی؟ بادشاہان مصر نے جو سولہ لاکھ کتابیں جمع کی تھیں ممکن ہے بلکہ گمان غالب ہے کہ ان میں بہت کتابیں ایسی رہیں ہوں جن میں حضرت امیرالمومنینؑ کے فضائل کی حدیثیں اور حضرت کے کمالات و فیوض و برکات کے حالات بھی درج کئے گئے ہوں۔ مگر جب وہ سب کتابیں صلاح الدین ایسے دشمن شیعہ حاکم کے قبضہ میں چلی گئیں تو اس نے ان کتابوں کو کیوں بچنے دیا ہوگا؟ ہمارا تو خیال ہے کہ اس نے سیکڑوں عالموں کو بڑی بڑی تنخواہیں دے کر ملازم رکھا اور ان کے ذمہ یہی کام کیا ہوگا کہ ہر شخص ان کتابوں کو دن رات پڑھتا جائے اور جن کتابوں میں حضرت علیؑ، جناب سیدہؑ، ائمہ طاہرینؑ یا شیعوں کے فضائل، مناقب، مدائح، کمالات احسانات ملتے جائیں ان سب کو الگ کر کے یا تو چولھوں میں جلاتے جائیں یا کنوؤں میں ڈالتے جائیں۔ یا دریا نیل میں پھینکتے جائیں ورنہ دنیا بتائے کہ اس زمانے کی ۱۶ لاکھ کتابیں کیا ہوئیں؟ ان

میں سے اب مصر کے کتب خانوں میں کتنی بچ گئی ہیں اور باقی کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے۔ اس زمانے میں نہ مطبع کا وجود ہوا تھا، نہ کوئی کتاب چھپتی یا چھپ سکتی تھی۔ صرف قلمی کتابوں ہی کا رواج تھا۔ بڑی محنت اور کوشش سے کتابیں نقل کی جاتی تھیں، سیکڑوں اور سو روپیہ ایک ایک کتاب امیروں کے ہاتھ بک جاتی تھی۔ ۱۶ لاکھ کتابیں کتنے کاتبوں نے نقل کی ہوں گی اور کتنی قیمت پر وہ سب شیعہ بادشاہان مصر کے ہاتھ فروخت کی گئیں مگر ہائے تعصب تیرا برا ہو کہ صرف اس وہم میں کہ ان میں بہت سی کتابیں حضرت علیؑ کے فضائل و کمالات پر بھی مشتمل ہیں اور محض اس سبب کی وجہ سے کہ ان سے حق باتیں پھیلیں گی اور سوادِ اعظم کے مذہب کو نقصان پہنچ سکتا ہے وہ سب کتابیں یا دریا برد کر دی گئیں یا نذرِ آتش ہوتی رہیں۔ اگر فضائل اہلبیتؑ میں صرف ایک لاکھ کتابیں بھی رہی ہوں اور وہ سب ضائع و برباد کر دی گئی ہوں گی تو اب حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل کہاں اور حضرت کے حالات کن کتابوں میں مل سکتے ہیں؟ حضرت کے سوانح زندگی کن ذخیروں سے مرتب ہو سکتے ہیں؟

اسلامی سلطنتیں:

عالم اہلسنت مولوی احسان اللہ عباسی صاحب نے لکھا ہے "تیسری صدی ہجری کے آخر میں ایک بڑی زبردست سلطنت علویوں کی مغرب میں قائم ہوئی۔ بنو امیہ اور عباسیوں کے بعد علوی سلطنت تیسرے درجہ میں شمار ہوتی ہے"۔ (تاریخ اسلام ص ۲۲۲) موصوف ہی کے اپنی تاریخ اسلام مطبوعہ لکھنؤ اور شائع شدہ از مقام گورکھپور میں عربی و فارسی کتب تاریخ سے جن اسلامی سلطنتوں کے حالات لکھے ہیں ان کی فہرست اس طرح ہے:

(۱) بنو امیہ، (۲) بنو عباس، (۳) بنو امیہ در ملک اندلس اسپین، (۴) ملوک طاہریہ، (۵) ملوک صفاریہ، (۶) ملوک سامانی، (۷) ملوک غزنی، (۸) سلاطین دیالمہ، (۹) سلاطین علویہ اسماعیلیہ، (۱۰) شیعیان اسماعیلیہ، (۱۱) سلاطین سلجوقیہ، (۱۲) شاہان خوارزم، (۱۳) شاہان کرمان، (۱۴) اتابکان شام (۱۵) اتابکان شیراز، (۱۶) اتابکان عراق، (۱۷) سلاطین غرناطہ (۱۸) سلاطین مغول، (۱۹) سلاطین غزنی، (۲۰) سلاطین غوری، (۲۱) غلام بادشاہان ہندوستان (۲۲) سلاطین خلجی، (۲۳) سلاطین تغلق، (۲۴) سید سلاطین، (۲۵) لودی سلاطین، (۲۶) سوری سلاطین، (۲۷) سلاطین بہمنی، (۲۸) سلاطین بیجاپور (۲۹) نظام شاہی سلاطین، (۳۰) سلاطین گولکنڈہ، (۳۱) سلاطین عماد شاہی، (۳۲) سلاطین برید شاہی، (۳۳) شاہان گجرات، (۳۴) شاہان مالوہ، (۳۵) شاہان خاندیش، (۳۶) سلاطین بنگالہ، (۳۷) مغل بادشاہان ہندوستان، (۳۸) سلاطین ریاست حیدرآباد دکن، (۳۹) نوابان بہاولپور، (۴۰) نوابان مالیر کوٹلہ، (۴۱) نوابان ٹونک، (۴۲) نوابان ریاست رامپور، (۴۳) نوابان ممدوٹ (۴۴) نوابان مرشد آباد، (۴۵) نوابان اودھ، (۴۶) سلاطین ترکی، (۴۷) سلاطین ایران، (۴۸)

سلاطین مصر، (۴۹) سلاطین افغانستان، (۵۰) ریاست بلوچستان، (۵۱) ریاست چترال، (۵۲) سلاطین بخارا، (۵۳) سلاطین مراکو، (۵۴) سلاطین یمن ان تمام ریاستوں سے صرف چند ہی شیعہ ریاستیں ہیں جن کو بھی اہل سنت نے اطمینان سے رہنے نہیں دیا۔ان ریاستوں نے جناب امیرؑ کے ساتھ اور حضرت کے فضائل کے بارے میں کیا کیا اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں اور گنجائش بھی نہیں۔

اسلامی آبادیاں:

البتہ مولوی احسان اللہ عباسی صاحب نے ایک خلاصہ لکھا ہے۔اس سے ہم لوگ سب کچھ معلوم کر سکتے ہیں"تمام اسلامی آبادیاں کسی کتاب میں اگر مفصل بیان کی جائیں تو اس کو دس حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں: (۱) حضرت محمد مصطفیٰؐ کا عہد، (۲) خلفائے راشدین کا عہد، (۳) اسپین کے مسلمان، (۴) ترکوں کے ذریعہ سے ایشیا میں اسلام کی اشاعت، (۵) ترکوں کے ذریعہ سے یورپ میں اسلام کی اشاعت، (۶) مغلوں کے ذریعہ سے اسلام کی اشاعت، (۷) افریقہ میں اسلام کی اشاعت، (۸) ہندوستان کا اسلام، (۹) ملک چین کے مسلمانان، (۱۰) مجمع الجزائر شرقی کے مسلمانان (تاریخ اسلام صفحہ ۵۶۴ و ۵۶۵)۔

بس مذکورہ بالا خلاصہ ہی سے سب باتوں کا سمجھ لینا آسان ہوگا۔اسی پر ہم تبصرہ کر دیتے ہیں:

(الف) حضرت رسولؐ خدا کے عہد کے واقعات یہ ہیں کہ آنحضرتؐ، حضرت علیؑ اور اہلبیت طاہرینؑ کے فضائل بھی بہت کثرت سے بیان فرماتے رہے ہیں۔اور خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے ان فضائل کے کچھ حصے کا ذکر بھی اسلامی کتابوں میں کرا دیا۔اور اگر چہ ایسی کتابیں بہت زیادہ تلف کر دی گئیں پھر بھی اتنی بچ گئی ہیں جن سے ان حضرات کے فضائل اور حالات کا کچھ پتہ مل ہی جاتا ہے۔انہیں بچی ہوئی کتابوں میں سے حضرت کی سوانح عمریاں لکھی گئیں۔

(ب) خلفاء راشدین کا حضرت علیؑ کیلئے جیسا گزرا اس کی تفصیلی حالت اس سوانح عمری میں ذکر کی جائے گی۔

(ج) اسپین کے مسلمان، وہاں تو حضرت علیؑ کا نام پہنچ ہی نہیں سکتا تھا۔کیونکہ خاندان بنی امیہ کے چھٹے بادشاہ ولید بن عبدالملک کے عہد ۹۲ھ میں اسلام ملک اسپین میں داخل ہوا۔اس وقت اسپین کے داخل ہونے والے مسلمانوں کو حضرت علیؑ کا نام شاید اس حیثیت سے معلوم ہو سکا ہو کہ معاویہ ان سے لڑا تھا اور اس نے حضرت کو زندگی میں بہت پریشان کیا۔حضرت کو قتل کرانے کے بعد بھی حضرت کے نام پر برابر سب وشتم کا سلسلہ جاری رکھا حضرت کے بڑے بیٹے امام حسنؑ کو خود اس نے زہر سے ہلاک کرایا اور حضرت کے دوسرے بیٹے امام حسینؑ کو اسی معاویہ کے بیٹے یزید نے تین دن کا بھوکا

پیاسا قتل کرادیا۔ غرض جب معاویہ کے پوتے ولید[1] بن عبدالملک کے عہد میں اسپین والے مسلمان ہوئے تو ان کو حضرت علیؑ کی کوئی فضیلت معلوم کیونکر ہوتی؟ حضرت کا نام تک تو اس زمانے میں کوئی لے نہیں سکتا تھا۔ جب برا کہنے کیلئے آپ کا نام لینے کی ضرورت ہوتی تو بجائے "علی" کے ابوتراب کا لفظ بولا جاتا تھا۔ ان وجوہ سے کوئی ایسی صورت بھی نظر آتی ہے کہ حضرت علیؑ کی کوئی فضیلت اندلس میں کسی طرح بھی پہنچی ہو۔

(د) ترکوں کے ذریعہ سے ایشیا میں اسلام کی اشاعت، کا مطلب بھی بالکل یہی ہے کہ صرف اہل سنت ترکوں کے ذریعہ سے ایشیا میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ کیونکہ ترکستان کے رہنے والوں کو ترک کہتے ہیں۔ اور ترکستان کے دو بڑے حصے ہیں خوارزم اور ماوراء النہر۔ تمام علاقۂ خوارزم مسلمانوں نے خلیفہ سوم کے زمانے میں فتح کر لیا تھا۔ معاویہ کے زمانے میں مسلمانوں نے ۵۶ھ میں جیحون کو عبور کر کے ماوراء النہر پر حملہ کیا اور سمرقند و بخارا کو باج گزار بنایا۔ یہاں تک کہ خلیفہ ولید کے زمانے میں ۹۳ھ میں تمام ماوراء النہر اور علاقۂ تاشقند سلطنت بنی امیہ میں ملحق ہوئے اور علاقۂ خراسان کا صوبہ قرار پائے۔ (تاریخ اسلام ۳۲۶ھ) غرض جب حضرت عثمان، معاویہ اور ولید بن عبدالملک کے زمانے ہی میں ترکستان فتح کیا گیا اور یہاں کے لوگ مسلمان بنائے گئے تو ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے جس طرح حضرت امیرالمومنینؑ کے فضائل کو عرب میں چھپانے اور لوگوں کو ان سے ناواقف اور بے خبر رکھنے کی کوشش کی تھی اس سے سینکڑوں درجہ زیادہ اس نئے ملک میں جدوجہد کی ہوگی اور فضائل اہل بیتؑ کی بھنک اس نئے ملک میں نہیں پہنچنے دی ہوگی۔

(ہ) ترکوں کے ذریعہ سے یورپ میں اسلام کی اشاعت کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔ مولوی عباسی صاحب نے لکھا ہے: "مسلمانوں کی موجودہ سلطنتیں، فصل اول، سلطنت عثمانیہ یعنی سلطنت ٹرکی۔ اس وقت اس کا پایہ تخت قسطنطنیہ ہے اور اس کے بادشاہ سلاطین ٹرکی کہلاتے ہیں ایک مدت سے ترکوں کا ایک گروہ ترکستان نکل کر خراسان اور پھر آرمینیا میں آباد ہوا تھا۔ ان لوگوں نے شام کی طرف کوچ کیا۔ ان کے ساتھ چار پانچ سو مسلح سوار تھے اور طغرل ان کا سردار تھا۔ فن حرب سے یہ لوگ بخوبی واقف تھے۔ شاہ قونیہ علاء الدین سلجوقی مغلوں سے سرگرم پیکار تھا کہ اس خانہ بدوش گروہ کا وہاں گزر ہوا۔ مغلوں نے تمام ترکوں کے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ طغرل اپنی خوشی سے علاء الدین کا شریک ہوا اور اس کی شرکت سے علاء الدین فتح یاب رہا۔ علاء الدین نے اس کارگزاری کے صلہ میں ایشیائے کوچک کا ایک پہاڑی حصہ طغرل کو

---

[1] ولید معاویہ کا حقیقی پوتا نہیں تھا بلکہ خاندانی رشتے سے پوتا تھا۔ اس طرح کہ امیہ کے دو بیٹے تھے عاص اور حرب۔ عاص کا پوتا مروان اور حرب کا پوتا معاویہ تھا۔ اس طرح مروان اور معاویہ چچازاد بھائی تھے اور ولید مروان کا پوتا تھا تو معاویہ کا بھی پوتا ہوا۔

جاگیر میں دیا۔ طغرل کے مرنے پر اس کا بیٹا عثمان جانشین ہوا اور ۱۲۹۹ء میں علاء الدین کے مرنے پر خود مختار رئیس کے درجہ میں قائم ہوا۔ ۱۲۹۹ء میں سکہ اور خطبہ عثمان کے نام کا جاری ہوا۔

کچھ دنوں کے بعد قسطنطنیہ بھی فتح ہوا اور اسی وقت سے سلطنت ٹرکی کا دارالحکومت قسطنطنیہ قرار پایا"۔ (تاریخ اسلام ص ۵۳۵) اس وجہ سے اس سلطنت میں بھی شروع سے آخر تک سنی بادشاہوں ہی کی حکومت رہی اور بنی امیہ کے خیالات، اعتقادات اعمال و برتاؤ کا آج تک چرچا ہے۔ اسی طرح ترکوں کے ذریعہ سے ایشیا اور یورپ میں اسلام کی اشاعت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان اطراف میں نہ، حضرت علیؑ کے فضائل کی بو تک پہنچنے پائی۔ نہ اہل بیت کے انوار کی معمولی چمک تک پہنچی۔ نہ حضرت رسولؐ کی اصل تعلیم سے یہ لوگ آراستہ ہو سکے۔ نہ صراط مستقیم کی صورت تک یہ لوگ دیکھ سکے۔ نہ نور ایمان سے یہ سب واقف ہو سکے نہ حقیقی اسلام کی معرفت ان کو نصیب ہو سکی۔ نہ غالباً یہ لوگ یہ تک جان سکے کہ حضرت رسول صلعم نے اپنے بعد مسلمانوں کے ارشاد و ہدایت کا کیا انتظام کر دیا تھا اور شریعت اسلام کی تعلیم کی کیا صورت تجویز کر کے دنیا سے تشریف لے گئے۔

(و) مغلوں کے ذریعہ اسلام کی شاعت کیونکر ہوئی۔ مولوی عباسی صاحب لکھتے ہیں: "تاتار جو دیوار چین سے شمال کو واقع ہے اس کے باشندے فن سپہ گری میں مشہور اور اس کے ساتھ ہی جہان میں شہرۂ آفاق تھے۔ قدیم تاتاریوں میں ترک اور مغل دو مشہور قومیں تھیں۔ ترکوں کی سلطنت تو اب تک بہت کچھ بیان کی گئی۔ یعنی سامانی، صفاری اور دیالمہ کے (کہ یہ ایرانی تھے) علاوہ جتنے بادشاہ بیان کئے گئے ہیں، ان میں اکثر ترک، ترکی غلام یا ترکی افغان (افغانستان میں آبسنے والے ترک) تھے۔ ترک پہلے سے اپنے اصلی مقام سے الگ ہو گئے تھے لیکن مغل ابھی تک اسی صحرائے تاتار کی ہوا کھاتے تھے جو انسان میں درندوں کی خاصیت پیدا کرنے میں اکسیر ہے اور اب ان کا زمانہ آیا۔ عرب کے بعد ترکوں سے جو رونق ہوئی اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب ترکوں کے بعد مغلوں سے اسلام کی رونق کا وقت آیا مغلوں میں چنگیز خاں ایک معمولی شخص تھا جو بڑھتے بڑھتے تمام مغلوں کا بادشاہ ہو گیا۔ ۵۹۹ ہجری میں یہ گدی نشین ہوا۔ ابتدا میں ان لوگوں کا کوئی مذہب نہ تھا۔ کچھ دنوں تک عیسائیت کا تذکرہ رہا پھر اسلام ان لوگوں کا عام مذہب ہو گیا اور تمام ایشیا میں یہ پھیل گئے"۔ جب یہ لوگ ساتویں صدی ہجری میں مسلمان ہوئے تو ان کے مسلمان کرنے والے علماء بھی ترکستان و تاتار کے اطراف و جوانب کے اہل سنت ہی تھے۔ انہوں نے خود جس طرح اسلام کو سمجھ رکھا تھا اسی طرح ان مغلوں کو بھی سمجھایا اور ان کو انہیں باتوں کا پابند کیا جن پر خود عامل تھے۔ ان وجوہ سے ان لوگوں نے بھی نہ حضرت کا نام سنا ہوگا نہ حضرت کے حالات جانے ہوں گے۔ نہ حضرت کی کسی فضیلت سے واقف ہوئے ہوں گے نہ وہاں کسی عالم نے اپنی کتاب میں حضرت کا کوئی ذکر کیا ہوگا۔ بالکل اندھیری تھی۔ پورے ملک

میں جو حالت ضلالت اور ظلمت کا دور تھا۔ سب کو دے تھے۔ یہ بھی کسی کو خبر نہیں ہوگی کہ حضرات خلفائے ثلاثہ کے علاوہ حضرت رسول خدا کا اور بھی کوئی عزیز تھا جس طرح آج امریکہ کے جاہل لوگ مفصل اصول و فروع اسلام سے بے خبر ہیں اس سے زیادہ اس وقت مغل لوگ مذہب شیعہ اور اس کے سرداروں سے ناواقف ہوں گے۔

(ز) افریقہ میں اسلام کی اشاعت کس طرح ہوئی۔ اس کو بھی سن لیجیے ۱۸ھ سے ۲۰ھ تک مسلمانوں نے عمرو عاص کی ماتحتی میں مصر اور اسکندریہ کو فتح کیا۔ پھر ۲۱ھ میں عمرو عاص کے خالہ زاد بھائی ابن نافع نے علاقہ برقہ فتح کر لیا۔ اس وجہ سے پورے مصر پر عمرو عاص ہی کے میلان اور خیال کا اثر ہوا جس کے تعلقات جناب امیرؑ اور اہل بیت طاہرینؑ کے ساتھ سب کو معلوم ہیں۔ کیونکہ یہی عمرو عاص معاویہ کا وزیر اعظم اور مشیر اکبر تھا۔ اسی نے صفین میں جناب امیرؑ کی فتح اور معاویہ کی شکست کو اس طرح بدل دیا کہ نیزوں پر قرآن بلند کرا دیے۔ اور بلند آواز سے کہلانا شروع کیا کہ ہمارے تمہارے درمیان یہ کلام اللہ ہے۔ اے مسلمانو! ہم تم کو دین کی طرف بلاتے ہیں لڑائی بند کر دو۔ اس کا یہ جادو کام کر گیا جناب امیرؑ کی فتح یاب فوج کا رخ پھر گیا اور انہوں نے لڑائی سے ہاتھ روک لیے۔ گویا حضرت امیر المومنینؑ کی شکست مجبوری بیکسی اور معاویہ کی کامیابی کا سنگ بنیاد اسی عمرو عاص نے رکھا۔ اس کے ذریعہ سے افریقہ اور اس کے اطراف و جوانب میں جناب امیرؑ کے خلاف کتنے زہریلے خیالات شائع کیے گئے ہوں گے۔ اور حضرت کے متعلق کتنی نفرت انگیز باتیں مشہور کی جاتی ہوں گی۔ ان کے بیان کرنے کی نہ حاجت ہے نہ ان سب کی توضیح کی ضرورت۔ جس طرح حضرت ابوبکر و عمر دو قالب ایک جان تھے اسی طرح معاویہ اور عمرو عاص ایک ہی ہو گئے تھے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی ... تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

(ح) ہندوستان کا اسلام بھی کس طرح شروع ہوا۔ ملاحظہ فرمائیے ۱۵ھ خلیفہ دوم حضرت عمر کے زمانے میں ابو العاص عامل عمان نے شہر تھانہ (قریب بمبئی) اور بھروچ کو آ کر لوٹ لیا اور بہت سامان غنیمت لے کر اٹھا چلا گیا۔ اسی طرح ابتدائی حملوں میں مسلمان اکثر ہندوستان کے مغربی ساحل پر لوٹ مار کر کے چلے جاتے تھے۔ ۴۴ھ میں معاویہ نے اپنے بھائی زیاد بن ابیہ کو بصرہ خراسان اور سیستان کا حاکم کیا۔ اسی سال زیاد کے حکم سے عبدالرحمن بن سمرہ نے کابل فتح کر کے وہاں کے باشندوں کو مطیع کیا اسی سال بنی امیہ کے ایک سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ نے ملتان فتح کر لیا۔ اور واپس چلا گیا۔ پھر خاندان بنی امیہ کے مشہور خلیفہ ولید کے زمانہ ۹۳ھ میں حجاج عامل بصرہ کے داماد محمد بن قاسم ثقفی نے ساحل سندھ سے ملتان تک کا ملک فتح کر لیا۔ پھر محمد بن قاسم نے ۹۶ھ تک گنگا کے کنارے تک کا ملک فتح کر لیا جس کی وجہ سے بکثرت

ہندو مسلمان ہو گئے مگر ویسے ہی مسلمان جیسے بنی امیہ تھے اور جیسے مسلمان کی مشین معاویہ نے جاری کر رکھی تھی پہلے حملے سے تین سو برس گزرنے کے بعد باوجود متواتر حملوں کے جو شمال و مغرب سے ہوئے) مسلمان ۹۷۱ء سے ۱۱۷۶ء تک صرف پنجاب کے سرحدی صوبے کا قلیل حصہ شامل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں کے کئی خاندان ہوئے۔ خاندان غزنوی (۲) خاندان غوری، (۳) خاندان غلامان (۴) خاندان خلجی، (۵) خاندان تغلق، (۶) خاندان سادات، (۷) خاندان لودھی، (۸) خاندان حکام بنگال، (۹) خاندان بھنگر، (۱۰) خاندان کانس، (۱۱) خاندان سوری، (۱۲) خاندان کرارانی، (۱۳) سلاطین جونپور، (۱۴) سلاطین مالوا، (۱۵) سلاطین گجرات، (۱۶) شاہان خاندیس، (۱۷) شاہان سندھ (۱۸) شاہان ملتان (۱۹) شاہان کشمیر، (۲۰) سلاطین بھمنی، (۲۱) خاندان عماد شاہیہ، (۲۲) سلاطین بیدر، (۲۳) خاندان سور اور ان سب کے بعد، (۲۴) مغل بادشاہان جن میں اکبر اور اورنگ زیب ایسے شہنشاہ بھی ہوئے ہیں۔ یہ سب کے سب اہل سنت، بنی امیہ کے قائم مقام اور بنی عباس کے جانشین تھے۔ اس وجہ سے ان کے ماتحت کل اہل اسلام بھی سخت متعصب تھے اور شیعوں کا وجود ان کی آنکھوں میں برابر کھٹکتا رہتا تھا۔ مغل خاندان کے ساتویں بادشاہ شاہ عالم بہادر شاہ اول کے حال میں صاحب سیر المتاخرین نے لکھا ہے کہ "یہ بادشاہ بڑا فاضل تھا مہذب تھا اہل کمال سے صحبت رکھتا تھا۔ فنون و علوم سے ماہر خصوصاً فقہ و حدیث سے آگاہ۔ کل سلاطین تیموریہ سے فائق تھا۔ ہمیشہ مناظرہ علمی صاحبان علم سے کرتا۔ چونکہ اپنی پوری تحقیق کر کے مذہب شیعہ کو حق جانتا تھا خود بھی شیعہ ہو گیا تھا۔ اور جب لاہور میں پہنچا تو وہاں کے بڑے بڑے علماء اہل سنت کو اکٹھا کر کے حضرت علیؑ کی حقیقت دریافت کی اور بعد اتمام حجت کے چاہا کہ کلمہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ کو خطبہ میں جاری کر دے مگر اتنے بڑے بادشاہ کو بھی یہ بات ممکن نہیں ہوئی کیونکہ جب ایک خطیب کو مسجد جامع میں اس ارادے سے بھیجا اور وہ خطیب منبر پر جا کر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے وزیر عظیم الشان کے اشارے سے بلوہ ہو گیا اور اینٹ پتھر سے اس خطیب پر ایسا حملہ ہوا کہ وہ خطیب مارا گیا۔ (تاریخ اسلام ص ۴۰۴) غرض ہندوستان میں بھی سواد اعظم ہر طرح شیعوں کے مٹانے ہی پر تلے رہے تو جناب امیرؑ کی فضیلت کون بیان کرتا اور کون سنتا؟۔

(ط) ملک چین کے مسلمانوں کا حال بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ وہاں کے حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ ۶ھ مطابق ۶۲۸ء میں حضرت رسول خداؐ نے وہاب ابن ابوکبشہ کو شاہ چین کے پاس سمندر کی راہ سے بطور سفیر کے بھیجا۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ شاید ابن ابوکبشہ تاجرانہ نظر سے وہاں گیا ہو کیونکہ یمن اور شام کے تاجر حضرت عیسیٰ کے زمانے سے پہلے لنکا کی راہ سے ساحل چین تک تجارت کیا کرتے تھے۔ ابن ابوکبشہ کانٹن میں اترا (یہ اول مسلمان ہے جس نے چین میں قدم رکھا) یہاں اس کی بڑی عزت ہوئی اور مسلمانوں کو اپنے مذہبی کام اور مسجد تعمیر کرنے کی اجازت ہو گئی، کانٹن میں اس کا مزار اور اس کی بنائی ہوئی مسجد اب

تک موجود ہے۔ ۷۵۸ء میں (خاندان بنی عباس کے مشہور خلیفہ) منصور عباسی نے چار ہزار عرب سے ایک بغاوت دور کرنے میں شاہ چین کی مدد کی۔ بعد فرو ہونے بغاوت کے ان عربوں نے کانٹن ہی کی سکونت اختیار کی اور چین میں ان کا بہت کچھ اقتدار بڑھ گیا اور یہ دعوت اسلام کے ذریعہ سے مسلمانوں کی تعداد بڑھاتے رہے اور مسلمانوں اور شاہان چین میں بڑا خلوص قائم رہا۔ ۷۵۱ء میں خشکی کی راہ سے دعاۃ اسلام نے شمالی اور مغربی چین میں دعوت اسلام شروع کر دی۔ (خاندان بنو امیہ کے مشہور) خلیفہ ولید کے زمانے میں جب مسلمانوں کی سلطنت سرحد چین سے جا ملی تو شاہ چین نے سفیر بھیج کر خلیفہ اسلام کی بزرگی تسلیم کی اور اس سے مسلمانوں کا رسوخ چین میں اور زیادہ ہو گیا اور ۷۴۲ء میں چین کے علاقہ شانسی میں پہلی مسجد تعمیر ہوئی۔ اسی زمانہ میں چین کے صوبہ کانسو میں اسلام پھیلنا شروع ہوا یہاں تک کہ کانسو کا فرمانروا مسلمان ہو گیا۔ پھر صوبہ یونان میں بھی مسلمانوں کی کثرت ہو گئی چین میں جب چنگیزیہ مغلوں کی حکومت قائم ہوئی تو مسلمانوں کو جلیل القدر عہدے ملتے رہے اور اب بھی وہ شاہ چین کی طرف سے بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہیں اور انتظام سلطنت میں مثل دیگر رعایا کے مسلمانوں کو بھی حصہ لینے کا حق حاصل ہے۔ خاص ملک چین میں مسلمانوں کی تعداد دو کروڑ سے زیادہ ہے جن میں سے کانٹن، یونان، شانسی اور کانسو کے صوبوں میں زیادہ ہیں۔ مع مغلی تاتار اور تبت کے چین کی سلطنت میں چھ کروڑ کے قریب مسلمان ہو گئے"۔ (تاریخ اسلام ص ۱۳۴) اس پوری عبارت سے ثابت ہوا کہ چین میں بھی کسی شخص کے شیعہ ہونے اور جناب امیر کے فضائل بیان کرنے۔ حالات جاننے اور ائمہ طاہرین سے تعارف رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اگر حضرت رسول خدا کے سفیر ابن ابی کبشہ کو اجل مہلت دیتی تو وہ چین میں لوگوں کو حقیقی اسلام سے آگاہ کرتے مگر ان کا تو کانٹن میں پہنچنے کے چند ہی دنوں بعد انتقال ہو گیا۔ اور بیچارے وہیں دفن کر دیئے گئے۔ ان کے بعد بنی امیہ ہی کے خلفا کا دور یہاں بھی پہنچا۔ شاہ چین نے سفیر بھیج کر خلیفہ اسلام کی بزرگی تسلیم کر لی۔ جس کے بعد خلفاء بنی امیہ کا دعاۃ ہوا اسلام چین میں ترقی کرنے لگا۔ پھر بھلا وہاں حضرت علی کو کون بتاتا؟ حضرت کے فضائل وہاں والوں کو کیونکر معلوم ہوتے؟ دشمنوں سے کون ان کو ملاتا؟ اہلبیت کی معرفت ان کو کس طرح حاصل ہو سکتی؟ فرض ع

ایں خانہ تمام آفتاب است!

(ی) مجمع الجزائر شرقی مسلمانان کے بارے میں لکھا ہے "قیاس ہے کہ جس طرح سمندر کی راہ سے دعاۃ اسلام چین میں پہنچا اسی طرح اور اسی زمانے میں جزائر شرق الہند میں جو چین کے راستے میں ہیں۔ دعاۃ اسلام نے اپنی کارروائی شروع کی اور اسی طرح ملایا میں اسلام پھیلایا۔

تاریخ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کے آخر میں سماٹرا میں عربوں کی بستی قائم ہوگئی تھی۔اس کے بعد سب مسلمانوں کی سلطنت ہندوستان میں قائم ہوگئی تو ہند کے مسلمان بھی سماٹرا میں جانے لگے یہاں تک کہ تیرھویں صدی مسیح کے وسط میں سماٹرا کا فرمانروا بھی مسلمان ہوگیا۔اس کے بعد جزیرہ جاوا بھی مسلمان ہوا جہاں اب ایک کروڑ کے قریب مسلمان ہیں۔ اور یہ مسلمان مذہب اہل سنت کے بہت پابند ہیں ان میں بڑے بڑے عالم بھی گزرے ہیں تھوڑے عرصہ میں کل جزائر شرق الہند میں اسلام پھیل گیا۔حتیٰ کہ فلپائن تک اسلام پہنچ گیا۔اشاعت اسلام کے بعد مسلمانوں نے جا بجا ان جزیروں میں اپنی حکومتیں بھی قائم کرلیں۔دسویں صدی سے پندرہویں صدی تک مشرقی ملکوں اور جزیروں کی تجارت پر عرب پورے طور پر قابض تھے اور اس زمانے میں ان جزیروں میں مسلمانوں ہی کا زور رہا مگر اس کے بعد اہل فرنگ کا دور شروع ہوا اور انہوں نے ایک ایک کرکے یہ سب جزیرے اپنے قبضہ کرلئے مگر اب بھی بعض جزیروں میں مسلمان فرنگیوں کے ماتحت حکمران ہیں اور مسلمان رعایا بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہیں''۔(تاریخ اسلام صفحہ ۱۳۴) غرض مجمع الجزائر شرق الہند کے مسلمان بھی اسی طرح یہاں پہنچے جس طرح اوپر کے مسلمانوں کا تذکرہ کیا گیا جس سبب سے یہاں کے اہل اسلام بھی مذہب شیعہ سے بالکل ناواقف صحیح اسلام سے بالکل بے خبر حقیقی ایمان سے قطعی بے تعلق رہے۔ان کو شاید یہ بھی نہ معلوم ہو کہ مذہب شیعہ بھی دنیا میں کوئی مذہب ہے اور یہ کہ یہی فرقہ سچے اسلام کا نمائندہ ہے پھر ان کو حضرت امیر المومنینؑ کے حالات کیونکر معلوم ہوسکتے؟ جناب سیدہ کے حقوق سے ان کو کس طرح خبر ہوتی اور حضرات اہل بیتؑ کے متعلق حضرت رسول خداؐ کی وصیتوں کا پتہ کیسے لگتا؟ اس کتاب کے صفحہ ۱۱۹ سے اس مقام تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا بہت آسان ہے کہ صفحہ ۱۱۸ میں جو دعویٰ کیا گیا ہے کہ تاریخ اسلام پکار پکار کر کہتی آئی ہے کہ شروع سے اسلامی واقعات کے لکھنے والے صرف وہی اہل قلم آزاد تھے۔جو جناب امیر اور حضرات اہل بیت طاہرینؑ پر نہایت درجہ مہربان رہے ہیں۔وہ ایسے مہربان تھے کہ ان حضرات کا نام تک لینا نہ خود پسند کرتے تھے نہ ان کے زمانے کی حکومت سے ان کو اسکی اجازت مل سکتی تھی۔نہ ان کے اعزا و احباب ان کو ایسا کرنے دے سکتے تھے۔پھر وہ لوگ حضرت کا حال لکھ کر اپنی ذات کو اپنے اہل و عیال کو اور اپنے اعزا و متعلقین کو ہلاک کرانا اور اپنی عزت و دولت، جائیداد، اسباب میں آگ لگتے دیکھنا کیونکر پسند کرتے''اس کی تصدیق دنیا بھر کے مسلمانوں کی تاریخ ابتداء سے اس وقت تک کرنے کو حاضر ہے۔

اب ابتدائے اسلام سے اس وقت تک اس برتاؤ کو بھی دیکھو جو مسلمانوں کا حضرت علیؑ اور حضرات اہل بیت طاہرین کے ساتھ رہا ہے۔اس سے اچھی طرح واضح ہوجائے گا کہ اگر خدا اپنی مخصوص قدرت سے کام نہ لیتا تو ان حضرات کی ایک فضیلت بھی نہیں ملتی۔

دوسرا باب

اسلام اور جناب امیر علیہ السلام

اسلام کا جناب امیرؑ سے کیا تعلق رہا ہے؟

پہلے اس امر کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اسلام اور حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے درمیان کیا تعلق رہا ہے؟ اگر حضرت نہ ہوتے تو کیا یہ دین اسلام ایک دن کے لئے بھی زندہ رہتا؟ کیا بغیر جناب امیر علیہ السلام کی نصرت وحمایت کے حضرت رسول خداؐ اسلام کی تبلیغ میں کامیاب ہو سکتے تھے؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت رسول خداؐ جب چالیس سال کے ہو گئے تب پیغمبری کے شرف سے سرفراز کئے گئے حضرت کی ولادت کی تاریخ میں بہت اختلاف ہیں مگر اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آنحضرتؐ جب تک پورے چالیس سال کی عمر کو نہیں پہنچے حضرت کو پیغمبری یا نبوت یا رسالت کا درجہ نہیں ملا۔ اسلام کی تاریخ سیکڑوں علماء محققین نے لکھی ہے اور سب بہ اتفاق لکھتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ چالیس سال ہی کی عمر میں رسول بنائے گئے۔ نبی مقرر ہوئے اور ہادی قرار دیئے گئے۔ تاریخ طبری، تاریخ کامل، تاریخ ابو الفداء، تاریخ خمیس، اسد الغابہ، اصابہ طبقات ابن سعد، صحیح بخاری، فتح الباری، سیرۃ حلبیہ، مواہب الدینیہ، صحیح مسلم، کنزل العمال، غرض کسی کتاب یا کسی شخص نے اس امر میں اختلاف نہیں کیا۔ یہ بھی سب جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ خود سے نبی نہیں ہوئے خود ہی پیغمبر نہیں بن گئے خود ہی دعویٰ رسالت نہیں فرمایا بلکہ جب چالیس سال کے ہو گئے تب خدا نے آپ پر فرشتہ نازل کر کے آپ کو اس عہدے کی اطلاع دی۔ مولوی شبلی صاحب (وغیرہ) نے لکھا ہے "نبوت کا دیباچہ یہ تھا کہ خواب میں آپ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے۔ جو کچھ آپؐ خواب میں دیکھتے تھے بعینہ وہی پیش آتا تھا۔ ایک دن جبکہ آپ حسب معمول غار حرا میں مراقبہ میں مصروف تھے فرشتہ غیب نظر آیا کہ آپ سے کہہ رہا ہے:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿۵﴾

پڑھ اس خدا کا نام جس نے کائنات کو پیدا کیا جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا خدا کریم ہے

وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اس کو معلوم نہ تھیں۔

آپ گھر واپس تشریف لائے تو جلال الٰہی سے لرزتے تھے۔ آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عربی زبان جانتے تھے اور توریت و انجیل کے ماہر تھے انہوں نے آنحضرتؐ سے واقعہ کی کیفیت سنی تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر اترا تھا۔ روایت میں ہے کہ آنحضرت کو ڈر پیدا ہوا حضرت خدیجہ نے کہا کہ آپ متردد نہ ہوں خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ پھر وہ آپ کو ورقہ کے پاس لے گئیں۔ انہوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی آنحضرتؐ کی زبان سے بے شبہ یہ الفاظ نکلے "مجھ کو ڈر ہے" لیکن یہ تردد، یہ ہیبت، یہ اضطراب جلال الٰہی کا تاثر (اور نبوت کے بارگراں کی عظمت کا تحمل تھا) آپ نے کیا دیکھا۔ ناموس اعظم نے کیا کہا؟ مشاہدات ہوئے؟ یہ وہ نازک باتیں ہیں جو الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتیں"۔ (سیرۃ النبی جلد ا ص ۱۲۸) اور مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے سیکڑوں کتابوں کا خلاصہ اس طرح لکھا ہے: "پیغمبر صاحب کی عمر چالیس برس سے متجاوز ہوئی تو نبوت کا جلسہ تاجپوشی منعقد ہوا۔ نبوت سے کچھ دن پہلے پیغمبر صاحب کو خلوت بہت پسند تھی۔ آخر کار جبرائیل فرشتہ اپنی اصلی صورت میں آپ کے پاس آئے اور تاج نبوت سر پر رکھ کر چلے گئے۔ پیغمبرؐ صاحب خدا کے فرشتہ کو دیکھ کر ڈر گئے اور تھر تھراتے کانپتے اپنے گھر تشریف لائے اور فرمایا مجھے گرم کپڑا اڑھاؤ۔ بی بی خدیجہ نے آپ کو چادر اڑھادی اور طبیعت میں کچھ سکون ہوا تو پوچھا کیا حال ہے؟ پیغمبرؐ صاحب نے سارا واقعہ بیان کر دیا اور فرمایا مجھے اپنے نفس پر خوف ہوتا ہے۔ بی بی خدیجہ نے دلسوزی کے لہجے میں آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ خدا سے بہت بعید ہے کہ آپ جیسے سچے امانت دار نیک دل مہربان خیر خواہ خلاق ہمہ صفات موصوف شخص کو ضائع ہونے دے۔ تم خدا سے ڈرتے، رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتے۔ محتاج و مسکین کو صدقہ دیتے ہو تم جیسے شخص کو خدا کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ اس کے بعد بی بی خدیجہ پیغمبر صاحب کے مزید اطمینان کے لئے آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ صحف سماوی توراۃ و انجیل وغیرہ لکھتے پڑھتے رہا کرتے تھے۔ پیغمبرؐ صاحب نے سب حالات بیان کئے تو انہوں نے بڑے وثوق سے کہا کہ آسمانی کتابوں کی رو سے ایک پیغمبرؐ کی آمد کا وقت آگیا ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ وہ پیغمبر موعود تم ہی ہو۔ خدا تعالیٰ تمہیں نبوت سے سرفراز فرمائے گا اور تمہاری قوم تم کو تمہارے وطن سے نکال باہر کرے گی۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا تو تمہارا ساتھ دیتا اور پوری قوت کے ساتھ تمہاری مدد کرتا۔ ورقہ کی اس گفتگو سے پیغمبرؐ صاحب کی حیرت بہت کچھ بشارت سے مبدل ہوگئی اور آپ فرحاں و شاداں بی بی خدیجہ کے پاس واپس تشریف لے آئے۔

ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ پیغمبرؐ صاحب نے غار حرا کی کیفیت بی بی خدیجہ سے بیان کی تو وہ آپ کو گھر میں چھوڑ کر

ورقہ کے پاس آگئیں اور جو کچھ پیغمبرؐ صاحب سے سنا بیان کیا۔ ورقہ کی زبان سے بے ساختہ نکلا قُدُّوسٌ وقُدُّوسٌ۔ پھر کہا خدیجہ! قسم خدا کی اگر یہ امر واقعی ہے تو محمدؐ کے پاس اس ناموس اکبر کا نزول ہوا جس کا موسیٰ پر ہوا تھا یعنی وہ خدا کا امین فرشتہ جبریلؑ ہے۔ اور محمدؐ اس امت کا نبی۔ تو تم محمدؐ سے کہو کہ گھبراؤ نہیں۔ ثابت قدم رہو۔ بی بی خدیجہ نے گھر واپس آ کر پیغمبرؐ صاحب سے بیان کیا اور اس سے آپ کو بہت کچھ تسلی ہوئی۔ اس کے بعد خود ورقہ پیغمبرؐ صاحب سے ملے اور کہا بھتیجے! جو واقعات تم نے آنکھ سے دیکھے کان سے سنے سب مجھ سے بیان کرو۔ پیغمبرؐ صاحب نے اپنی ساری سرگزشت ورقہ سے دوہرائی تو انہوں نے کہا محمدؐ! قسم خدا کی تم اس امت کے نبی ہو اور جو غار حرا میں تمہارے پاس آیا خدا کا فرشتہ جبریل ہے۔ اس سے پہلے بی بی خدیجہ پیغمبرؐ صاحب کو عداس کے پاس بھی لے گئیں تھیں۔ یہ شخص نصرانی تھا نینوی کا رہنے والا راہب اور مُسن کہ بڑھاپے کی وجہ سے بھنویں آنکھوں پر گر پڑی تھیں۔ بی بی خدیجہ نے کہا عداس! میں تجھے خدا کی قسم دیتی اور پوچھتی ہوں کہ تیرے پاس جبریل کی بھی کوئی خبر ہے؟ یعنی جبریل کا کچھ تذکرہ آسمانی کتابوں میں بھی ہے؟ کیونکہ مکے اور نہ صرف مکے بلکہ سارے جزیرہ عرب میں یہ لفظ نامانوس سا ہے۔ عداس نے کہا قُدُّوسٌ قُدُّوسٌ۔ اس سرزمین میں جہاں کے باشندے مشرک اور بت پرست ہیں جبریلؑ کا نام کیسا؟ بی بی خدیجہ نے کہا میں جو بات پوچھتی ہوں اس کا جواب دینا چاہیے۔ کہا جبریل خدا کا امین ہے خدا میں اور اس کے پیغمبروں میں۔ اور یہی موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے پاس آیا تھا۔ اب بی بی خدیجہ نے پیغمبر صاحب کا سارا واقعہ عداس سے بیان کیا۔ اس نے کہا خدیجہ! کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیطان آدمی کے پاس آ کر عجیب وغریب باتیں معلوم کرتا ہے۔ تم میرا یہ خط محمدؐ کے پاس لے جاؤ۔ اگر وہ مجنون یا آسیب زدہ ہیں تو اچھے ہو جائیں گے اور نبی ہیں تو ان کو اس سے کچھ مضرت نہیں پہنچے گی۔ بی بی خدیجہ گھر آئیں تو جبریل پیغمبر صاحب کو ذیل کی آیتیں بہ آواز بلند پڑھا رہے تھے:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ﴿۱﴾ مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ﴿۲﴾ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ﴿۳﴾ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿۴﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ﴿۵﴾ بِأَييِّكُمُ الْمَفْتُونُ ﴿۶﴾ (پارہ۲۹ ع ۳)

ن (اے پیغمبر قلم کی قسم اور لوگوں کے لکھنے کی قسم کہ تم اپنے پروردگار کے فضل سے ہرگز دیوانے نہیں ہو (جیسا کافر کہتے ہیں) اور بلاشبہ تبلیغ رسالت کے صلے میں تم کو ایسا اجر ملنے والا ہے جس کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے ہی کا نہیں اور بیشک تمہارے اخلاق البتہ بڑے اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ سو عنقریب تم بھی دیکھ لوگے اور یہ کافر بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کس کو خبط ہے۔

خدیجہ یہ آیتیں سن کر بہت خوش ہوئیں اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ میرے ساتھ عداس کے پاس تشریف لے چلئے پیغمبر صاحب عداس کے پاس گئے تو اس نے پشت پر سے کپڑا اٹھایا اور مہر نبوت کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑا اور پکار کر کہنے لگا قسم خدا کی تم ہی وہ نبی ہو جس کی موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بشارت دے گئے ہیں۔

الغرض جس قدر اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی مدد بی بی خدیجہ نے کی اتنی کسی نے نہیں کی۔ ان کی ثابت قدمی اور مستقل المزاجی نے ایسے نازک وقت میں پیغمبر صاحب کی ہمت بندھائی جبکہ وہ سب طرف سے بالکل مایوس ہو چکے تھے۔ وہ پیغمبر صاحب کی کامیابی میں ایک نہایت قوی اور زبردست بازو تھیں اور ہر وقت ایک مستعد مددگار کی طرح آپ کی مدد کیلئے تیار رہتی تھیں۔ وہ سب سے پہلے آپ پر ایمان لائیں اور سب سے پہلے آپ کے حکم کی تعمیل بجالائیں۔ اور اس کی تائید ام المومنین حضرت عائشہ کی اس حدیث سے خوب ہوتی ہے جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جناب رسول خدا بی بی خدیجہ کی وفات کے بعد جب گھر میں تشریف لاتے خدیجہ کا ذکر کر کے ان کی بہت کچھ تعریف کرتے ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ نے معمول کے مطابق ان کی تعریف شروع کی مجھے رشک آیا۔ میں نے کہا وہ تھیں کیا؟ ایک بڑھی بوڑھی عورت تھیں خدا نے آپ کو ان کے عوض ان سے بہتر بی بی عنایت کی یہ سن کر پیغمبر صاحب کا چہرہ مبارک مارے غصے کے تمتما اٹھا اور لگے فرمانے کہ خدا کی قسم ان سے اچھی بی بی مجھے نہیں ملی۔ وہ ایمان لائی تھیں جبکہ سب لوگ کافر تھے۔ انہوں نے میری تصدیق کی تھی جبکہ سب لوگ مجھے جھٹلاتے تھے انہوں نے اپنے دھن، مال کو مجھ پر فدا کر دیا تھا جبکہ سب لوگوں نے مجھ کو محروم کیا۔ خدا نے ان کے بطن سے مجھے اولاد دی اور کسی بی بی سے اولاد نہیں ہوئی۔ بی بی عائشہ کہتی ہیں میں نے اس روز سے اپنے دل میں عہد کر لیا کہ اب سے پیغمبر صاحب کے سامنے کبھی ایسی بات نہ کہوں گی۔ پیغمبر صاحب کا یہ حال تھا کہ وہ بی بی خدیجہؓ پر پورا بھروسہ رکھتے اور تمام معاملات میں ان سے مشورہ لیتے اور صرف مشورہ لیتے بلکہ ان کے مشورے کے مطابق عمل کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ بی بی خدیجہ کے انتقال سے پیغمبر صاحب کو اس قدر رنج پہنچا ہے کہ بی بی خدیجہ کے دور میں مخالفین کو پیغمبر صاحب کی ایذا رسانی اور زیادہ تکلیف دہی پر جرات نہیں ہوئی۔ ان کا انتقال ہوا تھا کہ چاروں طرف سے مصیبتوں کا پہاڑ آپؐ پر ٹوٹ پڑا۔ (کتاب امہات الامہ محمود علی)

حضرت رسول خدا خود پیغمبر نہیں بنے:

خود پیغمبر بننا دوسری چیز ہے اور خدا کا پیغمبر بنانا دوسرا امر سوال یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے آپ ہی اپنے کو پیغمبر سمجھنا اور کہنا شروع کیا پہلے آپ کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ خدا کے بار بار حکم دینے سے اس خدمت پر آمادہ ہوئے۔ حضرت کے مخالفین کہتے تھے کہ آپ کو سرداری کی ہوس، لیڈری کی طمع ریاست کی تمنا ہے اس وجہ سے اپنے کو رسول کہتے اور کہتے ہیں۔ یہی غلط خیال اس زمانے کے آریوں اور عیسائیوں کو بھی ہے۔ وہ فرشتوں کو کوئی چیز کہتے ہیں وحی کو مانتے ہیں۔ یہی غلط فہمی اس زمانے کے بعض نیچری یا دہریہ مذاق مسلمانوں کو بھی بعض وقت ہو جاتی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ حضرت رسولؐ نے اہل عرب کو بت پرستی، بداخلاقی، بدبختی، جہالت، بہیمیت وغیرہ اوصاف ذمیمہ میں جکڑا پایا اس وجہ سے ان کو درست کرنے کیلئے ایسی باتیں

بتائیں جن سے ان کی زندگی سدھر جائے اور وہ شریف آدمی بن کر دنیا میں اچھی طرح ترقی کریں۔ غرض ایسے مسلمانوں کو بھی یہ وہم ہے کہ حضرت رسول خداؐ اور حقیقت مصلح (Reyourunr) تھے۔ مولوی شبلی صاحب نے درست لکھا ہے کہ "یورپ کے مورخین آنحضرتؐ کی جو اخلاقی تصویر کھینچتے ہیں وہ نعوذ باللہ ہر قسم کے معائب کا مرقع ہوتی ہے آج کل مسلمانوں کو جدید ضرورتوں نے عربی علوم سے بالکل محروم کر دیا ہے۔ اس لئے اس گروہ کو اگر کبھی پیغمبر اسلامؐ کے حالات اور سوانح کے دریافت کا شوق ہوتا ہے تو ان ہی یورپ کی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح یہ زہر آلود معلومات آہستہ آہستہ اثر کرتی جاتی ہیں۔ اور لوگوں کو خبر تک نہیں ہوتی یہاں تک کہ ملک میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو پیغمبر کو محض ایک مصلح سمجھتا ہے جس نے اگر مجمع انسانی میں کوئی اصلاح کر دی تو اس کا فرض ادا ہو گیا۔ اس بات سے اس کے منصب نبوت میں فرق نہیں آتا کہ اس کے دامن اخلاق پر معصیت کے دھبے بھی ہیں؟ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۵) یہ گروہ جو حضرت رسول خداؐ کو محض ایک مصلح سمجھتا ہے شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی، سرسید احمد خاں اور شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کو بھی اپنی ہی پارٹی کا قرار دیتا ہے، اس کا خیال ہے کہ یہ تینوں حضرات زبان سے جو بھی بولتے ہوں، قلم سے کچھ بھی لکھتے ہوں، پرایویٹ صحبتوں میں جس قسم کی باتیں کرتے ہوں لیکن درحقیقت یہ لوگ بھی حضرت رسول خداؐ کو محض ایک مصلح ہی سمجھتے تھے ان کا ظاہر کچھ بھی رہا ہو مگر باطن میں ان کا اعتقاد بھی یہی تھا کہ رسول خدا ﷺ عرب کے ریفارمر تھے۔ عرب کے اخلاقی طبیب تھے، عرب کے دنیوی خیر خواہ تھے اور حضرت نے صرف ان کی حالت سدھارنے کے لئے خدا، نبی فرشتہ بہشت، دوزخ کا نام لیا۔ اس وجہ سے ہندوستان کے ان مشہور مصنفین ہی کی کتابوں سے مذکورہ بالا عبارتیں نقل کر دی گئیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نہ لیڈر تھے نہ مصلح اگر ایسا ہوتا تو خود لیڈری پر آمادہ ہوتے۔ خود اصلاح کا کام شروع کرتے۔ خود ہی تعلیم کی کوشش کرتے۔ خود ہی ارشاد و ہدایت کا نام لیتے۔ مگر یہ سب کچھ نہیں کیا بلکہ شروع میں پیغمبری کے آثار سے گھبرائے پریشان ہوئے، ڈرے، اور جناب خدیجہ سے وہ حالت بیان کی۔ کیا دنیا کے کسی لیڈر یا مصلح کی وہ حالت دیکھی یا سنی گئی جو حضرت رسول خداؐ کی اوپر نقل کی گئی ہے؟ آج اگر کوئی شخص لوگوں کو اخلاقی خرابیوں اور عقلی برائیوں سے روکنے کا ارادہ کرے تو کیا اس کی وہی حالت ہوگی جو حضرت رسولؐ کی ابتدا بعثت کے وقت ہوئی؟ وہ جب مصلح بننا چاہے گا تو مجمع میں آئے گا یا لوگوں کو جمع کرے گا اور اصلاح طلب باتیں پیش کر کے ان کو ان کی طرف بلائے گا۔ اس کے برخلاف حضرت رسول گھر میں تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں مجھے گرم کپڑا اڑھاؤ مجھے اپنے نفس پر خوف ہوتا ہے" پھر جناب خدیجہ کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لے جاتے ہیں اور جب وہ تسلی دیتا ہے تو فی الجملہ مطمئن ہوتے ہیں۔ کیا دنیا کے کسی مصلح نے یہ باتیں کی ہیں؟ کیا عالم کے کسی ریفارمر کی یہ کیفیت سنی گئی ہے؟ ہمارا تو خیال ہے

کہ خدا نے آنحضرتؐ میں یہ باتیں اس سبب سے پیدا کیں تاکہ آنے والی نسلوں کو یہ زبردست تعلیم حاصل ہو جائے کہ تم لوگ حضرت رسول خداؐ کو بھی مصلح نہ سمجھو۔ ہرگز ریفارمر نہ جانو۔ خود ساختہ ہادی و رہنما نہ سمجھو۔ سردار نہ خیال کرو۔ دینی ہمدرد یا ملکی بہی خواہ قرار دو جس طرح ہندوستان کے بہت بڑے لیڈر گوتم بدھ تھے۔ ان کی تعلیمات اس زمانے کے لوگوں کے لئے بہت خوب اور ممدوح تھیں لیکن چونکہ ان پر کوئی فرشتہ نازل ہوا نہ وحی اتری اس وجہ سے ان کو نہ پیغمبر کہا جا سکتا ہے نہ خدا کا بھیجا یا مقرر کیا ہوا ہادی بلکہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کو بھی ویسا ہی رسول اور پیغمبر مانو جیسے حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ تھے۔ ایک پیغمبر اور غیر پیغمبر میں یہی بڑا فرق ہے۔ غیر پیغمبر لوگوں سے جو کچھ کہے گا وہ اپنی عقل اپنے فہم اپنے علم اپنے فیصلے اپنی رائے اپنی تحقیق اور اپنے دل و دماغ کے حکم سے کہے گا اور پیغمبر جو کچھ دعویٰ کرے گا وہ یہ ہوگا کہ خدا نے یہ فرمایا ہے۔ اللہ نے یہ حکم دیا ہے۔ معبود کا یہ ارشاد ہے۔ خالق عالم یہ فرماتا ہے۔ قرآن مجید انبیاء و مرسلین کے حالات اور واقعات کے تذکروں سے بھرا ہوا ہے کسی بزرگ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہم یہ بات اپنے طور پر کہتے ہیں۔ یا ہماری عقل یہ کہتی ہے یا ہمارے دماغ میں یہ امر آتا ہے۔ یا ہم ایسا کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کا ذکر دیکھئے:۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ ﴿٤٨﴾ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ (پارہ ۳ ع ۱۳)

اور خدا حضرت عیسیٰؑ کو کتب آسمانی اور عقل کی باتیں اور خاص کر توریت اور انجیل سکھا دے گا اور وہ ہمارے پیغمبر ہوں گے جن کو ہم بنی اسرائیل کی طرف بھیجیں گے۔ اور وہ ان سے کہیں گے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نشانیاں یعنی معجزے لے کر آیا ہوں۔

امامت بھی خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے (۱)

یہ بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ لوگوں کی امامت یا آنحضرتؐ کی خلافت بھی دنیا کی لیڈری، سرداری، بادشاہی، شہنشاہی نہیں ہے بلکہ ہدایت ارشادی ہے اور خدا ہی لوگوں کا امام بھی بناتا اور خلیفہ بھی مقرر کرتا ہے۔

(۱) اس کتاب اعجاز الولی کے گزشتہ صفحات میں ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں "رسالہ اصلاح کی گزشتہ جلدوں میں بھی حضرت کی سوانح عمریاں لکھنے کے متعلق بار بار مطالبہ ہوا ہے اور مختلف اہل معرفت حضرات نے اس کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے چند تحریروں کا نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے" اس کے بعد ایک مضمون فضائل سادات [illegible] حضرت [illegible] دوسرا مضمون [illegible] جناب امیر [illegible] تیسرا مضمون [illegible] جناب امیر کی [illegible] چوتھا مضمون "سیرۃ علی" [illegible] کیا گیا ہے۔ یہ سب مضامین [illegible] کے [illegible] ہم نے ان کو صرف پہلے رسالہ اصلاح میں درج کر دیا تھا [illegible] اعجاز الولی میں نقل کر دیا ہے۔

صدر جمہوریہ اسلام: چوتھا مضمون سیرۃ علی [illegible] صاحب مرحوم [illegible]

جو کبھی سال قبل رسالہ اصلاح میں مرحوم کی فرمائش پر درج کر دیا گیا تھا۔ حیدر حسین صاحب مرحوم نے اس مضمون میں کئی جگہ جناب امیرالمومنین کو "صدر جمہوریہ اسلام کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ اس پر ہمارے شفیق مکرم اور برادر محترم جناب آغا محمد سلطان مرزا صاحب دہلوی۔ ایم اے ایل ایل بی ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ و سیشن جج پنجاب و حال مقیم کراچی و مصنف کتاب البلاغ المبین و سیرۃ فاطمۃ الزہراؑ وغیرہ نے ہم کو ایک ضروری خط بھیجا جس کا یہاں نقل کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے" کراچی مورخہ ۲۶ جون ۵۱ء قبلہ و کعبہ تسلیم۔ ماہ مئی و جون کا اصلاح ابھی ابھی میری نظر سے گزرا اور اعجاز الولی کو میں نے پڑھا اس کی کما حقہ تعریف کرنی تھی میری لیاقت سے باہر ہے ماشاء اللہ خوب لکھ رہے ہیں۔ اتنی علمی کتاب پڑھنے کے بعد چند سوالات خود بخود پڑھنے والے کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور میرے دل میں بھی پیدا ہوئے۔ آپ نے اس کے صفحہ ۹۱ و ۹۲ پر حضرت علی کو صدر جمہوریہ اسلام لکھا ہے۔ اس فقرے سے چند نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) اسلام میں جمہوریت ہے۔ (۲) جناب رسول خدا نے حکومت جمہوریہ قائم کی۔ (۳) جناب رسولؐ خدا خود بھی اس کے محض صدر تھے۔ (۴) لہٰذا ارکان جمہوریہ کا یہ قدرتی حق ہے کہ وہ اپنا صدر مقرر کریں۔ صدر جمہوریہ کا تخیل جو آج کل ہے اور ہمیشہ سے رہا ہے اور جو ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ ایک محفل یا مجلس کے آدمی کم و بیش ایک سی لیاقت کے ہوتے ہیں اور وہ سب مل کر محض بغرض انتظام ملک وغیرہ ایک کو اپنا صدر مقرر کر لیتے ہیں اور اس صدارت کا دوسرا تخیل یہ ہے کہ چونکہ صدر لوگوں کا منتخب شدہ ہوتا ہے اگر لوگوں کی اکثریت اس سے ناراض ہو تو اس کو صدارت سے برطرف کر سکتے ہیں۔ ایسی جماعت کا صدر اگر لوگوں کو مخاطب کرے گا تو اس قسم کا خطبہ دے گا۔

دنیوی سردار کے الفاظ: بھائیو! میں تم سے بہتر نہیں ہوں بلکہ تم ہی جیسا ہوں، مزید برآں مجھ پر کبھی کبھی شیطان بھی چڑھ جاتا ہے جب تم میرے اوپر شیطان چڑھا ہوا دیکھو تو مجھ سے دور رہنا جب میں غلطی کروں تو درست کر دینا یہ امامت یا خلافت بالاختیار ہوئی لوگوں نے خود امام کو اختیار کر لیا۔

سچے خلیفہ رسول کا بیان: لیکن ایک فرقہ امامت یا خلافت بالنص کا قائل ہے خدا اور رسول کا مقرر کردہ خلیفہ جب لوگوں کو مخاطب کرے گا۔ ہمارے ذریعہ سے تم گمراہی کی تاریکی سے نکلے اور ہدایت پائی ہمارے ہی ذریعہ سے تم بلندیوں پر پہنچے۔ ہم رسولؐ خدا کے اسرار نبوت کے حامل ہیں۔ ہم ان کے علوم کے خزانے ہیں۔ ہمارے پاس ان کی کتابیں ہیں۔ تم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ تم فجور کی طرف چلے گئے ہو۔ دنیا سے دھوکا کھا گئے ہو بربادی کی پیدا وار حاصل کی ہے۔ آل محمدؐ کے مقابلے میں اس امت کا ایک شخص بھی نہیں آسکتا۔ وہ شخص آل محمدؐ کا مقابلہ کیونکر کر سکتا ہے۔ جس پر ان کی نعمتیں ہمیشہ کے لئے جاری ہو گئیں۔ وہ (آل محمدؐ) اساس دین ہیں۔ عماد یقین ہیں۔۔ ان میں وصایت اور ولایت ہے"۔

یہ شخص صدر جمہوریہ اسلام نہیں ہے بلکہ رہنمائے مملکت اسلام ہے اگر جناب کا خیال ہے کہ اسلام میں اصولاً کچھ ہی ہو اس وقت وہ جمہوریہ ہو چکی تھی۔ تو عرض ہے کہ پہلے کے تین خلفاء تو جمہوریت کے اصول پر منتخب ہی نہیں ہوئے۔ حضرت عمر تو نامزدگی کے حلقہ میں آ گئے حضرت عثمان کو صرف ایک شخص عبد الرحمٰن ابن عوف نے مقرر کیا ہے حضرت ابوبکر تو وہ ایک Couhc.ctet کے بنائے ہوئے ہیں جس کا نہایت عمدہ ترجمہ فلتہ حضرت عمر نے کیا تھا۔ وہ اب تو جمہوریت کہاں سے آئی؟ اگر کہا جائے کہ حضرت علیؑ کو تو سب نے متفقہ طور سے سوچ سمجھ کر خلیفہ مقرر کیا تھا۔ اب تو جمہوریہ ہو گئی؟ تو اس کے متعلق میرے تین اعتراضات ہیں: (۱) اب ہو گئی کا سوال نہیں ہے دیکھنا یہ ہے کہ شروع میں بانی اسلام نے اس کی Costituion یا دستور رسائی کیا مقرر کیا تھا۔ بعد کا تقرر ناجائز ہوگا۔ (۲) اگر مملکت اسلام کے طرز میں تغیر آ گیا تھا تو حضرت علیؑ میں تو تغیر نہیں آیا تھا۔ ان کی حیثیت وفات رسولؐ سے لے کر حضرت کی وفات تک ایک ہی رہی۔ (۳) یہ کون سی جمہوریت ہے کہ فقط مدینہ والوں نے مقرر کر لیا۔ اگر جمہوریت اسلام ہے تو تمام مسلمانوں کو انتخاب کا حق حاصل ہونا چاہئے غالباً موجودہ زمانہ کی ہوا نے جس میں جمہوریت بھری ہوئی ہے آپ پر اثر کیا ہوگا۔

جمہوریت کی خرابیاں: دراصل جمہوریت بدترین طرز حکومت ہے یہ ایک بہت بڑا دھوکہ دنیا کے لوگوں کے اوپر کیا ہوا ہے اور یہ دھوکا چند آدمیوں نے اپنے مفاد کے خاطر کیا ہے۔ جمہوریت کی تاریخ بتا رہی ہے کہ اس کی ابتداء بھی دھوکے سے ہوئی تھی جب کبھی چند بااثر آدمیوں کو موجودہ حکومت کی مخالفت منظور ہوتی ہے تو وہ عوام الناس کو یہ کہہ کر اپنی طرف ملا لیتے ہیں کہ حکومت سب لوگوں کا حق ہے ہم تم مل کر حکومت کریں گے۔ صرف اس بادشاہ کو کیا حق ہے کہ یہ ہم پر حکومت کرے۔ غرض اس طرح دھوکہ دے کر حکومت کا تختہ الٹ دیتے ہیں اور جب حکومت پر قبضہ کر لیتے ہیں تو پھر بے چارے عوام الناس دیکھتے کے دیکھتے رہ جاتے ہیں چونکہ یورپ کے بااثر ممالک کو ایک بادشاہ یعنی نپولین نے خوب شکست پر شکست دی تھی لوگوں کو نپولین کے خلاف کرنے کے

حضرت رسولؐ کو خدا نے ۴۰ سال کی عمر میں کیوں رسولؐ بنایا:

دنیا کے تقریباً ہر ملک میں ۲۲، ۲۴، ۲۵، سال کی عمر کو تعلیم کی تکمیل کا زمانہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اس وقت تک انسانی دماغ کی نشو نمائی مدت گویا پوری ہو جاتی ہے۔ انسان کا جوہر واضح ہو جاتا ہے۔ اس کی دنیوی زندگی ترقی اور نام و نمود کی صلاحیتیں نمایاں ہو جاتی ہیں۔ غرض وہ اپنی عمر میں جو کرنے والا یا ہونے والا ہوتا ہے، اس کا اندازہ اسی وقت سے ملنے لگتا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر مقام پر سرکاری ملازمتیں، ۲۰، ۲۵، سال کی عمر تک لوگوں کو مل جاتی ہیں اور جن ملازمتوں میں ان کو لگایا جاتا ہے وہ ان کو اسی عمر میں حوالہ کر دی جاتی ہیں۔ اور اسلام کی مذہبی دنیا میں تو ہر لڑکا ۱۵ سال کی عمر ہی میں بالغ قرار پاتا اور تمام احکام خداوندی نیز جمیع اوامر نواہی اسلامی کا مکلف ہو جاتا ہے۔ ۱۲، ۱۳، سال کی عمر تک وہ واجبات کو ترک کرتا رہے تو خدا اس کو جہنم میں نہیں ڈالے گا۔ احکام الٰہی سے سرتابی کرتا ہے تو اللہ اس کو سزا نہیں دے گا۔ مگر ۱۵ سال کا ہونے کے بعد وہ اور ۴۰ برس کا ادھیڑ اور ۶۰ برس کا بوڑھا ایک ہی حکم میں ہو جاتے ہیں۔ اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں ملے گا۔ جو ۵۰ سال کی عمر والوں پر واجب اور ۲۰ سال والوں کے لئے غیر واجب ہو ان وجوہ سے وال ہوتا ہے کہ خدا نے حضرت رسول کو بھی ۱۵ سال ہی کی عمر میں پیغمبر کیوں نہیں بنایا۔

حضرت کا درجہ حضرت عیسیٰ سے بھی بہت بڑھا ہوا تھا مگر حضرت عیسیٰ جب بچے تھے تب ہی پیغمبر بنا دیئے گئے اور حضرت رسولؐ خدا ۴۰ سال کی عمر تک اس شرف سے محروم رہے۔ اگر کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اس وجہ سے خدا نے آپ کو اسی وقت پیغمبری پر فائز کر دیا اور حضرت رسول خداؐ کے لئے ایسی ضرورت نہیں تھی۔ جب بھی یہ سوال اپنے مقام پر باقی رہتا ہے کہ خدا نے ۴۰ سال تک آپ کو یہ عہدہ کیوں نہیں دیا؟ دس سال کی عمر میں رسول بنا دیتا، ۱۵ سال کے ہوئے تب نبوت مل جاتی، ۲۰ سال کے ہوئے تب پیغمبر بنا دیئے جاتے، ۲۵ سال کے ہونے پر ہدایت کی خدمت سپرد کر دی جاتی۔ یہ ۴۰ سال تک کس امر کا انتظار تھا؟ ادھیڑ ہونے پر کیوں اس شرف سے سرفراز کئے گئے؟ جب حضرت کی زندگی کے صرف ۲۳ سال باقی رہ گئے تھے۔ کیوں یہ دینی خدمت آپ کے حوالے کی گئی؟ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ دین اسلام دنیا والوں کے لئے بہت بڑی نعمت اور عظیم الشان رحمت ہے دنیا والوں کو جہالت اور ضلالت ہی سے نکالنے کیلئے اسلام بھیجا گیا پھر یہ نعمت اتنی دراز مدت تک لوگوں سے کیوں روکی گئی؟

اس رحمت کاملہ سے اتنے دنوں تک سب لوگ کیوں محروم رکھے گئے؟ خدا نے لوگوں کو اتنے زمانے تک کیوں جہالت میں چھوڑے رکھا؟ رحمن و رحیم نے اہل عالم کو اتنے دنوں تک ضلالت میں کیوں رہنے دیا؟ حضرت خود ہادی ہونے کا دعویٰ

کرتے تو حضرت ہی سے سوال ہوتا کہ اتنی مدت تک کیوں خاموش رہے مگر حضرت تو خدا کے مامور۔ اسی کے محکوم، اسی کے بندے تھے۔

جب اس نے کسی کام کو کہا، کیا جب وہ ساکت رہا تو حضرت کس طرح بولتے۔ البتہ خدا کو جواب دینا چاہیے کہ اس نے حضرت کو اتنے دنوں تک کیوں گویا معطل رکھا۔ ایک ڈاکٹر بیماروں کو دیکھتا رہے اور کوئی دوا نہ بتائے تو سب اس کی مذمت کریں گے ایک اندھا راستہ چل رہا ہو سامنے کنواں ہو اور دیکھنے والے اس کو نہ بتائیں تو ہر شخص دیکھنے والوں کو ظالم بے رحم بے درد کہے گا۔ ایک بہادر دشمن کو دفع کر سکتا ہو مگر کسی ظالم سے مظلوم کو نہ بچائے اور اپنی بہادری کو کام میں نہ لائے تو لوگ کس درجہ اس کی شکایت کرتے رہیں گے۔ پھر خدا کو کیا کہا جائے جو حضرت رسول خدا کی ہاتھوں سے اہل عرب کی ضلالت بہت جلد دور کر سکتا تھا لیکن وہ چپ (گویا) بیٹھا رہا۔ اور جب تک حضرت ۴۰ سال کے نہیں ہو گئے اس کو جنبش نہیں ہوئی۔ لطف یہ کہ حضرت ۲۵ سال کے ہو گئے تو آپ کی شادی بھی ہو گئی گھر میں بی بی بھی آ گئیں اور بی بی بھی کون؟ حضرت خدیجہؑ جو حضرت کی ایسی جان نثار اور اسلام کی ایسی حامی ثابت ہوئیں کہ حضرت زندگی بھر ان کو یاد کرتے رہے مگر خدا نے آنحضرتؐ کو شادی ہونے کے بعد بھی فوراً ہی نبی نہیں بنایا۔ حضرت ابوبکر کو حضرت رسول خدا کا بہت بڑا یار غار کہا جاتا اور مددگار سمجھا جاتا ہے مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے احباب خاص نبوت سے پہلے جو لوگ آپ کے احباب خاص تھے سب نہایت پاکیزہ اخلاق، بلند مرتبہ اور عالی منزلت تھے ان میں سب سے مقدم حضرت ابوبکر تھے جو برسوں آپ کے شریک صحبت رہے۔ حضرت خدیجہؑ کے بھتیجے بھائی حکیم بن حزام جو قریش کے نہایت معزز رئیس تھے وہ بھی احباب خاص میں تھے۔" (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۱۲۳) یہ حضرت ابوبکر اور حکیم بن حزام بھی حضرت کی پہلی شادی کے وقت اور اس کے بعد مکہ معظمہ ہی میں موجود تھے غرض دو مرد اور ایک معزز مالدار بی بی تینوں مل کر حضرت کی کافی مدد کر سکتے تھے۔ لیکن اب بھی حضرت کے سر مبارک پر نبوت کا تاج نہیں رکھا گیا جب حضرت رسولؐ کی پہلی شادی ہوئی تو حضرت ۲۵ سال کے اور حضرت ابوبکر ۲۳ سال کے تھے۔ اگر حضرت رسول خدا اسی وقت پیغمبر بنا دیے جاتے تو (جیسا کہ کہا جاتا ہے) حضرت ابوبکر اس وقت بھی حضرت کی مدد کرتے۔ پھر جب حضرت ابوبکر کے رہتے ہوئے بھی حضرت رسول خدا کو رسول نہیں مقرر کیا گیا تو یہی ماننا پڑے گا کہ یا حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کی مدد کرتے ہی نہیں یا کرتے تو بیکار ہوتی۔ غرض یہ کہ یہ جو شہرہ دیا جاتا ہے کہ حضرت کی بی بی جناب خدیجہ اور حضرت کے یار حضرت ابوبکر نے حضرت کی بڑی مدد کی اس کی حقیقت اس سے اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان لوگوں کے رہتے ہوئے بھی خدا نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کو رسول بنانا مناسب نہیں سمجھا۔ حضرت خدیجہ کی دولت کو اس قابل نہیں سمجھا کہ اس کے ہوتے

ہوئے حضرت پیغمبرؐ بنائے جائیں حضرت خدیجہ کے کل احسانات مسلم۔ حضرت کی کل قربانیاں صحیح مگر ان سب کے ہوتے ہوئے بھی خدا نے حضرت محمد مصطفیؐ کو رسول نہیں بنایا۔ حضرت ابوبکر کی محبت یار غاری ماں (بقول عامہ مسلمین) فدا کاری ہوتے ہوئے بھی خدا نے آنحضرتؐ کو عالم کا ہادی نہیں بنایا۔ خدا بہت بڑا حکیم ہے اور فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ کسی حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ جب خدا نے خود فرمایا ہے کہ:

الله اعلم حیث یجعل رسالتہٗ

خدا اس جگہ کو خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت قرار دیتا ہے۔ (پارہ ۸ ع ۲)

تو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ

الله اعلم متی یجعل رسالتہٗ

خدا اس وقت کو خوب جانتا ہے جب اس کی رسالت کا موقع و محل ہوتا ہے۔

اگر خدیجہ کی شادی کے وقت بھی رسالت کا وقت مناسب ہوتا تو خدا حضرتؐ کو ضرور نبی مقرر کر دیتا اگر حضرت ابوبکر کی دوستی سے بھی حضرت رسول خدا کی رسالت کو کوئی نفع پہنچنے والا ہوتا تو خدا کبھی بخل نہیں کرتا۔ اس کا فیضان نہیں رُکتا۔ اس کی رحمت کسی کا انتظار نہیں کرتی اگر حضرت عمر سے بھی اسلام کو کوئی مدد ملنے والی ہوتی تو وہ بھی اس وقت حضرت رسولؐ سے عمر میں کچھ ہی چھوٹے تھے خدا ضرور جناب خدیجہ اور حضرت ابوبکر و عمر کی امید پر حضرت خاتم المرسلین کی رسالت کا اعلان کرا دیتا۔ ایک مالدار ذی اثر بی بی اور دو مالدار معزز صاحب عظمت و جلال مردوں کی حمایت حضرت کے لئے کافی سمجھی جانی چاہئے تھی۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں علماء و محققین و محدثین و متکلمین و مقتدیان بے حساب ائمہ اسلام نے معلوم نہیں اس بھید پر کبھی غور کیا یا نہیں کہ کیا وجہ تھی کہ حضرت خدیجہؓ ایسی بی بی حضرت ابوبکر ایسے دوست اور حضرت عمر ایسے ہونے والے مددگار کے رہتے ہوئے بھی خدا نے حضرت محمد مصطفیؐ کو رسول مقرر نہیں کیا؟ کیوں یہ لوگ ناکافی سمجھے گئے۔؟ کیوں ان لوگوں کی حمایت پر بھروسہ نہیں کیا گیا؟ کیوں ان لوگوں کی دولت، حشمت، طاقت، عزت سب بے مصرف جانی گئی۔ حضرتِ عمر سے تو بڑے بڑے فتوح ہونے والے تھے۔ اسلام کی اشاعت دور، دور ہونے والی تھی۔ مسلمانوں کو بہت کچھ دولت، مال اور جائداد ملنے والی تھی۔ پھر کیوں خدا نے اُنہیں تین بزرگوں کی مدد کے خیال سے حضرت رسولؐ خدا کو آپ کے ۲۵ / ۳۰ یا ۳۵ سال ہی کی عمر میں پیغمبری کا شرف نہیں دیا؟ کیا حقیقت اسلام کے اس راز پر توجہ کرنے کی ضرورت نہیں؟ کیا معرفت مذہب کے اس نقطہ پر فکر و تامل نہایت اہم نہیں؟ کیا اس کو معمہ حل کرنا تلاش حق کرنے والوں کے لئے بہت نفع بخش نہیں؟ ہم تو کہتے ہیں کہ اگر کسی

نے اس پر غور نہیں کیا تو اس نے حق معرفت اسلام ادا نہیں کیا۔ اگر کوئی اس کی تہ تک نہیں پہنچا تو اس کو پورا پورا ایمان ملا ہی نہیں اگر کسی نے اس کے سبب کو نہیں پایا تو اس نے اپنی عقل سے دین حق کی پوری معرفت نہیں حاصل کی۔ اللہ اکبر حضرت رسول خدا کے چچا جناب ابو طالبؑ بھی موجود ہیں۔ جناب حمزہ بھی اپنا دبدبہ دکھا رہے ہیں، حضرت خدیجہ بھی اپنے خزانوں کا منہ کھولے ہوئے ہیں حضرت ابو بکر بھی اپنی محبت کا پہاڑ لئے ہوئے حاضر ہیں حضرت عمر بھی اپنی شوکت وعظمت کی تلوار لئے ہوئے گھوم رہے ہیں مگر رحمت الہی کو جوش نہیں آتا وہ ٹس سے مس نہیں ہوتی، وہ ان کل اسباب کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتی۔ وہ کس بات کا انتظار کر رہی ہے؟ وہ کس شریک فی الحمد ایت کی راہ دیکھ رہی ہے؟ وہ کس جزو رسول کے خیال میں ہے؟ یہ بات کسی سے پوچھنے کی نہیں۔ یہ راز کسی سے دریافت کرنے کا نہیں۔ یہ بھید کسی سے سوال کر کے نہیں معلوم ہو سکتا۔ یہ معمہ کسی اور سے نہیں حل ہو سکتا بس آپ کی عقل ہی بتائے گی۔ آپ کا فہم ہی وہاں تک پہنچائے گا۔ آپ ہی کی قوت فیصلہ آپ کی رہبری کرے گی۔ خوب غور کیجئے۔ پوری فکر کو کام میں لایئے۔ اچھی طرح تامل کیجئے اپنے دماغ پر زور دیجئے۔ باپ دادا کے مذہب کا تعصب دور کر دیجئے آپ جس مذہب پر ہیں اس سے تھوڑی دیر کے لئے اپنے کو علیحدہ کر کے دیکھنے کی کوشش کیجئے اپنے ماحول سے آزاد ہو کر اس فلسفہ ایمانی کا مطالعہ کیجئے تو قوی امید ہے کہ آپ ضرور کامیاب ہو جائیں گے آپ اس مصلحت تک یقیناً پہنچ جائیں گے جس کی وجہ سے خدا نے حضرت کو چالیس سال کی عمر سے پہلے رسول نہیں مقرر کیا۔ قرآن مجید کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے۔ افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا (پارہ ۲۶ رکوع ۷)

"کیا یہ لوگ قرآن کے مطالب کو نہیں سوچتے؟ یا ان لوگوں کے دلوں (دماغوں) پر تالے لگے ہوئے ہیں"۔ معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں بھی غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے مطالب میں ڈوبنے کی حاجت ہے اس کے تہ تک پہنچنے میں بہت نفع ہے۔ اور اگر یہ نہیں کیا جائے گا تو معلوم ہو گا کہ ہم لوگ اپنے دلوں کو مقفل ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ ان قفلوں کو کھولنا نہیں چاہتے جس کی وجہ سے قرآن کی پوری عظمت ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہے اسی طرح ممکن ہے ہاتف غیبی اس نقطہ کے بارے میں دنیا بھر کے اہل اسلام سے خطاب کر کے کہتا ہو افلا یتدبرون الایمان ام علی قلوب اقفالھا۔ ترجمہ: "لوگ ایمان کے بارے میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے (کہ ان کو اس کی پوری معرفت حاصل ہو جائے) کیا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے رہتے ہیں"۔ مذہب کا کام صرف اس قدر نہیں ہے کہ اصول وفروع دین کو سن کر یاد کر لیا اور نماز وروزہ کرنے لگے بلکہ ایمان کا فلسفہ جاننا بھی ہم سب کے لئے نہایت ضروری ہے کہ ہم کو ایمان کس سے ملا۔ کس ذریعہ سے حاصل ہوا۔ کس کے صدقہ میں ہم اس دولت سے مالا مال ہوئے۔ کس کے کارناموں نے اسلام کو دنیا میں مضبوط کیا۔ کس انسان کامل نے اسلام

کی ایسی حمایت کی کہ بے حساب مخالفوں اور بے تعداد دشمنوں کی مخالفتوں کے باوجود یہ زندہ رہا۔اور کس مجسم ایمان نے ہر موقع پر اپنی جان لڑا کر اس آفتاب ہدایت کی روشنی قیامت تک باقی رہنے کا سامان کردیا ؎

ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب ہنوز نام او گفتن کمال بے ادبی است

ہر شخص مذہبی حمیت سے الگ ہوکر خیال کرے۔ ہر شخص دینی محبت سے آزاد ہوکر غور کرے ہر جماعت اپنے مسلک سے علیحدہ ہوکر فیصلہ کرے کہ جس ذات کے انتظار میں قدرت خاموش رہی جس حامئی دین کے بازو مضبوط ہوئے بغیر حضرت رسول خداؐ کو کار پیغمبری نہیں دیا گیا۔ جس محسن اسلام کے ہوش سنبھالے بغیر جبریل امین آنحضرتؐ کے پاس نہ آسکے اس کا کتنا گہرا تعلق اسلام سے تھا اسلام کس درجہ اس سرفروش کا ممنون کرم ہے جس کے کھڑے ہوئے بغیر دنیا کو یہ بہترین دین مرحمت نہیں ہوا۔ اس وقت عرب کی جو حالت تھی اس کو ایک شاعر نے اس طرح نظم کیا ہے ؎

تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایا ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا
کہیں آگ پجتی تھی واں بے محابا کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا
بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا بتوں کا عمل سو بہ سو جابہ جا تھا!
کرشموں کے راہب کے تھا صید کوئی طلسموں میں ساحر کے تھا قید کوئی
وہ دنیا میں گھر سب سے پہلے خدا کا خلیل ایک معمار تھا جس بناء کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہدیٰ کا
وہ اک بت پرستوں کا تیرتھ بنا تھا جہاں تین سو ساٹھ بت پُج رہا تھا
قبیلے قبیلے کا اک بت جدا تھا کسی کا ہُبل تھا کسی کا صفا تھا!
یہ عُزّیٰ پہ وہ نائلے پہ فدا تھا اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا
نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر
چلن ان کے تھے سب کے سب وحشیانہ ہراک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ!
وہ تھے قتل وغارت میں چالاک ایسے درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے
نہ ٹلتے تھے ہرگز جو، اڑ بیٹھتے تھے سمجھتے نہ تھے جو جھگڑ بیٹھتے تھے

جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے ۔۔۔ تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا ۔۔۔ تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا
یکایک ہوئی غیرت حق کو حرکت ۔۔۔ بڑھا جانب بوقبیس ابر رحمت
ادا خاک بطحا نے کی وہ ودیعت ۔۔۔ چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا ۔۔۔ دعائے خلیل اور نوید مسیحا

(تاریخ اسلام صفحہ ۳۸)

مذکورہ بالا اشعار بالکل صحیح ہیں۔ ایک حرف بھی غلط نہیں، کسی شعر میں بھی عذر نہیں مگر سوال یہ ہے کہ پہلوئے جناب آمنہ سے حضرت رسول خدا کی ولادت باسعادت ہوگئی تو کیا عرب کی جہالت فوراً زائل ہونے لگی؟ کیا حضرت کے پیدا ہوتے ہی عرب کی ضلالت مٹنے لگی؟ ہم غلو پر لعنت کرتے ہیں ایک دفعہ نہیں بلکہ ہزار مرتبہ لاکھ مرتبہ بلکہ زندگی بھر، اور آپ بھی تعصب سے توبہ کریں۔ صرف واقعات سے طے کریں کہ کیا حضرت رسول خدا کے متولد ہوتے ہی نور ایمان چمکنے لگا؟ اچھا جب حضرت پندرہ سال کے بالغ ہو گئے تب عرب کی ضلالت کیا کافور ہونے لگی؟ خیر، کیا جب حضرت کی شادی ہوگئی اور آپ عمر مبارک کی ۲۵ منزلیں بھی طے کر چکے تب ہدایت عرب کا دروازہ کھل گیا؟ اگر نہیں تو کیوں؟ خدا کو کون وجہ مانع رہی؟ مشیت باری کو کیا بات روکے رہی رحمت باری کو جوش کیوں نہیں آرہا تھا؟ کس ذات کا انتظار تھا؟ کس شریک فی التبلیغ کی غیرت تھی؟ کس جزو نبوی کی کمی تھی؟ کیا معبود عالمین اسی ہستی کا منتظر تھا جس کے بارے میں حضرت رسول خدا نے ایک ہی نہیں بلکہ بہت سی حدیثوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

حضرت امیرالمومنین کا جزو نبوی ہونا

فلاں شخص میرا شریک اور میرا جزو ہے میں اس سے ہوں اور وہ مجھ سے ہے حضرت ارشاد فرماتے تھے

(۱) اَنْتَ مِنِّی وَاَنَا مِنْکَ فَاِنَّهٗ لِعَلِیٍّ۔

حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔

(۲) اِنَّ عَلِیًّا مِنِّی وَاَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ بَعْدِی۔

یقیناً علیؑ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں اور میرے بعد وہی ہر مومن کے ولی ہیں۔

(۳) عَلِیٌّ اَصْلِی۔

علیؑ میری اصل ہیں۔

(۴)علیٌ مِنّي وَ أنا مِنْ علیٍ۔

علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں۔

(۵)علیٌ مِنّي بِمَنْزِلَةِ رأسي مِنْ بَدَني۔

علی کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو میرے سر کو میرے باقی بدن سے ہے۔

(۶)اِنَّ اللہ اطَّلَعَ علی الارضِ فاختارَ مِنهم رَجُلَیْنِ فَجَعَلَ أحَدُهما اباکِ والآخرَ بعلکِ۔

اے فاطمہ! خدا زمین والوں کی طرف متوجہ ہوا تو دنیا بھر سے دو شخصوں کو چن لیا ایک کو (مجھے) تمہارا باپ اور دوسرے (علی) کو تمہارا شوہر بنایا۔

(۷)یا اُمَّ سُلَیمٍ اِنَّ علیاً لَحمُهُ مِنْ لَحمي وَ دمُهُ من دَمي۔

اے ام سلیم خوب یقین رکھو کہ علی وہ ہیں جنکا گوشت میرے گوشت سے اور جن کا خون میرے خون سے پیدا ہوا ہے۔

(۸)اِنَّ علیاً مِنّي وَ أنا مِنْهُ وَ هُوَ وَلِيُّ کُلِّ مؤمنٍ۔

یقیناً علی مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں اور ہر مومن کے ولی و حاکم (مولا آقا۔ سردار اور سرپرست) ہیں

(۹)دَعُوا علیاً دَعُوا علیاً دَعُوا علیاً اِنَّ علیاً مِنّي وَ أنا مِنْهُ وَ هُوَ وَلِيُّ کُلِّ مؤمنٍ بَعْدي۔

علی کی شکایت چھوڑو، علی پر اعتراض نہ کرو، علی کو برا نہ کہو، یقیناً علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔ اور وہی میرے بعد ہر مومن کے مولا (آقا، حاکم، سردار، اور امام) ہیں

(۱۰)علیٌ مِنّي وَ أنا مِنْ علیٍ وَ علیٌ وَلِيُّ کُلِّ مؤمنٍ بَعْدی۔

علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور میرے بعد علی ہی ہر مومن کے پیشوا اور ہادی ہیں۔

(۱۱)لاتقعْ فی علیٍ فانَّهُ مِنّي وَ انا مِنْهُ وَ هُوَ وَلِیُّکُمْ بعدي۔

علی کے اوپر منھ نہ آؤ کیونکہ یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں اور وہی میرے بعد تم سب لوگوں کے مالک ہیں۔

(۱۲)أنا وَ علیٌ مِنْ شَجَرَةٍ واحِدَةٍ وَ النّاسُ مِنْ اَشْجارٍ شَتّٰی۔

میں اور علی! ایک ہی درخت سے ہیں باقی سب لوگ دوسرے اور مختلف درخت سے ہیں۔

(۱۳)یا علیُّ! النّاسُ مِنْ شجرٍ شتّٰی وَ انا وَ انْتَ مِنْ شَجَرَةٍ واحِدَةٍ۔

اے علی! سب لوگ دوسرے درختوں سے ہیں مگر میں اور تم ایک ہیں درخت سے ہیں۔

(۱۴) اِنَّ الملائکۃ صلّت عَلَیَّ وَ علی علی سبع سنین قبل اَن یسلم بشر۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۶)

اس سے سات برس پہلے کہ کوئی آدمی اسلام لائے خدا کے فرشتے مجھ پر اور علی پر درود بھیجتے رہے۔

(۱۵) لما قتل علی یوم احد اصحاب الالویۃ فقال جبرئیل یا رسول اللہ انّ ھٰذہ لھی المواساۃ فقال النبیؐ انّہ منّی وانا منہ فقال جبرئیل وانا منکما یا رسول اللہ۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۴)

جب غزوہ احد میں علیؑ نے کافروں کے علم برداران لشکر کو قتل کیا تو جبرئیل نے کہا اے رسولؐ خدا! بیشک اسی کا نام مواسات ہے جو علیؑ دکھا رہے ہیں تو حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا بیشک وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں اور جبرئیل نے کہا اے رسول خدا اور میں بھی آپ ہی دونوں سے ہوں۔

کیا حضرت امیر المومنینؑ سے افضل کسی کا ہونا ممکن بھی ہے؟

مسلمانوں کے بڑے فرقے اہل سنت کے درمیان اس امر میں بہت اختلاف ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کے بعد سب سے افضل کون تھا کچھ لوگ خلیفہ اول کو افضل کہتے ہیں اور کچھ حضرات جناب امیرؑ کو افضل مانتے ہیں۔ اس کی مفصل بحث تو انشاء اللہ اس سوانح مبارکہ کی بعد والی جلدوں میں درج کی جائے گی یہاں صرف اس امر کو طے کرتے چلیے کہ کیا حضرت امیر المومنینؑ سے افضل کسی کا ہونا ممکن بھی ہے یا نہیں؟ اگر ممکن ہے تو یہ بحث ہو سکتی ہے کہ کون صاحب افضل تھے۔ لیکن اگر ممکن ہی نہیں ہے تو یہ بحث بیکار ہے، یہ نزاع مہمل، یہ اختلاف بے معنی ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ حضرت علیؑ سے کسی کا افضل ہونا محال تھا محال ہے اور قیامت تک محال ہی رہے گا۔ حضرت رسولؐ خدا کے بعد حضرت علیؑ سے افضل نہ خلیفہ اول ہوئے نہ خلیفہ دوم نہ سوم نہ قیامت تک کوئی ہو سکتا ہے، اس دعویٰ پر کوئی صاحب گھبرائیں نہیں، ٹھنڈے دل سے غور کریں، ہر پہلو پر نظر رکھیں انصاف کو راہ دیں ہم اس وقت اپنے دعوے کی دلیل میں نہ قرآن مجید کی کوئی آیت پیش کریں گے نہ کسی آیت کی تفسیر کا کوئی مضمون نہ کوئی حدیث، نہ کسی امام یا عالم کا قول، ان چیزوں کی بحث کے لئے دوسری جلدوں کا انتظار کرنا چاہیے یہاں صرف واقعات اور تاریخی بیانات کی روشنی میں اس کا فیصلہ کرنا ہے کہ اگر حضرت علیؑ سے افضل خلیفہ اول یا دوم یا کوئی اور شخص ہوتا تو خدا پر واجب ہوتا کہ حضرت رسولؐ خدا کو آپ کے ۲۵ سال کی عمر میں ہی رسول بناوے۔ خدا کا فرض ہوتا کہ پورے عالم کو گمراہی میں نہ چھوڑ رکھے۔ اگر حضرت خلیفہ اول جناب امیرؑ سے افضل ہوتے تو جناب امیرؑ کی پیدائش سے بہت پہلے حضرت محمد مصطفیٰ پیغمبری کے شرف سے ممتاز ہو جاتے۔ کیونکہ اگر خلیفہ اول جناب امیرؑ سے افضل ہوتے تو اسلام کے لئے بھی وہی زیادہ مفید

ہوتے دین خدا کے حامی بھی زیادہ تر وہی ثابت ہوتے۔ شریعت مصطفویہ کے بڑے مددگار بھی وہی سمجھے جاتے، مسلمانوں کے زیادہ ہمدرد، زیادہ بہی خواہ، زیادہ خیر خواہ بھی انہیں کو تسلیم کیا جاتا۔ پھر جب رسولؐ خدا ۲۵ رسال کی عمر میں اپنی دماغی، قلبی، نفسی اور روحانی طاقتوں سے یقیناً اس قابل ہو گئے تھے کہ پیغمبری کا بوجھ آپ پر رکھ دیا جائے، نبوت کی خدمات اچھی طرح انجام دے سکیں۔ ہدایت کے فرائض پورے کر سکیں، مخالفین کے حملوں کو برداشت کر سکیں، دشمنوں کی اذیتوں کو جھیل سکیں، کفار کے مظالم پر صبر کر سکیں، اور حضرت خدیجہ ایسی بی بی مل گئی تھیں جن کی بے حساب دولت سے آپ بہ اطمینان اپنی زندگی بسر کر سکتے۔ مسلمانوں کی اعانت کرتے، اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کے مصارف پورے کرتے پھر بقول سواد اعظم حضرت ابوبکر ایسے غمخوار دوست بھی موجود تھے جو عمر میں بھی ۲۳ رسال کے کامل جوان تھے۔ مالدار بھی تھے، ذی اثر بھی تھے، قریش میں جتھے والے مانے جاتے تھے تو خدا نے حضرت امیر المومنینؑ کی پیدائش سے پہلے ہی حضرت محمد مصطفیٰ کو پیغمبر کیوں نہیں بنا دیا۔ خدا ہی کو پیغمبر بنانا تھا اور وہ حضرت محمد مصطفیٰ ہی کو رسول بنانے والا تھا اور اسی عرب اسی مکہ میں یہ سب انتظام کرنے والا تھا تو اس نے اتنی دیر کیوں کی؟ اس تاخیر میں کیا مصلحت دیکھی؟ کس کام میں مشغول تھا (معاذ اللہ) جس کی وجہ سے اس طرف توجہ کرنے کا اس کو موقع ہی نہیں ملا؟ کس امر کا انتظار تھا کہ اتنا اہم کام اس کے لئے رکا رہا؟

برادران اہل سنت سے ضروری درخواست

ہمارے معزز بھائیو! ذرا دل لگا کر ہماری اس بات کو آپ حضرات سن لیں، اس پر اچھی طرح غور فرمائیں اور پھر خود ہی فیصلہ کریں کہ آپ کو کیا کرنا چاہئے۔ آپ کے علماء نے اس میں بڑی بڑی بحثیں لکھیں ہیں کہ حضرت رسولؐ خدا کے بعد سب سے افضل کون تھا، محدثین نے بڑی کوشش کی ہے کہ اس کا دوٹک فیصلہ کر دیں، متکلمین نے سینکڑوں اوراق سیاہ کر کے اپنی قابلیت، لیاقت، علم دقت نظر اور وسعت معلومات کے نمونے پیش کئے ہیں مگر آج تک وہ اس کو طے نہیں کر سکے، کہ خلیفہ اول کو حضرت علیؑ سے افضل کہیں یا حضرت علیؑ کو ان سے افضل مانیں آپ کے ایک بڑے انصاف پسند عالم جناب مولوی عینی نظامی شافعی شاہ صاحب حنفی ساکن حیدرآباد دکن نے لکھا ہے،، کسی اچھی صفت کا کسی میں بہ درجہ کمال پایا جانا فضیلت کا باعث ہے اور جب ایسی پاک صفات کا کوئی مجمع علیہ ہو تو وہ اپنے اقران میں ایک افضل فرد مانا جاتا ہے۔ یہ تو رہا ہر قوم وملت کے ارباب حل وعقد کا مسلمہ کلیہ، مگر خلفائے راشدین کے معاملے میں ہمارے فقہاء ساری دنیا سے الگ ہو کر صرف ترتیب خلافت کو تفضیل کا معیار قرار دیتے ہیں اور معقولیت سے ذرا دور جا پڑتے ہیں بھلا کسی کا کسی منصب یا عہدے پر پہلے مامور ہو جانا کوئی معیار فضیلت کا ہو سکتا ہے؟ کیا سب سے پہلے نبی حضرت آدمؑ کو ہم آنحضرتؐ سے افضل مان سکتے ہیں؟ ممکن ہے کہ فضیلت بر

ترتیب خلافت کا خیال قرون وسطیٰ میں نیا حل ہونے کی وجہ سے خوش گوار ہا ہو مگر آج کل جب کہ معقول و منقول کی عالمگیری اشاعت ہو رہی ہے وہ ایک فرسودہ اور بوداقتھی قیاس نظر آ رہا ہے۔

ائمہ کلام میں تفضیل بر ترتیب خلافت کو معیار قطعیت پر پہنچانے والے ایک ابوالحسن اشعری ہیں باقی اور بزرگوار ابو منصور ماتریدی، باقلانی، امام الحرمین، تفتازانی، فارابی، ابن رشد، غزالی اور علامہ عضد ترتیب خلافت کو تو قطعی مانتے ہیں مگر فضیلت بر این ترتیب کو صرف قیاسی اور اجتہادی تصور کرتے ہیں جو معقول سی بات بھی ہے علامہ آمدی کہتے ہیں کہ ہمارے سلف مسئلہ تفضیل کو حل نہ کر سکے بعض تو تفضیل بر ترتیب خلافت کے معترف ہے، بعض حضرت عثمان پر حضرت علی کو ترجیح دیتے تھے اور بعض حضرت علیؑ کو افضل امت مانتے آئے۔ (استیعاب جلد دوم صفحہ ۴۷۸ اور تدریب الراوی صفحہ ۲۰۷)۔

اسی وجہ سے حافظ ابن حجر فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۵۶ سطر ۷۹۔۴۳ میں بروایت ہارون بن اسحاق یحیی بن معین سے راوی ہیں کہ ترتیب خلافت کو مانتے ہوئے کسی نے حضرت علی کی سابقیت و قرابت کا اعتراف کیا وہ حقیقی اہل سنت سے ہے۔ اور ابن عبدالبر استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۹ میں لکھتے ہیں کہ ہمارے سلف نے ''افضل امت کون ہیں'' اس کی کوئی یکسوئی نہ کی چنانچہ سنہ الحدثین معمر بن راشد وغیرہم کا یہ فتویٰ کہ خلفائے ثلاثہ کی تعظیم و تکریم کے ساتھ ساتھ حضرت علیؑ کو افضل امت ماننا کوئی قادح نہیں، شیخ محدث دہلوی تکمیل الایمان صفحہ ۷۸ میں علامہ خطابی سے ناقل ہیں کہ ہمارے سلف اس مسئلہ میں ہمیشہ مذبذب رہے چنانچہ وہ ''ابوبکر خیر من علی، وعلی افضل من ابی بکر'' کہا کرتے تھے امیر محمد بن اسمٰعیل یمانی روضہ ندیہ صفحہ ۱۵۹ پر لکھتے ہیں کہ مسئلہ تفضیل کا کوئی قطعی تصفیہ نہ ہو سکا، بعض محدثین اہل سنت اور معتزلہ بصرہ فضل بر ترتیب کے زعیم رہے، اور بعض سنی محدثین اور معتزلہ بغداد حضرت علیؑ کو افضل امت مانتے تھے۔ علامہ ابن حزم ملل ونحل جلد ۴ صفحہ ۱۱۲ میں لکھتے ہیں کہ امت نے اب تک اس کی یکسوئی نہ کی کہ افضل امت کون ہے بعض معتزلی و مرجیہ و سنی اور سارے کے سارے شیعہ جناب امیرؑ کو افضل امت مانتے آئے جو بعض اجل صاحبہ و تابعین کا بھی مذہب رہا ہے اور بعض سنی، معتزلی، ناصبی اور کل خارجی حضرت ابوبکر کو ہی افضل امت تسلیم کرتے آئے ہیں۔

علامہ ابن عبدالبر استیعاب، جلد دوم صفحہ ۴۸۰ میں ابواسحاق سبیعی سے بروایت محمد بن بشار ناقل ہیں کہ سبیعی نے حضرت علیؑ کو افضل ماننے والے بیس صحابیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ علامہ محی الدین نووی شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ میں حدیث منزلت کی شرح لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔ وھذا الحدیث لا حجۃ فیہ لاحد منھم بل فیہ اثبات فضیلۃ لعلی ولا تعرض فیہ لکونہ افضل من غیرہ او مثلہ ولیس فیہ دلالۃ لاستخلافہ بعد النبی ﷺ یعنی

اس حدیث سے شیعہ کے دعاوی میں سے کسی ایک کو بھی دلیل نہیں ملتی۔ البتہ اس سے فضیلت علیؑ ثابت ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ جناب امیرؑ اپنے غیر سے اور اپنے ہمسر سے افضل ہیں لیکن آپ کے خلیفہ بلا فصل ہونے کی اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں۔ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ہمارے سلف بصرہ حضرت ابوبکر کو اور سلف وخلف بغداد حضرت علیؑ کو افضل امت مانتے ہیں بلکہ بصرہ کے بڑے عالم محمد بن عبدالوہاب جبائی حدیث طیر کی صحت پر، اور قاضی القضاۃ ابوالحسن عبدالجبار بن احمد البصری، حدیث منزلت کی نص پر حضرت علیؑ کا ہی افضل امت ہونا تسلیم کرتے ہیں اور ابومحمد حسن بن متویہ بھی کفایہ میں روایات فضیلت جناب امیرؑ کی کثرت وصحت کی بناء پر آپ ہی کا افضل امت ہونا ثابت کرتے ہیں لہذا ہم خلف بھی بہ اتباع ائمہ ھدیٰ حضرت امیرؑ کا افضل امت ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ اور بات بھی یہی ہے، کہ جناب امیرؑ کی ان گنت اور بڑھی چڑھی فضیلتوں کے آگے کوئی بھی ہو تو اور کیا کر سکتا ہے؟ چنانچہ امیرالمومنینؑ حدیث احمد بن حنبل اور نسائی، حاکم، ابوعلی نیشاپوری، قاضی اسمٰعیل بن اسحاق بن جریر طبری، ابن عقدہ وابن عبدالبر جیسے ائمہ حدیث بالاتفاق معترف ہیں کہ فضائل امیرؑ میں جس کثرت سے صحیح الاسناد حدیثیں آئیں ہیں ایسی کسی اور صحابی کی شان میں نہیں آئی ہیں (مستدرک حاکم جلد ۳/صفحہ ۱۰۷/استیعاب جلد ۲/صفحہ ۴۷۹/اور صواعق محرقہ صفحہ ۷۲/) حضرت ابن عباس وابن مسعود وابوذر کا متفقہ بیان ہے کہ علیؑ کی شان میں جس کثرت سے آیتیں نازل ہوئیں کسی اور کی شان میں نہ آئی ہیں (کنز العمال جلد ۶/صفحہ ۱۵۳/وصفحہ ۳۹۱/وابونعیم درحلیہ صفحہ ۶۶/ور یاض صفحہ ۲۰۷/وصواعق محرقہ صفحہ ۷۲/، صفحہ ۷۶/) نیز حضرات ابی بن کعب وحذیفہ بن عباس آنحضرتؐ سے ناقل ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی یاایھا الذین آمنوا کا خطاب وارد ہے علیؑ اس گروہ کے سردار اور رئیس ہیں اور حضرت بن عباس کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ کی شان میں تین سو آیتیں نازل ہوئیں (صواعق محرقہ صفحہ ۷۲)۔

بعضوں کا یہ تخیل کہ خوارج وبنی امیہ کے برے سلوک کا آنحضرتؐ کو پیش از پیش علم ہونے سے آنحضرتؐ نے بطور حفظ ماتقدم فضائل علیؑ بہ کثرت بیان فرمائے (صواعق محرقہ صفحہ ۷۴ وازالۃ الخفاء صفحہ ۲۵۱) کوئی دل لگی تاویل نہیں کیونکہ آنحضرتؐ نے باوجود اس علم کے کہ خلفاء ثلاثہ کو بھی مورد طعن بنایا جائیگا۔ ان بزرگواروں کے اتنے فضائل بیان نہ فرمائے۔ علاوہ بریں آنحضرتؐ کی ذات قدسی صفات کی طرف ایسی بے تکی باتوں کی نسبت دینا بھی سوء ادبی اور گستاخی ہے۔ آنحضرتؐ نے جتنا جس کے متعلق فرمایا وہ عنداللہ بھی اتنے ہی مستحق تھے۔

یہ قیاس کہ شیعوں نے سنیوں کی کتابوں میں جناب امیرؑ کے فضائل داخل کر دیئے ہیں۔

بعضوں کا یہ قیاس کہ شیعوں نے ہماری کتابوں میں حضرت علیؑ کے صدہا وضعی فضائل الحاق کر دیئے ہیں نہایت ہی بھونڈا مغلطہ ہے کیونکہ اسی سالہ دور بنی امیہ میں فضائل علیؑ تو درکنار نام علیؑ بھی زبان سے نکالنا مستوجب قتل تھا اور شیعیان علی اپنی جان و آبرو کی خیر مناتے دبکے پڑے رہتے تھے اس دور میں جبکہ حقیقی فضائل علیؑ بھی زبان پر نہیں لاسکتے تھے تو وضعی فضائل کا الحاق اور اشاعت چہ جائیکہ بھی اس سے قطع نظر فضائل علیؑ بکثرت روایت کرنے والے حضرات اساطین علمائے اہل سنت امام احمد بن حنبل، ابن ابی شیبہ، اعمش، نسائی، عبد الرزاق، ابو علی نیشاپوری، بیہقی، اسمٰعیل، ابن عقدہ، ابن مردویہ، حاکم، ابو حاتم رازی، طبرانی، ابن جریر طبری، ابن عبد البر، ابو نعیم، دیلمی، ابن مغازلی، ابن اثیر جزری، خوارزمی، سیوطی و ابن حجر مکی وغیرہم مستند ائمہ حدیث ہیں سنیوں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر موضوعات کا ادخال ان کی کتابوں میں کارے دارد تھا تدوین کتب سے پہلے انہوں نے ہر روایت کی دیکھ بھال کر لی اور اپنے اطمینان کے بعد ہی ان حدیثوں کو اپنی کتابوں میں داخل کیا اور ہم تک پہنچایا اس پر آج ہمارا یہ کہنا کہ ان کتابوں میں شیعوں کی ساختہ و پرداختہ روایتیں بھری پڑی ہیں ایک غلط دعویٰ ہے۔

جناب امیرؑ کے فضائل باقی ہی کیسے رہ گئے؟

بلکہ معاملہ تو اس کے برعکس ہوا ہے خلفائے راشدین کی ختم خلافت کے ساتھ ساتھ ہی بنی امیہ کا اسی سالہ دور شروع ہو گیا[1] اور اس دور کی چند خصوصیتوں میں استیصال فضائل علیؑ اور سب و شتم علیؑ بہت نمایاں تھا، بنی امیہ کی اس مسلسل سعی استیصال مناقب علیؑ کے باوجود آج ہم اہلسنت کی کتب حدیثیہ میں ہزاروں احادیث فضائل علیؑ کا موجود پانا ہی فضائل امیرؑ کی حقانیت کی دلیل ہے (کتاب الاحداث للعلامۃ ابو الحسن علی بن المدائنی)۔

جناب امیرؑ کی توہین

جناب امیرؑ کی توہین و تنقیص کا مرض مسلمانوں میں ۴۱ھ سے جو شروع ہوا وہ کل کر ۲۵۶ھ میں کہیں نابود ہوا چنانچہ علامہ ابن رحبہ اندلسی متوفی ۴۶۳ھ اپنی کتاب اسماء الحجی میں اس وبا کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام محمد بن اسمٰعیل بخاری جیسا امام فن حدیث بھی اس اثر سے نہ بچ سکا چنانچہ ہمارا وردہ مسلم الاالہ اور وردہ بکمالہ وقطعہ البخاری

---

[1] معلوم نہیں مولوی صاحب موصوف نے بنی امیہ کے عہد حکومت کو پورا اسی سالہ دور حکومت کس حساب سے لکھا، نوے سالہ دور حکومت لکھنا چاہیے کیونکہ ۴۱ھ سے بنی امیہ کا دور شروع ہوا اور ۱۳۲ھ میں ختم ہوا، اسی سالہ دور کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ ۱۲

واسقطه فيه على عادته كماترى وهو مماعيب عليه في تصنيفه ماجرى ولاسيّما ذكر علي بن ابى طالب۔ [1]

جناب امیر علیہ السلام کا وجود سب سے بڑا اعجاز ھے۔

ان حالات کے باوجود جناب امیرؑ کے ان گنت فضائل ومناقب کا وجود سب سے بڑا اعجاز ہے، خدا کی شان ہے کہ جہاں حکومتیں آپؑ کے مناقب وفضائل کے استیصال میں اپنا خون پانی ایک کردیں خدا نے ان کے مناقب وفضائل اتنے پھیلادئے کہ آج سب سے بڑھ کر آپ ہی کے فضائل ہماری حدیث کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں، ایک طرف تو آپ کے خداداد محاسن ومکارم بے شمار نظر آتے ہیں اور دوسری طرف آپ کی فضیلتیں صدہا دکھائی دیتی ہیں، سب سے بڑا لطف یہ ہے کہ سب کی سب ثابت بھی ہیں مسلّم بھی، مرفوع بھی، اور مرسل بھی، بڑھی چڑھی بھی اور انوکھی بھی۔ (رسالہ مسئلہ تفضیل صفحہ ۶)

اس قدر گویا بطور تمہید لکھنے کے بعد مولوی صاحب موصوف نے حضرت امیر المومنینؑ کی چند مخصوص فضیلتوں کو مختصر طور پر اہلسنت کی بیشمار کتابوں کے حوالوں سے لکھا ہے۔ اس طرح کہ: (۱) حضرتؑ کے حسب ونسب کے بے مثل وبے نظیر ہونیکے متعلق ۱۹/ سطریں (۲) آنحضرتؐ سے اخوت وبھائی کا رشتہ ہونے کے بارے میں ۵/ سطریں (۳) عینیت رسولؐ (گویا بعینہ رسولؐ ہونے سے) کے بارے میں ۱۳/ سطریں (۴) حضرت کے نفس رسولؐ ہونے کے بارے میں ۱۶/ سطریں (۵) حضرت کے نظیر (مثل اور شبیہ) محمدؐ ہونے کے بارے ۱۰/ سطریں (۶) مماثلت انبیاءؑ (یعنی کل پیغمبروں کی تصویر یا فوٹو ہونے کے بارے میں ۱۷/ سطریں (۷) حضرت رسولؐ کی دامادی کے بارے میں ۶/ سطریں (۸) حضرت رسولؐ اور جناب امیرؑ کے ایک جان اور ایک قالب ہونے کے بارے میں ۸/ سطریں (۹) حضرت رسولؐ کی ہم مکانی کے بارے میں ۷/ سطریں (۱۰) معیت جبریلؑ (یعنی جبریلؑ کے ساتھ رہنے) کے بارے میں ۷/ سطریں (۱۱) جناب امیرؑ کے احب خلق اللہ (خدا اور رسولؐ کے سب سے پیارے اور محبوب) ہونے کے بارے میں ۲۵/ سطریں (۱۲) محبوب خدا اور رسول ہونے کے بارے میں ۴/ سطریں (۱۳) حضرت رسولؐ پر جان نثاری کے بارے میں ۱۹/ سطریں (۱۴) حضرتؑ ہی کے سب سے پہلے اسلام ظاہر اور اس کا اعلان کرنے کے بارے میں ۲۴/ سطریں (۱۵) حضرت رسولؐ کے سب سے پہلے نماز پڑھنے کے بارے میں ۱۷/ سطریں (۱۶) حضرتؑ ہی کے صدیق اکبر ہونے کے بارے میں ۲۱/ سطریں (۱۷) حضرت کے امام المتقین ہونے کے بارے میں ۱۰/ سطریں (۱۸) حضرت کی منزلت ہارونی کے بارے میں ۸/ سطریں (۱۹) حضرت کی

---

[1] اہم نے اسی طرح شروع کیا جس طرح امام مسلم نے اس کو وارد کیا ہے کہ اس حدیث کو انہوں نے پوری پوری درج کیا مگر امام بخاری نے اس حدیث کو ٹکڑے کردیا اور اپنی عادت کے موافق اس سے بہت باتیں ساقط کردی ہیں جیسا کہ تم لوگ دیکھتے ہو یہ بھی امام بخاری کی انہیں باتوں سے ہے جس کا ان میں اور انکی تصنیف میں عیب لگایا گیا ہے خاص کر حضرت علیؑ کے ذکر میں وہ یہ کاروائی بہت کرتے ہیں۔ ۱۲

امامت کے بارے میں ۳۲ سطریں (۲۰) حضرت کے مولائے امت ہونے کے بارے میں ۱۲ سطریں (۲۱) حضرت نبی کے وصی و وزیر و خلیفہ رسولؐ ہونے کے بارے میں ۱۷ سطریں (۲۲) حضرت کے راسخ الایمان ہونے کے بارے میں ۱۱ سطریں (۲۳) حضرت کے ثانی قرآن اور واحد ثقلین ہونے کے بارے میں ۳۶ سطریں (۲۴) حضرت نبی کے تمام صحابہ سے اعلم ہونے کے بارے میں ۴۸ سطریں (۲۵) حضرت نبی کے فاتح اعظم ہونے کے بارے میں ۳۶ سطریں (۲۶) اس حدیث کے ذکر میں کہ حضرت علی کو دیکھنا بھی عبادت ہے ۵ سطریں (۲۷) اس امر کے بیان میں کہ حضرت علی کا ذکر عبادت ہے ۳ سطریں (۲۸) اس امر کے بیان میں کہ حضرت علی سے محبت کرنی بھی عبادت ہے ۴ سطریں (۲۹) اس امر کے بیان میں کہ حضرت علی ہی خیر البشر (سب آدمیوں سے بہتر) ہیں ۱۵ سطریں (۳۰) حضرت کے اکتسابی (اپنے ارادے سے حاصل کئے ہوئے) فضائل کے بیان میں ۳۹ سطریں (۳۱) حضرت کی صفت وسعت کے بیان میں ۳ سطریں (۳۲) حضرت کے صبر و توکل کے ذکر میں ۲ سطریں (۳۳) حضرت کے اخلاص کے بیان میں ۲ سطریں (۳۴) حضرت کے عدل (انصاف) کے بیان میں ۲ سطریں (۳۵) حضرت کے حلم و بردباری کے بیان میں ایک سطر (۳۶) حضرت کے عفو و کرم کے بیان میں ایک سطر (۳۷) حضرت کے تقوے کے بیان میں ۴ سطریں (۳۸) حضرت کے زہد و ورع کے بیان میں ۱ سطر اور نہایت معتبر، مسلم اور مشہور حدیثیں جمع کرنے کے بعد لکھا ہے[۱]

حضرت علیؑ کے بے حساب فضائل

کوئی کہاں تک ان کی فضیلتیں گنوائے؟ انہیں باتوں نے تو حضرت علیؑ کو دوسرا نبیؐ بنا دیا تھا، انہیں بیشمار اور ان گنت فضائل کے زیر نظر اور آپ کو افضل ماننے والے صحابہ کے اجماع میں (۱) حضرت فاطمہؑ و (۲) امام حسنؑ و (۳) امام حسینؑ اور (۴) امہات المومنین حضرت عائشہ و (۵) حضرت ام سلمہ و (۶) حضرات عباس و (۷) عبداللہ بن عباس و (۸) قثم ابن عباس و (۹) عتبہ بن ابی لہب و (۱۰) ابوسفیان بن زبیر بن عبدالمطلب و (۱۱) محمد بن جعفر و (۱۲) عبداللہ بن جعفر و (۱۳) عبداللہ بن عمرو و (۱۴) عبداللہ بن مسعود و (۱۵) سلمان فارسی و (۱۶) ابوذر غفاری و (۱۷) ابوالدرداء و (۱۸) مقداد و (۱۹) جندب و (۲۰) جناب بن الارت و (۲۱) عمار بن یاسر و (۲۲) جابر بن عبداللہ و (۲۳) ابوسعید خدری و (۲۴) زید بن ارقم و (۲۵) حذیفہ و (۲۶) خزیمہ ابن ثابت و (۲۷) سعد بن عبادہ و (۲۸) قیس بن سعد و (۲۹) ابوایوب انصاری و (۳۰) ابولیلیٰ و

---

[۱] ضرورت تھی کہ موصوف کا یہ پورا رسالہ جو بہت مختصر مگر نہایت مفید ہے یہاں معہ ترجمہ عربی متن کے حرف بحرف نقل کر دیا جائے مگر پہلے ہی یہ رسالہ دفتر اصلاح کھجوا میں ذی القعدہ ۱۳۵۷ھ کے ساتھ چھپ کر شائع ہو چکا اور اب تک مسئلہ تفضیل کے نام سے مشتاق مومنین کی خدمت میں جاتا رہتا ہے اس وجہ سے ان حضرات کے لئے اسکا مکرر اس اعجاز الولی میں نقل کرنا بیکار ہے ۱۲۔

(۳۱) معقل بن یسار و (۳۲) بریدۃ الاسلمی و (۳۳) یعلیٰ ابن مرہ و (۳۴) عفیف الکندی و (۳۵) حجر بن عدی و (۳۶) عدی بن حاتم و (۳۷) حسّان بن ثابت انصاری و (۳۸) ابورافع و (۳۹) واثلہ ابن الاسقع و (۴۰) براء بن عازب و (۴۱) ثابت بن القیس الانصاری (۴۲) جریر بن عبداللہ و (۴۳) سفینہ و (۴۴) ثوبان و (۴۵) عبداللہ ابن ابی اوفی و (۴۶) سلیمان بن صرد و (۴۷) سمرہ بن جندب و (۴۸) سہل بن حنیف و (۴۹) عمرو ابی سلمہ و (۵۰) عثمان بن حنیف و (۵۱) ہند بن ہالہ و (۵۲) محمد بن ابی بکر الصدیق و (۵۳) بن حجر وائل۔ (۵۴) اسماء بنت عمیس رضوان اللہ علیہم اجمعین بہت مشہور ہیں اور جن کی فہرست استعاب جلد ۲ رصفحہ ۲۷۰، فخر الحسن صفحہ ۲۴۲، وزرقانی جلد اول صفحہ ۲۹،۲۰ وغیرہم میں موجود ہے۔ اگر کسی نے حضرت ابوبکر الصدیق وعمر فاروق وعثمان غنی سے محبت رکھتے ہوئے اور ترتیب خلافت کو مانتے ہوئے اوران کی عظمت و بزرگی کا اعتراف کرتے ہوئے جناب امیر علیہ السلام کو افضل امت تسلیم کیا تو کیا برا کیا؟ خصوصاً جبکہ مسئلہ فضلھم علی ترتیب الخلافۃ نہ قرآن منصوص اور نہ حدیث سے مربوط اور نہ قرون ثلٰثہ میں ضروریات دین میں محسوب تھا اور جو بقول علامہ ابن خثیمہ محدث ۲۵۰ ر کے بعد سے وجود میں آیا ہو۔ وعلی ھذا عامۃ اھل الحدیث من زمن احمد بن حنبل الاّ الخواص من اجلّۃ الائمۃ والفقھاء، اور جو زمانہ احمد بن حنبل کے علماء کا خانہ ساز ہو تو پھر اس پر اتنا شدومداو اصرار اوراس کے نہ ماننے والوں پر کفر تک کی بوچھار کیوں؟

حضرت ابوبکر کو حضرت علیؑ سے افضل کہنے کا خیال رسولؐ کے ڈھائی سوبرس کے بعد پیدا ہوا ہے

ذرا ان علماء دین اور مفتیان شرع متین سے کوئی پوچھے کی آنحضرت کے ڈھائی صدی بعد کس خدائی وحی نے فضلھم علی ترتیب الخلافۃ کو ضروریات دین میں داخل کردیا اور کن قطعی ومتواتر حدیثوں نے اس کو اسلامی عقیدہ قرار دیا۔

حضرت علیؑ کو افضل ماننے والے چوّن (۵۴) صحابی رسولؐ،

کیا ان چوّن (۵۴) صحابیوں کو جو حضرت علیؑ کو افضل مانتے تھے اس نص قرآنی اور فرمان نبوی کی خبر نہ تھی جس کی بناء پر فقہاء نے فضلھم علی ترتیب الخلافۃ کی ایجاد کی؟ اگر اس خانہ ساز فیصلہ کے بموجب فقہاء کے عندیہ میں اس تفضیل بہ ترتیب خلافت کا منکر خارج از اہلسنت ہے تو پھر ان چوّن (۵۴) صحابیوں کو کس ملت میں شمار کرنا ہوگا جو حضرت علیؑ کو افضل مانتے ہیں؟ یہ مسئلہ نہ تو قرآن سے منصوص اور نہ حدیث سے مربوط اور نہ اجماع صحابہ سے متخرج ہے کیونکہ ۵۴ ر صحابی تو اس اجماع سے خارج ہیں۔ بلکہ ۲۵۰ھ کے علماء وفقہاء کا خانہ ساز ہے۔ نہ قرآن سے اس کی پابندی ہم پر عائد نہ حدیث متواتر

سے اس کا لزوم ہم پر ضروری ہے نہ کوئی اجماع صحابہ اس پر ہوا کیونکہ بہت سے صحابہ کے حضرت علی کو مطلقاً افضل ماننے کے بعد اجماع کا محال تک نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہ ایک خوش عقیدگی ہو سکتی ہے اور اس میں ہر شخص آزاد ہے۔۔۔۔۔۔ تا وقتیکہ واجب التعظیم تو ہیں مگر جب تک منصوص نہ نصوص کتاب و سنت نہ ہوں واجب التعمیل نہیں ہو سکتے ایسی بہت سی خوش عقیدگیاں اور ناگوار پابندیاں ان حضرات کی بدولت سہو سے سارے اسلام میں اس طرح داخل ہو گئیں کہ کانوں کان خبر نہ ہوئی جو ایک طرف وقار اسلام کو ٹھیس لگا رہی ہیں تو دوسری افتراق اور شقاق کی خلیج پیدا کر چکی ہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کا ایک فتوی:

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی جیسے مخالف شیعہ کے فتاوے عزیزیہ مطبوعہ مجتبائی دہلی صفحہ ۱۹۲ پر تفضیلیہ کی نسبت یہ تحریر ہے:

جواب سوال چہارم آں کہ تفضیلیہ دو قسم اند۔ اول کسانیکہ حضرت مرتضی علی را بر شیخین تفضیل می دہند و در محبت شیخین و تعظیم ایشاں و مناقب و مدائح ایشاں و اتباع ایشاں روش و طریقہ و تمسک بہ اقوال و افعال ایشاں سرگرم و راسخ قدم اند مثل عامہ اہل سنت کہ با وجود عقیدت تفضیل شیخین بر جناب مرتضی علی پیروی کہ در کتب مذکور است نسبت بہ جناب مرتضوی کمال رسوخ و محبت و اتباع طریقہ و تمسک بہ قول و فعل آں جناب سرگرم اند۔ ایں قسم تفضیلیہ داخل اہل سنت اند لیکن در یک مسئلہ اختلاف کردہ اند۔ مخالف ایشاں با جمہور اہل سنت مثل خلاف امام اشعری و ابو منصور ماتریدی است امامت ایں قسم تفضیلیہ بے تکلف جائز است و بعضی از سلف علماء اہل سنت و محدثین و صوفیائے کرام بر ایں روش بودہ اند مثل محدث صدر عبدالرزاق و حاکم و غیرہما و حضرت سلمان و ابو ذر و حسان بن ثابت و بعضے صحابہ دیگر ہم بر ایں روش بودند۔

ترجمہ۔ چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ تفضیلیہ لوگ دو قسم کے ہیں۔ پہلی قسم والے وہ لوگ ہیں جو حضرت ابوبکر و عمر سے حضرت علی کو افضل کہتے ہیں مگر حضرت ابوبکر و عمر کی محبت و تعظیم و مناقب و مدائح اور ان کی پیروی اور ان کے اقوال و افعال سے تمسک کرنے میں سرگرم اور مستقل مزاج ہیں مثل عامہ اہل سنت تمسک کے باوجود اس بات کو حضرت علی سے حضرت ابوبکر و عمر کے افضل ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اسی طرح جس طرح کتابوں میں مذکور ہے حضرت علی مرتضی کے ساتھ بھی کمال درجہ رسوخ اور محبت اور حضرت کے طریقے کی پیروی اور حضرت کے قول و فعل سے تمسک کرنے میں سرگرم رہتے ہیں۔ اس قسم کے تفضیلی اہلسنت فرقہ اہلسنت ہی میں

داخل ہیں مگر اس مسئلہ میں ان لوگوں نے اختلاف کیا ہے اور جمہور اہلسنت سے ان لوگوں کا خلاف امام اشعری وابومنصور ماتریدی کے خلاف ایسا ہے اس قسم کے تفضیلی اہلسنت کے پیچھے نماز یقیناً جائز ہے اور اہلسنت کے علماء ومحدثین وصوفیائے کرام کے بزرگوں سے کچھ لوگ اسی اعتقاد اور عمل کے رہے ہیں جیسے محدث عبدالرزاق وحاکم وغیرہ اور حضرت سلمان وابوذر وحسان بن ثابت اور بعض دوسرے صحابہ حضرت رسولؐ اللہ بھی اسی طریقہ اور مسلک پر رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر ہوں یا علی مرتضیٰؑ ان میں سے کسی ایک کو افضل ماننے والا تفضیلیہ ہے۔فتویٰ سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ کو افضل ماننا نہ نئی بات ہے نہ جدت ہے بعض صحابہ تابعین اور علماء ومحدثین اور صوفیا وعارفین بھی حضرت علیؑ کی افضلیت کے قائل رہے ہیں۔خلفاء ثلاثہ کی محبت اور انکی تعظیم وتکریم کے ساتھا ساتھ حضرت علیؑ کو افضل ماننے والے بھی اہلسنت ہی ہیں اور ان کی بھی امامت مثل دیگر سنیوں کے جائز اور درست ہے وغیرہ پس ایسے تفضیلیہ کو خارج از اہلسنت باور کرنا حضرت علیؑ کو افضل ماننے والے صحابہ وتابعین پر بھی انتہائی جسارت کرنا ہے پھر شاہ صاحب رحمۃ اللہ تفضیلیہ کی دوسری قسم یوں بیان کرتے ہیں:۔

قسم دوم تفضیلیہ کسانے باشند کہ گویند مارا محبت مرتضیٰؑ علی واولاد واتباع ایشاں وطریقہ اینہا تمسک بہ اقوال و افعال اینہا کافی ست وشیخین ودیگر صحابہ رابدنہ گوئیم لیکن با آنہارا مرد کارے ہم نہ داریم نہ محبت نہ عداوت،نہ اتباع ونہ ترک اتباع،نہ تمسک بہ اقوال وافعال اینہانہ اعراض،ایں قسم تفضیلیہ بلاشبہ اہل بدعت اند وحکم امامت شاں حکم امامت اہل بدعت باشد،وہیچ کس از معتبران اہل سنت ایں قسم تفضیلیہ نہ بودہ است واللہ اعلم۔

اور دوسری قسم کے تفضیلی اہلسنت وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے حضرت علیؑ اور انکی اولاد کی محبت اور انکی اور انکے طریقے کی پیروی اور ان کے اقوال وافعال سے تمسک کرتے رہنا کافی ہے۔اور حضرت ابوبکر و عمر اور دوسرے صحابہ کو ہم برا نہیں کہتے مگر ہم ان لوگوں سے کوئی سروکار بھی نہیں رکھتے نہ ان سے محبت کرتے ہیں اور نہ عداوت اور نہ ان کی پیروی کرتے ہیں اور نہ ان کی پیروی کو چھوڑتے ہیں۔نہ ان کے اقوال اور افعال سے تمسک کرتے ہیں اور نہ ان سے منہ موڑتے ہیں۔اس قسم کے تفضیلی بے شک اہل بدعت سے ہیں اور ان کی پیش نمازی کا حکم بھی وہی ہے جو اہل بدعت کی پیش نمازی کا ہے اور اہلسنت میں جو لوگ معتبر گزرے ہیں ان میں سے کوئی ایک شخص بھی اس قسم کا تفضیلی نہیں تھا اور خدا ہی سب سے زیادہ علم والا ہے ۱۲۔

ہمارے مولوی صاحبان ذرا غور فرمائیں کہ شاہ عبدالعزیز جیسے مخالف شیعہ عالم نے خلفاء ثلٰثہ سے کوئی کام نہ رکھنے

والے تفضیلیوں کو بھی نہ کافر بتایا نہ مرتد نہ اہل سنت ہونے سے خارج کیا اور نہ اہل اسلام ہونے سے نکالا، نہ انہیں مستوجب قتل قرار دیا، نہ واجب التعزیر بتایا بس زیادہ سے زیادہ انہیں بدعتی کہا ہے جو آج کل بھی اہل حدیث کی زبان پر بہت بڑھا چڑھا ہوا لفظ ہے جب بدعتی ہونے سے بہ قول اہل حدیث ہم اہل سنت بھی نہ بچ سکے تو تفضیلی کس حساب میں ہیں ان کا بدعتی ہونا کون تعجب ہے؟

بعض ہمارے ہم عصر علماء نے جنہیں تفضیل علیؑ سے بخار چڑھ جاتا ہے، یہ خدائی فیصلہ صادر فرمایا کہ فرقہ تفضیلیہ اسلام کا کوئی فرقہ ہی نہیں ہے اور تفضیل کسی مسلمان کا نہ عقیدہ تھا اور نہ ہے مگر انہیں شاید یاد نہ رہا کہ وہ بھی اسی تفضیل کے چکر میں ہیں حضرت علیؑ کی نہ سہی حضرت ابوبکر کی تفضیل کے قائل تو ہیں۔ تفضیل خواہ حضرت ابوبکر کی ہو خواہ حضرت علیؑ کی، آخر تفضیل ہی کہلائے گی اور وہ تفضیلیہ ہی کہلائے گا بلکہ اگر غور سے دیکھا گیا تو خود اسلام بھی تفضیلی مذہب نظر آتا ہے جس پر قرآنی شہادت "فضل اللہ بعضکم علی بعض"[1] ناطق ہے۔ نیز خدائے اسلام بھی تفضیل کے قائل نظر آ رہے ہیں "تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض"[2] اور "یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم و انی فضلتکم علی العالمین"[3] کی آیتیں اس کی شاہد ہیں اور ہمارے محمد رسول اللہ بھی تفضیلیہ خیال کے معلوم ہوتے ہیں جس پر صدہا حدیثیں پیش کی جا سکتی ہیں لہٰذا ہم مسلمان بھی تفضیلیہ ہیں، بعض تو تفضیلیہ حضرت ابوبکر اور بعض تفضیلیہ حضرت امیرؑ سے انکار محال اور گریز ناممکن، چونکہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت حضرت علیؑ کی تفضیل کی قائل تھی ہم بھی ان صحابہ کے اتباع میں بہ مصداق "اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم"[4] کے حضرت علیؑ کو افضل مانتے ہیں بعض حضرات کا اس عقیدے کو بدعت و ضلالت کہنا جو قرون ثلاثہ میں رائج و مروج اور جو صحابہ و تابعین کا معتقد علیہ تھا بدعت و ضلالت ہے و اللہ الموفق و ہو یہدی السبیل۔ (رسالہ مسئلہ تفضیل صفحہ ۳۲)

ہمارے برادران اہلسنت

اپنے ان محترم پیشوا کی مذکورہ بالا عبارت، اچھی طرح پڑھیں یہ صرف اردو زبان کی ایک کتاب کے الفاظ ہیں۔ اسی طرح سینکڑوں کتابیں اردو، فارسی اور عربی میں چھپی ہوئی اور قلمی موجود ہیں جن میں اس کی بڑی لمبی لمبی بحثیں ہیں کہ حضرت رسولؐ

---

[1] خدا نے تم میں سے بعض کو دوسروں پر فضیلت عطا کی ہے (پارہ ۵ رکوع ۲)

[2] یہ پیغمبر جو ہم نے بھیجے ہیں ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر برتری دی ہے۔

[3] اے بنی اسرائیل ہماری ان نعمتوں کو یاد کرتے رہو جو ہم نے تم پر نازل کی ہیں اور ہم ہی نے تم لوگوں کو جہانوں پر فضیلتیں بھی دی ہے۔

[4] میرے اصحاب ستاروں جیسے ہیں تو ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

خدا کے بعد سب سے افضل کون تھا، حضرت ابوبکر یا حضرت علیؑ؟ مگر ہم ان کل علماء کی طویل بحثوں کو چھوڑ کر آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ حضرت رسولؐ خدا کی حدیثوں کو بھی رہنے دیجئے۔ اپنے بڑے بڑے صحابہ کرام کے طرز عمل کا بھی خیال نہ کیجئے۔ اپنے جلیل القدر علماء کرام کی تحقیقات سے بھی آنکھیں بند کر لیجئے، ان سب کی بالکل ضرورت نہیں، خدا ہی سے پوچھیئے کہ کون افضل تھا۔؟

بس خدا کے فعل سے فیصلہ کیجئے کہ حضرت ابوبکر افضل تھے یا حضرت نفس رسول علی علیہ السلام

خدا خود تو بول سکتا نہیں، اور اس نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ سے جو کچھ کہا، بتایا سمجھایا ان سب میں جھگڑے پیدا کر دئے گئے تو اب اس کی بات کو نہ تلاش کیجئے بلکہ صرف یہ دیکھئے کہ خدا نے کیا کیا؟ اس نے اپنے عمل سے آپ کے لئے کوئی روشنی پیدا کر دی ہے یا نہیں؟ اس نے اپنے انتظام سے آپکے اور ہمارے لئے ہدایت کا کوئی راستہ بتا دیا ہے یا نہیں؟ سب سے پہلے اسی تدبیر پر غور کیجئے کہ خدا نے آنحضرتؐ کو ۴۰ رسال کی عمر تک نبوت کے فرض اور ہدایت کے فرض سے کیوں محروم رکھا؟ اگر حضرت رسولؐ خدا اکیلے تمام فرائض نبوت کو ادا کر سکتے تھے تو خدا نے آنحضرتؐ کو ۱۵ رسال کی عمر ہی میں کیوں نہیں رسول مقرر کر دیا؟ اگر حضرت خدیجہؓ کی مدد، حمایت، خدمت اور جان نثاری سے اس دین کا نام لے سکتے تھے تو خدا نے آنحضرتؐ کو ۲۵ رسال کی عمر ہی میں کیوں نہیں رسالت کا عہدہ سپرد کر دیا؟ اگر حضرت ابوبکر کی مدد سے اسلام کو ذرہ برابر بھی قوت ملنے والی تھی تو جب حضرتؐ ۳۰ راور ابوبکر ۲۸ رسال کے ہو چکے تھے کیوں نہیں اسی وقت حضرت اس شرف سے ممتاز کر دئے گئے؟ اگر کسی تعلیم یافتہ بی، اے یا ایم، اے کا لڑکا آٹھ دس سال کا ہو جائے یا کسی عالم دین کا طفل یا عزیز اس عمر کو پہنچ جائے اور اس کی تعلیم کا انتظام نہ کیا جائے، لڑکے شرارت کرتے رہیں، مار پیٹ، کود پھاند میں زندگی ضائع کرتے رہیں۔ یا صرف کھیل تماشہ ہی میں زندگی بسر کریں تو سب دیکھنے والے ان کے والدین پر تعجب کر کے ان پر اعتراض کرنا شروع کر دیں گے کہ آپ اپنے لڑکے کو پڑھنے کے لئے کیوں نہیں بٹھاتے، ان کو مدرسے یا اسکول میں کیوں نہیں بھیجتے؟ ان کے لیے کوئی معلم کیوں نہیں رکھتے؟ ان کی عمر ۸ رو ۱۰ رسال کی ہوگئی پڑھنے کا زمانہ نکلا جاتا ہے آپ انکا خیال کیوں نہیں کرتے؟ لڑکوں کو جاہل رکھنا ان پر شدید ظلم کرنا اور انکی زندگی کو ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد کر دینا ہے، بلکہ اگر لڑکوں کی تعلیم کا خیال والدین نہیں کرتے یا نہیں کر سکتے ہیں تو ان کے دادا، نانا، ماموں، چچا بلکہ خاندان کے دوسرے خوش حال اعزّاء کفیل ہو جاتے اور انکی تعلیم کا انتظام کر کے خود ان کے مصارف برداشت کرتے ہیں اور اگر والدین صاحب حیثیت ہو کر ان کی تعلیم کی طرف سے غفلت کرتے ہیں تو ہر کوئی ذمہ

داران کو برا کہتا، ان کی مذمت کرتا، ان کو ذلیل سمجھتا، ان کو قابل نفرت جانتا اور ان کی ملامت کرتا ہے، یہ سب کیوں؟ اسی وجہ سے تو کہ انسان کو انسانی صفات سے آراستہ کرنا عقل کا ضروری حکم ہے۔ جہالت اتنی بری شے ہے کہ کوئی شخص کسی کے لیے اس کو پسند نہیں کرتا، وہ سمجھتا ہے کہ کسی آدمی کے بچے کو جاہل رکھنا یا رہنے دینا اس کے ساتھ بدترین برتاؤ ہے، بڑے لکھے پڑھے زمینداروں یا تاجروں کے لڑکے بھی یونہی نہیں چھوڑ دیے جاتے بلکہ ان کی تعلیم کا بھی خاص انتظام کیا جاتا ہے اگر ان کو آگے چل کر صرف اپنی زمینداری ہی کا کام سنبھالنا ہے جب بھی بڑے بڑے تعلقہ دار، راجا تو اب زمیندار کوشش کرتے ہیں کہ ان کے لڑکے ایم، اے یا بی، اے ہو جائیں، اگر زیادہ نہیں پڑھ سکیں جب بھی کچھ تعلیم ضرور حاصل کر لیں۔ بالکل جاہل شہر ہیں کیا گر لکھے پڑھے شخص بھی جاہل رہتا ہے تو خود اپنے اوپر نفرین کرتا ہے، اپنے والدین کو گالیاں دیتا ہے کہ کیوں اس کو جاہل رہنے دیا؟ کیوں اس کو مجبور کر کے زیور علم سے آراستہ نہیں کرا دیا؟ زندہ قومیں اپنی جماعت کے نادار لڑکوں کی تعلیم کے لیے وظیفے جاری کرتیں، انجمنیں بناتیں۔ گورنمنٹ سے کوشش کرتیں، پبلک کی ہمدردی حاصل کرتیں ان لڑکوں کو شوق اور رغبت دلاتیں، ان کی دل جوئی کرتیں ہمت بڑھاتیں، جہالت کی خرابیاں سمجھاتیں، علم کی خوبیاں بتاتیں، تعلیم کے فوائد و منافع دکھاتیں، تعلیم یافتہ لوگوں کی مثالیں پیش کرتیں، ان کی ترقی کی وجہ واضح کرتیں، غیر تعلیم یافتہ افراد کی ذلت، عسرت، پریشان حالی، نکبت، افلاس، ادبار کے نمونے سامنے کرتیں اور ہر ممکن صورت سے ان کو علم کا مشتاق کرنے اور جہالت، بے ہنری سے متنفر بنانے کی کوشش کیے جاتی ہیں، اور جب تک ان لڑکوں کی عمر تعلیم کے قابل باقی رہتی ہے اپنی جدوجہد کا سلسلہ جاری اور سمجھانے بجھانے کا دروازہ کھلا رکھتی ہیں، غرض اگر جہالت کو کسی طرح پسند نہیں کرتی ہیں۔

جب دنیا کے معمولی پڑھے لکھے لوگوں کا اپنی اولاد کو صرف ۸، ۱۰ سال کی عمر تک جہالت میں رکھنا بہت بری نگاہوں سے دیکھا جاتا بلکہ لڑکوں پر صریح ظلم سمجھا جاتا ہے تو خدا کو اپنے بندوں کی محبت بہت زیادہ بلکہ حقیقی والدین سے ہزاروں درجہ بڑھی ہوئی مانی جاتی ہے، اس رحیم مطلق نے کیوں آنحضرتؐ کے پیدا ہونے کے بعد بھی اہل عرب کو صریح جہالت اور شدید ضلالت میں چھوڑے رکھنا پسند کیا؟ اس وقت عرب کی جہالت اور ضلالت جس حد کو پہنچی ہوئی تھی اسکو خود خدا نے قرآن مجید میں بار بار فرمایا ہے پھر اس نے انکو اسی حالت میں حضرت رسولؐ کی ۴۰ سال کی عمر تک کیوں باقی رکھا؟ جاہل شاگردوں کا پورا مجمع ہے، بہترین استاد بھی پیدا ہو گیا، شاگردوں کی جہالت روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے پھر بھی خدا اس جاہل قوم کے استاد، ان بد راہوں کے معلم، اپنے رسولؐ کو انہیں درس دینے کا حکم نہیں دیتا، طالب علم جماعت کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور استاد بھی موجود ہے مگر تعلیم گاہ بند ہے، کالج کا پھاٹک نہیں کھلتا، اسکول کا افتتاح نہیں ہوتا، پڑھنے والوں کو علم حاصل کرنے کی اجازت نہیں ملتی،

اسکی کیا وجہ تھی؟اس میں کیا مصلحت تھی اس کا کیا سبب تھا؟ خدا کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، اس کا کوئی عمل مصلحت کے بغیر نہیں ہوسکتا، پھر اس نے حضرت رسولؐ کو آپ کی ۱۵ رسال ہی کی عمر میں نبی کیوں نہیں بنادیا، ۲۵ رسال کی عمر ہی میں ہدایت خلق کا عہدہ آپ کے سپرد کیوں نہیں فرمادیا؟ حالانکہ خود فرمایا ہے کہ عرب کے لوگ اس وقت صریح گمراہی میں مبتلاء تھے، جس کا ذکر اس نے قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں اس طرح فرمایا ہے:۔

(۱) لَقدمن اللہ علی المؤمنین اذبعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیا تہ و یز کیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ان کانوا من قبل لفي ضلالٍ مبینٍ۔ (پارہ ۴ رع ۵ ر)

یقیناً اللہ نے مومنین پر بڑا فضل کیا کہ ان میں ان ہی کا ایک رسول بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا اور ان کو کفر وشرک کی گندگی سے پاک کرتا اور کتاب الٰہی اور دانائی کی باتوں کی ان کو تعلیم دیتا ہے ورنہ ان پیغمبر کے آنے سے پہلے تو یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا رہتے تھے۔

(۲) الٓر کتاب انزلناہُ الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور باذن ربھم الی صراط العزیز الحمید۔ پارہ ۱۳ رع ۱۳ ر

اے پیغمبر اس کتاب قرآن کو ہم نے تم پر اس غرض سے اتارا ہے کہ لوگوں کو تم خدا کے حکم سے کفر کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لاؤ یعنی اس ذات پاک کے رستے پر جو سب پر غالب اور تعریف کے لائق ہے۔

(۳) ان أنتم الا في ضلالٍ مبین۔ پارہ ۲۳ رع ۲ ر)

ترجمہ: اے اہل عرب تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔

(۴) فویل للقاسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ اولٰئک في ضلالٍ مبین۔ پارہ ۲۳ رع ۱۱ ر)

ترجمہ: افسوس ان لوگوں پر جن کے دل یاد خدا سے غافل ہو کر سخت ہو گئے ہیں یہی لوگ تو صریح گمراہی میں ہیں۔

(۵) ھو الذی بعث في الأمیین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویز کیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ و ان کانوا من قبل لفي ضلالٍ مبین۔ پارہ ۲۸ رع ۱۱ ر)

وہ خدا ایسا ہے جس نے عرب کے جاہلوں میں ان ہی میں سے محمدؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا کہ وہ ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتے اور ان کو کفر شرک کی گندگی سے پاک کرتے اور ان کو کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتے ہیں ورنہ اس سے پہلے تو یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔

(۶) ان أنتم الّا في ضلالٍ کبیرٍ۔ پارہ ۲۹ رع ۱۱ ر)

اے اہل عرب تم لوگ بہت بڑی گمراہی میں ہو۔

قرآن مجید اس زمانے کے عرب کی ضلالت، جہالت اور سرکشی کے حالات سے بھرا ہوا ہے جس طرح کوئی بیمار تھائی سس (حب دق وسل) میں مبتلا ہو کر روز بروز گھٹتا اور قبر سے قریب تر ہو جاتا ہے، اسی طرح عرب گمراہی میں پڑے ہوئے روز بروز بدترین روحانی امراض میں ترقی کرتے جاتے تھے پھر اہل انصاف غور کرے ایسی حالت میں خدا کا فرض کیا تھا؟ یہ کہ وہ چپ چاپ بیٹھا یہ تماشہ دیکھتا رہے اور ڈاکٹر کو بھیج دینے کے بعد بھی اس کو علاج کرنے کی اجازت نہ دے؟ یا کہ فوراً اس کی خبر لے اور جس قدر جلد ممکن ہو اس کی دوا کر کے اس کے امراض دور کرنے کا سامان کر دے؟

عرب کی گمراہی کا ادنیٰ نمونہ

اگر دیکھنا ہو تو قرآن مجید کی صرف اسی آیت کو دیکھ لیا جائے ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾

اور جس وقت لڑکی سے جو زندہ قبر میں گاڑ دی جاتی تھی پوچھا جائیگا کہ تو کس قصور کے بدلے ماری جاتی تھی۔

اس کی تفسیر میں لکھا ہے "عرب کے لوگ دختر کشی کیا کرتے تھے دنیا کے مقدمات کے قیاس پر مقدمہ دختر کشی کا آغاز معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مقتول لڑکی جو مدعیہ ہے اس کا اظہار کیا جائیگا، بس اس جگہ اتنا ہی بیان ہے" ترجمہ مولوی نذیر احمد صفحہ ۹۳۵" اور جب اس لڑکی سے جو جیتی گاڑی گئی پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی وہ کہے کہ میرا کچھ قصور نہ تھا پھر اس کے ماں باپ کو سزا دی جائے جنہوں نے جیتے جی اس کو گاڑ دیا عرب میں اور ہند کے شریفوں میں یہ بری رسم تھی کہ لڑکی کو جیتے جی گاڑ دیتے تھے تاکہ اس کی شادی نہ کرنا پڑے کسی کو داماد بنانے میں وہ شرم کرتے تھے۔ اسلام نے یہ بری رسم موقوف کی، حدیث میں ہے کہ قیس بن عاصم آنحضرتؐ کے پاس آیا کہنے لگا میں نے جاہلیت کے زمانے میں آٹھ لڑکیوں کو زندہ درگور کیا ہے، آپ نے فرمایا ہر ایک کے بدلے ایک ایک بردہ آزاد کر اس نے کہا یا رسول اللہ! میں اونٹ رکھتا ہوں آپ نے فرمایا اچھا ہر ایک لڑکی کی طرف سے ایک ایک اونٹ قربانی کر۔ (تفسیر وحیدی ۷۴۳) ذرا حساب کیجئے کہ حضرت رسول خدا کی پیدائش کے وقت سے حضرت کے پیغمبر ہونے کے وقت تک یعنی چالیس سال میں کتنی لڑکیاں زندہ دفن کردی گئی ہوں گی، اگر حضرتؐ کی پیدائش کے وقت کا حساب بے ضرورت سمجھا جائے جب بھی حضرتؐ کے ۲۵ برس کی عمر سے پیغمبر مقرر ہونے کے وقت تک یعنی ۱۵ سال میں کتنی لڑکیاں زندہ دفن کی گئی ہوں گی؟ عرب کا مجموعی رقبہ بارہ لاکھ مربع میل سے کم نہیں ہے، اتنی بڑی زمین پر اگر کروڑ نہیں تو اس وقت لاکھوں عرب باشندے ہونگے، اگر ان میں سے ہر سال ایک لاکھ لڑکیاں بھی زندہ دفن کی جاتی ہوں گی تو حضرتؐ کے

۲۵ رسال کی عمر سے ۴۰ سال کی عمر تک کم از کم ۱۵ رلاکھ لڑکیاں زندہ دفن کردی گئیں اور کسی نے ان کے والدین کو نہیں سمجھایا کہ کیا کر رہے ہو؟ کیوں ان کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کرتے ہو؟ ان بیچاریوں کا قصور کیا ہے؟ انکی کون خطا ہے؟ حضرت رسول بھی ۲۵ رسال کے ہو کے موجود تھے مگر خدا نے حضرت کو بھی نہیں حکم دیا کہ اتنے بڑے ظلم سے لوگوں کو روکیں یا سمجھائیں، اس طرح عرب میں دوسری اخلاقی خرابیوں کی بھی حد نہیں تھی عقائد کے لحاظ سے یا تو خداؤں کی وہ کثرت جس کو نصرانیت نے بہت گھٹایا تاہم تین کی تعداد سے کم نہ کرسکی، اس کے ساتھ یہ اعتقاد کہ حضرت عیسیٰؑ خود سولی پر چڑھ کر تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ بن گئے، یا توحید تھی لیکن خدا اس قسم کا تھا جو آدمیوں سے کشتی لڑتا تھا، توراۃ، تکوین، آیت ۲۲ رتا ۲۹ رمیں حضرت یعقوبؑ کے خدا سے کشتی لڑنے کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے، بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی، باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ شادی جائز تھی، ازواج کی کوئی حد نہ تھی، قمار بازی، شراب خواری، زنا کاری کا رواج عام تھا، بے حیائی کی حالت یہ تھی کہ سب سے بڑا نامور شاعر امراء القیس جو شہزادہ بھی تھا قصیدہ میں اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا قصہ مزہ لے لے کر بیان کرتا ہے اور یہ قصیدہ کعبہ میں آویزاں کیا جاتا ہے، لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ جلا دینا مستورات کے پیٹ چاک کر ڈالنا، معصوم بچوں کو تہ تیغ کرنا عموماً جائز تھا لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، (سیرۃ النبی صفحہ ۹۱ و ۹۳،)

اس زمانے میں اگر ایک آدمی کا خون ہو جاتا ہے تو حکومت کے افسروں میں ہلچل پڑ جاتی ہے اور خونی کے گرفتار کرنے اس کے سزا دینے، آئندہ ایسا واقعہ روکنے کی تمام کوششیں ختم کردی جاتی ہیں۔ پھر اس زمانے میں خدا کیوں ان باتوں کو دیکھتا رہا؟ کیوں نہیں اس نے حضرت رسول خدا کو حکم دیا کہ حضرتؐ ہدایت کا جو کام ۴۰ رسال کی عمر سے کرنے والے تھے اس کو ۲۵ رسال یا ۲۰ سال کم از کم ۱۵ رسال پہلے ہی شروع کر دیتے اور سب کو خبر کر دیتے کہ یہ سب باتیں خدا کو نہایت ناپسند ہیں مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے، یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ تمام دنیا میں یہی تاریکی چھائی ہوئی تھی، اس کی تفصیل کتاب کے دوسرے حصے میں آئے گی، کیا اس عالم ظلمت، اس عالم گیر تیرگی، اس وسیع اور ہمہ گیر تاریکی میں ایک آفتاب عالم تاب کی حاجت نہ تھی؟ (سیرۃ النبی صفحہ ۹۳)

اس سوال کا جواب دنیا بھر کی عقل یہی دے گی کہ بیشک آفتاب عالمتاب کی حاجت تھی یقیناً اس کی احتیاج تھی، حتماً اس کی ضرورت تھی، مگر ساتھ ہی دنیا کو یہ بھی بتانا پڑیگا کہ یہ حاجت کیا اسی وقت پیدا ہوئی جب حضرت رسولؐ خدا چالیس سال کے ہو گئے؟ کیا یہ ضرورت اسی وقت حادث ہوئی جب حضرتؐ کی جوانی کا زمانہ ختم ہو گیا اور زندگی کی چالیسویں گرہ پڑ گئی؟ اگر بہت قبل سے یہ عام ظلمت عالمگیر تیرگی، وسیع اور ہمہ گیر تاریکی پھیلی ہوئی تھی تو خدا نے اس آفتاب عالم تاب کو پیدا کر کے ۲۵ رسال یا ۲۰ رسال

یا ۱۵ ارسال تک نور انسانی سے کیوں روک دیا تھا؟ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے کہ چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سروسامان سے سجائی ہے کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں لیکن آج (جس تاریخ حضرت رسولؐ کی پیدائش ہوئی) کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیے، سیارگان فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے چرخ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لیے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا کارکنان قضا و قدر کی بزم آرائیاں عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاس پاک توحید ابراہیمؑ، جمال یوسفؑ، معجز طرازی موسیٰؑ، جاں نوازی مسیحؑ سب اسی لیے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں ارز شاہنشاہ کونین کے دربار میں کام آئیں گے آج کی صبح وہی صبح جاں نواز وہی ساعت ہمایوں، وہی دور فرخ فال ہے ارباب سیر اپنے محدود پیرایہ بیان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوان کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتش کدہ فارس بجھ گیا دریائے ساوہ خشک ہو گیا لیکن سچ یہ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں بلکہ شان عجم شوکت روم، اوج چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے، آتش فارس نہیں بلکہ جحیم شر، آتش کدہ کفر، آذرکدہ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے، صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی بت کدے خاک میں مل گئے شیرازہ مجوسیت بکھر گیا نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے توحید کا غلغلہ اٹھا چمنستان سعادت میں بہار آگئی، آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاق انسانی کا آئینہ پرتو قدس سے چمک اٹھا یعنی یتیم عبداللہ، جگر گوشہ آمنہ، شاہ حرم، حکمران عرب، فرماں روائے عالم، شہنشاہ کونین، عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرمائے عزت و اجلال ہوا اللھم صل علیہ و علی آلہ و اصحابہ وسلم۔

تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت داں عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔ (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۴۴)

مولوی صاحب نے جو کچھ لکھا حرف بحرف صحیح ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا ۵۷۱ء میں حضرت رسولؐ خدا کے پیدا ہوتے ہی توحید کا غلغلہ اٹھ گیا؟ کیا اسی روز چمنستان سعادت میں بہار آگئی؟ کیا اسی دن آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں؟ یا پھیلنا شروع ہو گئیں؟ کیا اسی وقت یا ۱۵ ارسال یا ۳۰ سال یا ۴۰ سال کے بعد اخلاق انسانی کا آئینہ پرتو قدس سے چمک اٹھا یا چمک اٹھنا شروع ہو گیا؟؟ ہرگز نہیں اور یقیناً نہیں بلکہ حضرتؐ کی ولادت سے ۴۰ سال کے بعد (غالباً ۶۱۰ عیسوی میں) یہ فیض جاری ہوئے تو اتنی لمبی مدت تک وہی ضلالت کیوں باقی رکھی گئی اتنے عرصے تک وہی ظلمت کیوں رہنے دی گئی اتنے زمانے تک وہی تاریکی کیوں گوارا کی گئی؟؟ اس کے سبب کا جاننا بھی بہت ضروری ہے اس کی علت کا پتہ لگانا بھی نہایت اہم

ہے اور اس کے راز کا سمجھنا بھی کمال درجہ ہدایت آفریں ہوگا۔ خدا موجود۔ اور وہ علیم و سمیع و بصیر بھی ہے جو عرب کی پوری حالت دیکھ رہا تھا، ان کی جہالت کا دور کرنے والا بھی پیدا ہو چکا جو ان کو زیور علم سے آراستہ کریگا، ان کو صراط مستقیم بتانے والا بھی آگیا جو انہیں سچے مذہب پر لگا دیگا پھر دیر کیا تھی اور کیوں وہ ۴۰ سال کی عمر تک زبان بند کئے پڑا رہا؟ یہ بہت بڑا سوال ہے ،خدا ہی کو اس کا جوب دینا چاہئے۔

خدا کا جوب غالباً یہی ہوگا۔

غالباً خدائے علیم وخبیر اس کا جواب یہی دے گا کہ اس بھید کو ہم سے نہ پوچھو ہمارے عمل سے سمجھو، اس معمے کو ہمارے فعل سے حل کرو، اس سوال کا جوب ہمارے کام سے خود لے لو سنو! ہم نے اپنے قرآن مجید میں بار بار اعلان کر دیا ہے کہ ہم کسی شخص کو اسی کام کا حکم دیتے ہیں جو اس سے ہو سکتا ہے۔

خدا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

(۱) لاتکلف نفساً الّا وسعھا۔

ہم کسی شخص پر اس کی سمائی سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتے۔

(۲) لایکلف اللہ نفساً الّا وسعھا۔

خدا کسی کو طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں دیتا۔

(۳) لایکلف اللہ نفساً الّا ما اٰتاھا۔

ترجمہ: خدا نے جس کو جتنا دے رکھا ہے اس سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

ہم نے پیغمبروں کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ ہم سے برابر یہ دعا مانگا کریں:۔

(۴) ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا (پارہ ۳، ع ۸)

اے پروردگار اتنا بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم کو طاقت نہیں تو ہم سے نہ اٹھوا۔

اور اسلام کی تبلیغ کا کام ایسا ہلکا نہیں تھا کہ اس کو ایک شخص اٹھا لیتا، دین حق کی طرف لوگوں کو بلانے کی خدمت ایسی خفیف نہیں تھی کہ کوئی شخص تنہا انجام دے سکتا، اشاعت ایمان کا فرض اس قدر آسان نہیں تھا کہ کسی فرد واحد کے ذمہ کر دیا جاتا، جب ہم نے اپنے پیغمبر موسیٰ سے صرف ایک شخص فرعون کی طرف جانے کو کہا اور وہ اکیلے نہ جا سکے جس کا تذکرہ ہم نے اپنے کلام پاک میں اس طرح کر دیا ہے:۔

اذهب الی فرعون انه طغی قال رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدة من لسانی یفقهوا قولی واجعل لی وزیرا من اهلی هارون اخی اشدد به ازری واشرکه فی امری کی نسبحک کثیرا ونذکرک کثیرا۔ (پارہ ۱۶ رکوع ۱۱)

اے موسیٰ تم فرعون کے پاس جاؤ، اس نے بہت سر اٹھا رکھا ہے تو موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو میرے لئے آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ بھی کھول دے اور میرے خاندان ہی سے میرے بھائی ہارون کو میرا بوجھ بٹانے والا بنا کر ان سے میری ڈھارس بندھا اور میرے کام میں ان کو شریک کرتا کہ ہم دونوں مل کر تیری تسبیح کریں اور کثرت سے تیری یاد میں لگے رہیں۔

اور دوسری آیت میں بھی اس مضمون کو واضح طور سے بیان کر دیا ہے:۔

ولقد اتینا موسی الکتاب وجعلنا معه اخاه هارون وزیرا فقلنا اذهبا الی القوم الذین کذبوا بآیاتنا فدمرناهم تدمیرا۔ (پارہ ۱۹ رکوع ۲)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب توراۃ عنایت کی اور ان کے بھائی ہارون کو ان کا مددگار بنا کر ان کے ساتھ کر دیا پھر ہم نے حکم دیا کہ دونوں بھائی ان لوگوں کے پاس جاؤ جو ہماری قدرت کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں تو ہم نے ان کافروں کو تباہ و برباد کر دیا۔

ہم اپنے حبیب سید المرسلین محمد مصطفیٰ کو بھیج کر اس پوری قوم کی طرف تنہا بھیج دیتے جس میں بہت سے فرعون زمانہ بھرے ہوئے تھے؟ جس طرح حضرت موسیٰ اپنے بھائی اور وزیر کے بغیر تنہا اس کام کو انجام نہیں دے سکتے تھے اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰ بھی اپنے بھائی اور وزیر کے بغیر تنہا اسلام کا کام نہیں کر سکتے تھے۔ جس طرح حضرت موسیٰ نے کہا تھا کہ میرے بھائی ہارون کو اس تبلیغ میں میرا شریک کر دے بالکل اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰ کو بھی ان کے بھائی کی ضرورت تھی جو اسلام کی اشاعت میں رسولؐ کے شریک بنائے جاتے اور جس طرح ہم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ تم اور تمہارے بھائی دونوں مل کر اس قوم کی طرف جاؤ اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰ کے لیے بھی ان کے بھائی کا انتظار تھا جو پیدا ہوں اور رسول کی مدد کے لائق ہو جائیں تا کہ ہم ان سے کہہ سکیں کہ محمد مصطفیٰ اور ان کے بھائی تم دونوں (یعنی رسول اور نفس رسولؐ) مل کر اس قوم کی ہدایت کے لئے آمادہ ہو جاؤ مکہ معظمہ میں حضرت ابوبکر بھی موجود تھے جن کو رسولؐ کے بعد زیادہ مسلمانوں نے رسول کا خلیفہ اول اور پیشوا مان لیا مگر ان سے اس کام میں ذرہ برابر مدد نہیں مل سکتی تھی اس وجہ سے ہم نے ان کو نظر انداز کر دیا، اگر وہ اس قابل ہوتے تو جب محمد مصطفیٰ ۲۵ برس کے ہو چکے تھے اور حضرت ابوبکر بھی ۲۲ برس کے وہیں موجود تھے ہم اپنے حبیب محمد مصطفیٰ کو پیغمبر بنا دیتے اور کہہ دیتے کہ حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر اس کام کو انجام دو۔ مگر ہم تو ہر شخص کی لیاقت، قابلیت، طاقت، صلاحیت سے اچھی طرح واقف رہتے ہیں، اگر حضرت ابوبکر میں اس وصف کو پاتے تو اپنے رسولؐ کو ۱۵ برس تک معطل کیوں رکھتے؟ اسی طرح اس وقت

مکہ معظمہ میں حضرت عمر بھی موجود تھے جن کو رسول کے بعد زیادہ مسلمانوں نے رسول کا خلیفہ ثانی اور پیشوائے دوویم مان لیا مگر ہم خوب جانتے ہیں ان سے بھی اس کام میں ذرہ برابر مدد نہیں مل سکتی تھی نہ اسلام کا کوئی کام ان سے انجام پا سکتا تھا اور نہ دین حق کو ان سے کسی کام کا نفع حاصل ہو سکتا تھا، اس وجہ سے ہم نے ان کی امید پر بھی اپنے حبیب کو رسول نہیں بنایا اگر وہ اس لائق ہوتے تو جب محمد مصطفیٰ ۳۰ رسال کے ہو چکے تھے اور حضرت عمر بھی قریب ۲۰ رسال کے تھے ہم اپنے پیارے بندے محمد مصطفیٰ کو ضرور پیغمبری کے عہدہ پر سرفراز کر دیتے اور کہہ دیتے کہ اب تو تم لوگ تین ہو گئے تم اور ابوبکر و عمر مل کر اسلام کی طرف لوگوں کو ہدایت کرنے لگو مگر ہم جس طرح حضرت ابوبکر کی عدم صلاحیت سے واقف تھے بالکل اسی طرح حضرت عمر کی عدم قابلیت سے بھی اچھی طرح مطلع تھے تو ہم ان کے بھروسے پر اپنے حبیب کو پیغمبری کا تاج کیونکر پہناتے؟ البتہ جس طرح حضرت موسیٰ کے بھائی ہارون ان کی مدد کے قابل تھے بالکل اسی طرح ہمارے

حضرت علی علیہ السلام کس طرح تبلیغ اسلام میں رسولؐ کے شریک ہوئے،

پیارے بندے علی ابن ابی طالبؑ بھی جو محمد مصطفیٰ کے بھائی تھے ان کا بوجھ اٹھانے کے قابل تھے اس وجہ سے ہم کو انتظار تھا کہ وہ پیدا ہولیں اور اپنے بھائی کی مدد کے قابل ہو جائیں تو ہم محمد مصطفیٰ کو رسالت کا اور علی ابن ابی طالبؑ کو ان کی خلافت و وزارت و وصایت کا تاج پہنا کر حکم دیں کہ اب تم دونوں اسلام کو اسی طرح لے چلو جس طرح ہر گاڑی کو دو پہیے چلاتے ہیں، اسی وجہ سے ہم نے شروع ہی سے علی کو محمد مصطفیٰ کا نفس بنا دیا تھا کہ جس طرح دونوں ایک ہی نور سے پیدا ہوئے اسی طرح اسلام کا کام بھی دو قالب ایک روح کی طرح کریں۔ اور ہمارے رسول اپنے بھائی، اپنے وزیر، اپنے نفس اور شریک فی الاسلام سے زبان حال میں کہہ سکیں،

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

حدیث منزلت،

ہمارے حبیب محمد مصطفیٰ کی مشہور حدیث "یا علي انت مني بمنزلة هارون من موسىٰ (اے علی تمکو مجھ سے وہی تعلق ہے جو ہارون کو حضرت موسیٰ سے تھا) ۳۴ لوگوں نے سرسری طور سے دیکھا اور اس حدیث کو علیؑ کی صرف ایک فضیلت کے طور پر سمجھا حالانکہ اس حدیث کو ہمارے کلام کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے اس حدیث کو ہماری ان آیتوں کی تفسیر سمجھنی چاہیئے جن میں ہم نے موسیٰ اور ہارونؑ کے تعلقات بیان کئے ہیں اور یقین رکھنا چاہیئے کہ جس طرح بغیر ہارون کے پیدا ہوئے موسیٰ پیغمبر نہیں بنائے گئے بالکل اسی طرح بغیر علیؑ پیدا ہوئے احمد مجتبیٰ رسول نہیں بنائے گئے اور جس طرح بغیر ہارونؑ کے ساتھ ہوئے موسیٰ کو

تبلیغ کا حکم نہیں دیا گیا اسی طرح بغیر علیؑ کے ہمراہ ہوئے محمد مصطفیٰ کو بھی عہدہ رسالت نہیں دیا گیا اور جس طرح ہارون کو تبلیغ مذہب میں موسیٰ کا ہم نے شریک کیا بالکل اسی طرح دین اسلام کی اشاعت میں بھی ہم نے علی کو محمد مصطفیٰ کا شریک کیا تو جب تک شریک نہیں ہوتا اور شرکت کے قابل نہ ہو جاتا محمد مصطفیٰ اس کام کو شروع کس طرح کرتے۔

حضرت علی علیہ السلام کا مددگار رسول ہونا

اسی وجہ سے بہت قبل سے عرش پر بھی اس بات کو لکھ دیا تھا کہ محمد مصطفیٰ کی مدد نہ حضرت ابوبکر کر سکتے ہیں نہ حضرت عمر سے ہو سکتی ہے بلکہ علی ہی کریں گے اور وہی کر سکتے ہیں۔

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ و بلال بن الحارث و ابی حمراء قالوا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم لما اسری بی الی السماء رأیت علی ساق العرش مکتوبا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ و أیدتہ و نصرتہ بعلی (اخرجہ الدیلمی، ارجح المطالب صفحہ ۳۵)

ابن عباس اور بلال بن حارث اور ابی الحمراء رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے تھے شب معراج میں میں نے عرش کی ساق پر لکھا ہوا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور ہم نے اس کی تائید اور نصرت علی سے کی۔ (کتاب ارجح المطالب صفحہ ۳۵ و ۲۹۶)

(۲) رأیت لیلۃ أسری بی مثبتا علی ساق العرش انی انا اللہ لا الہ غیری خلقت جنۃ عدن بیدی محمد صفوتی من خلقی ایدتہ بعلی نصرتہ بعلی۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۸)

معراج کی رات میں دیکھا کہ ساق عرش پر لکھا ہوا ہے میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے عدن کے بہشت کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا محمد میری خلق کے برگزیدہ ہیں۔ میں نے ان کی مدد علی سے کی ہے۔

(۳) لما اسری بی الی السماء دخلت الجنۃ فرأیت فی ساق العرش الایمن مکتوب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی و نصرتہ بعلی۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۸)

جب مجھے معراج ہوئی تو میں بہشت میں داخل ہوا وہاں دیکھا کہ عرش کے ساق پر لکھا ہے اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں محمد اس کے رسول ہیں اور ہم نے ان کی مدد علی سے کی ان کی نصرت میں نے علی سے کی ہے۔

(۴) مکتوب فی باب الجنۃ قبل ان یخلق السموات و الارض بالفی سنۃ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۸)

آسمان اور زمین کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے بہشت کے دروازے میں یہ بات لکھ دی گئی تھی کہ اللہ کے سوا کوئی

معبود نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں، میں نے ان کی مدد علی سے کی۔

(۵)مکتوب علی باب الجنة لا اله الا الله محمد رسول الله علي أخو رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل ان يخلق السموات والأرض بألفي عام۔(کنز العمال جلد ۶ رصفحہ ۱۵۹)

آسمان وزمین کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے بہشت کے دروازے پر لکھ دیا گیا تھا کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے رسولؐ اور علی انہیں رسول اللہ کے بھائی ہیں۔

(۶)عن ابن عباس قال كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم فاذا بطائر في فيه جوزة خضراء فالقاها في حجر النبي صلى الله عليه وسلم فأخذها فقبلها ثم كسرها فاها في جوفها دودة خضراء مكتوب فيها بالأصفر لا اله الا الله محمد رسول الله نصرته بعلي واخرجه ابو نعيم وسمعاني (صاحب نزہۃ المجالس)

حضرت ابن عباس بیان کرتے تھے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بیٹھا ہوا تھا کہ ناگہاں اڑتا ہوطائر آیا اوراس کے منہ میں ایک سبز بادام تھا اوراس طائر نے وہ بادام حضرت کی گود میں ڈال دیا حضرت نے اس کو لے کر چوما پھراس کو توڑا، اس کے بیچ میں سے ایک سبز رنگ کا کیڑا نکلا جس پر زرد خط سے لکھا تھا، نہیں ہے کوئی معبود مگر خدائے تعالیٰ اور محمد اس کے رسولؐ ہیں اور میں نے ان کی مدد علی کے ساتھ مخصوص کی ہے۔

(۷)عن ابي هريره في قوله تعالىٰ هو الذى أيدک بنصره وبالمؤمنين قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مكتوب على العرش لا اله الا الله وحده' لا شريک له محمد عبدي ورسولي أيدته بعلي ابن ابى طالب واخرجه ابو نعيم في الحسنة والسمعاني والسيوطي في الدرر المنثور (ارجح المطالب صفحہ ۴۹۶)

ابو ہریرہ سے تفسیر میں قول اللہ تعالیٰ کے کہ اس نے تیری تائید کی اپنی نصرت اور مومنوں کے ذریعہ، منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرش پر لکھا ہوا ہے کہ نہیں ہے معبود سوائے اللہ کے درآں حالیکہ وہ واحد ہے کوئی اس کا شریک نہیں محمد میرا بندہ اور میرا رسول ہے، میں نے علی ابن ابی طالب کے ساتھ اس کی تائید کی ہے۔

مسلمانو! غور کرو ہم نے دنیا کی پیدائش سے پہلے ہی ساق عرش پر اس بات کو کیوں لکھ دیا تھا جب نہ آدم کا نام لکھا نہ نوحؑ کا نہ ابراہیم کا نہ موسیٰ کا نہ عیسیٰؑ اس وقت علیؑ کا نام لکھنے میں کیا مصلحت تھی؟ اس کے سوائے کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی کہ ہمارے سب فرشتے گواہ رہیں کہ ہمارے بہترین دین اسلام کے بہترین انتظام کرنے والے یہی تین ہیں۔ اول ہم، دوسرے ہمارے حبیب محمد مصطفیٰؐ، تیسرے علیؑ جو انہیں محمد مصطفیٰؐ کے بھائی نفس اور دین اسلام کی اشاعت میں ان کے شریک ہیں، خبردار دنیا میں ان تین کے مقابلے میں کسی کو بھی نہ سمجھنا ہمارے سوائے کسی کو معبود نہ ماننا رسول کے بعد کسی کو پیغمبر اور نہ علی کے مقابلے میں

کسی کو بھی رسول کا خلیفہ مانتا مگر ان تین (ہم ہمارے رسول اور ہمارے ولی) کے برابر کسی اور کا بھی درجہ ہوتا تو ہم اس کا نام بھی عرش پر لکھ دیتے ہم اس طرح بے مثل ونظیر کہ ہمارے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہمارے حبیب محمد مصطفیٰ اس طرح بے مثل ونظیر کہ ان کے مقابلے کا کوئی نبی ورسول اور ان کے نفس علیؑ اس طرح بے مثل ونظیر کہ ان کی ایسی حمایت دین نہ کسی صحابی نے کی نہ رسول کے کسی دوست نے، دیکھو اس فلسفہ کو خوب یاد رکھنا کہ ہمارے کیوں خلقت آسمان وزمین سے دو ہزار برس پہلے عرش پر صرف یہی تین نام لکھ دیے تھے، ہمارے پیارے مسلمانو! اس کو ہدایت کا بہترین ذریعہ سمجھنا بس یہی اعتقاد تم کو بہشت میں پہنچا سکتا ہے اس کے بعد خالق خدائے علیم وخبیر مسلمانوں سے یہ بھی فرماتا ہے کہ ہمارے دین اسلام کو ماننے والو اور ہمارے رسول کا کلمہ پڑھنے والو ہمارے مذکورہ بالا بیان پر خوب غور کرو اور بعد کے واقعات سے پتہ لگاؤ کہ ہم نے جو کہا اور جو کیا وہ صحیح ہے یا نہیں۔ رسولؐ کی بعثت کے بعد حضرت ابوبکر رسول کے طرفدار تو ہو گئے مگر انہوں نے کیا مدد کی؟ کیا ان کے صرف یہ کہہ دینے سے کہ اے رسولؐ میں بھی دین اسلام میں داخل ہو گیا رسول کو کوئی نفع ہوا؟ رسول کا کوئی تردد انہوں نے زائل کیا؟ اسلام کے پہلے سال دیکھو اس میں حضرت ابوبکر نے رسول کو کیا فائدہ پہنچایا؟ دوسرے سال کو جانچو اور بتاؤ اس میں حضرت ابوبکر کے اسلام سے رسول کو کیا نفع ہوا؟ تیسرے سال کو غور کرو اور حضرت ابوبکر کا کوئی کارنمایاں دکھلاؤ۔

دعوت ذوالعشیرہ ۳؁ھ بعثت میں حضرت ابوبکر کی علیحدگی سب بڑی زبردست نشانی

سب کو جانے دو رسول کی ابتدائی تبلیغ کے واقعات اور ۳؁ بعثت کے حالات کو لو جن کو سب سنی شیعہ عیسائی مورخین نے ان الفاظ میں لکھا ہے جس کا خلاصہ اس کتاب "اعجاز الولی" کے صفحہ ۱۴۰ پر میں لکھا جا چکا ہے ذرا بتاؤ اس میں حضرت ابوبکر کا کوئی کام دیکھتے ہو؟ اسلام کے اس سنگ بنیاد رکھے جانے پر حضرت ابوبکر نے کیا کیا؟ ایک لفظ بھی بولے؟ ایک حرف بھی ادا کیا؟ ایک سانس بھی لی؟ کم از کم کھڑے ہو جاتے، لوگوں کو صورت دکھا دیتے کہ میں حضرت کی مدد کو حاضر ہوں، مگر کیا انہوں نے کچھ بھی حصہ لیا؟ ہمارے رسولؐ نے پکار کر اور سب حاضرین کو مخاطب کر کے کہا تم میں سے کون ایسا ہے جو پہلے میری بیعت کرے اور وہ میرا امین ومددگار رہے، یہ سب سن کر کل لوگ خاموش ہی رہے کسی نے کچھ جواب نہیں دیا صرف میرے بندے انہیں علیؑ نے جو اس وقت چودھویں برس میں تھے خاموشی توڑی، جناب ممدوح اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت جوانمردی سے بولے یا رسول اللہ وہ شخص میں ہوں اگرچہ عمر میں ان سب سے کم ہوں مگر اس مشکل خدمت کو میں بجا لاؤں گا میرے رسولؐ نے ان کو جواب دیا کہ ٹھہر جاؤ جلدی نہ کرو شاید جو لوگ تم سے بڑے ہیں وہ قبول کریں۔ پھر حضرت نے مضمون سابق کا اعادہ کیا مگر کسی نے

کچھ جواب نہیں دیا۔ بولے تو صرف علیؑ بولے، تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا اور صرف علیؑ نے حمایت کا وعدہ کیا، کیوں مسلمانو! تم نے اس پر غور کیا؟ بتاؤ حضرت ابوبکر کیوں چپ رہ گئے؟ تم لوگ ان کو اسلام کا بڑا ہمدرد، رسول کا بڑا مددگار، مسلمانوں کا بڑا خیر خواہ بتاتے ہو؟ تو انکی ہمدردی کہاں غائب تھی؟ رسولؐ کی مدد کہاں چھپ گئی تھی؟ مسلمانوں کی خیر خواہی کس طرف چلی گئی تھی؟ کیا اس وقت حضرت ابوبکر عرب میں موجود نہیں تھے اگر تھے تو رسول کی مدد کا وعدہ کیوں نہیں کیا؟ کیا وہ مکہ معظمہ میں حاضر نہیں تھے اگر تھے تو اسلام کی حمایت کا بیڑا کیوں نہیں اٹھایا؟ کیا وہ اس مجمع میں نہیں آئے تھے؟ تو رسول نے انکو بلایا کیوں نہیں لیا؟ اگر آئے تھے تو دین خدا کی خدمت کس طرح انجام دی؟ تم لوگ اسلام کے ابتدائی واقعات کو دیکھ کر گزر جاتے ہو حالانکہ انہیں واقعات میں ہم نے تم لوگوں کی ہدایت کے ہزار ہا نکتے بھر دئے ہیں، انہیں حالات میں تم لوگوں کی رہبری کے بے حساب اشارے جمع کر دئے ہیں ایک ایک واقعہ کو لو غور کر و فکر سے کام لو اور اپنی عقل سے دریافت کرو کہ اس واقعہ میں کس مسلمان نے کیا اہم حصہ لیا اور خاص کر حضرت ابوبکر اور علیؑ کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرتے جاؤ کہ حضرت ابوبکر کے موافق کون بات ملتی ہے اور ان کے خلاف کون امر ہے اسی طرح علیؑ کا قصور، عیب، پست ہمتی کھوج کھوج کر نکالتے جاؤ اور سب کو ملا کر طے کرو ہم لوگ رسولؐ کو ان کی ۲۵ رسال کی عمر ہی میں حضرت ابوبکر کی مدد کے بھروسے پر رسول بنا دیتے تو رسولؐ کن آفتوں میں مبتلا رہتے؟ جب رسولؐ ۴۰ رسال کے ہو چکے اور حضرت ابوبکر ۳۸ رسال کے تھے وہ رسول کی مدد سے یوں محروم ہوتے رہے وہ رسول کی حمایت کے امتحان میں اسطرح فیل ہوتے گئے وہ اسلام کی نصرت کے معاملہ میں ایسے سپر انداختہ دکھائی دیا کئے تو پندرہ سال قبل وہ کس مرض کی دوا ہو سکتے تھے؟ خوب غور کرو آیہ "وانذر عشیرتک الاقربین" اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ جب رسول کی بعثت کے چوتھے سال نازل ہوا تو رسول نے اس کی تعمیل کس طرح کی؟ اور حضرت ابوبکر نے اس موقع پر حضرت کا ساتھ کس طرح دیا؟ یہ تو یقینی ہے کہ ہم نے اپنے رسول پر یہ آیہ نازل کی جو قرآن نے انیسویں پارے پندرہ رکوع میں موجود ہے اور رسول نے اس حکم کی تعمیل بھی ضروری جوان کا فرض تھا بس حضرت نے اس کی تعمیل کس طرح کی؟ اس کا فیصلہ تم کو اس نتیجہ تک آسانی سے پہنچادے گا کہ کس کا اسلام مردہ لوگوں ایسا تھا اور کس کا اسلام زندہ بلکہ بہادر، دلیر اور شجاع گر تھا پہلے یہ بتاؤ کہ رسول نے اس آیت کے نازل ہونے کی خبر حضرت ابوبکر کو دی یا نہیں؟ اگر نہیں دی تو کیوں ایسا فرض کرنے سے کیا رسول ہمارے حکم کی تعمیل میں تقصیر کرنے والے نہیں ثابت ہونگے؟ اور اگر رسول نے ان کو خبر دی تو وہ اس مجمع میں آئے یا نہیں؟ اگر نہیں آئے تو کیوں؟ پھر وہ رسول کے نافرمان، رسول کے بدخواہ ہمارے گناہگار ثابت ہونگے کہ نہیں؟ اگر آئے مجمع میں بیٹھے رسول کا پیغام سنا تو وہ رسول کے موافق کچھ بھی بولے؟ یا کافروں کی طرح وہ بھی بالکل خاموش رہے؟ سانس تک نہیں

لی جب رسول کے پیغمبر ہونے کے بعد چار سال تک سو بعثت میں بھی حضرت ابوبکر کا اسلام ایسا بے حس اور اس درجہ بے حرکت نظر آرہا ہے تو ان کی مدد کی امید پر ہمارا اپنے رسول کو عہدہ رسالت دے دینا کیا پاگل کا کام نہیں سمجھا جاتا؟ مشہور مثل ہے کہ اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑتا اور یہ بھی مشہور مثل ہے مودل یک شود بشکند کوہ را۔ رسول اکیلے اسلام کو چلا نہیں سکتے تھے، دوسرے شخص کی ضرورت تھی اور یقیناً تھی بس خدا کی نظر میں وہ دوسرا کون نکلا؟ اسی آیت وانذر عشیرتک کی تفسیر کی حالت میں تم بار بار تاریخ کی ہر کتاب میں (خواہ وہ عربی کی ہو یا فارسی کی یا اردو کی) پڑھتے ہو کہ آنحضرت نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا یا معشر القریش لوگ جمع ہوئے جس سے یہ تم ضرور سمجھ گئے کہ اس مجمع قریش میں حضرت ابوبکر بھی تھے، انہوں نے بھی رسول کی آواز سنی۔ رسول کے مخاطب وہ بھی قرار پائے اور سب کے ساتھ وہ آموجود ہوئے۔ مگر کیا کچھ بھی نہیں۔ چند روز کے بعد ہمارے رسول نے ہمارے ولی علیؑ سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو یہ درحقیقت تبلیغ اسلام کا پہلا موقع تھا۔ (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۵۴) تمام حدیث تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں یہی ملے گا کہ ہمارے رسول نے علی ہی سے دعوت کا سامان کرنے کو کہا۔ اب اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ رسولؐ نے اپنے کسی عزیز کی شادی کے لئے دعوت کا نام نہیں لیا تھا اپنے کسی ذاتی کام کیلئے دعوت کا اہتمام نہیں فرمایا تھا۔ اپنے گھر کی کسی تقریب کے لئے اطعام دعوت نہیں چاہتے تھے بلکہ تمام اسلام کی ضرورت سے یہ چہد چہد ہوئی تھی پھر رسول نے حضرت ابوبکر ہی سے کیوں نہیں کہا کہ تم دعوت کا سامان کرو؟ حضرت ابوبکر تو حضرت علیؑ سے عمر میں بہت بڑے تھے، صاحب خاندان والے تھے، مال رکھتے تھے رسولؐ نے دعوت کا سامان کرنے کا بوجھ انہیں پر کیوں نہیں رکھا؟ تم لوگ کہتے ہو کہ قال رسول اللّٰہ ما نفعنی مال قط ما نفعنی مال ابی بکر (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۶)

حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ جس قدر مجھے ابوبکر کے مال نے نفع پہنچایا اس قدر کسی کے مال نے نفع نہیں دیا۔ اگر یہ بات سچ ہے تو یہ بھی بتاؤ ابوبکر کا مال کب، کس تاریخ کو، کس کام میں، کس موقع پر، کس ضرورت میں رسول کے کام آیا؟ ہم نے رسول کو حکم دیا کہ تمام اہل مکہ کو اسلام کا پیغام پہنچاؤ اس موقع پر بڑے خرچ کی ضرورت تھی یہ اسلام کی بہت بڑی مالی مدد کا موقع آن پڑا تھا۔ رسول کو اس وقت بہت بڑی مہم سر کرنا تھی تو انہوں نے دعوت کا سامان حضرت ابوبکر کے حوالے کیوں نہیں کردیا، انہوں نے اس شرف کے لئے حضرت ابوبکر ہی کو کیوں تجویز نہیں کیا؟ اگر واقعا حضرت ابوبکر ایک کوڑی بھی رسول کی ذات میں خرچ کرتے یا کرنے والے ہوتے اگر حقیقتا حضرت ابوبکر کے مال سے اسلام کو پرِ مگس کے برابر بھی مدد ملتی یا ملنے والی ہوتی تو یقیناً ہمارا رسول حضرت ابوبکر ہی کا انتخاب کرتا۔ انہی سے دعوت کا سامان کراتا انہی کے احسان سے اسلام کو ممنون کرتا۔ انہی کے عمل سے دنیا کو سنوا دیتا کہ بے شک حضرت ابوبکر کے مال نے رسول کو بہت فائدہ پہنچایا۔ انہی کے فعل سے تمام

عالم پر واضح کر دیتا کہ حضرت ابوبکر کا مال اس اس طرح مجھ کو اور اسلام کو نفع پہنچا تا رہا ہے۔ مگر یہ سب کچھ نہیں ہوا اگر حضرت ابوبکر کا حصہ اس دعوت میں ثابت ہوگا تو کھانے میں ہوسکتا ہے کھلانے میں نہیں ہوا، مال لینے میں ہوسکتا ہے مال دینے میں نہیں ہوا۔ جس طرح اور کفار قریش کھا کر چلے گئے حضرت ابوبکر بھی کھا پی کر اور شکم پُری کر کے رخصت ہو گئے۔ تمام تاریخ کی کتابیں پکار کر کہہ رہی ہیں اس مجمع میں بار بار رسولؐ سب سے پوچھتے رہے کہ کون شخص میری مدد کریگا۔ مگر ہر مرتبہ حضرت ابو بکر خاموش ہی رہے حضرت علیؑ کھڑے ہو کر کہتے رہے کہ میں آپ کی مدد کروں گا۔ رسول ان کو بٹھا دیتے اور فرماتے تھے ٹھہر جاؤ جلدی مت کرو، شاید جو لوگ تم سے بڑے ہیں وہ قبول کریں۔ اس اشارے پر بھی حضرت ابوبکر نہیں کھڑے ہوئے اور یہ نہیں کہا کہ یا حضرتؐ، علیؑ سے بڑا تو میں بھی ہوں آپ کیا میری طرف اشارہ کر رہے ہیں؟ اچھا تو میں کہتا ہوں کہ آپ کی مدد کرونگا اگر حضرت ابوبکر کے مال نے رسولؐ کی مدد کی تو ذرا تاریخ، دن، جگہ، موقع بھی بتایا جائے کہ کس تاریخ کو مدد کی، کس سال میں مدد کی، کہاں کی اور کس موقع پر کی ہے، ذرا ہم کو بھی تو بتا دو کہ حضرت ابوبکر نے اپنے اس مال کو اسلام کی کن مصیبتوں میں خرچ کیا تھا کس ضرورت کے رفع کرنے میں صرف کیا کیوں کہ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ مسلمانوں کو اس کی خبر نہیں ہوئی ہو اور وہ مواقع اتنے پرانے ہو گئے ہوں کہ لوگوں کے ذہن سے نکل گئے ہوں اور اس کی یاد بھول گئی ہو۔ اب اس واقعہ پر دوسری طرح بھی نظر کرو ہمارے رسول نے سب کو بلایا سب آئے، دعوت کا سامان علیؑ نے کیا رسولؐ نے اس موقع پر یا حضرت ابوبکر کو پوچھا نہیں یا پوچھا، مگر وہ راضی نہیں ہوئے، غرض سامان دعوت کا سہرا بھی علیؑ ہی کے سر رہا، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ علیؑ کی شجاعت نے اسلام کو بڑی ترقی دی ان کو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ علی کی صرف شجاعت نے اسلام کو کھڑا نہیں کیا بلکہ علی کی بڑی سخاوت نے بھی اسلام میں روح پھونکی، علی کی بہت بڑی فیاضی نے اس کو بھی خوب مستحکم کیا اگر علیؑ کا مال علیؑ کی سخاوت، علیؑ کی دریا دلی رسولؐ اور اسلام کی ترقی کا سبب نہیں تھی تو اس بڑی دعوت میں رسولؐ نے علیؑ ہی سے کیوں کہا کہ دعوت کا سامان کریں، رسولؐ نے علیؑ سے کہا اور انہوں نے ذرہ برابر عذر نہیں کیا۔ تاریخ تفسیر حدیث کی کسی کتاب میں یہ مضمون نہیں مل سکتا کہ جس وقت رسول نے علیؑ سے دعوت کا سامان کرنے کے لئے کہا اس وقت علیؑ نے کچھ پوچھا بھی ہو۔ کچھ دریافت بھی کیا ہو، کوئی عذر بھی کیا ہو، مہلت تک نہیں مانگی یہ تک نہیں کہا کہ جب میں دعوت کا سامان کرلونگا تب آپ قریش کو آواز دیجئے گا، یہ تک نہیں پوچھا کہ کتنی دیر میں یہ سب سامان تیار ہو جانا چاہیئے، بس کوئی غلام اپنے آقا کی وہ اطاعت نہیں کرسکتا جو علی نے رسول کی کر دکھائی۔ اور کوئی فرزند اپنے باپ کی وہ فرمانبرداری نہیں دکھا سکتا جس کو دنیا نے علی کی فرمانبرداری رسولؐ میں مشاہدہ کرلیا۔ کہتے ہیں: **جاں گرمی طلبی مضائقہ نیست زر گر طلبی سخن در این است**

علیؑ اس وقت کچھ کماتے نہیں تھے، کوئی تجارت نہیں کرتے تھے، کچھ مال نہیں رکھتے تھے مگر ہم نے اپنے رسولؐ سے یہی فرمائش کی کہ دعوت کا سامان کرنے کے لیے علیؑ سے کہو، کیوں؟ اس لیے کہ ہم جانتے تھے کہ علیؑ اس میں کچھ بھی پس و پیش نہیں کریں گے، ذرہ برابر بھی چون و چرا کرنے کی مجال ہی ان کو نہیں تھی، برعکس اس کے حضرت ابوبکر بن ربیعہ بھی تھے رسولؐ کی دوستی کا دم بھی بھرتے تھے، اسلام کی خیر خواہی کا دعوی بھی کرتے تھے، مالدار بھی تھے، تجارت بھی کرتے تھے، کاروبار کے مالک بھی تھے، مکہ معظمہ میں ان کی بزازی کی دوکان بھی تھی، لوگوں سے کافی تعلقات بھی تھے، لین دین کا سلسلہ بھی تھا اگر چاہتے تو لوگوں کو اچھا سے اچھا کھلا سکتے تھے اگر ہمت کرتے تو قریش کی بہترین دعوت کا سامان وہ کر لیتے، پیچگی بجاتے وہ اس خدمت کو انجام دیتے مگر ہم (خدا) خوب جانتے ہیں کہ وہ کیا تھے کیسے تھے، کیا کرتے کیا نہ کرتے، اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں، بس مختصر یہ کہ کچھ ایسی ہی بات تھی جس کی وجہ سے سامان دعوت کے لئے بھی ہم نے حضرت ابوبکر کا انتخاب نہیں کیا، اور یہ کام بھی نفس رسولؐ علیؑ ابن ابی طالب ہی سے لیا، کیوں؟ اس کو یہ سمجھو ہم نے قرآن مجید میں ایک آیت کے اندر ہی ان سب باتوں کا راز بھر دیا ہے اسی آیت کے اندر اسلام کو زندگی ترقی، استحکام دینے والوں کے صفات کوٹ کوٹ کر بھر دیے ہیں،

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ' (پارہ ۸، رکوع ۲) اللہ ہی کو بخوبی طرح اس جگہ کا حال معلوم ہے جہاں وہ اپنی رسالت کو قرار دیتا ہے۔

بس یجعل میں سب کچھ کہہ دیا، کون رسالت کا کام انجام دے سکتا ہے؟ کون اس کے کام آ سکتا ہے؟ کون اس کی مدد کر سکتا ہے؟ کون اس کے لئے اپنا مال خرچ کر سکتا ہے؟ کون اس کے لئے اپنی جان دے سکتا ہے؟ کون اس کے لئے اپنی اولاد کی قربانی پیش کر سکتا ہے؟ سب کی شرح اسی ایک لفظ سے ہو جا سکتی ہے۔

ہاں اس واقعہ پر تیسری صورت سے بھی غور کرو، رسولؐ نے علیؑ سے سامان کرنے کو کہا اور علیؑ اس پر آمادہ ہو گئے، مگر حضرت ابوبکر جانتے تھے کہ علیؑ نادار ہیں، ان کے لئے یہ بڑا بوجھ ہوگا ان سے اس بوجھ کو خود لے لو، رسولؐ سے کہو کہ علیؑ کو اس سے معاف کر کے ہمیں یہ شرف عطا فرمائیں مگر کسی کتاب کے ایک حرف سے بھی نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت ابوبکر نے رسولؐ سے ایسی خواہش کی ہو، اگر پورا بوجھ خود اٹھا لینے کی ہمت نہیں کر سکے تو رسولؐ سے کم از کم اتنا عرض کرتے کہ یا حضرت میں بھی تو شروع ہی میں اسلام قبول کر چکا ہوں، میرا نام بھی سابق الاسلام لوگوں کی فہرست میں درج ہو چکا ہے میں بھی آپ کی مدد کی تمنا رکھتا ہوں، میں بھی اسلام کی حمایت کا دم بھرتا ہوں، مجھے بھی اجازت دیجئے کسی چیز سے شریک ہو جاؤں، اگر علیؑ روٹی کا آٹا لائیں تو میں چولہا ہی بنا دوں، اگر علیؑ گوشت کا انتظام کریں تو میں ادھر ادھر سے کچھ لکڑیاں ہی جمع کر دوں، جس پر وہ ان چیزوں

کو پکا سکیں، مگر کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت ابوبکر نے اتنی زحمت کی درخواست بھی پیش کی ہو، اتنی مدد کا نام بھی لیا ہو، پھر اگر ہم ان کی مدد کے بھروسے پر ۱۵ رسال قبل ہی اپنے حبیب کو پیغمبر بنا دیتے تو ہمارے حبیب دعوت کا سامان کر لینے کے لئے کس سے کہتے؟ علی تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔[1]

چوتھی نظر سے بھی اس واقعہ کو دیکھو، تمام مورخین نے لکھا ہے کہ تین بار علیؑ نے کھڑے ہو ہو کر کہا یا حضرت میں اس کام کے لئے حاضر ہوں، دو مرتبہ رسول ان کو بٹھا بٹھا دیتے رہے، جب تیسری بار بھی پورا مجمع اور خاص کر حضرت ابوبکر تک خاموش ہی رہے تب ہمارے رسول نے علیؑ کی بات مانی، ان کو اپنے پاس بلایا، اور بیعت لی، پھر ہاتھ پھیلا کر علی کو گلے سے لگایا اور فرمایا دیکھو میرے بھائی، میرے وزیر،، میرے وصی اور میرے خلیفہ کو، تم سب لوگ اس کی بات ماننا اور اس کی اطاعت کرنا، قریش قہقہہ مار کر ہنسنے لگے اور ابوطالب سے یہ کہہ کر کہ علیؑ کو سلام کرو اور اس کا حکم مانا کرو سب چلے گئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر بھی قہقہہ مار کر ہنسنے لگے اور ابوطالب سے وہی کہا جو کافروں نے کہا تھا، اگر نہیں ہنسے تھے تو ان کو اس مجمع میں قریش سے کہنا چاہیئے تھا کہ تم لوگ قہقہہ کیوں مارتے ہو؟ ہنسنے کی کیا وجہ ہے؟ رسول صحیح فرماتے ہیں، وہ تم کو اچھی راہ کی طرف بلا رہے ہیں، وہ تم کو نجات کی طرف دعوت دے رہے ہیں، انکی بات پر مضحکہ نہ کرو، بلکہ غور و فکر سے کام لو، وہ تم سے روپیہ نہیں مانگتے، مال نہیں چاہتے، تمہارے سرداری کے خواہاں نہیں، جو کچھ فرماتے ہیں تمہارے نفع ہی کے لئے ہے، تمہارے ہی کام کی باتیں ہیں، تمہاری ہی دنیا و آخرت کی ترقی کی راہیں، تمہاری ہی انسانیت کی معراج کا سامان ہے، تمہاری ہی عزت کے اسباب پیش کرتے ہیں، مگر کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت ابوبکر رسول کے بار بار خطاب پر کچھ بولے ہوں، یا قریش کے قہقہہ پر کچھ اعتراض کیا ہو یا ان کے کسی کلام پر رسول کی حمایت میں اپنی زبان تک کھولی ہو۔

پانچویں نظر سے بھی اس واقعہ کو دیکھ لو، حضرت ابوبکر کی وفاداری، جان نثاری، یاری کے بڑے بڑے قصے بنائے گئے ہیں، تم مسلمانوں کو ان سب کی حقیقت اسی دعوت عشیرہ سے اچھی طرح معلوم کر لینی چاہیئے ہمارے رسولؐ کے بار بار دریافت کرنے پر بھی اس مجمع میں حضرت ابوبکر کھڑے نہیں ہوئے، نہ کچھ بولے نہ کچھ حامی بھری، نہ کوئی وعدہ کیا بلکہ صرف ہمارا شیر اور نفس رسول یعنی علی ہی ہر بار ان کا دل مضبوط کرتا رہا۔

---

[1] تحقیق یہ ہے کہ جب حضرت رسول خدا ۳۰ رسال کے تھے تب حضرت علی پیدا ہوئے جب حضرت پیغمبر ہوئے تب حضرت علی ۱۰ رسال کے تھے، جب آیہ وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوا اس وقت حضرت علی ۱۴ رسال کے تھے اگر حضرت رسول خدا ۲۵ رسال کی عمر میں پیغمبر بنا دیئے جاتے تو اس وقت حضرت علی کی پیدائش کو پانچ سال باقی رہتے، پھر قریش کی دعوت کا سامان کون کرتا؟ اور رسول کی حمایت پر کس کو ہمت ہوتی؟

کیا حضرت ابوبکر اس مجمع میں نہیں تھے؟

اگر کسی کو شبہ ہو کہ وہ مجمع تو صرف بنی ہاشم کا تھا، حضرت ابوبکر وہاں تھے ہی نہیں، ان سے رسول کا خطاب ہی نہیں تھا، تو بولتے کیا؟ مگر یہ غلط ہے تمام مورخین نے تصریح کر دی ہے کہ خطاب سب قریش سے تھا، ان کے الفاظ سن لو "تین برس تک آنحضرت نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا لیکن اب آفتاب رسالت بلند ہو چکا تھا صاف حکم آیا فاصدع بما تؤمر اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے واشگاف کہہ دے اور نیز حکم آیا و انذر عشیرتک الاقربین اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈرا، آنحضرت نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا، یا معشر قریش، لوگ جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئیگا؟ سب نے کہا ہاں کیوں کہ تم کو ہمیشہ سے ہم نے سچ بولتے دیکھا ہے، آپ نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا، یہ سن کر سب لوگ جن میں ابولہب آپ کا چچا بھی تھا سخت برہم ہو کر چلے گئے، چند روز کے بعد آپ نے حضرت علی سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو، یہ درحقیقت تبلیغ اسلام کا پہلا موقع تھا۔ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۵۴)

جب یہ آیہ فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشرکین نازل ہوئی یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ظاہر کر اس کام کو جس کا تجھے حکم دیا گیا ہے، اور پھیر لے اپنا منہ مشرکوں سے تو حضور نے کوہ صفا پر چڑھ کر آواز دی یا معشر قریش، یا بنی فہر، یا بنی غالب، یا بنی لوی، یا بنی عدی، مکہ کے چھوٹے بڑے آکر جمع ہو گئے کیونکہ دستور تھا کہ جب کوئی اہم کام درپیش ہوتا تھا تو پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی جاتی تھی اور لوگ آواز سنکر جمع ہو جاتے تھے وہ اس وقت لوگوں نے سمجھا تھا کہ کوئی قومی مرحلہ پیش آیا ہوگا، وہاں پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے جو تقریر سنی گئی وہ یہ تھی:

لوگو! اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کی دوسری طرف ایک بڑا لشکر اس لئے چھپا ہے کہ تم پر حملہ کرے اور تم کو تباہ کرے تو کیا تم باور کرو گے؟ لوگوں نے جواب دیا، بیشک اے محمد تم امین ہو اور ہم لوگوں نے تم سے کبھی جھوٹ نہیں سنا تمہاری بات ہم کیوں جھوٹ سمجھنے لگے؟ آنحضرت نے فرمایا تمہارے پیچھے عذاب سخت آنے والا ہے جو بغیر توحید کے کبھی دفع نہیں ہو سکتا، یہ سن کر وہ سب اپنے دل میں آنحضرت کو خفیف الحرکت سمجھنے لگے۔ ابولہب سے نہ رہا گیا اور بولا تمہارے اوقات خراب ہوں اسی لئے بلایا تھا یہ کہہ کر سب چلے گئے، روضۃ الاحباب، ایرونگ، حیات القلوب (تاریخ اسلام جلد ۲ صفحہ ۳۶)

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ خطاب عام قریش سے تھا کل بنی فہر، بنی غالب، بنی لوی، اور بنی عدی پکارے اور بلائے گئے تھے، انہیں میں حضرت ابوبکر بھی تھے مگر ایک حرف بھی نہیں بولے، لیکن وقت ختم نہیں ہو گیا تھا، موقع نکل نہیں گیا تھا، لوگ

مکہ سے ہجرت کر کے کہیں نہیں گئے تھے، رسول نے اپنا کام چھوڑ نہیں دیا تھا رسول ہمت ہار کر بیٹھ نہیں گئے تھے مکہ کے لوگ رسول کے طرفدار نہیں ہو گئے تھے، ضرورت پوری نہیں ہو گئی تھی، پھر اس دن کے بعد کیوں نہیں کسی دن حضرت ابوبکر نے بھی لوگوں کو اسی طرح جمع کیا؟ کیوں نہیں سب کو پھر بلایا؟ کیوں نہیں سب کی اسی طرح دعوت کی جس طرح علیؑ نے کی تھی؟ کیوں نہیں سب کے سامنے اعلان کر دیا کہ میں اس روز تو خاموش ہو رہا تھا، مجھے ہمت نہیں ہوتی تھی، میرا دل آمادہ نہیں ہوتا تھا، مجھ پر رعب چھا گیا تھا، یا مجھے شرم معلوم ہوتی تھی میں آپ لوگوں کے جواب کا انتظار کر رہا تھا لیکن اب میں نے بھی اپنا دل مضبوط کر لیا، شرم اٹھا دی، خوف اور ہراس نکال دیا اور حتمی وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے آقا و مولا حضرت رسولؐ کی مدد میں بھی اسی طرح کرونگا جس طرح علیؑ کریں گے، اگر اتنی نہیں کر سکوں گا نصف ضرور کرونگا، اگر نصف بھی نہیں ہو سکے گی تو چوتھائی ضرور کرونگا، اگر اس قدر بھی زیادہ ہوگی تو ان کی مدد کا آٹھواں حصہ ضرور ہی کروں گا، لیکن سالہا سال گزر گئے حضرت ابوبکر نے جھوٹ بھی کوئی مجمع نہیں کیا اور اس میں رسول کی حمایت کا نام نہیں لیا، تم مسلمانوں نے کیا سمجھ کر یہ شور و غل مچا رکھا ہے کہ حضرت ابوبکر نے اسلام کی حمایت کی؟ رسول کی مدد کی؟ دین خدا کی مدد میں بہت زیادہ مال خرچ کر دیا؟ کوئی کہتا ہے کہ جس روز حضرت ابوبکر اسلام لائے ان کے پاس چالیس ہزار اشرفیاں تھیں، اور ایک روایت بنائی گئی ہے کہ ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، ان سب کو انہوں نے حضرت رسولؐ خدا پر صرف کر دیا؟ کوئی کہتا ہے کہ جس روز حضرت ابوبکر مسلمان ہوئے ان کے گھر میں چالیس ہزار درہم مال تھا مگر جب وہ ہجرت کر کے مدینہ جانے لگے تو ان کے پاس صرف پانچ ہزار درہم بچ رہے تھے سب کو وہ غلاموں کے آزاد کرنے اور اسلام کی حمایت میں خرچ کرتے رہے، کوئی کہتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے سات غلاموں کو آزاد کر دیا جو سب کے سب اللہ کی راہ میں عذاب کئے جاتے تھے، لیکن یہ کوئی نہیں بتاتا کہ ان سات غلاموں کی قیمت کتنی تھی؟ کیوں اس کی تفصیل بھی نہیں بتائی جاتی ہے؟ کیا اس زمانے میں ان ساتوں غلاموں کی قیمت سو درہم سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے؟ اگر چہ تمہاری عقل خود فیصلہ کر دے گی کہ سات کا کیا ذکر ہے انہوں ایک غلام بھی آزاد نہیں کیا تھا جو شخص رسول کی دعوت عشیرہ میں پاؤ بھر جو نہیں دے سکا، ایک بھیڑ کا بچہ نہیں پیش کر سکا، ایک لوٹا پانی نہیں لا سکا، چند دانے کھجور کے بھی نہیں نکال سکا، جلانے کی لکڑی تک نہیں حاضر کر سکا، وہ ایک غلام کو کیسے آزاد کر دیتا؟ تم لوگ کہتے ہو حضرت ابوبکر دولت مند، ماہر اسباب، صاحب الرائے اور فیاض تھے'' ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب وہ ایمان لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے '' (سیرۃ النبی جلد ا رصفحہ ۱۵۰)

تو ان کی فیاضی کا کوئی تاریخی واقعہ کیوں نہیں بتایا جاتا؟ ان کا فیض کس نے دیکھا؟ کس کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ

مال خرچ کرنے، فیاضی کا ثبوت دینے، فیض جاری کرنے اور دین حق کی مالی حمایت کرنے کا جو بہت بڑا اور گویا پہلا موقع پیش آیا اس میں جب حضرت ابوبکر کو ایک نمبر بھی نہیں ملا اور اس امتحان میں وہ صفر رہ گئے تو بعد کو انہوں نے کیونکر کچھ بھی اسلام یا رسول کے لئے خرچ کیا ہوگا؟

حضرت ابوبکر اور حضرت علی علیہ السلام کا مقابلہ

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارا کلمہ پڑھنے والے مسلمان اور ہمارا دین قبول کرنے والے اہل اسلام کیسی انوکھی باتیں کرتے ہیں جو شاید دنیا کے کسی شخص کی عقل میں آ ہی نہیں سکتیں۔ علی کے مقابلے میں کھڑا بھی کیا تو حضرت ابوبکر کو!!! جنہوں نے اسلام کے مہتم بالشان اعلان کے موقع پر کچھ بھی نہیں کیا، اور علی نے سب کچھ کر دیا جنہوں نے رسول کی حمایت میں "ہوں" بھی نہیں کہا اور علی نے سب کو للکار کر کہہ دیا کہ یا حضرت میں سب کروں گا، جنہوں نے قریش کی دعوت میں ایک درہم بھی خرچ نہیں کیا اور علی نے دعوت کا پورا بوجھ اٹھایا جنہوں نے اس مجمع میں سر کے اشارہ سے بھی تائید نہیں کی اور علی نے وہ کیا جس کو مورخین نے بہت کم کر کے اور نہایت دوچہ گھٹا کر بھی لکھا تو اتنا لکھنے پر مجبور ہو گئے: تمام مجلس میں سناٹا تھا دفعتاً حضرت علی نے اٹھ کر کہا کو مجھ کو آشوب چشم ہے، گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نو عمر ہوں تاہم میں آپکا ساتھ دوں گا قریش کے لئے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص جن میں ایک سیزدہ سالہ نوجوان ہے دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں، حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آ گئی لیکن آگے چل کر زمانے نے بتا دیا کہ یہ سراپا سچ تھا"۔ (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۱۵۴)

اوکلی اور گبن کے مطابق حضرت علی نے اس طرح فرمایا کہ: یا رسول اللہ جو کوئی آپ کا مقابلہ کرے گا اس کے دانت توڑ ڈالوں گا، آنکھیں نکال ڈالوں گا، پیٹ پھاڑ ڈالوں گا اور ٹانگیں توڑ ڈالوں گا، یا رسول اللہ میں آپ کا وزیر ہوں،

مسٹر کارلائل لکھتے ہیں کہ بعد میں ثابت ہو گیا کہ یہ ہنسی کے لائق بات نہ تھی بلکہ بہت ٹھیک اور درست تھی یہ نوجوان علی ایسا شخص تھا کہ ضرور ہے کہ ہر شخص اس کو پسند کرے اور اس امر سے جو اوپر بیان کیا گیا ہے اور نیز اور باتوں سے جو ہمیشہ اس کے بعد اس سے ظہور میں آئیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک صاحب اخلاق فاضلہ اور محبت سے بھرا ہوا اور ایسا بہادر شخص تھا کہ جس کی آگ جیسی تیزی و تندی جرات کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی تھی، اس شخص کی طبیعت میں کچھ عجیب طور کی جوانمردی تھی، شیر سا تو بہادر تھا مگر باوجود اس کے مزاج میں ایسی نرمی و رحم اور سچائی اور محبت تھی جیسی کہ ایک عیسائی دیندار جوانمرد کے شایاں ہے۔

اوکلی لکھتا ہے کہ یہ نامور خلیفہ بلحاظ اپنی ہمت و جرات اور طبیعت و خصلت اور پاک و اتقی دمنت اور فہم و فراست کے نہایت عظیم المرتبت لوگوں سے تھا جو امت اسلامیہ میں کبھی پیدا ہوئے تھا"۔ (تاریخ اسلام جلد ۲ صفحہ ۳۶)

ایسے شخص کے مقابلہ میں دنیائے اسلام کا کوئی شخص بھی ایسا ہے جس کا نام تک لیا جاسکے؟ لیکن جو لوگ بغیر کسی عقلی وجہ کے علیؑ کے مقابلے میں بھی دو ایک کو پیش کر دیتے ہیں ان کے بارے کیا کہا جائے؟ شاید انہیں لوگوں کے لئے شاعر نے یہ کہدیا ہے۔

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی

حضرت علی علیہ السلام نے دعوت عشیرہ کا سامان کہاں سے کردیا!

اس مقام پر معمولی سمجھ والے مسلمانوں کو ایک بڑا شبہ ہو سکتا ہے ان کو سمجھا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ دعوت عشیرہ میں حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ سے صرف دعوت کا سامان کرنے کی فرمائش کی چنانچہ مورخین نے یہ تصریح لکھ دیا ہے کہ ”چندروز کے بعد آپ (آنحضرت) نے حضرت علی سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو“ (سیرۃ النبی صفحہ ۱۵۴) اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ حضرت علی نے اپنے ہی پاس سے دعوت کا سامان کیا؟ ہو سکتا ہے حضرت رسول خدا کا اپنا مال رہا ہو اور حضرت علی نے صرف ایک خدمتگار کی طرح سامان کر دیا ہو، تو اس سے حضرت علی کی کون سی فضیلت نکلی؟ حضرت جس شخص سے بھی فرماتے وہ اس کو انجام دے دیتا اور اپنی مزدوری لیکر اپنے گھر واپس جاتا، ایسا شبہ کرنے والوں کو اچھی طرح سمجھنا چاہیئے کہ رسول کے اس جملہ ”اے علی دعوت کا سامان کرو“ کا مطلب کیا تھا، اسکی چار صورتیں ہو سکتی ہیں: (۱) پہلی یہ کہ ہمارے رسول نے علی سے کہا ہو کہ تم اپنے مال سے یا اپنے پاس سے یا اپنی کوشش سے یا اپنی محنت مزدوری سے دعوت کا سامان کرو (۲) دوسری یہ کہ دعوت کی سب چیزیں خود دے دی ہوں اور حضرت علی نے صرف بطور خدمتگار دعوت کا سامان کر دیا ہو (۳) تیسری یہ کہ نہ رسول کی چیزیں رہی ہوں نہ علی کا مال خرچ ہوا ہو بلکہ خدیجہ کے مال سے علی نے اس کا پورا انتظام کیا ہو (۴) چوتھی صورت یہ کہ ان تینوں سے کسی کا مال نہ رہا ہو بلکہ رسول کے چچا ابو طالب کا مال رہا ہو۔ خوب غور کرلو ان چاروں صورتوں کے علاوہ تو کوئی پانچویں نہیں ہو سکتی، اب ہر ایک کی حقیقت بھی اچھی طرح سے سمجھ لو مگر اس کا پورا ارادہ کرلو کہ سب کو عقل ہی پر جانچو گے، بزرگوں یا مذہبی پیشواؤں یا دوست احباب کی رائے کو ان باتوں میں دخل نہیں دو گے، ان چاروں صورتوں سے دوسری صورت تو اس وجہ سے نہیں ہو سکتی کہ حضرت رسول کے پاس اس وقت اپنا کوئی مال تھا ہی نہیں، وہ تو بچپن سے اپنے چچا ابو طالب ہی کے عیال تھے اور ابو طالب ان کو کسی وقت چھوڑتے ہی نہیں تھے، بلکہ اپنے فرزندوں سے زیادہ ان کو مانتے اور ان کی ضرورتوں کا خیال رکھتے تھے اپنے لڑکوں کو جان کے خطرے میں بھی پیش کر دیتے اور ہمارے رسول کو ان کی آڑ میں بچا لیتے تھے، مورخین نے اس کو بھی شرح وبسط سے لکھا ہے، مگر جس نے بہت مختصر کر کے لکھا اس کے الفاظ بھی یہ ہیں: ”والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد

(رسول کے دادا) عبدالمطلب نے آنحضرت کو اپنے دامن تربیت میں لیا ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے، عبدالمطلب نے ۸۲ برس کی عمر میں وفات پائی اس وقت آنحضرت کی عمر آٹھ برس کی تھی، عبدالمطلب کا جنازہ اٹھا تو آنحضرت بھی ساتھ تھے اور فرط محبت سے روتے جاتے تھے، عبدالمطلب نے مرنے کے وقت اپنے بیٹے ابوطالب کو آنحضرت کی تربیت سپرد کی، ابوطالب نے اس فرض کو جس خوبی سے ادا کیا اس کی تفصیل آگے آتی ہے، عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے، ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد عبداللہ اور ابوطالب ماں جائے بھائی تھے اس لئے عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوطالب ہی کے آغوش تربیت میں دیا، ابوطالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر محبت رکھتے تھے، کہ آپ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی پروا نہیں کرتے تھے سوتے تو آنحضرت کو ساتھ لے سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لے جاتے ابوطالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے، قریش کا دستور تھا سال میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی کہ ابوطالب نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا، سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن آنحضرت کو ابوطالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابوطالب چلنے لگے تو آپ ان سے لپٹ گئے، ابوطالب نے ان کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۲۸)۔ ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جو جان نثاریاں کیں اس سے کون انکار کرسکتا ہے؟ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پہ نثار کرتے تھے، آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا، آپ کی خاطر محصور ہوئے، فاقے اٹھائے، شہر سے نکالے گئے، تین برس تک آب و دانہ بند رہا، کیا یہ محبت، یہ جوش، یہ جاں نثاریاں سب ضائع جائیں گی؟ ابوطالب آنحضرت سے ۳۵ برس عمر میں بڑے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے نہایت محبت تھی۔" (سیرۃ النبی صفحہ ۱۸۱)

اس وقت کے کھانے پینے، پہننے، اوڑھنے، بچھانے، رہنے، سہنے کا کل خرچ ان کے چچا ابوطالب ہی اپنے فرزندوں سے زیادہ اہتمام کے ساتھ اٹھاتے ہوتے تھے، اس وجہ سے ہمارے رسول کو خواہ مخواہ مصارف کی اکڑی تھی دکھانے کی ضرورت پھر رسول کے پاس مال آیا کہاں سے کہ انہوں نے علی سے کہا ہو کہ تم میرے مال سے یا میرے خرچ سے یا میری چیزوں سے دعوت کا سامان کردو؟ تیسری صورت بھی کہ خدیجہ کے مال سے علی نے اس دعوت کا سامان کر دیا ہو" نہیں ہوسکتی کیونکہ خدیجہ کے پاس بہت زیادہ مال و دولت تھی، لونڈی غلام تھے، [illegible] کا تو کوئی حساب ہی نہیں تھا، اگر رسول خدیجہ کے مال سے دعوت کرانا چاہتے تو ان کو تکلف کی کیا ضرورت تھی؟ خدیجہ ان کی جاں نثار اور وفادار بی بی موجود تھیں، انہیں سے کہہ دیتے کہ اے خدیجہ فلاں دن فلاں وقت اتنے لوگوں کی دعوت کا سامان کر دو اور دعوت میں فلاں فلاں چیزیں ہونی چاہئیں، کھانے

اور کھلانے کا سلیقہ عورتوں ہی کو زیادہ ہوتا ہے، اور اس زمانے میں (تقریباً چودہ سو سال پہلے) تو اور زیادہ عورتیں ہی اس قسم کے کاموں کی اہل سمجھی جاتی تھیں، اور خدیجہ حضرت کی اطاعت بہت زیادہ کرتی بھی تھیں، اگر ہمارے رسول کو ہمارا یہ حکم نہ ہوتا کہ تم علی ہی سے دعوت کا سامان کرنے کی فرمائش کرو تو ان کو علی سے کہنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی، غرض رسول کا علی سے صرف یہ کہنا کہ "دعوت کا سامان کرو" اور اس کی تفصیل نہیں بتانا کہ چیزوں کو کہاں سے لاؤ، خرچ کی کوئی صورت نکالو۔ اور شروع سے آخر تک خدیجہ کا نام نہ لینا، انکی کسی چیز کا ذکر نہ کرنا، ان سے کچھ مدد لینے کا اشارہ نہ کرنا، ان سے رائے تک لینے کا خیال بھی ظاہر نہ کرنا، ان سے مشورہ لینے کی ضرورت بھی نہ بتانا ایسی دلیلیں ہیں جو صاف بتاتی ہیں کہ اس دعوت میں خدیجہ کی بھی کوئی شرکت نہیں ہوئی، نہ ہم نے اپنے رسول پر وحی کی خدیجہ سے دعوت کا سامان کراؤ، نہ رسول نے خود ہی ان سے اسکا ذکر کیا، چوتھی صورت بھی کہ "ان تینوں سے کسی کا مال نہ رہا ہو بلکہ رسول کے چچا ابوطالب کا مال رہا ہو" نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ اس وقت تو علی بھی ابوطالب ہی کے ہاں کھاتے تھے، ان کے مصارف کا انتظام بھی ابوطالب ہی کرتے تھے، اور ابوطالب کی بی بی علی کی ماں رسول کی پھوپھی فاطمہ بنت اسد اس وقت موجود تھیں خانہ داری کے تمام کام ان ہی کے متعلق تھے اور وہ بھی رسول کو اپنے فرزندوں سے زیادہ مانتی تھیں، ابوطالب کا مال زیادہ تر انہیں کے حوالے رہتا تھا، اس وجہ سے رسول یہ واسطہ کیوں اختیار کرتے؟ سیدھے فاطمہ بنت اسد سے کہہ دیتے کہ اے پھوپھی یا اے چچی اہم کو فلاں دن فلاں وقت قریش کی دعوت کرنی ہے غالباً اتنے لوگ ہوں گے، اس وجہ سے ان سب کی دعوت کا سامان آپ کر دیجئے گا، اس طرح چاروں عقلی صورتوں سے تین صورتیں تو گویا ناممکن ہوگئیں اور صرف پہلی صورت باقی رہی کہ رسول نے علی سے مطلق طور پر کہہ دیا کہ تم ہی دعوت کا سامان کرو، خواہ کہا کر اس کے مصارف کی صورت کرو یا محنت مزدوری کر کے یا کوئی وقتی تجارت کر کے یا ماں باپ کا پہلے سے دیا ہوا کوئی مال ہو اس سے یا کسی سے قرض لے کر رسول کو تفصیل کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، نہ علی ایسے شاگرد کو بتانے کی حاجت تھی کہ کیا کرو، کتنا کرو کس طرح کرو، اور کہاں سے کرو، علی کو تو صرف اتنا معلوم ہو جانا چاہیئے تھا کہ رسول کیا چاہتے ہیں، رسول کو کس بات کی ضرورت ہے، پھر اس کام کے لئے اگر ہزاروں مصیبتیں بھی برداشت کرنی ہوتیں تو علی منہ موڑنے والے نہیں تھے۔

دین اسلام کی مدد کرنے کی تاکید،

غرض حضرت ابوبکر نے دعوت عشیرہ میں جو حصہ لیا وہ محتاج بیان نہیں رہا حالانکہ دین اسلام کی ہر طرح مدد کرنے کی جس قدر

---

[1] جناب فاطمہ بنت اسد حضرت رسول خدا کی پھوپھی بھی تھیں کیونکہ جناب عبدالمطلب کے بھائی جناب اسد کی بیٹی تھیں اور چچی بھی تھیں اس لئے کہ وہ اپنے چچازاد بھائی ابوطالب کی زوجہ محترمہ تھیں ۱۲۔

تاکید ہم نے کی ہے وہ قرآن مجید میں صاف صاف موجود ہے جس کے بعد اگر کسی طرح کوئی عذر نہیں ہونا چاہیے تھا چند آیتیں:۔

(۱) وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین (پارہ ۲ ر ع ۸)

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں مت ڈالو اور احسان کرو، اللہ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

(۲) مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف لمن یشاء واللہ واسع علیم الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی لھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (پارہ ۳ رکوع ۴)

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں نکلیں ہر بالی میں سو سو دانے اور اللہ جس کو چاہتا ہے اس سے دو چند کرتا ہے یا اس سے زیادہ اور اللہ وسعت والا ہے جاننے والا ہے جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ جس کو دیا اس کو ستاتے ہیں ان کو ان کے مالک کے پاس اپنا ثواب ملے گا اور نہ ڈر ہوگا ان کو اور نہ غم۔

(۳) وما تنفقوا من خیر فلانفسکم وما تنفقون الا ابتغاء وجہ اللہ وما تنفقوا من خیر یوف الیکم وانتم لا تظلمون (پارہ ۳ ر ع ۵)

اور تم جو مال (پیسہ یا چیز) خیرات کرو گے وہ اپنے لیے اور تم جو خرچ کرتے ہو اللہ ہی کے لیے خرچ کرتے ہو اور تم جو مال خرچ کرو گے خیرات کے طور پر (قیامت کے دن) پورا بھر پاؤ گے اور تمہارا حق مارا نہ جائے گا۔

یہ ضرور ہے کہ ہمارے رسول وحی کرتے تھے جس کام کا حکم دیتے تھے اپنے دل سے دیکھ کر بولتے تھے وہ کرتے تھے اور یہ بھی حقیقی ہے کہ ہم نے دعوت عشیرہ کے موقع پر اپنے رسول سے حضرت ابوبکر کے ذمہ یہ کام کرنے کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا اور نہ ہمارے کسی فرشتہ ہی نے ہم سے کہا کہ پہلے حضرت ابوبکر کے ذمہ یہ کام کیا جائے اگر وہ اس کام کو نہ کر سکیں گے تو علی سے کہا جائے، لیکن حضرت ابوبکر کو کسی نے روکا تو نہیں تھا حضرت ابوبکر کو کسی نے منع تو نہیں کیا تھا حضرت ابوبکر نے خود ہی کیوں سبقت نہیں کی وہ کیوں نہیں رسول کے پاس آئے، کیوں نہیں پوچھا کہ آج قریش کو آپ نے کیوں بلایا ہے کیوں دعوت دی ہے ان کے کھانے کا کیا سامان کیا ہے ہم سے فرمائیے ہم سب کرنے کو حاضر ہیں، ہمیں حکم دیجئے جس قدر مال کی ضرورت ہو آپ کے پاس لا کر رکھ دیں، پھر اگر اس روز ان کا دماغ کام نہیں کرتا اور وہ مبہوت ہو کر رہ گئے تو دوسرے یا تیسرے یا دسویں یا بیسویں دن یا دو چار مہینے کے بعد ہی کوئی خوبصورت موقع نکال کر خود ہی کوہ صفا پہ چڑھ کر عام اعلان کرتے اے معشر

قریش فلاں تاریخ کو ہماری طرف سے تم لوگوں کی دعوت ہے مہربانی کر کے وقت پر آؤ اور ماحضر تناول کر کے ہماری بھی کچھ باتیں سن لو، وہ باتیں بہت ضروری ہیں، اس طرح جو لوگ جمع ہو جاتے انکو کھانا کھلا کر اعلان کر دیتے کہ اس روز اسلام کی طرف سے علی نے تم لوگوں کی دعوت کی تھی، آج ہم نے بھی تم لوگوں کو اسی لئے جمع کیا اور اسی خیال سے ماحضر بھی پیش کیا ہے کہ آنحضرت نے اس روز تم لوگوں سے جو بات کہی تھی اس پر غور کرو اور اپنے نفع نقصان کو سمجھو، تم لوگ بڑی گمراہی میں پڑے ہو اور رسول تم سب کو سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہیں اس کو اختیار کر کے ہماری طرح تم سب لوگ بھی مسلمان ہو جاؤ بلکہ جب ان کے پاس چالیس ہزار اشرفیاں تھیں تو وہ ہر مہینہ ایسی دعوت کر سکتے تھے اور اگر چالیس ہزار درہم ہی تھے جب بھی وہ ہر سال ایسی دعوت کر کے لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کی قدرت رکھتے تھے مورخین نے لکھا ہے کہ "ان اوصاف کی وجہ سے مکہ میں ان (ابوبکر) کا عام اثر تھا اور معززین شہر ان سے ہر بات میں مشورہ لیتے تھے"۔ (سیرۃ النبی صفحہ ۱۵۰) اس وجہ سے حضرت ابوبکر کو سب سے زیادہ رسول کی حمایت کا اعلان کرنا مناسب تھا، ابوطالب تو ہمارے رسول کے چچا ہی تھے وہ تو رسول کے پسینے پر اپنا خون بہانے کو آمادہ رہتے تھے مگر بڑے لوگوں میں وہ تنہا تھے اور حقیقی چچا ہونے کی وجہ سے اہل مکہ جس طرح رسول کے دشمن ہو رہے تھے ابوطالب کے بھی مخالف تھے، ابوطالب، علی اور خدیجہ تو گویا ایک ہی ہو رہے تھے، جو بات رسول کہتے تھے وہ تینوں کی سمجھی جاتی تھی، جو خواہش رسول ظاہر کرتے تھے اس میں تینوں شریک تسلیم کئے جاتے تھے، لیکن ابوبکر نہ خاندان بنی ہاشم سے تھے، نہ ابوطالب کے گھر کے تھے، نہ وہ اور رسول ایک معلوم ہوتے تھے پھر مکہ میں انکا عام اثر تھا اور معززین شہر ان سے ہر بات میں مشورہ کرتے تھے تو ابوبکر کو اپنے تئیں اسلام کے لئے وقف کر دینا تھا، رسول کی حمایت میں اپنی نیند تک حرام کر دینی تھی، مکہ کے ہر شخص سے ملتے، اس کو سمجھاتے، تبلیغ کا حق ادا کرتے، معززین شہر ان سے کسی بات میں مشورہ کرنے آتے تو بہترین مشورہ دینے کے بعد ان سے پوچھتے کہ مذہب اسلام کو کیوں قبول نہیں کرتے، رسول کی باتیں کیوں نہیں مانتے، رسول کون سی بات عقل کے خلاف کہتے ہیں، کون سا حکم اپنے ذاتی نفع کے لئے دیتے ہیں کون سی بات اخلاق کے مغائر فرماتے ہیں حالانکہ ہم نے اپنے کلام مجید میں صاف حکم دیا ہے کہ:

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلھم بالتی ھی احسن (پارہ ۱۴/ع ۲۰)

لوگوں کو عقل کی باتوں اور اچھی اچھی نصیحتوں سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ اور ان سے بحث بھی کرو تو ایسے طور پر کہ وہ لوگوں کے نزدیک بہت ہی پسندیدہ ہو۔

وممن خلقنا امة یھدون بالحق وبه یعدلون (پارہ ۹/ع ۱۲)

اور ہماری مخلوقات میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حق بات کی ہدایت اور اسی کے مطابق انصاف بھی کرتے ہیں

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولٓئک ھم المفلحون (پارہ ۴ ر ع ۲)

اور تم میں سے ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیے جو لوگوں کو نیک کاموں کی طرف بلائیں اور اچھے کام کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور آخرت میں ایسے ہی لوگ اپنی مراد کو پہنچیں گے۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر الآیة (پارہ ۴ ر ع ۳)

لوگوں کی رہنمائی کے لئے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں ان میں تم سب سے بہتر ہو کہ اچھے کام کرنے کو کہتے اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔

وقال الذی امن یا قوم اتبعون اھدکم الرشاد یا قوم انما ھذہ الحیوۃ الدنیا متاع وان الآخرۃ ھی دار القرار (پارہ ۲۴ ر ع ۱۰)

اور وہ شخص جو ایمان لایا تھا کہنے لگا کہ بھائیو میرے کہے پر چلو میں تم کو دین کا سیدھا راستہ دکھا دوں گا، بھائیو یہ دنیا کی زندگی تو بس چند روزہ فائدے ہیں اور آخرت جو ہے تو وہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

دعوت عشیرہ کے بعد حضرت ابوبکر نے اسلام کی کیا مدد کی!

مسلمانو! تم ہم سے پوچھتے ہو کہ اے خدا تو نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ کو چالیس برس کی عمر میں کیوں پیغمبر بنایا؟ کیا اس سے پہلے عرب کے حضرات کی ہدایت و ارشاد کی ضرورت نہیں تھی؟ تو ہم نے تم کو سمجھا دیا کہ یہ کام تنہا ایک شخص کا نہیں تھا اور ان کے شریک کار علی ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے یا پیدا ہوئے بھی تھے تو ابھی اس قابل نہیں ہوئے تھے کہ حضرت کی مدد کر سکیں، اس وجہ سے انہیں کے انتظار میں رسول کی رسالت بھی رکی ہوئی تھی، حضرت ابوبکر تو موجود تھے مگر ان سے جو امید ہو سکتی تھی وہ دعوت عشیرہ کے موقع پر ظاہر ہو گئی، اس کے بعد بھی تو ان سے اسلام کو کوئی نفع پہنچا ہوتا مگر تاریخ و حدیث کے اوراق سے دریافت کرو، انھوں نے اسلام کی کون خدمت انجام دی، اہل مکہ نے اسلام و رسول، علی و ابو طالب کی شدت سے مخالفت کی مگر حضرت ابوبکر کی کسی حمایت کا پتہ نہیں ملتا، مورخین نے لکھا ہے کہ جب مسلمانوں کی ایک معتدبہ جماعت تیار ہو گئی تھی جن کی تعداد چالیس سے زیادہ تھی، آپ نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کیا، کفار کے نزدیک یہ حرم کی سب سے بڑی توہین تھی اس لئے دفعۃً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور ہر طرف سے لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے، آنحضرت کے ربیب حارث بن ابی ہالہ گھر میں تھے ان کو خبر ہوئی

دوڑے آئے اور آنحضرت کو بچانا چاہا لیکن ہر طرف سے ان پر تلواریں پڑیں اور وہ شہید ہو گئے، اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا جس سے زمین رنگین ہوئی ناتربیت یافتہ اور تندخو قوموں کا خاصہ ہے کہ کوئی تحریک جو ان کے آبائی رسم وعقائد کے خلاف ہو، انکو سخت برہم کر دیتی ہے، اس کے ساتھ ان کی مخالفت محض زبانی مخالفت نہیں ہوتی اور ان کی تشنگی انتقام کے خون کے سوا کوئی چیز بجھا نہیں سکتی، آج ہندوستان اس قدر مہذب ہو گیا ہے لیکن اب بھی کسی عام مسئلہ مذہبی کی مخالفت کی جائے تو ایک حشر برپا ہو جاتا ہے اور حکومت موجودہ اگر منتظم اور صاحب جبروت نہ ہوتی تو اس سرزمین پر بار بار خون کا بادل برس چکا تھا" (سیرۃ النبی صفحہ ۱۵۶) اگر حضرت ابوبکر سے اسلام کو کوئی نفع پہنچنے والا ہوتا تو دعوت عشیرہ کے وقت کی خاموشی، گمنامی اور خود حفاظتی کی تلافی وہ اس موقع پر اچھی طرح کر سکتے تھے، وہ سب اہل مکہ کو جمع کرتے، ان کی ضیافت اور تالیف قلب میں مشغول ہوتے اور سب کو کھلا پلا کر خطبہ دیتے کہ اے قریش تم لوگ رسولؐ کی مخالفت کیوں کر رہے ہو، وہ تنہا نہیں، میں بھی ان کا پیرو ہوں، جس طرح علیؑ نے دعوت عشیرہ کے موقع پر کہا تھا کہ یارسول اللہ جو کوئی آپ کا مقابلہ کریگا میں اس سے پورا انتقام لونگا اسی طرح میں کہتا ہوں کہ میں ہر طرح حضرتؐ کی حمایت کرونگا اور جو شخص رسولؐ پر حملہ کرے گا اس سے میں بھی جنگ کرونگا، میرے اعزہ بھی لڑیں گے اور میرے خاندان والے بھی پورا مقابلہ کریں گے، حضرت کے ربیب حارث بن ابی ہالہ کو تم لوگوں نے قتل کر ڈالا لیکن اب جو کوئی رسولؐ پر حملہ آور ہوگا درحقیقت وہ مجھ پر حملہ کرے گا جس طرح علیؑ ان کے لیے سینہ سپر ہیں میں بھی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ان کا ساتھ دونگا سمجھ لو کہ اس وقت سے رسول کے دو بازو ہو گئے، ایک علیؑ اور دوسرے میں، ہم دونوں مل کر ان کو بچائیں گے اب ان کی حفاظت کا پورا بوجھا کیلئے علیؑ پر نہیں رہے گا میں بھی اس میں شریک ہو گیا جس طرح علیؑ نے اپنے کو رسول کی رفاقت میں وقف کر دیا اور ہر وقت ان پر نثار ہوتے رہتے ہیں اسی طرح میں نے بھی عزم بالجزم کر لیا ہے کہ رسولؐ کی نصرت میں نہ اپنی جان کی پرواکروں گا، نہ اپنے اہل وعیال کی وجہ سے رکوں گا مگر افسوس کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت ابوبکر نے کچھ بھی کیا ہو، پھر ہم ان کی مدد کے بھروسے پر محمد مصطفیٰ کو ۴۰ رسال کی عمر سے پہلے کیونکر رسول بنا دیتے؟ بعد کے واقعات بھی سنتے چلو، عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلاء تھا خلیل بت شکن کی یادگار کعبہ تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی جن میں ہبل خدائے اعظم تھا یہی بت ہر قسم کے خیر وشر کے مالک تھے پانی برساتے تھے اور اولادیں دیتے تھے معرکہ ہائے جنگ میں فتحیں دلاتے تھے خدا یا تو سرے سے نہ تھا، یا تھا تو وجود معطل اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو دفعۃً برباد کر دینا تھا لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت واقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا، اس لئے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور ان میں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، اسی قدر مخالفت میں زیادہ سرگرم تھے، غرض جب آنحضرتؐ نے اعلان دعوت کیا اور بت

پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی قریش کے چند معززوں نے ابوطالب سے آکر شکایت کی (سیرۃ النبی صفحہ ۱۶۱)

تم اہل اسلام کتابوں میں اس اہم بات کو سرسری طور پر پڑھتے ہو اور گزر جاتے ہو حالانکہ اس شکایت سے تم لوگوں کو بہت مفید باتیں معلوم ہو سکتی ہیں، علیؑ تو رسولؐ کے ماتحت، ابوطالب کے فرزند، کمسن، سابق اسلام تھے، لیکن حضرت ابوبکر تو خود رسولؐ کے ماتحت تھے، دوم عمر بلکہ ۴۳، ۴۴ سال کے ذی اثر امیر تھے۔ دستور یہ ہے کہ جب کسی شخص سے کسی بات کی خواہش کی جاتی ہے تو اسکے ہم مذاق دوست یا ساتھی سے سفارش کرائی جاتی ہے کہ آپ ان سے کہئے، آپ ان کو راضی کر دیجئے، وہ آپ کی بات کا زیادہ خیال کریں گے وہ آپ کی فرمائش نہیں ٹالیں گے آپ ہی کے کہنے کا ان پر زیادہ اثر ہوگا اسی طرح اگر حضرت ابوبکر کو لوگ رسول کا ہم مذاق یا دوست یا ساتھی یا ہم مذہب سمجھتے تو پہلے کفار مکہ حضرت ابوبکر ہی سے کہتے کہ تم اپنے دوست محمدؐ کو سمجھاؤ، ہم لوگوں کا دکھ ان سے بیان کرو، ان کی وجہ سے ہم لوگوں کی زندگی خراب ہو رہی ہے، تمام مکہ والوں میں کھلبلی مچ گئی ہے وہ یہ کیا کر رہے ہیں، کیوں ہم لوگوں کو اپنا دشمن بناتے ہوئے ہیں غرض جو کچھ کہنا تھا حضرت ابوبکر ہی سے کہتے کیوں کہ قاعدے سے لوگوں کو یہی خیال ہونا چاہیئے تھا کہ حضرت ابوبکر مسلمان ہو گئے ہیں، محمدؐ کے دوست بھی ہیں ذی اثر بھی ہیں یہ اگر محمدؐ کو سمجھائیں گے تو ان پر بہت زور پڑے گا اور وہ ان کی بات بھی رد نہیں کر سکتے۔ لیکن ان کا نام کسی کے خیال تک میں نہ آنا چند باتیں ثابت کرتا ہے۔ (۱) یا تو حضرت ابوبکر مسلمان ہوئے نہیں تھے، اس وجہ سے اہل مکہ نے ان کو بھی اپنی ہی طرح رسول کا مخالف سمجھا۔ (۲) یا اگر مسلمان ہوئے تھے تو تقیہ میں زندگی بسر کرتے تھے، کسی سے بھی نہیں کہا تھا کہ میں بھی مسلمان ہو گیا ہوں اس وجہ سے ان سے سفارش کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ (۳) یا کفار مکہ سمجھتے تھے کہ حضرت ابوبکر اگرچہ مسلمان ہو گئے ہیں مگر ان کا اسلام برائے نام ہے اس میں کوئی جان ہے نہ رسول کی نظر میں اس کا کوئی وزن ہے اس وجہ سے ان کے ذریعہ پیغام بھیجنے میں ہم کو کچھ بھی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ (۴) یا کفار مکہ ان کو نہایت بزدل سمجھتے تھے کہ اگر ہم لوگ ان کے ذریعہ سے کوئی پیغام بھیجیں گے تو وہ پیغام بھی نہیں پہنچا سکیں گے اور ہم لوگوں کی پہلی کوشش رائیگاں جائے گی غرض ایسی ہی بہت وجہیں ہو سکتی ہیں جن کے سبب سے کسی ایک شخص نے بھی حضرت ابوبکر سے یہ نہیں کہا کہ محمدؐ کو سمجھا دیں کس قدر تعجب سے دیکھے جانے کی بات ہے کہ کہا تو جاتا ہے حضرت ابوبکر سب سے پہلے ایمان لائے مگر ان کے کسی عمل سے نہیں ثابت ہو سکتا کہ وہ اس وقت مسلمان ہوئے بھی ہوں، نہ ان کا کوئی کلام بتاتا ہے کہ وہ مسلمان ہوئے تھے اور نہ کوئی کام یہی ثابت کرتا ہے کہ وہ بھی علیؑ کی طرح شروع ہی سے اسلام کا کلمہ پڑھنے لگے ہوں۔

شروع کی نمازوں میں حضرت ابوبکر کا پتہ نہیں ملتا

اگر حضرت ابوبکر بھی شروع ہی میں اسلام لائے ہوتے تو رسول صلعم کی مدد علیحدہ رہی کم از کم رسولؐ کے ساتھ نماز جماعت میں تو کسی وقت دکھائی دیے ہوتے، مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر سے پہلے پچاس آدمی سے زیادہ لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔" یہ بھی وہی لوگ لکھ چکے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا میں خدا کا بندہ ہوں رسول کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں، میرے بعد سوائے کاذب مفتری کے کوئی بھی یہ لقب اختیار نہیں کریگا، میں نے رسول اللہ کے ساتھ لوگوں سے سات برس پہلے نماز پڑھی ہے[1] نیز ابن اثیر عفیف کندی سے ناقل ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم بذریعہ تجارت وارد مکہ ہوئے، زمانہ حج کا تھا ہم حضرت عباس کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک مرد مقابل کعبہ نماز پڑھنے لگا، اس کے پیچھے ایک لڑکے اور ایک عورت نے بھی اقتداء کی، میں نے حضرت عباس سے پوچھا یہ کیسا دین ہے؟ تو عباس نے کہا یہ محمد بن عبداللہ میرے بھتیجے ہیں جن کو گمان ہے کہ پیغمبر ہوئے ہیں اور قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کو ملیں گے، انکی زوجہ خدیجہ اور بھائی علی ابن ابی طالب نے ان کے دین کو قبول کیا ہے، قسم بخدا جہاں تک میں جانتا ہوں اس دین میں ان تینوں آدمیوں کا چوتھا شریک نہیں ہے، جریر طبری نے ان الفاظ کو اور زیادہ روایت کیا کہ جب عفیف مسلمان ہو گئے اور اسلام ان کے دل میں خوب راسخ ہو گیا تو وہ کہا کرتے تھے کہ

کاش میں ان تین شخصوں کے ساتھ چوتھا ہوتا، امام احمد بن حنبل نے عفیف کی زبان سے یہ الفاظ اور زیادہ کئے ہیں کہ اگر اس روز خدائے تعالیٰ مجھے اسلام نصیب کرتا تو میں جناب علیؑ سے دوسرے نمبر پر ہوتا، راوی کا بیان ہے کہ یہ قصہ جس میں حضرت عباس کی قسم مذکور ہے حج کے زمانہ یعنی ماہ ذی الحجہ کی کسی تاریخ کا ہے اور بعثت رجب یا رمضان میں ہوئی ہے یہاں یہ امر نہایت ہی قابل غور ہے جیسا کہ بعض مورخین فرنگ نے بھی مثل ڈیون پورٹ نے لکھا ہے کہ سب سے بڑی تصدیق آنحضرت کی صدق نیت اور حقیت مذہب کی یہ ہے کہ سب سے زیادہ راسخ الاعتقاد اور کامل الایمان اور سابق الاسلام حضرت کے گھر کے لوگ اور وہ لوگ ہوئے جو حضرت سے بہت گہرا تعلق رکھتے تھے اور حضرت کے تمام حالات سے بخوبی واقف تھے، اگر حضرت کی صداقت میں ذرا بھی کسی بات سے وہم یا شک پاتے تو ہرگز ایسے راسخ الاعتقاد نہ ہوتے کہ ان کی خاطر اپنی جانوں کو معرض خطر وہلاکت میں ڈالتے، یہ لوگ برابر حضرت کے ساتھ رہتے تھے ان کی حرکات و سکنات کے نگراں رہتے تھے خصوصاً انکی زوجہ خدیجہ اور ان کا عم زاد و پیارا بھائی حضرت کی رسالت کا اعتقاد کامل اور یقین واثق رکھتے تھے اور سب سے زیادہ سچے اور وفادار پیروان

---

[1] یہ روایت مناقب احمد بن حنبل، خصائص نسائی، مسند ابن ابی شیبہ، مسند ابن ابی عاصم، مستدرک حاکم اور حلیۃ الاولیا ابونعیم میں بھی درج ہے اور عقیلی نے بھی لکھی ہے اور طبرانی نے معجم کبیر میں عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا ہے اور یہی روایت حبۃ العرنی سے استیعاب میں درج ہے، صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ ہم کو ثبوت پہنچا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ میں نے پیغمبر خدا کے ساتھ اوروں سے سات برس پہلے نماز پڑھی ہے ۱۲۔

کے تھے اگر یہ لوگ ذرا سی علامت بھی دنیاداری یا کمزوری ورِیا و عدم ایمان کی اپنے پیغمبر میں پاتے تو آنحضرت کو جو تہذیب اخلاق اور اصلاح بنی آدم کی امید میں تھیں وہ سب دم بھر میں خاک میں مل جاتیں، انہوں نے آپ کی خاطر کیا کیا مصائب وصدمات اٹھائے" (تاریخ اسلام جلد ۲، صفحہ ۲۵) دیکھو یہ خدیجہ اور علی کی نماز جماعت میں شریک ہوتے رہنے کا کتنا واضح ثبوت ہے، کیا کوئی روایت بھی ایسی مل سکتی ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ حضرت ابوبکر بھی اسلام کے پہلے سال میں ہمارے رسول کے ساتھ نماز میں شریک ہوتے ہوں؟ جب وہ رسول کے ساتھ نماز میں دکھائی نہیں دیتے تو ہم تائید کی امید پر اپنے حبیب کو رسول کیونکر مقرر کر دیتے؟ کہنا بہت آسان ہوتا ہے مگر کرنا بہت مشکل ہے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا!

قریش کا دوبارہ ابوطالب ؑ کے پاس آنا

غرض کفار مکہ نے حضرت ابوبکر کو کوئی چیز نہیں سمجھا اس وجہ سے ان کی طرف رخ بھی نہیں کیا اور ہمارے رسول کی شکایت کے لئے وہیں آئے جہاں حضرت کے سچے ہمدرد و حقیقی حامی موجود تھے، کفار مکہ کو ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آنحضرت ادائے فرض سے باز نہ آ سکتے تھے اس لئے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی، اس میں تمام رؤسائے قریش عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابوسفیان، عاص بن ہشام، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ شریک تھے، ان لوگوں نے ابوطالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتا ہے، ہم کو احمق ٹھہراتا ہے اس لئے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے، ابوطالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے قریش اب تحمل نہیں کر سکتے اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا، آنحضرت سے مختصر سے لفظوں میں کہا کہ جان عم! مجھ پر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں، رسول کے ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے ابوطالب تھے آنحضرت نے دیکھا کہ اب ان کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے، آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا خدا یا اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا، آپ کی پر اثر آواز نے ابوطالب کو سخت متاثر کیا رسول سے کہا جا کوئی شخص تیرا بال بانکا نہیں کر سکتا" (سیرۃ النبی صفحہ ۱۲۲) اس واقعہ نے حضرت ابوبکر کا درجہ اور گھٹا دیا جب قریش ابوطالب کے پاس آئے اور رسول کی شکایت کی مگر ابوطالب نے ان کی شکایت رفع نہیں کی تو قریش ضرور سمجھ گئے ہوں گے کہ اب ابو طالب سے کہنا بیکار ہے ایک دفعہ کہہ کر دیکھ لیا من جرب المجرب حلت به الندامة (جو شخص آزمائے ہوئے کو آزماتا ہے

اسکوندامت ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے) اب کوئی دوسرا دروازہ دیکھنا چاہیئے کسی اور کی تلاش کرنی چاہیئے، کسی اور ذریعہ سے محمد پر دباؤ دینے کی ضرورت ہے اور ان مکہ والوں کو زیادہ کوشش کی بھی ضرورت نہیں تھی، اگر حضرت ابوبکر واقعاً اس وقت مسلمان ہو چکے ہوتے اور لوگوں کو ان کے اسلام کا علم بھی ہو چکا تھا، اور واقعاً وہ مکہ میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے سرداران قریش ان سے گفتگو کرنی اپنی شان کے خلاف بھی نہیں سمجھتے تھے کفار مکہ پر انکا اثر بھی تھا تو بہت آسانی سے وہ ابوطالب کو چھوڑ کر اب سیدھے حضرت ابوبکر ہی کے پاس پہنچتے اور ان کی خوشامدیں کرتے کہ بھائی یہ کیسی مصیبت ہم لوگوں پر آن پڑی ہے، تم ان کے بھی دوست ہو ہمارے تمہارے تعلقات بھی خوشگوار ہیں، ان کی نظر میں بھی تمہاری عزت ہے ہم لوگ بھی تم کو معزز ہی جانتے ہیں تم ان کو سمجھاؤ کہ اپنی اس نرالی بات سے باز آئیں، ہم لوگ اک دفعہ ان کے چچا ابوطالب کے پاس ان کی شکایت لے کر گئے مگر انہوں نے ہم لوگوں کے موافق کوئی بات نہیں کی اور ان کے فرزند علی بھی بالکل انہیں کے رسوخ میں ہیں ،غرض محمد، علی اور ابوطالب بالکل ایک ہو رہے ہیں اس وجہ سے کوئی شخص بھی دوسرے کو سمجھانے پر آمادہ نہیں ہے، اس سبب سے اب ہم لوگ تمہارے پاس آئے ہیں تم ان کے خاندان کے نہیں ہو، تم پر محمد کا کوئی دباؤ نہیں ہے تم کو ان سے کسی بات کا خوف نہیں ہے تم بے دھڑک ان سے ہم لوگوں کا پورا پیغام کہہ سکتے ہو، اور جس طرح ہم لوگ سمجھاتے ہیں ان کی فہمائش کر سکتے ہو، ہم تم سے یہ نہیں کہتے کہ ان کا ساتھ چھوڑ دو، بلکہ صرف یہ کہ ان کو راضی کر دو ہم لوگوں کے مطالبات مان لیں، ہم لوگوں کی شکایتیں رفع کر دیں اور اس جھگڑے کو ختم کر دیں، لیکن کفار مکہ کا ناامید ہونے کے بعد بھی ابوطالب ہی کے پاس آنا انہیں سے درخواست کرنی انہیں پر زور دینا ثابت کرتا ہے کہ سب یہ سمجھتے تھے حضرت ابوبکر کوئی چیز نہیں ہیں یہ رسول کے دوست بھی نہیں ہیں، ان کی کسی بات کا اثر بھی رسول پر نہیں ہو سکتا اور ہم لوگوں کا کام ان سے نہیں نکل سکتا۔

مدد کرنے کے عوض حضرت ابوبکر کا رونا

بہت سے مورخین نے ابتداء اسلام کا ایک واقعہ لکھا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص موقع پیش آ بھی گیا اور حضرت ابوبکر اس میں مجبوراً مبتلاء ہو بھی گئے تو حضرت رسول کی کوئی مدد نہیں کر سکے۔" تاریخ خمیس وطبری میں ہے، ایک دفعہ کفار مکہ خانہ کعبہ میں بیٹھے آنحضرت کا ذکر کر رہے تھے کہ یہ شخص کھلے خزانے ہم کو اور ہمارے بزرگوں کو برا کہتا ہے، کوئی بندوبست ضرور کرنا چاہیئے، اتنے میں آنحضرت آپہنچے اور طواف کعبہ میں مشغول ہوئے، کفار آوازے کسنے لگے اور تعرض کے ساتھ پیش آئے دو مرتبہ حضرت کچھ نہ بولے تیسری مرتبہ آنحضرت کو جلال آیا فرمایا یا قریش تم سنتے نہیں؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے میں تم کو ذبح کرنے آیا ہوں۔ حضرت کی اس گفتگو سے دلوں میں کچھ ایسی ہیبت چھا گئی کہ وہ لوگ

خوشامد کرنے لگے اور معافی کی درخواست کی، دوسرے دن آنحضرت نے اپنی جرأت پر ماست کیا اور پھر ایک دل ہو کر خانہ کعبہ میں آنحضرت سے بے ادبی کی، عقبہ بن ابی معیط گلوبند چادر گلے میں ڈال کر گلا گھونٹنے لگا، روایت تاریخ الخمیس و روضۃ الاحباب حضرت ابوبکر رونے لگے اور آگے بڑھ کر کہنے لگے کیا اس شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانیاں لایا ہے اس پر مشرکین نے آنحضرت کو تو چھوڑ دیا اور حضرت ابوبکر کی ڈاڑھی پکڑ کر اتنا مارا کہ ان کا سر پھٹ گیا۔" (تاریخ اسلام جلد ۲ صفحہ ۲۸) تم لوگ جو یہ پوچھتے ہو کہ اے خدا تو نے رسول کو ۴۰ سال کے عمر کے پہلے ہی پیغمبر کیوں نہیں بنا دیا، خود ہی بتاؤ اگر علی کے پیدا ہونے اور مدد کے قابل عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی ہم محمدؐ کو رسول بنا دیتے تو کون ان کی مدد کرتا؟ کیا حضرت ابوبکر کر سکتے جن کا حال تم نے ابھی سنا؟ اور مؤرخین نے لکھا ہے۔ "جناب حمزہ بن عبدالمطلب اسی روز مسلمان ہوئے جس روز حضرت ابوبکر پیٹے گئے تھے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت رسول خدا کے اصحاب جب اکٹھے ہو گئے اور وہ سب تعداد میں ۳۹ شخص تھے تو حضرت ابوبکر نے حضرت رسولؐ خدا سے اصرار کرنا شروع کیا کہ ہم لوگوں کو اب ظاہر ہو جانا چاہیئے مگر آنحضرت فرماتے تھے اے ابوبکر! ابھی ہم لوگ بہت کم ہیں، لیکن حضرت ابوبکر کی ضد بڑھتی ہی گئی، یہاں تک کہ حضرت رسولؐ خدا خانہ کعبہ میں ظاہر ہو گئے، اس وقت حضرت ابوبکر کھڑے ہو کر لوگوں کے سامنے خطبہ بیان کرنے لگے اور حضرت رسول اسی جگہ بیٹھے ہوئے تھے، خطبہ بیان کر کے خدا و رسولؐ کی طرف لوگوں کو بلانے میں حضرت ابوبکر پہلے شخص تھے، یہ دیکھ کر کفار مکہ حضرت ابوبکر اور دوسرے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور مسجد کے اطراف ان لوگوں کو مارنے لگے، بہت سخت مار ماری اور حضرت ابوبکر تو پاؤں اور لاتوں سے روندڈالے گئے اور ان کو لوگوں نے بہت سختی سے مارا اور بد معاش عتبہ بن ربیعہ حضرت ابوبکر کے پاس جا کر آپ کو پیوند لگی ہوئی "جوتیوں" سے مارنے لگا اور ان دونوں جوتیوں کو وہ آپ کے منہ پر الٹ پلٹ کرتا جاتا تھا، اس کا اثر آپ کے چہرے پر اس درجہ ہو گیا کہ آپ کے چہرے پر آپ کی ناک کا پتہ نہیں ملتا تھا، یہ سن کر آپ کے خاندان تیم والے بگڑے ہوئے اس جگہ آئے اور حضرت ابوبکر کے پاس سے کفار مکہ کو ہٹایا اور ایک کپڑے میں ان کو لپیٹ کر اٹھا کر لے گئے یہاں تک کہ آپ کو آپ کے گھر کے اندر داخل کر دیا اور ان لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اس مار سے ابوبکر بچے نہیں بلکہ مر گئے ہیں، گویا وہ لوگ اپنے خیال میں ان کا جنازہ اٹھا لے گئے (تاریخ خمیس مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۳۲۳) کیا انہیں حضرت ابوبکر کی حمایت، حمایۂ دبدبہ صولت بیان شاری اور شجاعت کی امید پر کہا ہے کہ حبیب کو علی کی پیدائش سے پہلے رسولؐ بنا دیتے؟

حضرت حمزہ کی حمایت رسولؐ

خود خاندان بنوہاشم میں حضرت ابوبکر سے زیادہ ذی اثر، بارعب، بہادر اور رسول کی مدد کرنے والے لوگ موجود تھے

جیسے حمزہ بن عبدالمطلب جو رسولؐ کے چچا تھے انکا واقعہ بھی حضرت ابوبکر کے واقعہ سے ملتا جلتا ہے مگر ان کا وہ حال نہیں ہوا ،مورخین نے لکھا ہے حضرت رسول خدا صفا کے پاس بیٹھے تھے، وہاں سے ابوجہل گزرا اس نے حضرت رسول کو گالی دی ،اذیت پہنچائی اور حضرت کے مذہب کو برا کہا مگر حضرت نے اس کو کچھ جواب نہیں دیا، اتنے میں حضرت رسولؐ خدا کے چچا جناب حمزہ اس طرف سے گزرے، آپ کو خبر ہوگئی کہ ابوجہل نے یہ بے ادبی کی ہے تو آپ دوڑے ہوئے ابوجہل کے پاس پہنچے اور اور اپنی کمان سے اس کے سر پر اس طرح مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا، اس پر بنو مخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی مدد کو کھڑے ہوگئے لیکن خود اس نے کہا کہ جناب حمزہ کو چھوڑ دو، میں نے ہی ان کے بھتیجے کو برا کہا تھا پھر فوراً جناب حمزہ مسلمان ہوگئے جس سے قریش کو معلوم ہوگیا کہ اب رسول اللہ اور بھی مضبوط ہوگئے، آپ کے دین کو استحکام ہوگیا اور جناب حمزہ بھی آپ کی حمایت کریں گے جن کی وجہ سے رسولؐ سے ان کی بے ادبی اور گستاخی کم ہوگئی" (تاریخ خمیس جلد ا رصفحہ ۳۳۱) قابل غور یہ امر ہے کہ تقریباً ایک ہی زمانے کے دونوں واقعے ہیں، حضرت ابوبکر صرف کچھ خطبہ بیان کرنے پر آمادہ ہوئے تھے مگر اس قدر پیٹے گئے کہ لوگوں کو ان کی موت میں شک باقی نہیں رہا اور جناب حمزہ خود قریش کے معزز سردار کے سر کو زخمی کردیتے ہیں لیکن کوئی شخص ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکا، اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ قریش کو یقین ہوگیا کہ حضرت حمزہ کے اسلام سے جناب رسول کی قوت بڑھ گئی اور آپ کا دین مستحکم ہوگیا مگر کسی ذریعہ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت ابوبکر کے اسلام سے بھی قریش نے سمجھا ہو کہ حضرت رسول خدا کی قوت میں کچھ اضافہ ہوا اور غالباً اس کی وجہ یہی ہو کہ حضرت حمزہ قریش کے معزز ترین قبیلہ سے تھے اور حضرت ابوبکر معمولی قبیلہ سے بھی تھے اور آپ میں حمایت رسول کا کوئی جوش بھی نظر نہیں آیا۔

باوجود اس کے ہم نے حمزہ کی امید پر بھی علیؑ کی پیدائش سے پہلے اپنے حبیب کو رسول نہیں بنایا کیونکہ ہم کو پورا علم تھا کہ بغیر علی کے شریک ہوئے اسلام کی گاڑی چل ہی نہیں سکے گی۔

حضرت ابوبکر نے رسول کی حمایت میں مال کیوں نہیں خرچ کیا

ایک بہت بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے پاس مال تھا اور وہ رسول اسلام کی حمایت میں اس کو خرچ کرتے تھے۔تو انہوں نے اسی کے ذریعہ کفار کی اذیتوں کو کیوں نہیں روکا؟ مورخین نے لکھا ہے۔" آنحضرت کے ساتھ مخالفین جس بے رحمی سے پیش آتے تھے بیگانوں سے بھی دیکھانہ جاسکتا تھا۔" (سیرۃ النبی صفحہ ۱۲۳) جسمانی طور پر تو حضرت ابوبکر مخالفین کی بے رحمی روکنے پر قادر نہیں ہوئے مگر کیا انہیں نے اپنے مال کے زور سے بھی ان بے رحمیوں کے دور کرنے کی کوشش کبھی کی ؟مشہور زر برسر فولاد نہی نرم شود، روپیہ وہ چیز ہے کہ اگر لوہے کے سر پر بھی رکھ دیا جائے تو وہ نرم ہوجائیگا۔

اے بزرگی تو خدا کی دیکن جھرا ستار محبوب و قاضی الحاجاتؐ

حضرت ابوبکر بھی زیادہ نہیں حضرت سے کہ صرف دس بیس دشمنوں کو جو مالی حیثیت سے کمزور تھے صرف سو سو درہم دے کر ان کی زبان بندی کر سکتے تھے، ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے ان میں صرف ایک ہزار درہم ہی تو خرچ ہو جاتے ممکن ہے اس سے حضرت کے مخالفین کی ایذائیں کم ہو جاتیں یا ان کی بے ادبیوں میں تخفیف ہو جاتی لیکن حضرت ابوبکر نے یہ بھی تو نہیں کیا ورنہ محدثین اس کو بڑی دھوم سے اچھالتے اور اس کی روایت کا نہایت شاندار جلوس نکالتے۔

شعب ابی طالب

اور آگے چلو دیکھو کہ اب حضرت ابوبکر اسلام کے کس کام آتے ہیں مورخین نے لکھا ہے "محرم ۷ نبوی شعب ابی طالب میں محصور ہونا، قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے، عمر اور حمزہ جیسے لوگ ایمان لا چکے، نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی سفراء بے نیل و مرام واپس آئے، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اس لئے اب یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرتؐ اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص خاندان بنی ہاشم سے قرابت کرے گا، نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا نہ ان سے ملے گا، نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا، جب تک وہ محمدؐ کو قتل کے لئے حوالے نہ کر دیں، اس معاہدہ کا ذکر طبری نے اور ابن سعد وغیرہ نے تفصیل سے کیا ہے لیکن یہ الفاظ کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کے لئے حوالہ کر دیں صرف مواہب لدنیہ میں مذکور ہے۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور در کعبہ پر آویزاں کیا گیا، ابوطالب مجبور ہو کر تمام خاندان بنی ہاشم کے ساتھ شعب ابوطالب میں پناہ گزین ہوئے، یہ ایک پہاڑ کا درہ تھا جو خاندان بنی ہاشم کا موروثی تھا تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی، یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے، حدیثوں میں جو صحابہ کی زبان سے مذکور ہے کہ ہم طلح کی پتیاں کھا کھا کر بسر کرتے تھے یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے، چنانچہ سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے حضرت سعد بن وقاص کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آ گیا، میں نے اس کو پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا، روض الانف، ابن سعد نے روایت کی ہے کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے لیکن بعض رحم دلوں کو ترس بھی آتا تھا ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہ کا بھتیجا تھا تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہ کے پاس بھیجے، راہ میں ابوجہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا، اتفاق سے ابو البختری کہیں سے آ گیا وہ اگرچہ کافر تھا لیکن اس کو رحم آیا اور کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کے لئے بھیجتا ہے تو کیوں روکتا ہے؟ حاصل تین برس تک آنحضرت اور تمام آل ہاشم نے یہ

مصیبتیں جھیلیں، بالآخر دشمنوں ہی کو رحم آیا اور خود انہیں کی طرف سے معاہدے کے توڑنے کی تحریک ہوئی، ہشام مخزومی خاندان بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ میں ممتاز تھا، وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ وغیرہ بھیجتا رہتا تھا، ایک دن وہ زبیر کے پاس جو عبدالمطلب کے نواسے تھے گیا اور کہا کیوں زبیر! تم کو یہ پسند ہے تم کھاؤ، پیو ہر قسم کا لطف اٹھاؤ، اور تمہارے ماموں کو ایک دانہ تک نصیب نہ ہو، زبیر نے کہا کیا کروں؟ تنہا ہوں ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو میں ظالمانہ معاہدے کو پھاڑ کر پھینک دوں ہشام نے کہا میں موجود ہوں، دونوں مل کر مطعم بن عدی کے پاس گئے، بختری، ابن ہشام، زمعہ بن الاسود نے بھی ساتھ دیا، دوسرے دن سب مل کر حرم میں گئے۔ زبیر نے سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا اے اہل مکہ! یہ کیا انصاف ہے! ہم لوگ آرام سے بسر کریں اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو، خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا میں باز نہ آؤں گا۔ ابو جہل برابر سے بولا ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا زمعہ نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے، جب یہ لکھا گیا تھا اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے، غرض مطعم نے ہاتھ بڑھا کر دستاویز چاک کر دی، مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن الاسود، ابوالبختری، زبیر سب ہتھیار باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے اور ان کو درہ سے نکال لائے، یہ تفصیل ابن ہشام، طبری وغیرہ میں مذکور ہے، اخیر واقعہ صرف ابن سعد نے بیان کیا ہے بقول ابن سعد یہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے۔" سیرۃ النبی مولفہ مولوی شبلی صاحب جلد ۱ر صفحہ ۱۸۰ر اس کے پہلے یہ عبارتیں بھی اسی سیرۃ النبی میں لکھ چکے ہیں" ارباب روایت کا بیان ہے کبار صحابہ میں سے حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن وقاص فاتح ایران حضرت طلحہ سب انہیں (حضرت ابوبکر) کی ترغیب اور ہدایت سے اسلام لائے۔" (سیرۃ النبی صفحہ ۱۵۰ر) حضرت عمر کا ستائیسواں سال تھا بے اختیار پکار اٹھے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں اور یہ کہ محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں، حضرت عمر کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا، (سیرۃ النبی صفحہ ۱۶۶ر)

تمام اہل اسلام ان عبارتوں کو پھر پڑھیں۔ اچھی طرح پڑھ لیں، خوب غور کر کے یاد کر لیں اس کے بعد ہم جو کہتے ہیں دل لگا کر سنیں، جو نتائج ان واقعات سے پیدا ہوتے ہیں ان سے اپنی آنکھیں نہ بند کریں، اوپر کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر تو پہلے ہی سے مسلمان ہو چکے تھے حضرت عثمان بھی شروع ہی میں اسلام کا اعلان کر چکے تھے، اور ۶ نبوی میں حضرت عمر بھی مسلمان ہو گئے تھے، غرض ہمارے رسول کے شعب ابوطالب میں محصور ہونے سے پہلے تینوں حضرات اسلام میں داخل ہو چکے تھے، اس میں تو کسی مسلمان کو عذر نہیں ہو سکتا؟ یہ تو کوئی اسلام کا پیرو نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت یہ لوگ دین اسلام میں داخل ہی نہیں ہوئے تھے؟ جب یہ تسلیم شدہ ہے کہ حضرت ابوبکر حضرت عثمان اور حضرت عمر مسلمان ہو چکے تھے اور ان لوگوں کے اسلام ظاہر کر دینے کے بعد رسول شعب ابوطالب میں محصور ہو گئے تو یہ سوال قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے رسول کی کیا مدد کی؟ اپنے

پیشوا کی کون سی حمایت کی؟ اپنے ہادی کے کس کام آئے؟ اپنی طاقت، شوکت، دبدبہ، اثر، بہر دلعزیزی، رسوخ، مال، دولت، عزت، وجاہت سے رسول کو کیا فائدہ پہنچایا؟ ہمارے رسول اس وقت کتنی بڑی مصیبت میں مبتلا تھے اسی مصیبت میں علی بھی تھے اسی مصیبت میں خدیجہ بھی تھیں، اسی میں سب کے بزرگ اور گھر بھر کے سردار ابوطالب بھی تھے یہ لوگ آپس میں تو ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتے تھے دعلی ہی رسول سے اس مصیبت کو دفع کر سکتے تھے، کیونکہ جس طرح تمام کفار مکہ رسول کے دشمن تھے علی کے بھی تھے علی رسول سے الگ نہیں تھے، ان کا گھر دوسرا نہیں تھا۔ ان کا خاندان غیر نہیں تھا، اسی طرح خدیجہ بھی رسول کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھیں کیونکہ وہ تو رسول کی بی بی ہی تھیں، لوگوں کی جو عداوت رسول سے تھی بالکل وہی علی اور خدیجہ سے بھی تھی، اور جس طرح سب نے مل کر رسول کو ہلاک کر ڈالنا چاہا تھا اسی طرح ان کے ساتھ علی اور خدیجہ کو بھی ختم کر دینے کی ٹھان لی تھی، ابوطالب بھی رسول کے چچا بلکہ گویا باپ تھے، وہ بھی اسی حکم میں تھے اس سبب سے یہ چاروں ذاتیں کفار مکہ کے مظالم کا تختۂ مشق تھیں، چاروں کو اہل مکہ مٹا دینا چاہتے تھے، لیکن جو لوگ اس حلقے سے باہر تھے ان کو موقع تھا کہ ان لوگوں کی مدد کرتے اور ان کو شعب ابوطالب میں محصور نہیں ہونے دیتے تو بتاؤ ان لوگوں نے کیا کیا؟ حضرت ابوبکر نے کون مدد کی؟ حضرت عمر نے کون حمایت کی؟ اور حضرت عثمان نے کون مدد کی؟ واقعات پر سے سرسری طور پر گزر جانے سے ایمان کے اسرار نہیں معلوم ہو سکتے، سطحی نظر سے دیکھ لینے سے رموز معرفت نہیں حاصل ہو سکتے اس کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دینے سے ہدایت کی باریکیاں ذہن میں نہیں آ سکتیں یہ اسلام کے ابتدائی واقعات ہیں، اسلام کی عمارت کھڑی ہو رہی ہے اسلام کی بنیادیں مستحکم کی جا رہی ہیں، خوب غور سے دیکھو کہ اس عمارت کے مضبوط کرنے میں کون لوگ رسول کا ہاتھ بٹا رہے ہیں اور کون لوگ اس کو ڈھا دینا چاہتے ہیں، کون لوگ بنانے والوں کی طرف ہیں اور کون حضرات منہدم کرنے والوں کی چادر میں منہ چھپائے ہوئے ہیں، کون لوگ دل سے چاہتے ہیں کہ یہ عمارت کھڑی ہو جائے اور کون اصحاب دل سے آرزو کر رہے ہیں کہ کسی طرح یہ زمین پر آ رہے، پھر سیرۃ النبی کی جو عبارت اوپر نقل کی گئی ہے اس کے ایک ایک جملے پر غور کرو تو تم لوگوں کی ہدایت کے سینکڑوں دروازے کھلتے جائیں گے ایک اس جملہ کو لو "تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص خاندان بنی ہاشم سے دو قرابت کرے گا نہ" اس سے یہ بات معلوم ہوتی کہ خاندان بنی ہاشم ایک طرف تھا اور باقی تمام قبائل دوسری طرف تھے تمام قبائل محاصرہ کرنے والے تھے اور صرف بنی ہاشم محصور کئے گئے! اب بتاؤ حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کیا خاندان بنی ہاشم میں داخل تھے؟ ایسا تو ہے نہیں، بلکہ یہ تینوں حضرات دوسرے قبیلے کے تھے حضرت ابوبکر قبیلہ تیم کے تھے حضرت عمر قبیلہ عدی کے اور حضرت عثمان قبیلہ بنی امیہ کے، تمام قبائل میں ان تینوں قبیلوں نے بھی خاندان بنی ہاشم کا محاصرہ کیا معاہدہ مرتب کیا اس پر دستخط کئے اور اس پر پورا پورا عمل بھی کیا! ان تینوں

حضرات نے اپنے قبیلہ والوں کو کیا اس سے روکا؟ کیا ان کو الگ رکھا؟ یا کم از کم ان کو سمجھایا؟ ان پر اپنی علیحدگی ظاہر کی؟ تینوں صاحب اپنے خاندان میں صاحب وجاہت بھی تھے، ذی اثر بھی تھے، طاقتور بھی تھے اور کافی عمر کو پہنچ بھی چکے تھے حضرت ابوبکر ۴۵ رسال کے تھے حضرت عمر ۳۴ رسال کے تھے اور حضرت عثمان ۴۱ رسال کے تینوں پوتے نواسے رکھنے والوں کی عمر کو پہنچ چکے تھے، اگر چاہتے تو اپنے اپنے قبیلے کو اس ظلم سے روک دیتے، یا کم از کم روکنے کی کوشش ضرور کر سکتے تھے لیکن تمام کتب حدیث وسیرت وتاریخ کی پوری ورق گردانی کر جاؤ، دیکھو کسی روایت یا کتاب میں بھی یہ مضمون ملتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے یہ کوشش کی، حضرت عمر نے یہ سعی فرمائی، حضرت عثمان نے یہ جدوجہد کی اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو بتاؤ کیوں؟ ان لوگوں کے خاموش رہنے کی کوئی وجہ تمہاری سمجھ میں آتی ہے؟ اوپر تم سیرۃ النبی کی یہ عبارت پڑھ چکے ہو کہ حضرت ابوبکر دولتمند، ماہر انساب ،صاحب الرائے اور فیاض تھے ان اوصاف کی وجہ سے مکہ میں ان کا عام اثر تھا اور معززین شہر ان سے ہر بات میں مشورہ لیتے تھے" (سیرۃ النبی صفحہ ۱۵۰)۔ اب غور کرو جب مکہ میں ان کا عام اثر تھا تو انہوں نے رسول کو محاصرہ میں پڑنے سے پہلے کیا کیا ؟ اپنے عام اثر کو کس طرح کام میں لائے؟ رسول کو کیا نفع پہنچایا؟ اسلام کے کیا کام آئے؟ بعد کا جملہ تو ان کے لئے بہت تردد خیز ہوگیا ہے کہ "معززین شہر ان سے ہر بات میں مشورہ لیتے تھے؟ جب وہ ہر بات میں مشورہ لیتے تھے تو رسول کے محصور کرنے کے لئے بھی ضرور مشورہ لیا ہوگا، تو حضرت ابوبکر نے ان لوگوں کو کیا مشورہ دیا؟ اگر فرض کر لیا جائے کہ خاص اس مسئلہ میں کسی نے ان سے جا کر مشورہ نہیں لیا تو نتیجہ اور سخت ہو جاتا ہے پھر حضرت ابوبکر کو ان معززین کے پاس خود پہنچنا چاہیے تھا جا کر کہتے کہ بھائی تم لوگ تو ہمیشہ مجھ سے ہر بات میں مشورہ لیتے تھے کوئی بات میرے مشورے کے بغیر کرتے ہی نہیں تھے، پھر اس وقت بھی کیوں مشورہ نہیں لیا؟ خیر اگر تم لوگوں نے مجھ کو نہیں پوچھا تو میں خود تم لوگوں کے پاس آیا ہوں اور سمجھاتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہ کرو یہ انسانیت کے خلاف فعل ہوگا یہ آدمیت کے منافی برتاؤ ہے، کسی جانور کو بھی بند کر کے اس کا دانہ پانی روک نہیں دیتے، پھر یہ لوگ تو آدمی ہیں قریش سے ہیں، تمہارے ہم وطن ہیں، تمہارے عزیز ہیں، صرف ایک نیا مذہب پیش کر رہے ہیں مگر اس میں کسی کو ستاتے نہیں، کسی کو دکھ نہیں دیتے، کسی کو مجبور نہیں کرتے کوئی زور نہیں صرف کرتے، تم کو انکی باتیں پسند نہیں ہیں تو نہ مانو، یا نہ سنو لیکن ان کے ساتھ سختی کیوں کرتے ہو؟ ان پر ظلم کے پہاڑ کیوں گراتے ہو؟ سن رکھو اگر تم لوگ ان کے ساتھ ایسا سلوک کرو گے تو میں علانیہ مخالفت کروں گا۔ کھلم کھلا ان لوگوں کا ساتھ دوں گا، پھر کبھی تم لوگوں کو کوئی مشورہ نہیں دونگا، تم لوگوں کی کوئی بات نہیں سنوں گا۔ تم لوگوں کے کسی کام میں شریک نہیں ہوں گا، مجھ سے اور تم لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں رہے گا، تم لوگوں کے ساتھ رہنا سہنا اٹھنا بیٹھنا سب ترک کر دوں گا، میں اس ظلم کو کسی طرح پسند نہیں کر سکتا، میں تم لوگوں کی اس درندگی کو کسی طرح گوارہ نہیں کر سکتا۔ لیکن حضرت ابوبکر نے

کیا کیا؟ کبھی بھی تم لوگوں نے سنا کہ انہوں نے اپنی زبان بھی ہلائی ہو؟ اپنے چہرے سے بھی اپنے رنج و ملال کا اظہار کیا ہو، ان لوگوں کے ہاں آمد و رفت بھی بند کی ہو؟

اب حضرت عمر کو لو، ان کو تو تم لوگ بڑا، دلیر بڑا رعب داب اور صاحب حشمت و جلال مانتے ہو، ان کا خاندان بھی معزز ہی بتایا جاتا ہے وہ اس محاصرے سے پہلے اسلام کا کلمہ بھی پڑھ چکے تھے تم لوگ یہ بھی کہتے ہو کہ ان کے مسلمان ہو جانے پر "آنحضرت نے بیساختہ اللہ اکبر پکارا تھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں، حضرت عمر کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا، اس وقت تک اگر چہ چالیس پچاس آدمی اسلام لا چکے تھے عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا حضرت عمر کے اسلام کے ساتھ دفعتہً یہ حالت بدل گئی، انہوں نے علانیہ اسلام ظاہر کیا کافروں نے اول اول بڑی شدت کی لیکن وہ ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبداللہ بن مسعود کی زبانی ان الفاظ میں روایت کیا "جب عمر اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہاں تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور ان کے ساتھ ہم لوگوں نے بھی پڑھی، صحیح بخاری میں ہے کہ جب عمر اسلام لائے تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اتفاق سے عاص بن وائل آ نکلا اس نے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ لوگوں نے کہا عمر مرتد ہو گئے عاص بن وائل نے کہا اچھا تو کیا ہوا، میں نے عمر کو پناہ دی یہ سن کر لوگ ہٹ گئے" (سیرۃ النبی صفحہ ۱۶) اگر یہ باتیں سچی ہیں تو حضرت عمر کے اسلام سے رسول کا دل بہت مضبوط ہو گیا ہوگا، پھر رسول کے محصور ہونے کے وقت انہوں نے کیا کیا؟ کون سی مدد کی؟ کون سی نصرت کی؟ کس قسم کی تائید کی؟ کس طرح کی حمایت کی؟ ان کا قبیلہ بنی عدی بھی تمام قبائل کے ساتھ یہ ظالمانہ معاہدہ مرتب کر رہا تھا تو حضرت عمر نے اس کو روکا یا نہیں؟ اگر روکا تو کیا نتیجہ ہوا اور ان کے کس قول سے سمجھا جائے کہ انہوں نے روکا، اگر نہیں روکا تو کیوں؟ انہوں نے تمام قبائل کے سمجھانے کی کیا کوششیں کیں؟ تمام قبائل کو ان کے ارادوں سے باز رکھنے کی کیا تدبیریں کیں؟ اگر نہیں کیں تو کیوں؟ اگر کیں تو ان کا ذکر کس کتاب میں ہے؟

مسلمانو! ہم تمہارے بھائی ہیں، ہم پر غصہ نہ کرو ہم پر خشمناک نہ ہو، ہماری شکایت نہ کرو، ہم تمہارے نفع ہی کی باتیں کہیں گے، اچھی طرح غور کر کے بتاؤ ایسے موقع پر حضرت عمر کے خاموش رہنے سے اسلام کا نقصان ہوا یا نہیں؟ رسول کا رنج بڑھا یا نہیں؟ وہ اگر للکار کر تمام قبائل عرب کو ڈانٹتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا؟ کم از کم یہ تو معلوم ہوتا رسول کی طرف سے کوئی بولنے والا موجود ہے۔ رسول بے یار و مددگار نہیں ہیں رسول بے حامی و انصار نہیں ہیں تم لوگ کہتے ہو کہ ان کے مسلمان ہونے سے آنحضرت

بے ساختہ پکار اٹھے اللہ اکبر اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں ،بالکل اسی طرح پھر حضرت عمر حضرت رسولؐ خدا کے پاس تشریف لے جاتے اور کہتے یا حضرت آج میں آپ کی مدد کے لئے آیا ہوں، آپ کو کسی طرح محصور نہیں ہونے دوں گا جس روز میں اسلام لایا تھا آپ بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے تھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر اللہ اکبر کا نعرہ مارا تھا، یا حضرت آج بھی آپ زور سے اللہ اکبر پکار اٹھیں اور تمام صحابہ بھی مل کر اللہ اکبر کا نعرہ ماریں تاکہ آج پھر مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں اس روز تو ایک ہی دفعہ اللہ اکبر کا نعرہ مارنے سے مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھی تھیں، آج ہم سب مل کر صبح سے شام تک اللہ اکبر کا نعرہ مارتے ہیں تاکہ مکہ کی تمام پہاڑیوں میں زلزلہ پڑ جائے، وہ سب ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اگر ٹکڑے ٹکڑے نہ ہوں تو ان سب کے گونج اٹھنے سے ہم کفار مکہ کی زندگی کو تلخ کر دیں گے، اگر اس روز آپ حضرات نے ایک دفعہ اللہ اکبر کا نعرہ مارا تھا تو آج ہر ۴؍ سکنڈ پر یہ نعرہ ماریں اس طرح ایک ایک منٹ میں پندرہ پندرہ نعرہ ماریں جو ہر گھنٹہ میں ۹۰۰؍ نعرے ہو جائیں گے، جب ایک نعرہ مارنے سے مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھی تھیں تو اب ہر گھنٹہ میں ۹۰۰؍ نعرے مارنے سے مکہ کے ہر گھر میں لاشوں کے ڈھیر لگ جائیں گے، لوگوں کو جنازے ہی اٹھانے سے فرصت نہیں ملے گی کوئی آپ کو محصور کیونکر کرے گا؟ ظاہر ہے کہ پہاڑوں کے پتھر نہایت سخت ہوتے ہیں، ان کے مقابلے میں انسانی جسم بہت کمزور، بہت خفیف ہوتا ہے، یہ تو ایک بجلی کی گرج سے تھرا جاتا ہے پھر پہاڑیوں کے زلزلوں یا دن بھر کی گونج سے کیا کوئی انسان زندہ بچ سکتا تھا؟ لیکن حضرت عمر کا بھی کوئی کام دکھائی نہیں دیتا۔

اسی طرح حضرت عثمان کے بارے میں بھی تمام کتب حدیث وتاریخ ساکت ہیں حالانکہ وہ خاندان بنی امیہ سے تھے، اگر وہ تل جاتے کہ میں حضرت رسولؐ خدا کو محصور نہیں ہونے دوں گا تو کس کی مجال تھی کہ ان کے خلاف کام کرے، وہ بہر صورت مسلمان ہو چکے تھے اور ان کے خاندان والوں (بنی امیہ) نے ان کو کوئی سزا نہیں دی، اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے خاندان والے یا ان سے بہت ڈرتے تھے یا ان سے بہت محبت کرتے تھے، جو وجہ بھی ہو اور جس سبب سے بھی وہ اپنے قبیلہ والوں کے دکھ سے محفوظ رہتے ہوں اسی سبب سے وہ ہمارے رسول کو بھی بچانے کی کوشش کرتے۔ کسی کو ڈراتے، کسی پر غصہ کرتے کسی پر غضب ناک ہوتے، کسی کی خوشامدیں کرتے، کسی کے ہاتھ جوڑتے، کسی کے پاؤں پڑتے کہ ایسا نہ کرو، رسولؐ کو ان کے حال پر چھوڑ دو، رسولؐ کسی کا بھی کچھ بگاڑتے نہیں ہیں، نہ کسی کی جائداد لوٹتے ہیں، نہ کسی کا مال چھینتے ہیں، نہ کسی کو مارتے ہیں، نہ کسی کو گالیاں دیتے ہیں، بس ایک نئے مذہب کی طرف سب کو بلاتے ہیں ان کی باتوں کو سنو، اگر غلط معلوم ہوں تو ان سے بحث کرو مناظرہ کرو، تحقیق کرو، اپنے دل کی تشفی کرلو، اگر سب کرنے کے بعد بھی تم کو اطمینان نہ ہو تو ان کا

دین قبول نہ کرو، انہوں نے تو صاف صاف خدا کا حکم پہنچا دیا ہے۔ لا اکراہ فی الدین، دین کے بارے میں کسی پر کوئی زور نہیں ہے، کسی پر زبردستی نہیں ہے جس کا جی چاہے قبول کرے ورنہ الگ رہے لیکن ان کو تم لوگ محصور کیوں کرتے ہو، ان کا بائیکاٹ کیوں کرتے ہو، ان کا دانہ پانی کیوں بند کرتے ہو مگر افسوس کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت عثمان بھی کچھ بولے ہوں، اس محاصرہ کے معاملہ میں تو تاریخیں ان تینوں صاحبوں کی رفتار، گفتار اور کردار سے اس طرح خاموش ہیں کہ معلوم ہوتا ہے یہ لوگ دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوئے تھے یا پیدا ہوئے تھے تو اس زمانے میں کہیں چلے گئے تھے یا وہاں موجود رہے تو دو رواز حال اسکی سخت بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے کہ علاج کرنے والوں نے ان کو فرش پر ہلنے تک سے منع کر دیا تھا بولنے کی بھی اجازت نہیں تھی یا شاید ان لوگوں کے مکانوں میں بھی کفار نکلہ قفل لگا دیتے تھے کہ وہ یہ گھر سے باہر نکلیں گے وہ رسول کی حمایت میں کچھ بولیں گے، اگر یہ سب باتیں کچھ بھی نہیں تھیں تو اس کے سوائے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کو رسول کی مصیبتوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی، رسولؐ کے دکھوں سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہیں تھی، اسلام کس طرح ڈانواڈول ہو رہا ہے اس کی ان کو کوئی فکر نہیں تھی، ان سب سے زیادہ حیرت خیز امر یہ ہے کہ تین سال تک رسول شعب ابی طالب میں محصور رہے تو اس مدت میں بھی حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان نے اتنا بھی کسی سے نہیں پوچھا کہ رسول وہاں مر گئے یا زندہ ہیں، بیمار ہیں یا اچھے ہیں، کس حال میں ہیں؟ کیسے ہیں؟ (سیرۃ النبی صفحہ ۱۷۹/۱۸۰) سے جو عبارت اوپر نقل کی گئی اس کو پھر پڑھو اور بار بار پڑھ کر بتاؤ کہ اس میں ان تینوں صاحبوں کا کہیں بھی نام آیا ہے، دیکھو اس حالت میں بھی غیر لوگوں سے کن کن اشخاص نے کیسی کیسی ہمدردی کی۔ "ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہ کا بھتیجا تھا تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہ کے پاس بھیجے۔" اس سے معلوم ہوا کہ شعب ابی طالب تک جانے کی راہ کھلی ہوئی تھی۔ قریش نے وہاں کوئی پہرہ نہیں بٹھا دیا تھا جو کسی کو جانے ہی نہیں دیتا، حکیم بن حزام ایک گمنام شخص نے تو اتنی ہمدردی کی کہ ہمت کر کے اپنے غلام کو وہاں بھیج دیا اور اس کے ساتھ کچھ گیہوں بھی بھیجے، اب حکیم بن حزام سے حضرات ابوبکر و عمر و عثمان کا مقابلہ کرو، کیا ان میں سے بھی کسی نے کچھ بھیجا؟

کسی نے بھی گیہوں یا کھجور یا گوشت یا روٹی وہاں بھیجی؟ اگر کہو کہ حکیم بن حزام کو اپنی پھوپھی خدیجہ سے محبت تھی اس وجہ سے انہوں نے اس کی جرات کی تو کیا حضرت ابوبکر کو رسولؐ سے محبت نہیں تھی؟ حضرت عمر کو رسولؐ سے ہمدردی تھی یا نہیں؟ حضرت عثمان کو رسول کا خیال تھا یا نہیں؟ اگر کہو کہ نہیں، ان لوگوں کے دلوں میں نہ رسول کی محبت تھی نہ اسلام کی پرواہ تھی قصہ ختم ہے لیکن اگر تم یہ بھی ماننے پر تیار نہیں ہو تو بتاؤ ان تینوں صاحبوں نے رسول سے محبت کا کیا ثبوت دیا؟ رسول کی خیر کس طرح منائی؟ رسول

کی راہ میں مال خرچ کرنے کا ایک واقعہ بھی تو بتاؤ۔ آگے چلو"ابوالبختری کہیں سے آگیا وہ اگرچہ کافر تھا لیکن اس کو رحم آیا اور کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کے لئے بھیجتا ہے تو کیوں روکتا ہے" کیا حضرت ابوبکر وعمر وعثمان کو اس ابوالبختری کافر کے برابر بھی رحم نہیں آیا؟ جس طرح اس نے ابوجہل سے پوچھا کہ تو کیوں روکتا ہے اسی طرح ان لوگوں نے بھی کبھی ابوجہل سے پوچھا کہ شعب ابی طالب میں کوئی غلہ کیوں نہیں جانے دیتے ہو؟ ان لوگوں کے ہاتھ میں کوئی چیز نہیں بیچنے دیتے ہو؟ مسلمانو! انصاف کرو، اپنی عقل سے کام لو، غور کرو کیا وجہ تھی کہ حکیم بن حزام اور ابوالبختری کافر تک کو تو محصورین کی فکر ہوئی اور نہیں فکر ہوئی تو حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان کو جو آسمان اسلام کے آفتاب وماہتاب کہے اور سمجھے جاتے ہیں؟ ان لوگوں کا تین تین سال تک رسول کو اسی مصیبت میں چھوڑے رکھنا کیا ان لوگوں کے لئے شرمناک نہیں تھا کیا اس کے بعد وہ لوگ دنیا کو منہ دکھانے کے قابل باقی رہے؟ کیا یہ بھی دنیا کے عجائب وغرائب سے نہیں ہے کہ رسول تین سال تک شعب ابی طالب میں گویا مقید رہے مگر حضرت ابوبکر عمر وعثمان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی اور پھر بھی مسلمان ڈھنڈورا پیٹتے پھرتے ہیں کہ یہ تینوں صاحبان رسول کے جاں نثار تھے، وفادار تھے، فدائی تھے، اصحاب تھے یار غار تھے، مسلمانو! جو بات زبان سے نکالو پہلے سوچ لیا کرو کہ کسی طرح وہ بنتی بھی ہے؟ کسی طرح وہ کسی عقل میں آسکتی بھی ہے؟ کوئی واقعہ اس کی تصدیق بھی کرسکتا ہے؟ دعویٰ بلا دلیل تو کسی عقل وخرد کے قبول کے لائق نہیں ہوتا؟ اسی طرح ان تینوں صاحبان کی دوستی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو کوئی دلیل بھی پیش کرو، ورنہ اسلام بدنام ہوگا، مسلمانوں کی عقل کا مضحکہ اڑایا جائیگا، اور آگے چلو اسی سیرۃ النبی کے اس جملہ پر غور کرو۔ "متصل تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام آل ہاشم نے یہ مصیبتیں جھیلیں، بالآخر دشمنوں ہی کو رحم آیا اور خود ان ہی کی طرف سے اس معاہدے کے توڑنے کی تحریک ہوئی۔" مسلمانو! کیا تم لوگوں نے غور کیا؟ کچھ سمجھے کہ اس عبارت نے حضرت ابوبکر وعمر وعثمان کی کتنی ذلت کا سامان مہیا کردیا؟ ہمارے رسول، ان کے بھائی علی، ان کی بی بی خدیجہ ان کے چچا ابوطالب اور سب بنی ہاشم تو محصور ہی تھے، وہ لوگ اس معاہدے کے توڑنے کی تحریک تو کر نہیں سکتے تھے، جو لوگ شعب سے باہر تھے وہ البتہ کرسکتے تھے، جو لوگ آزاد تھے وہ البتہ اس کی کوشش میں مشغول ہوسکتے اور جو لوگ کفار مکہ سے ملتے جلتے تھے وہی اس کا اقدام کرسکتے تھے تو جو لوگ آزاد تھے وہ سب کافر ہی تھے؟ کیا ان میں کوئی مسلمان نہیں؟ کیا بنی ہاشم کے سوا سب مسلمان مکہ سے تین سال کیلئے کہیں باہر چلے گئے تھے؟ خیر اور لوگ نہ ہوں مگر یہ تینوں حضرات تو مکہ ہی میں تھے، ان کو رحم آیا یا نہیں اگر رحم نہیں آیا تو کیوں؟ پھر وہ دشمن اچھے ہوئے یا تینوں دوست؟ اور اگر رحم آیا تو ان لوگوں نے کیا کیا؟ ان دوستوں کی طرف سے معاہدہ توڑنے کی تحریک ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کس نے سنا؟ کس نے دیکھا؟ کس راوی نے بیان کیا؟ کس کتاب

میں ان کی تحریک کا بیان مرقوم ہے؟ اور اگر تحریک نہیں ہوئی تو کیوں؟ اب تو یہاں کافر اور مسلمان کی بات بھی نہیں رہی جب دشمنوں ہی کو رحم آیا اور ان ہی کی طرف سے معاہدہ توڑنے کی تحریک ہوئی تو ثابت ہوا کہ تحریک کے قابل فضا ہو چکی تھی ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ اس معاہدے کی توڑنے کی تحریک کی جائے باوجود اس کے دوستوں نے تحریک نہیں کی تو ماننا پڑ گیا کہ یقیناً وہ دشمن ایسے دوستوں سے بہتر تھے جن کو نہ رحم آیا اور نہ جن کی طرف سے اس معاہدے کے توڑنے کی تحریک ہوئی کسی کی سمجھ میں بھی یہ بات آ سکتی ہے کہ اگر حضرت ابوبکر و عمر و عثمان دل سے حضرت رسولؐ کے دوست تھے تو ان لوگوں کو حضرت پر کیوں رحم نہیں آیا؟ کیوں ان ہی لوگوں کی طرف سے اس معاہدے کے توڑنے کی تحریک نہیں ہوئی؟ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ دشمن سے زیادہ دوست ہی مہربان ہوتا ہے تو حضرت پر بھی دشمنوں (یعنی کفار مکہ) سے زیادہ دوستوں (حضرت ابوبکر و عمر و عثمان) کو مہربان اور رحیم ہونا چاہیے تھا، مگر کوئی بھی نہیں کہتا کہ ان لوگوں کو حضرت رسولؐ پر رحم آیا۔ کسی نے بھی نہیں سنا کہ ان دوستوں کی طرف سے اس معاہدے کے توڑنے کی تحریک ہوئی، اس کی کیا وجہ تھی؟ اور اس کا کیا سبب ہو سکتا ہے، مسلمانو! تم ہی بتاؤ تمہاری سمجھ میں اس کی کیا وجہ آئی ہے؟ کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہوگی جس کی وجہ سے ہم کو کہنا پڑ گیا کہ باوجودیکہ بالآخر دشمنوں ہی کو رحم آیا اور خود ان ہی کی طرف سے اس معاہدہ کے توڑنے کی تحریک ہوئی، لیکن فلاں سبب سے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان ایسے دوستوں، ہمدردوں، جاں نثاروں، فدائیوں اور پسینہ پر خون بہانے والوں کو بھی رحم نہیں آیا اور ان کی طرف سے اس معاہدے کے توڑنے کی تحریک نہیں ہوئی۔

ان لبوں نے نہ کی مسیحائی!! ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

اب کفار اور مسلمین کے مقابلہ کے خیال سے بھی دیکھو کہ یہ امر کس درجہ افسوس ناک ہے اور آج بھی غیر قوموں کے کس درجہ ہنسنے اور مضحکہ کرنے کا سامان موجود ہے وہ جتنیں بجا کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان اپنے بزرگوں کی تعریف کے تو پل باندھ دیتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ رسولؐ محصور تھے، شعب ابی طالب میں مقید تھے، ایک ایک دانہ ان پر بند کر دیا گیا تھا اس حالت میں بھی رسولؐ پر رحم آیا تو کافروں ہی کو، مہربانی پیدا ہوئی تو رسولؐ کے دشمنوں ہی کے دل میں، اس معاہدے کے توڑنے کی تحریک ہوئی تو دشمنوں ہی کی طرف سے جو مسلمان بزرگان دین مکہ میں موجود تھے ذی اثر تھے معزز تھے، دولتمند تھے وہ دوسروں کا منہ ہی تکتے تھے، نہ زبان ہلائی، نہ ہمدردی کا ایک لفظ بولے نہ کوئی سفارش کی نہ کوئی مالی مدد پہنچائی ہے، پھر بھی مانے جاتے ہیں اسلام کے خیر خواہ ہی!! اور کہے جاتے ہیں رسولؐ کے جاں نثار ہی۔

ہے خودی بے سبب نہیں غالب کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے!

اور آگے بڑھو اسی سیرۃ النبی کی عبارت میں یہ جملہ بھی پڑھو" ہشام مخزومی خاندان بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ میں ممتاز تھا وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ بھیجتا رہتا تھا" یہ بھی حضرت ابوبکر و عمر عثمان پر کتنا زبردست حملہ ہے؟ ہشام مخزومی تو چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ وغیرہ بھیجتا رہتا تھا مگر حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کیا کرتے تھے؟ کبھی ان تینوں صاحبوں نے بھی چوری چھپے غلہ وغیرہ بھیجا، اگر نہیں بھیجا تو کبھی بھیجنا چاہا بھی؟ اگر چاہا بھی نہیں تو کیوں؟ اس راز کو حل کرنا چاہیئے یا نہیں؟ کیا ان لوگوں کے پاس غلہ کی قیمت نہیں تھی؟ کیا ان لوگوں کے دل میں رسولؐ کی محبت نہیں تھی؟ کیا ان لوگوں میں انسانی ہمدردی بھی نہیں تھی؟ اے دین اسلام! تو اپنے ان قدردانوں پر جس قدر ہو سکے ناز کر جو دشمنوں کی طرح بھی تیرے رسول پر رحم نہیں کر سکے، اور اے رسول! آپ بھی اپنے ان جاں نثاروں پر جس قدر ممکن ہو فخر مباہات کیجیئے جو آپ پر اتنے بھی مہربان نہیں ہوئے جتنے مکہ کے دشمن ہوئے، ایک ہشام مخزومی تو چوری چھپے آپ کو غلہ بھیجتا رہتا تھا مگر ان تینوں فدائیوں نے کبھی مل کر بھی آپ کو غلہ وغیرہ بھیجنے کا ارادہ نہیں کیا؟ پھر بھی ان کا لقب ہے صحابہ کرام، اصحاب باوفا، کیا یہ قول غلط ہے؟

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست در پریشاں حالی و درماندگی!

اور آگے بڑھو ایک دن وہ ہشام مخزومی زبیر کے پاس جو عبدالمطلب کے نواسے تھے گیا اور کہا کیوں زبیر! تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ، پیو، ہر قسم کا لطف اٹھاؤ اور تمہارے ماموں کو ایک دانہ تک نصیب نہ ہو" ہشام کا یہ کارنامہ تاریخ کے اوراق پر چمک رہا ہے اور اسلام ہمہ تن اسکا احسان مند ہے کہ اس نے رسول کی حمایت کی ایک بات تو کہی، رسول کی ہمدردی میں ایک قدم تو اٹھایا رسول کی مصیبتوں کا احساس تو کیا لیکن ہشام مخزومی سے تو ہزاروں درجہ زیادہ اس بات کا حق حضرات ابوبکر و عمر و عثمان کو تھا، اگر ہشام مخزومی ایک دن زبیر کے پاس گیا تو ان تینوں بزرگوں کو ہر دن اور رات میں لوگوں کے پاس دوڑتے رہنا چاہیئے تھا، تین سال تک یہ لوگ محصور رہے۔ اگر ہر روز یہ حضرات ایک دفعہ بھی کفار مکہ کے پاس گئے ہوتے تو جس طرح ہشام مخزومی کا صرف ایک دن جانا تاریخ کے صفحات پر آج تک ثبت ہے ان حضرات کا بھی مدت محاصرہ میں ۱۶۲ ار دن لوگوں کے پاس جانا سونے کے حرفوں سے لکھ دیا گیا ہوتا، مگر تاریخ اسلام کی ایک ایک کتاب کو پڑھ جاؤ ایک ایک صفحہ کو الٹ جاؤ ایک ایک صحابی سے دریافت کرو، ایک ایک راوی سے پوچھو یہ تینوں حضرات بھولے سے بھی کسی دن کسی کے یہاں گئے؟ ایک لفظ بھی کسی سے کہا؟ ایک حرف بھی زبان سے نکالا؟ ایک آہ سے بھی اپنا درد دل ظاہر کیا؟

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو وہ لہو کیا ہے

اور آگے چلو، ہشام مخزومی کے جواب میں زبیر نے کہا کیا کروں تنہا ہوں، ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو میں ظالمانہ

معاہدے کو پھاڑ کر پھینک دوں، زبیر کے اس جواب نے تو بہت سے پردے چاک کر دئے وہ کہتے ہیں میں تنہا ہوں ایک شخص بھی میرا ساتھ دینے والا نہیں ہے زبیر نے یہ کیوں کہہ دیا؟ کیا واقعا وہ تنہا تھے وہ مکہ ہی میں تو تھے، پھر کیا وہاں حضرات ابوبکر و عمر و عثمان نہیں تھے؟ کیا ان تینوں بہادران اسلام سے بھی کوئی شخص زبیر کا ساتھ دینے والا نہیں تھا؟ اگر تھا تو زبیر نے اپنی تنہائی کا شکوہ کیوں کیا؟ اور اگر نہیں تھا تو کیوں؟ اگر حضرت ابوبکر یا عمر یا عثمان ایک دفعہ بھی کفار مکہ کے پاس گئے ہوتے اور رسول کے موافق کوئی جملہ بھی بولے ہوتے تو زبیر یہ کیوں کہتے کہ میں تنہا ہوں، میرا کوئی ساتھ دینے والا نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ پورے تین سال کے اندر ایک مرتبہ بھی نہ حضرت ابوبکر نے کسی سے کچھ کہا نہ حضرت عمر نے نہ حضرت عثمان نے، اور تینوں حضرات یا تو رسول کی اس مصیبت کو خوشی سے دیکھتے رہے یا ان لوگوں کو رسول کی کوئی فکر تھی ہی نہیں، ان کی زندگی، ان کے وجود، ان کی صحت، ان کی قوت کی کوئی پرواہ ہی نہیں تھی حد ہو گئی کہ ہشام تڑپ اٹھا ہوا، وہ تڑپ گیا وہ بے چین ہو گیا مگر نہیں اٹھے تو حضرت ابوبکر و عمر و عثمان، نہیں تڑپے تو بس یہی تینوں دنیائے اسلام کے آفتاب تاباں اور مہر منور ہے

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے | کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

اور آگے بڑھو ہشام نے کہا میں موجود ہوں اس جواب سے معلوم ہوا کہ ہشام اور زبیر سے کوئی بھی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کو اپنا ہم خیال نہیں جانتا تھا اگر یہ تینوں حضرات کہیں بھی اور کسی سے بھی رسولؐ کے موافق کچھ بولے ہوتے تو زبیر کو اس کا علم ضرور ہوتا اور اپنے کو تنہا نہیں کہتے اور ہشام بھی ان کو یہ جواب نہیں دیتا کہ میں موجود ہوں بلکہ وہ کہتا کہ تم تنہا کیوں ہو؟ حضرت ابوبکر بھی ہیں حضرت عمر بھی ہیں حضرت عثمان بھی ہیں، چار آدمی تو تم لوگ ہی ہو گئے، میں بھی ہوں اس طرح ہم پانچ آدمی ہوئے جاتے ہیں، پانچ کی تعداد بالکل بیکار نہیں ہو سکتی، کچھ نہ کچھ تو ہم لوگ کر کے ہی رہیں گے، اٹھو ہم لوگ دوسروں کے پاس چلیں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان بڑی عزت بڑے اثر والے بزرگ ہیں ان لوگوں کی وجہ سے ہماری بات بھی وزنی ہو جائے گی اور ہم لوگ اپنے ارادے کو پورا کر کے واپس آئیں گے، پہلے ایک دورہ سب اہل مکہ کا کریں اور دیکھیں کون کون ہم لوگوں کا ساتھ دیتا ہے جو لوگ ہمارے موافق ہوتے جائیں ان کو ہم ساتھ لیتے چلیں، ممکن ہے ہم لوگ گھنٹہ دو گھنٹہ میں دس بارہ آدمی ہو جائیں پھر تو پورے مکہ میں ہل چل پڑ جائے گی، مخالفین کی آواز دھیمی ہونی شروع ہو جائے گی ان کا جوش ٹھنڈا ہونے لگے گا، وہ اپنی جماعت کی کمی محسوس کریں گے اور اس طرح ہم لوگ اپنے مقصود میں قریب تر ہوتے جائیں گے لیکن افسوس نہ ہشام ہی کے کسی لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تینوں بزرگوں کو رسول کا ہمدرد جانتا تھا اور نہ زبیر ہی کی زبان سے کوئی ایسی بات نکلی جو ظاہر کرے کہ وہ ان حضرات ثلٰثہ کو اسلام کا دوست سمجھتے تھے اس وجہ سے اپنے ہی دونوں کو اس امر میں ہم

خیال جانا اور ان تینوں حضرات کا تصور بھی کسی کو نہیں ہوا:

اپنی جگہ پہ سب کرے دعوائے مردمی میدان کارزار میں ٹھہرے تو مرد ہے

اور آگے بڑھیئے۔ ''دونوں مل کر مطعم بن عدی کے پاس گئے'' سوال یہ کہ ہشام مخزومی اور زبیر دونوں مل کر مطعم بن عدی کے پاس کیوں گئے؟ ان سوالات سے گھبراؤ نہیں! انہیں سوالات اور جرح کی باتوں سے تو حقیقت پر سے سینکڑوں پردے ہٹتے جاتے ہیں، اس پر غور کرو کہ دونوں شخص مطعم کے پاس کیوں گئے اور حضرت ابوبکر وعمر وعثمان کے پاس کیوں نہیں گئے؟ کیا اس کے سوائے بھی کوئی وجہ ہوسکتی ہے کہ ان دونوں کو امید ہوئی کہ مطعم ان لوگوں کی بات مان لیگا اور حضرت ابوبکر وغیرہ نہیں مانیں گے یا یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ متصل تین سال تک کی مدت میں مطعم کی باتوں سے ان لوگوں نے اندازہ کرلیا تھا کہ اس کے دل میں انسانی ہمدردی موجود ہے اس کے اخلاق اچھے ہیں اس میں رحم کا مادہ ہے اور حضرت ابوبکر وغیرہ کی باتوں سے ان لوگوں کو کچھ اس قسم کا گمان نہیں ہوا تھا لطف یہ ہے کہ مطعم نے بھی ان تینوں آدمیوں کا نام نہیں لیا اور ان دونوں کو یہ جواب نہیں دیا کہ تم لوگ میرے پاس کیوں آئے؟ مجھ سے بلکہ تم دونوں سے بھی زیادہ تو حضرت ابوبکر وعمر وعثمان، محمدؐ کے غمخوار ہیں ان کے پاس جاؤ، تم دو ہو اور وہ تین ہیں اس طرح تم لوگ پانچ آدمی ہوجاؤ گے تم لوگ جاکر کوشش کرو دیکھو تمہاری جدوجہد کا کیا نتیجہ نکلتا ہے، اگر کامیابی نہیں ہوئی تو پھر مجھ سے ملنا، لیکن افسوس مطعم کی ناک میں بھی ان تینوں حضرات کی محبت رسولؐ کی خوشبو نہیں پہنچی تھی بلکہ کہنا چاہیئے کہ زبیر، ہشام مخزومی اور مطعم تینوں ہی حضرت ابوبکر وغیرہ کی ہمدردی رسول کی خوشبو سے محروم تھے۔

اصالت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے کہ خوشبو آنہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

اور آگے بڑھو ''بختری، ابن ہشام، زمعۃ بن الاسود نے بھی ساتھ دیا'' یعنی مکہ میں رسولؐ کے ہمدرد بجائے تین کے پانچ ہوگئے:۔ (۱) ہشام مخزومی (۲) زبیر (۳) مطعم (۴) بختری ابن ہشام اور (۵) زمعۃ بن الاسود، ذرا تلاش تو کرو ان پانچ ناموں میں حضرت ابوبکر وغیرہ کا نام بھی نظر آتا ہے؟ ہونا تو ضرور چاہیئے کیوں کہ یہی لوگ رسول کے اول نمبر کے غمخوار تھے پھر دیکھو، اس فہرست میں ان اصحاب ثلٰثہ کے اسماء گرامی ملتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں ملتے تو کیوں؟ کیا تینوں خواب غفلت میں پڑے تھے؟ کیا تینوں عالم بے فکری میں آرام کر رہے تھے؟ اور آگے بڑھو۔ ''دوسرے دن سب مل کر حرم میں گئے زبیر نے سب لوگوں کو مخاطب کرکے کہا اے اہل مکہ! یہ کیا انصاف ہے ہم لوگ آرام سے بسر کریں اور بنوہاشم کو آب ودانہ نصیب نہ ہو''۔ کیوں مسلمانو! سنتے ہو زبیر اور ان کے ساتھیوں نے کیا کیا اور کیا کہا؟ اب ذرا بتاؤ حضرت ابوبکر وعمر وعثمان بھی اسی طرح مل کر حرم میں جاسکے اور سب لوگوں کو مخاطب کرکے ایسی ہی تقریر کرسکتے تھے یا نہیں؟ اگر نہیں کرسکتے تھے تو کیوں؟ اس کی کیا وجہ

ہو سکتی ہے؟ تم اس کا کیا سبب قرار دے سکتے ہو؟! اگر یہ لوگ بھی ایسا کر سکتے تھے تو بتاؤ کتنی مرتبہ ایسا کیا؟! اگر انہوں نے ایسا کیا ہوگا تو تمام محدثین نے بڑے فخر سے لکھا ہوگا، تمام علماء سیرت نے اس پر خوشی کے نعرے لگائے ہوں گے، بتاؤ تو کسی کتاب میں بھی تم نے پڑھا ہے کہ انہوں نے بھی کچھ کیا، کسی محدث نے بیان کیا کہ ان کا بھی ایسا کوئی کام ہوا ہے۔

چھپی نہیں ہے بات بناوٹ کی بال بھر آخر کو کھل ہی جاتی ہے رنگت خضاب کی

اس کے بعد زبیر نے کہا "خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا میں باز نہ آؤں گا" ہمدردوں کی زبان سے ایسے ہی جملے نکلتے ہیں، جو دل سے کسی بات پر آمادہ ہو جاتا ہے وہ اسی قسم کی تقریر کرتا ہے لیکن اگر یہی کلام حضرت ابوبکر کے دہن مبارک سے نکلتا تو ان کا اسلام کس قدر دوبالا ہو جاتا؟! اگر یہی بات حضرت عمر کے منہ سے نکلتی تو ان کا دین کس درجہ لوگوں کو شاندار دکھائی دیتا؟! اگر یہی جملے حضرت عثمان کہتے تو ان کا منصبی وقار کس حد کو ترقی کر جاتا!!! افسوس جو باتیں ان حضرات ثلاثہ کو زیب دیتیں وہ دوسروں کی زبان سے نکل کر ان حضرات کو کس درجہ پیچھے لے گئیں اور جو مقام ان لوگوں کا تھا اس سے یہ لوگ کتنی دور ہٹ گئے۔

اگر حقیقت اسلام در جہاں این است ہزار خندہ کفر است بر مسلمانی

اور آگے بڑھو "ابوجہل ہمارے بیچ ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا، زمعہ نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے جب یہ لکھا گیا تھا اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے" حرم میں اس وقت حضرت ابوبکر و عمر و عثمان بھی ضرور رہے ہوں گے، ابوجہل کا جواب دینا پہلے انہیں لوگوں کے لئے مناسب تھا، اور جب زمعہ جیسا اس زور سے ابوجہل کو جھڑک سکتا تو یہ تینوں حضرات مل کر اپنی تقریروں سے ابوجہل کو یقیناً مبہوت کر دیتے، لیکن ان تینوں کا سکوت کچھ میں نہیں آتا کس مصلحت سے تھا، ان لوگوں کو کس طرف رکھا جائے؟ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ابوجہل کے اعوان و انصار ہوں اور انہیں لوگوں کے بل بوتے پر وہ اس دلیری سے زبیر کا جواب دینے پر آمادہ ہوا ہو، پھر کیا سبب ہے کہ سب بول رہے ہیں اور نہیں بولتے تو یہی تین اصحاب، دوسروں کے کلام تک حضرت رسول خدا کی طرفداری کا دم بھرنے لگے، مگر جنبش نہیں ہوتی تو بس انہیں تین دوستوں کو، کیا یہ تاریخ اسلام کا بہت بڑا معمہ نہیں ہے؟ کیا یہ راز سربستہ کسی خاص مطلب کی طرف اشارہ نہیں کرتا؟! ان سب کے بعد کیا ہوا؟! "غرض مطعم نے ہاتھ بڑھا کر دستاویز چاک کر دی، مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن الاسود، ابوالبختری، زبیر سب ہتھیار باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے اور ان کو وہاں سے نکال لائے۔" اس طرح جو کام حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کے کرنے کا تھا وہ سب دوسروں نے کیا اور ان لوگوں کا ہاتھ لگنا کیسا ان کی ہوا بھی ادھر سے نہیں گزری۔

یاران تیز گام نے منزل کو جالیا ہم محوِ نالۂ جرس کارواں رہے

حضرت ابو طالب اور خدیجہ کی وفات

آنحضرتؐ اب شعب ابی طالب سے نکلے تھے اور چند روز قریش کے جور وظلم سے امان ملی تھی کہ ابو طالب اور خدیجہ کا انتقال ہو گیا، اس طرح حضرت علی بھی یتیم اور دونوں بزرگ سخت مصیبت میں مبتلاء ہو گئے، ابو طالب اور خدیجہ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا؟ اب وہ نہایت بے رحمی و بے باکی سے آنحضرتؐ کو ستاتے تھے ایک دفعہ آپ راہ میں جارہے تھے ایک شقی نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈال دی اسی حالت میں آپ گھر میں تشریف لائے آپ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لے کر آئیں، آپ سر دھوتی تھیں اور جوش محبت سے روتی جاتی تھیں، آپؐ نے فرمایا کہ جان پدر روؤ نہیں خدا تیرے باپ کو بچالے گا۔'' (سیرۃ النبی صفحہ ۱۸۲) حضرت رسولؐ کے لئے یہ بڑا ہی جانکاہ وقت تھا اور احباب و غمگسار ایسے ہی وقت زیادہ کام آتے ہیں حضرت ابو بکر و عمر و عثمان کے لیے بڑا اچھا موقع تھا، ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے آج تک حضرت رسولؐ کی نہ کوئی مالی مدد کی تھی نہ جسمانی اعانت کا شرف حاصل کیا تھا، دعوت عشیرہ ایسا قیمتی موقع نکل چکا تھا اور شعب ابیطالب کی محصوری کا موقعہ بھی ابھی گزرا تھا جس میں تینوں حضرات بہت کچھ کر سکتے تھے اور کچھ نہیں کیا تھا اب قضاء قدر کی طرف سے ایک ایسا موقع پیدا ہو گیا تھا جس میں کل حضرات دل کھول کر رسول سے ہمدردی کرتے، حضرتؐ کی خدمت کا شرف پاتے، گزشتہ زمانوں کی تلافی کرتے اور حضرت کو اتنا آرام پہنچاتے کہ آپ کا دل ان کوتاہیوں کا خیال نہیں آنے دیتا جو گزشتہ ایام میں ان لوگوں سے ہوئی تھیں، تینوں صاحبان مالدار بھی تھے معزز بھی تھے صاحب اثر بھی تھے اور بارسوخ بھی تھے اگر ایک ایک مہینہ اپنے ہاں مہمان کر لینے کا انتظام کرتے تو تینوں صاحبوں کو سال بھر میں صرف چار چار مہینے کا بوجھ اٹھانا پڑتا لیکن افسوس تاریخ کے صفحات پر سب باتیں ملتی ہیں، نہیں ملتا تو ان حضرات کی کسی ہمدردی، کسی غمگساری، کسی مدد، کسی بہی خواہی کا پتہ! مسلمانو! ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے کہ اس زمانۂ آفات و پریشانی میں بھی ان تینوں صاحبوں سے کسی نے کیا کیا؟ کچھ دنوں کے بعد حضرت طائف تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آئے تو مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھ کو اپنی حمایت میں لے سکتے ہو؟ عرب کا شعار تھا کہ جب کوئی ان سے طالب حمایت ہوتا تو گو دشمن ہوتا انکار نہیں کر سکتے تھے، مطعم نے یہ درخواست منظور کی بیٹوں سے کہا ہتھیار لگا کر حرم میں جاؤ رسولؐ اللہ مکہ میں تشریف لائے، مطعم اونٹ پر سوار ساتھ تھا حرم کے پاس آیا تو پکارا کہ میں نے محمد کو پناہ دی ہے آنحضرت حرم میں آئے، نماز ادا کی اور دولت خانہ کو واپس گئے، مطعم اور اس کے بیٹے آپ کو تلواروں کے سایہ میں لائے مطعم نے کفر کی حالت میں غزوہ بدر سے پہلے وفات کی۔'' (سیرۃ النبی صفحہ

۱۸۴)ہمارا کلمہ پڑھنے والے مسلمان تو اتم نے بھی یہ سن لیا، آہ! کیسے شرم کی بات ہے رسول اور کافر سے طالب حمایت ہوں"
یہاں بھی وہی سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان اس زمانے میں مکہ میں تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تھے تو کہاں گئے تھے؟ ان کے جانے کی جگہ ہی کون تھی؟ اگر تھے اور یقیناً تھے تو آنحضرتؐ نے مطعم بن عدی کے ہاں پیغام کیوں بھیجا؟ اس سے طالب حمایت کیوں ہوئے؟ کافر کا احسان کیوں لیا؟ ان لوگوں نے خود ہی بڑھ کر حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا مہمان کیوں نہیں کر لیا؟ بلکہ پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ خود حضرت رسول خدا نے ان لوگوں کو کیوں نہیں پوچھا؟ انہیں تینوں صاحبوں سے طالب حمایت کیوں نہیں ہوئے؟ انہیں کے یہاں خود کیوں نہیں چلے گئے۔ انہیں سے مدد کیوں نہیں طلب کی۔ انہیں کے یہاں یہ پیغام کیوں نہیں بھیجا کہ مجھ کو اپنی حمایت میں لے سکتے ہو؟ دنیا میں کوئی ہے جو بتا سکے کہ جب حضرت ابوبکر و عمر و عثمان مسلمان ہو چکے تھے اور حضرت کے جاں نثار بھی بن گئے تھے حضرت کے بڑے دوست بھی ہو چکے تھے حضرت کی غلامی کا دم بھی بہت بھرتے تھے تو اپنے عمل سے اپنے کارناموں سے ان باتوں کا ثبوت کیا پیش کیا، اگر واقعاً یہ تینوں حضرات جناب رسول خدا کے وفادار تھے تو رسولؐ نے کیوں ان کو چھوڑ کر مطعم کے پاس پیغام بھیجا؟ وہ تو یقیناً کافر تھا اور یہ تینوں حضرات اسلام کے نام لیوا تھے اور بہت دنوں پہلے سے دعوی کرتے تھے کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں پھر رسولؐ نے ان سب کو کیوں نظر انداز کر دیا؟ کیا حضرت کو ان لوگوں کی زبانی دعووں کی حقیقت معلوم تھی؟ کیا حضرتؐ ان تینوں حضرات کو خوب پہچانتے تھے؟ کیا حضرت کو ان لوگوں سے کوئی امید نہیں تھی کیا ان لوگوں سے کسی بات کی خواہش کو حضرتؐ "من جرب المجرب حلت به الندامة (جو آزمائے ہوئے کو آزماتا ہے اس کو ندامت اٹھانی پڑتی ہے) کے مطابق شدید غلطی سمجھتے تھے؟ خیر حضرت رسول خدا نے ان تینوں کو اس قابل نہیں سمجھا تو اس کی وجہ رسولؐ ہی خوب جانتے ہوں گے مگر جب ان لوگوں کو خبر ہوگئی کہ آنحضرت مطعم کی پناہ میں داخل مکہ ہوئے ہیں تب ان لوگوں نے کیا حرکت کی پھر کیا یہ لوگ حضرت کے پاس پہنچے؟ کیا حضرت کو روکا؟ کیا حضرتؐ سے کہا کہ اگر ہم جاں نثاروں کے موجود رہتے ہوئے آپ مطعم کے ہاں تشریف لے جائیں گے تو ہماری بڑی ذلت ہوگی، اگر حضور اس کافر کی حمایت قبول کریں گے تو ہم تینوں وفاداروں کی ناک کٹ جائے گی! حضور آپ بھی مطعم کی حمایت سے نکل چلئے، ہم لوگ تین آدمی ہیں، ہم تینوں آپ کو اپنی حمایت میں لے چلتے ہیں، اگر مطعم تنہا ہو کر آپ کو اپنی حمایت میں لے سکتا ہے تو ہم تینوں مل کر کیوں نہیں آپ کو اپنی حمایت میں لے سکتے؟ اگر ہم لوگ اس وقت تک آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکے تو اب سب کو خوش کرنے کو آمادہ ہیں، ہم لوگ اپنے قبیلہ والوں کو بھی سمجھائیں گے، ان کو راضی کر لیں گے ان کی طرف سے آپ ذرہ برابر بھی تردد نہ کریں، جس طرح مطعم اونٹ پر سوار

آپ کے ساتھ تھا ہم تینوں بھی اپنے اونٹوں پر سوار ہوکر آپ کو اپنے حلقے میں چلتے ہیں اور جس طرح معطم کے بیٹے آپ کو تلواروں کے سایہ میں لائے ہم لوگ بھی اپنی تلواروں، نیزوں اور خنجروں کے سایہ میں آپ کو لے چلتے ہیں، آپ ہرگز اس کے یہاں قیام نہ فرمائیں، بعد کی نسلیں ہم تینوں کو ہنسیں گی کہ یہ بہادر مسلمان منہ تکتے رہ گئے اور رسول کے پناہ دینے کا فخر بھی ایک کافر کو ملا، ہم لوگ کسی طرح آپ کو یہاں رہنے نہیں دیں گے، آپ اگر اپنے خیال سے اس جگہ کو نہیں چھوڑ سکتے تو ہم لوگوں کی توہین اور ذلت کی وجہ سے ہماری درخواست قبول کر لیجئے اور ہمیں اس ابدی شرمندگی سے بچا لیئے جو ہر قوم میں ہم کو حاصل ہوگی حضور خود ہی خیال فرمائیں جب لوگ ہم سے پوچھیں گے کہ تم نے رسول کے ساتھ کیا کیا؟ رسول کو تم لوگوں پر اعتماد کیوں نہیں ہوا؟ رسولؐ نے ایک کافر کو تم تینوں مسلمانوں پر ترجیح کیوں دی؟ تو ہم لوگ کیا جواب دیں گے؟ ہم لوگ اپنی آبرو کس طرح بچائیں گے؟ اگر نہیں کیا اور ایک حرف بھی نہیں بولے تو اہل اسلام خود فیصلہ کریں کہ ان تینوں صاحبوں کے اسلام کے بارے میں کیا فیصلہ کیا جائے، اس کے اور چھوٹے چھوٹے واقعات بہت ہوئے، مثلاً یہ بھی عبرت خیز امر ہوا کہ،

جناب سیدہ علیہا السلام کی خدمت اور اصحاب ثلاثہ کی لاپروانی،

ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، رؤسائے قریش بھی موجود تھے ابوجہل نے کہا کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھالاتا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سجدہ میں جاتے تو ان کی گردن پر ڈال دیتا، عقبہ نے کہا یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں چنانچہ اوجھ لا کر آپ کی گردن پر ڈال دی، قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے، کسی نے جا کر حضرت فاطمہؑ کو خبر کی، وہ اگر چہ اس وقت صرف پانچ، چھ برس کی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ اٹھا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بد دعائیں دیں (سیرۃ النبی صفحہ ۱۸۶) اس واقعہ میں بھی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کا نام تک نہیں آیا جس نے حضرت رسول خداؐ کے ساتھ ہمدردی کی اس نے بھی جا کر جناب سیدہؑ ہی کو خبر کی، ان تینوں صاحبوں کے پاس کوئی نہیں گیا، کیوں؟ اگر یہ لوگ حضرت رسول خداؐ کے یار ہوتے دوست ہوتے غمگسار ہوتے۔ کبھی بھی کام آئے ہوتے کسی وقت بھی حضرتؐ کی خبر لی ہوتی یا حضرتؐ کا دم بھرا ہوتا یا نام لیا ہوتا تو کوئی ان لوگوں کے پاس بھی ضرور جاتا بلکہ انہیں کے پاس جاتا کیوں کہ یہ موقع عورت یا کسی لڑکی کے خبر کرنے کا نہیں تھا، مردوں کی ضرورت تھی جو آ کر حضرت کی خبر لیتے اور کفار کو آنکھیں دکھا کر حمایت کا حق ادا کرتے لیکن افسوس ان تینوں صاحبوں کی محبت رسولؐ اور ہمدردیٔ پیغمبر سے تمام اہل مکہ اس درجہ بے خبر تھے کہ کسی موقع پر بھی کوئی شخص ان لوگوں کے یہاں جانے اور رسولؐ کی مصیبت کا حال بیان کرنے کا خیال تک نہیں کر سکا۔

مگر حضرت علی علیہ السلام کہاں تھے؟

یہاں کوئی شخص سوال کرسکتا ہے کہ اگر ان تینوں حضرات نے رسولؐ کی خبر نہیں لی تو حضرت علی نے بھی نہیں لی ورنہ انہیں کو کسی نے جا کر خبر کی۔ غرض چاروں آدمی ایک ہی حکم میں ہو گئے۔ اس سوال کا جواب بالکل واضح ہے حضرت ابوبکر و عمر وعثمان مالدار تھے خوشحالی کی زندگی بسر کرتے تھے، اطمینان سے رہتے تھے گھر میں کافی مال تھا، تینوں کی دولت "تمول" ثروت، ذرائع معاش کی وسعت فراخ حالی کے قصیدے پڑھے جاتے ہیں لیکن حضرت علیؑ تو نادار تھے ان کو اپنے اور رسول کے کھانے پینے، پہننے اور دیگر ضروریات زندگی انجام دینے کے لئے کمانا پڑتا تھا محنت کرنی پڑتی تھی مزدوری میں لگ جاتے تھے اس وجہ سے حضرت رسول خدا تو دوسرے لوگ بھی حضرتؑ کے مکان پر ایسی باتوں کی خبر کیوں کر پہنچاتے؟ اس جواب کو بات بنانا نہ کہئے اس کو تاویل نہ خیال کیجئے اس نکتہ کو صدا قرار دیجئے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی برابر کسب حلال کی کوشش کرتے رہتے تھے، حضرت امیر المومنینؑ کے محنت اپنے ہاتھ سے کسب کرکے رزق مہیا کرنے کے واقعات بہت کثرت سے ہیں، حضرات اہل حدیث کے پیشوائے اعظم جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ علی فرماتے تھے ایک مرتبہ مجھے بھوک لگی تو مزدوری کی تلاش میں نکلا دیکھا کہ ایک عورت کو گارا بنانے کے لئے پانی کی ضرورت ہے میں نے اس کام کو قبول کر لیا، ایک ڈول پانی کھینچنے کی اجرت ایک دانہ کھجور قرار پائی، میں نے ابھی سولہ ڈول پانی نکالے تھے کہ میرے ہاتھ میں چھالے پڑ گئے مجبوراً کام چھوڑ دیا، اس عورت نے سولہ کھجوریں میرے حوالہ کردیں، میں ان کھجوروں کو لے کر حضرت رسول خدا کے پاس آیا اور واقعہ بیان کیا حضرت رسول خدا نے بھی وہ کھجوریں میرے ساتھ ہی تناول فرمائیں (ازالۃ الخفاء مطبوعہ بریلی مقصد ۲ صفحہ ۲۷۶) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ شدید بھوک کی حالت میں بھی جو کچھ کما کر لاتے تھے وہ اپنے گھر نہیں لے جاتے تھے وہ تنہا کھاتے تھے بلکہ ایک غلام کی طرح کما کر جو کچھ پاتے حضرت رسول خدا کے سامنے لا کر رکھ دیتے اور دونوں بزرگ اسی سے اپنی ضرورتیں پوری کرتے، ایک مرتبہ حضرت عمر کے پاس کوئی مشکل مسئلہ آیا، آپ نے بہت کوشش کی کہ اس کا جواب کسی طرح آپ کو معلوم ہو جائے اور آپ سائل کو بتادیں مگر کامیاب نہیں ہوئے تو حضرت علی کو تلاش کرنے لگے مگر حضرت نہ اپنے گھر پر تھے نہ حضرت رسولؐ کے دولت خانہ پر اور نہ مسجد رسولؐ میں، معلوم ہوا کہ حضرت ایک زمین کی طرف گئے ہیں حضرت عمر بھی حضرت علیؑ کو تلاش کرتے ہوئے اسی زمین پر پہنچے دیکھا کہ حضرت علی اپنے ہاتھ سے زمین کی مٹی برابر کر رہے ہیں، حضرت عمر نے فوراً اس مسئلہ کو نقل کرکے حضرت سے اس کا حکم دریافت کیا حضرت علی کو مسئلہ کچھ بھی مشکل نہیں معلوم ہوا، بیلچہ چلاتے ہوئے اس کا جواب دے دیا اور ایسا صحیح مکمل جواب دیا کہ حضرت عمر کو اس میں کچھ

بولنے یا اعتراض کرنے یا بحث کرنے کی گنجائش ہی نہیں نکلی بلکہ وہاں سے خوش خوش واپس آئے اور کہتے آتے تھے:۔

اللهم لاتنزل بي شديدة الاابو الحسن الى جنبي ،(کتاب ریاض نضرہ مطبوعہ مصر جلد ۲ ر صفحہ ۱۹۴)

اے خدا تو میرے اوپر کوئی مصیبت نازل نہ کرنا مگر اسی وقت جب حضرت علی میرے پاس رہیں تا کہ وہ اس کو دفع کریں۔

ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے کسی ضروری امر کے لئے فرمایا کہ وہاں میں ایسے شخص کو بھیجوں گا، جس کو خدا کبھی رسوا نہیں کریگا اور وہ اللہ و رسول کو دوست رکھتا ہے آنحضرت کا یہ کلام سن کر صحابہ نے اپنی گردنیں اونچی کر کے حضرت رسول کو دکھانا شروع کیا مگر حضرت رسولؐ نے کسی صحابی کو نہیں چنا بلکہ فرمایا علی کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا وہ تو چکی میں آٹا پیس رہے ہیں، حضرتؐ نے کسی کو وہیں بھیج کر حضرت علیؑ کو بلا لیا اور وہ کام آپ کے سپرد کر دیا۔ (ریاض نضرہ جلد ۲ ر صفحہ ۲۰۳) اس واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ برابر اپنے گھر ہی پر نہیں رہتے تھے اور نہ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان کی طرح آرام اور بے فکری کی زندگی بسر کرتے تھے بلکہ محنت مزدوری میں لگے رہتے تھے، ایک واقعہ اور سن لو پھر نتیجہ نکالنا تم لوگوں کا کام ہوگا، علامہ محب طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ نے کسی شخص کا باغ سینچنے کا کام مزدوری پر لیا، اور باغ والے سے طے ہوا کہ حضرت علیؑ رات بھر اس کا باغ سینچ دیں گے تو باغ کا مالک جَو کی ایک مقدار اس کی اجرت میں حضرت کو دیگا، غرض حضرتؑ رات بھر اس باغ میں پانی چلاتے رہے، جب صبح ہوئی تو اس کی مزدوری جَو لے کر گھر واپس آئے اور اس کو پیس کر اس کی روٹیاں پکائیں (ریاض نضرہ جلد ۲ ر صفحہ ۲۲۷) ان عبارتوں نے اچھی طرح واضح کر دیا کہ حضرت علی برابر اپنے مکان میں رہتے ہی نہیں تھے۔ اور خود حضرت رسول خدا کو نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کس طرف گئے ہیں، کس زمین پر کام کر رہے ہیں۔ کس کے باغ میں مزدوری کر رہے ہیں، پھر حضرت رسول خدا کے ساتھ کفار جو بے ادبی کرتے تھے اس کی خبر فوراً حضرت کو کون دیا کرتا؟ علاوہ بریں مدینہ سے قریب ایک جگہ ینبع میں حضرت علی کی جائداد تھی جہاں کا غلہ آتا اور حضرت کے عیال بسر کرتے اور جس کا انتظام ابو طالب کے بعد حضرت علی کو کرنا پڑا تھا اور ظاہر ہے جب حضرت وہاں جاتے تو مدینہ کی خبریں وہاں فوراً کیسے پہنچ سکتیں؟ ان وجوہ سے حضرت علی کے بارے میں تو کسی کو کوئی سوال کرنا ہی نہیں چاہیئے، وہ جس طرح مشکلات اور مصائب میں رسولؐ کی حمایت کرتے تھے اسی طرح رسول کی روزمرہ کی ضروریات کا انتظام کرتے رہنا بھی ان کا فرض تھا جس کے لئے وہ صبح ہی نماز سے فراغت کر کے روانہ ہو جایا کرتے تھے اور دن دن بھر اور بعض زمانوں میں رات رات بھر مزدوری محنت، کسب انتظام وغیرہ میں مشغول رہتے تھے تا کہ حضرت رسولؐ بے فکری سے اپنے فرض تبلیغ ہی کو انجام دیتے رہیں۔

مدینہ کی طرف ھجرت

اب حضرت رسول کو مکہ چھوڑ کر مدینہ جانا پڑتا ہے یہ رسول کے لئے بڑا سخت وقت ہے، خوب تحقیق کرو کہ اس کاڑے وقت میں حضرت ابوبکر نے رسول کی کیا مدد کی، کیا حمایت کی؟ اور آپ کی ذات میں کس قدر خرچ کیا گلی کا نام دیتا ان کا ذکر بھی بعد کو آئیگا، ابھی تو حضرت ابوبکر کے وہ کارنامے دیکھو جن کی مثال کسی ملک اور کسی زمانے میں نہیں مل سکتی، بس آفتاب آمد دلیل آفتاب کے مطابق یہ بھی بے نظیر ہے سمجھا تو! تم جو جیخ کر کہتے ہو کہ رسول کو حضرت ابوبکر سے بڑی خصوصیت تھی، حضرت کو ان کی ذات پر بڑا اعتماد تھا وہ اسے درے گئے تھے ہر طرح رسول کی مدد کرتے رہتے تھے مال سب کی حقیقت بس انہیں واقعات سے کھل جائے گی جو انہوں نے دعوت عشیرہ کے موقع پر کیا، شعب ابی طالب میں رسول کی محصوری کے وقت دکھایا اور سب سے زیادہ اس ہجرت کے موقع پر پیش کیا، اس تذکرہ کو بھی ٹھنڈے دل سے سنناان باتوں کو بھی تعصب سے الگ ہو کر دیکھنا اور ان سے اصول کی دہنک کھینچ کر نتیجہ نکالنا شاید تمہارے اسلام کی چال اسی ایک واقعہ سے ہو جائے حق و باطل کی راہیں چمکتی ہوئی نظر آنے لگیں اور صراط مستقیم تم کو دو چار کر اپنی طرف بلانے لگیں یہ واقعہ ہجرت اپنی زبان بے زبانی سے خود بھی کہے

نالہ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

مطعم بن عدی اور حضرت ابوبکر

ابھی چند سطریں اور تم پڑھ چکے ہو کہ ہجرت مدینہ سے چند ہی دنوں پہلے آنحضرت طائف کی طرف تشریف لے گئے اور وہاں سے پھر کر مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھ کو اپنی حمایت میں لے سکتے ہو؟ اب دیکھو ہجرت کے موقع پر کیا ہوتا ہے، سنو! اور دل تھام کر سنو!! پھر کبھی بھولنا نہیں، یہ الفاظ سونے سے لکھنے کے لائق ہیں کیوں کہ ہدایت کا ایک بڑا دروازہ کھول رہے ہیں "حضرت ابوبکر نے ہجرت کے لئے چار مہینے سے دو اونٹنیاں، ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں، عرض کی کہ ان میں سے ایک آپ پسند فرمالیں، محسن عالم کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا، ارشاد ہوا اچھا مگر بہ قیمت، حضرت ابوبکر نے مجبوراً قبول کیا۔" (سیرۃ النبی مولفہ مولوی شبلی صاحب جلد ا، صفحہ ۱۹۸) اسی سیرۃ النبی کے صفحہ ۱۸۳ میں تم نے پڑھا کہ رسول نے طائف سے پھر کر مطعم کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھ کو اپنی حمایت میں لے سکتے ہو؟ اور صفحہ ۱۹۸ میں یہ ہے کہ محسن عالم کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا" پھر مطعم کا احسان حضرت کو کیسے گوارا ہوا؟ اگر حضرت رسول خدا کسی کا احسان گوارا نہیں کر سکتے تھے تو خود اتنے بڑے احسان کے لئے ایک معمولی کافر مطعم بن عدی کے پاس کیوں پیغام بھیجا؟ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا مطعم بن عدی کی حمایت کو رسول نے احسان نہیں سمجھا، یا حضرت ابوبکر کو اس کافر کے برابر بھی اپنا ہمدرد اپنا حامی

خواہ اور اپنا مہربان نہیں جانا، دنیا کی کوئی عقل اس کو باور کرسکتی ہے کہ آنحضرتؐ کافر کو تو اپنا غمخوار سمجھ کر خود اس کے ہاں حمایت میں لینے کا پیغام بھیجیں، اور حضرت ابوبکر کو اپنا ہمدرد سمجھ کر آپ کے احسان کو ٹھکرا دیں، لطف یہ کہ اس وقت حضرت ابوبکر نے حضرت رسولؐ کو اپنا داماد بھی بنالیا تھا اور اپنی چھ سالہ صاحبزادی حضرت عائشہ کا نکاح حضرت رسولؐ سے کر چکے تھے، باوجود اس کے حضرت ابوبکر اونٹنی پیش کرتے ہیں اور رسول انکار فرماتے ہیں دنیا کے بڑے بڑے اہل عقل وفہم ذرا اس گتھی کو سلجھادیں کہ حضرت رسول نے مطعم بن عدی کافر کو کیوں اس درجہ پسند کیا کہ خود اس کے احسان کے لئے پیغام بھیجا اور حضرت ابوبکر ایسے مسلمان اور خسر سے کیوں اس درجہ نفرت کی یا اس قدر مغائرت برتی کہ وہ اپنی اونٹنی خود پیش کررہے ہیں اور حضرت انکار کرتے ہیں، وہ اونٹنی قبول کرنے کے لئے درخواست کررہے ہیں اور حضرت رسولؐ ان کی بات کو ٹھکرا دیتے ہیں، ذرا بھی ان کے احسان کا نام تک آنے دینا منظور نہیں فرماتے، ہم کو تو دال میں بڑا کالا معلوم ہوتا ہے، یہ علاحدگی یہ انکار، یہ برہمی، تو کسی بڑے راز کا پتہ دیتی ہے، معلوم ہوتا ہے حضرت رسول کا دل حضرت ابوبکر کی شکایتوں سے بھرا ہوا تھا حضرت کا کلیجہ ان کے برتاؤ سے گیا تھا، حضرت کا دل ان کے سلوک سے ہورہا تھا مگر وہ اسباب رنج کیا تھے؟ کیوں حضرتؐ ان سے اس درجہ کبیدہ تھے، وہ راز کہیں یہ تو نہیں تھا کہ جب شروع سے ہجرت کے وقت تک حضرت ابوبکر حضرت رسولؐ کے کسی کام نہیں آئے ، دعوت عشیرہ میں انہوں نے کچھ نہیں کیا محصوری شعب ابی طالب کے تین سالہ مدت میں انہوں نے برائے نام بھی نہیں پوچھا اور طائف سے واپسی کے بعد بھی انہوں نے خبر نہیں لی تو اب مکہ سے جاتے وقت یہ خون لگا کر کیوں شہیدوں میں شامل ہوجائیں؟ اب مدینہ والوں کے سامنے یہ کیوں رسول پر احسان جتائیں کہ اگر میں اونٹنی نہیں دیتا تو رسول بچ کر یہاں آ کیسے سکتے؟ اور دشمنوں کے حملوں سے چھپ کر کس طرح نکل سکتے؟ یقیناً یہی وجہ تھی کہ حضرت رحمۃ اللعالمین نے کافر مطعم بن عدی کے احسان کے لئے خود پیغام بھیجا اور حضرت ابوبکر کے پیش کردہ احسان سے صاف انکار کردیا مگر اب بھی موقع ختم نہیں ہوگیا تھا۔ اگر حضرت ابوبکر چاہتے کہ حضرت رسولؐ کو پر مگس برابر بھی خوش کردیں تو اونٹنی کی مناسب قیمت لے کر حضرت کو بڑے روحی تردد سے بچالیتے۔ لیکن انہوں نے کیا کیا؟

تجارتی نفع حاصل کرنے میں حضرت ابوبکر کا ریکارڈ۔

آؤ اب اس تجارت کی نمائش بھی دیکھتے چلو، شروع سے اب تک تم لوگ دیکھتے آئے کہ کسی مہم میں حضرت ابوبکر نے ایک حبہ بھی خرچ نہیں کیا، ہمارے رسول کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی ہے ضرورت تھی کہ حضرتؐ کے دل ودماغ کو ہر فکر سے محفوظ رکھا جاتا ہر تردد سے بچائے جاتے ہر کوفت سے آزاد رکھے جاتے اس موقع پر حضرت ابوبکر حوصلہ سے کام لیتے

داماد کے آرام دینے کا ارمان بھی پورا کرتے پیر کی خدمت شرف کا بھی اچھی طرح حاصل کرتے اور دنیا میں نام بھی کر جاتے اس آڑے وقت میں جو مدد کرتے صرف اپنے دوست کی نہیں بلکہ اپنے پیشوا کی بھی ہوتی اور اپنے داماد کی بھی کہی جاتی اور اپنی بیٹی کی بھی کہی جاتی حضرت ابوبکر اگر اس وقت اپنی کل دولت بھی رسول کے پاس لا کر رکھ دیتے تو ان کو زیب دیتا اپنی پوری جائداد بیچ کر بھی رسول کی مدد کرتے تو ان کے رشتہ کے شایان ہوتا مگر انہوں نے کیا کیا؟ اُف قیامت بپا کردی، بس وہ کیا جو کسی شاگرد نے اپنے استاد کے ساتھ نہیں کیا، وہ کیا جو کسی مرید نے اپنے پیر کے ساتھ نہیں کیا، وہ کیا جو کسی دوست نے اپنے حبیب کے ساتھ نہیں کیا، وہ کیا جو کسی خسر نے داماد کے ساتھ نہیں کیا گھبراؤ نہیں، ہم بتاتے ہیں کیا کیا، ایسے نازک وقت میں بجائے رسول کی مدد کرنے کے ان سے نفع بازی کا ریکارڈ قائم کردیا، مورخین و محدثین اسلام نے اس نفع بازی کے ریکارڈ کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

ابوبکر را دو شتر بود کہ بچہار صد درم خریدہ بود و بروایتے ہشت صد خریدہ مدت چہار ماہ آں را علف دادہ فربہ ساختہ نگاہ داشتہ بود ہر دو را پیش آوردہ یکے را آں حضرت قبول فرماید فرمود قبول کردم ولیکن بشرط قیمت پس بہ صد درم آں ناقہ را از ابوبکر صدیق خرید

(مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳ و تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۹ و روضۃ الصفا تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲ و کنز العمال کتاب الہجرت جلد ۲ صفحہ ۳۲۹ و صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۶۵ و ۲۶ و جلد ۱۳ صفحہ ۷۰ وغیرہ)

حضرت ابوبکر کے پاس دو اونٹنیاں تھیں جن کو آپ نے چار سو درہم میں خریدا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ آٹھ سو درہم میں خریدی تھیں اور چار مہینے تک دونوں کو چارہ گھاس کھلا کر موٹا کیا تھا ان کو اپنے پاس رکھے ہوئے تھے، اس موقع پر آپ نے وہ دونوں اونٹنیاں حضرت رسول کی خدمت میں پیش کیں کہ ایک کو حضرت قبول فرمالیں حضرت رسول نے فرمایا قبول تو کیا لیکن اس شرط سے کہ تم قیمت پر دو، پس حضرت رسول خدا نے ابوبکر سے ان کی ایک ہی اونٹنی تو سو درہم کو خرید لیا اور حضرت ابوبکر نے اتنی قیمت پر وہ اونٹنی حضرت رسول کے ہاتھ فروخت کی۔ مگر علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ وہ دونوں اونٹنیاں آٹھ سو درہم کی خریدی تھیں (شرح صحیح البخاری پارہ ۱۵ صفحہ ۱۷۰ باب ہجرۃ النبی) اس طرح حضرت رسول کے ہاتھ حضرت ابوبکر نے ایک قول کے مطابق چار سو درہم کی اونٹنی آٹھ سو درہم کو دوسرے قول کے مطابق تو سو درہم کو تیسرے قول کے

مطابق دوسو درہم کی اونٹنی آٹھ سو درہم کو اور چوتھے قول کے مطابق دوسو درہم کی اونٹنی نوسو درہم کو بیچی اتمام کتب حدیث تاریخ و سیرت میں یہ واقعہ اسی طرح مذکور ہے کہ ہمارے رسولؐ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ بہ قیمت لیں گے اور حضرت ابوبکر نے فوراً منظور کرلیا ایک دفعہ بھی کوئی عذر نہیں کیا، ایک بار بھی کوئی کلام نہیں کیا، رسولؐ کی زبان پر قیمت کا لفظ آتے ہی آپ کو گھبرا جانا چاہیئے تھا پریشان ہوجاتے کہ حضرت یہ کیسی بات فرماتے ہیں، کیا یہاں اونٹنی کی کوئی دوکان کھلی تھی جو حضرتؐ نے قیمت کا نام لیا؟ کیا یہاں اونٹنی کا بازار ہے جو حضرت دام کا ذکر فرمانے لگے، قیمت کا سوال کیوں پیدا ہوا؟ قیمت کا ذکر کیوں آیا، جب کوئی چیز تحفۃً پیش کی جاتی ہے تو لینے والا قیمت کا خیال بھی نہیں کرتا پھر رسولؐ نے قیمت کا ذکر کیوں فرمایا؟ تمام کتب حدیث وتاریخ وسیرۃ میں یہ واقعہ اسی طرح مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا بہ قیمت، اور حضرت ابوبکر نے فوراً منظور کرلیا حالانکہ موقع تھا کہ حضرت ابوبکر کہتے یا حضرت قیمت کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو آپ ہی کا مال ہے، یا اصرار کرتے کہ نہیں، میں قیمت تو نہیں لوں گا، حضرت سے الحاح کرتے اور حضرت کے ایک ہی دفعہ انکار فرمانے پر قیمت لینے کے لئے راضی نہیں ہوجاتے حضرت انکار ضرور فرماتے مگر آپ بھی اپنی بات پر قائم رہتے اور دیکھتے کہ آپ کے قیمت نہ قبول کرنے پر حضرت کیا کرتے ہیں، اگر حضرت نے قیمت وہاں رکھ دی تھی تو آپ اس رقم کو اٹھاتے ہی نہیں، اس کو چھوتے ہی نہیں، تو مجبوراً حضرت وہ رقم اپنے پاس ہی رکھ لیتے لیکن کسی ذریعہ سے یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ حضرت ابوبکر نے ایک مرتبہ بھی کہا ہو کہ یا حضرت اس کو میری طرف سے مفت ہی قبول فرمالیں، اس امر کی وجہ:

کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی اونٹنی بغیر قیمت کیوں نہیں لی علماء محققین نے یہ لکھی ہے:

أحب أن لا تكون هجرته الا من مال نفسه۔ (فتح الباری پارہ ۱۵ رصفحہ ۱۷۴)

حضرت رسولؐ نے اس بات کو پسند کیا کہ حضرت کی ہجرت حضرت کے اپنے ہی مال سے ہو۔

مگر یہ سوال ہے کہ حضرت نے کیوں اس بات کو پسند کیا؟ اور صرف ہجرت کے لئے یہ مغائرت کیوں مخصوص کی؟ یہ بھی

اس کے مقابلہ میں ایک دوسرے صحابی رسول کا طرز عمل بھی دیکھتے چلو مگر سب یاد رکھنا، بھولنا نہیں، یہ باتیں تم کو بہت کام آئیں گی بشرطیکہ تم نے ان میں غور وتدبر سے کام لیا اور انصاف کو بھی راہ دیتے رہے۔

عن عروة البارقی ان رسول الله اعطاه دينار أيشترى له به شاة فاشترى له شاتين فباع احدهما بدينار و أتى النبى بالدينار و الشاة فدعا له النبى بالبركة۔ (کتاب کنز العمال مطبوعہ حیدرآباد جلد ۷ رصفحہ ۶۳)

عروہ بارقی بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولؐ نے ان کو ایک دینار دیا کہ اس سے حضرتؐ کے لئے ایک بکری خرید لائیں، وہ گئے اور اس ایک دینار سے دو بکریاں خریدیں پھر ان دونوں سے ایک بکری کو ایک دینار میں بیچ ڈالا اور دوسری بکری اور وہ ایک دینار لاکر حضرت کی خدمت میں پیش کردیا، یہ دیکھ کر آنحضرت نے ان کو برکت کی دعائیں دیں۔

اسلام ہی کا کام تھا اور اس کے قبل بھی آنحضرت جو کچھ کرتے تھے اسلام ہی کے لئے کرتے تھے ہجرت کے قبل کے متعلق تو بڑے زور شور سے کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے اپنا بہت مال آنحضرت کی خوشی اور اسلام کی راہ میں خرچ کر دیا تھا، اگر وہ روایتیں سچی ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ آنحضرت کا اصول ہجرت کے موقع پر بدل گیا؟ غرض اگر اس کو تسلیم کریں کہ حضرت رسول نے اس موقع پر دوسرے کا مال خرچ کرانا پسند نہیں کیا تو ماننا پڑے گا کہ اس کے قبل بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی حمایت یا مسلمانوں کی امانت میں حضرت ابوبکر کا مال خرچ ہونا پسند کیا اس سبب سے کہ آنحضرت کا ہر فعل حکم خدا کا تابع تھا اور خدا کا حکم کبھی کچھ تبدیل نہیں ہو سکتا خدا نے تو صاف طور پر فرمایا ہے:

لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (پارہ ۲۲ ع ۵)

تم لوگوں کو خدا کے اصول میں کوئی تغیر و تبدل نہیں مل سکتا۔

پھر حضرت ابوبکر وہ اونٹنی مفت نہیں پیش کر سکتے تھے تو حضرت رسول سے کہنا چاہیے تھا کہ یا حضرت جلدی کیا ہے؟ نہ میں آپ سے جدا ہوتا ہوں، نہ حضور مجھ سے جدا ہوتے ہیں، مدینہ پہنچنے کے بعد اس کا حساب ہو جائیگا، یا اس وقت آپ اس کو مجھ سے کرایہ پر لے لیں ایک درہم روزانہ کرایہ کے حساب سے جوڑ کر مدینہ میں عنایت فرما دیجئے گا یا دس درہم روزانہ عطا فرمائے گا میں خوشی سے قبول کر لوں گا یا حضور اس پر سوار ہو کر تشریف لے چلیں، مدینہ پہنچنے کے بعد آپ کی سواری کا کوئی انتظام ضروری ہوگا جتنے دنوں میری اونٹنی آپ کے کام میں رہے گی اتنے ہی دنوں کے لئے مدینہ میں آپ اپنی اونٹنی مجھے دے دیجئے گا کہ میرے کام میں رہے گی، بدلہ ہو جائیگا، اگر رسول ان باتوں کو نہیں مانتے تو آپ کہتے کہ پھر حضور جو مناسب قیمت چاہیں دیں میں لے لوں گا، دیکھتے کہ رسول اس پر کیا کہتے ہیں یا صرف اتنا ہی جواب دے دیتے کہ یا حضرت اگر آپ قیمت ہی کے لئے اصرار فرماتے ہیں تو میں صاف کہہ دیتا ہوں کہ دونوں اونٹنیاں میں نے چار سو درہم میں چار مہینہ پہلے خریدی تھیں ایک حضور لے لیں اور جو قیمت چاہیں دے دیں مجھے عذر نہیں ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی تو فرمایا تھا کہ لیکن بہ شرط ابتیاع یعنی اس شرط سے کہ قیمت پر دو، حضرت نے کوئی قیمت تو نہیں مقرر کر دی تھی کہ اس قیمت پر میں لیتا ہوں، تو آپ حضرت سے صرف قیمت لے لیتے نفع نہیں لیتے اگر حضرت اس کے لئے بھی اصرار فرماتے تو عرض کرتے کہ میں صرف قیمت لینے پر راضی ہوا ہوں نفع کا نام آپ نے نام لیا ورنہ میں اس کو قبول کر سکتا ہوں، یہ میرے لئے شرم کی بات ہوگی کہ ایسے سخت وقت میں حضور سے قیمت بھی لوں اور نفع بھی حاصل کروں، حضور مجھے ذلیل نہ کریں حضور مجھے شرمندہ نہ کریں، اس سے میری بڑی بدنامی ہوگی، لوگ مجھ پر بہت زیادہ ہنسیں گے جو میری برداشت سے باہر ہوگا، اگر ان باتوں کا اثر بھی حضرت پر نہیں ہوتا

تو کہتے کہ یا حضرت اگر آپ اس کی قیمت ہی دینی چاہتے ہیں تو سو درہم دے دیجئے کیوں کہ یہ میری دوسو کی خریدی ہوئی ہے بہت دنوں سے میرے پاس ہے میں اس پر بہت سواری بھی کر چکا ہوں میرے گھر والے بھی اس پر برابر جاتے آتے رہے ہیں، میری خانہ داری کے بہت سے کام بھی یہ کر چکی ہے، سو درہم ان کاموں کی وجہ سے وضع کر لیجئے اب اگر آپ صرف سو درہم اس کی اصلی قیمت دیدیں گے تو میں کیا کر سکتا ہوں بصد کراہت لے لوں گا لیکن اس سے زیادہ ایک حبہ بھی قبول نہیں کروں گا، غرض اس قسم کی بہت سی باتیں کر سکتے تھے، لیکن حضرت ابوبکر نے کیا کیا؟ کیا اس قسم کی کوئی بات بھی کی؟ کیا ایسے انصاف کو ذرہ برابر بھی راہ دیا؟ کیا ایسی خوش معاملگی دکھائی؟ کیا اتنی ہمدردی بھی اپنے مولا و آقا اور اپنے نئے داماد کے ساتھ کی؟ کیا حقیر سے حقیر مروت بھی دکھائی؟ حالانکہ یہ کوئی ہمدردی بھی نہیں تھی، اپنا مال دام کے دام بیچ دینا ہمدردی نہیں کہی جاتی، لیکن اس کی اصلی قیمت سو درہم کے عوض ابوبکر نے اس اونٹنی کی قیمت رسول سے نو سو درہم وصول کی دنیا میں بہت سی تجارتیں ہوتی ہیں مگر کہیں بھی تم لوگوں نے سنا کہ کوئی انصاف پسند شخص سو روپیہ کا مال نو سو روپیہ میں بیچتا ہو؟ بہت سے تاجر اپنا مال ایک روپیہ میں ایک آنہ نفع لیکر بیچ دیتے ہیں ان سے زیادہ لوگ ایک روپیہ کا مال اٹھارہ آنے میں بیچ ڈالتے ہیں، ان کے قریب شاید وہ لوگ ہوں جو ایک روپیہ کا مال سوا روپیہ میں فروخت کرتے ہیں، اب ابوبکر کے معاملہ کا حساب کرو اگر ایک روپیہ میں ایک آنہ نفع کا حق رکھ کر وہ اونٹنی بیچے ہوتے تو دوسو درہم کی اونٹنی دوسو بارہ اور نصف درہم میں دیتے اور اگر ایک روپیہ میں دو آنہ نفع کا حق رکھ کر بیچتے تو دوسو پچیس درہم میں دیدیئے ہوتے اور اگر روپیہ میں چار آنہ نفع رکھ کے بیچے ہوتے تو دوسو پچاس درہم میں دینا چاہئے تھا، اور اگر روپیہ میں آٹھ آنہ نفع رکھتے تب بھی زیادہ سے زیادہ تین سو درہم لیتے، لیکن سو یا زیادہ سے زیادہ دوسو درہم کی اونٹنی انہوں نے ہمارے پریشان حال رسولؐ کے ہاتھ نو سو درہم میں بیچی اور پھر بھی ہمارا کلمہ پڑھنے والے مسلمان ان کو رسول کا یار غار کہتے ہیں۔ دنیا کے عجائبات مشہور سات ہیں کم از کم آٹھ ہونے چاہئیں، ابوبکر کے اس معاملہ کو بھی جو انہوں نے اپنے پیشوا اپنے دوست اور اپنے داماد کے ساتھ کیا دنیا کے عجائبات ہی میں شمار کرنے کی ضرورت ہے، ہر مسلمان غور کرے کہ ابوبکر کے رسول سے اس بے حساب نفع بازی کرنے کے بعد اب کسی کو کسی موقع پر ابوبکر کا نام لینا بھی مناسب ہے؟ کیا ہم نے اپنے قرآن مجید میں یہ آیتیں نہیں ذکر کر دی ہیں:

(۱) اولٰئک الذین اشترو الضلالۃ بالھدیٰ فما ربحت تجارتھم وما کانو امھتدین۔ (پارہ ۱/ ع ۲)

یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی حاصل کر لی تو ان کو ان کی تجارت کا نفع بھی نہیں ہوا اور نہ یہ راہ راست ہی پا سکے۔

(۲) قل ان کان آباؤکم و ابناؤکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموال ن اقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا و مساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ و رسولہ و جھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بأمرہ واللہ لا یھدی القوم الفاسقین (پارہ ۱۰ ع ۹)

اے پیغمبر! ان مسلمانوں کو سمجھا دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بی بیاں اور تمہارے کنبے دار اور مال جو تم نے کمائے ہیں، اور سوداگری جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہو اور مکانات جن میں رہنے کو تمہارا جی چاہتا ہے اگر یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کے رستے میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ عزیز ہوں تو ذرا صبر کرو یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لا موجود کرے اور اللہ ان لوگوں کو جو اس کے حکم سے سرتابی کریں ہدایت نہیں دیا کرتا۔

(۳) رجال لا تلھیھم تجارۃ و لا بیع عن ذکر اللہ الخ (پارہ ۱۸ ع ۱۱)

وہ لوگ جن کو سوداگری اور اپنی چیزوں کا (دوسروں کے ہاتھ) بیچنا خدا کی یاد سے غافل اور بے پروا نہیں کر دیتا۔

(۴) ان الذین یتلون کتاب اللہ و اقاموا الصلوۃ و انفقوا مما رزقنٰھم سرا و علانیۃ یرجون تجارۃ لن تبور لیوفیھم اجورھم و یزیدھم من فضلہ انہ غفور شکور (پارہ ۲۲ ع ۱۴)

جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے اور نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے چھپا کر اور کھلے طور پر راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں بے شک وہ ایسے بیوپار کی آس لگائے بیٹھے ہیں جس میں کبھی گھاٹا ہو ہی نہیں سکتا کیوں کہ خدا ان کو ان کے اجر پورے پورے بھر دیگا اور اپنے فضل سے ان کو زیادہ بھی دیگا کیوں کہ وہ بڑا بخشنے والا اور بڑا قدردان ہے

(۵) یا ایھا الذین آمنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم تؤمنون باللہ و رسولہ و تجاھدون فی سبیل اللہ بأموالکم و انفسکم ذٰلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون یغفر لکم ذنوبکم و یدخلکم جنات تجری من تحتھا الأنھار و مساکن طیبۃ فی جنت عدن ذٰلک الفوز العظیم و اخری تحبونھا نصر من اللہ و فتح قریب و بشر المؤمنین یا ایھا الذین امنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسی ابن مریم للحواریین من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ فامنت طائفۃ من بنی اسرائیل و کفرت طائفۃ فایدنا الذین امنوا علی عدوھم فاصبحوا ظاھرین (پارہ ۲۸ ع ۱۰)

اے مسلمانو! کہو تو میں تم کو ایسی سوداگری بتاؤں جو تم کو آخرت کے عذاب دردناک سے بچا لے وہ یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور خدا کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانیں لڑاؤ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو، ایسا کرو گے تو خدا تمہارے گناہوں کو معاف کر دیگا اور تم کو بہشت کے ایسے باغوں میں لے جا داخل کریگا جن کے تلے نہریں پڑی

بہہ رہی ہوں گی اور نیز عمدہ عمدہ مکانات میں کہ وہ مکانات ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے. بہت بڑی کامیابی ہے اور ان نعمتوں کے سوا ایک اور نعمت بھی ہے جس کو تم دل سے پسند کرتے ہو اور تم عنقریب ملک فتح کرو گے، اور اے پیغمبر مسلمانوں کو اس کی خوشخبری سنادو، مسلمانو! اللہ کے دین کے مددگار بنے رہو جیسا کہ مریم کے بیٹے عیسیٰ نے اپنے حواریوں یعنی اصحاب سے کہا کہ ایسے کون ہیں جو خدا کی طرف ہو کر میرے مددگار بنیں، اس پر حواری بولے کہ خدا کے رسول کے مددگار ہیں چنانچہ حواریوں نے دین عیسوی کے رواج دینے میں کوشش کی تو بنی اسرئیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لایا اور ایک کافر رہا تو جو لوگ ایمان لائے تھے ہم نے ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی تائید کی اور آخر کار وہی غالب رہے۔

(۶) قل ماعنداللہ خیر من اللھو و من التجارۃ واللہ خیر الرازقین (پارہ ۲۸/ع ۱۲)

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو کہ جو ثواب اللہ کے ہاں ہے وہ تماشے اور سودے سے بہت بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

(۷) ولکن البرّ من امن باللہ والیوم الأخر والملائکۃ والکتاب والنبیین وأتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ الآیتہ (پارہ ۳/ع ۵)

بلکہ اصل نیکی تو ان کی ہے جو اللہ اور روز آخرت اور فرشتوں اور آسمانی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور مال عزیز، اللہ کی محبت میں اپنے رشتہ داروں کو دے۔

یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ ہمارے رسولؐ ابوبکر کے داماد تھے اس سے زیادہ رشتہ کیا ہو سکتا ہے مگر انہوں نے ان کی ذات میں اپنا جو مال خرچ کیا وہ دو سو کا اونٹ دے کر نو سو درہم وصول کرنے سے محتاج بیان نہیں رہا۔

(۸) من ذالذی یقرض اللہ قرضاً فیضاعف لہ اضعافاً کثیرہ واللہ یقبض ویبسط والیہ ترجعون (پارہ ۲/ع ۱۲)

کوئی ہے جو خدا کو خوش دلی کے ساتھ قرض دے کہ خدا اس کے قرض کو اس کے لئے کئی گنا بڑھا دے گا اور اللہ لوگوں کو تنگ دست بھی کرتا ہے اور کشایش بھی دیتا ہے اور اسی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

سفر ہجرت میں بھی اگر ابوبکر اصرار کر کے بطور تحفہ وہ اونٹنی رسول کو دیدیتے تو خوب تھا نہ کہتے کہ اچھا ہم اس کو قرض دیتے ہیں، جب آپ کو اطمینان ہوگا تو قیمت دے دیجیئے گا اس وقت قیمت دینے کی جلدی ہی کیا ہے۔

(۹) ولا تخزنی یوم یبعثون یوم لاینفع مال ولا بنون الا من أتی اللہ بقلب سلیم وازلفت الجنۃ للمتقین وبرزت الجحیم للغاوین۔ (پارہ ۱۹/ع ۹)

مجھ کو اس دن رسوا نہ کیجیو کہ اس دن مال ہی کام آئے گا اور نہ بیٹے ہی کام آئیں گے مگر ہاں اسی کی نجات ہوگی جو پاک

دل لے کر خدا کے حضور میں حاضر ہوگا اور جنت پرہیزگاروں کے قریب لائی جائے گی اور دوزخ نکال کر گمراہوں کے سامنے کردی جائیگی (کہ وہ اسی میں داخل ہوجائیں۔)

(۱۰) مناع للخير معتد اثيم عتل بعد ذلك زنيم ان كان ذا مال و بنين۔ (پارہ ۲۹ رع ۳۰)

خیرات سے بڑا روکنے والا بندگی سے بڑھ جانے والا بدخو، اکھڑ، تندخو اور بڑائی میں مشہور اس برتے پر کہ مال اور بیٹے رکھتا ہے۔

(۱۱) وتحبون المال حبا جما كلا اذا دكت الارض دكا دكا وجاء ربك والملك صفا صفا وجايء يومئذ بجهنم يومئذ يتذكر الانسان وانى له الذكرى (پارہ ۳۰ رع ۱۴)

اور تم لوگ مال کو بہت ہی عزیز رکھتے ہو، مگر جس دن زمین مارے دھکوں کے چکنا چور ہوجائے اور تمہارا پروردگار سامنے موجود ہے اور فرشتے صف بستہ ہوں رہیں گے اور اس دن جہنم سب کے روبرو حاضر کی جائی گی، اس دن انسان چونکے گا مگر اس وقت اس کے چونکنے سے کیا فائدہ۔

(۱۲) مثل الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله كمثل حبة انبتت سبع سنابل في كل سنبلة مائة حبة والله يضاعف لمن يشاء والله واسع عليم۔ (پارہ ۳ رع ۴)

جو لوگ اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی خیرات کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں پیدا ہوئیں، ہر بالی پر سو دانے اور اللہ برکت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ بڑی گنجائش والا اور ہر ایک چیز کے حال سے بڑی اطلاع رکھنے والا ہے۔

(۱۳) واما من بخل واستغنى وكذب بالحسنى فسنيسره للعسرى وما يغني عنه ماله اذا تردى ان علينا للهدى وان لنا للآخرة والاولى فانذرتكم نارا تلظى لا يصلاها الا الاشقى الذي كذب وتولى وسيجنبها الاتقى الذي يؤتي ماله يتزكى (پارہ ۳۰ رع ۱۷)

اور جس شخص نے راہ خدا میں مال خرچ کرنے سے بخل کیا اور آخرت کی پرواہ نہ کی اور اچھی بات کو جھوٹ جانا تو ہم سختی کی جگہ یعنی (دوزخ میں پہنچنے کا رستہ) اس کے لئے آسان کردیں گے اور جب وہ جہنم میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا ہمارا کام تو راہ دکھا دینا ہے اور آخرت اور دنیا دونوں ہمارے اختیار میں ہیں تو لوگو! ہم نے تم کو دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا دیا ہے کہ اس میں وہی بدبخت داخل ہوگا جو سچی باتوں کو جھٹلاتا اور اس سے منہ پھیرتا رہا اور جو بڑا پرہیزگار ہے وہ اس آگ سے بہت دور رکھا جائیگا وہ ایسا کہ اپنا مال راہ خدا میں دے دیتا ہے کہ اس کا نفس بخل کے عیب سے پاک ہو۔

(۱۴)ولایحسبن الذین یبخلون بما أتاھم اللہ من فضلہ ھو خیر لھم بل ھو شر لھم سیطوّقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ(پارہ۴رع۹)

اور جن لوگوں کو خدا نے اپنے فضل وکرم سے مقدور دیا ہے اور وہ راہ خدا پر اس کے خرچ کرنے میں بخیلی کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں، بہتر نہیں بلکہ وہ ان کے حق میں بدتر ہے کیونکہ جس مال کا بخل کرتے ہیں عنقریب قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان کے گلے میں پہنا دیا جائے گا۔

(۱۵)ھاأنتم ھؤلآء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللہ فمنکم من یبخل ومن یبخل فانّما یبخل عن نفسہ واللہ الغنیّ وأنتم الفقرآء وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا أمثالکم(پارہ۲۶رع۸)

تم لوگ سن رکھو کہ تم ایسے ہو کہ تم کو خدا کے رستے میں اپنے قومی فائدے کے لئے خرچ کرنے کو بلایا جاتا ہے اس پر بھی تم میں ایسے بہتیرے ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو حقیقت میں خود اپنے سے بخل کرتا ہے ورنہ اللہ تو بے نیاز ہے اور تم اس کے محتاج ہو اور اگر تم حکم خدا سے روگردانی کروگے تو خدا تمہارے سوا دوسروں کو لا بٹھائے گا اور وہ تم ایسے نہیں ہوں گے۔

(۱۶)ذٰلک الکتٰب لاریب فیہ ھدًی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم ینفقون(پارہ۱رع۱)

یہ وہ کتاب ہے جس میں کچھ بھی شک نہیں، پرہیز گاروں کی رہنما ہے جو غیب پر ایمان لاتے، نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے راہ خدا میں بھی خرچ کرتے ہیں۔

(۱۷)وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بأیدیکم الی التھلکۃ وأحسنوا ان اللہ یحب المحسنین(پارہ۲رع۸)

اور خدا کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو اور احسان کرو اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(۱۸)یاأیھا الذین أمنوا انفقوا مما رزقناکم من قبل ان یاتي یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ والکافرون ھم الظٰلمون(پارہ۳رع۳)

اے ایمان والوں ہمارے دئے ہوئے میں سے راہ خدا میں بھی خرچ کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آموجود ہو جس میں خرید وفرخت ہوگی نہ یاری نہ سفارش اور جو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے وہ ظالم ہیں۔

(۱۹)وما تنفقوا من خیر فلأنفسکم وما تنفقون الا ابتغاء وجہ اللہ۔(پارہ۳رع۵)

اور تم لوگ اپنے مال میں سے جو کچھ بھی کار خیر میں خرچ کرو گے تو اپنے لئے اور تم تو خدا ہی کی رضا جوئی کے لئے خرچ کرو گے نا؟

(۲۰) یاایھا الذین امنوا لاتلھکم أموالکم ولا أولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذلک فأولئک ھم الخاسرون و انفقوا مما رزقنکم من قبل أن یاتی احدکم الموت فیقول رب لولا أخرتنی الی أجل قریب فاصدق وأکن من الصالحین (پارہ ۲۸ ر ع ۱۴)

اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد یاد خدا سے غافل نہ کریں اور جو ایسا کریگا تو وہی لوگ آخر کار گھاٹے میں رہیں گے اور ہم نے تم کو جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے راہ خدا میں بھی خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آموجود ہو اور وہ لگے کہنے کہ اے پروردگار کاش تو مجھ کو تھوڑے دنوں کی اور مہلت دیتا تو میں کار خیر میں خرچ کرتا اور میں بھی نیک بندوں میں ہو جاتا۔

دو یادگار تجارتیں،

حضرت رسولؐ کی ہجرت بھی عجیب تماشا عالم ہے دنیا میں لاکھوں بلکہ کروڑوں تجارتیں ہوئیں اور ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں مگر اس ہجرت رسولؐ (۱ء مطابق ع ۶۲۲ء) میں دو تجارتیں ایسی ہوئیں جن کی حال خلقت آفتاب و ماہتاب سے اب تک دیکھی زمانہ میں نظر آئی اور نہ کسی ملک میں بس ایسی ہی دو ہوئیں جو شاید قیامت تک بے حال ہیں، ایک تجارت آنحضرت اور حضرت ابوبکر میں ہوئی اور دوسری خدا اور حضرت علیؑ میں، حضرت رسولؐ وابو بکر کی تجارت تو یہ کہ وہ سو درہم کی اونٹنی تو سو درہم کو بیچی تھی، اور خدا اور حضرت علیؑ کی عبادت وہ، جس کو خدا ان شاندار لفظوں میں ذکر فرماتا ہے۔

ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد۔ (پارہ ۲ ر ع ۹)

لوگوں میں ایسے نیک بندے بھی ہیں جو خدا کی خوشی کے لئے اپنی جان تک دے دیتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے

ہمارا کلمہ پڑھنے والے مسلمانو! ہمارا نام لینے والے اہل اسلام ہمارے دین کے ماننے والے امت رسولؐ!!! ان دونوں یادگار تجارتوں کو خوب یاد رکھنا، ہر روز یاد کر لینا، اسی طرح اپنے دماغ میں محفوظ کر نا کیونکہ جس جگہ (مکہ معظمہ) میں اسلام پیدا ہوا، جس مقام پر اس دین خدا کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور جس زمین پر اس قیامت تک باقی رہنے والے مذہب کی نشو ونما شروع ہوئی وہیں پر دونوں یادگار تجارتیں بھی ہوئیں اور اسلام ہی کے دونوں بانیوں (خدا اور رسول) کے ساتھ کی گئیں۔ ایک تجارت حضرت ابوبکر نے کی، ایک علی علیہ السلام نے کی، بس دونوں تاجروں کی نیت، خلوص عمل بلکہ انسانیت کا فیصلہ بھی انہیں دونوں تجارتوں سے کرلو، ہم یہ نہیں پوچھتے کہ دونوں تجارتوں سے کون بہتر تھی اور دونوں تاجروں سے کون افضل تھا، بلکہ یہ

دریافت کرتے ہیں کہ ان دونوں تجارتوں سے کون تجارت اسلام کی جڑ اکھاڑ دینے کا سامان کرنے کے لئے اور کون تجارت دین خدا میں روح پھونکنے کے لئے ہوئی؟ کون تجارت رسول کو بدحواس کر دینے کے لئے ہوئی اور کون تجارت پیغمبر خدا کے اطمینان کو معراج تک پہنچا دینے کے لئے کی گئی؟ کون تجارت دنیا پرستی کے لئے کی گئی اور کون تجارت خدا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے انجام دی گئی؟ مذہب کو الگ کر کے صرف انسانی صفات کے اعتبار سے ہی دیکھو اور بتاؤ کون تجارت شکم پری کے لئے اور کون نفس کشی کے لئے ہوئی کون نفع اٹھانے کے لئے ہوئی اور کون نفع پہنچانے کے لئے ہوئی؟ کون انسان کو خود غرضی کا درس دینے والی ہے اور کون آدمی کو قربانی کا سبق پڑھانے والی ہے؟ کون تجارت لوگوں کو برے اخلاق کی طرف بلانے والی اور کون ان کو اچھے اخلاق کی طرف ہدایت کرنے والی ہے؟ کون لوگوں کو ظلمت کی طرف دعوت دینے والی ہے اور کون انہیں نور کی طرف کھینچنے والی ہے کون تجارت:

یخرجونھم من النور الی الظلمات (لوگوں کو روشنی سے اندھیرے میں لے جاتے ہیں) کی۔

اور کون تجارت:

یخرجونھم من الظلمات الی النور (لوگوں کو اندھیرے سے روشنی میں لے جاتے ہیں) کی؟۔

پوری تصویر نظر آ رہی ہے اور مکمل فوٹو دکھائی دیتی ہے۔

قرآن مجید کے شروع ہی میں ہم نے دو قسم کے لوگوں کا تذکرہ کر دیا ہے ایک وہ جن پر ہماری رضا کی نعمتیں نازل ہوتی ہیں دوسری وہ جن پر ہمارا غضب نازل ہوتا اور وہ گمراہ ہیں۔ اور تم لوگوں کو حکم دیا ہے کہ ہر روز کم از کم دس مرتبہ (پنج وقتہ نمازوں میں) ہم سے اس طرح دعا مانگا کرو،

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم، (اے خدا ہم کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت کر ان لوگوں کے راستے کی طرف جن پر تیری خوشی کی نعمتیں نازل ہوتی رہتی ہیں)

غیر المغضوب علیھم ولا الضالین (ان کی راہ نہ چلنے دینا جن پر تیرا غضب نازل ہوتا ہے اور وہ گمراہ ہیں)

اب تم مسلمانوں خود سمجھ کر بتاؤ کہ ہجرت کی دونوں یادگار تجارتوں سے کون پہلی صف کی مصداق ہے اور کون دوسرے وصف کی، تم خود بتاؤ، ہم سے نہ پوچھو کیونکہ:

قدتبین الرشد من الغیّ (گمراہی سے ہدایت کا راستہ جدا ہو کر صاف دکھائی دے رہا ہے)

ان دونوں تاجروں کی فضیلت کی حدیثیں تو بہت بیان کی جاتی ہیں، ان کے مناقب سے تو ہزاروں کتابیں بھری ہوئی

ہیں ان کی اسلامی خدمتوں کا بڑا چرچا کیا جاتا ہے ان کے ہزاروں مداحوں کے سب بیانوں کو ایک جگہ جمع کر کے چھانٹ ڈالو، ایک تاجر کے فضائل و مناقب و مدائح و قصائد ایک طرف رکھو اور اس ذخیرے کے اوپر سونے کے حرفوں سے لکھ دو "یہ اس تاجر کے فضائل ہیں جس نے ہجرت کے موقع پر ایسی عظیم الشان تجارت کی کہ دو سو درہم کی اونٹنی تو سو درہم کو بیچی اور دوسرے تاجر کے بارے میں جو کچھ سنو اس کو دوسری طرف رکھ کر اس ڈھیر کے اوپر لکھ دو یہ اس تاجر کے ہیں جس نے ہجرت کے موقع پر مال کیا چیز ہے اپنی جان تک کی پروا نہیں کی، اسلام اور رسولؐ سے لیا ایک کوڑی بھی نہیں اور دے دیا سب کچھ، کیوں؟ اس لئے کہ مشہور ہے جان ہے تو جہان ہے اس تاجر نے اپنی جان بخش کردی تو اپنی جان جہان ہی قربان کی، خوب کہا ہے۔

تعریف علی بہ گفتگو ممکن نیست   گنجائش بحر در سبو ممکن نیست [1]

حضرت ابوبکر اور علی علیہ السلام کا مقابلہ نہیں،

مسلمانو! تم لوگ حضرت ابوبکر اور امام علیؑ میں مقابلہ کرتے ہو اس وجہ سے ہم نے تم لوگوں کو سمجھانے کو اتنا کہہ دیا، ورنہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا تم لوگ کس سبب سے ان دونوں میں مقابلہ کرتے ہو؟ مقابلہ وہاں ہوتا ہے جہاں دونوں طرف ایک ہی صفت کی کچھ باتیں جمع ہوں لیکن ایک شخص اسلام سے سب کچھ اور ہر طرح لینا چاہتا ہو اور دوسرا شخص سب کچھ اور ہر طرح دینا چاہتا ہو وہاں مقابلہ کرنا عقل کا کام نہیں سمجھا جا سکتا تم لوگ خود ہی بتاؤ حضرت ابوبکر کس وصف میں علیؑ کے مقابلے میں پیش ہو سکتے ہیں؟ ہاں علی کا مقابلہ کرنا ہو تو ہم بتا دیں۔

اولاد انبیاء اور علی علیہ السلام میں مقابلہ

سابق انبیاء کرام کی اولاد میں دیکھو کس نے کیا کیا اور اس کے مقابلہ میں علیؑ کے کارناموں کو رکھو، پھر فیصلہ کرتے چلو کہ کوئی نبی زادہ بھی علیؑ کے مقابلہ پر ٹھہرتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے دو فرزند

واتل علیھم نبا ابنی آدم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الآخر قال لاقتلنک قال انما

---

[1] مختصر یہ کہ حضرت علی کے فضائل و محامد و مناقب و محاسن پر نظر کرنے سے ہر انصاف پسند یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ حضرت رسولؐ کے بعد علی ہی افضل الناس تھے کسی صفت میں کوئی شخص آپ کا ہمسر نہ تھا۔

آنکہ مداحش خدا ہست و رسول اللہ بود   گر کسی مشتاق باشد ہم رسول اللہ بود

زمانۂ حیات رسولؐ میں دین کی اشاعت آپ ہی کی ذوالفقار شرربار کی بدولت ہوئی۔ بعد وفات رسول صلعم دین کی سرپرستی آپ ہی سے متعلق رہی

آں سرور اگر نبود کی بود اسلام   تا آں روز شد راست نیا سود کی بود

یتقبل اللہ من المتقین، فطوعت لہ نفسہ قتل اخیہ فقتلہ فاصبح من الخاسرین۔ (پارہ۶ ر ع ۹)

اور اے پیغمبر ان لوگوں کو آدم کے دونوں بیٹوں ہابیل اور قابیل کے حالات پڑھ کر سناؤ کہ جب دونوں نے نیازیں چڑھائیں تو ایک (ہابیل) کی قبول ہوئی اور دوسرے (قابیل) کی قبول نہ ہوئی تو قابیل نے کہا میں ضرور تجھ کو قتل کروں گا ہابیل نے کہا اللہ تو صرف پرہیز گاروں سے قبول کرتا ہے غرض قابیل کے نفس نے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا، تو اس نے ان کو مار ڈالا اور نقصان اٹھانے والا ہو گیا۔

اس واقعہ سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ صرف ایک قربانی کے قبول ہونے کے مسئلے پر ایک بھائی نے اپنے دوسرے بھائی کے ساتھ کیا کیا، حالانکہ دونوں نہ چچازاد بھائی تھے نہ ماموں زاد بلکہ حقیقی بھائی تھے، ایک کو اپنی جان دے کر دوسرے بھائی کی حفاظت کرنی تھی لیکن بجائے بچانے کے خود ہی اس کو قتل کر ڈالا، ان کے مقابلہ میں علیؑ نبی زادہ نہیں تھے اور حضرت محمدؐ ان کے حقیقی بھائی بھی نہ تھے لیکن وہ اپنی جان دینے اور محمدؐ کو بچانے کیلئے کس خوشی، اطمینان اور شکریہ کے ساتھ آمادہ و ہو گئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزندان،

حضرت یعقوبؑ کے فرزندان بھی نبی زادے تھے اولاد پیغمبر تھے مگر ان لوگوں نے اپنے بھائی حضرت یوسفؑ کے ساتھ کیا کیا؟ تم لوگ قرآن مجید برابر پڑھتے ہو۔

اذقالو لیوسف واخوہ أحب الی ابینامنا ونحن عصبۃ ان ابانا لفی ضلال مبین ن اقتلو یوسف او اطرحوہ ارضاً یحل لکم وجہ ابیکم آلایۃ (پارہ ۱۲ ر ع ۱۲)

جب یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا کہ باوجود یکہ ہم کئی آدمی ہیں مگر یوسف اور ان کے بھائی ہی ابا جان کو زیادہ پیارے ہیں یقیناً ابا کھلی گمراہی میں ہیں یوسف کو یا تو قتل کر دو یا کسی جگہ پھینک آؤ تو والد کا رخ صرف تمہاری طرف ہو جائیگا۔

بس اتنی سی بات پر حضرت یعقوب پیغمبر کے لڑکوں نے اپنے خوبصورت بھائی یوسفؑ کو کنویں میں ڈال دیا اور بھائی کی محبت، خون کا جوش و نسل نبوت کا اثر اور خاندانی اخلاق کا جوہر سب کافور ہو گیا۔

ان نبی زادوں کے مقابلے میں علیؑ نے کیا کیا؟ اپنے حقیقی بھائی کے ساتھ نہیں بلکہ چچازاد بھائی کے ساتھ؟ ۱ اِلٰہ ھ کے قبل تک کل دنیا کو چھان ڈالو، دیکھو کہیں بھی علیؑ کا جواب ملتا ہے؟ اور ۱ اِلٰہ ھ کے بعد بھی آج تک تحقیق کر ڈالو ایک شخص کا نام بھی لینے کے قابل دکھائی دیتا ہے۔

حضرت اسماعیلؑ اور حضرت علیؑ

اب اس نبی زادے سے بھی مقابلہ کرلو جو خود بھی نبی ہوا، وہ کون؟ حضرت ابراہیمؑ کے پیارے صاحبزادے جناب اسمٰعیلؑ ذبیح اللہ ہمارے خلیل ابراہیمؑ نے اپنے ان سعادتمند فرمانبردار اور نبی ہونے والے فرزند سے کیا کہا؟ اور انہوں نے کیا جواب دیا؟ ہمارے قرآن کے الفاظ سنو۔

فلما بلغ معه السعی قال یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری قال یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین۔ (پارہ ۲۳ ر ۷)

جب اسمٰعیلؑ اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے لگے تو ابراہیمؑ نے کہا اے بیٹا میں خواب دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں، تم سوچو کہ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ اسمٰعیلؑ نے کہا بابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے اس کی تعمیل کیجئے انشاء اللہ آپ مجھ کو بھی صابرین ہی سے پائیں گے۔

مسلمانو! اب غور کرو اور یہی طرح اس واقعہ کو بھی دیکھو کس قدر درد ناک واقعہ اور کس درجہ المناک حادثہ ہے، باپ خواب میں دیکھتے ہیں کہ اپنے پیارے بیٹے اسمٰعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں، وہ اس خواب کو بھی خدا کا حکم سمجھتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کرتے، اس میں ذرہ برابر تردد نہیں ہوتا، اس کی کوئی تاویل نہیں فرماتے اور یقین کر لیتے ہیں کہ ضرور یہ خدا کا حکم ہے اللہ یہی چاہتا ہے کہ میرے ہاتھ سے میرے فرزند کو ذبح کرائے، اس میں کوئی جائے دم زدن نہیں ہے اگر میں خدا کا مطیع بندہ ہوں تو مجھے ایسا ہی کرنا چاہئے انہوں نے اسی فرزند سے کہا کہ بیٹا ایسا ہے حضرت اسمٰعیلؑ نے بہترین جواب دیا کہ جب خدا ہی یہ چاہتا ہے مالک ہی کی یہ خواہش ہے معبود ہی کا یہ حکم ہے تو ہم مخلوقوں کو کیا عذر ہے ہم بندے کیا بول سکتے ہیں ؎

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

مگر اتنا تو ہر شخص مان لے گا کہ یہاں کوئی دشمن نہیں ہے کسی حالت کی کوئی بات نہیں ہے کسی غیر کو دخل نہیں ہے، خدا حکم دینے والا پیغمبر اپنی پیغمبری کی شان دکھانے والے اور سعادت مند فرزند اطاعت و محبت کا جوہر پیش کرنے والا ہے، خدا کون؟ جو ارحم الراحمین ہے، ذبح کا ارادہ کرنے والے کون؟ حضرت ابراہیمؑ جو خلیل خدا کے لقب سے سرفراز ہیں، اور ذبیح کون؟ جس کو حضرت ابراہیمؑ اپنی جان سے زیادہ پیار کرتے ہیں اگر اور کچھ مانتے ہو تم تیار نہیں ہو تو اتنا ضرور قبول کرو گے کہ اسمٰعیلؑ نے اپنے دشمنوں سے ذبح ہونے کو نہیں پیش کیا، حضرت ابراہیمؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ اے اسمٰعیل خدا یہ چاہتا ہے تم کو تمہارے دشمن ذبح کریں یہ نہیں ارشاد کیا کہ تمہاری جان لینی چاہتے ہیں تم سوچو کہ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے، حضرت اسمٰعیلؑ اس صورت میں کیا جواب دیتے اور دشمنوں کی یورش دیکھ کر ان کی کیا حالت ہوتی اس کو کون بتا سکتا ہے لیکن یہ تو یقینی ہے کہ

انہوں نے اس جگہ نہ کسی دشمن کا نام سنا نہ کسی مخالف کی صورت دیکھی نہ کسی کافر کی تلوار دیکھی نہ نیزہ نہ خنجر بس وہ تھے، اور شفیق باپ تھے کسی تیسرے کا ذکر نہیں، اس کے مقابلے میں ہمارے ولی اور نفس رسول علی ابن ابی طالبؑ نے کیا کیا اپنے کو دشمنوں کے ہاتھ سے قتل ہونے کے لئے پیش کر دیا، دشمن بھی ایک نہیں بلکہ مکہ بھر کے کفار دشمن بھی معمولی نہیں بلکہ غیظ وغضب میں بھرے ہوئے، تیرہ سال سے اس آگ میں جلتے بھنتے ہوئے پھر ان کی سختی کو کون بیان کر سکتا ہے، ان کی شدت کو کون تصویر کھینچ سکتا ہے ؟ جب ہمارے رسولؐ نے شب ہجرت علیؑ سے کہا کہ آج مشرکین مکہ ہم پر حملہ کرنے والے ہیں اور چاہتے کہ ہم کو ایک دو نہیں بے حساب تلواروں سے قتل کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں تم ہمارے بستر پر سو رہو، مورخین ومحدثین اسلام نے ذکر کیا ہے۔

فلما كان العمة اجتمعو على بابه يرضدونه متى ينام فيبثون عليه فلما رأنهم رسول الله قال لعلي بن ابي طالب نم على فراشي واتشح ببردي الأخضر فنم فيه (تاریخ کامل جلد ا رصفحہ ۳۸)

جب شب ہجرت کی اندھیری پھیل گئی اور کفار مکہ رسول کے دروازے پر جمع ہو کر انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں آپ کب سوتے ہیں تاکہ وہ سب مل کر آپ پر حملہ کر دیں اور آپ نے ان کافروں کو دیکھ لیا تو علی سے فرمایا میرے فرش پر سو رہو اور میری سبز چادر اوڑھو اسی میں سو جانا۔

اسمٰعیل نے تو اپنے باپ کو یہ جواب دیا تھا کہ آپ اس پر عمل کریں میں صبر کروں گا اور معلوم ہے کہ انسان کسی مصیبت ہی پر صبر کرتا ہے، جس فعل کو بھی وہ دکھ، اذیت، آفت سمجھے گا اور اس میں مبتلاء ہوگا اسی وقت اپنے لئے صبر کا لفظ استعمال کرتا ہے کسی کا مال چوری جائے تو وہ کہے گا صبر کروں گا کسی کا باپ مرجائے تو وہ کہے گا صبر کروں گا، کسی کا لڑکا مرجائے تو کہے گا صبر کروں گا ، اسی طرح اسمٰعیل نے بھی حکم ذبح کو اپنے لئے مصیبت سمجھا اور کہا صبر کروں گا اور ٹھیک کہا یقیناً یہ مصیبت تھی اور یہ وقت صبر ہی کا تھا، مگر علی! ان کو نہ پوچھو، ان کو بھی قتل ہونے کے لئے کہا گیا، ان کو بھی تلواروں کی مار کھانے کا حکم دیا گیا، ان کو بھی خنجروں کے نیچے اپنا گلا رکھ دینے کا فرمان ملا۔

مگر وہ اس پر صبر کا نام نہیں لیتے بلکہ شکر کا انداز دکھا کر خوشی، اطمینان، اور گویا تہنیت کا قصیدہ پڑھنے لگے مسلمانو! ذرا دل لگا کر سننا کہ علی نے کیا کہا؟ کس قسم کا کلام اپنی زبان پر ظاہر کیا اور کس خوشی سے شعر پڑھنے لگے، مورخین، محدثین نے لکھا ہے:-

انشأ علي في بيتوته في بيت النبيﷺ هذه الابيات

وقيت بنفسي خير من ومى الثرى ... ومن طاف بالبيت العتيق وبالحجر

رسول اله خاف ان يمكروبه ... فنجاه ذوالطول الاله من المكر

وبات رسول اللہ فی الغار آمنا موقی وفی حفظ الالہ وفی ستر

وبت اراعیهم وما یتهموننی وقد وطنت نفسی علی القتل والاسر

(تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۳۶۷)

حضرت علیؑ نے اس واقعہ کو کہ آپ کس طرح رسولؐ کے گھر میں ان کی جگہ سوئے ان اشعار میں نظم کر دیا (جن کا اردو ترجمہ یہ ہے)

اس بزرگ کے بچانے کی غرض سے میں نے اپنی جان نثار کر دی جو ان سب لوگوں سے بہتر ہیں جو زمین پر چلتے ہیں اور جو خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں، اللہ کے رسولؐ کو خوف ہوا کہ کفار لوگ ان کے ساتھ دھوکا فریب کریں گے تو خدائے منان نے حضرتؐ کو ان کے مکر سے بچا دیا، حضرت رسول خداؐ غار میں امن کے ساتھ اور خدا کی حفاظت میں آرام سے رہے اور میں نے اس طرح وہ رات گزاری کہ دیکھتا تھا یہ کفار کیا کرتے تھے اور مجھے کیوں گرفتار کرتے ہیں میں تو یہ سمجھ کر ہی لیٹا تھا کہ یا قتل کر دیا جاؤں گا یا قید کر لیا جاؤں گا۔

علیؑ نے شب ہجرت ایسی جاں نثاری کی کہ ہم نے اپنے دو معزز فرشتوں کو ان کے پاس تہنیت اور مبارکباد کا پیغام پہنچانے کے لئے بھیج دیا جس کو اسلام کے مورخین و محدثین و مفسرین نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

ان لیلة بات علی ابن ابی طالب علی فراش رسول اللہ اوحی اللہ تعالی الی جبرائیل ومیکائیل انی آخیت بینکما وجعلت عمر احدکما اطول من عمر الآخر فأیکما یؤثر صاحبه بالحیاة فاختار کلاهما الحیوة واحباها فاوحی اللہ الیهما افلا کنتما مثل علی ابن ابی طالب آخیت بینه وبین محمد فبات علی فراشه یفدیه بنفسه ویؤثره بالحیوة اهبطا الی الارض فاحفظاه من عدوه فکان جبرئیل عند راسه ومیکائیل عند رجلیه ینادی بخ بخ من مثلك یا ابن ابی طالب واللہ تعالی یباهی بك الملائکة فانزل اللہ تعالی ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤوف بالعباد۔

تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۳۶۷، اسد الغابہ جلد ۴، تفسیر ثعلبی جلد ۴ صفحہ ۸، تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۸۴ وغیرہ۔

جس رات میں حضرت علیؑ حضرت رسول خداؐ کے فرش پر لیٹے تب خدا نے اپنے دو فرشتوں جناب جبرئیلؑ و میکائیلؑ کی طرف وحی نازل کی کہ میں نے تم دونوں سے ہر ایک کو دوسرے کا بھائی بنایا ہے اور ہر ایک کی عمر دوسرے کی عمر سے زیادہ طولانی کی ہے اب تم میں سے کون اس پر آمادہ ہے کہ اپنی زندگی اپنے بھائی کے حوالہ کر دے مگر دونوں فرشتوں نے اس میں عذر کیا اور اپنی زندگی دوسرے کے حوالہ نہیں کر سکے بلکہ اپنے جینے کو دوسرے کے جینے پر ترجیح دی تب خدا نے ان دونوں

فرشتوں پر وحی نازل کی کہ تم دونوں بھی علی ابن ابی طالب کے مثل کیوں نہیں ہوتے جن کو میں نے محمد مصطفیٰؐ کا بھائی بنایا ہے دیکھو علیؑ اپنے بھائی کے فرش پر اس غرض سے سوئے ہیں کہ اپنی جان ان پر فدا کردیں اور اپنی زندگی پیش کر کے ان کو بچالیں، اب تم دونوں زمین پر جاؤ اور علیؑ کے دشمنوں سے ان کی حفاظت کرو، اس پر جناب جبرئیلؑ حضرت علیؑ کے سرہانے اور جناب میکائیلؑ حضرتؑ کے پائینتی آکھڑے ہوئے اور پکار کر کہنے لگے اے فرزند ابوطالب آپ کا مثل ونظیر کون ہوسکتا ہے؟ خدا آپ کی وجہ سے فرشتوں پر فخر مباہات کرتا ہے اسی پر حضرت علیؑ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی کہ لوگوں میں وہ بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی کے لئے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں۔

اس فضیلت کو مورخین ومحدثین نے جس شرح وبسط سے بیان کیا ہے اس کے نقل میں طول ہوگا اتنا ہی کافی ہے، غرض اس جاں نثاری میں ہم حضرت ابوبکر اور حضرت علیؑ کا مقابلہ پسند نہیں کرتے اس سے تو علیؑ کی شان اور گھٹ جائے گی اور اس کا ذکر بھی ان پر ظلم قرار پائے گا، جب جاں نثاری اور اطاعت باری تعالیٰ میں علی کا درجہ اسمٰعیل ذبیح اللہ سے بھی بڑھ گیا تو دنیا میں کون شخص ہے جو علیؑ کے مقابلے میں اس وقت یا اس کے پہلے کالایا جاسکے؟

حضرت رسولؐ کی امانتیں کون واپس کرتا؟

مورخین نے لکھا ہے ''رسولؐ اللہ سے قریش کو اس درجہ عداوت تھی تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس لا کر رکھتا تھا، اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں، آپ کو قریش کے ارادہ کی پہلے سے خبر ہوچکی، اس بناء پر جناب امیر کو بلا کر فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم ہوچکا ہے، میں آج مدینہ روانہ ہوجاؤں گا تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا، یہ سخت خطرہ کا موقع تھا جناب امیرؑ کو معلوم ہوچکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسولؐ اللہ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا۔'' (سیرۃ النبی صفحہ ۱۹۷)

فأتاهم اتٍ وقال ان محمداً خرج و وضع علی رؤسكم التراب فجعلوا ينظرون فيرون علياً عليه برد النبی ليقولون محمد نائم فلم يبرحوا كذلك حتیٰ اصبحو فقام علی فعرفوه واقام علی بمكة حتیٰ اڈّی ودائع النبوی (تاریخ ابوالفداء جلد۱)

کفار مکہ سے کسی نے آکر کہہ دیا کہ کیا دیکھ رہے ہو، محمدؐ تو تمہارے سروں پر خاک ڈالکر چلے گئے یہ سن کر وہ لوگ غور سے دیکھنے لگے اور حضرت علیؑ کو پیغمبر صاحب کی چادر اوڑھے ہوئے دیکھ کر بولے کہ محمدؐ تو سو رہے ہیں جب سپیدہ صبح کے نمودار ہونے پر حضرت علیؑ بستر سے اٹھے اور کفار نے پہچانا کہ وہ علیؑ ہیں تو اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور حضرت علیؑ نے حسب حکم نبوی مکہ میں قیام

کر کے جن کی امانتیں اور ودیعتیں تھیں ان کو ادا کر دیں۔

مسلمانو! تم ہم سے پوچھتے ہو کہ حضرت رسولؐ کو ان کے چالیس سال کی عمر سے پہلے ہی ہم نے پیغمبر کیوں نہیں بنا دیا؟ اب تم لوگ ہی بتاؤ کہ اس وقت سے پہلے حضرتؐ کو یہ عہدہ سپرد کر دینا صحیح بھی تھا؟ جب اپنے رسولؐ کو ہم نے ہجرت کا حکم دیا اور اس وقت علیؑ کی عمر صرف ۲۳ سال کی تھی، اگر رسولؐ کو ہم ان کی ۲۵ سال کی عمر ہی میں پیغمبر بنا دیتے تو ہجرت کے وقت علیؑ کی عمر (اس حساب سے کہ اس زمانے میں ہی رسولؐ ۱۳ سال کے بعد مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرتے) کل ۸ سال کی ہوتی اور ظاہر ہے کہ ۸ سال کے لڑکے کے ذمہ لوگوں کی امانتیں اور ودیعتیں نہیں کی جا سکتی تھیں تو اس صورت میں رسولؐ مکہ سے مدینہ جاتے وقت مکہ والوں کی امانتیں کس کے حوالے کر جاتے؟ اور اگر کہو کہ حضرت ابوبکر کو رسولؐ روک دیتے اور وہی سب امانتیں واپس کرتے تو بتاؤ اس وقت تک حضرت ابوبکر نے رسولؐ کے خوش کرنے کا کون سا کام کر دیا تھا جو اس وقت حضرتؐ اپنی امانتیں ان کے حوالے کر دیتے؟ جب حضرت ابوبکر نے حضرت رسولؐ کی محصوری کے وقت حضرتؐ کی کوئی مدد نہیں کی حضرتؐ کی کوئی خبر نہیں لی، حضرتؐ کی کوئی فکر نہیں کی تو رسولؐ کے مکہ سے چلے جانے کے بعد وہ کس طرح وہ امانتیں لوگوں کو واپس کرتے پھر رسولؐ کی کتنی فضیحت ہوتی کتنی رسوائی ہوتی اور جب ان کی چہ میگوئیاں مدینہ میں رسولؐ تک پہنچ جاتیں تو حضرتؐ کو کتنا صدمہ ہوتا؟

پھر رسولؐ کس کو اپنی جگہ سلاتے؟

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہمارے حبیبؐ ۲۵ سال کی عمر ہی میں پیغمبر بنا دیے جاتے اور ۱۳ سال کے بعد مکہ سے ہجرت کرنے کے لئے مجبور ہوتے جب علیؑ صرف ۸ سال کے تھے تو حضرت رسولؐ اپنی جگہ سلاتے کس کو مکہ میں اپنا قائم مقام کس کو کر جاتے؟ اگر کہو کہ حضرت علیؑ کو ساتھ لے جاتے اور حضرت ابوبکر کو اپنی جگہ سلا جاتے، اس طرح اس وقت بھی سب کام بن جاتا تو تمہارے اس کہنے پر بڑا تعجب ہو گا تم مسلسل پڑھتے آ رہے ہو کہ حضرت ابوبکر نے دعوت عشیرہ کے موقع پر نہ رسولؐ کی کوئی مدد کی نہ اسلام کی کسی قسم کی حمایت کا شرف حاصل کیا، شعب ابی طالب میں محصور ہونے کے زمانہ میں بھی انہوں نے رسولؐ کی کوئی خبر نہیں لی طائف سے حضرتؐ کی واپسی کے وقت بھی کسی قسم کی ہمدردی نہیں کی تو ہجرت کے وقت کیا کرتے؟ اگر انکار کر دیتے تو رسولؐ کے لئے کون سی راہ چارہ و تدبیر باقی رہ جاتی؟ اس کے علاوہ تم پڑھ چکے ہو کہ حضرت ابوبکر کو رسولؐ سے نفع اٹھانے کی اتنی دھن تھی کہ اس مصیبت کے وقت بھی انہوں نے دو سو درہم کا اونٹ رسولؐ کے ہاتھ آٹھ سو درہم کا بیچا یعنی پورے سات سو درہم نفع لئے اب اگر حضرت رسولؐ ان سے فرماتے کہ تم میری جگہ سو رہو اور وہ کہتے کہ یا حضرت میرے

سونے کا کرایہ ایک ہزار درہم روزانہ کے حساب سے دیتے جایئے تو ہمارے رسولؐ کیا کرتے؟ اگر کہو کہ وہ ایسا کیا کرتے ؟ تو ہم پوچھیں گے کہ انہوں نے اس سے بڑھ کر دکھادیا، ان کی اونٹنی کی قیمت تو معین تھی یعنی دوسو درہم مگر انہوں نے اس کے نوسو درہم وصول کر لئے پھر خود ان کی اجرت تو نہیں تھی جب انہوں نے اپنی اونٹنی کی قیمت چوگنی سے بھی زیادہ لی تو خود اپنے عزیز وقت کی اجرت وصول کرنے میں کتنی کمی کرتے؟ رسول کی ناداری کوئی چھپی ہوئی بات نہیں تھی حضرت ابوبکر نے دوسو کی اونٹنی جو نوسو درہم کی حضرت کے ہاتھ بیچی تو کسی کو کیا خبر کہ رسولؐ نے اس رقم کو کس مصیبت سے ادا کیا، کیوں کر اس کا سامان کر سکتے اور اس رقم کے دینے کے بعد مدینہ میں کس حال سے پہنچے سفر میں زادراہ کا کم ہوجانا انسان کے لئے اتنی بڑی مصیبت ہے کہ ہم نے ایسے لوگوں کو اور فقراء ومساکین کو کئی مقام پر ایک ساتھ ذکر کیا ہے:

واتی المال علی حبه ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب۔

اور اللہ کی محبت سے اپنا مال رشتہ والوں یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں اور غلاموں کے آزاد کرانے میں خرچ کیا۔

قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل وماتفعلوا من خیر فان اللہ به علیم۔

تم کہدو جو کچھ خیرات کے طور پر تم خرچ کروگے تو ماں باپ اور ناطے والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں پر اور جو بھلائی بھی تم لوگ کروگے تو اللہ سے وہ چھپ نہیں سکتی بلکہ اللہ اس کو جانتا ہے۔

اس قسم کی آیتیں بہت ہیں، پہلے سفر کو لوگ "سقر" جہنم ایسا اسی وجہ سے کہتے تھے کہ اگر راستہ میں زادسفر ختم ہوجاتا یا لٹ جاتا تھا تو بڑے خوشحال لوگ بھی بھیک مانگنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔

مدینہ کی زندگی،

ہمارے رسول اب ہجرت کر کے مدینہ میں پہنچ گئے اور وہاں اسلام کی اشاعت وترقی کے بہت سے کام پیش آتے رہے، جن میں کافی مال خرچ کرنے کی ضرورت بھی تھی جسمانی حمایت کی حاجت بھی اور رائے مشورہ، تدبیر وانتظام کی بھی اس کے ساتھ ابوبکر کے خاص نفع کا موقع بھی تھا کہ مکہ میں جو کچھ کوتاہیاں ان سے ہوگئی تھیں ان سب کی مکافات کر سکتے تھے، جن جن باتوں سے وہاں محروم رہے تھے ان سب کی تلافی کا امکان تھا، لیکن وہاں کے حالات پڑھ کر بھی تم لوگ اس نتیجہ پر آسانی سے پہنچ جاؤ گے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو اسلام کی گاڑی ایک قدم بھی نہیں چل سکتی تھی، اور اگر حضرت رسولؐ علیؑ کی پیدائش سے پہلے ہی پیغمبر بنادیئے گئے ہوتے تو مدینہ میں بھی ہر ساعت ان کے لئے مصائب وآفات کے دروازے کھلے ہوئے رہتے۔

مناظرۂ مامون الرشید[1]

تم لوگ مامون الرشید کو جانتے اور خلیفہ مانتے ہو جو ہارون الرشید کا فرزند اور جانشین تھا، اس نے اپنے زمانے کے بہت بڑے اور مقبول امام پیشوایان اسلام کو جمع کر کے اس مسئلے پر بحث کی تھی کہ حضرت علیؑ سب صحابہ سے افضل اور وہی سب سے زیادہ مستحق خلافت بھی تھے، پہلے اس بحث کو سن لو۔ مسلمانوں کے بہت بڑے علامہ ابن عبد ربہ نے اس مناظرہ کو نقل کیا ہے جس میں لکھا ہے۔

علامہ اسحق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ قاضی القضاۃ علامہ یحییٰ ابن اکثم نے میرے پاس اور بہت سے دوسرے علماء کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ خلیفہ مامون نے مجھے حکم دیا ہے کہ کل صبح کو میں اپنے ساتھ چالیس اعلیٰ درجے کے علماء کو لے کر اس کے دربار میں حاضر ہوں، وہ کل علماء بڑے محقق اور ذہین ہوں کہ جو بحث ان سے کی جائے اس کو خوب سمجھیں اور اس پر جو اعتراض ہو اس کا اچھی طرح جواب دیں لہذا آپ لوگ ان علماء کی فہرست مرتب کریں جو آپ لوگوں کے خیال میں خلیفہ کی اس خواہش کو اچھی طرح پوری کر سکیں، اس پر ہم لوگوں نے چند علماء کا انتخاب کیا، اور خود قاضی صاحب نے کچھ لوگوں کو چنا اس طرح چالیس منتخب علماء کی تعداد پوری ہو گئی جب ہم سب لوگ وہاں پہنچے تو مامون اور ان عالموں میں اس طرح بحث ہوئی۔

مامون۔ میرا مذہب یہ ہے کہ حضرت رسول خداؐ کے بعد حضرت علیؑ بن ابی طالب سب سے افضل اور سب لوگوں سے زیادہ آنحضرتؐ کی خلافت کے مستحق اور اہل تھے۔

علامہ اسحاق۔ آپ نے حضرت علیؑ کے بارے میں جو فرمایا اس کی کوئی دلیل نظر نہیں آتی، آپ کس سبب سے کہتے ہیں کہ حضرت رسولؐ کے بعد حضرت علیؑ سب سے افضل اور سب سے زیادہ مستحق خلافت تھے۔

مامون۔ پہلے یہ بتاؤ کہ لوگ کس سبب سے ایک دوسرے سے فضیلت میں بڑھ جاتے ہیں اور کس وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں سے افضل ہے؟

علامہ اسحاق۔ اعمال صالحہ کی وجہ سے۔

مامون۔ ہاں یہ سچ ہے اب بتاؤ اگر ایک شخص بزمانہ رسولؐ میں سب سے افضل رہا ہو، مگر رسولؐ کے بعد دوسرے لوگ اس شخص سے زیادہ افضل اعمال بجا لائیں تو کیا فضیلت میں یہ لوگ اس شخص کے برابر ہو جائیں گے؟

---

[1] یہ پورا مناظرہ "مناظرہ مامون" کے نام سے دفتر اصلاح لکھنؤ سے چھپ کر کئی دفعہ شائع ہو چکا ہے جس میں اصلی عربی عبارت بھی ہے۔ یہاں اس کا خلاصہ اردو عبارت میں نقل کیا جاتا ہے۔ ۱۲

علامہ اسحاق۔(اس سوال کے جواب سے پریشان ہوکر میں سوچنے لگا تو خلیفہ مامون نے کہا)

مامون ۔اسحاق! اس کے جواب میں تم ہاں تو کہہ ہی نہیں سکتے کیوں کہ پھر میں اس زمانے میں بھی ایسے لوگوں کو بتادوں گا جن کو ان سے زیادہ جہاد، حج، روزہ، نماز، خیرات وغیرہ اعمال صالحہ بجالانے کا موقع ملتا ہے، اس وجہ سے ہمارے زمانے کے لوگ بھی صحابہ رسول سے افضل ہوجائیں گے۔

علامہ اسحاق ۔بے شک زمانہ رسول میں جو شخص افضل تھا اس کے برابر پھر کوئی شخص کبھی نہیں ہوسکتا۔

مامون ۔اچھا اب دیکھو کہ حضرت رسولؐ کے صحابہ کرام، تابعین، محدثین اور وہ علماء جن کو تم لوگ اپنے مذہب کا پیشوا اور ہادی سمجھتے ہو حضرت علیؑ کے فضائل میں کس کثرت سے اور کیسی اعلی درجہ کی حدیثیں روایت کرتے ہیں پھر ان حدیثوں سے ان حدیثوں کا مقابلہ کرو جو حضرت ابوبکر کے فضائل میں محدثین سے تم لوگوں تک پہنچتی ہیں اگر وہ سب مل کر بھی حضرت علیؑ کے فضائل کے برابر ہوجائیں تو بے شک تم لوگ یہ دعوی کرسکتے ہو کہ حضرت ابوبکر افضل تھے حضرت علیؑ سے، نہیں خدا کی قسم بلکہ حضرت ابوبکر وعمر دونوں صاحبوں کے فضائل ومناقب کو اکٹھا کرو اور ان سب کا مقابلہ صرف حضرت علیؑ کے فضائل سے کرلو، اگر ان دونوں صاحبوں کے فضائل مل کر بھی صرف حضرت علیؑ کے فضائل کے برابر نکلیں تو تم لوگ خوشی سے حضرت ابوبکر وحضرت عمر کو حضرت علیؑ سے افضل سمجھو نہیں خدا کی قسم!! بلکہ حضرت ابوبکر وعمر وحضرت عثمان تینوں صاحبوں کے فضائل کو جمع کردو اور پھر مقابلہ کرو، اگر وہ سب مل کر بھی تنہا حضرت علیؑ کے فضائل کے برابر ہوجائیں تو تم لوگ بے تکلف تینوں صاحبوں کو حضرت علیؑ سے افضل بتاؤ نہیں خدا کی قسم بلکہ کل عشرہ مبشرہ (دسوں بڑے معزز صحابہ رسولؐ) کو لو جن کے جنتی ہونے کی گواہی رسولؐ نے دی تھی، ان سب کو جمع کرو، اگر وہ سب مل کر بھی تنہا حضرت علیؑ کے فضائل کے برابر ہوجائیں تو تم لوگوں کو حق ہے کہ ان کو حضرت علیؑ سے افضل کہہ سکو (لیکن یہ ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ اکیلے حضرت علیؑ حضرت ابوبکر وعمر وعثمان بلکہ کل عشرہ مبشرہ کے فضائل کے مجموعہ سے بھی زیادہ ہیں) اچھا اسحاق! یہ بتاؤ کہ جس وقت حضرت رسولؐ خدا مبعوث بہ رسالت ہوئے سب سے افضل عمل کون تھا؟

علامہ اسحاق ۔خلوص اور سچے دل سے مسلمان ہوجانا۔

مامون ۔کیا اسلام قبول کرنے میں دوسروں پر سبقت کرنا افضل عمل نہیں تھا؟

علامہ اسحاق ۔کیوں نہیں؟ ضرور تھا۔

مامون ۔قرآن مجید کے اس آیہ "والسابقون السابقون اولٰئک المقربون" (جو لوگ سب سے آگے ہیں یہی

خدا کے یہاں سب سے زیادہ مقرب ہیں (پارے ۲۷ ع ۱۲) کیونکہ اس میں خدا نے سابقون سے انہیں لوگوں کو تو مراد لیا ہے جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت اور جلدی کی؟ پھر کیا تم لوگوں کے جانتے بھر حضرت علیؑ سے بھی کوئی شخص پہلے مسلمان ہوا تھا؟

علامہ اسحاق۔ حضور! حضرت علیؑ تو بچپن میں مسلمان ہوئے جب ان پر کوئی بات واجب ہی نہیں تھی اور حضرت ابوبکر سن کمال پر پہنچ کر مسلمان ہوئے تھے جب ان پر مذہب کی ہر بات واجب تھی۔

مامون۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ کون شخص سب سے پہلے مسلمان ہوا اس کے بعد میں کم سنی یا کمال سن کے بارے میں بھی بحث کروں گا۔

علامہ اسحاق۔ بے شک حضرت ابوبکر سے بھی پہلے حضرت علیؑ نے اسلام قبول کیا مگر وہ کم سن تھے۔

مامون۔ ہاں ٹھیک ہے حضرت علیؑ کمسنی ہی میں مسلمان ہوئے اب غور کرو دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ حضرت علیؑ نے اس وجہ سے اسلام قبول کیا کہ حضرت رسول خداؐ نے ان سے اسلام لانے کو کہا، دوسری یہ کہ خدا نے حضرت علیؑ کو الہام کیا کہ تم مسلمان ہو جاؤ حضرت علیؑ کے اسلام لانے کی کس صورت کو تم لوگ مانتے ہو؟۔

علامہ اسحاق کا بیان ہے کہ خلیفہ مامون کے اس سوال سے پریشان ہو کر میں سوچنے لگا اور کچھ جواب نہیں دے سکا تو خود خلیفہ نے کہا:

مامون۔ اسحاق! تم لوگ یہ تو کہہ ہی نہیں سکتے کہ حضرت علیؑ کو الہام ہوا کیونکہ اس صورت میں تم لوگ حضرت علیؑ کا درجہ حضرت رسولؐ سے بھی بڑھا دو گے اس لئے کہ رسولؐ نے بھی خدا کے الہام سے اسلام نہیں پہچانا بلکہ حضرت کے پاس خدا کی طرف سے جبرئیل بھیجے گئے تھے۔

علامہ اسحاق۔ بے شک حضرت علیؑ کو الہام نہیں ہوا بلکہ حضرت رسولؐ ہی نے آپ کو اسلام کی طرف بلایا اور دعوت دی۔

مامون۔ اب دو حال سے خالی نہیں ہو سکتا، یا رسولؐ نے علیؑ کو خدا کے حکم سے اسلام قبول کرنے کو کہا یا اپنے دل سے کہا۔

علامہ اسحاق کہتے ہیں کہ خلیفہ مامون کے اس سوال سے بھی پریشان ہو کر میں سوچنے لگا کہ اب کیا کہوں؟ مگر مجھ سے کچھ بھی جواب نہ ہو سکا تو خلیفہ نے خود ہی کہا۔

مامون۔ اے اسحاق! تم حضرت رسول خداؐ پر یہ الزام تو قائم ہی نہیں کر سکتے کہ حضرت اپنے دل اور اپنی خواہش نفس سے کوئی کام کرتے تھے کیونکہ تم خدا کو جھوٹا ثابت کرو گے جس نے فرمایا ہے کہ اے رسول! ہم کہہ دو میں اپنی خواہش نفس سے

کوئی کام کرتا ہی نہیں ہوں (پارہ ۲۳ رع ۱۴)

علامہ اسحاق۔ بے شک آنحضرت نے اپنی خواہش نفس سے نہیں بلکہ خدا کے حکم پر حضرت علیؑ سے اسلام قبول کرنے کو فرمایا تھا۔

مامون۔ تو خدا کی یہی شان ہے کہ اپنے رسولوں سے ایسے شخص کو اسلام کی طرف بلانے کو کہے جس کو کسی کام کا حکم دینا جائز نہیں ہے۔

علامہ اسحاق۔ معاذ اللہ۔ ہرگز نہیں۔

مامون۔ تم نے جو کہا کہ حضرت علیؑ بچپن میں مسلمان ہوئے جب ان سے کسی بات کی فرمائش جائز ہی نہیں تھی تو کیا یہ کہنے سے تمہارا یہ خیال ہے کہ حضرت رسول نے بچوں کو اسلام کی طرف بلا کر ان کو ایسی بات کا حکم دیا جو ان کی طاقت سے باہر تھی، پھر آنحضرت کی فرمائش پر مسلمان ہونے بعد اگر وہ بچے مرتد ہو جاتے تو کیا ان کے مرتد ہو جانے کی کوئی سزا ان کو نہیں دی جاتی؟ اور کیا حضرت رسولؐ کو انہیں کسی بات کا حکم دینا جائز نہیں ہوتا کیا اس کو جائز سمجھتے ہو کہ حضرت رسولؐ کی طرف ایسی بات کی نسبت دو؟

علامہ اسحاق۔ معاذ اللہ۔ ہرگز نہیں۔

مامون۔ تو میں سمجھتا ہوں تمہارا مقصود یہ ہے کہ یہ حضرت علیؑ کی خصوصیت تھی اور ان کا خاص شرف تھا کہ آنحضرت نے اس کی وجہ سے ان کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی اور اس فضیلت کے سبب سے حضرت علیؑ کو سب سے بڑھا دیا تا کہ سب لوگ ان کے فضائل ومناقب کو پہچان لیں ورنہ اگر خدا نے رسولؐ کو حکم دیا ہوتا کہ عام طور پر ہر بچہ سے مذہب اسلام قبول کرنے کو کہوں تو رسول اللہ نے حضرت علی کی طرح دوسرے بچوں سے بھی کہا ہوتا کہ تم مسلمان ہو جاؤ

علامہ اسحاق۔ بے شک حضور صحیح فرماتے ہیں۔

مامون۔ تو کیا تم کو معلوم ہے کہ حضرت رسول نے اپنے اہل وعیال اور اعزاء واقربا یا خاندان کے کسی اور بچے سے بھی فرمایا کہ تم مسلمان ہو جاؤ؟ میں یہ بات اس وجہ سے دریافت کرتا ہوں کہ کہیں تم یہ نہ کہہ دو کہ حضرت علیؑ چونکہ حضرت رسولؐ کے چچازاد بھائی تھے اس سبب سے آنحضرت نے اپنے خاندان کے دوسرے بچوں کی طرح حضرت علیؑ سے بھی فرما دیا کہ تم بھی مسلمان ہو جاؤ اور اس میں حضرت علی کی کوئی ذاتی خصوصیت نہیں تھی۔

علامہ اسحاق۔ مجھے نہیں معلوم کہ آنحضرتؐ نے کسی اور بچے سے فرمایا تھا یا نہیں۔

مامون۔ کیوں اسحاق! اچھا تمہارا یہ خیال ہے کہ جس بات کو تم جانتے ہی نہیں اس کے بارے میں بھی تم سے قیامت میں کوئی سوال کیا جائے گا۔

علامہ اسحاق۔ نہیں جس بات کو میں جانتا ہی نہیں اس کے بارے میں کیوں سوال ہونے لگا؟

مامون۔ تو خدا نے جس بات کی تکلیف ہم سے اور تم سے ساقط کر دی ہے اس کا نام کیوں لیتے ہو؟ (یعنی جب تم کو معلوم ہی نہیں کہ حضرت رسولؐ نے اپنے خاندان کے کسی اور بچے سے اسلام قبول کرنے کو کہا تو کیوں اس کا احتمال پیدا کرو؟ اپنے علم کے مطابق کہو کہ حضرت نے کسی اور بچے سے ایسا نہیں فرمایا، اور یہ حضرت علیؑ کی مخصوص فضیلت تھی، اچھا اب یہ بتاؤ کہ اسلام قبول کرنے کے بعد سب سے افضل عمل کیا تھا؟

علامہ اسحاق۔ خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔

مامون۔ ہاں ٹھیک ہے تو جہاد میں بھی حضرت علیؑ کے جو کارنامے ہیں کیا تم اصحاب رسول سے کسی اور بزرگ میں بھی ویسے کارنامے پاتے ہو؟

علامہ اسحاق۔ کس وقت اور کس جنگ میں؟

مامون۔ جس وقت کو چاہو لو اور جس جنگ کے واقعات دیکھنا پسند کرو کسی وقت اور کسی جنگ میں بھی کسی صحابی نے حضرت علیؑ کے ایسا کوئی کام کیا۔

علامہ اسحاق: جنگ بدر کو ملاحظہ فرمائیں۔

مامون:۔ہاں اسی میں دیکھو، میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں جنگ بدر میں بھی (جو ماہ رمضان ۲ھ میں ہوئی) حضرت علیؑ کے جو کارنامے ہیں کیا دوسرے صحابہ کی خدمتیں ان سے بہت کم اور نہایت حقیر نہیں ہیں؟ بتاؤ اس میں کتنے کافر قتل کئے گئے؟

علامہ اسحاق۔ ساٹھ سے زیادہ۔

مامون۔ ان ساٹھ سے کس قدر لوگوں کو تنہا حضرت علیؑ نے قتل کیا؟۔

علامہ اسحاق: مجھے معلوم نہیں ہے۔

مامون: مجھ سے سنو، ۲۳ یا کم از کم ۲۲ کافروں کو صرف حضرت علیؑ نے اور باقی ۴۰ کافروں کو باقی لشکر اسلام نے قتل کیا۔

علامہ اسحاق۔ سرکار یہ بھی تو ملاحظہ فرمائے کہ حضرت ابوبکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ عریشہ[1] میں تھے۔

مامون۔ ہاں تھے تو لیکن وہاں وہ بناتے کیا تھے (کیا کسی دشمن کو قتل کر رہے تھے؟ یا کسی کافر سے لڑتے تھے؟)

علامہ اسحاق۔ بیٹھے تدبیر سوچ رہے تھے کہ لڑائی کیسے فتح ہو؟

مامون۔ افسوس تم اور ایسی باتیں کہو یہ بتاؤ کہ وہ حضرت رسول خدا سے علیحدہ تدبیر سوچتے تھے یا حضرت کے ساتھ ؟ اگر ساتھ تھے تو کیا حضرت رسول نے ان کو سوچنے کے لئے اپنا شریک کر لیا تھا؟ یا حضرت رسول ان کی تدبیر کے محتاج تھے ؟ ان تین صورتوں سے تم کس کو تجویز کرتے ہو؟

علامہ اسحاق۔ معاذ اللہ! نہ حضرت رسول سے علیحدہ تدبیر سوچتے تھے نہ حضرت کے شریک ہو کر اور نہ آنحضرت ان کی تدبیر کے محتاج تھے۔

مامون۔ تو پھر عریشہ میں بیٹھے ہوئے وہ کرتے کیا تھے؟ اور اس سے ان کی کون فضیلت ثابت ہوئی؟ جب جنگ بدر میں ان سے اس کے سوائے کچھ نہ ہو سکا تو جو شخص آنحضرت کی حفاظت کے لئے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر تلوار سے لڑتا تھا وہ اس آرام کے ساتھ بیٹھنے والے سے کیا افضل نہیں ہوگا؟

علامہ اسحاق۔ سرکار! جہاد تو پورا لشکر اسلام ہی کر رہا تھا (حضرت علیؑ کی خصوصیت کیا تھی؟)

مامون۔ ہاں یہ سچ ہے کہ سب جہاد کرتے تھے لیکن جو شخص تلوار سے لڑتا ہوا آنحضرت کی اور جو لوگ حضرت کے ساتھ چین سے بیٹھے تھے ان کی بھی حفاظت کرتا تھا وہ ان لوگوں سے بدرجہا افضل مانا جائیگا جو ہاتھ پر ہاتھ رکھے آرام سے بیٹھے تھے کیا تم نے قرآن مجید میں یہ آیت نہیں پڑھی ہے کہ معذور لوگوں کے سوائے ہاتھ پر ہاتھ دیے ہوئے بیٹھنے والے اور خدا کی راہ میں جان اور مال سے جہاد کرنے والے دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے (بلکہ) جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو آرام سے بیٹھنے رہنے والوں پر خدا نے بڑی فضیلت دی اور ان کا درجہ بہت زیادہ بلند کیا ہے اور اگرچہ خدا نے سب ایمانداروں سے احسان کرنے کا وعدہ کیا ہے مگر جہاد کرنے والوں کو ثواب عظیم کے اعتبار سے آرام سے بیٹھے رہنے والوں پر خدا نے بڑی فضیلت دی ہے (سورۂ نساء رکوع ۱۰)

علامہ اسحاق۔ لیکن حضرت ابوبکر و عمر بھی تو مجاہد تھے (کیونکہ) اسی نیت سے اس جنگ میں آئے تھے۔

---

[1] جنگ بدر میں آنحضرت کے لئے لڑائی سے علیحدہ ایک اونچی جگہ بنا دی گئی تھی جس میں حضرت حفاظت سے بیٹھے ہوئے تھے اسی میں حضرت ابوبکر بھی جا کر بیٹھے ہوئے لڑائی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ۱۲

مامون ۔ تو جو لوگ اس جنگ میں آئے ہی نہیں تھے ان پر حضرت ابوبکر و عمر کو (جو آئے تھے) فضیلت تھی یا نہیں۔

علامہ اسحاق ۔ ضرور تھی۔

مامون ۔ بس اسی طرح جس بزرگ نے اپنی جان کو معرض ہلاکت میں ڈال کر دشمنوں سے جنگ کی وہ بھی حضرت ابوبکر و عمر سے افضل ہوئے (کیونکہ یہ دونوں صاحب بھی اگرچہ لڑائی کے میدان میں آ گئے تھے مگر کیا کچھ نہیں۔ صرف ہاتھ پر ہاتھ دھرے پورے آرام سے بیٹھے ہی رہے)

علامہ اسحاق ۔ ہاں یہ بات تو سچ ہے۔

مامون ۔ علامہ اسحاق! تم قرآن تو ضرور ہی پڑھتے ہو گے۔

علامہ اسحاق ۔ سرکار ہاں پڑھتا ہوں۔

مامون ۔ ذرا سورۃ ھل اتی تو پڑھو جس میں خدا نے فرمایا ہے ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا۔

علامہ اسحاق ۔ کہتے ہیں کہ میں اس سورۃ کی تلاوت کرنے لگا مگر جب اس آیت یشربون من کاس کان مزاجھا کافورا سے ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا تک پہنچا تو مامون نے ٹوک کر کہا:۔

مامون ۔ ذرا ٹھہر جاؤ، ہاں یہ تو بتاؤ یہ آیتیں کس کی شان میں نازل ہوئی ہیں؟

علامہ اسحاق ۔ حضرت علی ابن ابی طالب کی فضیلت میں ہیں۔

مامون ۔ کیا کسی ذریعہ سے یہ بات تم تک پہنچی ہے کہ حضرت علی نے جب مسکین، یتیم، اور اسیر کو کھانا کھلایا تھا تو اپنی زبان سے یہ بھی کہا تھا کہ انما نطعمکم لوجہ اللہ...... ہم تم لوگوں کو صرف خدا کی خوشی کے لئے کھلاتے ہیں اگر ایسا نہیں اور یقیناً نہیں تو ثابت ہوا کہ خدا نے حضرت علی کی نیت جان کر ان کی طرف سے فرمایا مسکین، یتیم و اسیر کے کھلاتے وقت گویا علی کا دل اور دماغ کہہ رہا تھا کہ ہم تم لوگوں کو محض خدا کی خوشی کے لئے کھلاتے ہیں اب بتاؤ کہ حضرت علی کی اس صفت کی جیسی مدح خدا نے کی ویسی مدح کسی اور صحابی کے کسی کام کی بھی کی ہے؟ کہ اس کی نیت کو اس کے عوض اپنے الفاظ میں بیان کر کے قرآن مجید میں درج کر دیا ہو؟

علامہ اسحاق ۔ نہ حضرت علی نے انما نطعمکم لوجہ اللہ کہا تھا اور نہ کسی اور صحابی کی ایسی مدح قرآن میں نازل ہوئی۔

مامون ۔ ہاں سچ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا خود حضرت علی کی سیرت اور ان کے اعمال کی نیت سے واقف تھا کہ علی

جوکام کرتے ہیں خدا کی خوشی ہی کے لئے ہوتا ہے اس کے سوائے ان کی کوئی غرض ہوتی ہی نہیں ہے، اے اسحاق! اب بتاؤ کہ تم اس بات کی گواہی دیتے ہو یا نہیں کہ عشرہ مبشرہ جنتی ہیں۔[1]

علامہ اسحاق۔ بے شک میں بھی اس کی گواہی دیتا ہوں۔

مامون۔ اب اگر کوئی شخص کہے کہ "خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں یہ حدیث صحیح بھی ہے یا نہیں، اور نہ میں یہ جانتا ہوں کہ حضرت رسول خدا نے یہ حدیث بیان فرمائی یا نہیں" تو کیا ایسا کہنے کی وجہ سے تم اس شخص کو کافر سمجھو گے؟

علامہ اسحاق۔ معاذ اللہ! ہرگز نہیں۔

مامون۔ اگر وہی شخص یہ کہنے لگے کہ مجھے خبر نہیں یہ سورہ (ھل اتی!) قرآن مجید کا کلام ہے یا نہیں تو وہ کافر ہو جائے گا یا نہیں؟

علامہ اسحاق۔ ہاں ضرور کافر ہو جائے گا۔

مامون۔ تو دونوں کلاموں میں فرق (کی وجہ کیا ہے)؟ یہی فرق تو ہے کہ حضرت علیؑ کی فضیلت کا گواہ قرآن مجید ہے جس سے انکار کرنے والا کافر ہو جائے گا اور صحابہ کی فضیلت تو حدیث کلام ہے جو غلط اور صحیح ہر قسم کی ہوتی ہے اور جس کے انکار سے ایمان نہیں جاتا، اچھا اے اسحاق! تم حدیث بھی روایت کرتے ہو؟

علامہ اسحاق۔ سرکار ہاں روایت کرتا تو ہوں۔

مامون۔ حدیث طیر کو بھی جانتے ہو؟

علامہ اسحاق۔ حضور ہاں۔

مامون۔ بیان تو کرو۔

علامہ اسحاق:۔ کہتے ہیں کہ میں نے حدیث پڑھ دی (جو یہ ہے کہ آنحضرتؐ ایک دفعہ ایک بھنی ہوئی چڑیا کا گوشت کھانے بیٹھے تو دعا کی کہ اے خدا جس شخص کو تو سب لوگوں سے زیادہ دوست رکھتا ہے اسے میرے پاس بھیج کہ یہ گوشت میرے ساتھ وہ بھی کھائے، اس دعا پر خدا نے فوراً حضرت علیؑ کو حضرت رسولؐ خدا کے پاس بھیج دیا اور آپ نے حضرتؐ کے ساتھ وہ گوشت کھایا جس سے حضرت علیؑ کا خدا کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب ہونا ثابت ہوا اسی کو حدیث طیر کہتے ہیں) اب مامون نے کہا۔

---

[1] حضرات اہل سنت کہتے ہیں کہ آنحضرت نے اپنے صحابہ سے دس شخصوں کے جنتی ہونے کی خوشخبری دی تھی جو یہ ہیں (۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت علی (۵) طلحہ (۶) زبیر (۷) سعد بن ابی وقاص (۸) عبدالرحمن بن عوف (۹) سعید بن زید (۱۰) ابوعبیدہ بن الجراح ۔۱۲ منہ

مامون۔ اے اسحاق میں اب تک تم سے یہ سمجھ کر بحث کرتا تھا کہ تم حق کے دشمن نہیں ہو مگر اب حق سے تمہاری دشمنی بھی واضح ہو گئی کیا تم کو یقین ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے؟

علامہ اسحاق۔ بے شک مجھے یقین ہے کیونکہ اس کی روایت ان بڑے علماء نے کی ہے جن کی حدیثوں پر کوئی شخص اعتراض نہیں کر سکتا۔

مامون۔ تو بتاؤ کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ جس شخص کو اس حدیث کے صحیح ہونے کا یقین ہے کیا وہ یہ خیال کر سکتا ہے کہ امت رسولؐ میں حضرت علیؑ سے بھی افضل کوئی شخص تھا؟ اس کو تین باتوں سے کسی ایک کو ضرور ماننا ہوگا۔ یا یہ کہے کہ خدا نے آنحضرت کی دعا قبول نہیں کی یا یہ مانے کہ افضل خلق کے ہوتے ہوئے خدا مفضول کو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہو یا اعتقاد رکھے کہ خدا کو اتنی بھی تمیز نہیں ہے کہ سمجھے کون شخص افضل اور کون مفضول ہے (کیونکہ رسول کی دعا پر خدا نے حضرت علیؑ ہی کو بھیجا) ان تینوں باتوں سے کس کو اختیار کرتے ہو؟

علامہ اسحاق:۔ کہتے ہیں کہ مامون کی یہ زبردست تقریر سن کر میرے ہوش اڑ گئے اور مجھ سے کچھ بھی جواب نہ ہو سکا تو مامون نے کہا،

مامون۔ اے اسحاق! ان تینوں باتوں سے تو کسی ایک کو بھی تم اختیار نہیں کر سکتے ورنہ تم (کافر ہو جاؤ گے اور) میں تم سے توبہ کراؤں گا ہاں کوئی چوتھی صورت نکال سکتے ہو تو بتاؤ۔

علامہ اسحاق۔ سرکار میری عقل میں تو اور کوئی تاویل نہیں آتی ہے لیکن اتنی عرض ہے کہ آخر حضرت ابوبکر میں بھی تو کوئی فضیلت تھی۔

مامون۔ ہاں اس سے مجھے کوئی انکار نہیں۔ کیونکہ اگر ان کی بھی فضیلت نہ ہو تو یہ کہنا بھی لغو ہو جائے کہ حضرت علیؑ افضل ہیں حضرت ابوبکر سے (اس لیے کہ افضل تو وہی کہا جاتا ہے جس میں دوسروں سے زیادہ فضیلت ہوتی ہے یعنی مفضول میں کم اور افضل میں سب سے زیادہ فضیلت ہوتی ہے) مگر اس وقت تم کو ان کی کون سی فضیلت یاد آ گئی؟

حضرت ابوبکر کے یار غار ہونے کی بحث

علامہ اسحاق۔ حضرت ابوبکر کے یار غار ہونے اور آپ غار کا واقعہ جس میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے ثانی اثنین (دو میں کا دوسرا) جب دونوں غار میں تھے، اس وقت وہ دوسرا اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ رنج نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اس آیت میں خدا نے حضرت ابوبکر کو حضرت رسول کا ساتھی کہا ہے کیا یہ حضرت ابوبکر کی کوئی معمولی

فضیلت ہے؟

مامون۔اے اسحاق! میں تمہیں پریشان نہیں کروں گا اور نہ کسی مشکل راہ میں مبتلاء کروں گا (بلکہ ہر طرح تمہاری مدد کرتا چلوں گا تاکہ تم اس مناظرہ میں اپنی پوری قوت صرف کردو۔اپنا سارا زور ختم کردو اور اپنے دل کا حوصلہ اچھی طرح نکال لو) بے شک خدا نے اس آیت میں حضرت ابوبکر کو حضرت رسول کا ساتھی کہہ دیا ہے، لیکن (اس سے ان کی فضیلت ہی کیا ثابت ہوئی؟ ان کی کوئی فضیلت نکلی؟ کیونکہ) میں تو قرآن میں دیکھتا ہوں کہ خدا نے ایک کافر کو بھی ایسے شخص کا ساتھی کہا ہے جس سے خدا خوش تھا اور وہ بھی خدا سے خوش تھا، وہ خدا کا یہ قول ہے "فقال له صاحبه وهو يحاوره الآية" یعنی اس کا ساتھی جو اس سے باتیں کررہا تھا بول اٹھا کہ تو اس پروردگار کا منکر ہے جس نے تجھ کو پہلے مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا پھر تجھ کو پورا آدمی بنادیا (پارہ ۱۵ ررکوع ۱۷)

علامہ اسحاق۔لیکن اس آیت میں جس ساتھی کا ذکر ہے وہ کافر تھا اور حضرت ابوبکر تو مسلمان تھے۔

مامون۔یہی تو میں کہتا ہوں کہ جب یہ جائز ہے کہ خدا ایک کافر کو ایسے شخص کا ساتھی کہہ دے جس سے خدا خوش تھا تو یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنے نبی کا ساتھی کسی مسلمان کو کہدے، مگر اس (ساتھی کہہ دینے) سے وہ شخص سب مسلمانوں سے افضل نہیں ہوسکتا اور نہ حضرت ثانی نہ ثالث (کسی طرح مسلمانوں سے افضل ہوسکتے ہیں)

علامہ اسحاق۔سرکار! یہ آیہ غار بہت جلیل القدر ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے دو میں کے دوسرے (پیغمبر) اس وقت جب یہ دونوں غار میں تھے اور پیغمبر اپنے ساتھی سے کہتے تھے کہ رنج وغم نہ کرو بے شک خدا ہمارے ساتھ ہے۔

مامون۔اے اسحاق! میں دیکھتا ہوں کہ جب تک تمہاری خبر پوری نہیں لوں گا اور تمہیں حد تک نہیں پہنچادونگا تم مانو گے نہیں، اچھا بتاؤ حضرت ابوبکر کا رنج وغم خوشی سے تھا یا غضب اور غصہ سے (یعنی) وہ خوشی کی حالت میں رنج وغم کررہے تھے یا غصہ وغضب کی کیفیت میں)؟

علامہ اسحاق۔یہ رنج وغم حضرت رسول کے لئے تھا، حضرت ہی کے بارے میں حضرت ابوبکر کو خوف اور غم ہوا کہ حضرت پر کوئی مصیبت نہ نازل ہو۔

مامون۔یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے، یہ بتاؤ کہ حضرت ابوبکر کا وہ رنج وغم خوشی سے تھا یا غصہ وغضب سے؟

علامہ اسحاق۔خدا کی خوشی کے لئے تھا (یعنی حضرت ابوبکر نے اس غرض سے رنج وغم ظاہر کیا کہ اسی سے خدا خوش ہو)

مامون۔تمہارے اس جواب سے ثابت ہوا کہ خدا نے ہم لوگوں کی طرف ایسا رسول بھیجا جو لوگوں کو خدا کی خوشی

حاصل کرنے سے منع کرتا تھا۔

علامہ اسحاق۔ معاذ اللہ! (یہ کیونکر؟)

مامون ۔ کیا تم نے ابھی نہیں کہا کہ حضرت ابوبکر کا رنج و غم خدا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے تھا؟

علامہ اسحاق: ۔ بیشک میں نے یہ عرض کیا ہے۔

مامون ۔ تو کیا تم نہیں دیکھتے کہ قرآن میں ہے کہ حضرت رسول خدا نے حضرت ابوبکر سے فرمایا "لاتحزن" "تم رنج و غم نہ کرو، اس طرح حضرت رسول نے حضرت ابوبکر کو رنج و غم کرنے سے منع کیا۔ حالانکہ وہ خدا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے یہ رنج و غم کرتے تھے۔ نتیجہ یہی تو نکلا کہ آنحضرت حضرت ابوبکر کو خدا کی خوشی حاصل کرنے سے منع کرتے تھے۔

علامہ اسحاق۔ معاذ اللہ (لاحول ولا قوۃ۔ مجھ سے کیا غلطی ہوگئی!)

مامون۔ اے اسحاق! میں تمہارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا اور آسان مناظرہ کر رہا ہوں کہ شاید تم راہ حق دیکھ لو اور باطل کی راہ سے الگ ہو جاؤ کیونکہ تم بار بار اعوذ باللہ کر رہے ہو اب یہ بتاؤ کہ خدا نے جو فرمایا ہے فانزل اللہ سکینتہ علیہم (خدا نے ان پر اپنی تسلی نازل کی) اس سے مراد حضرت رسول خدا ہیں یا حضرت ابوبکر؟

علامہ اسحاق۔ حضرت ابوبکر نہیں تھے بلکہ حضرت رسول خدا مراد ہیں۔

مامون۔ ٹھیک ہے اب آیہ "و یوم حنین الایۃ" (یعنی خدا نے تمہاری مدد غزوہ حنین میں بھی کی جب تم اپنی زیادہ تعداد پر پھولے ہوئے تھے تو پر زیادہ تعداد تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی بلکہ میدان جنگ تم پر تنگ ہوگیا، پھر تم لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو خدا نے اپنی تسلی اپنے رسول اور مومنین پر نازل کی (پارہ ۱۰ سورہ ۹ رکوع ۱۰) کے بارے میں تم بیان کرو کہ اس میں مومنین سے کون مراد ہیں۔

علامہ اسحاق۔ سرکار! مجھے تو نہیں معلوم ہے۔

مامون ۔ جنگ حنین میں سب مسلمان حضرت رسول خدا کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اور آنحضرت کے ساتھ بنی ہاشم سے سات شخصوں کے سوائے کوئی بھی ثابت قدم نہیں رہا تھا ان سات شخصوں میں ایک حضرت علی تھے جو تلوار سے آنحضرت کی حفاظت کے لئے لڑتے تھے دوسرے حضرت عباسؓ تھے جو حضرت رسول کے خچر کی لگام تھامے تھے، اور باقی پانچ شخص حضرت رسول کو گھیرے ہوئے تھے تاکہ کافروں کا کوئی وار حضرت پر نہ پڑ جائے، یہی حالت رہی یہاں تک کہ خدا نے اپنے رسول کو کامیاب کر کے فتح دیدی، تو اس آیہ میں مومنوں سے خاص کر حضرت علی اور بنی ہاشم کے وہی لوگ مراد ہیں جو اس وقت

جوحضرت رسول کی خدمت میں حاضر تھے اب تم ہی بتاؤ جو بزرگ (یعنی حضرت علی وعباس وغیرہ) اس وقت اپنی جان پر کھیل کر حضرت رسول خدا کی خدمت میں موجود تھے افضل ہوسکتے ہیں، یا وہ لوگ جو اپنی جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور خدا نے ان کو اس جگہ پایا ہی نہیں کہ اپنی تسلی ان پر بھی نازل کرتا؟

علامہ اسحاق۔ یقیناوہی بزرگ افضل ہیں جن پر خدا نے اپنی تسلی نازل کی۔

شب ہجرت حضرت علی کی جاں نثاری،

مامون۔ ذرا یہ بھی بتاؤ کہ جو صاحب حضرت رسولؐ خدا کے ساتھ غار میں تھے وہ افضل ہوسکتے ہیں یا وہ بزرگ جو آنحضرت کے بستر پر سورہے اور جنہوں نے اپنی جان ہلاکت میں ڈال کر حضرت رسولؐ کو بچادیا جس کے سبب سے آنحضرت اپنی ہجرت میں کامیاب ہوگئے، اس طرح کہ خدا نے حضرت رسولؐ کو حکم دیا تھا کہ علی سے کہو وہ تمہارے بستر پر سورہیں اور اپنی جان سپر کر کے تم کو بچالیں چنانچہ حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ سے یہ بات کہی تو رونے لگے، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیوں علی تم موت کے خوف سے روتے ہو؟ حضرت علی نے عرض کی ''نہیں یا حضرتؐ خدا کی قسم میں اس سبب سے نہیں روتا بلکہ آپ کے خیال سے پریشان ہوں کہ حضور ہجرت کرنے سے مصائب میں نہ مبتلا ہوجائیں، اچھا میں سو رہوں گا تو حضور کی جان بچ جائے گی''؟

حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا ''ہاں ضرور بچ جاؤں گا'' تب حضرت علیؑ نے خوش ہوکر کہا ''یا حضرت! پھر مجھے کیا پروا ہے؟ میں بہ سروچشم حاضر ہوں، نہایت اطمینان، بے فکری اور کمال خوشی سے اپنی جان فدا کر کے حضور کو بچاؤں گا'' اس کے بعد آپ حضرت رسولؐ خدا کے بستر پر تشریف لائے اور حضرت ہی کی چادر اوڑھ کر بڑے آرام سے سورہے تھوڑی دیر کے بعد قریش کے کافروں نے آکر حضرت علیؑ کو اس خیال سے گھیر لیا کہ سمجھے آپ ہی حضرت رسولؐ خدا ہیں کسی کو اس میں شک نہیں تھا ،ان سب نے پہلے ہی یہ طے کرلیا تھا کہ قریش کے قبیلے سے ایک ایک شخص تلوار کا ایک ایک وار آنحضرتؐ پر ایک ہی دفعہ لگائے تاکہ بنی ہاشم کسی خاص قبیلہ سے حضرت کے خون کا قصاص نہ لے سکیں، اور باوجودیکہ حضرت علیؑ کافروں کے ان کل مشوروں کو سن رہے تھے اور جان رہے تھے کہ یہ سب انہیں کی جان لینے پر آمادہ ہیں پھر بھی ان کے ابرو پر ذرہ برابر بل نہیں آیا اور نہ انہوں نے کچھ تردد کیا بلکہ پورے اطمینان سے جان دینے کے لئے سورہے، اس کے برخلاف حضرت ابوبکر (ذراسی بات پر) غار میں ڈر کر رونے لگے اور بدحواس ہوگئے تھے، حضرت علیؑ اسی طرح نہایت دل جمعی اور کمال اطمینان سے دیر تک سوتے رہے، اس (ایثار اور قربانی) سے (خوش ہوکر) خدا نے اپنے مقرب فرشتوں کو آپ کے پاس بھیج دیا جو صبح تک آپ

کی حفاظت کرتے رہے، صبح کو جب آپ فرشِ رسول سے واٹھے تو کفار قریش نے آپ کی طرف دیکھ کر کہا "یہ تم سو رہے تھے؟ اور محمد کہاں ہیں؟ حضرت علی نے ان کو جواب دیا "مجھے کیا معلوم کہ حضرت کہاں تشریف رکھتے ہیں" اس پر ان لوگوں نے کہا" اے علی معلوم ہوتا ہے رات ہی سے تم اپنی جان کے دشمن بنے ہوئے ہو (کہ اس بستر پر سو کر اپنے پیغمبر کو بچا لیں) غرض اسی طرح مرتے وقت تک ہر واقعہ میں حضرت علی سب لوگوں میں افضل ہی ثابت ہوتے رہے اور آپ کی فضیلت سب سے بڑھتی ہی گئی کسی وقت کسی فضیلت میں بھی آپ کسی شخص سے کم نہیں ہوئے۔"

حدیث غدیر کی بحث

مامون۔ ہاں اے اسحاق! اب یہ بتاؤ تم حدیث غدیر کی بھی روایت کرتے ہو۔

علامہ اسحاق۔ سرکار ہاں۔

مامون۔ اس کو ذرا بیان تو کرو۔

علامہ اسحاق: ۔ کہتے ہیں کہ میں نے مامون کے سامنے حدیث غدیر بیان کر دی تو مامون نے کہا۔

مامون۔ اے اسحاق! کیا تمہاری عقل میں بھی یہ بات آتی ہے کہ اس حدیث کی وجہ سے حضرت علی کے بارے میں حضرت ابوبکر پر وہ چیز واجب ہو گئی جو حضرت ابوبکر و عمر کے بارے میں حضرت علی پر واجب نہیں ہوئی (یعنی حضرت ابوبکر و عمر پر خدا نے واجب کیا کہ حضرت علی کو اپنا مولا اور پیشوا جانیں مگر حضرت علی پر واجب بلکہ جائز بھی نہیں ہوا کہ وہ حضرت ابوبکر و عمر کو اپنا مولا سمجھیں)

علامہ اسحاق۔ سرکار لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث کے باعث زید بن حارثہ ہیں کیونکہ ان کے اور حضرت علی کے درمیان کچھ اختلاف ہو گئے تھے جس پر انہوں نے حضرت کی دوستی سے انکار کر دیا تھا اس پر حضرت رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ جس کا مولا میں ہوں اس کے مولا علی بھی ہیں۔ اے اللہ تو ہر اس شخص کو دوست رکھ جو علی علیہ السلام کو دوست رکھے۔ اور ہر اس شخص کو دشمن رکھ جو علی کو دشمن رکھے۔

مامون۔ پہلے یہ بتاؤ کہ حضرت رسول نے اس حدیث کو کس موقع پر فرمایا تھا؟ کیا حجۃ الوداع سے لوٹتے وقت (غدیر خم میں) نہیں فرمایا تھا؟

علامہ اسحاق۔ ہاں اسی موقع پہ ارشاد فرمایا تھا۔

مامون۔ پھر اگر زید بن حارثہ واقعہ غدیر خم کے بہت پہلے شہید ہو چکے ہوں تب کیونکر تم حدیث غدیر کا سبب زید کے

اختلاف کو قرار دے سکتے ہو؟ (کیونکہ تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ جنگ موتہ میں جو ۸ ہ میں ہوئی تھی زید بن حارثہ شہید ہو چکے تھے جو مشہور واقعہ ہے اور حدیث غدیر کو آنحضرت نے ۱۸؍ذی الحجہ ۱۰ھ کو بیان فرمایا تھا) اچھا اب یہ بتاؤ کہ اگر تم اپنے کسی لڑکے کو دیکھو جو ۱۵؍سال کا ہو چکا ہو کہ وہ لوگوں سے کہتا ہے "جو شخص میرا دوست ہے وہ میرے چچازاد بھائی کا بھی دوست ہے لوگوں! اس بات کو خوب یاد کر لو اور بھولنا نہیں۔" تو کیا تم کو یہ برا نہیں معلوم ہوگا کہ تمہارا لڑکا لوگوں کو ایسی لغو بات بتائے جس کو وہ لوگ خود ہی جانتے اور جس کا کبھی انکار نہیں کرتے ہیں۔

علامہ اسحاق۔ خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ مجھے ضرور برا معلوم ہوگا۔

مامون۔ پھر جس بات کو تم اپنے لڑکے تک کے لئے پسند نہیں کرتے کیا اس کو حضرت رسول خدا کے لئے پسند کرو گے؟

(یعنی حضرت رسول خدا کو تو معلوم ہی تھا کہ جو لوگ حضرت کے دوست ہیں وہ حضرت علی کے بھی دوست ہیں یا جو لوگ حضرت کو دوست رکھتے ہیں وہ حضرت علی کو بھی دوست رکھتے ہیں، پھر آنحضرت نے اس اہتمام سے یہ بات ان صحابہ یا مسلمانوں سے فرمائی کیوں؟ یقیناً کہنا پڑیگا کہ حضرت کو یہ بتانا مقصود تھا کہ جو شخص مجھ کو اپنا آقا اور پیشوا جانتا ہے وہ علی کو بھی اپنا آقا اور پیشوا جانے) افسوس تم لوگوں کی کیا حالت ہے، تم لوگ اپنے علماء کے بندے نہ بن جاؤ اور اپنے مذہبی پیشواؤں کو اپنا خدا نہ سمجھنے لگو تم اس بات کو یقیناً جانتے ہو کہ خدا نے کلام مجید میں فرمایا "اتخذوا احبارھم الآیۃ" یعنی ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور مذہبی پیشواؤں کو اپنا خدا بنا لیا ہے، (پارہ ۱۰؍ع ۱۱) حالانکہ ان لوگوں نے نہ اپنے علماء اور مذہبی پیشواؤں کی نماز پڑھی، نہ ان کا روزہ رکھا اور نہ یہ اعتقاد کیا کہ واقعاً یہی پیشوایان دین ان کے خدا ہیں مگر چونکہ ان علماء نے جو کچھ کہہ دیا اس کو اور لوگوں نے اپنی عقل معطل کر کے مان لیا (اسی سبب سے خدا نے یہ فرمایا)

حدیث منزلت کی بحث

مامون۔ اے اسحاق! یہ بتاؤ تم اس حدیث کی بھی روایت کرتے ہو کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا، یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ (یعنی اے علی! تم کو مجھ سے وہی تعلق وہی درجہ اور وہی منزلت ہے جو جناب ہارون کو حضرت موسیٰ سے تھی)

علامہ اسحاق۔ ہاں سرکار! میں نے بھی اس حدیث کو سنا ہے اور ان لوگوں کو بھی سنا ہے جو اس کو صحیح کہتے ہیں اور جو اس سے انکار کرتے ہیں۔

مامون۔ تو ان لوگوں میں کن لوگوں کو تم زیادہ قابل اعتبار اور لائق اعتماد سمجھتے ہو جنہوں نے اس کو صحیح کہا یا انکار کرتے ہیں۔

علامہ اسحاق۔ میں انہیں کو قابل اعتماد جانتا ہوں جو اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں۔

مامون۔ تو کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت رسول خدا نے اس حدیث کو مزاح اور مہمل سے فرمایا ہو؟

علامہ اسحاق۔ معاذ اللہ ہرگز نہیں۔

مامون۔ پھر کیا حضرت نے ایسی بات فرمائی جس کا کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتا اور جو کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔

علامہ اسحاق۔ معاذ اللہ! یہ بھی نہیں ہو سکتا۔

مامون۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جناب ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے حقیقی بھائی تھے۔

علامہ اسحاق۔ ہاں جانتا ہوں۔

مامون۔ اور کیا حضرت علیؑ بھی حضرت رسول خدا کے حقیقی بھائی تھے؟

علامہ اسحاق۔ نہیں۔

مامون۔ اور یہ بات بھی ہے یا نہیں کہ جناب ہارونؑ نبی تھے اور حضرت علیؑ نبی نہیں تھے؟

علامہ اسحاق۔ بے شک ایسا ہی ہے۔

مامون۔ بس تو تیسری بات ہوئی کہ حضرت علیؑ نہ حضرت رسولؐ خدا کے حقیقی بھائی تھے اور نہ ہی رسول خدا تھے، ان دونوں صفتوں سے کوئی بھی آپ میں موجود نہ تھی حالانکہ جناب ہارون میں یہ دونوں باتیں موجود تھیں (یعنی اس دونوں صفتوں میں تو حضرت علیؑ کو جناب ہارون سے مشابہت نہیں تھی) پھر حضرت رسولنا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول "انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ (اے علی! تم کو مجھ سے وہی درجہ حاصل ہے جو ہارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا) کا کیا معنی ہوا؟ (اب حضرت علی میں جناب ہارون کی کون سی صفت تھی جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث کو فرمایا؟)

علامہ اسحاق۔ یہ حدیث تو کوئی چیز ہی نہیں ہے کیونکہ اس کی غرض تو صرف اس قدر تھی کہ اس کلام سے حضرت رسول مقبول حضرت علی کو خوش کر دیں کیونکہ منافقین نے اس وقت یہ افواہ اڑائی تھی کہ حضرت رسول خدا مدینہ میں حضرت علی کو اس سبب سے چھوڑ گئے ہیں کہ حضرت آپ سے دل میں کچھ ناراض ہیں۔

مامون۔ تو ثابت ہوا کہ حضرت رسول نے ایک مہمل بات سے حضرت علی کو خوش کرنا چاہا۔

علامہ اسحاق۔ کہتے ہیں کہ مامون کے اس مشکل اعتراض سے پریشان ہو کر میں سوچنے لگا کہ اب کیا بولوں۔ مگر کوئی جواب ذہن میں آیا ہی نہیں تو پھر خود مامون ہی نے کہا۔

مامون۔اے اسحاق! حضرت رسول خدا نے جو اس حدیث میں حضرت علیؑ کو حضرت ہارونؑ سے تشبیہ دی تو اس تشبیہ کا معنی کلام مجید میں صاف طور پر موجود ہے۔

علامہ اسحاق۔(بہت تعجب سے) سرکار وہ کیا۔

مامون۔حضرت موسیٰ کی زبانی خدا نے جو فرمایا ہے "**قال موسیٰ لاخیه هارون اخلفني في قومي واصلح ولا تتبع سبيل المفسدين**" یعنی حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی جناب ہارون سے فرمایا کہ تم میری قوم میں میرے خلیفہ اور جانشین رہو اور دیکھو ان کی اصلاح کرتے رہنا اور فسادی لوگوں کی راہ نہ اختیار کرنا (پارہ ۹ رع ۷)

علامہ اسحاق۔سرکار یہ بھی تو ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت موسیٰ نے جناب ہارون کو اپنی قوم کا خلیفہ اس وقت مقرر کیا تھا جب وہ زندہ تھے اور خدا سے مناجات کرنے کوہ طور پر گئے تھے۔اسی طرح حضرت رسول مقبول نے صرف جنگ تبوک میں جاتے وقت حضرت علی کو اپنا خلیفہ اپنی زندگی میں مقرر کیا تھا (غزوۂ تبوک ۹ ھ کا واقعہ ہے)

مامون۔افسوس! کیا کہتے ہو؟ یہ بات نہیں ہے تم ہی بتاؤ کہ جب حضرت موسیٰ جناب ہارون کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے کوہ طور پر گئے تھے تو آپ کے اصحاب یا آپ کی امت اسرائیل سے کوئی شخص بھی ان کے ساتھ گیا تھا؟

علامہ اسحاق۔نہیں۔

مامون۔اور حضرت موسیٰ نے جناب ہارون کو اپنی امت پر خلیفہ مقرر کیا تھا یا نہیں؟

علامہ اسحاق۔بیشک تمام امت پر خلیفہ مقرر کیا تھا۔

مامون۔لیکن جب حضرت رسول خدا غزوہ تبوک میں تشریف لے جانے لگے تو ضعفاء مسلمین، عورات واطفال کے سوائے بھی کسی کو مدینہ میں چھوڑا؟ پھر یہ واقعہ حضرت موسیٰ کے ایسا کیونکر کہا جا سکتا ہے؟ یعنی کوہ طور پر حضرت موسیٰ تنہا گئے اور حضرت رسول خدا غزوۂ تبوک میں اپنے اصحاب وانصار کے ساتھ گئے تھے۔حضرت موسیٰ اپنے پیچھے سب امت کو چھوڑ گئے تھے مگر حضرت رسول خدا اپنے پیچھے صرف کمزور مردوں یا عورتوں، بچوں کو چھوڑ گئے تھے، پس دونوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے پھر اس وجہ سے حضرت رسول خدا حضرت علیؑ کو جناب ہارون سے کیونکر تشبیہ دے سکتے تھے؟ اس حدیث کا ایک اور مطلب میرے ذہن میں آیا ہے جو قرآن مجید ہی سے نکلتا ہے اور وہ اس بات کی نہایت زبردست دلیل ہے کہ حضرت رسول خدا نے مسلمانوں پر حضرت علی کو اپنا مطلق خلیفہ (یعنی اپنی زندگی میں بھی اور اپنی وفات کے بعد بھی) مقرر کر دیا تھا اس دلیل کو کوئی شخص بھی رد نہیں کر سکتا نہ اس کا کوئی جواب دے سکتا ہے اور نہ مجھ سے پہلے کوئی شخص نے بھی اس دلیل کو پیش کیا ہے بلکہ

میں سمجھتا ہوں کہ خدا نے اپنے خاص فضل اور مخصوص تائید سے یہ استدلال میرے ہی دماغ میں پیدا کیا۔

علامہ اسحاق۔ سرکار وہ کیا؟

مامون۔ یہ حضرت موسیٰ کا وہ قول ہے جس کو خدا نے یوں ذکر کیا ہے "واجعل لی وزیرا الآیۃ" یعنی اے خدا تو میرے خاندان والوں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر مقرر کر ان کے ذریعہ سے میری پشت مضبوط کردے اور میرے کام میں ان کو میرا شریک بنا تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری تسبیح کریں اور برابر تیرا ذکر کرتے رہیں، یقیناً تو ہر بات کا خوب دیکھنے والا ہے (پارہ ۱۶ ر ع ۱۱) اسی طرح حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ اے علی تم مجھ سے اسی درجہ پر ہو جس درجہ پر جناب ہارون حضرت موسیٰ سے تھے کہ تم ہی میرے وزیر ہو اور میرے وہ بھائی ہو جس سے خدا نے میری پشت مضبوط کردی اور جس کو میرے کام میں شریک کردیا تاکہ میں اور تم دونوں اس کی تسبیح اور اس کے ذکر کو کثرت سے پھیلا دیں، اب کیا کسی شخص میں اس کی قدرت ہے کہ اس معنی کے علاوہ کوئی اور مطلب اس حدیث کا بیان کرے جس سے نہ حضرت رسول کا قول باطل ہو نہ مہمل اور لغو قرار پائے۔

علامہ اسحاق کہتے ہیں کہ اسی طرح یہ مناظرہ بہت دیر تک ہوتا رہا جس میں بہت طول ہوا اور دوپہر ہوگئی، اس وقت قاضی القضاۃ یحییٰ ابن اکثم نے کہا:

قاضی یحیٰی ابن اکثم:

سرکار نے طالبان حق وغیرہ کے لیے صراط مستقیم کو واضح کرکے بیان کردیا اور ایسی زبردست دلیلوں سے دعویٰ کو ثابت کردیا کہ اس کا جواب کسی شخص سے ممکن نہیں ہے۔

علامہ اسحاق کہتے تھے کہ قاضی یحییٰ کی یہ بات سن کر مامون ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا "اور آپ لوگ کیا کہتے ہیں" ہم سب لوگوں نے عرض کہ ہم لوگ بھی حضور ہی کے ساتھ ہیں اور سرکار جو فرماتے ہیں اس کو بالکل صحیح اور حق جانتے ہیں

مامون۔ خدا کی قسم اگر حضرت رسول خدا نے یہ حکم نہ دیا ہوتا کہ لوگوں کی باتیں مان لیا اور صحیح جان لیا کرو تو میں ہرگز تم لوگوں کی اس بات کو قبول نہیں کرتا (کیونکہ تم لوگ دل سے حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کو اب بھی نہیں مانتے، صرف میرے سامنے زبانی اقرار کرتے ہو) اے خدا! میں نے ان لوگوں کو اچھی طرح نصیحت کردی اور امر بالمعروف کے فریضہ کو ادا کردیا ، اے خدا میرے ذمہ حق کے واضح کردینے کا جو فرض تھا اس سے میں سبکدوش ہوگیا اے اللہ میں حضرت علیؑ کی محبت اور حضرت کی ولایت کے ذریعہ سے تیرا تقرب چاہتا ہوں اور میں اسی مذہب کا پابند ہوں فقط (علامہ ابن عبد ربہ اندلسی کی بہت

مشہور اور قابل قدر کتاب العقد الفرید جلد ۳ صفحہ ۳۔۔۔مطبوعہ مصر)

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے مامون کے اس مناظرہ کے بارے میں بھی اپنا خیال ظاہر کیا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اس بارے میں جو کہنا چاہیئے تھا وہی ان کے قلم سے بھی نکل گیا چنانچہ پوری وضاحت سے لکھ دیا ہے مامون کا ایک مشہور مناظرہ جس میں اس کو یہ دعوی تھا کہ تمام صحابہ میں حضرت علیؑ افضل ترہیں بڑے معرکہ کا مناظرہ ہے قاضی یحیٰ ابن اکثم اور چالیس بڑے بڑے فقیہ اس دعوے کے مخالف تھے ادھر مامون تنہا سب کا طرف مقابل تھا، مناظرہ کے وقت حاکم ومحکومی کا پردہ اٹھادیا گیا تھا اور ہر شخص کو گفتگو میں پوری آزادی حاصل تھی، صبح سے قریباً دو پہر تک دونوں فریق نے داد سخن دی مگر انصاف یہ ہے کہ میدان مامون کے ہاتھ رہا، یہ پورا واقعہ کتاب العقد میں مذکور ہے اور حق یہ ہے کہ مامون کی وسعت نظر، جودت ذہن، کثرت معلومات، حسن بیان، زور تقریر کا ایک حیرت انگیز مرقع ہے۔" (المامون صفحہ ۱۹۹)

اس بحث یا مناظرہ کی عظمت اس امر سے بہت بڑھ گئی کہ اس کو اسلام کے بہت بڑے اور مشہور عالم نے اپنی کتاب میں لکھا۔اس کے مصنف شہاب الدین احمد المعروف بہ ابن عبدربہ الاندلسی المالکی ہیں جن کا انتقال ۳۲۸ھ میں ہوا ہے، یہ ابن عبدربہ ہشام بن عبدالرحمن بن معاویہ خلیفہ بنی امیہ کے (جو یورپ کے مشہور ملک اندلس میں جا کر خلیفہ ہو گیا تھا، غلام سالم کا پوتا تھا اور ان علماء اہل سنت سے ہے جو نہایت وسیع معلومات اور اخبار و واقعات کے واقف گزرے ہیں، یہ علامہ سلطنت اندلس اخبار و اشعار و تاریخی واقعات کا بڑا عالم اور ادیب و شاعر تھا، لوگوں نے اس کی مصنفات اور اشعار کی نظمیں حاصل کیں اس کی مصدقات سے کتاب العقد الفرید ہے جس میں یہ مناظرہ عربی عبارت میں چھپ گیا ہے اور اس کا خلاصہ اردو زبان میں اس جگہ نقل کیا گیا۔اس کتاب العقد الفرید کا شمار نہایت نفع بخش اور اعلی درجہ کی ادبی کتابوں میں ہے جس میں گویا ہر علم وفن کی معلومات جمع ہیں۔کیا خدا کی قدرت ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کے یہ فضائل وکمالات خاندان بنی عباس کے مشہور خلیفہ مامون کی زبان پر جاری ہوئے اور خاندان بنی امیہ کے بڑے مشہور عالم ابن عبدربہ نے اس کو اپنی کتاب میں نقل کر دیا اور ملک مصر نے اس کتاب کو چھاپ کر تمام اہل علم حضرات میں شائع کر دیا فالحمد للہ حمداً کثیراً۔

مامون کے پورے مناظرہ کو پڑھ کر تم لوگ خود یقین کر سکتے کہ مدینہ میں اسلام کی ترقی بھی صرف حضرت علیؑ ہی کی شرکت سے ہوسکی، نہ اول کچھ کام آئے نہ دوم نہ سوم ۲ھ میں مشہور غزوہ بدر ہوا جس نے مدینہ میں اسلام کی جڑ مضبوط کر دی مگر اول صاحب نے اس میں جنگ تک نہیں کی بلکہ حضرت رسولؐ کے ساتھ ایک چھپر کے سائبان میں آرام کرتے رہے اول و دوم، دونوں صاحبوں نے اپنی رایوں سے حضرت رسول کا دل اس درجہ چھوٹا کرنا چاہا کہ اگر علی نہ ہوتے تو جنگ کے لئے

رسول کی ہمت شاید ہی ہوتی۔" بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے جو انس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ابوسفیان کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو آپ نے مشورہ طلب کیا حضرت ابوبکر بولے تو رسول نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا پھر حضرت عمر بولے تو رسول نے ان کی طرف سے بھی منہ پھیر لیا۔" (سیرۃ حلبی جلد ۲ رصفحہ ۲۵۶) ان صاحبوں نے کیا کہا جس کی وجہ سے ہمارے رسول نے ان لوگوں کی باتوں سے منہ پھیر لیا؟ حضرت ابوبکر نے کہا مقام بدر تک ہمارے ان کے درمیان دو منزل کا فرق رہ جائیگا اور حضرت عمر نے کہا یا حضرت آپ مکہ والوں کا مقابلہ کیا کر سکتے ہیں؟ وہ قریش ہیں اور ان کی عزت معلوم ہے خدا کی قسم جب سے ان کو عزت ملی ہے کبھی ذلیل اور مغلوب نہیں ہوئے اور جب سے کافر ہوئے کبھی ایمان نہیں لائے، خدا کی قسم وہ آپ سے پورا مقابلہ کریں گے، حضرت عمر کے اس قول سے ہمارے رسول کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور پھر دوسرے صحابہ سے فرمایا کہ مجھے مشورہ دو اس پر مقداد نے کہا کہ ہم تو وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہی تھی کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا دونوں لڑو ہم لوگ تو یہیں بیٹھے رہیں گے بلکہ قسم اس خدا کی جس نے آپ کو مبعوث بحق کیا ہے ہم آپ کے سامنے رہیں گے اور آپ کے پیچھے رہیں گے اور آپ کی داہنی طرف اور بائیں طرف رہیں گے یہاں تک کہ خدا آپ کو فتح دے۔ (تفسیر در منثور جلد ۳ رصفحہ ۱۶۶) اس پر ہمارے رسول مسکرائے اور مقداد کو دعائے خیر دی۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ رصفحہ ۱۰۶) اس غزوہ میں ستر ۷۰ کفار قتل کئے گئے جن سے بروایت حبیب السیر ۳۶ کافروں کو بھی حضرت علی نے قتل کیا، مسلمانو! بتاؤ اگر ہم اپنے رسول کو ان کے ۲۵ رسال ہی کی عمر میں پیغمبر بنا دیتے اور ان کی پیغمبری کے پندرہویں سال (جب رسول کی عمر ۴۰ رسال کی اور علی کی صرف ۱۰ رسال کی ہوتی) غزوہ بدر ہوتا تو رسول اس لڑائی میں کامیاب کیونکر ہوتے؟ ظاہر ہے کہ علی ۱۰ رسال کی عمر میں اس قابل کیسے ہو جاتے کہ ۳۶ بہادروں کو تنہا ہلاک کر دیں اور بغیر ان کے یہ غزوہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا تھا تو اسلام ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا اور ہمارے رسول اسی غزوہ بدر میں قتل کر دیئے جاتے اگر تم کہو کہ اس وقت اول اور دوم صاحبان رسول کو بچا لیتے تو بتاؤ ۱۵ رسال کے بعد کیوں نہیں بچا لیا؟ بلکہ اس غزوہ بدر کو اب اس نظر سے دیکھو کہ اگر ۲ھ ہجری میں اگر علی میدان میں نہ جاتے، مدینہ میں اپنے مکان کے اندر ہی بیٹھے رہتے تو کیا مسلمانوں کو کامیابی ہوتی؟ کیا رسول کی جان بچ جاتی؟ اور کیا اسلام پھر ایک دن کے لئے بھی زندہ رہ سکتا؟ جب علی نے ۳۶ ر (یا بقول مامون ۲۳ ر) کافروں کو تنہا قتل کیا تو انہوں نے کتنے کافروں کو زخمی بھی کر دیا ہوگا جو مرے نہیں، اور کتنے کافروں کو بھگا بھی دیا ہوگا جو دوسروں کی مصیبت دیکھ کر حضرت علی کے سامنے سے اپنی جان بچا لے گئے، ایسا جان فروش شریک رسول اگر غزوہ بدر میں آتا ہی نہیں تو لڑائی کی صورت کیا ہو گئی ہوتی؟ پھر سال بھر کے بعد ہی غزوہ احد ہوا جس میں

مسلمانوں کو شکست ہوئی، سب مسلمان ہمارے رسول کو کافروں کے نرغہ میں چھوڑ کر بھاگ گئے حضرت اول ودوم وسوم بھی فرار کر گئے، ہمارے رسولؐ کے دو دانت ٹوٹ گئے، ایک پتھر سے حضرتؐ کی پیشانی مجروح ہوگئی، تلواروں کے زخم بھی آئے اور آپ ایک گڑھے میں جاپڑے، اس وقت اگر کوئی جہاد میں مصروف تھا تو وہ حضرت علیؑ ہی تھے جو کبھی کبھی رسولؐ کو دیکھ بھی جاتے تھے، آخری مرتبہ کفار کو ہٹا کر رسول کو پہاڑی کے اوپر لے گئے رات ہوگئی اور دوسرے دن صبح کو مدینہ روانہ ہوئے اس غزوہ میں حضرت علیؑ برابر جاں نثاری میں مشغول رہے تو ہمارے رسولؐ نے فرمایا اے علی تم کیوں نہیں بھاگے؟ عرض کی کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا؟ مولوی شبلی صاحب کو بھی لکھ دینا ہی پڑا کہ حضرت علی تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں الٹتے جاتے تھے۔'' (سیرۃ النبی جلد ۱ رصفحہ ۲۷۷) مسلمانو! بتاؤ اگر میں اپنے حبیب کو ۱۵ رسال قبل پیغمبر بنادئے ہوتا اور حضرت علی غزوۂ احد میں صرف ۱۱ رسال ہونے کی وجہ سے شریک نہیں ہوتے تو میرے رسول کی حفاظت کون کرتا؟ کون ان کو پہاڑی پر لے جاتا؟ اور اسلام کس طرح بچتا؟ اس کے دو سال بعد ہی غزوۂ خندق پیش آیا کافروں نے ہر طرف سے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا ایک نامی پہلوان عمرو بن عبدود خندق پھاند کر ادھر آ گیا اور فوج اسلام سے کہا کہ جس کو لڑنا ہو چلا آئے، مگر کوئی نہ نکلا بلکہ دوسرے صاحب نے تو اس کی بہادری کے شاندار واقعات بیان کر کے مسلمانوں کے بچے ہوئے ہوش وحواس بھی بالکل غائب کر دئے، مولوی شبلی صاحب تک نے لکھ دیا ہے، ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا، وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا، سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور پکارا مقابلہ کو کون آتا ہے؟ حضرت علی نے اٹھ کر کہا میں، لیکن آنحضرتؐ نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے، حضرت علیؑ بیٹھ گئے، لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا۔ عمرو دوبارہ پکارا اور پھر وہی صرف ایک صدا جواب میں تھی تیسری دفعہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علیؑ نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے غرض آپ نے اجازت دی، دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علیؑ نے وار کیا ان کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی ساتھ ہی حضرت علیؑ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔'' (سیرۃ النبی جلد ۱ رصفحہ ۲۱۴) مسلمانو! بتاؤ یہ اسلام کی فتح کا اعلان کس کی وجہ سے ہوا؟ کیا اول صاحب کی کسی مدد کی وجہ سے؟ کیا دوسرے صاحب کی کسی حمایت کی وجہ سے؟ اگر حضرت محمد ۲۵ رسال کی عمر میں پیغمبر بنادئے جاتے تو غزوۂ احد ان کی عمر کے پینتالیسویں سال واقع ہوتا، حضرت علیؑ اس وقت ۱۲، ۱۳ رسال کے ہوتے ان کو رسول کسی طرح لڑنے کی اجازت نہیں دیتے تو عمرو بن عبدود کے مقابلہ پر کون جاتا؟ کون اس سے لڑتا؟ کون اس کو قتل کرتا پہلے اور دوسرے صاحبان تو موجود تھے مگر انہوں نے کوئی تنکا بھی اٹھایا؟ پھر اگر ان دونوں کی حمایت کے بھروسے پر ہم حبیب کو پیغمبر بنادیتے تو غزوۂ خندق ہی میں اسلام دفن

کر دیا جاتا اور رسول کی قبر بھی وہیں بن جاتی اور مسلمانوں کا نام و نشان بھی تو کہیں نہیں ملتا، اسی وجہ سے تو ہمارے علی کا یہ درجہ ہوا کہ ہمارے رسول کو پکار کر کہنا پڑا "برز الایمان کله الی الشرک کله" (پورا ایمان پورے کفر کے مقابلے کو نکل پڑا ہے) (حیوٰۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۲۳۸، سیرۃ حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۰ وغیرہ) غزوۂ خندق میں حضرت علی سے ایسی شجاعت، ایسی قربانی اور وہ کارنامے ظاہر ہوئے جو حد قیاس سے خارج ہیں، حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ہمارے رسول نے اس وقت فرمایا یقیناً جنگ خندق میں علی کا جہاد میری امت کے ان کل اعمال سے افضل ہے جو وہ قیامت تک کرتی رہے گی۔" (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۳ وغیرہ) اس کے ڈیڑھ سال کے بعد غزوۂ خیبر واقع ہوا اس میں بھی سب کی حمایت اسلام کی حقیقت کھل گئی ایک دن اول صاحب علم لے کر گئے مگر خیبر کو فتح نہ کر سکے اور واپس آئے پھر دوسرے صاحب گئے مگر ان سے بھی فتح نہیں ہو سکی، اور واپس آئے ان کی فوج ہمارے رسول سے کہتی تھی کہ یا حضرت ہمارے سردار نے بزدلی کی، اور دوسرے صاحب کہتے تھے یا حضرت میری فوج نے نامردی کی (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۹۳) رسول نے دونوں کا فیصلہ اس طرح کر دیا کہ فرمایا کل میں پرچم ایسے بہادر شخص کو دوں گا جو بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے، بھاگنے والا نہیں ہے، اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسول بھی اس کو دوست رکھتے ہیں، خدا اس کے ہاتھ پر ضرور اس قلعہ خیبر کو فتح کر دے گا۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۹۳ و صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر وغیرہ) حضرت نے علم علی کو دیا وہ گئے مرحب کو قتل کیا اور قلعہ خیبر کو فتح کر کے واپس آئے۔

مسلمانو! تم ہم سے پوچھتے ہو کہ اے خدا تو نے حضرت رسول کو ۲۰ سال کی عمر ہی میں کیوں نہیں مبعوث کر دیا تھا، بتاؤ اگر ہم ایسا کیے ہوتے پھر غزوۂ خیبر کون فتح کرتا کیونکہ علی تو اس وقت ۱۳ سال کے ہوتے مرحب ایسے بہادر سے لڑنے کو ہمارے رسول انہیں کسی طرح بھیجتے ہی نہیں اور دوسروں کا حال معلوم ہی ہو گیا۔ تو کیا یہاں بھی اسلام بالکل ختم نہیں ہو جاتا؟ مختصر یہ کہ مدینہ میں بھی اسلام کی گاڑی کو یہی دو شخص (ہمارے نبی اور ولی) آگے کھینچتے رہے اور ہر موقع پر ثابت ہوتا رہا کہ ان دو کے سوا کسی سے یہ گاڑی چلنے والی نہیں تھی اس وجہ سے ہم نے بھی رسول کو اس وقت پیغمبری کا درجہ دیا جب علی اس قابل ہو گئے کہ وہ تبلیغ اسلام میں رسول کے پورے شریک ہو سکیں، ہمارے حبیب کی ہر طرح مدد کر سکیں، مسلمانوں کو دشمنوں سے کسی طرح بچا سکیں اور دین حق کو نہایت درجہ مضبوط کر سکیں۔

سورۂ برأت کی تبلیغ

ہمارے پیدا کیے ہوئے لوگو! ہمارے بندو! ہمارے دین اسلام کے ماننے والو! ہمارے پیارے مسلمانو! جس طرح تم لوگ ہم سے پوچھتے ہو کہ حضرت رسول خدا کو ہم نے حضرت کے ۲۰ سال کی عمر ہی میں کیوں پیغمبر نہیں بنا دیا اور اس کی

وجہیں ہم نے مختصر طور پر بیان کر دیں اسی طرح مدینہ میں ہم نے اپنے حبیب حضرت مصطفیٰؐ سے دو کام ایسے ضروری اہم اور ہدایت بخش انجام دلائے ہیں جن کے بارے میں بھی تم لوگ پوچھ سکتے ہو کہ اے خدا تو نے ایسا کیوں کیا؟ چونکہ وہ دونوں باتیں ہمارے اس انتظام سے (کہ ہم نے اپنے رسول کو ۴۵ رسال کی عمر میں نہیں بلکہ چالیس سال کی عمر میں پیغمبر بنایا) بہت ملتی جلتی گویا ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں اس وجہ سے ان دونوں کاموں کو بھی تم اچھی طرح سمجھ لو، ان پر خوب غور کرو، ان کو اچھی طرح ذہن نشین کرو، اور ان سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کو پورے طور پر یاد رکھو ہم یہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہمارا کام لوگوں کو سیدھا راستہ دکھا دینا، سچے مذہب کی طرف دعوت دیدینا حق کو باطل سے الگ کر دینا، صراط مستقیم کی طرف بلا لینا اوور ہدایت وگمراہی کی راہوں کو نمایاں کر دینا ہے تا کہ ہم پر کسی کی کوئی حجت نہ باقی رہ جائے ماننا یا نہ ماننا لوگوں کا اختیار ہے ہمارے رسولؐ کو بہت لوگوں نے مانا ہی نہیں اور ان سے انکار کرتے رہے تو ہم نے ان کو ماننے کے لئے مجبور نہیں کر دیا اسی طرح ہمارے رسولؐ کے بعد لوگ سیدھے راستے کو چھوڑ کر غلط راہ اختیار کریں تو ہم دنیا میں ان کو اس کی سزا نہیں دینگے البتہ جس طرح رسولؐ کی پیغمبری کی دلیلیں اچھی طرح بیان کر دی ہیں۔ بالکل اسی طرح حضرت رسولؐ کے بعد جو رستہ ہم تک پہنچا دینے والا ہے اس کی دلیلیں بھی واضح کر دی ہیں، انہیں دلیلوں میں ایک کو ہم بہت مختصر بیان کر چکے، دوسری دلیل کو بھی سن لو ہمارے رسولؐ نے ماہ ذیقعدہ ۹ھ کے آخر میں پہلے صاحب کو حاجیوں کا امیر مقرر کر کے مکہ معظمہ بھیجا اور ان کو سورۂ برأت دی کہ وہاں جا کر اس کی تبلیغ کر دیں، مگر ہم نے رسولؐ کو اس پر ٹوکا تو رسول نے ان کو اس عہدہ سے معزول کر دیا، تم لوگ جن کو امام بخاری کہتے ہو انہوں نے اس واقعہ کو لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ابو ہریرہ کہتے تھے کہ ۹ھ کے حج میں حضرت ابوبکر نے مجھے بھیجا کہ ہم لوگ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک خانہ کعبہ کا حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص برہنہ اس کو طواف کرے پھر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو بھیج دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہی جا کر سورۂ برأت کی تبلیغ کر دیں چنانچہ حضرت علی نے جا کر اعلان کر دیا۔ (صحیح بخاری پارہ ۲ر صفحہ ۲۳۸ر کتاب الصلوٰۃ و پارہ ۱۹ر صفحہ ۱۹۴ر کتاب التفسیر) علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا حضرت رسالت مآب نے حضرت ابوبکر کو سورۂ برأت کے ساتھ اہل مکہ کی طرف روانہ کیا پھر ان کے پیچھے ہی مجھے بھیجا، تو میں نے حضرت ابوبکر کو پکڑ کر ان سے سورۂ برأت لے لی، یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کے پاس واپس آئے اور پوچھا یا حضرت! حضور نے اس عہدے سے مجھے کیوں معزول کر دیا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا یہی بہتر تھا بات یہ ہے کہ دینی احکام کو میری طرف سے سوائے میرے یا ایسے شخص کے جو مجھ ہی سے ہو کوئی اور نہیں پہنچا سکتا۔ پھر علامہ ممدوح نے لکھا ہے طبرانی میں بھی یہی مضمون ہے، البتہ اس میں یہ بھی ہے جب آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر

کو سورہ برأت کے ساتھ روانہ کیا اور آگے بڑھے تو فوراً جناب جبرئیلؑ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور کہا اے محمدؐ یہ آپ نے کیا کیا؟ اس سورہ کو آپ کی جانب سے سوائے آپ کے یا اس شخص کے جو آپ ہی سے ہو کوئی اور نہیں پہنچا سکتا ہے پھر لکھا ہے انس سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے سورہ برأت کو حضرت ابوبکر کے ساتھ بھیجا، پھر فوراً ہی حضرت علیؑ کو بلایا اور وہ سورہ حضرت ابوبکر سے واپس لے کر حضرت علیؑ کو دیدیا اور فرمایا کسی کو مناسب نہیں ہے کہ اس سورہ کی تبلیغ کرے سوائے اس شخص کے جو میرے اہل سے ہو۔ (فتح الباری پارہ ۱۹ صفحہ ۱۹۴) اور ایک اور بڑے محدث نے جن کو تم لوگ امام نسائی کہتے ہو لکھا ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے مکہ والوں کی طرف حضرت ابوبکر کو سورہ برأت کے ساتھ بھیجا پھر ان کے پیچھے ہی حضرت علیؑ کو روانہ کیا اور آپ سے کہا کہ ابوبکر سے اس نوشتہ کو واپس لے کر تم خود اہل مکہ کی طرف جاؤ، اس پر حضرت علیؑ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت ابوبکر کو پکڑ کر وہ نوشتہ واپس لے لیا جس پر حضرت ابوبکر بہت محزون و مغموم اور شکستہ دل مدینہ میں حضرت رسولؐ کے پاس واپس آئے اور آنحضرتؐ سے عرض کی کہ کیا میرے بارے میں کوئی حکم خدا نازل ہوا جس پر میں اس شرف سے محروم کر دیا گیا؟ حضرت نے فرمایا تمہارا نام ظاہر کر کے اور تمہارا ذکر کھول کر تو کوئی حکم نہیں آیا ہے مگر مجھے خدا کا یہ حکم ضرور پہنچا ہے کہ اس سورہ برأت کو مکہ والوں تک یا میں پہنچاؤں یا میرے اہلبیت ہی کا کوئی شخص پہنچائے (خصائص نسائی صفحہ ۲۳) اور علامہ علی متقی نے لکھا ہے کہ خود حضرت ابوبکر بیان فرماتے تھے ان کو حضرت رسول خداؐ نے سورہ برأت دے کر اہل مکہ کی طرف بھیجا، وہ اس کو لے کر روانہ ہوئے تو ان کے جانے کے تین دن بعد آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم جلدی جا کر راہ ہی میں ابوبکر سے ملو اور انہیں میرے پاس واپس کر کے اور سورہ برأت کو ان سے واپس لے کر خود جاؤ اس سورۃ کی تبلیغ کرو، حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا جس کے بعد حضرت ابوبکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آ کر رونے لگے (مگر ان کے رونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ ان کو بھیجا نہ دوبارہ یہ خدمت ان کے ذمہ کی نہ کچھ سمجھایا نہ ان کی کچھ تسلی کی) جب حضرت ابوبکر نے پوچھا اے رسول خداؐ! کیا میرے متعلق کوئی امر حادث ہو گیا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا جو بات حادث ہوئی وہ بہتر ہی بہتر ہے مگر بات یہ ہے کہ مجھے خدا کا حکم پہنچا کہ اس حکم کی تبلیغ یا میں کروں یا وہ شخص کرے جو مجھ ہی سے ہو (اور چونکہ تم مجھ سے نہیں ہو) اس وجہ سے میں نے تم کو معزول کر کے علیؑ کے ذمہ یہ کام کر دیا ہے (کیونکہ وہ تو یقیناً مجھ ہی سے ہیں) (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۴۹) اور دہلی کے مشہور عالم جناب مولوی شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر بیان کرتے تھے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر و عمر کو سورہ برأت دے کر مکہ والوں کی طرف بھیجا وہ دونوں اس طرف روانہ ہو گئے مگر ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ اونٹ پر سوار ایک شخص جا کر ان سے ملا ان دونوں

صاحبوں نے اس سوار سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ سوار نے کہا میں ہوں علی ابن ابی طالبؑ، حضرت ابوبکر بولے خدا کی قسم میں نے بھلائی کے سوائے اور کچھ نہیں جانا مگر حضرت علیؑ نے فوراً وہ سورہ ہم دونوں سے واپس لے لیا اور لیکر خود مکہ کی طرف روانہ ہو گئے ادھر حضرت ابوبکر وعمر اس عہدہ سے معزول ہوکر مدینہ کی طرف پلٹ آئے اور حضرت رسولؐ کے پاس حاضر ہوکر دونوں نے عرض کی کہ اے رسول خداؐ ہم لوگوں نے کیا قصور کیا کہ اس شرف سے محروم کردئے گئے؟ حضرت نے فرمایا تم لوگوں کا کوئی قصور نہیں نہ اس سے کوئی حرج ہے خیر ہی خیر ہے لیکن میرے پاس خدا کا یہ حکم پہنچا کہ اے رسولؐ! اس سورہ کو یا تم پہنچاؤ یا وہ شخص پہنچائے جو تم ہی سے ہو، کوئی اور نہیں پہنچا سکتا، امام حاکم نے اس روایت کو لکھا ہے (کتاب قرۃ العینین صفحہ ۲۳۴) اور علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ اس معزولی سے حضرت ابوبکر کو یہ صدمہ ہوا کہ وجد في نفسه یعنی حضرت ابوبکر صدیق کے دل پر بڑی چوٹ لگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو سورۂ برأت کے ساتھ مکہ والوں کی طرف بھیجا تو جبریلؑ آنحضرتؐ پر نازل ہوئے اور کہا یا حضرت! آپ کی طرف سے سوائے آپ کے یا اس شخص کے جو آپ ہی سے ہو اور کوئی شخص اس کام کو نہیں کر سکتا اس پر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکر کے پیچھے دوڑایا حضرت علیؑ نے جا کر مکہ اور مدینہ کے درمیان حضرت ابوبکر سے وہ سورہ واپس لے لیا اور خود مکہ میں پہنچ کر اس کو پڑھا (تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۱۰)

بعض مورخین کے بیان سے تم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ راہ میں جناب امیرؑ پہنچے تو حضرت ابوبکر کو گمان ہوا کہ خود آنحضرتؐ تشریف لائے مثلاً علامہ دیار بکری نے لکھا ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے حضرت ابوبکر کو حج کا سردار بنا کر مکہ کی طرف بھیجا جب وہ مقام عرج پر پہنچ گئے تو نماز صبح کے لئے تکبیر کہنی چاہی اتنے میں پیچھے حضرت رسول خداؐ کے ناقہ جذعاء کی آواز سنی تو ٹھہر گئے اور کہا معلوم ہوتا ہے آنحضرتؐ کو حج کے متعلق کچھ بداء ہوا، غالباً حضرت خود ہی تشریف لائے ہیں اب ہم لوگ حضرت کے ساتھ ہی نماز پڑھیں مگر دیکھا تو آنحضرتؐ کے عوض حضرت علیؑ تھے (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۵۶)

مسلمانو! اس واقعہ معزولی حضرت اول سے اس قدر فوائد حاصل ہوتے ہیں جن سب کے ذکر کرنے میں بہت طول ہوگا بس ہم مختصر طور پر صرف چند فائدوں کی طرف اشارہ کئے دیتے ہیں۔

(۱) یہ کہ حضرت ابوبکر سے سورۂ برأت کو واپس لیکر حضرت علیؑ کو اس کام کے لئے روانہ کرنا ایسا یقینی اور متفق علیہ واقعہ ہے جس کو کل مسلمانوں کے بڑے بڑے اور نہایت مستند اور مسلم الثبوت علماء ومحدثین ومورخین ومفسرین نے اپنی قیمتی اور مشہور کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

(۲) یہ کہ سورۂ برأت کا حضرت ابوبکر سے واپس لے لیا جانا ایسا اہم اور ضروری تھا کہ حضرت ابوبکر نہایت متعجب

ہوئے اور مدینہ میں واپس آ کر حضرت رسول خداؐ سے دریافت کیا کہ "مالی" یعنی مجھ سے کون سا قصور سرزد ہوا؟ مجھ سے کیا خطا ہو گئی؟ مجھ میں کیا عیب نکلا؟ مجھ میں کون سی عدم قابلیت پائی گئی؟ میں کیوں اس درجہ ذلیل کیا گیا؟ میں کیوں قابل اعتبار نہیں سمجھا گیا؟ جس کی وجہ سے حضورؐ نے مجھے اس شرف سے محروم کر دیا۔

(۳) حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ تم میرے پاس رہتے، میری دوستی کا دم بھرتے اور خصوصیت کا اظہار کرتے ہو مگر میری طرف سے احکام خدا کی تبلیغ تم نہیں کر سکتے، نہ تم میں اس کی قابلیت ہے بلکہ احکام خدا کی تبلیغ یا میں خود کر سکتا ہوں یا وہ شخص اس خدمت کو انجام دے سکتا ہے جو مجھ ہی سے ہو اور معلوم ہے کہ حضرت رسولؐ نے اس سورہ کو حضرت ابو بکر سے واپس لیکر حضرت علیؑ کو دے دیا، جس سے یہ امر مثل آفتاب ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر ہمارے رسولؐ سے نہیں ہیں اور حضرت علیؑ ہمارے رسول ہی سے ہیں، غرض ہمارے کل احکام کی تبلیغ ہمارے رسولؐ کے سوائے کوئی کر سکتا تھا تو وہ حضرت علیؑ ہی تھے دوسرا کوئی اور، بلکہ حضرت ابو بکر سے اس خدمت کو واپس لے کر ہمارے رسولؐ نے بطور نص اعلان کر دیا کہ حضرت ابو بکر میں احکام خدا کی تبلیغ کا مادہ ہی نہیں تھا، پھر کس قدر حیرت انگیز یہ امر ہے جب ہمارے رسولؐ ہمارے ایک معمولی حکم کے بارے میں حضرت ابو بکر سے صاف صاف فرمادیں کہ تم اس قابل نہیں ہو اور اسی وقت یہ بھی فرمادیں کہ ایسے مذہبی کاموں اور دینی خدمات کی قابلیت یا مجھ میں ہے یا کسی میں یا اس شخص میں جو علیؑ ہی کی طرح مجھ سے ہو پھر دین اسلام کی حفاظت ہمارے شرائع کی اشاعت، مسلمانوں کی حفاظت، مومنین کی نگرانی، وغیرہ وغیرہ مذہبی خدمات میں ہمارے رسولؐ کے قائم مقام حضرت ابو بکر و عمر وغیرہ کیوں کر تسلیم کرلئے گئے؟ کیا ہمارے رسولؐ کی خلافت، ہمارے پیغمبر کی جانشینی، مسلمانوں کی سرداری اور مومنین کی امارت و امامت کا مسئلہ سورہ برات کی تبلیغ سے بھی ہلکا تھا کہ حضرت ابو بکر ان عظیم الشان فرائض اور نہایت اہم دینی خدمات کے لئے مان لئے گئے اور حضرت علیؑ اس کام سے روک دئے گئے؟ کیا انصاف ہے کہ ہمارے رسولؐ تو حضرت ابو بکر و عمر سے سورہ برات تک واپس لے کر حضرت علیؑ کو دیدیں کہ جا کر یہی تبلیغ کریں اور حضرت ابو بکر کے سوال پر بھی ذرہ برابر ان کی خاطر داری کریں نہ اسکی پروا کریں نہ مروت کو راہ دیں اور صاف فرمادیں کہ تم میں اس کی قابلیت نہیں ہے بلکہ اس کو یا میں انجام دے سکتا ہوں یا وہ شخص جو مجھ سے ہو اور اس وقت حضرت علیؑ کو وہ سورہ دے کر اور حکم بھیج کر سب مسلمانوں کو بتادیں کہ علیؑ مجھ سے بھی ہیں اور اس سورہ کی تبلیغ کی پوری صفت بھی رکھتے ہیں، جس کا صاف نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی خدمات کی صفت ابو بکر میں نہیں تھی، مگر علیؑ میں تھی، دین حق کی سرپرستی کی صلاحیت حضرت ابو بکر میں نہیں تھی اور حضرت علیؑ میں تھی مسلمانوں کی سرداری کا وصف ابو بکر میں نہیں تھا مگر حضرت علیؑ میں تھا غرض حضرت رسولؐ کی جگہ ان کا کام انجام دینے کے قابل حضرت ابو بکر یقیناً نہیں تھے اور حضرت علیؑ ضرور تھے کیونکہ

ہمارے رسول کے بعد ان تمام فرائض کے انجام دینے والا کسی کو ہونا چاہیئے تھا اور وہ صرف حضرت علیؑ ہی تھے مگر مسلمانو! کس قدر افسوس کا مقام اور کس قدر حیرت خیز یہ امر ہے کہ تم لوگوں نے اس کے چند ہی دنوں کے بعد ان سب انتظامات کو اُلٹ دیا ہمارے رسولؐ اعلان رسالت کے شروع سے حجۃ الوداع (ذی الحجہ ۱۰ھ) تک علیؑ کو اپنا خلیفہ وصی، وزیر، جانشین، اور کل مسلمانوں کا مولا و آقا بتاتے رہے لیکن رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی ان صحابہ نے حضرت علیؑ کو عہدۂ خلافت سے بالکل الگ کر کے اس کو حضرت ابو بکر کے حوالہ کر دیا گویا یہ کہہ دیا کہ وہ لوگ خدا سے زیادہ عقل رکھتے ہیں گویا لوگوں کو بتا دیا کہ وہ لوگ رسولؐ سے زیادہ اسلام کا درد رکھتے ہیں، گویا اعلان کر دیا کہ وہ لوگ خدا اور رسولؐ سے زیادہ اسلام کے ہی خواہ ہیں وہی لوگ خدا اور رسولؐ سے زیادہ مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں اور اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ ان کے خیال میں وہ شخص (علی بن ابی طالبؑ) جس کو ہم نے اور ہمارے رسولؐ نے ابتداء سے انتہا تک مسلمانوں کا سردار اور رسول کا خلیفہ بلافصل بنایا تھا اس منصب کی قابلیت نہیں رکھتا۔

(۴) یہ کہ محدث طبرانی وغیرہ کی روایت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ ہمارے رسولؐ نے خود ہی حضرت ابو بکر سے سورۂ برأت کو واپس نہیں لیا اور نہ خود ہی حضرت علیؑ کو دیا، اور نہ خود ہی علی ابن ابی طالب کو ''رجل مني'' (وہ شخص جو مجھ سے ہو) فرمایا بلکہ یہ سب اہتمام خود ہماری ذات (پروردگار عالم) نے کیا جبریلؑ کو رسولؐ کی خدمت میں بھیجا، وہ آئے اور رسولؐ سے کہا کہ یہ آپ نے کیا کر دیا؟ دینی کام اور اسلامی خدمت کو یا آپ خود انجام دے سکتے ہیں یا وہ شخص جو آپ ہی سے ہو اور چونکہ اس کے بعد ہمارے رسولؐ نے وہ سورہ حضرت علیؑ کو دیدیا اس وجہ سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ کو ہم (خدا) ہی نے رسول کا جز قرار دیا، اس مضمون نے مسئلہ خلافت کو اور بھی واضح کر دیا کہ جس طرح ہم نے شروع سے یہ اصول مقرر کر رکھا ہے کہ دینی احکام کی تبلیغ اور مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے ہم ہی انبیاء کو بھیجتے رہے بالکل اسی طرح ہم ہی خلفاء اور ائمہ کو بھی مقرر کرتے ہیں چنانچہ حضرت آدم کے بارے میں ہم نے کہا ہے ''انی جاعل في الارض الخليفه'' (ہم ہی زمین میں خلیفہ مقرر کیا کرتے ہیں) اور حضرت ابراہیم سے کہا ''انی جاعلک للناس اماماً'' (اے ابراہیم ہم ہی تم کو لوگوں کا امام مقرر کرنے والے ہیں) اسی طرح اپنے آخری رسول کا خلیفہ، وصی اور جانشین بھی ہم ہی نے علی ابن ابی طالبؑ کو مقرر کر دیا تھا جس کا اعلان ہم اپنے حبیب رسول مقبول صلعم سے آیہ ''وانذر عشيرتک الاقربين'' کے نازل ہونے اور اسلام کی ابتدائی دعوت کے وقت ہی سے کررہے ہیں۔ یہ امر بھی سمجھ لینا اور اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم نے اپنے قرآن مجید میں حضرت مقبول کے بارے میں کہہ دیا ہے ''وماينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحىٰ'' یعنی یہ ہمارے پیغمبر محمد مصطفیٰؐ اپنی خواہش سے کچھ بھی نہیں بولتے ہیں جو کہتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے جو ہماری جانب سے ان پر نازل کی جاتی ہے۔ اس اصول کے مطابق ماننا پڑیگا کہ پہلی

دفعہ ہمارے رسولؐ نے جو سورۂ برائت حضرت ابوبکر کو دیا اور مکہ والوں کو جا کر سنانے کے بارے میں جو کلام کیا وہ بھی ہمارے ہی حکم سے تھا ورنہ آیہ مذکورہ کے خلاف ہو جائے گا جس کا کوئی مسلمان دعویٰ نہیں کر سکتا پھر ہم نے ہی جبرئیل کو دوبارہ بھیج کر اپنے رسولؐ کو حکم دیا کہ اس سورہ کو حضرت ابوبکر سے واپس لے لو اور حضرت علیؑ کو دے کر کہہ دو کہ یہی اس کو لے کر جائیں اور مکہ والوں کو سنائیں اور سب مسلمانوں کو بتا دو کہ یہ دینی کام ہے اس کو یا تم کر سکتے ہو یا علیؑ کر سکتے ہیں جو تم ہی سے ہیں تم مسلمانوں کے بڑے عالم جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے لکھا ہے آنحضرت سے جو افعال اور اقوال مروی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں ان کی نسبت خدا کا ارشاد ہے کہ "ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔

یعنی پیغمبر جو چیز تم کو دے وہ لو اور جس چیز سے روکے اس سے باز رہو، دوسری وہ جن کو منصب رسالت سے تعلق نہیں ہے (کتاب حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۳۳) اور مولوی شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے "لاکھوں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۲۰۸) اور سورۂ برائت کی تبلیغ یقیناً منصب نبوت ہی سے تعلق رکھتی تھی، اس کے مذہبی کام ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اس کے دینی امر ہونے میں کسی شخص کو تردد نہیں ہو سکتا، اس وجہ سے ہر مسلمان کو ماننا پڑے گا کہ ہمارے رسولؐ نے حضرت ابوبکر کو جو سورۂ برائت دیا کہ لے جا کر مکہ والوں کو سنا دیں یہ بھی یقیناً منصب نبوت ہی کا کام تھا حضرت کا کوئی ذاتی کام نہیں تھا، حضرت کی معاشرت کا کوئی امر نہیں تھا مسلمانوں کی اقتصادی یا معاشرتی زندگی سے اس کو کوئی لگاؤ نہیں تھا تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی دفعہ جو حضرت ابوبکر کو سورۂ برائت دیا وہ بھی ہماری وحی نازل ہونے کے بعد ہی تھا یعنی ہم ہی نے پہلے رسولؐ کو حکم دیا کہ تم سورۂ برائت ابوبکر کو دے کر مکہ بھیجو اور پھر ہم ہی نے ان کو اس عہدے سے معزول کر کے حضرت علیؑ کو یہ عہدہ سپرد کرایا، اب مسلمانو! غور کرو کہ ہم ہی نے جس کو تم لوگ حکیم، علیم اور عالم الغیب مانتے ہو اور اس کا بھی اعتقاد رکھتے ہو کہ ہمارا کوئی فعل حکمت سے اور ہمارا کوئی عمل مصلحت سے خالی نہیں ہوتا کیا سمجھ کر پہلے اپنے رسولؐ کو تو یہ حکم دیا کہ اس سورہ کو حضرت ابوبکر کو دے کر کہو کہ مکہ کی طرف جائیں اور پھر ان کے خوش خوش قدم اٹھاتے ہی ہم نے جبرئیل کو بھیج کر ان سے اس سورہ کو واپس لے لیا اور ان کو مطلع کر دیا کہ اس کو تم نہیں پہنچا سکتے تم اس کی تبلیغ کے اہل نہیں ہو یہ دینی کام ایسا نہیں ہے کہ تمہارے حوالہ کیا جائے، مسلمانو! تم کو یہ ضرور یقین ہوگا کہ ہم تمہارے معبود تمام عالم کے خدا دنیا و آخرت کے خالق اور مالک پاگل نہیں ہیں، کسی وقت بے عقل نہیں ہو جاتے کسی وقت مجنون نہیں ہو سکتے، کسی وقت جاہل نہیں قرار پا سکتے پھر ہم نے یہ کیا کیا کہ خود ہی

اپنے رسول کے پاس وحی بھیجی کہ سورۂ برأت حضرت ابوبکر کو دیکر کہو کہ اسے لے جائیں اور مکہ والوں کو سنادیں اور جب بے حساب صحابہ نے دیکھ لیا کہ حضرت ابوبکر اس عہدے پر مقرر کردیئے گئے اور بکثرت مسلمانوں کو علم ہوگیا کہ حضرت ممدوح ہی کے ذمہ یہ دینی کام کیا گیا ہم نے دوبارہ جبریل کو اپنے رسولؐ کے پاس بھیج کر حکم دیا کہ حضرت ابوبکر سے اس سورہ کو واپس لے لو، ان کو اس عہدے سے معزول کردو، ان کو اس دینی خدمت سے الگ کردو، وہ مکہ میں پہنچنے بھی نہ پائیں وہ اہل مکہ کے سامنے اس سورہ کا نام بھی نہ لینے پائیں وہ ہرگز اس قابل نہیں ہیں، وہ کسی طرح اس کے اہل نہیں ہوتے بلکہ اس کام کے قابل بھی علی ابن ابی طالبؑ ہی ہیں انہیں کو یہ سورہ دو۔ انہیں کو یہ عہدہ سپرد کردو۔ اگر تم لوگ ہم کو بے عقل نہیں سمجھتے تو ہمارے اس کام میں (جو دیکھنے میں پاگل ایسے لوگوں کا نظر آتا ہے) غور کرو ہمارے اس انتظام کو خوب سوچو، ہمارے اس فعل کی تہ تک پہنچنے کی پوری کوشش کرو تو تم اس نتیجہ تک آسانی سے پہنچ جاؤ گے کہ ہم نے یہ نصب وعزل تمہاری ہی ہدایت کے لئے کیا تھا، تم لوگوں کو آئندہ کی گمراہیوں سے بچانے کے لئے ایک عملی دستور بنایا تھا، تم لوگوں کو رسولؐ کے بعد صراط مستقیم بتانے کے لئے ایک روشن شمع جلادی تھی تم لوگوں کو ضلالت میں مبتلاء ہوجانے سے بچانے کی بہت عمدہ تدبیر واضح کردی تھی اس انتظام سے ہمارا اور کوئی مطلب اس کے سوائے ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم نے تم مسلمانوں کو رسولؐ کے بعد غلطی سے بچانا چاہا، وفات رسولؐ کے بعد تم لوگ جس نئی مصیبت میں مبتلا ہونے والے تھے اس سے روکنے کی راہ پیدا کردی اور تم لوگوں کو یہ سبق دینا تھا کہ مسلمانو خوب یاد رکھنا اور کبھی بھول نہ جانا کہ یہی حضرت ابوبکر جن کو ہم رسولؐ کی زندگی میں اور وفات رسولؐ سے چند ہی دنوں قبل سورۂ برأت کی تبلیغ تک کے قابل نہیں جانتے اور جو اس چھوٹے کام میں بھی رسولؐ کی نیابت نہیں کرسکتے آئندہ تم لوگوں کے پیشوا بننا چاہیں تو تم لوگ ہمارا کام یاد رکھنا اور اس سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ جب حبیب خدا نے ذی الحجہ ۹ھ میں ان کو اس قابل نہیں سمجھا کہ رسولؐ کی طرف سے صرف ایک سورۂ برأت کی تبلیغ کو دیں، وہ اب اس قابل کیوں کر ہوجائیں گے کہ ہر امر میں رسولؐ کے قائم مقام ہوجائیں؟ کل اسلامی خدمات کو انجام دینے لگیں؟ کل قرآن مجید کی تبلیغ کا فرض ادا کرسکیں، بلکہ جس طرح ہم نے ان سے یہ عہدہ واپس لے کر علی ابن ابی طالبؑ کو سپرد کردیا بالکل تم لوگ بھی رسولؐ کے بعد ان کا خلیفہ، جانشین اور وصی علی ابن ابی طالبؑ ہی کو ماننا اور حقیقی وارث رسولؐ وہادی امت وسردار اہل اسلام علی ابن ابی طالبؑ کو کسی طرح نہ چھوڑنا، ہمارے لئے بہت آسان تھا کہ جب سورۂ برأت کی تبلیغ کا حکم ہم نے اپنے رسولؐ کے پاس بھیجا پہلے ہی دفعہ ان کو حکم دیتے کہ علیؑ ہی کو یہ سورہ دیں، انہیں کو مکہ والوں کی طرف روانہ کریں اور وہ ہی جاکر اس اسلامی خدمت کو انجام دے آئیں، کام بالکل آسان ہوتا نہ حضرت ابوبکر معزول کئے جاتے نہ ان کی عدم قابلیت کا سوال پیدا ہوتا لیکن جس طرح ہم نے اپنے بارے میں طے کردیا ہے

کہ کہو لا الہ الا اللہ یعنی سب معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ کو معبود مانو اسی طرح ہم نے اس وقت بھی پہلے غیر مناسب شخص کے ذمہ یہ کام کرایا، اس کے بعد ان سے اس کام کو لے کر اور علیؑ کے ذمہ کر کے تم لوگوں پر ثابت کر دیا کہ حضرت ابوبکر اس کام کے لائق نہیں ہیں اور صرف حضرت علیؑ ہی لائق ہیں، اسی طرح چند دنوں کے بعد بھی رسولؐ کی وفات پر قرآن مجید کی تبلیغ اس کی حفاظت، دین اسلام کی اشاعت، رسولؐ کی خلافت اور مسلمانوں کی سرداری و امامت کے لائق علی بن ابی طالبؑ ہی کو سمجھنا کسی اور کو ہرگز نہیں کیوں کہ "قد تبین الرشد من الغي فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لہا واللہ سمیع علیم۔ یعنی گمراہی سے ہدایت الگ ظاہر ہو چکی ہے تو جو باطل پیشوا کو نہ مانے اور اللہ ہی پر ایمان لائے اس نے مضبوط رسی پکڑ رکھی ہے جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ بڑا سننے اور جاننے والا ہے (پارہ ۳ ع ۲) ہم نے اپنے اس اس انتظام سے علیؑ کے ماننے والوں کو بھی بتا دیا کہ تم جو حضرت علیؑ ہی کو رسولؐ کا خلیفہ بلافصل مانتے ہو یہی حق اور تمہارا ہی مذہب صراط مستقیم ہے کیونکہ ہم نے جب سورۂ برأت کی تبلیغ تک کی خدمت حضرت ابوبکر سے لے کر حضرت علیؑ کو دیدی تو رسولؐ کی خلافت کے لئے بھی ہم علیؑ ہی کو پسند کرتے ہیں۔

شیعوں کے فضائل،

اسی وجہ سے ہمارے رسولؐ نے بار بار اس کی پیشین گوئی فرمادی کہ جو لوگ میرے بعد علیؑ کو میرا خلیفہ بلافصل مانتے ہیں یعنی علیؑ کے شیعہ ہیں وہ یقیناً بروز قیامت بڑے درجے پر پہنچنے والے اور نجات پانے والے ہیں جیسا کہ علامہ سیوطی نے لکھا ہے۔ فاقبل علی فقال النبی والذی نفسی بیدہ ان ہذا وشیعتہ لہم الفائزون یوم القیامۃ۔

یعنی حضرت رسولؐ کی خدمت میں حضرت علیؑ آئے تو حضرت رسولؐ نے فرمایا خدا کی قسم یہ اور ان کے شیعہ قیامت میں ضرور نجات پانے والے اور بخش دیئے جانے والے ہوں گے (تفسیر در منثور مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۳۷۶)

نزلت ان الذین امنوا وعملوا الصلحت اولئک ہم خیر البریہ قال رسول اللہ لعلي ہو انت وشیعتک یوم القیامۃ راضین مرضیین۔ یعنی جب آیت ان الذین امنوا الآیہ نازل ہوئی تو حضرت رسول خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا وہ بہترین خلائق تم اور تمہارے شیعہ ہو کہ بروز قیامت تم لوگ خوش رہو گے اور خدا بھی تم لوگوں کی خوشنودی چاہے گا، (تفسیر در منثور مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۳۷۹) اور علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے واخرج الدیلمی یا علي ان اللہ قد غفر لک ولذریتک ولولدک ولاھلک ولشیعتک۔۔۔۔۔۔ یعنی حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ خدا نے تم کو تمہاری ذریت، تمہاری نسل، تمہارے اہل وعیال اور تمہارے شیعوں کو بخش دیا ہے۔ یا ابا الحسن اما انت وشیعتک في

الجنة۔حضرت رسولؐ نے فرمایا اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ سب کے سب بہشت میں جائیں گے(صواعق محرقہ ۹۶)

تجہیز جیش اسامہ

مسلمانو! جس طرح ہم (خدا) نے اسلام کی اشاعت وحفاظت کے لئے یہ انتظام کیا کہ اپنے حبیب مصطفےٰؐ کو ان کی عمر کے ۴۰ رسال قبل رسول نہیں بنادیا، اور جس طرح ہم نے ذی الحجہ ۹ ھ میں سورۂ برأت کی تبلیغ کا کام پہلے حضرت ابوبکر کے ذمہ کیا اور پھر ان کو معزول کر کے حضرت علیؑ کو یہ خدمت سپرد کردی اسی طرح ہم نے وفات رسولؐ سے پہلے ایک نہایت ضروری اسلام کے لئے بہت مفید اور اہم انتظام کیا اور چاہا کہ رسولؐ کی وفات کے وقت اول اور دوم صاحبان مدینہ میں نہیں رہیں بلکہ وہاں سے بہت دور چلے جائیں یہ ہمارے رسولؐ کی آخری زندگی کا مشہور واقعہ اسامہ کے ساتھ لشکر اسلام کا بہت دور بھیجنا ہے اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ صفر ۱۱ھ ماہ مئی ۶۳۲ء میں ایک دن ہم نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا کہ روم سے جنگ کرنے کے لئے لشکر روانہ کرو اور اول و دوم صاحبوں کو بھی اسی کے ساتھ مدینہ سے بہت دور بھیج دو ہمارے رسولؐ نے اس حکم کی تعمیل میں صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ روم سے جنگ کرنے کے لئے لشکر تیار ہو اور دوسرے دن اسامہ بن زید بن حارثہ کو طلب کیا اور فرمایا میں تجھ کو اس لشکر کا امیر بناتا ہوں پھر اپنے ہاتھ سے ایک علم ان کے لئے ترتیب دیا، آنحضرت نے یہ بھی حکم دیا کہ اعیان مہاجر وانصار مثلاً حضرت ابوبکر وحضرت عمر وحضرت عثمان وسعد بن ابی وقاص وابوعبیدہ بن جراح وسعید بن زید وقتادہ وغیرہ اسامہ کے تحت ہو کر اس لشکر کے ساتھ روانہ ہو جائیں مگر ہم نے علی ابن ابی طالبؑ کو مدینہ سے روانہ کرنے کا حکم نہیں دیا اس وجہ سے ہمارے رسولؐ نے بھی ان کو اس لشکر کے ساتھ جانے کو ارشاد نہیں فرمایا بلکہ آپ کو اپنے پاس ہی رکھا مگر یہ بات ان لوگوں کو ناگوار ہوئی کہ ایک غلام زادے کو اکابر مہاجرین وانصار کا سردار بنادیا گیا، لوگ مجمعوں میں اس کا چرچا اور غیض وغضب کا اظہار کرتے تھے، جب ان واقعات کی خبر ہمارے رسولؐ کو ہوئی تو کمال درجہ رنجیدہ اور غضبناک ہوئے، اور باوجود ناسازی مزاج کے عصابہ سر مبارک پر باندھ کر گھر سے باہر تشریف لائے پھر اسی حالت علالت وغیظ غضب میں منبر پر جا کر ارشاد فرمایا کہ میں نے اسامہ کو تم لوگوں پر امیر مقرر کیا تو تم لوگ اس سے انحراف کرتے ہو؟ اس سے قبل بھی جب میں نے اسامہ کے باپ زید بن حارثہ کو جنگ موتہ میں افسر بنایا تھا تو لوگوں نے اسی طرح انحراف کیا تھا، اس کی کیا وجہ ہے؟ خدا کی قسم اسامہ اس سرداری کا مستحق ہے، اور اس کا باپ اس کا سزاوار تھا، زید مجھے بہت محبوب تھا اور اسامہ کو بھی میں بہت دوست رکھتا ہوں تم لوگ اس کے بارے میں میری وصیت کو نیکی اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرو، پھر حضرت اتر آئے۔ اسامہ رخصت ہو کر لشکر گاہ کی طرف واپس آیا اور ہمارے رسولؐ کے حکم کے مطابق فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ لیکن حضرت ابوبکر وعمر وغیرہ اب بھی

اس کے ساتھ نہیں گئے بلکہ مدینہ ہی میں رہ گئے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۸۰۰ و تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ و تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۸۸ وغیرہ) جب صحابہ نے اسامہ کے ماتحت ہو کر جانے میں تامل کیا تو ہمارے رسولؐ اس درجہ غضبناک ہوئے کہ حیلہ اور عذر کرنے والوں پر صاف صاف لعنت کی علامہ شہرستانی نے لکھا ہے۔ الخلاف الثانی فی مرضہ اللہ قال جھزوا جیش اسامۃ لعن اللہ من تخلف عنھا۔ یعنی دوسرا اختلاف حضرت رسولؐ کے مرض موت میں پیدا ہوا کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا اسامہ کے لشکر کو جلد روانہ کرو خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جو اسامہ کے ساتھ جانے سے رکیں۔ انتہا۔ سخت تعجب ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر جو اسامہ کے ماتحت قرار دیئے گئے تھے اور ان کو بھی اس کے ساتھ مدینہ سے بہت دور چلے جانے کا حکم دیا گیا تھا ہمارے رسولؐ کا یہ غضبناک کلام لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامۃ سننے کے بعد کیونکر اپنی بات پر قائم رہے اور ہمارے رسولؐ کے غیظ و غضب کی کچھ بھی پروا نہیں کی ان دونوں صاحبوں کا بھی اس لشکر میں اسامہ کے ماتحت کئے جانا اور آنحضرت کا جملہ لعن اللہ فرمانا بکثرت معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ (دیکھو علامہ شہرستانی کی کتاب ملل و نحل مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۲۰ و شرح نہج البلاغہ از علامہ ابن ابی الحدید معتزلی کی مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۱ و شرح مواقف میر زاہد آخر کتاب تذییل فی ذکر الفرق، کتاب انکار الابکار آمدی فصل ۳ مقصد ۵ و رسالہ عقائد ملا یعقوب بنانی وغیرہ)

ہمارے پیارے مسلمانو! ہم تم لوگوں پر اس درجہ مہربان ہیں کہ تم لوگ ہر روز کم از کم دس مرتبہ ہم کو ہماری صفت رحمٰن و رحیم سے یاد کرتے ہو اسی رحمت و شفقت سے ہم تم سے کہتے ہیں کہ اگر تم لوگ اس واقعہ (تجہیز جیش اسامہ) پر اچھی طرح غور کرو اور پورے انصاف سے کام لو تو تمہاری ہدایت کے ہزاروں دروازے کھل جائیں، ہم صرف چند باتیں بیان کر دیتے ہیں (۱) ہم ہی اپنے رسولؐ کو آخر صفر ۱۱ ہجری میں دنیا سے اٹھانے والے تھے اور ہم ہی نے اپنے رسولؐ کے انتقال سے چند روز قبل رسولؐ کو حکم دیا کہ اسی وقت اسامہ کے لشکر کو مدینہ سے باہر روانہ کر دو اگر تم لوگ ہم کو پاگل نہیں سمجھتے تو بتاؤ ایسے نازک وقت میں ہم نے رسولؐ کو یہ حکم کیوں دیا؟ کیوں نہ اس کا انتظار کیا کہ جب رسولؐ انتقال کر جائیں تب وہ لشکر روانہ ہو؟ یا کیوں نہیں رسولؐ سے یہ حکم جاری کروا دیا کہ ۱۵ دن بعد یا ایک ماہ کے بعد اسامہ کا لشکر ضرور روانہ ہو جائے (۲) ہم نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کو بھی اسامہ کے لشکر کے ساتھ مدینہ سے بہت دور چلے جانے کا حکم کیوں دیا؟ کیوں نہیں ان لوگوں کو روک لیا؟ (۳) ہم نے ان تینوں صاحبوں کو اسامہ کا ماتحت بنا کر کیوں روانہ کرنا چاہا؟ وہ تو ایک غلام زادہ اور پھر کم عمر تھا، ہم نے حضرت ابوبکر کی ماتحتی میں اس لشکر کے بھیجے کا حکم کیوں نہیں دیا؟ حضرت عمر کے ماتحت اس کے روانہ کرنے کا حکم کیوں نہیں جاری کیا؟ حضرت عثمان ہی کو سردار لشکر کیوں نہیں کر دیا، کیا راز تھا کہ ان تینوں صاحبوں کو اس وقت فوج کی سرداری سے روک

دیا؟(۴)ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اس لشکر کے ساتھ بھیج دینے کا حکم کیوں نہیں دیا ان کو مدینہ ہی میں اپنے پاس رکھ لینے کا حکم کیوں دیا؟ ہمارے رسولؐ نے جملہ ''لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامۃ''۔ بھی ہماری وحی کے مطابق ہی ارشاد فرمایا، تو کیا وجہ تھی کہ ہم نے اس کے قبل کبھی کسی غزوہ سے تخلف کرنے والوں کے لئے لعن کا استعمال نہیں کیا، خاص اس موقع پر تخلف کرنے والوں کے لئے اتنی سخت سزا کیوں تجویز کی؟

مسلمانو! ان سولات کے جوابات تم دے سکتے ہو تو ہم خوشی سے سننے کو تیار ہیں۔ لیکن اگر تمہارے ذہن میں نہ آئیں تو ہم سے سنو: (۱) پہلے سوال کا جواب بہت آسانی سے ہر عقل والا یہی دیگا کہ ہم نے اکابر مہاجرین وانصار کو اس وجہ سے روانہ کردینے کا حکم دیا کہ رسولؐ کے بعد مسلمانوں کی ہدایت اور سچے اسلام کی حفاظت کا جو بہترین انتظام ہم دعوت ذوالعشیرہ کے موقع سے اب تک کرتے آئے تھے وہ درہم برہم نہ ہوجائے، ہم کسی کے ساتھ زبردستی تو کرتے نہیں، اگر زبردستی اور مجبور کرکے کسی کو سیدھے راستے پر لے چلنے کا اصول ہم کو پسند ہوتا تو حضرت نوحؑ سے حضرت خاتم المرسلین تک جتنے لوگوں نے ہمارے پیغمبروں کی مخالفت کی ان سب کو ہم مخالفت سے روک دیتے اور جس طرح فرشتے معصوم ہیں سب کو معصوم بنادیتے لیکن ایسی صورت ہم کو کبھی پسند نہیں ہوئی، البتہ ہم ہدایت کی راہیں واضح کردیتے ہیں جس طرح حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے سچے ماننے والوں اور ان سے سرکشی کرنے والوں کے انجام کو ہم نے بیان کردیا تھا اس کے بعد سب کو اختیار دے دیا کہ جس راہ کو چاہیں اختیار کریں، بالکل اسی طرح ہم نے اپنے طور پر اس کا پورا انتظام کردیا کہ رسولؐ کے ماننے والے حضرت کے بعد گمراہ نہ ہوں اور سیدھے راستے پر چلے چلیں، اگر یہ تینوں حضرات ہمارے انتظام کے مطابق اسامہ کے ماتحت ہوکر مدینہ سے بہت دور چلے جاتے تو پھر اسلام میں کوئی رخنہ ہوتا ہی نہیں، ہمارے پسندیدہ دین میں کوئی خرابی نظر ہی نہیں آتی تم لوگوں کی اولاد آپس میں لڑی، اختلاف، مقدمہ بازی میں مشغول ہوتی ہے تو بتاؤ تم کو کیا معلوم ہوتا ہے؟ کیا تم لوگ اس سے خوش ہوتے ہو؟ یا نہایت رنج ہوتا ہے؟ تم اس صدمہ کو برداشت نہیں کرسکتے جس قدر صدمہ تم لوگوں کو دو بھائیوں کی نزاع سے ہوتا ہے اس سے ہزاروں درجہ زیادہ رنج ہم کو مسلمانوں کے مذہبی اختلافات سے ہوتا ہے، اب تم ہی انصاف سے بتاؤ ہمارے اس رنج کا بانی کون ہوا؟ ہمارے اس صدمہ کا سبب تم لوگ کس کو سمجھتے ہو؟ اسلام میں ۷۳ رفرقے کیوں پیدا ہوگے؟ مسلمانوں میں سقیفہ بنی ساعدہ کا جھگڑا کیوں کھڑا ہو؟ جنگ جمل کیوں ہوئی؟ صفین کے کیا وجوہ ہوئے؟ جنگ

نہروان کی علت کس کو جانتے ہو؟ واقعہ کربلا کیوں ہوا؟ خانہ کعبہ میں کیوں آگ لگائی گئی؟[1]

مسلمانوں کے چار مصلے خانہ کعبہ میں کیوں بنائے گئے؟ وہابیوں اور حنفیوں کے مقدمات پریوی کونسل تک کیوں گئے؟ یقین کرو کہ اگر ہمارا انتظام قائم رکھا جاتا اور وفات رسولؐ سے پہلے ہی یہ لوگ جن کو ہم نے اسامہ کا ماتحت ہو کر مدینہ سے بہت دور چلے جانے کا حکم دیدیا تھا روانہ ہو گئے ہوتے اور وفات رسولؐ کے وقت یہ حضرات مدینہ میں موجود ہی نہیں رہتے تو اسلام میں کوئی جھگڑا نہیں پیدا ہوتا اس دین متین کے ٹکڑے نہیں ہوتے مسلمانوں میں خون کی ندیاں کبھی نہیں بہتیں، شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی تک نے دبی زبان سے ان باتوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے لکھا ہے "پہلے انتخاب میں علیؑ کی ناکامی نے پیغمبر صاحب کی اسلامی وحدت کو کم کرتے کرتے آخر کو بالکل زائل کر دیا۔ اب جو کچھ بھی اسلامی وحدت پیغمبر صاحب کی نسل کی رہ گئی ہے وہ یہی ہے کہ درود میں آل محمدؐ کا نام برائے نام ابھی تک باقی چلا جاتا ہے، ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص قوم کو کس طرح کا فائدہ پہنچاتا ہے تو لوگ اس کی نسلوں تک کا احسان مانتے ہیں، ایک پیغمبر صاحب تھے کہ بھکووں، لٹیروں کو بادشاہ، بدمعاشوں کو بھلا مانس، بت پرستوں کو خدا پرست، نالائقوں کو لائق، وحشیوں کو مہذب، جانوروں کو انسان بنا گئے، ان کے تمام احسانات کا بدلا انہی کی امت نے ان کے نواسوں، بہو بیٹیوں کو جو دیا اور جیسا دیا اس کا رونا آج تک اسلامی دنیا میں رویا جا رہا ہے اور قیامت تک رویا جائے گا" قطعہ:

أمرجو أمة قتلت حسيناً شفاعة جده يوم الحساب
فلا والله ليس لهم شفيع وهم يوم القيامة في العذاب

۱۔ ۳ ربیع الاول ۶۴ ہجری سے یزید کی فوج نے خانہ کعبہ پر منجنیق نصب کر کے حملہ شروع کیا۔ جب حملہ خانہ کعبہ پر منجنیق سے کرنے لگے یہاں تک کہ خانہ کعبہ کے پردے اور چھت جل گئی اور اس وجہ سے کہ جنگ بھی [illegible] حضرت اسمٰعیل کا فدیہ [illegible] تھے اس کے بعد [illegible] ہو گئے علامہ ابن اثیر وغیرہ نے یہاں دو قول لکھے ہیں ایک یہ کہ حضرت عبداللہ [illegible] جب عبداللہ بن زبیر کی فوج خانہ کعبہ کے گرد تھی اس کی ہوا سے خانہ کعبہ میں آگ لگ گئی اور اس کا پردہ اور اس کی لکڑیاں سب جل گئیں دوسرا قول یہ ہے کہ یزیدی فوج کے ایک شامی نے خانہ کعبہ کے احاطہ کے لئے جو منجنیق نصب کی تھی اس کے سبب سے خانہ کعبہ جل گیا۔ علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے یہی قول زیادہ ٹھیک ہے کیونکہ علامہ بخاری نے تاریخ بخاری میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے (جو یزید کی بیعت سے انکار اور اپنی خلافت کا دعویٰ کر کے اس خانہ کعبہ میں پناہ گزین تھے اور ان کی فوج یزیدی فوج سے لڑ رہی تھی) خانہ کعبہ کو اسی طرح جلا ہوا اس خیال سے چھوڑ دیا کہ اہل اسلام دیکھیں کہ یزیدی فوج نے خانہ کعبہ کو کس طرح برباد کر دیا جس سے مسلمانوں کے دل یزیدیوں سے بد ظن ہوں اور ان سے جنگ پر آمادہ ہوں [illegible] کے نواسے [illegible] عبداللہ ابن زبیر [illegible] خانہ کعبہ [illegible] اور کسی نے اس کی درستی کی پرواہ نہیں کی۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۲۵)

(جس وقت امت نے حسینؑ کو قتل کیا، کیا وہ اس کی امید رکھتی ہے کہ قیامت کے روز ان کے نانا کی شفاعت اسے نصیب ہوگی؟ قسم خدا کی اس روز ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور وہ قیامت کے دن مبتلائے عذاب ہوں گے)

پیغمبر صاحب کی نسل کے ساتھ ان کی امت کا برتاؤ جو کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی ہوا نامناسب ہوا بے جا ہوا'' (کتاب امہات الامۃ مطبوعہ دہلی)

مسلمانو! تم یقین رکھو کہ واقعہ کربلا بھی اسی تخلف عن جیش اسامۃ کی پیداوار تھا اور اگر وہ چنے ہوئے حضرات جن کو ہم نے اسامہ کا ماتحت بنا کر باہر بہت دور چلے جانے کا انتظام کیا تھا ہمارے حکم کی تعمیل کر کے مدینہ سے چلے گئے ہوتے اور وفات رسولؐ کے وقت وہاں رہتے ہی نہیں تو نہ واقعہ کربلا ہوتا نہ سنی شیعہ نزاع پیدا ہوتی، نہ مقلد اور غیر مقلد کے اختلافات نظر آتے، نہ مالکی، شافعی، حنبلی اور حنفی فرقے دکھائی دیتے، دوسرے سوال کا جواب بھی وہی ہے جو اوپر کی سطروں میں لکھا گیا اس سے زیادہ تصریح کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، تیسرے سوال کہ (ہم نے ان تینوں صاحبو کو اسامہ کا ماتحت بنا کر کیوں روانہ کرنا چاہا) جواب تم خود اچھی طرح سمجھ سکتے ہو اگر ہم ان لوگوں کو اس قابل سمجھتے تو کیوں اس سے محروم کرتے؟ ہم تو سب کے پیدا کرنے والے ہیں، ہم کو کسی سے تعصب نہیں ہم کسی پارٹی کے نہیں، ہم کو کسی کی طرفداری کی وجہ نہیں اگر یہ لوگ اس کے اہل ہوتے تو ہم یہ عہدہ انہیں کو کیوں نہیں دیتے؟ ہم نے اپنی صفتیں قرآن مجید میں بیان کردی ہیں ان میں یہ بھی ہے وان اللہ لیس بظالم للعبید، اللہ اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں کرتا، (پارہ ۴/ ع ۱۰)

اب دیکھو اگر یہ لوگ اس قابل ہوتے کہ سردار بنائے جائیں تو ہم پر واجب تھا کہ انہیں کو سردار بنائیں کیونکہ حقدار کو محروم کرنا اس پر ظلم ہی کرنا ہے مگر چونکہ ہم نے ان کو سردار نہیں بنایا اس سے ثابت ہوا کہ وہ تینوں صاحبان اس کے اہل نہیں تھے اور باوجود ان کے اہل نہ ہونے کے اگر ہم ان کی خاطر سے سردار بنا دیتے اور اسامہ کو ان کا ماتحت کر دیتے تو ہمارا یہ انتظام اسامہ پر ظلم ہوتا۔ اس سے تم لوگ یہ نتیجہ بھی نکال سکتے ہو کہ جب ہم نے اپنے رسول کی زندگی میں ان تینوں صاحبوں کو ایک معمولی لشکر اسامہ کا سردار بنانا پسند نہیں کیا تو کیا رسولؐ کی وفات کے بعد ان لوگوں کو کل اہل اسلام کا سردار بنانا پسند کرتے تھے؟ کیا ان لوگوں کو رسول کا خلیفہ مقرر کرنا ہم مناسب سمجھ سکتے تھے؟ کیا دنیائے اسلام کی حکومت ان کے حوالے کر دینا ہم کسی طرح جائز جان سکتے تھے؟ مختصر یہ کہ اس لشکر اسامہ کے انتظامات سے ابھی مسلمانوں کو آنکھیں کھول دینی چاہیئے اور ان کا فرض ہے کہ سمجھیں ہم نے اصلی اسلام کے محفوظ کرنے کی تدبیریں کی تھیں ان سے سبق لیں اور ہدایت حاصل کریں ''ھٰذا بلاغ للناس ولینذروا بہ ولیعلموا انما ھو اللہ واحد ولیذکر اولوا الالباب۔ یہ لوگوں کیلئے ایک تبلیغی درس ہے اس کے

ذکر کرنے کی غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو گمراہی میں پڑے رہنے سے ڈرایا جائے اور تا کہ سب لوگ معلوم کرلیں کہ ان کا معبود ایک ہی ہے اور جو لوگ عقل رکھتے ہیں وہ ان باتوں سے اچھی طرح نصیحت حاصل کرلیں (پارہ ۱۳ رع ۱۹) چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ جس طرح اسلام کی پیدائش کے وقت سے اس کا کوئی کام بغیر علیؑ کے نہیں ہو سکا اسی طرح اب بھی نہیں ہوتا اور جس طرح شروع سے علیؑ آنحضرتؐ کے ساتھ رہے اسی طرح اب بھی رسولؐ کو ان کی ضرورت تھی اسلام ان کا محتاج تھا اسلام کی سرداری کے لئے وہ دعوت ذوالعشیرہ کے وقت سے مقرر ہو چکے تھے رسول کے خلیفہ مقرر کر دیے گئے تھے اور اس کا اعلان بھی بار بار کر دیا گیا تھا اس وجہ سے اگر وہ مدینہ سے چلے جاتے تو وفات رسولؐ کے وقت ان کا خلیفہ کون ہوتا؟ مسلمانوں کا پیشوا کون رہتا؟ رسولؐ کے جنازے کا انتظام کون کرتا؟ رسولؐ کی نماز جنازہ کون پڑھتا؟ رسولؐ کو دفن کون کرتا؟ پانچویں سوال کا جواب بھی تم اپنی عقل سے بہت آسانی سے پیدا کر سکتے ہو اس کے قبل کسی غزوہ سے تخلف کرنے والوں کے لئے ہم نے لعنت کی تجویز اس وجہ سے نہیں کی کہ زیادہ خرابی نہیں پیدا ہوتی تھی، رسولؐ زندہ رہتے اور وہ ہر خرابی کا علاج کر لیتے تھے برخلاف اس موقع کے کہ رسولؐ اب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے اور ان کے انتقال سے جو فتنے پیدا کئے گئے وہ ہم دیکھ رہے تھے اور دیکھتے تھے کہ اسلام میں جتنی خرابیاں پیدا ہوں گی ان سب کا سرچشمہ یہی لشکر اسامہ سے ان حضرات کا پیچھے رہ جانا اور مدینہ ہی میں ان کا ٹھہرے رہنا ہے صرف اسی وقت کی خرابیاں نہیں بلکہ آج ۱۳۰۰ سال میں اسلام کے اندر جس قدر اور جتنے فسادات جتنی خونریزیاں ہوئیں اور قیامت تک ہوتی رہیں گی سب کی اسلامی تشکیلات کے ماتحت ہوئیں ان حضرات کا مدینہ سے نہ چلے جانا ہی ہے جس نے رسولؐ کو رحمۃ للعالمین بنایا تھا۔ مسلمانوں کو ہجرات کا شرف دیا تھا، ہم نے ان لوگوں میں اتفاق، اتحاد کی روح پھونکی تھی، ہم نے ان سب کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا تھا، ان وجوہ سے ہماری خواہش اور کوشش یہ تھی کہ رسولؐ کے بعد بھی ان لوگوں میں اسلامی محبت باقی رہے وفات پیغمبرؐ کے بعد بھی یہ لوگ بھائی بھائی بنے رہیں جس طرح ہم نے رسولؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا اسی طرح ہم ہی نے علیؑ کو ان کا خلیفہ بھی شروع اسلام سے بنا کر بار بار اعلان کرا دیا تھا تا کہ جس طرح رسولؐ کے مقابلہ میں دوسرا شخص رسول برحق نہیں ہو سکتا اسی طرح علیؑ کے مقابلے میں کوئی اور شخص رسولؐ کا جانشین نہ مانا جائے کوئی اور شخص خاتم المرسلین کا خلیفہ نہ سمجھا جائے، "منا امیر و منکم امیر" کی آواز بلند نہ ہو لوگوں سے زبردستی بیعت نہ لی جائے، دولت کے زور سے اپنی خلافت نہ منوائی جائے "لا اکراہ فی الدین" کے حکم کو نسیاً منسیاً نہ کر دیا جائے۔

تیسرا باب

وفات رسولؐ کے بعد اسلام کا جناب امیرؑ سے تعلق

مسلمانو! تم نے دیکھ لیا کہ اسلام کی تاریخ ولادت سے رسولؐ کی تاریخ وفات تک اسلام کس طرح جناب امیرؑ کا ممنون احسان رہا کس طرح حضرت رسولؐ کے شریک رہ کر علیؑ اس کی پرورش کرتے رہے اس کو ترقی دیتے رہے اور اس کو پروان چڑھاتے رہے اب یہ بھی دیکھو کہ رسولؐ کی وفات کے بعد ہمارے اس ہیرو نے اسلام کے ساتھ کیا کیا۔ ۲۳ سال تک رسولؐ اور حضرت علیؑ مل کر ہمارے اسلام، ہمارے دین حق اور پسندیدہ مذہب کو اس کی اصلی صورت میں لوگوں پر پیش کرتے ایک شان سے دونوں سیدھی راہ کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے اور ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن (اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو مناسب عنوان اور دلچسپ نصائح سے بلاتے رہو اور ان سے بحث ومناظرہ بھی کرو تو بہترین طریقے سے) کی تعمیل کر کے اور اسلام کو لا اکراہ فی الدین کا تاج پہنا کر پھیلاتے رہے کبھی کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کی کسی موقع پر تشدد سے کام نہیں لیا کسی پر کوئی زیادتی نہیں کی، دنیا کی طمع میں مبتلا نہیں ہوئے اپنا حق حاصل کرنے کے لئے بھی رسولؐ کی وصیتیں نہیں بھلائیں اور انسان کے حقوق سے چشم پوشی کی۔

حضرت رسولؐ کی آخری خدمتیں

وفات رسولؐ کے بعد ہر مسلمان کا سب سے ضروری فرض یہ تھا کہ رسولؐ کو غسل دے، کفن پہنائے، اور دفن کرے اس کے بعد دوسرے کاموں کی طرف متوجہ ہو، دوسرے مسلمانوں نے اس فرض کو پس پشت ڈال دیا مگر اسلام کے اس مربی اور رسولؐ کے اس شریک نے اپنے کسی نقصان کی پرواہ نہیں کی اور جب تک رسولؐ کی ان خدمات سے فارغ نہیں ہوئے کسی طرف گویا نظر بھی اٹھا کر نہیں دیکھا تمہارے بڑے عالم مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہوگئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہؐ کی تجہیز وتکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ کس کے قیاس میں آ سکتا ہے کہ رسول اللہؐ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق ومحبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور وکفن چھوڑ کر چلے جائیں اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضے میں نہ آ جائے۔ تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں (حضرت ابوبکر وعمر) سے سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر وماہ تسلیم کئے جاتے ہیں، اس فعل کی ناگواری اس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرتؐ سے فطری تعلق

تھا، یعنی حضرت علیؑ وخاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے ان کو آنحضرتؐ کے درد وغم اور تجہیز وتکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث وسیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے'' پھر لکھا ہے ''یہ سچ ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر وغیرہ آنحضرتؐ کی تجہیز وتکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے سقیفہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا، یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علیؑ سے بھی بزور منوانا چاہا (الفاروق صفحہ ۶۶) اور شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے'' اول دن سے رکاوٹوں کی کھچڑی خلافت کے لئے پک رہی تھی'' پھر لکھا ہے جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھیں انہوں نے دھینگا مشتی سے منصوبے ہی کو چٹکیوں میں اڑا دیا''۔ اس انقباض کو منافست، کدورت، رنجش، محاسدت جو چاہو سمجھ لو چھوٹی چھوٹی باتوں کو قطع نظر کر دو تو پاؤ گے کہ سنیوں اور شیعوں میں بڑا اختلاف مسئلہ خلافت میں ہے اور یہ اختلاف شروع تو ہوا پیغمبرؐ صاحب کی زندگی میں اور خود پیغمبرؐ صاحب کے گھر میں **مگر ھر کہ آمد بر آں مزید کرد**۔ کس کو مانیں کس کو نہ مانیں، کس کی سی کہیں کس کی سی نہ کہیں، **گویم مشکل وگر نہ گویم مشکل** (کتاب امہات الامۃ مطبوعہ دہلی صفحہ ۹۳) جب دوسروں نے خلافت کے لئے ہمارے رسولؐ کا جنازہ چھوڑ دیا تو حضرت علیؑ رسولؐ کے خلیفہ تھے ہی اس وقت سے نہیں بلکہ ۲۰ رسال پہلے سے خلیفہ رسولؐ تھے جس کا اعلان پورے مجمع میں رسولؐ نے ''هٰذا خليفتي'' (یہی میرے خلیفہ ہیں) کہہ کر فرما دیا تھا، اس وجہ سے خلافت کے وہی مالک تھے، خلافت انہیں کا حق تھا وہ اپنے اس حق کی حفاظت کے لئے اگر رسولؐ کا جنازہ چھوڑ کر چلے جاتے جب بھی ان پر زیادہ اعتراض نہیں ہوتا، یا کم از کم اس کی ہی فکر کرتے کہ اول اور دوم صاحب کہاں چلے گئے؟ کیوں غائب ہو گئے؟ ذرا ان کا پتہ لگایا جائے، دیکھ لیا جائے کہ وہ ہمارے نقصان کا کوئی کام تو نہیں کر رہے ہیں، یا خاندان بنی ہاشم کے دوسرے افراد کے حوالے رسولؐ کا جنازہ کر کے حضرت علیؑ بھی سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ جاتے اور کہتے کہ بھائیو! یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ آنحضرتؐ تو ۲۰ رسال پہلے سے مجھ کو اپنا خلیفہ بنا چکے تھے، اب کسی نئے خلیفہ کا انتظام کیوں کیا جا رہا ہے؟ لیکن علیؑ کا کیا کہنا ہے یہ سب کچھ بھی تو نہیں کیا اور جب تک رسولؐ کو دفن نہیں کر لیا کسی طرف ذرہ برابر توجہ نہیں کی، علامہ ابن عبد البر نے لکھا ہے عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ علیؑ کے لئے چار خصوصیتیں ایسی تھیں کہ ہم میں سے کسی کو حاصل نہ تھیں: ایک ا۔ یہ کہ کل عربی وعجمی لوگوں میں حضرت علیؑ ہی وہ شخص ہیں جن کو سب سے پہلے رسول مقبولؐ کے ساتھ نماز پڑھنے کا شرف ملا۔ دوسرے ۲۔ یہ کہ ہر معرکۂ جنگ میں حضرت رسولؐ کے لشکر کا علم انہیں کے ہاتھ میں رہتا تھا، تیسرے ۳۔ یہ کہ جب

لڑائیوں میں رسولؐ کے اصحاب حضرت کو چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے تو حضرت علی ابن ابی طالبؑ آنحضرتؐ کی رفاقت میں ثابت قدم رہتے تھے۔ چوتھے یہ کہ علی ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے رسول مقبولؐ کو غسل دیا اور آنحضرتؐ کو قبر میں اتارا (استیعاب مطبوعہ حیدرآباد) ابن ابی شیبہ نے بروایت عروہ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر دفن رسولؐ میں شریک نہیں ہوئے وانصار میں گئے ہوئے تھے پس آنحضرتؐ ان دونوں کے آنے سے پہلے دفن ہو چکے تھے (کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۴۰) اور مولوی عبید اللہ صاحب امرتسری نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر سقیفہ سے لوٹے تو سرور عالم دفن ہو چکے تھے، اس لئے شرکت جنازہ سے محروم رہے جس کا قلق ان کو مدت العمر باقی رہا۔ (ارجح المطالب صفحہ ۶۷۰) اور مولوی عبدالرحمن صاحب امرتسری نے لکھا ہے کہ آپ کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد جب کہ تجہیز و تکفین ہونے کو تھی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق انصار کی شورش کا حال سن کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے، اس نازک حالت میں تجہیز و تکفین کا کام علی مرتضیٰؑ نے بنی ہاشم کی امداد سے انجام دیا (المرتضیٰ) اور صحیح بخاری کی شرح میں لکھا ہے حدیث "فی کم کفنتم النبی" (تم لوگوں نے کتنے کپڑوں میں کفن دیا تھا) کا مطلب بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر کی وفات کا وقت نزدیک آیا تو انھوں نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ سے پوچھا کہ حضرت رسول خداؐ کو کتنے پارچے میں کفن دیا گیا تھا؟ انھوں نے بتایا کہ تین پارچہ میں پھر پوچھا کس روز آنحضرتؐ نے وفات پائی تھی کہا بروز دوشنبہ (صحیح بخاری پارہ ۶، صفحہ ۳، مسند احمد جلد ۶، صفحہ ۴۰، ریاض نضرہ صفحہ ۱۷۹) علامہ ابن حجر عسقلانی اس موقع پر لکھتے ہیں کہ یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ باوجود یکہ حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کے چند ہی سال کے بعد انتقال کر گئے مگر ان کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ رسول کو کتنے پارچوں کا کفن دیا گیا تھا لیکن اس کی وجہ شاید یہ ہی ہو کہ وہ رسول اللہ کی تجہیز و تکفین کے وقت تو وہاں موجود ہی نہیں تھے کیوں کہ اس وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں اپنی بیعت لینے میں مشغول تھے (فتح الباری پارہ ۶، صفحہ ۳، تاریخ صغیر بخاری صفحہ ۲۳) اور جناب جابر ابن عبد اللہ انصاری کی روایت کا خلاصہ اس طرح مرقوم ہے کہ حضرت عمر کی خلافت کے زمانے میں کعب الاحبار نے آن کر ان سے پوچھا کہ حضرت رسول خداؐ نے وقت وفات سب سے آخر کون سا کلمہ ارشاد فرمایا تھا؟ حضرت عمر نے کہا علی ابن ابی طالبؑ سے پوچھو (روضۃ الاحباب) اور مورخ ابن الوردی نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ کے غسل کی خدمت حضرت علی، عباس، فضل، قثم، اسامہ اور شقران نے انجام دیں، عباس فضل اور قثم آنحضرتؐ کو پھیرتے جاتے تھے اسامہ اور شقران پانی ڈالتے جاتے اور حضرت علی غسل دیتے تھے۔ (تاریخ ابن الوردی) اور علامہ دیار بکری نے لکھا ہے کہ عباس، فضل اور قثم آنحضرتؐ کو کروٹ پھیرتے تھے اور اسامہ اور شقران پانی ڈالتے تھے اور ان سب کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں یہ امر کس قدر حیرت خیز ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر حضرت

رسول خداؐ کے خسر ہو کر بھی حضرت کے جنازے کی پروا نہیں کی اور لاش کو اسی طرح چھوڑ کر چلے گئے، مگر اسامہ نہیں گئے، انہوں نے خلافت میں کوئی دلچسپی نہیں لی اور آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین میں مشغول رہے اس سے چند دونوں پہلے ہم نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا تھا کہ اسامہ کے لشکر میں حضرت ابو بکر و عمر کو بھی مدینہ سے باہر بھیج دو تو لوگوں کو تعجب ہوا تھا کہ اس کمسن لڑکے کو اتنے عمر والے صحابیوں پر کیوں سرداری دی گئی، مگر اسامہ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ یقیناً وہ اسی قابل تھے کہ ان لوگوں کے سردار مقرر کئے جائیں کیونکہ اسی وفات رسولؐ کی خدمات سے انہوں نے بتا دیا کہ ان کو احکام خدا کی کیا قدر تھی رسولؐ کی کس درجہ محبت تھی شریعت اسلام کا کس حد تک پاس تھا اب تو ہم پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا کہ اسامہ کو ان بزرگوں پر کیوں ترجیح دی گئی؟ اس لئے کہ ہم نے اپنے کلام مجید میں صاف کہہ دیا ہے کہ "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" تم لوگوں سے سب سے زیادہ عزت والا شخص خدا کی نظر میں وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے، اسامہ کا تقویٰ دیکھو رسول کا جنازہ چھوڑ کر نہیں گئے، ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے رہے بلکہ مثل مطیع غلام کے رسولؐ کے غسل و کفن کا سب کام انجام دیتے رہے ،اول و دوم صاحبان کے اعمال خیر کو بھی دیکھ لو کہ رسول کا جنازہ بے غسل و کفن چھوڑ کر چلے گئے اور جب تک رسولؐ دفن نہیں کر دئے گئے یہ لوگ وہاں واپس ہی نہیں آئے، اللہ اکبر! یہ انقلاب عظیم! اور وہ بھی ایسے لوگوں کے بارے میں؟

ابوسفیان کے فتنہ کو روک دینا

ہمارے اس بندہ حضرت علیؑ نے ابوسفیان کے فتنہ اور طوفان خیز فساد کو روک کر بھی اسلام کو شدید تباہی سے بچا لیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارے رسولؐ کی وفات کے بعد جب حضرت ابو بکر خلیفہ بن گئے تو ابوسفیان نے چاہا کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر دین اسلام کو برباد کر دے کیوں کہ باوصف قبول اسلام اس کی دشمنی اسلام سے اس حد کی تھی کہ سب جانتے تھے اور اس سے کسی کو انکار نہیں تھا اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت علیؑ خلیفہ اول کی خلافت کو غلط اور بالکل باطل سمجھتے ہیں کیوں کہ وہ بغیر خدا کے حکم یا رسولؐ کی اجازت کے خلیفہ بنے تھے وہ یہ جانتا تھا کہ اول صاحب اس قبیلہ سے ہیں جو عرب میں ہمیشہ ذلیل و خوار رہا، انہیں چند باتوں نے اس کو اس پر آمادہ کیا کہ ہمارے رسولؐ کے چچا عباس کے پاس آیا اور کہنے لگا دیکھتے ہو ان لوگوں نے خلافت کو خاندان بنی ہاشم سے نکال کر سر دست بنی تیمم میں پہنچا دیا۔ اب کل بنی عدی کے یہ فظ غلیظ (خلیفہ دوم) ہم پر حکومت کریں گے لھذا جلد ہم تم حضرت علیؑ کی بیعت کر لیں تم رسول خداؐ کے چچا ہو لھذا تمہارا اثر ہوگا اور میری بات قریش میں برابر مانی اور وزنی سمجھی جاتی ہے لوگ قبول کر لیں گے لیکن اگر لوگوں نے اس میں ہماری مخالفت کی تو ہم ان کو جنگ کر کے ہلاک کر ڈالیں گے ابوسفیان جناب عباس سے یہ مشورہ کر کے حضرت علیؑ کی خدمت میں آیا اور کہا قریش کے ذلیل ترین قبیلہ (بنو تیمم) کو خلافت سے

کیا واسطہ؟ اے علیؑ تم کھڑے ہو اور ہاتھ بڑھاؤ تو میں اس میدان کو پیادوں اور سواروں سے بھر دوں (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۲ و تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۵ و کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۴۰ و استیعاب جلد ۱ صفحہ ۳۲۵ وغیرہ) اور علامہ ابن عبدربہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب حضرت رسولؐ خدا نے انتقال فرمایا تو ابوسفیان مدینہ سے باہر ایک کام پر گیا ہوا تھا جب وہ پلٹا تو ایک شخص کو دیکھا کہ مدینہ سے آرہا ہے ابوسفیان نے اس شخص سے پوچھا کیوں بھائی کیا محمدؐ مر گئے اس شخص نے کہا ہاں۔ پوچھا پھر ان کی جگہ کون حاکم ہوا؟ کہا حضرت ابوبکر۔ ابوسفیان بولا لیکن ابوبکر کے خلیفہ ہو جانے پر وہ دونوں جو بہت کمزور کر دیئے گئے ہیں یعنی حضرت علیؑ اور عباس نے کیا کیا؟ اس نے جواب دیا وہ دونوں خاموش بیٹھے ہیں۔ اس پر ابوسفیان بولا خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو ان دونوں کو بلند کر کے رہوں گا۔ پھر کہا میں اب فتنہ و فساد کا غبار دیکھ رہا ہوں، جس کو خون ریزی کے سوائے کوئی چیز بھی دبا نہیں سکتی پھر جب ابوسفیان مدینہ میں پہنچا تو اس کی گلیوں اور کوچوں میں گھوم گھوم کر اس واقعہ پر اپنے غصہ اور تعجب کا اظہار کرتا اور چند اشعار پڑھتا تھا جن کا مطلب یہ ہے کہ اے بنی ہاشم لوگوں کو تم اپنے بارے میں طمع دلاؤ خاص کر بنو تیم (ابوبکر کے قبیلہ) اور بنو عدی (عمر کے قبیلہ) کو کیونکہ یہ خلافت تمہارے خاندان کے سوائے کسی اور طرف نہیں جانی چاہیئے اور تمہاری ہی طرف اس کی بازگشت ہونی چاہیئے اور اس خلافت کا حقدار حضرت ابوالحسن علی ابن ابی طالبؑ کے سوائے کوئی بھی نہیں ہے، اس کے بعد جو روایت ہے حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا یہ بھی یہاں آگیا ہے تو بڑا فساد مچائے گا اسی وجہ سے حضرت رسولؐ اس کی تالیف قلب کرتے رہتے تھے اب مصلحت یہ ہے اس کے ہاتھ میں صدقے کے جو اموال ہیں ان کو اسی طرح رہنے دو، حضرت ابوبکر نے ایسا ہی کیا۔ (عقد الفرید مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۴۹) یہ بڑا نازک موقع تھا علیؑ اپنے حق سے محروم کر دیئے گئے تھے سازشی کارروائیوں نے دوسروں کو مسند رسولؐ پر جگہ دے دی تھی۔ اور کوئی حقدار اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے تنکے کا سہارا قبول کر لینے میں عذر نہیں کرتا۔ حضرت علیؑ یہ سب دیکھ رہے تھے اور صبر کئے ہوئے بیٹھے تھے، اس وقت آپ کا سخت امتحان لیا گیا، ابوسفیان جو خاندان بنو امیہ کا سردار اور مکہ معظمہ کا بہت ذی اثر رئیس تھا حضرت کی حمایت پر آمادہ ہو گیا حضرت کو ابھارنے لگا پوری امید دلا دی کہ میں اتنی طاقت سے آپکی مدد کروں گا کہ کوئی مقابلہ نہیں کر سکے گا اور تخت خلافت پر یقیناً آپ کا قبضہ ہو جائے گا مگر علیؑ اس امتحان میں بھی پورے کامیاب ہوئے اور وہ جواب دیا جس نے اسلام کو تباہی سے بچا لیا۔ ان کے الفاظ کو اسلامی مورخین نے اس طرح نقل کیا ہے۔

فزجره علي عليه السلام وقال انك والله ما اردت الا الفتنة وانك والله طال ما بغيت الاسلام ولا حاجة لنا في نصيحتك۔ یعنی حضرت علیؑ نے ابوسفیان کا یہ کلام سن کر اس کو جھڑک دیا اور کہا خدا کی قسم اس کلام سے تیرا مقصود صرف یہ

ہے کہ اسلام میں ایک فتنہ پیدا کردے اور تو ہمیشہ اسلام کو نقصان ہی پہنچانے کی فکر میں رہا ہے، مجھے تیری نصیحت اور ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں ہے (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۲۰۳) حضرت علیؑ نے اس موقع پر ایک خطبہ بھی بیان کیا جو نہج البلاغہ میں مرقوم ہے اس کو بھی سن لو! بیان کیا:

ایہا الناس شقوا امواج الفتن بسفن النجاۃ وعرّجوا عن طریق المنافرۃ وضعوا تیجان المفاخرۃ افلح من نھض بجناح أو استسلم فأراح ھٰذا ماءٌ آجن ولقمۃ یغصّ بھا آکلھا ومجتنی الثمرۃ لغیر وقت اینا عھا کالزّارع بغیر ارضہ فان أقل یقولوا حرص علی الملك وان اسکتْ یقولوا جزع من الموت ھیھات بعد اللتیا والتی واللہ لابن ابی طالب ؑ آنس بالموت من الطفل بثدی امہ بل اندمجتُ علی مکنون علم لو بحتُ بہ لاضطربتم اضطراب الأرشیۃ فی الطوی البعیدۃ۔ (نہج البلاغہ ۲۱۰)

لوگو! اسلام میں جو فتنے پیدا ہوا چاہتے ہیں، ان کی موجوں کو اپنی نجات (صبر وضبط) کی کشتیوں سے چیر ڈالو اور بھڑکانے والے راستے سے مڑ جاؤ، اور تکبر و مفاخرت کے تاجوں کو اتار کر پھینک دو، یہ بھی جان لو کہ وہی شخص اپنے ارادے میں کامیاب ہوسکتا ہے جو کسی مضبوط بازو کے سہارے کھڑا ہو یا خاموش رہ کر لوگوں کو آسودہ کردے (دنیا گویا) متعفن پانی اور بدمزہ لقمہ ہے جس سے کھانے والوں کو اچھو ہونے لگے۔ علاوہ برایں اس وقت بیعت لینی اس وجہ سے بھی مناسب نہیں کہ بے وقت پھلوں کا چننے والا مثل اس شخص کے ہے جو نامناسب زمین میں زراعت کرلے۔ اب دیکھو اگر میں معاملۂ خلافت میں دخل دیکر کچھ بولتا ہوں تو سب لوگ کہنے لگیں گے حکومت کے لالچی ہو رہے ہیں اور اگر سکوت کئے پڑا رہتا ہوں تو کہتے ہیں کہ علیؑ تو موت سے ڈر گئے افسوس میرے جہادوں اور رسولؐ کے غزوات میں میرے چھوٹے بڑے معرکے دیکھنے کے بعد بھی یہ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں حالانکہ خدا کی قسم علیؑ تو موت سے اس قدر مانوس ہے کہ اتنا کوئی بچہ اپنی ماں کے پستان سے بھی مانوس نہ ہوگا مگر (میرے سکوت کی وجہ یہ ہے کہ) میں ایسے علم پر مطلع ہوں جس کو اگر ظاہر کردوں تو تم لوگ اس طرح ڈانواں ڈول ہو جاؤ جیسے گہرے کنویں میں ڈول وغیرہ کی رسیاں ہلنے لگتی اور ڈول سے ٹکرا جاتی ہیں اور انہیں سکون وقرار نہیں ہوتا۔

اس موقع پر علی ابن ابیطالبؑ نے وہ دور اندیشی کی جیسی مصلحت بینی ہمارے رسولؐ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر ظاہر کردی تھی کہ باوجودے کہ حضرت کو اس صلح میں ہر طرح دبنا پڑا مگر حضرت نے اس کو قبول کرلیا اسی طرح اس وقت علیؑ نے اسلام کی بھلائی اسی میں دیکھی کہ خاموش رہ کر اسلام کے قدموں کو مضبوط ہونے دیں اگر علیؑ ابوسفیان کے دھوکے میں آجاتے اور جنگ کا اعلان کردیتے تو مسلمان ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے جاتے اور کاٹتے کاٹتے اتنے کمزور ہوجاتے کہ مکہ کے کفار اور اطراف وجوانب کے یہود ونصاریٰ سب ہی ٹوٹ پڑتے اور چٹکی بجاتے ہوئے مسلمانوں کا نام نشان مٹا دیتے، مکہ معظمہ

کے کفار جو خود وبدر وغیرہ میں شکست اٹھا چکے تھے اور بنو نضیر وغیرہ کے یہودی اور نجران وغیرہ کے نصاریٰ جو اسلام سے مغلوب ہو چکے تھے سب ہی تاک میں تھے کہ کوئی موقع مل جائے اور پرانی گذشتہ ہزیمتوں کا عوض لیں لیکن جس طرح ہمارے رسولؐ کو اسلام بہت پیارا تھا اسی طرح ان کے شریک فی الہدایہ علی ابن ابی طالب کو بھی اسلام سے بے حد محبت تھی یہ گوارہ نہیں کیا کہ اپنی خلافت کے لئے خود اقدام کریں اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے خود بیعت کریں اپنی جگہ کے لئے خود جنگ چھیڑ دیں اس وجہ سے انہوں نے وہی کیا جس کی وصیت ہمارے رسولؐ نے ان سے کر دی تھی جس کو دہلی کے مشہور محدث شیخ عبدالحق صاحب نے اپنی کتاب میں اس طرح نقل کیا ہے۔

اے علی فلان یہودی بذمہ من چندیں مبلغ دارد کہ از وے برائے تجہیز لشکر اسامہ بقرض گرفتہ بودم زنہار کہ حق او را از ذمہ من ادا کنی وفرمود اے علی تو اول کسے خواہی بود کہ در لب حوض کوثر بمن برسی وبعد از من مکروہات بتو خواہند رسید باید کہ دل تنگ نہ شوی وصبر کنی بہ بینی کہ مردم دنیا اختیار کنند باید کہ تو آخرت را اختیار کنی (کتاب مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۱۱)

اے علی اسامہ کا لشکر روانہ کرنے کے لئے میں نے فلاں یہودی سے اس قدر مال قرض لیا تھا خوب یاد رکھو کہ اس دین کو میری طرف سے ادا کر دینا اور اے علی تم پہلے شخص ہو گے جو حوض کوثر پر میرے پاس آؤ گے اور میرے بعد تم پر بڑی مصیبتیں پڑیں گی تم کو چاہیئے کہ اس وقت دل تنگ نہ ہونا اور صبر سے کام لینا اور جب دیکھنا کہ لوگ دنیا کو اختیار کر رہے ہیں تو تم آخرت ہی کو اختیار کئے رہنا۔

مسلمانو ذرا یہاں بھی بتاتے چلو کہ اگر حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو پہلے اپنا خلیفہ نہیں مقرر کر دیا تھا تو اسامہ کے لشکر کے لئے جو قرض یہودی سے لیا تھا اس کے ادا کرنے کو خاص حضرت علیؑ سے کیوں کہا؟! اگر حضرت علیؑ حضرت کے جانشین نہیں تھے تو رسولؐ کو چاہیئے تھا کہ صحابہ کو جمع کر کے فرماتے کہ فلاں یہودی کی اتنی رقم کا میں مقروض ہوں جو میرے کسی ذاتی کام کے لئے نہیں لیا گیا تھا بلکہ اسلامی ضرورت (جیش اسامہ) کے لئے لیا گیا تھا تم لوگ جس کو میرا خلیفہ مقرر کرنا اس سے اس قرض کو ادا کرا دینا دنیا کا دستور یہی ہے مگر آنحضرت کا اپنے تمام صحابہ کو چھوڑ کر اور اپنے دونوں خسروں کو ترک کر کے خاص حضرت علیؑ سے اس امر کی وصیت کرنی اس کی واضح دلیل ہے کہ حضرت علیؑ حضرت رسولؐ کے خلیفہ، جانشین اور قائم مقام و وارث تھے اسی وجہ سے حضرت علیؑ نے اس قرض کو ادا کیا اور حضرت ابوبکر سے اس یہودی نے اس کا مطالبہ نہیں کیا کسی کتاب سے تم کو یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ اس یہودی نے حضرت ابوبکر سے رقم کے ادا کرنے کا مطالبہ کیا ہو، حضرت علیؑ نے ابوسفیان سے جو کہا یہ بہتر جواب تھا اگر وہ اس کے فریب میں مبتلا ہو جاتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ یا اسلام نہایت درجہ ضعیف ہو جاتا یا درحقیقت ابوسفیان کی

حکومت قائم ہو جاتی اور حضرت علیؑ کو اس کے اشاروں پر چلنا پڑتا جو یقیناً اسلام کے خلاف ہی ہوتا۔

اشاعت اسلام بزور شمشیر سے حضرت علی علیہ السلام کا بالکل الگ رہنا

وفات رسولؐ کے بعد جناب امیرؑ سے اسلام کا یہ تعلق بھی نہایت اہم ہے کہ جس طرح ہمارے رسولؐ پر کوئی یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ حضرت نے زبردستی لوگوں کو مسلمان کیا، تلوار کے زور سے اسلام پھیلایا لوگوں کو لڑائیوں میں شکست دے کر ان سے اپنا کلمہ پڑھوایا، بالکل اسی طرح حضرت علیؑ کے بارے میں بھی دینا کا کوئی شخص یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ آپ نے کسی کو مجبور کر کے مسلمان کیا ہو کسی ملک پر خود حملہ کیا ہو کسی قوم پر خود فوج کشی کی ہو اور کسی جماعت سے اقدام کر کے جنگ چھیڑی ہو، تم لوگ جانتے ہو کہ رسولؐ کی زندگی میں حضرت کے ہر جہاد کے (جو محض دفائی تھے اور کبھی اقدامی نہیں ہوئے) فاتح علیؑ ہی تھے وہی علیؑ رسولؐ کے بعد بھی مدینہ میں موجود تھے اور صحت کی حالت میں تھے ہوش وحواس کے عالم میں تھے، کسی ایسے کام میں مشغول نہیں ہو گئے تھے جس کی وجہ سے فرصت ہی نہیں ملتی ہو پھر کیا وجہ ہے کہ نہ حضرت ابو بکر کے عہد میں وہ کسی لڑائی میں شریک ہوئے نہ حضرت عمر کے زمانہ کی کسی جنگ میں ساتھ دیا، نہ حضرت عثمان کے وقت کسی ملک پر فوج لے کر گئے یہ اسلامی تاریخ کا بہت بڑا فلسفہ ہے، وہی علیؑ جو رسول کی ہر جنگ میں سب کچھ رہتے تھے خلفاء ثلاثہ کی بہت سی جنگوں میں کچھ بھی نہیں ہوئے تینوں خلافتوں کی تاریخ کو ایک ایک ورق کر کے پڑھ جاؤ مگر کہیں تم کو یہ نہیں مل سکتا کہ وہ ذوالفقار جو رسولؐ کے زمانہ میں ہر جنگ فتح کرتی رہی ان تینوں حضرات کے زمانہ میں نیام سے باہر بھی آئی ہو حضرت ابو بکر کی خلافت میں خالد بن ولید کو فوج لے جاتے ہوئے پاؤ گے، اسامہ کو لشکر کشی کرتے ہوئے دیکھو گے علامہ حضرمی کو حملہ کرتے ہوئے سنو گے لیکن حضرت علیؑ کا نام نہیں مل سکتا، مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں حضرت ابو بکر کے عہد میں مرتدین عرب اور مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا، خلافت کے دوسرے ہی برس یعنی ۱۲ھ ہجری میں عراق پر لشکر کشی ہوئی اور حیرۃ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے، ۱۳ھ ہجری ۶۳۴ء میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں تمام اضلاع میں پھیل گئیں ان مہمات کا ابھی آغاز ہی تھا کہ حضرت ابو بکر کا انتقال ہو گیا حضرت عمر نے عنان خلافت ہاتھ میں لی تو سب سے ضروری کام انہیں مہمات کا انجام دینا تھا۔" (الفاروق صفحہ ۷۴) پر لکھا ہے "حضرت عمر کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۰۳۰ مربع یعنی مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶، مشرق کی جانب ۱۰۸۷، جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حد حکومت تھی اس لئے وہ قابل ذکر نہیں۔ اس میں شام، مصر، عراق، جزیرہ خوزستان، عراق عجم، آرمینیہ، آذربائیجان، فارس، کرمان خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے شامل تھا ایشیائے کوچک پر جس کو اہل عرب روم کہتے ہیں ۲۰ھ ہجری میں حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل

نہیں یہ تمام فتوحات خاص کر عمرؓ کی فتوحات ہیں، اور اس کی تمام مدت دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔" (الفاروق
جلد ۲، صفحہ ۳) اتنے ممالک فتح کئے گئے اور بہت سے سرداران فوج لشکر لے کر ان ملکوں میں گئے مگر حضرت علیؑ کسی فوج کے
ساتھ نہیں گئے، نہ کسی فوج کے سردار ہوئے نہ کسی سردار کے ماتحت۔ جس طرح حضرت رسولؐ ان فتوحات سے بالکل الگ تھے
اسی طرح نفس رسولؐ بھی سو فیصدی علیحدہ ہی رہے، حضرت رسولؐ تو دنیا میں تھے ہی نہیں مگر نفس رسول دنیا میں رہ کر ان فتوحات
سے اس درجہ بے تعلق رہے کہ ان میں اور رسولؐ میں کوئی فرق نہیں تھا، رسولؐ وفات پا کر ان فتوحات سے دور تھے اور نفس
رسولؐ زندہ رہ کر ان فتوحات سے بے لاگ رہے

کیوں مسلمانو! کیا تم نے کبھی اس عقدہ پر بھی غور کیا؟ کبھی اس راز کو بھی کھولنے کی کوشش کی؟ کبھی اس گتھی کے
سلجھانے کی بھی سعی کی؟ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، یا ان خلفاء ثلاثہ نے حضرت علیؑ کو پوچھا ہی نہیں، یا پوچھا مگر حضرت علیؑ نے خود
انکار کر دیا اور ان لڑائیوں میں اپنی شرکت کو حرام سمجھا۔ اگر خلفاء ثلاثہ ہی نے نہیں پوچھا تو بڑی عقلمندی کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ
رسولؐ کے زمانے کی جو جنگ تھی وہ صرف دفاعی تھی اس میں علیؑ خوشی سے شریک ہوتے تھے کیونکہ حفاظت خود اختیاری ہر
شخص کا حق اور مذہبی فریضہ ہے، رسولؐ مدینہ میں اسی طرح اسلام پھیلاتے تھے جس طرح مکہ معظمہ میں پھیلاتے رہے، جس طرح
رسولؐ نے مکہ میں کسی کافر سے لڑنا پسند نہیں کیا، مدینہ میں بھی اس کا خواب تک نہیں دیکھا، البتہ مدینہ میں جو لوگ حضرت سے
لڑنے آئے جن لوگوں نے اسلام کو مٹانے کی کوشش کی جن جماعتوں نے مسلمانوں پر ظلم کرنا چاہا ان کو رسولؐ نے خدا اور خدا
کے حکم سے روکا اس وجہ سے حضرت علیؑ بھی ان جہادوں میں شریک ہوئے کیونکہ وہ ان کا حق اور مذہبی کام تھا، ہم نے قرآن
مجید کے اندر بھی آیتیں ایسے جہاد کے متعلق نازل کر کے اس بحث کو اچھی طرح صاف کر دیا ہے مثلاً:

فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک وحرض المؤمنین عسی اللہ ان یکف باس الذین کفروا واللہ
اشد باسا و اشد تنکیلا۔ (پارہ ۵ رکوع ۸)

(دنیا کی راہ میں نہیں، دولت کی راہ میں نہیں، حکمرانی کی راہ میں نہیں، بادشاہت کی راہ میں نہیں، سلطنت کی راہ میں نہیں،
ملکی فتوحات کی راہ میں نہیں بلکہ) خدا کی راہ میں جہاد کرو اور تم اپنی ذات کے سوا کسی اور کے ذمہ دار نہیں ہو اور ایمان داروں کو
جہاد کی ترغیب دو، عنقریب خدا کافروں کی ہیبت روک دیگا اور خدا کی ہیبت سب سے زیادہ ہے اور اس کی سزا بہت سخت ہے۔

باس کا معنی رعب، ہیبت، زور، سختی، اور حملے سے ہی ہے، یہ آیت جہاد کے فلسفہ کو اچھی طرح صاف کر دیتی ہے کہ صرف
کافروں کے حملوں کو روکنے کے لئے ہم نے جہاد کا حکم دیا ہے اگر وہ حملہ کرتے رہیں اور مسلمان منہ تکتے رہیں تو یہ ایک دن کے
لئے بھی زندہ نہیں رہ سکتے، اس آیت کو بھی دیکھو اور اس کے ایک ایک لفظ پر اچھی طرح غور کرو جس سے معلوم ہو سکے کہ ہم نے

کب اور کس سے جہاد کرنے کی اجازت دی ہے۔

قاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم ولاتعتدوا انّ الله لايحب المعتدين فان قاتلوكم فاقتلوهم كذٰلك جزآءُ الكافرين فان انتهوا فانّ الله غفور رحيم.وقاتلوهم حتّٰى لاتكون فتنة ويكون الدين لله فان انتهو فلاعدوان الاّعلى الظالمين۔(پارہ۱۲رع۸)

مسلمانو! جولوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کے رستے یعنی دین کی حمایت میں ان سے لڑو اور زیادتی نہ کرنا کیونکہ اللہ کسی طرح زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، لیکن اگر وہ لوگ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے بے تامل جنگ کرو ایسے کافروں کا یہی بدلہ ہے پھر اگر وہ باز آئیں تو اللہ یقیناً بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے، اور وہاں تک ان سے لڑو کہ دین اسلام پر ان کا کوئی فساد باقی نہ رہے اور مذہب اسلام اللہ کا نام لینے کے لئے باقی رہ جائے پھر اگر وہ لوگ فساد سے باز آجائیں تو ان پر کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ زیادتی تو ظالموں کے سوائے کسی پر جائز نہیں ہے (اور ظالموں پر بھی اس مصلحت سے کہ پھر ان کو ظلم کرنے کی ہمت نہ رہے)

غرض لڑائی کافروں سے اسی واسطے ہے کہ ظلم موقوف ہو اور وہ مسلمانوں کو دین حق سے گمراہ نہ کرسکیں اور اللہ کا حکم جاری رہے، اگر وہ لڑائی نہ کریں تو تم لوگوں کو بھی لڑائی کی حاجت نہیں ہے اور ایمان تو دل سے قبول کرنے پر موقوف ہے، زور زبردستی سے مسلمان کرنا ہرگز ہمیں منظور نہیں، نہ ہمارے کسی نبی نے زور سے کسی کو اپنا دین منوایا، نہ ہمارے آخری پیغمبرؐ نے بھی کسی کے حق میں اس کو جائز سمجھا یہاں سے مسلمانوں کو رسول کے جہادوں کی اصلیت اچھی طرح معلوم ہوجائے گی کہ کیسی دینی مجبوری کی حالت میں جہاد کی جازت ہے اور لڑائی کی صورت میں بھی زیادتی کی مناہی اچھی طرح کردی گئی ہے اسی اصول کو ہم نے دوسری آیتوں میں بھی واضح کردیا ہے اور سب میں یہی فلسفہ کام کررہا ہے، پس چوں کہ رسولؐ کے عہد میں کفار تم کو مغلوب کرنا چاہتے تھے اس وجہ سے تمہارا مقابلہ کرنا ان سے بدلہ لینا، ان پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا اپنے کو ان کی غلامی سے آزاد رکھنا تمہارے لئے ضروری تھا۔ ایک جگہ کہا ہے:

ولكم في القصاص حيوةٌ يا أولي الألباب (پارہ۲رع۶)

اور اے عقل والو! قصاص کے قاعدے میں تمہاری زندگی ہے اور اس غرض سے جاری کیا گیا ہے تا کہ تم خونریزی سے باز رہو۔

قصاص میں زندگی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس سے جانوں کی حفاظت ہے کہ قصاص کے ڈر سے لوگ خونریزی سے باز رہیں گے۔

دوسری صورت یہ کہ خلفاء ثلاثہ نے حضرت علیؑ سے خواہش کی ہو کہ فوج لے کر جایئے مگر حضرت نے انکار کردیا ہو تو

بے شک علی کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو علی کبھی علی نہ رہتے، نفس رسول نہیں سمجھے جاتے، وصی رسول کی صفت ان کو زیب نہیں دیتی، ولی خدا کی شان سے دور ہو جاتے کیونکہ ہم نے کبھی اس کو پسند نہیں کیا کہ کوئی شخص کسی ملک پر بے وجہ حملہ کرے کسی سلطنت پر بغیر اس کے قصور کے لشکر کشی کرے کسی قوم پر بغیر اس کی خطا کے چڑھ دوڑے مال و دولت کی طمع میں دوسروں پر قبضہ کرے، روپیہ پیسہ کی لالچ میں غیروں پر حکومت کی کوشش کرے اپنی طاقت اور جمعیت کے نشہ میں دوسروں کو اپنی رعایا بنا ڈالے، مذہب کے نام پر ہولی کھیلے، دین کی اشاعت کے حیلہ سے دوسروں کو لونڈی غلام بنائے ہم نے تو اپنے رسول کو صاف صاف حکم دیا کہ کافروں سے کہہ دو جو لوگ تمہیں خوشی سے رسولؐ نہ مانیں، جو دل سے تمہارا دین قبول نہ کریں ان سے کہہ دو کہ:

لکم دینکم ولی دین ۔ (پارہ ۳۰ سورہ ۲۲)

میرا تمہارا میل کیا؟ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔

یہ سورۂ کافرون کی آخری آیت ہے، کافروں نے جب دیکھا کہ اسلام بڑھتا ہی چلا جاتا ہے تو عاجز آ کر ہمارے رسولؐ سے درخواست کی آؤ ہم تم باری باندھ لیں، ایک سال ہم تمہارے خدا کی پرستش کر لیا کریں، ایک سال تم ہمارے بتوں کی پرستش کیا کرنا، اس کے جواب میں ہم نے یہ آیت نازل کی جس کا مطلب یہ کہ ہم میں اور تم میں نہ تو ابھی موافقت ہے اور نہ آئندہ ہو سکتی ہے توحید اور شرک کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟ تو تمہاری یہ درخواست محض بیہودہ درخواست ہے، اگر ہم کو یہ منظور ہوتا کہ کافر لوگ مجبور کر کے مسلمان کر دیئے جائیں تو ہم اپنے رسولؐ کے ذریعہ ان تک یہ پیغام کیوں بھیجتے کہ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے؟ ہم صاف صاف کہہ دیتے کہ کسی حالت میں تمہارا دین تمہارے لئے نہیں ہے، اس دین کو بالکل چھوڑ دو، اس کا نام بھی نہ لو اور اسلام کو حق سمجھو یا نہ سمجھو مگر قبول ضرور کر لو، بغیر اس کے قبول کئے تم لوگوں کو چھوڑا نہیں جا سکتا، البتہ ہم سے جہاں تک ہو سکا، ان لوگوں کو سمجھا دیا کہ اسلام کے سوائے کوئی مذہب حق نہیں ہے، یہی بات ہمارے رسول بھی کافروں سے کہتے رہے اور یہی چیزیں علی بھی لوگوں کو بتاتے رہے مذہب کے بارے میں نہ رسولؐ نے کبھی تلوار اٹھائی، اور نہ علی نے ایسا کیا اور نہ ایسا کر سکتے تھے نہ ایسا کر کے وہ ہم کو اپنا منہ دکھا سکتے تھے، اگر ہم دنیا میں لوگوں کو زبردستی دین حق کا پیرو بنانا پسند کرتے تو پھر بہشت اور دوزخ کس لئے پیدا کیا ہے؟ رسولؐ کی زندگی میں علیؑ کی شجاعت کی یہ حالت تھی کہ جس غزوہ میں رسولؐ نے بلایا علیؑ فوراً آ گئے، جس جنگ میں بھیجا فوراً روانہ ہو گئے بعض وقت تنہا بھیجے گئے جب بھی آپ نے کسی پر خود تلوار نہیں اٹھائی بلکہ ان لوگوں کو اپنی تبلیغ و ہدایت ہی سے مسلمان کیا مگر خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں علیؑ ان کی

لڑائیوں سے اس طرح علیٰحدہ رہے گویا معلوم ہی نہیں ہوتا وہ مدینہ میں تھے یا نہیں کیونکہ ہم نے بزور شمشیر کسی کو مسلمان بنانے کی اجازت دی ہی نہیں ہے تو علی ہماری مرضی کے خلاف کیوں کر قدم اٹھاتے؟ وہ تو صرف ہماری خوشی کے کام کرتے تھے کبھی کوئی عمل ہماری ناراضگی کا کیا ہی نہیں، وہ تو ہمیشہ ہماری ان آیتوں کو پیش نظر رکھتے، اور انہیں کے مطابق اپنا ہر عمل انجام دیتے، ان کا چلنا پھرنا سب انہیں آیتوں کے ماتحت ہوا کرتا تھا۔

قل أمر ربي بالقسط واقيموا وجوهكم عند كل مسجد وادعوه مخلصين له الدين كما بدأكم تعودون فريقاً هدیٰ وفريقاً حق عليهم الضلالة انهم اتخذوا الشيطين أولياء من دون الله ويحسبون انهم مهتدون۔ (پارہ۸ رکوع ۱۰)

اے پیغمبرؐ! ان لوگوں سے کہو کہ میرے پروردگار نے تو ہمیشہ انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہر نماز کے وقت تم سب خدا کی طرف متوجہ ہو جایا کرو اور خالص اسی کی تابعداری مدنظر رکھ کر اس کو پکارو جس طرح اس نے تم کو پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح تم دوبارہ بھی پیدا ہو گے اسی کے بندوں سے کچھ لوگوں نے سیدھا راستہ اختیار کیا اور دوسروں پر گمراہی سوار ہے ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنایا اور بایں ہمہ سمجھتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں۔ اس آیہ میں ہم نے صاف کہہ دیا کہ کچھ لوگ سیدھا راستہ اختیار کرتے ہیں اور کچھ لوگ گمراہی میں پڑے رہتے ہیں مگر جو گمراہی میں پڑے رہتے ہیں وہ بھی اپنے کو سیدھے ہی راستے پر سمجھتے ہیں۔ تو علی ابن ابی طالبؑ ہم کو کیونکر چھوڑ سکتے تھے؟ انہوں نے تو پیدائش سے اپنی وفات تک اپنے کو ہمارے ہی حوالہ کئے رکھا، ان کے عمل سے مسلمانوں کو سبق حاصل کرنا اور غور کرنا چاہیئے کہ وفات رسولؐ کے بعد جو لڑائیاں اشاعت اسلام کے نام سے لڑی گئیں اگر وہ ہمارے حکم کے مطابق ہوتیں تو علیؑ ایسا فاتح جس کی ایک ضربت کو ہمارے رسولؐ نے ثقلین کی عبادت سے بھی بہتر بتا دیا تھا ان سب لڑائیوں سے علیٰحدہ کیوں رہتا؟

خاموش بے سبب نہیں غالب ۔۔۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

خلفاء ثلاثہ پر حضرت علیؑ کا رحم و کرم

باوجودے کہ ہمارے ولی نے خلفاء ثلاثہ کی کسی جنگ میں شرکت نہیں کی مگر جب ان لوگوں پر کوئی مصیبت پڑی تو ان کو رحم بھی آ گیا اور اپنے اختیار بھر ان کی مدد کرتے رہے کیونکہ ہمارے رسولؐ کی یہی شان تھی، تو نفس رسول سے وہ شان کیونکر علیٰحدہ ہو سکتی؟ ہم نے اپنے رسولؐ کے بارے میں کہہ دیا ہے، ما ارسلناک الا رحمة للعالمین۔ اے رسولؐ ہم نے تم کو تمام عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، دوست کے لئے بھی دشمن کے واسطے بھی اسی طرح ہمارے ولی بھی سب کے لئے رحمت تھے اپنے موافقین کے لئے بھی اور مخالفین کے لئے بھی رسولؐ کا وہ عمل دیکھو جو انہوں نے فتح مکہ میں اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا وہی برتاؤ علیؑ نے بھی اپنے مخالفین کے ساتھ کر کے دکھا دیا کہ ان کا کوئی قدم رسولؐ کے قدم سے الگ نہیں پڑتا، رسولؐ

نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے سخت دشمنوں سے محبت و شفقت کا سلوک کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ خلق عظیم پر فائز تھے اسی طرح ہمارے ولی نے بھی اپنے مخالفین کے ساتھ رحم و کرم کی رفتار کر کے دنیا کو دکھا دیا کہ وہ واقعاً نفس رسولؐ تھے مگر جس طرح کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آنحضرتؐ اور آپ کے دشمن ایک ہو گئے اور شیر و شکر کی طرح رہتے تھے۔ اسی طرح کسی اہل عقل کو یہ بھی نہیں کہنا چاہیئے کہ حضرت علیؑ اور ان حضرات کا اختلاف ختم ہو گیا اور وہ لوگ دل سے مل گئے تھے علیؑ ان باتوں کو بھولے نہیں تھے جو ان پر انہیں لوگوں نے رسولؐ کے بعد واقع کیں علیؑ کا کیا ذکر ہے ہمارے رسولؐ کے دوسرے صحابہ کو بھی ان امور سے سخت شکایت پیدا ہو گئی تھی، چنانچہ علامہ مسعودی نے لکھا ہے کہ حضرت رسول کے مشہور صحابی عمار بن یاسر نے مسجد نبویؐ میں کھڑے ہو کر سب حاضرین کو مخاطب کر کے کہا اے گروہ قریش! جب تم امر خلافت کو اپنے نبیؐ کے اہلبیتؑ سے پھیر کر کبھی یہاں لے گئے اور کبھی وہاں تو ہم کو اس بات سے بے خوف نہ ہونا چاہیئے کہ خدا اس امر کو تم سے لے کر تمہارے غیر کو دے دے جیسا کہ تم نے اس کو اس کے اہل سے لے کر اس کے غیر اہل کو دے دیا ہے۔ پھر مقداد نے کھڑے ہو کر کہا کہ حضرت رسول صلعم کے بعد جیسی اذیتیں اہل بیت رسالت کو پہنچائی گئی ہیں ایسی تو میں نے کبھی نہیں دیکھیں عبدالرحمن نے کہا کہ اے مقداد تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ مقداد بولے کیوں نہ کہوں کہ میں اہل بیت رسالت کو رسولؐ کی محبت کی وجہ سے دوست رکھتا ہوں، اور بیشک حق انہیں کے ساتھ ہے اور انہیں میں ہے اے عبدالرحمن میں تعجب کرتا ہوں قریش سے جنہیں تم غلبہ دلانے کی کوشش کرتے ہو اور جو اس بات پر مجتمع ہوئے ہیں کہ رسولؐ کی حجت اور عظمت کو آنحضرتؐ کے بعد ان کے اہل بیتؑ سے چھین لیں اے عبدالرحمن آگاہ ہو کہ اگر میں انصار و مددگار پاتا تو قسم خدا کی قریش کے ساتھ اسی طرح قتال کرتا جس طرح میں نے جنگ بدر میں جنگ کی تھی (تاریخ مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل مطبوعہ جلد ۵، صفحہ ۱۲۲) جب خلفاء ثلاثہ سے کسی نے حضرت علیؑ سے کسی ایسے امر میں مشورہ چاہا جس میں مشورہ دینا ہماری مرضی کے خلاف نہیں تھا، حضرت علیؑ نے اپنی ذاتی اذیتوں کا خیال نہیں کیا اور جو ایک سچے نائب رسولؐ کا فرض تھا اس کو انجام دے دیا۔ مثلاً علامہ سیوطی نے لکھا ہے "وفي ربيع الاول كتب التاريخ من الهجرة بمشورة علي۔ یعنی ماہ ربیع الاول میں حضرت علیؑ کے مشورے سے ہجری سال قائم کیا گیا۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۹) واخرج البخاري في تاريخه عن ابن المسيب قال اول من كتب التاريخ عمر ابن الخطاب بسنتين ونصف من خلافته فكتب لست عشر من الهجرة بمشورة علي۔ یعنی بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب ہی نے حضرت علیؑ کے مشورے سے تاریخ لکھنے کا انتظام کیا جو ۱۶ ہجری سے چل رہا ہے (تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۳) مولوی شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے "یہ بحث پیدا ہوئی کہ سن کی ابتداء کب سے قرار دی جائے حضرت علیؑ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اور اسی پر

سب کا اتفاق ہوگیا آنحضرتؐ نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی یعنی سال میں دو مہینے آٹھ دن گذر چکے تھے اس لحاظ سے ربیع الاول سے آغاز ہونا چاہیئے تھا لیکن چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے اس لئے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا۔(مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۴ رالفاروق جلد ۲ رصفحہ ۱۴۴) یہ علیؑ کا اتنا بڑا احسان ہے، جس سے آج تک مسلمان نفع اٹھا رہے ہیں اور تا روز قیامت فائدہ حاصل کرتے رہیں گے۔ اگر علیؑ اس موقع پر مشورہ نہ دیتے تو عام اہل اسلام اپنی زندگی کے اس ضروری انتظام (تاریخ لکھ کر اپنے حسابات درست کرنے کے طریقہ) سے بالکل محروم رہتے اور مجبوراً ان کو دوسری قوموں کی تاریخ پر عمل کرنا پڑتا، آج ہر مسلمان کو آسانی سے معلوم ہوجاتا کہ حضرت رسولؐ کو گزرے کتنے سال ہوگئے، خلفاء ثلاثہ کی حکومت کب تھی حضرت علیؑ کب شہید ہوئے امام حسینؑ کس سال درجہ شہادت پر فائز ہوئے ائمہ اثناعشر کب ہوئے اسلام کا کون بادشاہ کس زمانہ میں ہوا غرض اسلام کی ہزاروں کتب تاریخ علی ہی کے مشورہ کی وجہ سے لکھی گئیں اور اسلام کے لاکھوں واقعات تاریخ وار انہیں کی رائے سے مرتب کئے جاسکے۔

اسی طرح مولوی امیر علی نے اپنی تاریخ اسلام میں لکھا ہے کہ حضرت عمر کے عہد حکومت میں جتنے کام رفاہ عام کے ہوئے وہ سب حضرت علیؑ کی صلاح ومشورہ سے عمل میں آئے انہیں وجوہ سے حضرت عمر کہا کرتے تھے **اطال الله بقاء ک** اے علیؑ خدا آپ کو مدت دراز تک زندہ رکھے، **ایدک الله**، اے علی خدا آپ کی تائید کرتا رہے (تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۳) **کان عمر بن الخطاب یتعوذ بالله من معضلة لیس لها ابو الحسن**ؑ حضرت عمر ہر اس مصیبت سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے جس کے دفع کرنے کے لیئے حضرت علیؑ نہ ہوں (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۱۶) اور حضرت عثمان کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے **وحاصر الناس عثمان ومنعوه الماء فاشرف علی الناس فقال أفیکم علي؟ فقالوا لا قال أفیکم سعد قالوا لا فسکت ثم قال الا أحد یبلغ علیاً به فیسقینا ماء فبلغ ذالک علیاً فبعث الیه بثلاث قرب مملوة ماءً**۔ یعنی لوگوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کرلیا تو وہ لوگوں کے مجمع میں بلندی پر چڑھ کر پوچھنے لگے کیا تم لوگوں میں علیؑ بھی ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں، پوچھا اچھا سعد ہیں، لوگوں نے جواب دیا وہ بھی نہیں تو چپ ہوگئے پھر تھوڑی دیر کے بعد بولے کیا تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جو حضرت علیؑ تک ہمارا یہ پیغام پہنچادے کہ وہ ہم کو پانی پلادیں یہ بات کسی طرح حضرت علیؑ تک پہنچ گئی تو انہوں نے تین بڑی مشکیں پانی سے بھری ہوئی ان کے پاس بھیج دیں **فقال للحسن**ؑ **والحسین**ؑ **اذهبا سیفکما حتی تقوما علی باب عثمان فلاتدعا أحداً یصل الیه ــــــ ورمی الناس عثمان بالسهام حتی خضب الحسن بالدماء علی بابه**ــــ یعنی جب حضرت علیؑ کو پتہ چل گیا کہ لوگ حضرت عثمان کو قتل ہی کردینا چاہتے ہیں تو حضرت امام حسن وامام حسین علیہما

السلام سے فرمایا تم لوگ فوراً اپنی اپنی تلواریں لے کر جاؤ اور حضرت عثمان کے دروازے پر کھڑے ہو جاؤ خبردار کسی کو ان کے پاس جانے نہ دینا (تاریخ الخلفاء ص ۱۰۹) اس واقعہ میں بھی حضرت علیؑ نے اتنی رحم دلی دکھائی جس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے، حضرت عثمان نے حضرت علیؑ کی بڑی بڑی حق تلفیاں کی تھیں جن کی وجہ سے حضرت علیؑ کا دل ان کی شکایتوں سے بھرا ہوا تھا، مگر وہ رحمۃ للعالمین کے بھائی اور نفس اور ہمارے ولی تھے، حضرت عثمان کی مصیبت کے وقت گذشتہ باتوں کا ذرا بھی خیال نہیں کیا اور وہی کیا جو ہمارے رسولؐ نے فتح مکہ کے وقت اپنے دشمنوں سے کیا تھا، بلکہ ان کے لئے پانی کی تین مشکیں بھیجیں اور حسنؑ و حسینؑ کو حفاظت کے لئے حضرت عثمان کے دروازے پر متعین کرنا وہ احسان ہے جس کی مثال حضرت رسولؐ کی زندگی میں بھی کسی دشمن کے ساتھ نہیں نظر آتی۔ ۳۶ھ میں ہمارے رسولؐ کی بی بی حضرت عائشہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بصرہ گئیں اور وہاں کی مشہور جنگ جمل حضرت علیؑ سے لڑی، حضرت علیؑ نے ان لوگوں کو پہلے بہت سمجھایا مگر جنگ جمل والے نہیں مانے اور علیؑ کی فوج پر پے در پے حملے کرنے لگے تو مجبوراً حضرت علیؑ نے بھی دفاعی جنگ کی جس میں حضرت عائشہ شکست کھا کر مغلوب ہو گئیں اور ان کی فوج بھاگ گئی یہ موقع تھا کہ علیؑ ان سے پورا انتقام لیتے، ان کو اسیر کرتے اور برا برتاؤ کرتے مگر حضرت علیؑ نے ان کی پوری حفاظت کی اور ان کو کوئی زخم نہیں لگنے دیا اس پر حضرت عائشہ نے ان سے کہا "اے علیؑ اب تم نے فتح پائی، اب نیکی اور احسان کرو" حضرت نے فرمایا میں نے تمہارے کل اہل لشکر کو امان دی، اس کے بعد حضرت علیؑ نے حکم دیا کہ کشتوں کو دفن کر دیں اور حاضرین کے ہتھیاروں اور مال و اسباب کو جامع بصرہ میں جمع کرا کے اعلان کرا دیا کہ لوگ اپنا اپنا مال و اسباب لے جائیں، پھر حضرت نے جناب عائشہ کو بارہ ہزار درہم دلوا کر اور بصرہ کی چالیس یا ستر عورتوں کو متعین کرا کے ان کے ساتھ نہایت عزت و حرمت و آرام سے مدینہ روانہ کر دیا اس موقع پر ایک یورپین مورخ نے لکھا ہے کہ "عائشہ کو علیؑ کے ہاتھوں سخت برتاؤ کا خوف ہو سکتا تھا، مگر وہ عالی حوصلہ شخص ایسا نہ تھا جو ایک گرے ہوئے دشمن کو اپنی شان دکھاتا اس نے ان کی عزت کی اور چالیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا (ایرونگ واشنگٹن) حضرت عائشہ کی عمر ہی حضرت علیؑ کی مخالفت میں گزری تھی رسولؐ کی زندگانی میں بھی وہ اپنی ان باتوں سے در گذر نہیں تھیں، ان کے بعد تو کسی کا لحاظ نہیں رہا، یہاں تک کہ علیؑ کے ظاہر طور پر خلیفہ ہو جانے کو نہ برداشت کر کے پوری فوج لے کر مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئیں۔ حضرت علیؑ کو بھی پورا موقع مل گیا تھا اگر چاہتے تو اپنی قدیمی شکایتوں کے عوض ہر طرح ان کو پریشان کرتے مگر دنیا کی کوئی کتاب ایک جملہ بھی نہیں دکھا سکتی کہ حضرت علیؑ نے حضرت عائشہ کو ایک منٹ کے لئے بھی نامناسب برتاؤ کرنے کی شکایت کرنے کا موقع دیا ہو۔ صرف عفو اور درگزری کا جوہر نہیں دکھایا بلکہ عزت و احترام، راحت رسانی، حسن خدمت کے وہ سلوک کئے جن کی گواہی غیر مسلم مورخ بھی دے

رہے ہیں سچ ہے ع گر ہو نبی کے بعد تو ایسا امام ہو۔

جنگ جمل سے حضرت علیؑ فارغ ہی ہوئے تھے کہ معاویہ نے حضرت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا ایک عالم اہلسنت مولوی احسان اللہ صاحب عباسی ساکن گورکھپور (صوبہ متحدہ) نے لکھا ہے پیغمبر خدا کو مرے ہوئے ۲۵ ربرس ہو چکے تھے، ان کے فیض صحبت کا اثر طبیعتوں سے زائل ہو چکا تھا جنگ جمل تک کھینچ کھانچ کر نیک نیتی اور غلط فہمی کو کھپا گیا لیکن اب اس کی گنجائش نہیں رہی، اب صاف طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نیک نیتی کے قدم بہ قدم تھے یعنی دین اور دنیا دونوں کو وہ ساتھ رکھنا چاہتے تھے، وہ یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ امت محمدی پر کوئی نااہل حکمران یا امیر ہو، وہ دین کو دنیا پر مقدم سمجھتے تھے، مسلمانوں کے مقابلے میں وہ تلوار بھی اٹھاتے تھے تو اس لئے کہ بغاوت کا رفع کرنا اور ناسزاؤں کو سزا دینا ضروریات سے تھے، بھلایا برا بس اس کے سوائے اور کوئی فعل وہ ایسا نہ کرتے تھے جو کسی فریق کے نزدیک مذہب کے خلاف یا اخلاقی خوبیوں کے منافی ہوتا مسلمانوں کا دوسرا گروہ ان لوگوں کا مجموعہ تھا جو دنیاوی لذتوں کو مقدم سمجھتے تھے اور دنیا زوز لا یحصل الا بالزور، پر عمل کرنے میں تامل نہ کرتے تھے، یہ گروہ دیکھا دیکھی بڑھتا گیا اور سنت نبوی سے الگ ہو کر شام اور عجم کے سلاطین اور ان کے اراکین کا رنگ پکڑتا گیا، معاویہ اس گروہ کا سردار تھا، اتفاق زمانہ نے اس کو سردار بنایا، یا یوں کہیئے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کا موقع ملا، معاویہ کے بعض ساتھیوں کو مکر کرنے، جھوٹ بولنے اور مسلمانوں کے خون ناحق بہانے میں کوئی تامل نہیں تھا، اور یہاں علی ابن ابی طالبؑ کو بڑی دقت یہ تھی کہ وہ خود کو احکام شرعی کا پابند رکھتے تھے، شروع میں وہ تلوار سے کام نہ لیتے تھے، تلوار جب اٹھاتے تھے کہ معاملہ اختیار سے باہر ہو جاتا تھا اور اس پر بھی ایک دقت یہ تھی کہ ان کے ساتھی بھی کبھی کبھی مسلمانوں کے مقابلے میں تلوار اٹھانے سے رک جاتے تھے، غرض کہ علیؑ کی حالت اپنی خلافت کے زمانہ میں عجیب کشمکش میں تھی اور رسول اللہؐ کے صحابیوں میں کسی نے حضرت علی علیہ السلام کی سی روحانی تکلیف نہیں اٹھائی، لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعہ کو نہایت سخت سمجھتے ہیں لیکن میرے نزدیک حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی حالت کشمکش زیادہ تر ہمدردی کے لائق ہے، اگر واقعہ کربلا کو طاعون سے نسبت دیں، تو حضرت علیؑ کی دقتوں کا عارضۂ سل سے تشبیہ دے سکتے ہیں، بعض کج رائے مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت کی خودرائی ناکامی کا سبب ہوئی لیکن حضرت علیؑ پر خودرائی کا الزام غلط ہے، علم، شجاعت، متانت اور حکمت ان کے حصہ میں تھی خودرائی چہ معنی دارد۔ خودرائی نہیں بلکہ وہ حالات ان کی ناکامیوں کے سبب ہوئے جن کا خلاصہ اوپر بیان کیا گیا'' (تاریخ اسلام مطبوعہ گورکھپور صفحہ ۳۰۵) مختصر یہ کہ معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام سے لڑنے کے لئے اپنی ایک لاکھ بیس ہزار کی فوج مقام صفین میں جمع کی تھی

تو جناب امیرؑ بھی نوے ہزار فوج سے اس کے مقابلے پر چلے، جب حضرتؑ کی فوج لشکر معاویہ کے مقابل پہنچ گئی تو معاویہ نے نہر فرات پر پہلے ہی قبضہ کر کے اس کا پانی حضرتؑ کی فوج پر بند کر دیا، حضرت علیؑ نے معاویہ کے پاس پیغام بھیجا کہ پانی روکنا مناسب نہیں، مگر معاویہ کسی طرح نہیں مانا تو حضرت علیؑ کی فوج نے اصرار کیا کہ حضور اجازت دیں تاکہ ہم لڑ کر پانی لائیں، حضرت دیر تک اپنی فوج کو روکتے رہے کہ شاید معاویہ پانی چھوڑ دے، جب وہ کسی طرح باز نہیں آیا تو مجبوراً حضرت علیؑ نے اپنی فوج کو اجازت دیدی جس نے زور شور سے لڑ کر گھاٹ چھین لیا، اب تو معاویہ بہت گھبرایا کہ پیاس سے اس کا لشکر ہلاک ہوگا مگر اس کے وزیر عمرو عاص نے کہا حضرت علیؑ تمہارے ایسے نہیں ہیں، وہ کنو کریم ہیں وہ ایسا ہرگز نہیں کریں گے معاویہ نے مجبوراً جناب امیرؑ کے پاس درخواست بھیجی کہ ہمارے لشکر پر پانی بند نہ کیا جائے، حضرت کریم ابن کریم رحمۃ للعالمین کے خلیفہ اور ساقی کوثر تھے جواب دیا ہم کسی پر پانی بند نہیں کرتے، تم لوگ مطمئن رہو، اور عام منادی کرادی کہ پانی سب کے لئے حلال ہے، دونوں لشکروں سے جس کو ضرورت ہو لے جائے۔

مسلمانو! خوب غور کرو (سوائے امام حسینؑ کے) دنیا کے کسی شخص نے اپنے دشمن کے ساتھ ایسے رحم و کرم کا نمونہ دکھایا جو حضرت علیؑ کا تم نے سنا؟ تمام ملکوں کی تاریخیں پڑھ جاؤ ہر قوم و ملت کے واقعات دیکھ جاؤ، کوئی بھی ایسی بھی رحم دلی اپنے دشمن کے ساتھ نہیں دکھا سکتا، اس کے بعد بھی حضرت علیؑ نے معاویہ والوں سے جنگ شروع ہونے سے پہلے اپنی فوج کو تاکید کردی تھی کہ جب تک یہ لوگ ابتدا نہ کریں تم ہرگز ان سے جنگ نہ کرنا، کسی بھاگنے والے کا تعاقب نہ کرنا، ان کے مالوں سے کچھ نہ لینا کسی کا راز فاش نہ کرنا، کسی مریض اور بے بدہ کو آزار نہ پہنچانا، کسی زخمی کے ساتھ سختی نہ کرنا، عورتوں کو اذیت نہ پہنچانا، ان کو غیظ و غضب میں نہ لانا اگر چہ وہ تمہارے سرداروں کو سب و شتم کریں کیونکہ ان کی قوتیں کمزور اور ان کی عقلیں ان کے نفوس ضعیف ہیں، عہد رسولؐ میں بھی ہم اسی پر مامور تھے کہ ان سے باز رہیں حالانکہ وہ مشرکہ عورتیں تھیں۔

اپنے قاتل کے بارے میں جناب امیرؑ کی وصیت،

اس وصیت کو بھی یاد کرلو جو حضرت علیؑ نے اپنے قاتل عبدالرحمن بن ملجم کے بارے میں کی، حضرت اگر عام انسانی نفس پائے ہوتے تو یا اس کا ذکر کرتے ہی نہیں یا کرتے تو اس کو اپنے سامنے بلاتے اس کو سخت سزا دیتے اس کی بوٹیاں کٹواتے اور اس کو بدترین ضربت سے ختم کراتے مگر نفس رسولؐ نے کیا کیا، رحمۃ للعالمین کے اس حقیقی جانشین نے کیسے انصاف کو راہ دیا، مسلمانو! سنو اور خوب یاد رکھو کبھی بھولنا نہیں، علامہ طبری وغیرہ مورخین نے لکھا ہے۔

كان علي نهي الحسن عن المثلة وقال يا بني عبد المطلب لا الفينكم تخوضون دماء المسلمين تقولون قتل امير المؤمنين قتل امير المؤمنين الا لا يقتلن الا قاتلي انظر يا حسن ان انا مت من ضربته هذه فاضربه بضربة ولا تمثل

بالرجل فاني سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ایاکم والمثلة لو انها بالکلب الصفور۔

یعنی حضرت علیؑ نے اپنے فرزند امام حسنؑ کو ناک کان کاٹنے سے منع کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اے ہمارے خاندان والے اولاد عبدالمطلب! خبردار تم لوگ مسلمانوں کے خون میں نہ شریک ہونا کہ لگو کہنے ہائے امیر المومنین قتل کر دئے گئے، ہائے امیر المومنین شہید کر دئے گئے، دیکھو سوائے میرے قاتل کے اور کوئی شخص بھی قتل نہ کیا جائے دیکھو اے حسن اگر میں اس ضربت سے مرگیا تو تم بھی ابن ملجم کو ایک ہی ضربت مارنا اور اس کی ناک کان نہ کاٹنا کیونکہ میں نے حضرت رسولؐ اللہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے خبردار تم لوگ کسی آدمی یا جانور کی ناک کان ہرگز نہ کاٹنا اگر چہ وہ کاٹنے والا کتا ہو (تاریخ طبری جلد ۵ / ۸۶) اسی وجہ سے ہمارے رسولؐ نے پیشن گوئی کر دی تھی کہ ہماری امت میں ایسے لوگ بھی ہونگے جو علی کے بالکل خلاف اپنے نفس کی پیروی میں مناسب اور نامناسب کو بالکل نہیں دیکھیں گے ایک بڑے عالم نے لکھا ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا تھا، سیخرج في امتي اقوام تتجاری بهم الأهواء کما یتجاری الکلب بصاحبه قریب ہے کہ میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کے نفس کی خواہشیں ایک دوسرے پر ایسا اثر کریں گی جیسے دیوانے کتے کا کاٹنا اس کے مالک پر اثر کرتا ہے مطلب یہ ہے نفسانی خواہشوں میں پڑ کر آپ بھی ہلاک ہوں گے اور دوسروں کو ہلاک کریں گے۔ نفس ایسی بری بلا ہے کہ خدا کی پناہ جب تک پروردگار کی مدد نہ ہو اس وقت تک نفس مغلوب نہیں ہوسکتا، ایک کتا ایک سور نفس کے ساتھ لگا ہوا ہے کتا تو اس کو لڑنے جھگڑنے، لوگوں کو کاٹنے اور نوچنے کی ترغیب دیتا ہے اور سور کہتا ہے کہ جہاں تک ہوسکے خوب کھا پی لے، عورتوں سے صحبت کر، دنیا کی زندگانی کا یہی مزا ہے، یہ کتے اور سور دونوں ملکر عقل کو جو بادشاہ ہے ایک کونے میں بٹھا دیتے ہیں اور ساری حکومت خود حاصل کر لیتے ہیں، عقل بے چاری ان دونوں کے بھونکنے اور غرانے سے ڈر کر خاموش رہ جاتی ہے، اب اگر اللہ تعالیٰ کی مدد ہوئی تو ان کتوں اور سوروں کو مار پیٹ کر عقل کی بادشاہت پھر قائم کر دیتا ہے، ورنہ آدمی مرتے تک انہیں کتے اور سوروں کی حکومت میں رہتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ (انوار اللغۃ پارہ ۲۲ / صفحہ ۷۶)

مسلمانو! بتاؤ تم نے آنحضرتؐ کے بعد کسی کو بھی پایا جو احکام شریعت کا اتنا سخت پابند ہو کہ تلوار کا وار کھانے اور موت کا وقت پہنچ جانے کے بعد بھی ایڑیاں رگڑتے وقت تک احکام خدا اور رسول کا اس درجہ احترام کرتا ہو کہ اس وقت بھی انصاف کی حد سے بال برابر آگے نہیں بڑھا اور جس طرح اپنی رعایا کے کسی قاتل کے بارے میں خدائی احکام کا لحاظ کرتا ہو بالکل اسی طرح اپنی شہادت کے وقت بھی اپنے قاتل کے متعلق ذرہ برابر تجاوز نہیں کیا، ضربت پڑتے وقت علیؑ نے جو جملہ اپنی زبان پر جاری کیا وہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے فرمایا فزت ورب الکعبة یعنی قسم ہے پروردگار کعبہ کی میں فائز المرام ہوا (روضة

الاحباب) امام حسنؑ سے تو حضرت علیؑ نے وہ فرمایا جو تم نے اوپر سنا اب خود قاتل سے بھی حضرت کی گفتگو سنو فقال علی ؑ بالرجل فادخل علیه ثم قال یا عدو الله الم احسن الیک، قال بلی، قال فما حملک علی هذا قال شحذته اربعین صباحا و سالت الله ان یقتل به شر خلقه فقال علیه السلام لا اراک الا مقتولا به۔۔۔۔۔۔ ضربت پڑنے اور قاتل کے گرفتار ہو جانے کے بعد حضرت علیؑ نے لوگوں سے فرمایا کہ میرے پاس اس شخص کو لاؤ، چنانچہ وہ حضرت کے سامنے حاضر کیا گیا تو حضرت نے اس سے فرمایا، اے دشمن خدا! کیا میں تمہارے ساتھ احسان نہیں کرتا تھا؟ اس نے کہا ضرور احسان کرتے تھے، پھر کیا وجہ ہوئی کہ تم نے ایسی حرکت کی؟ اس نے کہا میں اس تلوار کو چالیس روز تک تیز کرتا رہا ہوں اور خدا سے دعا کرتا تھا کہ اس سے بدترین شخص قتل کیا جائے حضرت علیہ السلام نے فرمایا اب تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ سے تم بھی ضرور قتل کئے جاؤ گے۔ (تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۸۶) یہ ضبط یہ صبر یہ توکل، یہ اطمینان دنیا کا کوئی اور شخص بھی دکھا سکتا ہے کہ حضرت تو اس پر برابر احسان کرتے تھے، مگر اس نے حضرت کو قتل کر دیا پھر بھی حضرت نفس امارہ بالسوء کے تابع نہیں ہوئے بلکہ اسی محبت، اسی شفقت، اسی رحم دلی سے اس سے باتیں کرتے رہے ہیں جس طرح شفیق باپ اپنے شریر بیٹے کی برائیوں پر افسوس کرتا اور اس کے انجام سے اس کو آگاہ کر دیتا ہے حضرت علیؑ کے پہلے بھی جو لوگ قتل کئے گئے ان کے حالات دیکھ جاؤ اور علیؑ کی آخری حالت سے مقابلہ کرو تو تم خود بول اٹھو گے کہ بیشک علیؑ خدا کے ولی اور رسولؐ کے نفس تھے اور یہ باتیں صرف انہیں سے ظاہر ہو سکتی تھیں۔

حضرت رسولؐ خدا کی عبادتوں اور تقویٰ و معرفت کو یاد دلاتے رہنا

مسلمانو! ہم نے قرآن مجید میں کہہ دیا ہے کہ تم لوگ ہماری عبادت کر کے ہم سے کہہ دیا کرو ایاک نعبد اے خدا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں ہم نے یہ بھی کہہ دیا ہے ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ ہم نے جن اور انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ سب ہماری ہی عبادت کریں۔ اس وجہ سے ہمارے رسولؐ کی عبادت، تقویٰ اور معرفت کو زندہ رکھنا بھی نہایت اہم کام اور ضروری فرض تھا، اب دیکھو اس حیثیت سے بھی علیؑ سے اسلام کا کیا تعلق رہا ہے اگر حضرت علیؑ حضرت رسولؐ کی زندہ تصویر نظر آئیں تو تم کو ماننا پڑے گا بے شک علیؑ ہی وہ بزرگ تھے جن میں رسولؐ کی خوبیاں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھیں حضرت کے دنیوی کمالات بھی آپ میں جمع تھے اور حضرت کے دینی فضائل و مناقب کا مجموعہ بھی آپ نظر آتے تھے۔ مولوی شبلی صاحب نے رسولؐ کے متعلق لکھا ہے "ترمذی نے شمائل میں حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے اوقات کے تین حصے کر دیئے تھے ایک عبادت الٰہی کے لئے دوسرا عام خلق کے لئے اور تیسرا اپنی ذات کے لئے (سیرۃ النبی

جلد ۲ رصفحہ ۱۶۶)اب مسلمانوں میں عبادت کی بہت سی صورتیں نظر آتی ہیں تو کسی کو کیونکر معلوم ہو کہ حضرت رسولؐ کس طرح عبادت کرتے تھے؟ صحیح صورت تو ایک ہی ہوسکتی ہے، تو اس کا پتہ کیونکر ملے؟ بس اس کے لئے بھی حضرت علیؑ ہی کی ذات تھی، اگر نہ ہوتے تو کسی کو کیا معلوم ہوتا کہ رسولؐ غسل کیونکر کرتے تھے؟ تیمم کیونکر کرتے تھے، وضو کس طرح کرتے اور نماز کس طرح بجالاتے۔ وضو میں پاؤں پر مسح کرتے یا اس کو دھوتے تھے، نماز ہاتھ چھوڑ کر پڑھتے یا باندھ کر، سورۃ الحمد اور دوسرے سورہ کے پہلے بسم اللہ کہتے تھے یا بسم اللہ کو غائب کردیتے تھے، گھر پر کس طرح نماز پڑھتے اور جنگ میں کس طرح عبادت خدا کرتے، ہر حالت میں دونوں کی رفتار بالکل ایک تھی، مولوی شبلی صاحب نے رسول کے بارے میں لکھا ہے ''عین اس وقت جب دونوں طرف سے فوجیں برسرپیکار ہوتیں، تیروسنان اور تیغ وخنجر کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہورہی ہوتیں اور ہر طرف سے شوروار وگیر برپا ہوتا آپ نہایت خضوع وخشوع اور اطمینان قلب کے ساتھ دعاوزاری اور ذکر الٰہی میں مصروف ہوتے، سپاہی شجاعت کے فخروغرور سے پیشانیوں پر بل ڈالے ہوئے دشمنوں کے مقابلے میں ہوتے لیکن خود سپہ سالار کی پیشانی زمین نیاز پر ہوتی''۔(سیرۃ النبی جلد ارصفحہ ۲۰۹)رسولؐ کے بعد ایسی نماز پھر کسی نے پڑھی؟ کسی نے رسولؐ کی تصویر کھینچی؟ کسی نے رسولؐ کا نمونہ دکھایا؟ ہاں وہ علیؑ ہی تھے جن کی ہر ادا رسولؐ کے مشابہ تھی، مولوی شبلی صاحب کی عبارت تم پڑھ چکے۔ اب دوسرے بڑے عالم اہلسنت مولوی عبیداللہ صاحب امرتسری کا کلام بھی سن لو لکھتے ہیں، قیل قدا، یبسط له نطع بین الصفین لیلة الهریر فیصلي علیه، والسهام وقعت بین یدیه ومررت علی صحاحه یمیناً وشمالاً فلا یرتاع لذالک وما قام حتی فرغ من وظیفته۔ (شرح نہج البلاغہ) روایت ہے کہ صفین کی لیلۃ الہریر میں درمیان دونوں صفوں کے آپ کے لئے نطع بچھائی گئی تھی آپ اس پر نماز پڑھنے لگے اور تیر ان کے سامنے سے آتے تھے اور ان کے کانوں کے پاس سے ہوکر داہنے بائیں نکل جاتے تھے اور جناب امیر علیہ السلام ان سے خوف نہیں فرماتے تھے جب تک کہ اپنے وظائف سے فارغ نہیں ہوئے اور نہ اپنے مقام سے اٹھے، جناب امیرؑ کی کثرت نوافل کا یہ حال تھا کہ علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں، وکانت جبهته کثفنة البعیر بطول سجوده۔ یعنی جناب امیر علیہ السلام کی پیشانی مبارک پر طول سجود سے مثل اونٹ کے ثفنہ کے ہوگئی تھی۔ نماز کے وقت آپ کو اس قدر استغراق ہوتا تھا کہ مطلق ماسوے کا ہوش نہیں رہتا تھا، یہاں تک کہ آپ کو اپنے جسد عنصری سے بے خبری ہوجاتی تھی، چنانچہ مولوی جامی تحفۃ الاحرار میں نماز کے وقت آپ کی محویت کے متعلق ایک روایت بیان کرتے ہیں۔

شیر خدا شاہ ولایت علی صیقل شرک خفی وجلی

روز احد چوں صف ہیجا گرفت	تیر مخالف بہ تنش جا گرفت
غنچہ پیکان بگل او نہفت	صد گل محنت زگل او شگفت
روئے عبادت سوئے محراب کرد	پشت بدرد سرا صحاب کرد
خنجر الماس چو بنہد اختر	چاک بہ تن چوں گلشن ازاختر
طرفہ گلوں غنچہ زنگار گوں	آمد ازاں گلبن احسان بروں
گل گل خونش بمصلا چکید	گفت چو فارغ ز نماز آں بدید
کایں ہمہ گل چیست تہ پائے من	ساختہ گلزار مصلائے من
صورت حالش چو نمودند باز	گفت کہ سوگند بدانائے راز
کز الم تیغ ندارم خبر	گرچہ زمن نیست خبردار تر

(ارجح المطالب صفحہ ۱۲۵)

پس جنگ میں دونوں بزرگوں کی نمازوں کی حالت تھی دوسرے مقام کی نمازیں بھی اسی طرح تھی اور دونوں بزرگوں کی عبادت میں ذرہ برابر فرق نہیں مل سکتا، پہلے وضو کو دیکھ لو۔(۱) ایک صحابی رسولؐ اپنی نماز بے قاعدہ ادا کرتے تھے تو حضرت رسولؐ نے ان سے فرمایا کہ تم میں سے کسی شخص کی نماز کامل نہیں ہوگی جب تک وہ اپنا وضو اسی طرح ٹھیک ٹھیک نہ کرے جیسا خدا نے حکم دیا ہے کہ اپنے منہ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوئے اور اپنے سر اور پاؤں پر ٹخنوں تک مسح کرے (۲) جناب ابن عباس نے قرآن کی آیت وامسحو برؤسکم وارجلکم، کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ پاؤں پر بھی مسح کرے (۳) جناب ابن عباس فرماتے تھے رسول کے بعد لوگوں کو اصرار ہے کہ وضو میں پاؤں دھویا کریں حالانکہ میں قرآن میں تو پاؤں پر مسح ہی کرنے کا حکم پاتا ہوں (۴) جناب ابن عباس نے کہا کہ وضو میں تو دو بدلوں (منہ اور ہاتھوں) کا دھونا اور دو بدلوں (سر اور پاؤں) پر مسح کرنا ضروری ہے (۵) جناب ابن عباس سے روایت ہے کہ خدا نے دو دھونا اور دو مسح کرنا واجب کیا ہے تم نہیں دیکھتے کہ خدا نے تیمم کا ذکر کیا تو دونوں ہاتھوں کے عوض تیمم میں دو مسح کر دیا اور دونوں مسح کو چھوڑ دیا یعنی وضو میں منہ اور ہاتھوں کو دھوتے ہیں، اس کے عوض تیمم میں دونوں پر مسح کرنے کا حکم دیا اور وضو میں سر اور پاؤں پر مسح کرتے ہیں اس وجہ سے تیمم میں نہ سر پر مسح کرنے کا حکم ہے نہ پاؤں پر مسح کرنے کا، اگر وضو میں پاؤں بھی دھونے کا حکم ہوتا تو تیمم میں اس پر بھی مسح کرنے کا حکم ہوتا حالانکہ ایسا نہیں؟(۶) شعبی سے روایت ہے کہ جناب جبرئیل تو پاؤں پر مسح ہی کرنے کا حکم لے کر نازل ہوئے تھے کیا تم نہیں دیکھتے کہ وضو میں جہاں جہاں دھونے کا حکم تھا، تیمم میں صرف وہیں ہاتھ پھیرنے کا حکم ہے اور

وضو میں جہاں جہاں مسح کا حکم تھا وہاں تیمم میں ہاتھ پھیرانے کا حکم نہیں ہوا بلکہ وہ مقامات یوں ہی چھوڑ دیئے گئے ہیں۔(تفسیر درمنثور جلد ۲ رصفحہ ۲۶۲) مطبوعہ مصر وغیرہ (۷) ابومطر سے روایت ہے وہ کہتے تھے کہ ہم لوگ مسجد کے اندر حضرت علی کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص حضرت علیؑ کے پاس آ کر کہنے لگا مجھے حضرت رسولؐ خدا کا وضو دکھا دیجیئے۔ تو حضرت نے قنبر کو پکارا اور فرمایا ایک آب خورہ پانی لاؤ، وہ لائے تو آپ نے دونوں ہاتھ اور منہ کو تین دفعہ دھویا اور اپنی چند انگلیاں منہ کے اندر ڈالیں اور ناک میں پانی ڈالا اور دونوں ہاتھوں کو تین دفعہ دھویا اور ایک دفعہ سر پر مسح کیا پھر دونوں پاؤں پر مسح کیا،(کنز العمال جلد ۵ رصفحہ ۱۰۸ رمطبوعہ ریاست حیدرآباد دکن) اب نمازوں کی حالت بھی دیکھو کہ دونوں بزرگ ایک ہی طرح یہ عبادت انجام دیتے تھے، مطرف بیان کرتے تھے کہ میں اور عمران بن حصین نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو حضرت جب سجدہ کرتے تکبیر کہتے جب سجدہ سے سر اٹھاتے تکبیر کہتے اور جب دونوں رکعتوں سے اٹھاتے تکبیر کہتے جب حضرت علیؑ سلام پھیر چکے تو عمران بن حصین نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا بھائی آج تو حضرت علی نے ہم لوگوں کو حضرت رسولؐ خدا کی نماز پڑھا دی یا یہ کہا کہ آج حضرت علیؑ نے ہم کو حضرت رسول خدا کی نماز یاد دلا دی۔(صحیح بخاری پارہ ۴ رکتاب الصلوۃ صفحہ ۲۴۷) یہی مضمون صحیح بخاری پارہ ۳ رکتاب الصلوۃ صفحہ ۲۳۸) کی حدیث میں بھی ہے جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ عمران بن حصین نے یہ نماز حضرت علی کے ساتھ بصرہ میں جنگ جمل کے بعد پڑھی تھی، فرقہ اہل حدیث کے ایک بڑے پیشوا مولوی حکیم ابو یحیٰ محمد صاحب شاہجہاں پوری نے بھی لکھا ہے، عمران بن حصین نے بصرہ میں جب حضرت علی کے پیچھے نماز پڑھی تو کہنے لگے ہمکو انہوں نے وہ نماز یاد دلا دی جو ہم رسول اللہؐ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، حضرت ابوموسیٰ نے بھی حضرت علیؑ کے پیچھے نماز پڑھ کر ایسا ہی کہا اور یہ بھی کہا کہ ہم لوگ اس کو بھول گئے یا قصداً چھوڑ دیا(کتاب الارشاد مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۵۷) اس سے ثابت ہوا کہ ہمارے رسولؐ کے انتقال کر جانے پر جن لوگوں نے زمام اسلام کو اپنے ہاتھ میں لیا انہوں نے اس نماز تک کو چھوڑ دیا جو حضرت رسولؐ خدا پڑھتے تھے، اور جب حضرت علیؑ نے حضرت رسول خدا کی طرح نماز پڑھی تو صحابہ کو حضرت رسولؐ خدا کی نماز یاد آ گئی، اب قابل غور یہ امر ہے جب نماز ایسی عبادت جو کوئی چھپا ہوا کام نہیں تھا بلکہ رسول اس کو سب صحابہ کے سامنے بلکہ مسجد کے اندر اور عرفات کے میدان میں پڑھتے تھے اس طرح بھلا دی گئی کہ علیؑ کے یاد دلانے پر لوگوں کو یاد آئی تو حضرت کے اور امور کی حفاظت یہ لوگ کیونکر کرتے؟ صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی یاد رکھنے کے قابل ہے عن ابی جحیفة قال قلت لعلي هل عندكم شئي من الوحي الا مافي كتاب الله۔ یعنی ابوجحیفہ نے حضرت علیؑ سے دریافت کیا کہ قرآن مجید کی آیات کے علاوہ بھی وحی کی کچھ چیزیں آپ کے پاس ہیں؟(صحیح البخاری پارہ ۱۲ رکتاب الجہاد

صفحہ ۱۲۵) یہی حدیث پارہ ۲۸ رکتاب الدیات صفحہ ۲۱۵ ر میں بھی ہے اس سے واضح ہوا کہ حضرت علیؑ کو وحی سے ایسی خصوصیت تھی کہ ہمارے رسولؐ کے صحابہ آ کر حضرت سے دریافت کرتے کہ کیا قرآن کے علاوہ بھی آپ کے پاس وحی کا کوئی ذخیرہ ہے؟ لیکن کسی دوسرے صحابی سے لوگوں کا یہ سوال نہیں ہوتا تھا جس سے ثابت ہو کہ اسلام کا ایسا گہرا تعلق جناب امیر علیہ السلام سے بعد وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تھا کہ ہماری وحیوں کا پتہ لوگ علیؑ کے پاس لگاتے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کی وصیتیں

حضرت علیؑ کی وصیتیں بھی پڑھنے بلکہ ایک ایک حرف یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اس سے معلوم ہوگا کہ ان کو خدا کے دربار میں کتنا تقرب حاصل تھا، ان کو تقوے کا کون درجہ حاصل تھا، وہ معرفت الٰہی میں کس درجہ ڈوبے ہوئے تھے آنحضرتؐ کے پہلے جو انبیاء و مرسلین گزرے ہیں ان کے حالات میں بھی ایسی فرشتہ گر وصیتیں نہیں مل سکتیں، پھر صحابہ رسول کا کیا ذکر ہے۔ حق یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے شہادت پر فائز ہونے کے بعد اور دنیا سے انتقال کرنے کے قبل اپنی اولاد کو جو وصیتیں فرمائیں وہ وہ معارف و بصائر کا بحر ذخار اور مواعظ و نصائح کا ایسا خزانہ لازوال ہیں جن کے ایک ایک لفظ سے روح ایمان میں نورانیت پیدا ہوتی اور جن کے ایک ایک حرف سے جوہر اسلام میں جان آتی ہے، خود یہ وصیتیں پکار کر کہتی ہیں کہ حضرت امیر المومنین کی روحانی قوت کتنی اعلیٰ اور آپ کی قلبی طاقت کیسی زبردست تھی اور مرضات الٰہی کے نشر و اشاعت کی کس قدر شدید فکر آپ کو رہتی کہ باوجودیکہ آپ اس تلوار سے زخمی ہو چکے ہیں جو اچھی طرح زہر میں بجھائی گئی تھی (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۱۸۴) اور جس کی تیزی کو خود قاتل ان الفاظ میں بیان کرتا تھا، شحذته اربعين صباحا، کہ میں نے اس تلوار کو چالیس دن تک خوب تیز کیا تھا (طبری جلد ۵ صفحہ ۸۴) اور جو تلوار اور اس کی ضربت ایسی خارق العادت تھی جس کی تصویر خود حملہ کرنے والا ان الفاظ میں کھینچ رہا ہے، واللہ لقد اشتریت بالف و سممته بالف ولو كانت هذه الضربة على جميع أهل المصر ما بقي منهم أحد، یعنی خدا کی قسم میں نے اس تلوار کو ہزار درہم میں خریدا اور ہزار ہی درہم میں زہر آلود بھی کیا ہے اگر میری یہ ضربت تمام اہل شہر پر پڑ جاتی تو ان میں سے ایک شخص بھی جانبر نہیں ہو سکتا تھا (طبری صفحہ ۷۵) جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ تلوار کا وار ہوتے ہی حضرت میں اٹھنے تک کی تاب نہ رہتی بلکہ اسی وقت روح مبارک عالم جاودانی کو پرواز کر جاتی لیکن یہ ہمارے اسی غالب علی کل غالب ہی کی ذات تھی جس نے اس کے بعد بھی دنیائے اسلام میں تین دن تک ہدایت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا اور اس اطمینان قلب اور انشراح ہوش و حواس سے مومنین کی رہبری اور سرداری کا فرض انجام دیتے رہے کہ امور دین میں ذرہ برابر بھی اختلال نظر نہیں آیا ساعت بساعت زہر حضرت کے جسم مبارک میں اپنا اثر تیزی سے کرتا جاتا اور

قلب ودماغ بےکار ہوتے گئے جس کا قہری نتیجہ یہ تھا کہ حضرت کی حالت متغیر ہوتی جاتی تھی ضعف ونقاہت بڑھتا جاتا تھا تمام اعضاء وجوارح جواب دیتے جاتے تھے پھر بھی حضرت بالکل صحت حواس اور درستی ہوش میں اپنے تمام ودائی لوازم کو انجام دیتے رہے، خصوصا آخری حالت میں جو باتیں ارشاد فرمائیں ہیں اور رخصت ہوتے ہوئے جو ہدایتیں بیان فرما گئے ہیں ان پر غور کرنے سے بڑے دماغ والوں پر بھی ایک عجیب عالم حیرت وسکوت طاری ہوجاتا اور انسانی عقلیں پریشان نظر آنے لگتی ہیں کہ کیونکر آپ کے دماغ اور قلب میں اس کی صلاحیت باقی رہی تھی کہ ایسے گوہر شاہوار اور درولائی بیش بہا آپ کے دہن مبارک سے برآمد ہوسکے اسی وجہ سے ہمارے رسولؐ نے وہ مشہور حدیث ارشاد فرمائی تھی ،یا علي ماعرفک الا الله وانا، اے علیؑ تم کو سوائے خدا کے اور میرے کسی نے بھی نہیں پہچانا کہ جب انسان اس حدیث کو یاد کریگا تو حضرت علیؑ کے متعلق اس کی حیرت بالکل زائل ہوجائے گی اس وصیت کے ایک ایک لفظ کو پڑھ جاؤ کسی سے بھی تم کو نہیں معلوم ہوسکتا کہ یہ کلام اس مظلوم کے دہن مبارک سے نکلا ہے جس کے سر مبارک پر تلوار پڑ چکی ہے تلوار بھی معمولی نہیں بلکہ زہر آلود اور چالیس دن تک تیز کی ہوئی اور ایک ہزار درہم کے زہر میں بجھائی ہوئی ہو، کسی حرف سے بھی تو اس کا پتہ نہیں چل سکتا کہ یہ وصیتیں اس ذات اقدس کی زبان سے ادا ہوئی ہیں جس نے زہر آلود تلوار کا زخم کھانے کے بعد دو دن اور دو راتیں شدید ترین اذیت وصعوبت اور کرب وبے چینی میں گزاری تھیں اور اب ضعف ونقاہت کی وجہ سے اپنی عمر کی آخری منزل پر پہنچ گیا ہے، ہم دنیا بھر کے تاریخ دان ، وقائع نگار، علماء، ومورخین اور باخبر وصاحب اطلاع لوگوں سے دریافت کرتے ہیں خواہ وہ ہندو ہوں یا عیسائی ،آریہ ہوں یا یہودی یا پارسی ہندوستان کے ہوں یا ایشیاء کے کسی اور ملک کے ہوں یا یورپ کے ہوں یا افریقہ یا امریکہ کے کہ کسی مقام اور کسی عہد کی تاریخ میں اور کوئی شخص بھی تمہارے علم میں گزرا ہے جس نے اس بے رحمی سے قتل ہونے اور اس درجہ ضعیف نقیہ ہونے کے بعد ایسی نورانی وجامع ہدایت ومخزن معارف ومعدن آثار ربانیہ وصیتیں کی ہوں جن کے ایک ایک حرف سے وہی فصاحت، ایک ایک جملہ سے وہی بلاغت، وہی دبدبہ، وہی شوکت وہی جلالت وہی اطمینان قلب اور وہی قوت دماغ اپنا جلوہ دکھاتی ہو جو کسی اعلیٰ دماغ والے شخص کے لئے دنیا بھر کے آلام وافکار اور صعوبات ومکروہات واذیات سے محفوظ رہنے کے بعد کمال اطمینان سے تخت سلطنت پر متمکن ہونے کے بعد بھی شاید ہی ممکن ہوسکے، کہاں ہیں سواد اعظم کے وہ مسلمان جوان بزرگ کی پیروی میں پڑ گئے جنہوں نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری وقت میں وصیت نامہ لکھے جانے کے لئے قلم ودوات طلب کرنے پر ان کی طرف علی الاعلان ہذیان کی نسبت دیدی تھی اور اتنے بڑے ہادی عالم کی

شفقت مرحمت میں ڈوبی ہوئی فرمائش کو ان الرجل لیھجر (یہ شخص ہذیان بک رہا ہے) کہہ کر چٹکیوں میں اڑا دیا تھا۔!

حالانکہ ہمارے رسولؐ نے نہ تلوار کا زخم کھایا نہ زخمی ہوئے، نہ آپ کا سر مبارک شگافتہ ہوا، نہ آپ کے دماغ تک زہر کا اثر پہنچا، نہ آپ نے اس قسم کی صعوبت برداشت کی، وہ لوگ اسی رہبر اعظم کے حقیقی جانشین بلکہ نفس مبارک کے اس آخری کلام سے ایمان و یقین کا سبق حاصل کریں کہ جب نفس رسولؐ ایسی تڑپ کی زندگی میں ایسا معارف خیز اور بصارت آموز نور ایمان پھیلا رہا ہے تو جس کے ہر کلام کا اصول ہی ہم نے یہ معین کر دیا تھا کہ ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (ہمارے رسولؐ اپنی خواہش سے کوئی کلام نہیں کرتے بلکہ ہم ان پر جو وحی نازل کرتے ہیں وہی تم لوگوں کو سنا دیتے ہیں) موقع پانے کے بعد کیسا کلام ربانی ارشاد فرماتا، مسلمانوں کی آئندہ ہدایت کے لئے فیوض و برکات کا کیسا قیمتی نوشتہ چھوڑ جاتا اور جو وصیت نامہ لکھ جاتا اس سے مسلمانوں کی ہدایت و نجات کے کتنے روشن دروازے کھل جاتے، مناسب ہے کہ تمام مسلمان حضرت امیر المومنینؑ کی وصیتوں کے ایک ایک لفظ کو حفظ کر لیں اور ہر روز اس کا مطالعہ کر کے اپنے زنگ آلود ایمان و اعتقادات کو صیقل کر لیا کریں اگر اہل اسلام صرف انہیں وصیتوں پر کاربند ہو جائیں اور انہیں مختصر ہدایات کو اپنا دستور العمل بنا لیں تو قوی امید ہے کہ ان لوگوں کی فلاح دنیا و دین میں کوئی شبہ اور تردد باقی نہیں رہے گا اور ان کے ہادی و رہنما کا تقرب حاصل کرنے میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہو، جو خوبی اور زور اصل عربی عبارت میں ہے اس کا ہزارواں حصہ بھی اردو ترجمہ میں نہیں پیدا ہو سکتا، اس وجہ سے جو لوگ عربی سمجھ سکتے ہیں وہ تو ان وصیتوں سے پوری معرفت حاصل کر سکتے ہیں مگر جو عربی نہیں جانتے وہ

۱۔ شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے غرائب میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ائتونی بقرطاس اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدی ابدا (یعنی تم لوگ میرے پاس کاغذ لاؤ کہ میں تمہیں وصیت لکھ دوں جس کی وجہ سے تم میرے بعد کبھی جادۂ مستقیم سے منحرف نہ ہو) اس پر حاضرین میں اختلاف ہوا بعض نے کہا وصیت لکھوا لینی چاہئے اور بعض نے (جن میں بڑے [illegible] تھے) کہا کہ آنحضرت پر مرض کا غلبہ ہے حسبنا کتاب اللہ (ہم کو کتاب اللہ بس کرتی ہے) اس پر پیغمبر صاحب نے ناخوش ہو کر سب کو اپنے پاس سے اٹھا دیا، واقعہ قرطاس نے [illegible] مسلمانوں کی بگڑی خلافت کے لئے یک رخی تھی خلافت کے سوائے اور کون سا ایسا ضروری مطلب ہو سکتا تھا؟ مگر جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھیں انہوں نے تو جوش سے اس حسرت کو چٹکیوں میں اڑا دیا اور حرامت کی تاویل یہ کی کہ ہماری ہدایت کے لئے قرآن بس کرتا ہے اور چونکہ اس وقت پیغمبر صاحب کے حواس بجا نہیں تھے، قلم دوات کا لانا کچھ ضروری نہیں خدا جانے کیا کیا لکھوا دیں گے"۔ (امہات الامۃ) اور مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "وفات سے چار دن پہلے (جمعرات کو) آپ نے فرمایا کہ دوات کاغذ لاؤ، میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے بعض صحابہ نے لوگوں کو خطاب کر کے کہا کہ رسول اللہ کو مرض کی شدت ہے "غلبۃ الوجع" اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے جو ہمارے لئے کافی ہے اس پر حاضرین میں اختلاف ہوا بعض کہتے تھے کہ تعمیل ارشاد کی جائے، بعض کچھ اور کہتے تھے، اختلاف اور شور و غل زیادہ ہوا تو بعض نے کہا اھجر استفھموہ خود آپ سے دریافت کرو لوگ جب پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو میں جس مقام پر ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف مجھے بلاتے ہو (سیرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۱۳۷)

صرف ان کے مفہوم پہ نظر رکھیں، حضرت کی وصیتوں کو اہل سنت اور شیعہ دونوں جماعتوں کے محدثین و مورخین نے لکھا ہے یہاں تواریخ اہل سنت کی سب سے زیادہ مشہور اور معتمد علیہ کتاب تاریخ طبری مطبوعہ مصر سے اس کی عبارت نقل کی جاتی ہے اور اس کے مقابلے میں اس کا ترجمہ بھی درج کیا جاتا ہے۔

فدعا حسناً وحسیناً فقال اوصیکما بتقوی الله ولا تبغیا الدنیا وان بغتکما ولا تبکیا علی شئ زوی عنکما واغیثا اللهوف واصنعا للآخرة وکونا للظالم خصماً وللمظلوم ناصراً واعملا بما فی الکتاب ولا تاخذ کما فی الله لومة لائم ثم نظر الی محمد بن الحنفیة فقال هل حفظت ما اوصیت به اخویك قال نعم قال فانی اوصیك بمثله واوصیك بتوقیر اخویك العظیم حقهما علیك فاتبع أمرهما ولا تقطع أمراً دونهما ثم قال اوصیکم به فانه شقیقکما وابن ابیکما وقد علمتما ان اباکما کان یحبه وقال للحسین اوصیك أی بنی بتقوی الله واقام الصلوٰة لوقتها وایتاء الزکوٰة عند محلها وحسن الوضوء فانه لا صلوٰة الا بطهور ولا تقبل صلاة من مانع الزکاة واوصیك بغفر الذنب و کظم الغیظ وصلة الرحم والحلم عند الجهل والتفقه فی الدین والتثبت فی الأمر والتعاهد للقرآن وحسن الجوار والأمر بالمعروف والنهی عن المنکر واجتناب الفواحش۔

آخری وقت میں حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے دونوں بیٹوں امام حسنؑ و حسینؑ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا! میں تم دونوں کو وصیت کرتا ہوں اللہ کے تقوی اور اس امر کی کہ کبھی دنیا کی طرف رخ نہ کرنا اگر چہ وہ تمہارا پیچھا ہی کرے جو چیز تم سے روک دی جائے اس پر رونا نہیں جب بولو حق ہی بولنا، یتیموں پر رحم کھانا، بے کس اور پریشان حال لوگوں کی فریادرسی کرنا آخرت کے سامان میں مشغول رہنا، ظالم کے دشمن ہو جانا، اور ہمیشہ مظلوم کی حمایت کرتے رہنا قرآن مجید پر چلنا اور اس امر کا خیال رکھنا کہ خدا کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی سرزنش تمہیں حق ظاہر کرنے سے روک نہ دے اس قدر فرمانے کے بعد حضرت علیؑ اپنے تیسرے بیٹے جناب محمد ابن حنفیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیوں بیٹا! میں نے جو نصیحتیں تمہارے دونوں بڑے بھائیوں کو ابھی کیں کیا تم نے بھی ان سب کو حفظ کر لیا؟ انہوں نے عرض کی جی ہاں، اس پر پھر حضرت نے ارشاد فرمایا میں تمہیں بھی انہی امور کی تاکید کرتا ہوں، نیز وصیت کرتا ہوں کہ اپنے دونوں بھائیوں کی ہمیشہ عزت واحترام کرنا جن کا تم پر بڑا حق ہے، دیکھو! ان کے ہر حکم کی اطاعت کرنا اور بغیر ان کی اجازت کے کوئی کام نہ کرنا، پھر حضرت امام حسن وحسین علیھما السلام کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا، میں تم دونوں کو بھی ان (محمد ابن الحنفیہ) کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ بھی تمہارا بھائی اور تمہارے باپ کا بیٹا ہے اور تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ اس سے بھی محبت کرتا تھا۔

پھر امام حسینؑ سے فرمایا: اے فرزند! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہنا، وقت پر نماز قائم کرنا، زکوٰۃ کو اس کے وقت اور محل پر ادا کرتے رہنا اور باقاعدہ وضو کرنا کیونکہ بغیر طہارت کے کوئی نماز ہو ہی نہیں سکتی اور جو شخص زکوٰۃ نہیں ادا کرتا ہے اس کی نماز قبول ہی نہیں ہوتی ہے۔ نیز تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ غلطی کرنے والوں کی خطائیں معاف کرنا، غصہ پی جانا، صلہ رحم کرتے رہنا، جاہلوں کی جہالت والی باتوں پر بردباری اختیار کرنا، دین میں تفقہ اسلام کے پابند رہنا، ہر امور میں تحقیق اور غور و فکر کرنا، برابر قرآن مجید کی تلاوت اور اس کی حراست رکھنا، پڑوسی سے اچھا برتاؤ کرتے رہنا، فرائض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انجام دیتے اور ہمیشہ فواحش سے بچتے رہنا۔

فلما حضرته الوفاة اوصی وکانت وصیته:

پھر جب حضرت کی وفات سر پر آ گئی تو یہ وصیت لکھی یا لکھوائی:

بسم الله الرحمن الرحيم. هذا ما اوصى به علي بن ابي طالب علیه السلام اوصى انه يشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبده ورسوله أرسله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون ثم ان صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العلمين لا شريك له وبذلك أمرت وانا من المسلمين ثم اوصيك يا حسن وجميع ولدي وأهلي بتقوى الله ربكم ولا تموتن الا وأنتم مسلمون واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا فاني سمعت ابا القاسم صلى الله عليه وآله وسلم يقول ان صلاح ذات البين أفضل من عامة الصلوة والصيام انظروا الى ذوي أرحامكم فصلوهم يهون الله عليكم الحساب الله الله في الأيتام فلا تعفوا أفواههم ولا يضيعن بحضرتكم والله الله في جيرانكم فانهم وصية نبيكم صلى الله عليه وآله وسلم مازال يوصي به حتى ظننا انه سيورثه والله الله في القرآن فلا يسبقكم الى العمل به غيركم والله الله في الصلاة فانها عمود دينكم والله الله في بيت ربكم فلا تخلوه ما بقيتم فانه ان ترك لم يناظر والله الله في الجهاد في سبيل الله بأموالكم وأنفسكم والله الله في الزكوة فانها تطفئ غضب الرب والله الله في ذمة نبيكم فلا يظلمن بين أظهركم والله الله في أصحاب نبيكم فان رسول الله اوصى بهم والله الله في الفقراء والمساكين فاشركوهم في معايشكم والله الله في ما ملكت أيمانكم الصلاة الصلاة لا تخافن في الله لومة لائم يكفيكم من أرادكم وبغى عليكم وقولوا للناس حسناً كما أمركم الله ولا تتركوا الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر فيولى الأمر شراركم ثم تدعون فلا يستجاب لكم عليكم بالتواصل والتباذل وإياكم والتدابر والتقاطع والتفرق وتعاونوا على البر

والتقوی ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان ان الله شدید العقاب حفظکم الله من أهل بیت وحفظ فیکم ونبیکم استودعکم الله واقرأعلیکم السلام رحمة الله ثم لم ینطق الا بلا اله الا الله حتی قبض رضی الله عنه۔ (تاریخ طبری جلد ۶ رصفحہ ۸۶)

بسم االله الرحمن الرحیم یہ وہ باتیں ہیں جن کی وصیت کی ہے علی ابن ابی طالبؑ نے ، وہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوائے کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ اس کے (پیارے) بندے اور رسولؐ ہیں جن کو اس نے ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس (دین اسلام) کو تمام مذہبوں پر غالب کردے، اگر چہ مشرکوں کو یہ ناگوار ہی ہو پھر یہ کہ میری نماز میری عبادت، میری زندگی، میری موت سب اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اس کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں اس کا حکم ماننے والوں ہی میں ہوں۔

پھر اے حسن میں تم کو اور اپنی تمام اولاد اہل وعیال کو وصیت کرتا ہوں کہ اپنے پالنے والے خدا کا خوف کرنا اور مرتے وقت تک اسلام ہی پر باقی رہنا، اور سب مل کر اللہ کی رسی (دین حق) کو خوب مضبوطی سے تھامے رہنا، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالنا کیونکہ میں نے حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ آپس کا میل ملاپ قائم رکھنا عام طور پر نماز روزہ سے بھی افضل ہے، اور اپنے رشتہ داروں کا خیال کرنا اور ان سے بھلائی کرتے رہنا جس کے عوض میں خدا تم پر قیامت کا حساب آسان کردے گا۔

اور دیکھو! تمہیں خدا کا واسطہ، خدا کی قسم تم لوگ یتیموں کا پورا خیال رکھنا، ان کو منہ تک نہ بنانے دینا اور وہ تمہارے رہتے ہوئے ضائع نہ ہونے پائیں، اور تمہیں خدا کا واسطہ تم کو خدا کی قسم اپنے پڑوسیوں کا لحاظ کرنا کیونکہ وہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت ہیں حضرت رسول خدا برابر ان کے متعلق وصیت فرماتے رہے یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا شاید حضرت ان لوگوں کو ہماری میراث میں بھی شریک کردیں گے اور تمہیں خدا کا واسطہ تمہیں خدا کی قسم قرآن مجید کے مطابق ہی برابر چلتے رہنا، ایسا نہ ہو کہ اس پر عمل کرنے میں تمہارے غیر لوگ تم سے بڑھ جائیں، اور تمہیں خدا کا واسطہ، تمہیں خدا کی قسم نماز کے خوب پابند رہنا کیونکہ یہ تمہارے دین کا ستون ہے اور تمہیں خدا کا واسطہ تمہیں خدا کی قسم برابر خانہ کعبہ کی خبر لیتے رہنا اور جب تک زندہ رہو اس میں کوئی خلل نہ ہونے دینا کیونکہ اگر وہ چھوڑ دیا جائے گا تو اس کی نگرانی نہیں ہوسکتی، اور تمہیں خدا کا واسطہ تمہیں خدا کی قسم، اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے رہنا اور تمہیں خدا کا واسطہ، تمہیں خدا کی قسم زکوٰۃ ضرور نکالتے رہنا کیونکہ یہ خدا کے غضب کو زائل کردیتی ہے اور تمہیں خدا کا واسطہ، تمکو خدا کی قسم، اپنے نبیؐ کے اہل ذمہ لوگوں کا (یعنی ان غیر مسلم قوموں کا جو مسلمانوں کی حفاظت میں رہتی ہیں) برابر خیال رکھنا ایسا نہ ہو تمہارے رہتے ہوئے ان پر کسی قسم کا ظلم ہونے پائے اور تمہیں خدا کا واسطہ، تمکو خدا کی قسم،

اپنے نبیؐ کے ایسا ہی اصحاب کا ادب کرنا کیونکہ آنحضرت نے ان کے حق میں بھی وصیت کی ہے، اور تمہیں خدا کا واسطہ، تم کو خدا کی قسم فقرا و مساکین پر رحم کھانا، انہیں بھی اپنی روزی اور معاش میں تم لوگ شریک رکھنا، اور تمہیں خدا کا واسطہ تم کو خدا کی قسم، اپنے غلاموں اور لونڈیوں پر ترس کھانا، پھر کہتا ہوں کہ نماز نماز، اللہ کے معاملہ میں کسی برا کہنے والے کی ملامت کی پرواہ کرنا، نہ ڈرنا تو خدا بھی تمہیں ہر اس شخص سے بچائے رہے گا جو تمہارے ساتھ برا ارادہ اور تم پر ظلم کرنا چاہے گا، اور ایسا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے جس سے بات کرو میٹھی زبان میں اور جب بولو اچھی سی بات اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو نہ چھوڑنا ورنہ تمہارے برے لوگ تم پر مسلط ہو جائیں گے، پھر تم دعائیں کرو گے مگر وہ قبول نہیں ہوں گی، تمہارا فرض ہے کہ آپس میں میل جول اور لطف و مہربانی سے پیش آیا کرو، اور بے تکلفی، سادگی برتا کرو، اور خبردار ایک دوسرے سے نہ کٹنا اور نہ الگ الگ رہنے کی روش اختیار کرنا، متفرق ہونا، نیکی اور تقوے پر باہم مددگار رہو، گناہ اور زیادتی میں کسی کا ساتھ نہ دو، اور خدا سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے، اے اہلبیت خدا تمہیں محفوظ رکھے اور تم لوگوں میں تمہارے نبیؐ کی حفاظت کرے، میں تمہیں خدا کے سپرد کئے جاتا ہوں اور تمہارے لئے اللہ کی سلامتی اور اس کی رحمت کی دعا کرتا ہوں پھر سوائے کلمہ لا الہ الا اللہ کے کچھ بھی نہیں کہہ سکے اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔

اس وصیت نامہ کے ایک ایک لفظ کو پڑھ جاؤ اور دیکھو کہیں بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس شخص کا کلام ہے جو زہر آلود تلوار کے سخت حملہ سے زخمی ہو کر زمین پر گر چکا اور اب بستر موت پر پڑا ہوا ملک الموت کا انتظار کر رہا ہے قرآن مجید میں مسلمانوں کو جس قدر ضروری احکام دیئے گئے ہیں گویا سب کا جوہر ان وصیتوں میں کھینچ دیا گیا ہے اور جن باتوں کی تاکید ہمارے رسولؐ نے اپنی احادیث میں کر دی تھی ان سب کی اہم مگر مختصر فہرست ان وصیتوں میں درج کر دی گئی ہے (۱) حضرت نے ابتداء جس امر سے کی وہ تقویٰ و پرہیزگاری ہے یہ وہ صفت ہے جس کو ہم نے اپنی کتاب کے بالکل شروع اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات میں ذکر کر دیا ہے کہ ذلک الکتاب لا ریب فیہ ھدی للمتقین۔ (یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، ہدایت ہے ان لوگوں کے لئے جن میں صفت تقویٰ موجود ہو گی) (۲) پھر دنیا پرستی سے نفرت دلائی ہے یہ بھی وہ بات ہے جس سے ہم نے اپنے قرآن مجید کو بھر دیا ہے مثلاً:

ان وعد اللہ حق فلا تغرنکم الحیوۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور۔ (پارہ ۲۲ ر ع ۱۳)

خدا کا وعدہ روز قیامت حق ہے تو اے لوگو دنیا کی زندگانی کے دھوکے میں نہ آ جانا اور نہ خدا کے بارے میں اس (فریبی) شیطان کا دھوکا کھانا۔

(۳)اور ہمیشہ حق کہنا، اس کی تاکید بھی اسلام شروع سے کرتا ہے، (۴) یتیموں پر رحم کرنے کا حکم بھی ہم نے قرآن مجید میں نہایت تاکید سے کر دیا ہے (۵) مصیبت زدہ کی مدد کرنا ہر مذہب کا طرہ امتیاز ہے اسلام نے تو اس کو اور بھی موکد کر دیا ہے (۶) قیامت کے لئے کام کرنا اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنا رسول کا برابر وظیفہ رہا ہے (۷) فرمایا ہے کہ ظالم کے دشمن ہو جانا کس قدر رحم دلی میں ڈوبا ہوا یہ حکم ہے اگر ہر شخص اس پر عمل کرے تو دنیا سے برائیاں بہت حد تک دور ہو جائیں (۸) مظلوم کے مددگار بن جانا اگر دوسرے لوگ بھی اس کا خیال کریں تو طاقتور لوگوں کو کمزور لوگوں پر ہاتھ اٹھانے کی بہت کم ہمت ہوا کرے (۹) قرآن مجید کے مطابق عمل کرنا ہی صراط مستقیم ہے اور اسی پر چل کر انسان اپنی زندگی کو دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب کر سکتا ہے (۱۰) خدا کے بارے میں ملامت کرنے والوں کی سرزنش کی پروا نہ کرنا بھی قرآنی حکم ہے یاد کرو۔

یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومة لائم۔ (پارہ ۶ر ع ۱۲)

اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑا دیتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے سے نہیں ڈرتے۔

(۱۱) امام حسنؑ و حسینؑ سے اس قدر فرمانے کے بعد تیسرے فرزند محمد ابن الحنفیہ سے باتیں کرنی اور ان پر امام حسنؑ و حسینؑ کی اطاعت کرنے اور امام حسن و حسین علیہما السلام کو ان سے محبت پیار کرنے کی تاکید اس قدر مفید ہے کہ اگر وصیت کے اس جملہ پر سب اہل اسلام عمل کریں تو ان کی دنیا بھی بن جائے اور آخرت بھی بچ جائے، کیونکہ سوتیلے بھائیوں میں اکثر نزاع ہوتی ہے اور مقدمہ بازی تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے جس سے دونوں روز بروز بتاہ ہو کر فقر و فاقہ کی مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں (۱۲) نماز کی تاکید کرنی اور بار بار اس کی طرف متوجہ کرنا گویا قرآن مجید کا نمونہ پیش کرنا ہے کہ ہم نے بھی اپنے کلام پاک میں بار بار مسلمانوں کو اس عبادت کی طرف متوجہ کیا ہے (۱۳) حسن وضو کی طرف بھی غالباً اشارہ اس مصلحت سے ہے کہ اس میں لاپرواہی نہ کی جاسکے، کتنے مومنین ہیں کہ حالت صحت میں ہیں اور پانی بھی موجود ہے مگر سہل انگاری یا آسانی کے خیال سے وضو ترک کر کے تیمم کر لیتے اور نمازیں پڑھنے لگتے ہیں حالانکہ بغیر کسی عذر شرعی کے نہ وضو چھوڑنا صحیح ہے اور نہ تیمم درست ہو سکتا ہے (۱۴) پھر زکوٰۃ کی اہمیت بیان کر دینا بھی نہایت ضروری تھا کیونکہ جس قدر زمانہ آگے بڑھتا جاتا ہے لوگ اس ضروری فریضہ کی طرف سے بے پروا ہوتے جارہے ہیں (۱۵) پھر غصہ کو پی جانے اور غیظ اور غضب کے مٹا دینے کی تاکید بھی اخلاق کے نہایت ضروری درس ہیں، غرض اس طرح آخر تک یہ وصیت، اخلاق تدین، اسلام، ایمان، حقائق، معارف وغیرہ کا بے مثل و نظیر دستور العمل ہے جس پر عمل کر کے ہر شخص فرشتہ بن سکتا ہے۔

چوتھا باب

خلفائے ثلاثہ نے تو اسلام کو دور دور پہنچادیا تھا حضرت علی علیہ السلام نے کہاں پہنچایا؟

خدا سے مسلمانوں کا ضروری سوال،

اے خدا! تو نے اسلام سے حضرت علیؑ کا تعلق جس قدر بیان کیا اس کو ہم مسلمان اطمینان سے سنتے رہے، اب ذرا ہم لوگوں کو بھی کچھ بولنے کی اجازت دی جائے، تو نے تصویر کا صرف ایک رخ پیش کر دیا، دوسرا رخ بھی تو دیکھنا اور دکھانا چاہیئے فیصلہ اسی وقت مناسب ہے جب تصویر کے دونوں رخ سامنے کر دیئے جائیں، تو نے حضرت کے بارے میں جو کچھ فرمایا سب صحیح ہے اس میں کسی مسلمان کو ذرہ برابر عذر نہیں اہل اسلام سے کسی شخص کو کچھ بولنے کی گنجائش نہیں، بلکہ کسی صاحب عقل کو ان باتوں میں شک نہیں ہو سکتا لیکن تجھے یہ بھی تو دیکھنا چاہیئے کہ حضرت رسول مقبولؐ کے بعد حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان نے اسلام کو کتنی دور تک پہنچا دیا، حجاز و شام، روم، ایران، افریقہ تک اسلامی جھنڈے لہرانے لگے برخلاف اس کے حضرت علیؑ نے کون ملک فتح کیا؟ کس جگہ اسلام پہنچایا مسلمانوں کی تعداد کتنی کر دی دنیا کے کتنے لوگوں کو اسلام کا کلمہ پڑھا دیا اسلامی سلطنت کو کتنی وسعت دی؟ مسلمانوں کو کس قدر دولت مند کر دیا؟ ان کی خوش حالی کے کتنے اسباب مہیا کر دیئے؟ زبان سے کوئی کچھ نہ کہے مگر ہر مسلمان دل سے یہ مانتا ہے کہ حضرت علیؑ اپنے عہد حکومت میں بالکل ناکامیاب رہے آپ کی حکومت قائم ہوتے ہی بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو آپ کی زندگی بھر قائم رہا اگر چہ ان سب میں قصور مسلمانوں ہی کا تھا مگر کہا تو یہی جائے گا کہ حضرت علیؑ اپنے زمانۂ سلطنت میں نہ خود کوئی ترقی کر سکے، نہ اسلام کو ترقی دے سکے، نہ مسلمانوں کو آرام پہنچا سکے، نہ ان کی دولت بڑھا سکے نہ ان کی خوش حالی زیادہ کر سکے، نہ ان کی پارٹی بندی توڑ سکے نہ اپنے مخالفین کی جمعیت پراگندہ کر سکے نہ باغیوں کو زیر کر سکے، نہ غیر مسلموں پر اپنا رعب قائم رکھ سکے نہ کافروں سے اسلام کا کلمہ پڑھوا سکے۔

مسلمانوں کو خدا کا جواب،

ہمارے پیارے مسلمانو! تم لوگ خوشی سے اپنے خیالات ظاہر کرو، جو چاہو بولو، جو دل میں آئے بے تکلف کہہ دو، ہم خوشی

سے سننے پر آمادہ ہیں، ہم کو کسی شخص کی طرفداری کرنے کی وجہ ہی نہیں ہے ہم ہی نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کو بھی پیدا کیا اور ہم ہی حضرت علیؑ کے خالق بھی ہیں، پھر ہم ان لوگوں کے درمیان کیوں فرق کرنے لگے؟ بہ حیثیت خالق ہم سب کو اپنا ہی سمجھتے ہیں اور بہ حیثیت مخلوق وہ سب ہمارے ہی ہیں یہ تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہم صرف حضرت علیؑ کے خالق ہیں اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کے نہیں ہیں، جس طرح ایک باپ کے چار بیٹے ہوں اور باپ سب کو اپنی اولاد سمجھتا ہے اسی طرح یہ چاروں ہمارے ہی پیدا کئے ہوئے ہیں اور ہم سب کو اپنا بندہ سمجھتے ہیں، تم لوگوں نے ابھی جو کہا اس کو ہم نے اچھی طرح سن لیا، لیکن جب ہم سے پوچھا ہے تو ہمارا بیان بھی ٹھنڈے دل سے سن لو اور یقین کرو کہ ہم خلاف حق کچھ نہ کہیں گے نہ کسی کلام میں کسی قسم کا مبالغہ کریں گے نہ کسی کی بے وجہ مدح کریں گے اور نہ کسی کی بے سبب حمایت کریں گے اب ذرا انصاف سے کام لو، ہمارا جواب سننے کے پہلے اسی کتاب اعجاز الولی کے (صفحہ ۵۸ سے ۶۳) تک میں مصر کے مشہور عیسائی مصنف علامہ جرجی زیدان ایڈیٹر رسالہ الہلال و مصنف کتاب التمدن الاسلامی کی وہ عبارت پڑھ لو جو اس نے حضرت علیؑ کے بارے میں لکھی ہے، اس عیسائی مصنف کو حضرت علیؑ سے کوئی خصوصیت تھی نہ خلفاء ثلاثہ سے کوئی عداوت ہو سکتی تھی وہ تو اسلام ہی سے باہر تھا، وہ اگر اپنے مذہب کی وجہ سے کچھ لکھنے پر مجبور تھا تو سب کو برا ٹھہراتا، بلکہ حضرت علیؑ کے خلاف اور زیادہ زہر اگل سکتا تھا، کیونکہ جانتا تھا کہ حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے چچازاد بھائی اور ہم خاندان اور داماد بھی تھے اور آپس کے برتاؤ سے دو قالب ایک روح تھے، ہر عیسائی کو حضرت رسولؐ سے ہی زیادہ نفرت ہوتی ہے اسی طرح اس مصنف کو بھی آنحضرتؐ اور ان کے ساتھ حضرت علیؑ سے زیادہ مخالفت ہونی چاہیے باوجود اس کے اس نے جو کچھ لکھ دیا اس کو پھر پڑھو اور بار بار پڑھتے رہنا، اس کے بعد اپنے سوالات کا جواب ہمارے قرآن مجید سے پوچھو، ہم نے قرآن مجید میں سب کہہ دیا ہے کچھ چھوڑا نہیں ہے صاف کہہ دیا ہے کہ:

وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو ويعلم ما في البر والبحر وما تسقط من ورقة الا يعلمها ولا حبة في ظلمات الارض ولا رطب ولا يابس الا في كتاب مبين۔ (پارہ ۷، ع ۱۳)

اور اسی (خدا) کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ خشکی و تری میں ہے اس کو بھی وہی جانتا ہے، اور کوئی پتا تک درختوں سے نہیں گرنے پاتا مگر وہ اس کو معلوم رہتا ہے اور زمین کے اندھیروں کے پردوں میں جو دانہ ہو اور دنیا کی تر و خشک چیزیں سب ہی تو کتاب واضح میں لکھی ہوئی موجود ہیں۔

بس تم لوگ بھی اپنے خیالات مذکورہ کو قرآن مجید ہی پر پیش کرو اسی سے تمہاری تشفی ہو جائے گی مگر شرط یہ ہے کہ تم بھی انصاف سے کام لو، تم قرآن مجید کی باتوں میں غور و فکر کرو تم چاروں صاحبوں کے حالات کو قرآن مجید ہی کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کرو اور بے جا حمایت سے بالکل الگ ہو کر فیصلہ کرو تم جانتے ہو ان چاروں صاحبوں کے خلیفہ ہو جانے سے پہلے ہی

ہم قرآن مجید کو نازل کر چکے تھے اور اس کی کوئی آیت وفات رسولؐ کی بعد نازل نہیں ہوئی، یہ کتاب مسلمانوں کا بہترین دستور العمل ہے، بس قرآن مجید جس کی مدح کرے تم بھی اسی کے مداح بنو، اور قرآن جس کی مذمت کرے اس کو تم لوگ بھی اپنی نظروں سے گرادو، جس طرح ہم مسلمانوں کے ۷۳ رفرقوں سے کسی خاص فرقہ سے بے وجہ طرف دار نہیں سمجھے جاسکتے، اسی طرح ہمارا قرآن مجید بھی کسی فرقہ کسی مسلمان بلکہ کسی شخص کی بے سبب حمایت نہیں کرسکتا کیونکہ اس کا ایک ایک لفظ ہمارا ہی ہے تم لوگ جانتے ہو کہ ان چاروں صاحبوں سے بہت پہلے ہمارے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر گزر چکے تھے، جن میں بعض پیغمبروں کا تذکرہ ہم نے قرآن مجید میں بھی کر دیا ہے ذرا ان پیغمبروں کے حالات قرآن مجید میں پڑھ کر ان کے متعلق بھی اپنی رائیں ظاہر کرتے چلو۔

مسلمانو! تم لوگوں نے ایک بہت ضروری بحث چھیڑ دی اور نہایت اہم باتیں دریافت کی ہیں ہم تمہاری مدد کرتے ہیں، تمہارے ان سوالات پر اپنی خوشی کا اعلان کرتے ہیں بلکہ تمہارے شکر گزار ہیں کہ ہمارے بیانات پر تمہارے دماغ میں جو اعتراضات پیدا ہو سکے ان کو تم لوگوں نے بے تکلف ہم سے بیان کر دیا، خدا تم لوگوں کو جزائے خیر دے، اس وجہ سے قرآن مجید کی آیتوں کو بھی تم لوگ اطمینان سے دیکھ کر خود ہی فیصلہ کرتے چلو پہلے حضرت نوحؑ کا حال سنو:

لقد ارسلنا نوحاً الی قومه فقال یا قوم اعبدوالله مالکم من الٰهٍ غیره انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم قال الملأ من قومه انا لنراك فی ضلٰلٍ مبین قال یا قوم لیس بی ضلالة ولکنی رسول من رب العالمین ابلغکم رسالات ربی وانصح لکم واعلم من الله مالا تعلمون أوعجبتم ان جاء کم ذکر من ربکم علی رجل منکم لینذرکم ولتتقوا ولعلکم ترحمون فکذبوه فانجیناه والذین معه فی الفلك واغرقنا الذین کذبوا بآیاتنا انهم کانوا قوماً عمین (پارہ ۸، ع ۱۸)

البتہ ہم نے نوح پیغمبر کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا بھائیو! اللہ تعالیٰ کو پوجو اس کے سوائے کوئی تمہارا سچا معبود نہیں، اگر تم اور کسی کو پوجو گے تو مجھ کو تم پر بڑے دن کے عذاب (یعنی قیامت کے دن یا طوفان کے دن کا ڈر ہے۔ مگر ان کی قوم کے سردار کہنے لگے ہم تو بے شک سمجھتے ہیں تم کھلی گمراہی میں ہو، بھائیو! میں تو گمراہ نہیں ہوں، مجھ میں گمراہی کی کونسی بات ہے؟) البتہ اس ذات کا بھیجا ہوا ہوں جو سارے جہان کا مالک ہے میں تم کو اپنے مالک کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری بھلائی چاہتا ہوں، تمہارا سچا خیر خواہ ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے کیا تم کو اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے مالک کا ارشاد تم ہی میں سے ایک مرد کی زبان پر تم کو پہنچا اس لئے کہ وہ تم کو اس کے عذاب سے ڈرائے اور اس لئے کہ تم گناہوں سے بچو اور اس لئے کہ تم پر رحم ہو؟ آخر نوحؑ کی قوم نے ان کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی

میں بیٹھے تھے بچا لیا، اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ڈبو دیا کیونکہ وہ اندھے لوگ تھے۔

مسلمانو! ان آیات کو تم نے دیکھا؟ ایک طرف حضرت نوحؑ ہیں، دوسری طرف ان کی قوم ہے، بتاؤ کیا حضرت نوحؑ اپنی قوم کی ہدایت کرنے میں کامیاب ہوئے؟ ضرور کہو گے کہ نہیں بلکہ بالکل ناکامیاب، اب بتاؤ! اس میں قابل الزام کون ہے؟ حضرت نوحؑ یا ان کی قوم؟ حضرت بچ گئے اور ان کی قوم ڈوب گئی تو حضرت نوحؑ کے بارے میں بھی وہی کہو جو حضرت علیؑ کے بارے میں ابھی بیان کیا ہے "کہ حضرت علیؑ اپنے عہد حکومت میں بالکل ناکامیاب ہو گئے، اگرچہ سب میں قصور مسلمانوں ہی کا تھا مگر کہا تو یہی جائے گا کہ حضرت علیؑ باغیوں کو نہیں زیر کر سکے" اب حضرت علیؑ کی جگہ حضرت نوحؑ کا نام رکھ کر اپنے اعتراض کو دہراؤ کہ "حضرت نوحؑ اپنی پیغمبری میں بالکل ناکامیاب ہو گئے اگرچہ ان سب میں قصور ان کی قوم ہی کا تھا مگر کہا تو یہی جائے گا کہ حضرت نوحؑ اپنی قوم کو زیر نہیں کر سکے، اپنی قوم کی ہدایت نہیں کر سکے، اپنی قوم کو سمجھا نہیں سکے، اپنی قوم کو بچا نہیں سکے، حضرت نوحؑ کی قوم کے سردار پوری طرح کامیاب ہوئے کہ وہ جن لوگوں کے سردار تھے وہ لوگ ان کے ساتھ رہے، ان کی باتیں مانتے رہے، ان کی اطاعت کرتے رہے، ڈوب گئے مگر اپنے سرداروں کو نہیں چھوڑا، غرق ہو گئے مگر اپنے سرداروں سے منہ نہیں موڑا، ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے لیکن اپنے سرداروں سے الگ نہیں ہوئے، اس وجہ سے حضرت کی قوم کے ڈوبنے والے سردار تو قابل مدح ہیں اور حضرت نوحؑ قابل اعتراض ہیں؟! کر تو تجھے اور انجام کار کی وجہ سے کوئی شخص قابل مدح اور کوئی قابل ذم ہو سکتا ہے تو تم لوگ حضرت نوحؑ پر بھی اعتراض اور ان کی قوم کے سرداروں کی مدح کرو ہم نے حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کے بارے میں جو فیصلہ کیا وہ بھی قرآن مجید میں ذکر کر دیا ہے اس کو دیکھو اور اس سے اپنا جواب بھی حاصل کر لو۔

ولقد ارسلنا نوحاً الیٰ قومه فلبث فیهم الف سنة الا خمسین عاماً فاخذهم الطوفان وهم ظالمون فانجیناه واصحاب السفینة وجعلناها آیة للعالمین۔ (پارہ ۲۰ ع ۱۴)

اور ہم نے نوحؑ کو ان کی طرف بھیج چکے ہیں وہ پچاس کم ہزار برس تک ان میں رہے ان کو سمجھایا لیکن ان کی قوم والے نہیں مانے آخر طوفان نے آ دبایا اور وہی لوگ ظالم تھے، اور ہم نے نوحؑ کو بچا دیا اور جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے ان کو بھی بچا دیا اور ہم نے اس کشتی کو سارے جہان کے لئے خدا کی قدرت کی ایک نشانی بنا دی۔

لطف یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کا بیٹا بھی باپ کا نافرمان تھا وہ اس کو سمجھاتے رہے مگر سمجھانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔

ونادی نوح ربه فقال رب ان ابنی من اهلی وان وعدك الحق وانت احکم الحاکمین قال یا نوح انه لیس من اهلك انه عمل غیر صالح فلا تسئلن ما لیس لك به علم انی اعظك ان تکون من الجاهلین (پارہ ۱۲ ع ۴)

اور نوحؑ نے اپنے مالک کو پکارا اور کہا اے مالک! آخر کو میرا بیٹا میرے ہی گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ بے

شک سچا ہے اور سب حاکموں میں تو بڑا حاکم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوحؑ وہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے اس کے گن اچھے نہیں تو جو بات تم کو معلوم نہیں (جس کی حقیقت تم نہیں جانتے) وہ مجھ سے مت مانگو میں تم کو نادانوں میں شریک ہونے سے ڈراتا ہوں۔

کیوں مسلمانو! بتاؤ تو حضرت نوحؑ کیسے پیغمبر تھے کہ اپنے بیٹے تک کو نہیں سمجھا سکے؟ اپنے فرزند تک کو اچھی طرح تعلیم نہیں دے سکے، اپنے پارۂ جگر تک کو ڈوبنے سے نہیں بچا سکے؟ کیا تم یہی جواب دو گے کہ سارا قصور حضرت نوحؑ ہی کا تھا؟ کہ وہ کیوں ناکامیاب ہو کر رہ گئے۔

اب ذرا حضرت ہودؑ کے حالات بھی پڑھ کر بتاؤ کہ وہ اپنے فرائض میں کامیاب ہوئے یا نہیں اگر نہیں تو ان کی ناکامیابی کی وجہ کیا تھی؟

والی عاد اخاهم هوداً قال یا قوم اعبدالله مالکم من اله غیره أفلا تتقون قال الملأ الذین کفروا من قومه انا لنراك فی سفاهة وانا لنظنك من الکاذبین قال یا قوم لیس بی سفاهة ولکنی رسول من رب العالمین ابلغکم رسالت ربی وانا لکم ناصح وأمین او عجبتم ان جاء کم ذکر من ربکم علی رجل منکم لینذرکم واذکروا اذجعلکم خلفاء من بعد قوم نوح وزاد کم فی الخلق بصطة فاذکرو الآء الله لعلکم تفلحون .قالوا أجئتنا لنعبدالله وحده ونذر ما کان یعبداء بآء نا فأتنا بما تعدانآ ان کنت من الصدقین قال قد وقع علیکم من ربکم رجس وغضب أتجادلوننی فی اسماءٍ سمیتموها انتم وءبآء کم مانزّل الله بها من سلطن فأنتظروا انی معکم من المنتظرین.فانجینٰه والذین معه برحمة منا وقطعنادابر الذین کذبوا بأٰیٰتنا وما کانوا مؤمنین۔ (پارہ۸/ع۱۶)

اور ہم نے قوم عاد کی طرف حضرت ہودؑ کو بھیجا انھوں نے کہا بھائیو! اللہ تعالیٰ کو پوجو اس کے سوائے کوئی تمہارا سچا معبود نہیں، کیا تم اس کے عذاب سے نہیں ڈرتے ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے ہم تو بے شبہ سمجھتے ہیں کہ تو احمق ہے اور ہم بے شک خیال کرتے ہیں کہ جھوٹا ہے (جو کہتا ہے میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں) حضرت ہود نے کہا بھائیو! میں احمق نہیں ہوں بلکہ اس خدا کا بھیجا ہوا ہوں جو سارے جہاں کا مالک ہے میں تم کو اپنے مالک کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا خیر خواہ ایمان دار دوست ہوں، کیا تم کو اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے مالک کا ارشاد تم ہی میں سے ایک مرد کی زبان پر تم کو پہنچا اس لئے کہ وہ تم کو اس کے عذاب سے ڈرائے اور تم اللہ تعالیٰ کا وہ احسان یاد کرو جب نوحؑ کی قوم کے بعد تم کو ان کا جانشین کیا اور بدن کا پھیلاؤ بھی تم کو زیادہ دیا، تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تمہارا بھلا ہو یا تم مراد

کو بھیجا، حضرت ہودؑ کی قوم نے کہا کیا تو اس لئے ہمارے پاس آیا کہ ہم اکیلے ایک خدا کو پوجنے لگیں اور ہمارے باپ دادا جن بتوں کو پوجتے تھے ان کو چھوڑ بیٹھیں؟ لہٰذا اگر تو سچا ہے تو جس عذاب سے ہم کو ڈراتا ہے وہ لے آ، حضرت ہودؑ نے جواب دیا، تمہارے مالک کا عذاب اور غضہ تو تم پر آ چکا یعنی اب اس کے آنے میں شک نہیں، کیا تم مجھ سے ان ناموں میں جھگڑتے ہو جو نام ہی نام ہیں حقیقت میں کچھ نہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے گڑھ لئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی سند نہیں اتاری، بھلا تو ٹھہرے رہو میں بھی تمہارے ساتھ ٹھہرا ہوں آخر ہم نے حضرت ہودؑ کو اور ان کے ساتھ ایمان والوں کو اپنی مہربانی سے بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کی جڑ یا بنیاد ہی کاٹ دی اور وہ کبھی ایمان لانے والے نہ تھے۔

بھلا سمجھاؤ تو حضرت ہودؑ کے بارے میں کیا کہو گے؟ کیا ان میں رسالت کی قابلیت نہ تھی؟ کیا وہ پیغمبر بنائے جانے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے؟ ان کی قوم نے ان کا کہنا نہیں مانا تو اس کی وجہ سے حضرت ہودؑ پر الزام قائم کرو گے کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکے؟ وہ اپنی قوم کی ہدایت نہیں کر سکے؟ وہ اپنی کوششوں میں فائز المرام نہیں ہو سکے؟ انہوں نے اتنی بڑی جماعت پر قبضہ نہیں رکھا؟ وہ اس کثرت سے لوگوں کو اپنا طرفدار نہیں بنا سکے؟ وہ ان کو سیدھی راہ پر نہیں لا سکے؟ اس وجہ سے انہیں کی شکایت کرنی چاہیے انہیں کا قصور ماننا چاہیے انہیں کو مورد الزام دینا چاہیے انہیں پر افسوس کرنا چاہیے کہ ہائے انہوں نے جو چاہا وہ دھوکا، انہوں نے اپنی قوم کے لئے جو بھلائی چاہی وہ بھلائی اس کو نہیں پہنچا سکے جب وہ اپنی قوم کو نہیں سدھار سکے تو دوسروں کو کیا بنا سکتے تھے؟ غرض شاگردوں کا قصور نہیں بلکہ استاد ہی میں عیب تھا، سیاہی کی خطا نہیں سرداری کا نقص تھا اسی کو سرداری کرنی نہیں آتی تھی اسی وجہ سے لوگوں نے ان کی سرداری مانی ہی نہیں؟

اب قرآن مجید میں حضرت صالحؑ کا تذکرہ بھی پڑھو اور دیکھو وہ اپنے فرائض میں کس حد تک کامیاب ہو سکے:

والی ثمود اخاھم صالحا قال یا قوم اعبدوا اللہ ما لکم من الہ غیرہ قد جاء تکم بینة من ربکم ھذہ ناقة اللہ لکم آیة فذروھا تاکل فی ارض اللہ ولا تمسوھا بسوء فیاخذ کم عذاب الیم واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد وبوأکم فی الارض تتخذون من سھولھا قصورا وتنحتون الجبال بیوتا فاذکروا آلاء اللہ ولا تعثوا فی الارض مفسدین قال الملأ الذین استکبروا من قومہ للذین استضعفوا لمن آمن منھم تعلمون ان صالحا مرسل من ربہ قالوا انا بما ارسل بہ مؤمنون قال الذین استکبروا انا بالذی آمنتم بہ کافرون فعقروا الناقة وعتوا عن أمر ربھم وقالوا یا صالح ائتنا بما تعدنا ان کنت من المرسلین فاخذتھم الرجفة فاصبحوا فی دارھم جاثمین فتولی عنھم وقال

یاقوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی ونصحت لکم ولکن لا تحبون الناصحین۔ (پارہ۸/ع۱۷)

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف حضرت صالح پیغمبر کو بھیجا، انہوں نے کہا بھائیو! اللہ تعالیٰ کو پوجو اس کے سوائے کوئی تمہارا سچا معبود نہیں ہے، تمہارے پاس تو ایک نشانی بھی تمہارے مالک کی طرف سے آچکی، یہ خدائے پاک کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی ہے تو اس کو چھٹی ہوئی پھرنے دو اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی اور چرتی رہے اور برائی سے اس کو ہاتھ نہ لگاؤ ورنہ تم کو دکھ کا عذاب آن پکڑے گا، اور خدا کا وہ احسان یاد کرو جب تم کو عاد کے بعد ان کا جانشین بنایا اور تم کو زمین میں بسایا، تم اس کی نرم مٹی سے اینٹیں بنا کر محل کھڑا کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور ملک میں فساد نہ پھیلاؤ، خدا کی مخلوق کو مت ستاؤ، حضرت صالح کی قوم میں جو سردار متکبر تھے وہ ان لوگوں سے جو غریبوں میں ایمان لائے تھے پوچھنے لگے کیا تم کو معلوم ہے کہ صالح پروردگار کا بھیجا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا بے شک صالح جو دے کر بھیجے گئے ہیں ہم کو تو اس پر یقین ہے وہ متکبر کہنے لگے ہم تو جس پر تم ایمان لائے ہو اس کو نہیں مانتے، آخر انہوں نے اونٹنی کاٹ ڈالی اور اپنے پروردگار کے حکم کو نہ مانا اور کہنے لگے اے صالح اگر تو پیغمبر ہے تو وہ عذاب ہم پر لے آنا جس کو ہم کو ڈراوا دکھاتا تھا، پھر نیچے سے ان کو بھونچال نے آدبایا اور اوپر سے کڑک شروع ہوئی صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے مرے پڑے تھے، تو حضرت صالح نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے بھائیو! میں نے تم کو اپنے مالک کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ تو اپنے خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے۔

کیوں مسلمانو! انصاف سے بولو! اب تم حضرت صالحؑ کے بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہو؟ وہ اپنے کام میں کامیاب ہوئے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئے تو کیوں؟ کیا ان کی قوم بے قصور تھی؟ کیا وہی بے خطا تھی؟ کیا حضرت صالح ہی کا قصور تھا؟ کیا حضرت صالح ہی پیغمبری کے لائق نہیں تھے؟ کیا اس ناکامی کا الزام انہیں کو دو گے؟ کیا انہیں پر اعتراض کرو گے کہ وہ کیوں نہیں اپنی قوم کو زبردستی ہدایت کے راستے پر لگا رہے؟ کیوں نہیں اپنی قوم کے درست کرنے میں کامیاب ہوئے کیوں نہیں ان کی قوم ان پر ایمان لائی؟ کیوں وہ سب ان کو جھٹلاتے رہے، حضرت لوطؑ کے حالات بھی یاد کرو، وہ اپنی قوم کو سمجھا کر تھک گئے مگر کسی نے ان کی بات نہ مانی نتیجہ کیا ہوا۔

وما کان جواب قومہ الا ان قالوا اخرجوھم من قریتکم انھم اناس یتطھرون فانجیناہ واھلہ الا امرأتہ کانت من الغابرین وأمطرنا علیھم مطراً فانظر کیف کان عاقبۃ المجرمین۔ (پارہ۸ع۱۷)

حضرت لوط کی قوم نے بس یہی جواب دیا کہنے لگے لوط اور اس کے لوگوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کردو، یہ لوگ پاکیزہ اور مقدس بننا چاہتے ہیں، پھر ہم نے حضرت لوط اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا، صرف ان کی بی بی رہنے والوں میں رہ گئی

اور ہم نے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا تو اے پیغمبر تم بھی دیکھ لو کہ گنہگار لوگوں کا کیا انجام ہوا اور وہ کس طرح تباہ و برباد ہوئے۔

یہاں بھی ہمارا وہی سوال ہے کہ حضرت لوطؑ اپنی قوم کو بہت کچھ سمجھاتے رہے مگر وہ نہ مانی تو حضرت لوطؑ کیا کر لیتے؟ اور ان کے اختیار میں سوائے تعلیم، ارشاد اور نصائح کے تھا ہی کیا؟ یہاں تو حضرت لوطؑ اپنی بی بی تک کو راہ راست پر لانے میں کامیاب نہ ہو سکے تو کیا اس ناکامیابی کا الزام بھی تم لوگ حضرت لوطؑ ہی کو دو گے؟ یہ دیکھو گے کہ انہوں نے سمجھانے میں کوئی کمی کی یا نہیں؟ یہ دیکھو گے کہ وہ نتیجہ میں کامیاب ہو سکے یا نہیں؟ انسان کو صرف کوشش اور جدوجہد کرنے کا اختیار ہے حسن تدبیر قدرت ہے اخلاص عمل اس سے مطلوب ہے بیادہ اس کے نتیجے کا بھی ذمہ دار ہو سکتا ہے۔

اب حضرت شعیبؑ کا تذکرہ بھی سنو، انہوں نے کس کس طرح اپنی قوم کو سمجھایا اور راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے رہے مگر نتیجہ کیا ہوا؟

والی مدین اخاھم شعیبا قال یا قوم اعبدوا اللہ ما لکم من الہ غیرہ قد جاءتکم بینۃ من ربکم فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا ذلکم خیر لکم ان کنتم مؤمنین قال الملأ الذین استکبروا من قومہ لنخرجنک یا شعیب والذین آمنوا معک من قریتنا او لتعودن فی ملتنا قال اولو کنا کارھین قد افترینا علی اللہ کذبا ان عدنا فی ملتکم بعد اذ نجانا اللہ منہا وما یکون لنا ان نعود فیہا الا ان یشاء اللہ ربنا وسع ربنا کل شیء علما علی اللہ توکلنا ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین وقال الملأ الذین کفروا من قومہ لئن اتبعتم شعیبا انکم اذا لخاسرون فاخذتھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جاثمین الذین کذبوا شعیبا کان لم یغنوا فیہا الذین کذبوا شعیبا کانوا ھم الخاسرون۔ (پارہ ۹ ر ۱)

اور ہم نے مدین (جو ایک شہر تھا، یا قبیلہ یا شخص) والوں کی طرف حضرت شعیبؑ کو بھیجا جو ان کے بھائی تھے انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوائے کوئی سچا معبود نہیں، تمہارے پاس تو تمہارے مالک کی طرف سے ایک نشانی آ چکی ہے تو ناپ تول پوری کرو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں نقصان نہ دو اور جب ملک سنور گیا تو اب اس میں خرابی مت مچاؤ، اگر تم ایماندار ہو تو ان باتوں پر عمل کرنا تمہارے حق میں بہتر ہے اور ہر رستے پر بیٹھ کر جو لوگوں کو ڈراتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے اس پر ایمان لانے والوں کو روکتے ہو اور اللہ کی راہ کو ٹیڑھی کرنی چاہتے ہو تو آئندہ اس طرح مت بیٹھو اور خیال کرو تم کتنے تھوڑے سے تھے پھر اللہ نے تم کو بہت کر دیا اور یہ بھی دیکھو کہ فسادیوں کا انجام کیسا ہوا کس طرح تباہ و برباد ہو گئے۔ ان باتوں پر ان کی قوم کے سردار متکبر کہنے لگے اے شعیبؑ ہم تم کو اور جو تیرے ساتھ ایمان لائے ان سب کو اپنی بستی سے ضرور

نکال باہر کردیں گے یا پھر تم ہمارے دین میں آجاؤ حضرت شعیب نے کہا بھلا اگر ہم اس کو برا سمجھتے ہوں؟ اللہ نے ہم کو تمہارے دین سے نجات دی، اگر پھر ہم تمہارے دین میں آجائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور ہم تمہارے دین میں تو آہی نہیں سکتے، ہمارے مالک کا علم سب کو گھیرے ہوئے ہے، اللہ ہی پر ہمارا بھروسہ ہے اے مالک ہمارا اور ہماری قوم کا انصاف سے فیصلہ کردے تو سب فیصلہ کرنے والوں میں بہتر ہے اور ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے اگر تم شعیبؑ کے کہنے پر چلے تو بے شک تم سب برباد ہوئے، آخر زلزلہ نے ان کو آدبایا تو وہ صبح کو اپنے گھر میں اوندھے مرے پڑے تھے، جن لوگوں نے حضرت شعیب کو جھٹلایا وہ ایسے مٹے گویا اپنے گھروں میں کبھی رہے ہی نہیں تھے جن لوگوں نے حضرت شعیبؑ کو جھٹلایا وہی برباد ہوئے (اور حضرت شعیبؑ کا کچھ بھی نہیں بگڑا وہ اپنا فرض پورا کرتے رہے اس وجہ سے ان کی عزت جو ہمارے ہاں تھی وہی باقی رہی اسمیں کچھ فرق نہیں ہوا)

یہاں بھی وہی سوالات پیدا ہوتے ہیں جو حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ، کی امتوں کے بارے میں اوپر وارد کئے گئے۔ اب حضرت ابراہیمؑ کا ذکر سنو:

قال افتعبدون من دون الله مالا ينفعكم شيئاً ولا يضركم أف لكم تعبدون من دون الله افلا تعقلون قالوا حرّقوه وانصروا الهتكم ان كنتم فاعلين۔ (پارہ۱۷ /ع۵)

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے کہا کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو نہ کچھ تمہارا بھلا کر سکتے ہیں نہ برا، تف ہے تم پر اور ان چیزوں پر جن کو تم اللہ کے سوائے پوجتے ہو۔ کیا تم کو اتنی بھی عقل نہیں جو وہ لوگ آپس میں کہنے لگے اگر تم اس کا کچھ انتظام کرنا چاہتے ہو تو اس (ابراہیمؑ) کو آگ میں جلا ڈالو، اور اپنے دیوتاؤں کی حمایت کرو،، (ان کا بدلہ لو)

حضرت ابراہیمؑ تو بڑے درجے کے پیغمبر تھے، مسلمانو! بتاؤ وہ کیوں ناکامیاب رہے؟ کیوں اپنی قوم کو راضی نہیں کر سکے؟ وہ کیوں اپنے لوگوں کو اپنا طرفدار نہیں بنا سکے ان کی قوم نے ان کی بات کیوں نہیں مانی؟ وہ کیوں اپنی قوم کو خدا کا عبادت گزار نہیں بنا سکے؟ ان کی قوم کیوں ان کی مخالف ہوگئی؟ کیا حضرت کے بارے میں بھی یہی کہو گے کہ وہ خود ہی کچے تھے؟ وہ خود ہی سیاست ہدایت میں کمزور تھے؟ ان کو ہدایت کرنی آتی ہی نہیں تھی؟ ان میں سرداری کا وصف موجود ہی نہیں تھا؟ چونکہ نتیجہ میں وہ ناکامیاب رہے اس وجہ سے اعتراض انہیں پر کیا جائیگا ان کی قوم چھوڑ دی جائے گی؟ اور وہی پکڑے جائیں گے کہ کیوں نہیں اپنی قوم کی اصلاح کر کے رہے؟ کیوں نہیں اپنی قوم کی ہدایت کر کے بیٹھے؟ کیوں نہیں ایسی مصلحت بینی سے کام لیا کہ ان کی قوم اپنی مخالفت سے باز آتی؟ کیوں نہیں ایسی پالیسی برتی کہ ان کی قوم ان کا کہنا ماننے لگتی؟ کیوں نہیں اپنے میں ایسی خوبیاں پیدا کرلیں کہ آپ کے مخالفین بھی آپ کے ہمزبان ہوجاتے۔

حضرت موسیٰؑ نے بھی اپنے زمانے کے فرعون اور اس کے لوگوں کو سیدھے راستے پر لگانے میں کس قدر محنت اور کوشش کی مگر نتیجہ کیا ہوا، قرآن مجید میں مختلف جگہ اس کا ذکر ہے سب کو کہاں تک بیان کیا جائے، صرف دو تین ہی آیتوں کو دیکھ لو جس سے مختصر واقعہ اور اس کا خاتمہ معلوم ہو جائیگا۔

وانجینا موسیٰ ومن معہ اجمعین ثم اغرقنا الآخرین۔ (پارہ ۱۹ ع ۸)

اور ہم نے حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کو تو غرق ہونے سے بچا لیا مگر دوسرے لوگوں (یعنی ان کے سب مخالفوں) کو بحر قلزم میں ڈبو دیا۔

حضرت موسیٰؑ اور ان کے مخالفین کے درمیان جو جھگڑے اور اختلافات ہوئے ان کی وجہ کیا تھی؟ اور ان سب کا نتیجہ کیا ہوا۔ کیا حضرت اپنے ارادوں میں کامیاب ہو گئے؟ کیا حضرت اپنے مخالفین کو ہموار کر سکے؟ کیا حضرت اپنی قوم کی ہدایت کر سکے؟ کیا ان لوگوں نے حضرت کی باتیں مان لیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ کیا حضرت موسیٰؑ ہی کی کمزوری کی وجہ سے؟ کیا حضرت موسیٰؑ ہی کے سیاست میں ضعف ہونے کی وجہ سے؟ کیا حضرت موسیٰؑ ہی کے نااہل اور نالائق ہونے کی وجہ سے؟ کیا حضرت موسیٰؑ ہی کی عدم تدبیری کی وجہ سے کیا انہیں میں رہبری کا مادہ نہیں تھا؟ کیا انہیں میں جتھہ بندی کا سلیقہ نہیں تھا؟ کیا وہی قابل الزام ہیں کہ کیوں اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہوئے؟ کیا انہیں پر اعتراض کرو گے کہ سب کچھ کیا مگر وہ اپنے مذہب کو غالب نہیں کر سکے؟ کیا انہیں پر افسوس کرو گے کہ وہ اپنے مخالفوں پر فتح نہیں پا سکے؟

حضرت ہارونؑ کے حالات بھی پڑھو اور بتاؤ ان کے بارے میں تم لوگ کیا فیصلہ کرتے ہو، وہ کیا کرتے جس سے اپنے مقصود میں ضرور ہی کامیاب ہو جاتے اور افسوس نہ کرتے۔

ولقد قال لھم ھارون من قبل یا قوم انما فتنتم بہ وان ربکم الرحمن فاتبعونی واطیعوا أمری قالو لن نبرح علیہ عاکفین حتی یرجع الینا موسیٰ قال یا ھارون ما منعک اذ رأیتھم ضلوا ألا تتبعن افعصیت أمری قال یا ابنؤم لا تأخذ بلحیتی ولا برأسی انی خشیت ان تقول فرقت بین بنی اسرائیل ولم ترقب قولی۔ (پارہ ۱۶ ع ۱۴)

اور حضرت ہارون نے حضرت موسیٰ کے واپس آنے سے پہلے ہی ان سے کہہ دیا کہ دیکھو بھائیو! تم اس بچھڑے کی وجہ سے بلا میں مبتلا ہو گئے اور تمہارا خدا تو رحمن ہے تو میری راہ پر چلو اور میرا کہا مانو تو ان لوگوں نے جواب دیا ہم تو برابر اسی بچھڑے ہی کے پوجنے پر جمے رہیں گے جب تک تمہارے موسیٰ بھائی ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آئیں گے تو حضرت موسیٰ جناب ہارونؑ سے کہنے لگے جب تم نے دیکھا تھا کہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے تو اسی وقت میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے؟ کیا تم نے میرے حکم کی

نافرمانی کی؟ حضرت ہارون نے کہا اے میرے بھائی میری ڈاڑھی اور سر کے بال نہ پکڑیے میں ڈرا کہیں آپ نہ کہہ بیٹھئے کہ تم نے بنو اسرائیل میں پھوٹ ڈالدی اور میری بات کا لحاظ نہ رکھا۔

کیوں مسلمانو! میں کہاں تک اپنے پیغمبروں کے واقعات تم کو سناؤں، پورا قرآن مجید ہی ان حالات سے بھرا پڑا ہے، سب کو دیکھ کر بتاؤ یہ حضرات کامیاب ہوئے یا ناکامیاب؟ اگر ناکامیاب ہوئے تو کیوں؟ اور اس ناکامیابی کی وجہ خود ان لوگوں کی کوئی قابل اعتراض بات تھی؟ یا ان لوگوں کی برائیاں تھیں، جن سے ان کو سابقہ پڑا؟ آخر میں اپنے سید و آقا اور ہمارے خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ کو دیکھو کہ وہ پورے ۱۳ ربرس تک مکہ معظمہ میں رہے بتاؤ انہوں نے وہاں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا رکھا؟ ہدایت کی کوئی صورت چھوڑ دی؟ تبلیغ کا فرض ادا کرنے میں کچھ بھی کمی کی؟ کفار مکہ کو مسلمان بنانے کا کوئی ذریعہ ترک کیا؟ مگر کیا نتیجہ ہوا؟ یہی نہ کہ مکہ معظمہ کا ایک ایک ذرہ حضرت کا دشمن ہی رہا اور حضرت کو ان سب مخالفوں نے مکہ سے ہجرت کر جانے پر مجبور کر دیا۔

واذیمکربك الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك او یخرجوك ویمکرون ویمکر الله والله خیر الماکرین، واذا تتلیٰ علیهم اٰیاتنا قالوا قد سمعنا لو نشآء لقلنا مثل هٰذا ان هٰذا الا اساطیر الاولین واذقالو اللّٰهم ان کان هٰذا هو الحق من عند فامطر علینا حجارة من السمآء اَوِئتنا بعذاب اَلیم وما کان الله لیعذبهم وانت فیهم ۔ (پارہ۹رع۱۸)

اور اے پیغمبر! وہ وقت یاد کرو جب تم مکہ میں تھے کافر داؤ کرنے لگے کہ تم کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا ملک سے باہر کریں اور وہ اپنا داؤ کر رہے تھے اور اللہ اپنا داؤ کر رہا تھا اور اللہ سب داؤ کرنے والوں سے بہتر داؤ کرنے والا ہے، اور جب ہماری آیتیں ان کافروں کو پڑھ کر سنائی جاتیں ہیں تو کہتے ہیں ہم سن چکے ہم بھی اگر چاہیں تو ایسا قرآن بنا ڈالیں یہ ہے کیا، اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں بس، اور اے پیغمبرؐ وہ وقت یاد کرو جب ان کافروں نے دعا مانگی کہ اے اللہ اگر یہ قرآن واقعاً سچ ہے اور تیرے ہی پاس سے اترا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا اور کوئی دردناک عذاب ہم پر نازل کر دے، مگر اللہ تعالیٰ نے تو یہ طے کر رکھا ہے کہ اے رسولؐ جب تک تم ان لوگوں میں موجود رہو گے ان لوگوں پر خدا کوئی بھی عذاب نازل نہیں کرے گا۔

بتاؤ ۱۳ رسال مکہ میں کوشش کر کے ہمارے رسولؐ کیوں کامیاب نہیں ہوئے؟ کیوں ان لوگوں کو اسلام کے حلقے میں داخل نہیں کر دیا،؟ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے۔ ''اہل قریش ایک مدت تک آنحضرت کے دعوائے نبوت کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے لیکن اسلام کو جس قدر شیوع ہوتا جاتا تھا ان کی بے پروائی، غصہ و ناراضگی سے بدلتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب ایک جماعت کثیر اسلام کے حلقہ میں آ گئی تو قریش نے زور اور قوت کے ساتھ اسلام کو مٹا دینا چاہا، حضرت ابو طالبؑ کی

زندگی تک تو علانیہ کچھ نہ کر سکے لیکن ان کے انتقال کے بعد کفار ہر طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جس کو جس مسلمان پر قابو ملا
اس طرح ستانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور وارفتگی کا نشہ نہ ہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا تھا یہ
حالت پانچ چھ برس تک رہی اور یہ زمانہ اس سختی سے گزرا کہ اس کی تفصیل ایک نہایت دردانگیز داستان ہے اس لئے آنحضرت
ؐ نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں، یہاں تک کہ ۶۲۲ء ۱۳ نبوی میں
خود جناب رسالتؐ پناہ نے مکہ چھوڑا اور آفتاب رسالت مدینہ کے افق سے طالع ہوا" (الفاروق صفحہ ۳۵)

مسلمانو! بتاؤ کہ مکہ معظمہ میں حضرت رسولؐ کس وجہ ناکامیاب رہے؟؟ اگر ذرہ برابر بھی کامیاب ہوتے تو مکہ معظمہ
چھوڑتے کیوں؟ وہاں سے ہجرت کیوں کر جاتے؟ کیا تم اپنے ہی الفاظ میں آنحضرتؐ کے بارے میں بھی یہی کہو گے کہ
آنحضرت مکہ معظمہ میں بالکل ناکامیاب رہے آپ کی ہدایت شروع ہوتے ہی مخالفتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو اس وقت تک
قائم رہا جب تک آپ مکہ معظمہ میں موجود رہے بلکہ بعد میں بھی، اگر دوسروں کی مخالفت ہی کی وجہ سے کسی شخص کو ناکامیاب اور
دوسروں کی موافقت کے سبب سے کسی شخص کو کامیاب ماننے کا اصول تسلیم کر لیا جائے تو ہمارے رسول مکہ معظمہ میں ۱۳ رسال
تک کیا کامیابی دکھا سکے؟ بے شک مدینہ میں آپ کامیاب ہوئے اور اسلام کو پھیلایا، مسلمانوں کو بچایا، دین حق کو مضبوط کیا تو
یہاں کے ۱۰ رسال کی مدت میں حضرت علیؑ کو بھی وہی کامیابی رہی جو ہمارے رسولؐ کو ہوئی، دونوں صاحبوں نے مل کر اس
مذہب کو مستحکم کیا اور اسلام دونوں ہی بزرگوں کی کامیابیوں کا ممنون احسان ہے اگر حضرت رسول حضرت علیؑ کو اپنے سے الگ
کر دیتے، یا حضرت علی ہی حضرت کا ساتھ چھوڑ دیتے تو کیا آنحضرت کامیاب ہو سکتے تھے؟ وہاں کی حالت تو یہ لکھی ہے کہ
حضرت علی بیمار پڑ جاتے تھے، آپ کا کوئی عضو کام سے مجبور ہو جاتا تھا جب بھی اسلام کا کام بغیر آپ کے انجام نہیں پاتا تھا،
سب اصحاب موجود رہتے تھے، بڑے بڑے دعوے کرنے والے سامنے حاضر ہوتے تھے پھر بھی ہمارے رسولؐ اپنے اسی
شریک فی اشاعت الحق کو پکارا کرتے تھے اور جب وہی وہاں پہنچتے تھے تب ہی کا وہ کام پورا ہوتا اور حضرت کامیابی سے خوش
ہوتے مثلاً جنگ خیبر کو دیکھو مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "قلعہ قموص مرحب کا تخت گاہ تھا اس مہم پر آنحضرتؐ نے حضرت ابو
بکر و عمر کو بھیجا لیکن دونوں ناکام واپس آئے طبری میں روایت ہے کہ جب خیبری قلعہ سے نکلے تو حضرت عمر کے پاؤں نہ جم
سکے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی فوج نے نامردی کی لیکن فوج نے ان کی نسبت خود ہی شکایت کی
______ تاہم اس قدر ضرور مسلّم ہے کہ اس مہم پر پہلے اور بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے تھے لیکن فتح کا فخر کسی اور کی
قسمت میں تھا جب مہم میں زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن شام کو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ کل میں اس شخص کو علم دوں گا جس کے

ہاتھ پر خدا فتح دے گا اور جو خدا اور خدا کے رسولؐ کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کا رسولؐ بھی اس کو چاہتے ہیں (یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں) یہ رات نہایت امید اور انتظار کی رات تھی صحابہ نے تمام رات اس بے قراری میں کاٹی کہ دیکھئے یہ تاج فخر کس کو ہاتھ آتا ہے حضرت عمر نے قناعت پسندی اور بلند نظری کی بناء پر کبھی حکومت اور سروری کی تمنا نہیں کی، لیکن جیسا کہ صحیح مسلم باب فضائل علیؑ میں مذکور ہے ان کو خود اعتراف ہے کہ اس موقع کی تمنا میں ان کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی، صبح کو دفعتاً یہ آواز کانوں میں آئی کہ علیؑ کہاں ہیں؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب چشم تھا اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں، غرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے آنحضرتؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی، جب ان کو علَم عنایت ہوا تو انہوں نے عرض کی "کہ کیا یہود کو لڑ کر مسلمان بنالوں" ارشاد ہوا کہ بہ نرمی ان پر اسلام پیش کرو، اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام لائے تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے (یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور صحیح بخاری میں منقول ہے) لیکن یہود اسلام یا صلح کے قبول کرنے پر راضی نہیں ہو سکتے تھے، مرحب قلعہ سے باہر نکلا، مرحب کے جواب میں حضرت نے یہ رجز پڑھا۔ انا الذي سمتني امي حيدره ، كليث غابات كريه المنظره ۔ میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا، میں شیر نیستان کی طرح مہیب و بد منظر ہوں، مرحب بڑے طمطراق سے آیا لیکن حضرت علیؑ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور ضربت کی آواز فوج تک پہنچی (طبری صفحہ ۱۵۷۹) پہلوان کا مارا جانا عظیم الشان واقعہ تھا۔

معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت علی نے جب تلوار ماری تو مرحب نے سر پر روکا لیکن ذوالفقار مغفر، خود اور سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی، مرحب کے مارے جانے پر یہود نے جب عام حملہ کیا تو اتفاق سے حضرت علیؑ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑی آپ نے قلعہ کا در جو سرتاپا، پارہ سنگ تھا اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا، اس واقعہ کے بعد ابورافع نے سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا تو جگہ سے بھی ہل نہ سکا، یہ روایتیں ابن اسحاق اور حاکم نے روایت کی ہیں، غرض یہ قلعہ قموص ۲۰؍دن کے محاصرے کے بعد فتح ہو گیا۔" (سیرۃ النبی جلد ا! صفحہ ۳۵۸)

مسلمانو! تم نے خیال کیا؟ حضرت رسول خداؐ اپنے دوسرے اصحاب اور بہادران اسلام کے ساتھ ۲۰؍دن تک قلعہ قموص کا محاصرہ کئے رہے مگر کسی سے فتح نہیں ہو سکا، ۲۰؍دن مل کر بھی وہ سب اصحاب اس قلعہ پر کامیاب نہیں ہو سکے، آخر حضرت رسولؐ نے اعلان کر دیا کہ کل یہ قلعہ ضرور فتح ہوگا، بتاؤ! حضرت کو کیونکر علم ہو گیا کہ کل ضرور ہی فتح ہو کر رہے گا؟ صرف حضرت علیؑ کے بھیجنے کے ارادے سے۔ لطف یہ کہ حضرت علیؑ کی آنکھیں جوش کر آئی تھیں، آنکھیں دکھتی تھیں، صاف نظر نہیں آتا

تھا حضرت رسولؐ کے پاس حضرت علیؑ تھے بھی نہیں، باوجود ان تمام باتوں کے پورے لشکر اسلام میں اس بیمار بہادر کے ایسا بھی کوئی صحیح بہادر نہیں ملا۔ پوری اسلامی فوج میں اس مثل شیر ایسا بھی کوئی صحت مند پہلوان نہیں دکھائی دیا، اس وجہ سے آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ ہی کو پکارا اور علَم دے کر انہیں ان کی سانس لینے لگے یقین ہو گیا کہ اب ناکامیابی نہیں ہو سکتی، اور علیؑ بغیر فتح کئے واپس آہی نہیں سکتے چنانچہ بالکل ایسا ہی ہوا اور فتح آنحضرتؐ کو مدینہ میں جو کامیابی ہوئی وہ حضرت علیؑ ہی کی شرکت سے، اسی موقع پر سوچ لو اگر حضرت علیؑ عذر کر دیتے کہ یا حضرت یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ میں تو آنکھ کے درد سے تڑپ رہا ہوں اور حضور لڑنے کو فرماتے ہیں۔ میری آنکھوں سے سایہ میں تو صاف نظر آتا نہیں اور آپ دھوپ میں علم لے جانے کا حکم دے رہے ہیں؟ مجھ سے تو ایک قدم چلنا دشوار ہے اور حضرتؐ جہاد کی فرمائش کرتے ہیں؟ اور جہاد بھی وہ جس سے دوسرے صحابہ ہار کر واپس آ چکے ہیں، حضرت ابوبکر اور عمر تک ناکام واپس آ چکے ہیں؟ حالانکہ وہ دونوں تندرست تھے، دونوں کی آنکھیں اچھی تھی مگر حضرت علیؑ اور فرمان رسولؐ میں تامل!! پہاڑوں کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا ممکن تھا مگر علیؑ کا عذر کرنا گویا محال ہی محال تھا۔

خدا نے اپنے پیغمبروں کو کس طرح مذہب پھیلانے کا حکم دیا ہے؟

مسلمانو اب سے پہلے تم لوگوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ دنیا بھر کے لوگوں کو ہم ہی (خدا) نے پیدا کیا ہے اور سب کو سیدھے راستے پر چلنے کا حکم بھی ہم ہی نے دیا ہے تو ہم پر فرض تھا کہ سب کے لئے سیدھا راستہ بتلا دیں، لوگوں کو اختیار نہیں دیا ہے کہ جس راستے پر ان کا دل چاہے وہ چلیں، اگر ایسا ہو تو سب بت پرستوں، شراب خواروں، چوروں، اور ڈاکوؤں کو سند مل جائے کہ ہمارا دل اسی راستے پر چلنے کو چاہتا ہے اس وجہ سے ہم یہی کام کریں گے،، ہم نے ہر زمانہ میں جس راستے کو لوگوں کے لئے مناسب سمجھا مقرر کر دیا اور ایک ہادی کو بھیج دیا کہ لوگوں کو وہ راستہ بتلا دیں اور بتانے کی صورتیں بھی بتا دیں، اب تم لوگ قرآن مجید کو دیکھ کر سمجھو کہ ہم نے اپنے ہادی کو سیدھا راستہ بتانے کی کیا تدبیریں سکھائی ہیں۔

(۱) ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن۔ (پارہ ۱۴ ر ع ۲۲)

اے پیغمبر! تم دنیا کے لوگوں کو اپنے مالک کے راستے کی طرف حق کی باتوں اور اچھی نصیحتوں سے بلاؤ اور ان سے بحث بھی کرو تو بہت شیریں زبانی اور خوش اسلوبی سے۔

(۲) لکل امۃ جعلنا منسکا ھم ناسکوہ فلا ینازعنک فی الامر وادع الی ربک انک لعلی ھدی مستقیم وان جادلوک فقل اللہ اعلم بما تعملون۔ اللہ یحکم بینکم یوم القیامۃ فیما کنتم فیہ تختلفون۔ (پارہ ۱۷ ر ع ۱۴)

ہم نے ہر ایک امت کے لئے طریقے قرار دئے ہیں کہ وہ ان ہی طریقوں پر چلتے رہیں تو لوگوں کو چاہئے کہ اس امر

میں تم سے جھگڑا نہ کریں اور اے رسول تم اپنے خدا کی طرف لوگوں کو بلاتے رہو یقیناً تم سیدھے راستے پر ہو لیکن اگر یہ لوگ تم سے جھگڑا کریں تو کہہ دو تم لوگ جو کچھ کرتے ہو، اس سے اللہ خوب واقف ہے، جن باتوں میں تم لوگ اختلاف کرتے ہو اللہ ان سب کا فیصلہ قیامت میں کردے گا۔

ان دونوں آیتوں کو ہماری ہدایت، تبلیغ اور دعوت الی الحق کا سنگ بنیاد سمجھنا چاہیئے، انہیں باتوں پر ہمارے سچے پیشوایان مذہب عمل کرتے رہے، خواہ وہ انبیاء ہوں یا اوصیاء یا رسولؐ کے خلفاء اور امت کے ائمہ، ہم نے ان آیتوں میں صاف حکم دیا ہے کہ لوگوں کو سمجھا کر زبانی گفتگو کر کے دین حق کی طرف بلائیں (تلوار، نیزے اور تیروں سے نہ بلائیں) اور اگر وہ لوگ ان کی دعوت پر جھگڑا کریں تو یہ لوگ ان کا خوبصورتی اور شیریں بیانی سے ایسا جواب دیں کہ ان پر کسی قسم کا تشدد نہ ہونے پائے اور ان کی تشفی ہو جائے۔

(۳) وادع الی ربك ولا تكونن من المشركين (پارہ ۲۰ ر ع ۱۲)

اپنے خدا کی طرف لوگوں کو بلاتے رہو اور مشرکین میں شامل نہ ہو جانا۔

(۴) شرع لكم من الدين ما وصّى به نوحاً والذي اوحينا اليك وما وصينا به ابراهيم وموسى وعيسى ان اقيموا، الدين ولا تتفرقوا فيه اكبر على المشركين ما تدعوهم اليه الله يجتبي اليه من يشاء ويهدي اليه من ينيب وما تفرّقوا الا من بعد ماجاء هم العلم بغياً بينهم ولولا كلمة سبقت من ربك الى أجل مسمّى لقضي بينهم وان الذين اورثوا الكتاب من بعدهم لفي شكٍ منه مريب فلذلك فادع واستقم كما أمرت ولا تتبع أهوائهم وقل امنت بما انزل الله من كتاب وأمرت لأعدل بينكم الله ربنا وربكم لنا اعمالنا ولكم اعمالكم لا حجة بيننا وبينكم الله يجمع بيننا واليه المصير والذين يحاجّون في الله من بعد ما استجيب له حجتهم داحضة عند ربهم وعليهم غضب ولهم عذابٌ شديدٌ۔ (پارہ ۲۵ ر ع ۳)

لوگو! خدا نے تمہارے لئے دین کا وہی رستہ ٹھہرایا ہے جس پر چلنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور اے پیغمبر تمہاری طرف بھی ہم نے اسی راستے کی وحی کی ہے اور اسی کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو بھی حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا، اے پیغمبر تم جس دین کی طرف مشرکوں کو بلاتے ہو وہ ان پر بہت ہی شاق گزرتا ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے انتخاب کر کے اپنی طرف کھینچ بلاتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع لاتے ہیں انہیں کو اپنے تک پہنچنے کا راستہ دکھا دیتا ہے اور جو لوگ جدا جدا فرقے ہوئے تو سمجھ آئے پیچھے اپنی باہمی ضد سے ہوئے، اور اے پیغمبر اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے

ایک وقت مقرر تک کا وعدہ پہلے سے ہوا ہوتا کہ لوگوں کو قیامت تک کی مہلت ہے تو ان کے اختلافات کا فیصلہ کبھی کا کر دیا گیا ہوتا، اور جو لوگ اگلوں کے بعد کتاب الٰہی کے وارث ہوئے وہ دین اصلی کی طرف سے شک و رشک میں پڑے ہیں تو اے پیغمبر تم لوگوں کو اسی اصلی دین کی طرف بلاتے رہو اور خود بھی جیسا تم سے فرمایا ہے اس پر قائم رہو اور ان گمراہ لوگوں کی خواہشوں پر نہ چلو اور ان سے صاف کہہ دو کہ کتاب (کی قسم میں) سے جو کچھ خدا نے اتارا ہے میرا تو سب پر ایمان ہے اور مجھ کو حکم ملا ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کرتا رہوں، وہی اللہ ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے، ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں۔ ہم میں اور تم میں (مذہب کے بارے میں) کوئی جھگڑا نہیں ہے، اللہ ہی قیامت کے دن ہم کو اور تم کو ایک جگہ جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کو لوٹ جانا ہے اور جو لوگ خدا کے بارے میں اس کے ماننے کے بعد حجتیں نکال کر کھڑی کریں تو ان کی حجت پھسپھسی ہے اور ان پر خدا کا غضب اور سخت عذاب ہوگا۔

(۵) لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ (پارہ ۳ ع ۳)

دین میں کوئی جبر نہیں کیونکہ ہدایت تو گمراہی سے الگ ظاہر ہو چکی ہے۔

(۶) فان حاجوک فقل اسلمت وجھی للہ......فان اسلموا فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیک البلاغ۔ (پارہ ۳ ع ۱۰)

اے رسول اگر جاہلین تم سے حجت کرتے ہی رہیں تو کہہ دو میں نے خدا کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر دیا، تو اگر یہ لوگ اسلام لائیں تو ضرور ہی ہدایت پائیں گے اور اگر انکار کر دیں تو تم پر صرف اسلام کا پیغام پہنچا دینا فرض ہے۔

(۷) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولی فما ارسلنک علیھم حفیظا۔ (پارہ ۵ ر ع ۸)

جو رسول کی بات مان لے گا وہ خدا کی اطاعت کرے گا اور جو اس سے منہ پھیرے گا تو تم کچھ خیال نہ کرو کیونکہ ہم نے تم کو ان لوگوں پر کچھ چوکیدار بنا کر نہیں بھیجا ہے۔

(۸) واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین۔ (پارہ ۷ ر ع ۲)

اور خدا کا حکم مانو اور رسولؐ کی بھی اطاعت کرو اور نافرمانی سے بچے رہو لیکن اگر تم نے حکم خدا سے منہ پھیر لیا تو سمجھ رکھو کہ ہمارے رسولؐ پر صرف صاف صاف پیغام پہنچا دینا فرض ہے، ماننا نہ ماننا تم کو اختیار ہے۔

(۹) وما علی الرسول الا البلاغ۔ (پارہ ۷ ر ع ۳)

ہمارے رسولؐ پر پیغام پہنچادینے کے سوائے اور کوئی کام لازم نہیں ہے۔

(۱۰)فان تولّوا فانما علیك البلاغ المبین۔(پارہ ۱۴،ع ۱۷)

اگر یہ لوگ ایمان سے منہ موڑیں تو تمہارا فرض صرف احکام خدا کا صاف صاف پہنچادینا ہے۔

(۱۱)نحن أعلم بما یقولون بما انت علیهم بجبّارٍ فذ کر بالقرآن من یخاف وعید۔(پارہ ۲۶،ع ۱۷)

اے رسولؐ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ہم اسے خوب جانتے ہیں مگر تم کو ان لوگوں پر کسی طرح جبر کرنے کا حق نہیں ہے بس جو لوگ ہمارے عذاب کے وعدے سے ڈریں ان کو تم صرف قرآن کے ذریعہ سے نصیحت کرتے رہو۔

(۱۲)واطیعوا الله واطیعوا الرسول فان تولّیتم فانّما علی رسولنا البلاغ المبین۔(پارہ ۲۸،ع ۱۶)

اور خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو لیکن اگر یہ بات نہیں مانو گے تمہارے رسولؐ پر صرف پیغام کا واضح کر کے پہنچادینا فرض ہے۔

(۱۳)فذ کر انما انت مذ کّر لست علیهم بمصیطر الا من تولّی و کفر فیعذبه الله العذاب الا کبر ان علینا ایّابهم ثم ان علینا حسابهم ۔(پارہ ۳۰،ع ۱۳)

اے رسول تم ان لوگوں کو نصیحت کرو تم تو بس نصیحت کرنے والے ہو، تم کچھ ان پر داروغہ تو مقرر نہیں کئے گئے ہو۔ ہاں جو تمہاری بات نہیں مانے گا اور اس سے انکار کرتا رہے گا تو خدا اس کو بہت بڑے عذاب کی سزا دے گا بے شک ان لوگوں کو ایک دن لوٹ کر آنا ہے (جو قیامت کا روز ہوگا) پھر اس وقت ان کا حساب ہمارے ذمہ ہے۔

(۱۴)انّ علینا للهدی انّ لنا للآخرة والاولی فانذرتکم ناراً تلظّی لا یصلاها الا الاشقی الذی کذّب وتولّی۔(پارہ ۳۰،ع ۱۷)

ہمیں راہ دکھادینی ضروری ہے اور آخرت اور دنیا دونوں خاص ہماری چیز ہے تو ہم نے تم کو بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرادیا اس میں وہی داخل ہوگا جو بڑا بدبخت ہے جس نے تم کو جھٹلایا اور تم سے منہ پھیر لیا۔

ان آیتوں سے بہت زیادہ واضح یہ آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ پیغمبرؐ کو کس طرح مذہب حق پھیلانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

(۱۵)ربنا وابعث فیهم رسولاً منهم یتلوا علیهم أیاتك ویعلمهم الکتاب والحکمة ویز کّیهم انك انت العزیز الحکیم ۔(پارہ ۱،ع ۱۵)

اے خدا تو مکہ والوں میں ان ہی میں سے ایک رسول کو بھیج جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور آسمانی کتاب اور عقل کی باتیں سکھائے اور ان کے نفوس کو پاکیزہ کرتا رہے بے شک تو ہی غالب اور صاحب تدبیر ہے۔

یہ دعا حضرت ابراہیم کی ہے انہوں نے ہمارے رسول محمد مصطفیٰ کے لئے ہم سے دعا کی تھی کہ ان کو مکہ میں بھیج دے، اس میں انہوں نے وہ سب صفتیں بیان کی ہیں جو رسولوں میں ہونی چاہئیں اور رسول دنیا میں آ کر کیا کرتے ہیں اس کی تفصیل بھی بیان کر دی ہے، وہ کس طرح دین حق کو لوگوں میں پھیلائیں گے اس کو بھی بیان کر دیا کہ آیات خدا کی تلاوت کریں گے، کتاب و حکمت کی تعلیم کریں گے اور ان کے نفسوں کو پاکیزہ کریں گے۔

(۱۶) لقد من اللہ علی المؤمنین اذبعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانو من قبل لفی ضلال مبین۔ (پارہ ۴ ر ۸)

البتہ خدا نے ایمان قبول کرنے والوں پر احسان کیا کہ انہیں کے واسطے انہیں کی قوم کا ایک رسول بھیجا جو انہیں خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاکیزہ کرتا ہے اور انہیں کتاب خدا اور عقل کی باتیں سکھاتا ہے اگر چہ وہ پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے تھے۔

(۱۷) ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانو من قبل لفی ضلال مبین۔ (پارہ ۲۸ ر ۱۱)

وہ خدا ایسی قدرت والا ہے جس نے جاہلوں میں ان ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے، ان کو پاک کرتے، اور ان کو کتاب اور عقل کی باتیں سکھاتے رہتے ہیں، اگر چہ اس کے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

مسلمانو! ان آیات کو پڑھو، اور بار بار پڑھو، پھر ان کو سمجھو ان میں غور و فکر کرو تا کہ تم لوگوں کو معلوم ہو کہ مذہب حق کس طرح پھیلایا جاتا، دین حق کو کس طرح رواج دیا جاتا، اور خدا کی طرف کس صورت سے لوگوں کو بلایا جاتا ہے، یہ کسی حدیث کی باتیں نہیں ہیں، یہ کسی تاریخی کتاب کے بیانات نہیں، یہ کسی تفسیر کی عبارتیں نہیں ہیں بلکہ خاص ہماری کتاب کے الفاظ ہیں ہماری وحی کا کلام ہیں، ان آیتوں میں ہم نے کھول کر ثابت کر دیا ہے کہ انبیاء و مرسلین اور ان کے خلفاء و اوصیاء کی شان یہ ہے کہ خدا کے بندوں کو سچے مذہب کی طرف بلا کر یا تیں خدا کی آیتیں پڑھ کر دعوت دیں، ان کو عقل کے مطابق تعلیم دے کر صراط مستقیم کی طرف لائیں ان کے اخلاق کو درست کر کے مذہب حق کا پابند کریں لیکن اگر وہ بھاگنے سے نہ مانیں، اگر خدا کی نشانیاں دیکھ کر

بھی وہ قبول نہ کریں اگر تعلیم کی طرف بھی وہ متوجہ نہ ہوں اگر اخلاق سنوارنے سے بھی وہ ٹیڑھے ہی رہیں تو ہادیان دین کا کام ختم ہو جاتا ہے، ان کو زبردستی صراط مستقیم پر لگانے کی اجازت نہیں دی گئی ہے، ان کو مجبور کر کے صحیح مذہب قبول کرانے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، زور اور تشدد سے مذہب پھیلانے کی رائے نہیں دی گئی ہے، بس جو کچھ ہے زبان کا کام اور اپنے اخلاق کا عمل، اس سے آگے کچھ نہیں، اگر ان صورتوں سے لوگ سچے مذہب کو قبول نہ کریں تو انبیاء ومرسلین کا فرض پورا ہو جاتا ہے، ہادیانِ دین کا کام ختم ہو جاتا ہے۔

لیکن جن لوگوں کا ذکر کر کے تم لوگ حضرت علیؑ پر اعتراض کرتے ہو کہ ان کی طرح اسلام نہیں پھیلایا تو بتاؤ کیا ان لوگوں نے کسی کو بھی سمجھا کر مسلمان کیا؟ کسی کو پڑھا کر مسلمان کیا؟ کسی کی تشفی کر کے مسلمان کیا؟ کسی کو بھی خدا کی آیتیں پڑھ کر اسلام کی طرف دعوت دی؟ کسی کو بھی عقل کے مطابق کچھ تعلیم دے کر صراط مستقیم پر لگایا؟ کسی ملک میں ان لوگوں نے صرف واعظین کی جماعت بھیجی کہ جا کر لوگوں کو اسلام کی خوبیاں دکھائیں؟ اور کیا انہیں واعظین کے ذریعہ سے کوئی مسلمان ہوا؟ کیا ان لوگوں نے ایسی تقریریں لکھ کر روانہ کیں جو کافروں کے سامنے پڑھی جاتیں اور لوگوں کو مسلمان کرتیں؟ کیا ان لوگوں نے کوئی کتاب لکھ کر بھیجی کہ اس کے مضامین کو دیکھ کر یا سن کر غیر مسلم جماعتیں قبول کر لیں؟ مختصر یہ کہ انبیاء ومرسلین اور خاص کر آنحضرت جس طرح لوگوں کو مسلمان کرتے تھے کیا اس طرح ان خلفاء ثلاثہ نے کسی ایک شخص کو بھی مسلمان کیا؟ اور راہ حق دکھائی، افسوس تمام کتب حدیث، تفسیر، تاریخ، رجال تو اس سے سو ۱۰۰ فی صدی خالی ہیں۔

قتل اور خون ریزی سے خدا کی نفرت

مسلمانو! یہ بھی تم جانتے ہو کہ ہم نے دنیا میں لوگوں کو پیدا کیا تو ہم کو ان سب کی محبت ان کے والدین سے بھی زیادہ ہے، اس وجہ سے ہم کسی آدمی کا قتل پسند نہیں کرتے، کسی کی خون ریزی ہم کو گوارا نہیں ہے۔

(۱) ہم نے لوگوں کو خودکشی کرنے، اپنے ہاتھ سے اپنی موت کے اسباب مہیا کرنے اور خود ہی اپنی زندگی ختم کر دینے سے بھی سختی سے منع کر دیا ہے۔

ولاتلقوا بأيديكم الى التهلكة۔ (پارہ ۲۵/ع ۸)

اور اپنے ہاتھوں اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

(۲) اور ایک شخص کے دوسرے کو قتل کرنے سے بھی منع کیا ہے۔

من أجل ذٰلک کتبنا علی بنی اسرائیل انه من قتل نفساً بغير نفسٍ او فسادٍ في الارض فكأنّما قتل الناس جميعاً ومن أحياها فكأنّما أحيا الناس جميعاً ولقد جاء تهم رسلنا بالبيّنٰت ثم ان كثيراً منهم بعد ذٰلک في الارض

تمسرفون۔(پارہ ۶ ر ع ۹)

اسی سبب سے تو ہم نے بنی اسرائیل پر واجب کر دیا تھا کہ جو شخص بھی کو دہ جان کے بدلے میں اور نہ ملک میں فساد پھیلانے کی سزا میں بلکہ ناحق قتل کر ڈالے گا تو گویا اس نے دنیا کے سب لوگوں کو قتل کر ڈالا اور جس شخص نے ایک آدمی کی جان بچالی تو گویا اس نے دنیا کے سب لوگوں کی جان بچادی اور ان بنی اسرائیل کے پاس تو ہمارے پیغمبر کیسے کیسے روشن معجزے لے کر آ چکے ہیں مگر پھر اس کے بعد بھی یقیناً ان میں سے بہتیرے زمین میں زیادتیاں کرتے رہے۔

آیت کے الفاظ کا زور دیکھو کہ جو شخص کسی کو قتل کر دے تو اس کے عوض وہ قتل کیا جائیگا، اور جو شخص زمین میں فساد پھیلائے وہ قتل کیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ جو شخص کسی کو قتل کریگا وہ گویا دنیا بھر کے لوگوں کا قاتل قرار پائے گا، اس سے ثابت ہوا کہ مذہب کے لئے بھی اگر کوئی شخص کسی ایک یا ایک ہزار آدمیوں کو قتل کرے گا، وہ دنیا بھر کے لوگوں کا قاتل سمجھا جائے گا، کیونکہ ہم نے مذہب کے لئے کسی شخص کا قتل کرنا جائز نہیں رکھا ہے۔

(۳)ولا تقتلوا أولادكم من املاق نحن نرزقكم واياهم ولا تقربوا الفواحش ما ظهر منها وما بطن ولا تقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق ذلكم وصٰكم به لعلكم تعقلون۔(پارہ ۸ ر ع ۶)

اور مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو مار نہ ڈالنا کیونکہ ان کو اور تم کو بھی رزق دینے والے تو ہم ہیں اور بدکاریوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور کسی آدمی کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کیا ہے، نہ مار ڈالنا مگر کسی حق کے عوض میں، یہ وہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تا کہ تم لوگ سمجھو۔

مفسرین نے بتا دیا ہے کہ الا بالحق کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قصاص میں یا زنا کی سزا میں قتل کیا جائے تو وہ حق ہے(تفسیر وحیدی صفحہ ۹۳) اس آیت نے بھی واضح طور پر بتا دیا کہ کسی شخص کو مذہب کی وجہ سے قتل نہیں کر سکتے، کوئی شخص دین حق کو قبول نہیں کرے تو اس سبب سے اس کی جان نہیں لے سکتے، کوئی شخص اسلام کو اختیار نہ کرے تو اس کی سزا میں اس کا خون نہیں بہا دیا جائے گا۔

(۴)ولا تقتلوا أنفسكم ان الله كان بكم رحيماً ومن يفعل ذلك عدواناً وظلماً فسوف نصليه ناراً(پارہ ۵ ر ع ۲)

اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو یقیناً خدا تم پر مہربان ہے اور جو شخص جور و ظلم سے ایسا کریگا تو یاد رہے کہ ہم بہت جلد اس کو جہنم کی آگ میں جھونک دیں گے۔

(۵)ولا تقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق۔(پارہ ۱۵ ر ع ۴)

اور جس جان کا مارنا خدا نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل نہ کرنا مگر جائز طور (شریعت کے مطابق)
اس کو ہم نے ہابیل کے قتل سے بھی سمجھا دیا ہے۔

(۶) فطوعت له نفسه قتل اخيه فقتله فاصبح من الخاسرين۔ (پارہ ۶ رع ۹)

آخر حضرت آدمؑ کے بیٹے قابیل کے نفس نے اس کو یہی سوجھایا کہ اپنے بھائی کو مار ڈالے چنانچہ اس نے ان کو قتل کر دیا جس کی وجہ سے وہ نقصان اٹھانے والوں میں ہو گیا۔

مسلمانو! غور کرو، اس آیت میں صرف ایک آدمی کے قتل کا ذکر ہے، حضرت آدمؑ کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا، تو ہم نے اس کی بھی مذمت کی، پھر ان لوگوں سے کیونکر خوش ہو سکتے ہیں جو اپنی بادشاہت تسلیم کرانے کے لئے یا اسلام پھیلانے ہی کے لئے لاکھوں مخلوق خدا کا خون کرتے رہے، تم شکر کرو جس طرح ہمارے رسولؐ نے کسی ایک شخص کو بھی اسلام قبول کرنے کے لئے قتل نہیں کیا، اسی طرح ہمارے ولی، رسول کے نفس اور ان کے سچے قائم مقام علی ابن ابی طالبؑ نے بھی اپنے زمانے میں اسلام قبول کرنے کے لئے کسی شخص کو قتل نہیں کیا نہ کسی کا خون بہایا۔

دین حق پھیلانے کے لئے کیا پیغمبروں نے بھی فوج کشی کی تھی؟

مسلمانو! تم قرآن مجید کو برابر پڑھتے رہو اس میں حضرت آدمؑ سے حضرت محمد مصطفیٰ تک کے مذہبی عالم کی ضروری تاریخ بھی درج ہے، سب پیغمبروں کا تذکرہ تو نہیں مگر کئی حضرات کے حالات موجود ہیں، ان سب کو دیکھ کر بتاؤ کوئی ایک مثال بھی ایسی ملتی ہے کہ کسی نبی یا رسول نے اپنے مخالفین سے اپنا کلمہ پڑھوانے کے لئے ان پر فوج کشی کی ہو یا کسی ایک پیغمبر نے بھی اپنے دشمنوں کو اپنے مذہب میں لانے کے لئے نیزوں، تلواروں، تیروں سے زخمی کیا ہو؟ کسی ایک ہادی نے بھی گمراہوں کو سیدھے راستے پر لگانے کے لئے ان سے لڑائی پسند کی؟ کسی ایک رہبر نے بھی اپنی قوم کی اصلاح کرنے کے لئے ان پر کسی قسم کی سختی کو گوارا کیا؟ کسی ایک پیشوا نے بھی دنیا والوں کو مذہبی امور میں اپنا مطیع کرنے کے لئے تشدد کو پسند کیا؟ فرعون ایسے سرکش دشمن کی طرف ہم نے حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھیجا تو ان کو زبان تک نرم رکھنے کی تاکید ان الفاظ میں کر دی جو قرآن میں موجود ہے۔

اذهب انت واخوك بآيٰتي ولا تنيا في ذكري اذهبا الى فرعون انه طغى فقولا له قولاً ليّناً لعله يتذكر أو يخشى۔ (پارہ ۱۶ رع ۱۱)

اے موسیٰ تم اپنے بھائی سمیت ہمارے معجزے لے کر جاؤ اور دیکھو میری یاد میں سستی نہ کرنا، تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک وہ بہت سرکش ہو گیا ہے پھر وہاں جا کر اس سے میٹھی باتیں کرنا تاکہ وہ نصیحت مان لے یا ڈر جائے۔

ہم نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیؐ کو رحمۃ للعالمین (تمام عالم کے لئے رحمت) بنا کر بھیجا تھا ان کی نرمی کا حال بھی یوں بیان کر دیا ہے۔

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لا انفضوا من حولک۔ (پارہ ۴ ع ۸)

اے رسولؐ! یہ بھی کافروں پر خدا کی ایک مہربانی ہے کہ تم سا نرم دل سردار ان کو ملا کیونکہ اگر تم بد مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے گرد سے تتر بتر ہو گئے ہوتے۔

اب تم ہی بتاؤ ہمارے رسولؐ کے انتقال کے بعد جن لوگوں نے حضرت علیؑ کو ہٹا کر اسلام کے امور کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ کیا ان لوگوں نے بھی اسی طرح اسلام پھیلایا؟! اگر حضرت رسولؐ کی اشاعت اسلام اور حضرت کے بعد والوں کی اشاعت اسلام تم لوگوں کو ایک ہی صورت، ایک ہی شان، ایک ہی وصف کی نظر آئے تب خوشی سے کہو کہ حضرت علیؑ نے ان لوگوں کی طرح اسلام نہیں پھیلایا، لیکن اگر حضرت رسولؐ کی اشاعت اسلام اور حضرت علیؑ کے بعد والوں کی ترقی اسلام میں تم کو آسمان و زمین کا فرق نظر آئے، اگر دونوں ایک دوسرے کی ضد ہوں، اگر دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہوں تو تم لوگ ہی بلا دلیل ان لوگوں کی پیروی کیونکر کرتے، کیونکہ ہم نے تو اصول مقرر کر دیا ہے کہ

ولقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ (پارہ ۲۱ ع ۱۹)

مسلمانو! تمہارے لئے خود رسول اللہ کا اچھا نمونہ موجود ہے۔

انبیاء و مرسلین کا کام یہ ہے کہ اگر ان کی امت ان کی بات نہ مانے، ان کی قوم ان کے مذہب کو قبول نہ کرے، ان کی جماعت ان کے دین سے انکار کرتی رہے تو صرف آخرت کے عذاب سے ڈرائیں بہشت کا لالچ دیں، دوزخ سے ان کو خوف زدہ کریں، اور ہم نے بہشت اور دوزخ کو پیدا بھی اسی لئے کیا ہے کہ جو مذہب کو قبول کرے اس کو بہشت میں جگہ دیں اور جو اس سے انکار کرے اس کو دوزخ میں ڈالیں، لیکن یہ بھی حکم نہیں دیا کہ دنیا ہی میں کافروں کو کوڑوں سے لاٹھیوں سے تلواروں سے مارو، نیزوں سے زخمی کرو، ان پر تیر باراں کرو، البتہ اگر وہ خود مسلمانوں پر حملہ کریں، اگر وہ دین حق کی پیروی کرنے والوں کو ستائیں تو حفاظت خود اختیاری کے لئے ان سے دفاعی جنگ کی ہمیشہ کے لئے اجازت دے رکھی ہے اور یہ مذہبی امور کے لئے مخصوص بھی نہیں ہے اگر کسی دنیوی امر کے لئے بھی کوئی شخص کسی کو قتل کرنا چاہے تو اس کا فرض ہے کہ خود بھی تلوار، نیزے اور تیروں سے اس کا مقابلہ کرے تا کہ اس کے حملے سے اپنے کو محفوظ رکھ سکے اور اس کے ظلم کا شکار نہ ہو جائے۔

پہلی خلافت کے حیرت خیز کارنامے، کیا زکوٰۃ روکنے والوں کو قتل کرنا جائزہے؟

مسلمانو! تم کہتے ہو کہ جس طرح پہلے دوسرے اور تیسرے صاحب نے اسلام پھیلایا، اس کو ترقی دی اس کی اشاعت کی اس طرح حضرت علیؑ نے نہیں کیا، اب بتاؤ ان تینوں صاحبوں نے کس طرح اسلام کو پھیلایا؟ پہلے صاحب کی حالت سنو۔ علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے کہ پیغمبر خداؐ کی وفات کی خبر سن کر بعض عرب نے تو حضرت اول کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور بعض نے وہ مال دبا لیا جو ان کے پاس حضور نبوی میں بھیجنے کے لئے جمع تھا اور کہا ہم ان کو خلیفہ نہیں مانتے ان کو رسول خداؐ نے خلیفہ نہیں بنایا تھا، خاندان نبوت میں سے کوئی خلیفہ ہوتا تو ہم کو انکار نہ تھا، اس پر اول صاحب نے ان لوگوں سے جنگ کرنے کا سامان شروع کر دیا، جب اصحاب رسولؐ نے یہ باتیں سنیں تو ان کو بہت ناگوار ہوا اور دوسرے صاحب تک نے ان سے کہا کہ ہم ان لوگوں سے کیونکر لڑیں حالانکہ رسولؐ نے فرمایا ہے کہ جب لوگ کلمہ شہادت پڑھ لیں تو ان کا مال و جان میری طرف سے محفوظ ہے، مگر اول صاحب نہیں مانتے اور یہی کہتے رہے کہ اگر سب لوگ مجھے چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں گے تب بھی میں تن تنہا ان سے جہاد کروں گا کیونکہ نماز و زکوٰۃ لازم و ملزوم ہیں۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۵۱)

اب ذرا اس کی بھی ہمارے اور رسولؐ کے بیانوں سے تحقیق کرو کہ حضرت اول صاحب کے اس جہاد کو ہم اور ہمارے رسولؐ جائز سمجھتے ہیں یا نہیں، ہم تو کسی طرح جائز نہیں سمجھ سکتے کیونکہ ہم نے صاف اعلان کر دیا ہے کہ لا اکراہ فی الدین۔ پس جب ہم اسلام ہی قبول کرنے کے متعلق کوئی جبر نہیں کرتے نہ تشدد کو پسند کرتے ہیں تو زکوٰۃ دینے کے لئے کیونکر جبر کو پسند کر سکتے ہیں؟ ہمارے قرآن مجید میں تو ایک آیت بھی ایسی نہیں مل سکتی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ زکوٰۃ نہ دینے والے سے لڑنے، اس کو قتل کرنے اور اس کا خون بہانے کا حکم دیا گیا ہے، رہے ہمارے حبیب رسولؐ، تو حضرت کی کسی حدیث سے بھی نہیں ثابت ہو سکتا کہ زکوٰۃ نہ دینے کی سزا قتل ہے بلکہ اگر کوئی شخص خدا اور رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد نماز پڑھتا اور روزہ رکھتا رہے مگر زکوٰۃ نہ دے تو خدا پر لازم ہے کہ اس شخص کو بہشت میں جگہ دے، چنانچہ یہ حدیث اس مضمون کو اچھی طرح بیان کرتی اور مانعین زکوٰۃ سے جہاد کی پوری حقیقت واضح کرتی ہے۔

قال رسول اللہ من امن باللہ ورسولہ واقام الصلوٰۃ وصام رمضان کان حقاً علی اللہ ان یدخلہ الجنۃ۔ (صحیح بخاری پارہ ۱۱ر صفحہ ۴۹ر کتاب الجہاد و مشکوٰۃ جلد ۵ر صفحہ ۶۹ر کتاب الجہاد وغیرہ)

حضرت رسول خداؐ نے ارشاد فرما دیا ہے کہ جو خدا اور رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد نماز پڑھتا اور ماہ رمضان کا روزہ رکھتا رہے تو خدا پر واجب اور لازم ہے کہ اس کو ضرور بہشت میں جگہ دے، وہ چاہے زکوٰۃ دے یا نہ دے۔

پھر زکوٰۃ نہ دینے والوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیئے؟

اس کو بھی سن لو علامہ ابن حجر عسقلانی اور دوسرے بڑے معتبر محدثین نے لکھ دیا ہے۔

ان الامام هو الذي يتولى قبض الزكوة و صرفها اما بنفسه و اما بنائبه فمن امتنع منهما اخذت منه قهراً۔ (شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۷، پارہ ۶، کتاب الزکوۃ) امام ہی زکوۃ کو وصول کرے اور اس کو خرچ بھی کرے خواہ وہ خود ایسا کرے یا اپنے نائب سے وصول کرائے اور اگر کوئی شخص زکوۃ دینے سے انکار کرے تو اس سے زکوٰۃ زبردستی لی جائے گی۔

زبردستی لینے کا مطلب یہ کہ اس کے غلہ سے زبردستی لے لیں گے اس کے جانوروں کو اپنی طاقت حکومت سے پکڑ لیں گے اور اس کا مال جہاں ملے گا اس سے چھین لیں گے مگر اس کے قتل کرنے کا حکم تو ہمارے رسولؐ کے کسی قول یا فعل سے ثابت ہو ہی نہیں سکتا اسی وجہ سے خود ہمارے رسولؐ بھی زکوۃ نہ دینے والوں سے لڑے نہیں ان کو قتل نہیں کیا۔ ان پر فوج کشی نہیں کی ان کا خون نہیں بہایا نہ کسی کو ایسا کرنے کا بھی حکم دیا، اگر ان کا کوئی قول ہوتا تو اول صاحب اس کو ضرور پیش کرتے مگر وہ ایسا کبھی نہیں کر سکے بلکہ:

أمر رسول الله بصدقة فقيل منع ابن جميل وخالد بن الوليد وعباس بن عبد المطلب فقال النبي ما ينقم ابن جميل الا انه كان فقيرا فاغناه الله ورسوله. اما خالد فانكم تظلمون خالداً قد احتبس ادراعه واعتده في سبيل الله واما العباس بن عبد المطلب فعم رسول الله ﷺ فهي عليه صدقة ومثلها معها۔ (صحیح بخاری پارہ ۶، صفحہ ۵۰۳، کتاب الزکوۃ)

حضرت رسول خدا نے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا تو لوگوں نے حضرت سے عرض کی ابن جمیل و خالد بن ولید اور عباس بن عبدالمطلب زکوۃ دینے سے انکار کرتے ہیں تو آنحضرت نے فرمایا ابن جمیل کیوں انکار کرتے ہیں؟ حالانکہ وہ فقیر تھے اور خدا نے اب ان کو مالدار کر دیا ہے اور خالد پر لوگ ظلم کرتے ہو انہوں نے اپنی زرہوں، ہتھیاروں کو راہ خدا میں جہاد کرنے کی غرض سے روک رکھا ہے رہے عباس بن عبدالمطلب تو وہ ہمارے (رسول خدا کے) چچا ہیں تو یہ اور اس جیسی اور زکوٰۃ بھی ان کا حق ہے

صحیح بخاری وغیرہ کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ ہمارے رسولؐ کے زمانہ میں بھی کچھ لوگوں نے زکوۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا مگر ہمارے حبیبؐ نے ان کے ساتھ کیا کیا؟ کیا ان کے قتل کر دینے کا حکم جاری کر دیا؟ کیا ان کے خون کی ندیاں بہادیں؟ کیا ان کو تلواروں اور نیزوں کے گھاٹ اتار دیا؟ سب کتابوں کو پڑھ جاؤ تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرتؐ نے ان لوگوں سے جہاد کیا نہ ان پر فوجیں بھیجیں نہ ان کو قتل کیا نہ ان کو زندہ جلایا لیکن ہمارے رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی پہلی ہی خلافت میں یہ سب کچھ کیا گیا، اس طرح روح اسلام کو لوہے کے ہتھیاروں سے روند ڈالا گیا، اور آج تک دین حق چیخ رہا ہے

کہ ان لوگوں نے رحمۃ للعالمین کی شریعت کو عذاباً للعالمین بنا دیا، رحمن ورحیم کے دین کو ان حضرات نے ظالموں اور سفاکوں کا مذہب کر دکھایا، قرآن وحدیث کے علاوہ اجماع کو بھی اہل اسلام کے سواد اعظم ایک زبردست شرعی دلیل سمجھتے ہیں اور اس پر عمل کرنا ضروری جانتے ہیں مگر افسوس پہلی خلافت میں اس اصول کو بھی نظر انداز کر دیا گیا، تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا تھا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے بھی مسلمان اور اہل قبلہ ہیں، ان سے جہاد کسی طرح جائز نہیں ہے، ان لوگوں نے اول صاحب کو بہت سمجھایا ان سے بہت سفارش کی یہاں تک کہ دوسرے صاحب بھی جو ہر امر میں ان کے روح رواں تھے مخالفت ہی کرتے رہے لیکن اول صاحب نے کہہ دیا کہ اگر اور کوئی ساتھ نہیں دے گا تو میں زکوٰۃ نہ دینے والوں سے تنہا لڑوں گا حالانکہ یہ حدیث میں ہے من شذّ شذّ في النار، جو شخص مسلمانوں کی جماعت سے جو حق پر ہو الگ ہو جاوے وہ اکیلا رہ کر دوزخ میں گیا، اس کی سزا دوزخ ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۱۳ رصفحہ ۳۴) ومن فارق الجماعة فميتة الجاهلية، جو شخص جماعت سے جدا ہو جائے یعنی اس جماعت جو قرآن اور حدیث کی پیرو اور قرآن وحدیث کے موافق انہوں نے اجتماع کیا ہو تو اس کی موت جاہلیت کے زمانہ کی موت کی طرح ہوگی۔ وہ گمراہی اور جہالت پر مرے گا۔" (انوار اللغۃ پارہ ۲۰ رصفحہ ۵۴)

مسلمانو! یہ مذہب کا معاملہ ہے اور اس کا نتیجہ تم لوگوں کو دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں ملے گا خوب غور کرو کہ خلافت کا کوئی کام بھی ہماری مرضی کے مطابق ہوا؟ کوئی عمل بھی ہمارے رسول کی سیرت کے موافق انجام پایا؟ بڑا شور کیا گیا ہے کہ رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی مسلمانوں نے بغاوت کی زکوٰۃ بند کر دی۔ اسلام کو چھوڑنے لگے، دین حق سے منہ موڑنے لگے، مگر تم نے کبھی تحقیق بھی کی، کہ ان باتوں میں کتنی اصلیت ہے؟ مختصر صرف اس قدر ہے کہ ہمارے رسولؐ کی وفات تک تقریباً پورا عرب مسلمان ہو گیا تھا اور ان کے مسلمان کرنے میں نہ اول صاحب کی بال برابر شرکت تھی نہ دوم صاحب کا ذرہ برابر حصہ، بس صرف ہمارے نبیؐ اور وصیؑ ہی نے پورے عرب کو مسلمان کیا تھا مگر آنحضرتؐ کی وفات کی خبر سن کر اکثر عربوں نے اول صاحب کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور کہا تم لوگوں نے اصلی مستحق خلافت کو محروم کر کے خلافت کو غصب کر لیا، اس وجہ سے ہم تم کو زکوٰۃ نہیں دیں گے، بس اتنی بات کو پہاڑ بنا دیا گیا، باوجودے کہ وہ لوگ خدا اور رسولؐ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے، عقائد اسلام کو تسلیم کرتے، اصول دین کا اقرار کرتے، نماز پڑھتے، روزہ رکھتے، حج کرتے مسلمان ہی کو اپنا بھائی سمجھتے اور کہتے رہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر طرح اور پورے مسلمان تھے، جس طرح اس چودھویں صدی میں کروڑوں مسلمان ہیں جو یہ سب کرتے ہیں مگر زکوٰۃ نہیں دیتے، لیکن اول صاحب نے صرف زکوٰۃ کا روپیہ نہ ملنے کی وجہ سے ان لوگوں سے جہاد کا اعلان کر دیا، مسلمانو! ٹھنڈے دل سے غور کرو اور اپنی عقل اور انصاف سے فیصلہ کرو کہ آج یورپ، افریقہ، ایشیاء میں ساٹھ

کروڑ سے زیادہ مسلمان ہیں مگر ان میں زکوٰۃ دینے والے مسلمان کتنے ہوں گے؟ اگر اول صاحب کو ہم آج دوبارہ زندہ کردیں بس وہ ان سب مسلمانوں کو قتل کردینے کی قسم کھالیں گے تو ان کا اس زمانہ کے تقریباً ستر کروڑ مسلمانوں کو قتل کردینا کس طرح اچھا سمجھا جائیگا؟ جب آج ان کا قتل "ذبح" پسند نہیں کیا جا سکتا تو ۱۳۶۰ سال پہلے جو انہوں نے بے حساب مسلمانوں کو صرف زکوٰۃ نہ دینے ہی کی وجہ سے قتل کرڈالا کسی طرح رسولؐ کے صحیح قائم مقام کا فعل سمجھا جا سکتا ہے؟ اس زمانے کے وہ مظلوم اہل اسلام تو نماز بھی پڑھتے تھے روزے بھی رکھتے تھے پھر بھی اول صاحب نے ان کے خون کی ندیاں بہادیں مگر آج تو کروڑوں مسلمان نماز بھی نہیں پڑھتے، کروڑوں اہل اسلام روزے بھی نہیں رکھتے مگر کوئی مسلمان عالم، کوئی مسلمان پیشوائے دین ان مسلمانوں کے قتل کرڈالنے کا فتویٰ دے سکتے ہیں جب آج اسلام کی نماز چھوڑنے والے اسلام کا روزہ ترک کرنے والے مسلمانوں کا قتل جائز نہیں ہے تو رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی ان نماز بھی پڑھنے والے، روزہ بھی رکھنے والے (صرف اول صاحب کے ہاتھ میں زکوٰۃ نہ دینے والے) اہل اسلام کی خونریزی کیونکر صحیح ثابت کی جا سکتی ہے؟ کیا یہ اسلام پر ایک نمایاں دھبہ نہیں ہے؟ کیا ان بے حساب مسلمانوں کا مارا جانا ہمارے دین حق کے لئے باعث شرم نہیں ہے کیا ان لاتعداد کلمہ گویوں کا ذبح کیا جانا قبر میں ہمارے رسولؐ کی روح کو تڑپا دینے والا فعل قرار پائے گا؟

مسلمانو! جذبات سے کام نہ لو تعصب کو چھوڑ کر صرف عقل سے کام لو کیا اسی طرح اسلام پھیلایا جاتا ہے، کیا اسی طرح علیؑ بھی خون کی ندیاں بہا کر اسلام پھیلاتے؟ العیاذ باللہ۔

ہمارے پیارے مسلمانو! خوب اچھی طرح سمجھ لو، ہمارا اسلام گرگٹ کی طرح رنگ نہیں بدلتا رہتا ہے، اس کے اصول مختلف نہیں ہوتے رہتے ہیں، اس کے حلال و حرام میں زمانے کے اعتبار سے تغیر نہیں ہوتا، اس میں جو کام ۱۳۶۰ سال قبل حلال تھا وہ آج بھی حلال ہی ہے، اور جو فعل اس وقت ابتدائے اسلام میں حرام ہے وہ آج بھی حرام ہی تھا، بتاؤ جو شریعت رسولؐ کے وقت تھی وہ پہلی خلافت میں کیوں بدل دی گئی؟ اسلام کے مورخین و محدثین نے تو بہت کثرت سے لکھا ہے، ہم صرف چند عبارتوں کی طرف تم لوگوں کو متوجہ کرتے ہیں، علامہ دیار بکری وغیرہ نے لکھا ہے صحابہ کو یہ بہت ناگوار ہوا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے مسلمانوں کو قتل کردیا جائے، ان سب نے کہا کہ یہ لوگ تو اہل قبلہ (مسلمان) ہیں۔ ہمارا ان سے جہاد کیونکر صحیح ہوسکتا ہے اس پر اول صاحب نے اپنی تلوار کمر سے لگائی اور لڑنے کے لئے اکیلے نکل پڑے، ان بے چاروں نے چیخ چیخ کر کہا بھی کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ خدا کے رسولؐ تھے اور ہم نماز بھی پڑھتے ہیں لیکن ہم اپنا مال تم لوگوں کو نہیں دیں گے مگر اول صاحب نے کہا جب تک زکوٰۃ کا مال ہم کو نہیں دو گے ہم نہیں مانیں گے اور تم

سے ضرور لڑیں گے، اس بارے میں اول صاحب اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے بھی لڑنے لگے، سب سے زیادہ مخالف دوسرے صاحب وابوعبیدہ اور سالم مولی ابوحذیفہ تھے، یہ لوگ کہتے تھے، کہ اس امر کی تہہ بہت خطرناک ہے اور بغیر مناسب صورت اختیار کئے اس میں تباہی رکھی ہوئی ہے دوسرے صاحب یہ بھی کہتے تھے کہ اے دوست! ان لوگوں کی تالیف قلب اور ان کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا چاہئے، (تاریخ خمیس جلد ۲ رصفحہ ۲۲۴) اور علامہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ اول صاحب نے ان لوگوں سے جنگ چھیڑ ہی دی اور جہاد کا ڈنکا بجا ہی دیا، تو ان بے چاروں نے کہا ہم سب لوگ نمازیں تو پڑھ ہی رہے ہیں صرف زکوٰۃ نہیں دیتے پھر ہم سے جہاد کیوں کیا جاتا ہے؟ اس پر اول صاحب کے ساتھیوں نے بھی ان کو سمجھایا کہ اے خلیفہ رسول! ان بے چاروں کی معذرت قبول کر لیجئے، ہم سب لوگوں نے حضرت رسول خداؐ کو سنا ہے کہ فرماتے تھے، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جہاد کروں جب تک وہ کلمہ لا الہ الا اللہ نہ کہنے لگیں، جب اس کا اقرار کر لیں گے تب ہمارے ہاتھوں سے ان کا خون اور مال محفوظ رہے گا مگر اول صاحب نے کہا نہیں ان سے لڑنا ضروری ہے تب صحابہ نے دوسرے صاحب سے کہا کہ آپ ہی اول صاحب سے تنہائی میں گفتگو کر کے ان کو پھر سمجھایئے، شاید وہ اپنی ضد سے باز آجائیں اور ان لوگوں کی صرف نماز قبول کر کے زکوٰۃ معاف کر دیں، دوسرے صاحب نے اکیلے میں بھی پہلے صاحب کو بہت سمجھایا اور دن بھر اس کے لئے بحث کی مگر اول صاحب یہی کہتے رہے خدا کی قسم اگر یہ لوگ جانور باندھنے کی ایک رسی بھی مجھ کو نہیں دیں گے، تب بھی میں ضرور ان سے جہاد کروں گا، (کتاب الامامۃ والسیاسۃ جلد ا رصفحہ ۲۹) اپنا مال نہ دینے والے صاف صاف کہتے تھے کہ ہم اپنا مال نہیں غصب کرا سکتے، جس کا مطلب واضح ہے کہ وہ لوگ ان کو غاصب جانتے تھے، مورخین نے تصریح سے لکھا ہے کہ فقالوا امّا الصلوٰۃ فانّا نصلی وامّا الزکوٰۃ فواللہ لا تغصب اموالنا معا، وہ کہتے تھے کہ ہم یقیناً مسلمان ہیں کیونکہ ہم نماز پڑھتے ہیں (جو مسلمان نہیں ہوگا وہ نماز کیسے پڑھے گا؟) البتہ تم کو زکوٰۃ نہیں دیں گے، خدا کی قسم ہم اپنے مالوں کو تمہارے ہاتھوں میں غصب نہیں ہونے دیں گے (تہذیب تاریخ ابن عساکر وکتاب ابوبکر صدیق صفحہ ۱۸۵) وہ بے بس مسلمان، بے کس وہ اہل اسلام، وہ نماز پڑھنے والے پیروان دین حق اپنی بے قصوری کا اعلان کرتے، اپنے اسلام کا ڈھنڈورا پیٹتے، اعیان خلافت سے فریادیں کرتے اور اپنی تصدیق وسفارش میں وفد بھیجتے رہے مگر ان کی ایک بھی سنوائی نہیں ہوئی۔ علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے، وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم سب اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے سردار حضرت محمد مصطفی خداؐ کے رسولؐ ہیں لیکن ہم لوگ تم کو اپنا مال نہیں دیں گے، ان لوگوں نے کئی وفد بھی مدینہ کو روانہ کئے، مدینہ کے معززین نے اول صاحب پر دباؤ ڈالا کہ یہ لوگ نمازیں پڑھیں اور زکوٰۃ نہ دیں مگر

اول صاحب نے سب کو وہی جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر یہ لوگ ایک بزغالہ بھی مجھ سے روکیں گے تو میں ضرور ان سے جہاد کروں گا، اور صدقہ کی رسیاں بھی صدقہ کے جانوروں کے ساتھ وصول کی جاتی تھیں۔ (کتاب ابوبکر الصدیق صفحہ ۸۷ و تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۳ وغیرہ) مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح ہو گیا کہ جن لوگوں نے زکوۃ دینے سے انکار کیا وہ کھلے ہوئے مسلمان ہیں (خدا) کو ایک مانتے ہمارے رسول کو ہمارا پیغمبر جانتے کل اصول اسلام کا اعتقاد رکھتے اور برابر نمازیں پڑھتے تھے صرف اول صاحب کو زکوۃ کا مال دینے سے انکار کیا اور کہا تم لوگوں سے ہم اپنا مال غصب نہیں کرائیں گے، اسی بات پر لوگوں نے ان بے قصور مسلمانوں کو مرتد کہنا شروع کر دیا ہے۔

این همه از بهر آنست که زر می خواهم

مرتد کس کو کہتے ہیں؟

اب یہ بھی دیکھو کہ مرتد کس کو کہتے ہیں اور کیا زکوۃ ادا نہ کرنے والوں کو مرتد کہنا صحیح بھی تھا، فارسی کی مشہور کتاب لغت میں لکھا ہے، مرتد، از اسلام و مسلمانی برگشته شده، یعنی اسلام اور مسلمانی سے پھر جانے والے شخص کو مرتد کہتے ہیں (غیاث اللغات صفحہ ۷۰۹) المرتد هو الذی یکفر بعد الایمان۔ شرعی طور پر مرتد وہ شخص ہے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے (کلیات ابی البقاء جلد ۱ صفحہ ۵۵۱) من ارتد عن الاسلام، جو شخص اسلام سے پھر جائے سو فقہ مرتد ہو جانا اسلام سے پھر جانا، (انوار اللغۃ پارہ ۱۰ صفحہ ۳) مختصر یہ کہ یہ اسلام کا بدیہی مسئلہ ہے کہ جو شخص اسلام کو چھوڑ دے، دین حق سے منہ موڑ لے، خدا و رسولؐ سے انکار کر دے صرف اسی کو مرتد کہتے ہیں، لیکن اگر اسلام سے انکار نہ کرے اور صرف عمل میں کوتاہی کرے مثلاً نماز نہ پڑھے زکوۃ نہ دے، خمس ادا نہ کرے، حج کو نہ جائے، روزہ نہ رکھے تو وہ مسلمان ہی رہے گا اور اس کو کسی طرح مرتد نہیں کہہ سکتے، بلکہ اگر وہ شراب پیے، چوری کرے، زنا کرے جب بھی مرتد نہیں کہا جا سکتا، علامہ بخاری نے تصریح کر دی ہے، فقال النبی ذاک جبریل اتانی فاخبرنی انه من مات من امتی لا یشرک باللہ شیئا دخل الجنة قلت یا رسول اللہ وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا یہ جبریل میرے پاس آئے اور مجھے خبر دی کہ میری امت سے جو شخص اس طرح مر جائے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی معبود کو شریک نہ کرے یعنی وہ مشرک نہ ہو وہ بہشت ہی میں جائیگا، میں نے پوچھا اے رسول خدا اگرچہ وہ شخص زنا اور چوری کرتا رہے؟ حضرتؐ نے فرمایا ہاں اگرچہ زنا چوری کرتا رہا ہو، (صحیح البخاری پارہ ۲۶ صفحہ ۳ باب من اجاب) نیز بخاری صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان النبی قال یرد علی الحوض رجال من اصحابی فیحلئون عنه فاقول یا رب اصحابی فیقول انک لا علم لک بما احدثوا

بعدک انهم ارتدوا على ادبارهم القهقري۔ حضرت رسول خدا فرماتے تھے کہ میرے پاس حوض کوثر پر میرے اصحاب سے کچھ لوگ آنا چاہیں گے مگر ان کو وہاں سے دھکے دے کر نکال دیا جائیگا، اس پر میں عرض کروں گا اے پروردگار! یہ تو میرے اصحاب ہیں، تو خدا ان کو جواب دے گا تم کو معلوم نہیں ہے کہ ان لوگوں نے تمہارے بعد کیا کیا گل کھلائے، مختصر یہ ہے کہ یہ لوگ مرتد ہو کر پچھلے پاؤں (اپنے سابق مذہب کی طرف پھر گئے) صحیح بخاری پارہ ۲۷ صفحہ ۲۱۶ کتاب الحوض) اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مرتد ہو جائے گا وہ نہ بہشت میں داخل ہوگا نہ حوض کوثر پر ٹھہرنے پائے گا، بلکہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، اور اوپر کی روایت سے معلوم ہو چکا کہ جو شخص مشرک نہیں ہوگا وہ ضرور بہشت میں داخل ہوگا نتیجہ یہ نکلا کہ جو شخص شرک نہ کرے وہ کسی طرح مرتد نہیں کہا جا سکتا،، اور اول صاحب کو جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے تھے وہ چیخ کر ہماری وحدانیت اور ہمارے رسولؐ کی رسالت کا اعلان کر رہے تھے لھذا وہ مشرک نہیں تھے اور جب مشرک نہیں ہوئے تو مرتد بھی نہیں ہو سکتے، بلکہ مسلمان ہی تھے، تو اول صاحب نے صرف روپیہ کے لئے، صرف مال و دولت حاصل کرنیکی غرض سے اور محض غلہ، جانور اور درہم و دینار وصول کرنے کے خیال سے ان لوگوں سے لڑائی کی، ان کو قتل کیا اور ان کی خونریزی کی، حضرت اول صاحب کا مال و دولت کے لئے مسلمانوں کا خون بہانا اور ان کو مرتد کے بہانے سے قتل کرنا اتنا مشہور اور یقینی واقعہ ہے کہ اسلام کی ہزاروں کتابیں اس سے بھری ہوئی پڑی ہیں، اس وقت تک کوئی مسلمان ان حادثوں سے انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکا، تھوڑے دنوں پہلے دہلی میں ایک بڑے عالم مولوی شاہ ولی اللہ صاحب گزرے ہیں انہوں نے بھی لکھا ہے" **بعدازاں اشکالے دیگر ظاهر بگردید در مقاتله منع کنندگان زکوٰۃ حالانکه به کلمه اسلام متکلم بودند**، یعنی اس کے بعد دوسری مشکل یہ ظاہر ہوئی کہ زکوٰۃ روکنے والوں سے جہاد کرنا چاہیئے یا نہیں حالانکہ وہ سب لوگ کلمہ اسلام پڑھ رہے تھے (کتاب ازالۃ الخفاء جلد ۲ ر صفحہ ۲۸) اور حیدر آباد کے مولوی وحید الزمان خاں صاحب نے بھی لکھا ہے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد عرب کے کئی قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا حضرت صدیق نے کہا میں ان سے لڑوں گا حضرت عمر نے یہ رائے دی کہ تم کو تالیف قلوب چاہیئے،، (کتاب انوار اللغۃ پارہ ۷ ر صفحہ ۱۳۲)

کیوں مسلمانو! کیا تم علیؑ کو بھی چاہتے ہو کہ اسی طرح لوگوں کو بے قصور بے وجہ قتل کر کے اپنی حکومت قائم کرتے؟ ان لوگوں کو بے سبب ذبح کر کے اپنی خلافت تسلیم کراتے؟ کیا کسی نبی نے آج تک ایسا کیا ہے کہ حضرت علیؑ بھی ایسا ہی کرتے؟ کیا کسی ہادی نے دنیا میں ایسا اندھیر مچایا ہے کہ حضرت علیؑ بھی اسی طرح اسلام پھیلاتے؟

پہلی خلافت میں مسلمانوں کو زندہ جلادینا

ہمارے پیارے مسلمانو! پورا قرآن مجید پڑھ جاؤ اور بتاؤ کہیں بھی ہم نے اپنے بندوں کو دنیا میں زندہ یا مردہ جلا دینے کا حکم دیا ہے؟ کسی پیغمبر یا وصی یا امام نے اپنے نہ ماننے والوں کو جلایا ہے؟ حضرت آدم سے حضرت رسول آخر الزمان تک کوئی رسول ایسا مل سکتا ہے جس نے اپنے مخالفین کو آگ میں جلایا ہو؟ لیکن ہمارے رسولؐ کی پہلی خلافت میں یہ سب کچھ ہوا جس سے ہمارے اسلام پر قیامت تک کے لئے اتنا بڑا دھبہ لگا جو کسی طرح نہیں مٹ سکتا اول صاحب نے اپنے مخالفین جو خدا کو مانتے تھے، رسول خدا کا کلمہ پڑھتے تھے باقاعدہ نماز ادا کرتے تھے عقیقہ اور ختنہ کراتے تھے غرض سوفی صدی مسلمان تھے (صرف اول صاحب کو زکوٰۃ نہیں دینی چاہتے تھے) عام خط میں لکھا جس میں یہ جملے بھی تحریر فرمائے انی بعثت الیکم فلانا فی جیش...... ومن ابی امرت ان یقاتله علی ذلک ثم لا یبقی علی احد منهم قدر علیه وان یحرقهم بالنار ویقتلهم کل قتلة وان یسبی النساء والذراری...... یعنی میں فلاں شخص کو ایک فوج کے ساتھ تمہاری طرف روانہ کرتا ہوں اس فوج کو میں نے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں میں سے جو شخص میرا حکم نہیں مانے اس سے ضرور لڑے اور جو شخص قابو میں آجائے اس پر ذرہ برابر بھی رحم نہ کرے ان سب کو آگ میں جلا دے سب کو اچھی طرح ذبح کر ڈالے اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنائے (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۷) یہ بھی لکھا تھا ان لوگوں کو لوٹ لو غارت کرو اور سب کو جلا ڈالو۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۳) یہ بھی لکھا تھا کہ اس فوج کو خدا ان لوگوں پر فتح دے اور وہ اس کے قابو میں آجائیں تو ان کو قتل کر دے سب کو آگ میں جلا دے کسی کو باقی نہ چھوڑے اور ان سب کا مال تقسیم کرلے، (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۲۸) ایک شخص شریک فزاری بیان کرتا تھا کہ اول صاحب نے مجھے بھی اپنے سردار فوج کی طرف روانہ کیا اور اس سردار فوج کے پاس میرے ہاتھ ایک خط بھیجا جس میں بہت سی باتوں کی تاکید تھی، آخری بات یہ تھی کہ اگر تم یمامہ والوں پر فتح پاؤ تو خبردار ان پر ذرہ برابر بھی رحم نہ کرنا، ان میں جو لوگ زخمی ہو کر زمین پر تڑپتے ہوں ان کو بھی نہ چھوڑنا بلکہ سب کی گردن اتار ڈالنا، جو بھاگیں ان کا پیچھا کر کے گرفتار کر لینا، ان میں سے جو لوگ تمہاری قید میں آسکیں ان سب کو اسیر کر کے تلوار کی باڑھ پر رکھ دینا، ان کے درمیان قتل کا ہول عظیم پیدا کر دینا اور ان سب لوگوں کو آگ میں جلا ڈالنا، خبردار میرے حکم کے ذرہ برابر بھی خلاف نہ کرنا۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۳۳) اس طرح اول صاحب کے کل احکام کی پوری تعمیل کی گئی، علامہ ابن اثیر جزری وغیرہ مورخین نے لکھا ہے کہ اول صاحب کی فوج والے زکوٰۃ نہ دینے والے مسلمانوں کو پکڑ کر اپنے سردار فوج کے پاس لائے تو اس نے ان بیچاروں کا بدن ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ان کو آگ میں جلا دیا ان کے بدنوں کو

پتھروں سے پیٹ پیٹ کر کوٹ ڈالا، ان کو پہاڑوں پر لے جا کر وہاں سے نیچے پھینک دیا، اوران کی ٹانگوں میں رسیاں باندھ کر ان کو کنوؤں میں الٹا لٹکا دیا، کہ بیچاروں کے سر نیچے اور پاؤں اوپر تھے اور اول صاحب کو ان کل کاروائیوں کی خوش خبری بھیج دی۔(تاریخ کامل جلد ۲ رصفحہ ۱۳۳) اور کتاب زہری میں ہے کہ پھر حضرت اول کی فوج والے طلیحہ والوں کے پاس پہنچ کر ان کو قتل اور گرفتار کرنے لگے اور اول صاحب کے سردار فوج خالد نے پکار کر اپنی فوج والوں سے کہا کہ جو شخص دیگچی میں کچھ پکانا یا پانی گرم کرنا چاہے وہ پتھر وغیرہ کا چولہا نہ بنائے بلکہ زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے جو مسلمان قتل کر دیئے گئے ہیں انہیں کے سروں کا چولہا بنائے اور ان میں آگ روشن کر کے انہیں سروں پر اپنی دیگچیاں رکھ کر کھانا پکائے یا پانی گرم کرے، اول صاحب کے سردار فوج نے یہ حکم دیا کہ بڑے بڑے گڈھے کھودے یا گھروندے (احاطے) بنائے جائیں پھر ان میں آگ روشن کردی جائے جب یہ سب کام ہو چکے تو حکم دیا کہ جتنے مسلمان پکڑے گئے ہیں وہ سب اس گھروندے کی آگ میں جھونک دئے جائیں اس حکم پر وہ سب بیچارے اہل اسلام اس گھروندے میں جھونک کر جلادئے گئے، اسی روز حامیہ میں سبیع بھی آگ میں جلا دیا گیا، جس کو حضرت رسولؐ خدا نے اس کی قوم کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کیا تھا، (تاریخ خمیس جلد ۲ رصفحہ ۲۳) یہاں تک نوبت پہنچی کہ عورت بھی آگ میں جلی "وثبت فاقتحمت النار، وہ عورت اپنی جگہ سے اچھلی اور آگ میں کود کر جل گئی۔(تاریخ خمیس جلد ۲ رصفحہ ۲۳۰)۔

حضرت اول صاحب کے سردار فوج نے قیدیوں کو گھروندوں میں بھرا پھر ان میں آگ لگادی تو وہ سب مسلمان اس میں جل کر ڈھیر ہو گئے حالانکہ وہ کل کے کل زندہ تھے جب سردار فوج نے حکم دیا کہ بڑے بڑے گڑھے کھودے جائیں تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ یہ کس غرض سے کھودے جارہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان سب کو انہیں گڑھوں میں بند کر کے جلادوں گا، اس پر لوگوں نے ان سے کچھ گفتگو کی تو سردار فوج نے جواب دیا میں کیا کروں، مجھے یہی حکم دیا گیا ہے، دیکھو یہ حضرت اول صاحب کا تاکیدی فرمان میرے پاس آیا ہوا ہے جس میں مجھے سختی سے حکم دیا ہے کہ اگر تم ان مسلمانوں پر فتح پاؤ تو سب کو جلادو، (تاریخ خمیس جلد ۲ رصفحہ ۲۳۱) ایک شخص جس کا نام ایاس بن عبد یالیل یا فجاءۃ بن عبد لیل تھا گرفتار کیا گیا، تو اس کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ وہ حضرت اول کے پاس مدینہ میں گرفتار کر کے بھیج دیا گیا، جب اول صاحب نے اس کو اپنے قبضہ میں دیکھ لیا تو حکم دیا بہت سی آگ ایک جگہ روشن کی جائے، غرض مصلے مدینہ میں آگ روشن کی گئی پھر فجاءۃ کی اچھی طرح مشکیں باندھ دی گئیں، اور وہ اس آگ میں پھینک دیا گیا جس میں بیچارہ جل کر راکھ ہو گیا، (تاریخ کامل جلد ۲ رصفحہ ۳۴) غرض پہلی خلافت کے کل حالات کو پڑھ جاؤ اور تاریخ وسیرت کے ایک ایک حرف کا مطالعہ کر جاؤ کہیں سے

بھی یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ اول صاحب نے اپنے مخالفوں کو کسی دلیل سے سمجھایا ہو، کسی حجت و برہان سے ان کو مغلوب کیا ہو، علم یا عقل کی مدد سے کام نکالا ہو، افہام و تفہیم سے ان لوگوں کی تشفی کی ہو اور "ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ (اپنے خدا کے دین کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت سے بلاؤ) پر عمل کیا ہو بلکہ ہر طرف چڑھائی کی گئی، ہر جگہ فوج بھیجی گئی، ہر موقع پر قوت و طاقت کی ہیبت قائم کی گئی ہر جانب ہتھیاروں کی چمک دکھائی گئی، ہر سمت لوٹ لو، پھونک دو، مٹادو، ڈھادو، تباہ اور برباد کردو کی چیخ پکار مچائی گئی، ہر صورت سے خون کی ندیاں بہائی گئیں، اور ہر شخص پر تلوار، نیزہ، خنجر اور آگ کے شعلوں سے تسلط کیا گیا، فاعتبروا یا اولی الابصار۔

کیوں مسلمانو! کیا تم لوگ تو چاہتے ہو کہ حضرت علی نے بھی سب کارنامے کئے ہوتے اسی طرح اسلام پھیلایا ہوتا؟ اول صاحب کی ان سب کاروائیوں کو آج کتابوں میں پڑھ کر کتنے مسلم اور غیر مسلم انصاف پسند حضرات ان کا مقابلہ چنگیز خان، ہلاکو خاں، حجاج، محمد شاہ رنگیلے وغیرہ سے کرتے اور کہتے ہیں کہ اول صاحب کے زمانے میں بنی آدم بلکہ خود مسلمانوں اور خدا اور رسول کا کلمہ پڑھنے والوں پر جو گذری اس کی نظیر دنیا کے ایسے مشہور ظالموں اور سفاکوں کے عہد میں بھی نہیں ملتی ہے کیونکہ وہ لوگ اپنے مخالفوں کو قتل کرتے، ان کا مال لوٹتے اور زبردستی ان سے اپنی حکومت تسلیم کراتے تھے لیکن ان مخالفوں میں جو لوگ زخمی ہو جاتے ان کی حفاظت کرتے، ان کا علاج کراتے، ان کو آرام دیتے، ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے تھے، ان کے بچوں، عورتوں کو چھوڑ دیتے اور جس پر وار کرتے صرف تلوار، نیزوں وغیرہ سے کام لیتے تھے لیکن حضرت اول صاحب نے تو عورتوں بچوں کو بھی پناہ نہیں دی، زخمیوں کو بھی ہلاک کرایا، لوگوں کو زندہ جلوایا، بیماروں کو کنوؤں کے اندر لٹکایا اور انہیں ایسی اذیتیں پہنچائیں جن کی شبیہ کسی زمانے میں نہیں ملتی نہ کسی ملک کی تاریخ ایسی مثال پیش کر سکتی ہے، خود مکہ کے کافر حضرت رسول خدا کے کتنے سخت دشمن تھے اور مسلمانوں کو ان لوگوں نے کیسی کیسی سزائیں دیں مگر اول صاحب نے اپنی خلافت کا سکہ جمانے کے لئے مسلمانوں کے ساتھ جو کیا، اس کی مثال ان کافروں کی سختیوں میں بھی مل سکتی ہے؟ مولوی شبلی صاحب ہی کے الفاظ سنو، اسلام جب آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہوا اور رسول اللہ اور اکابر صحابہ کو ان کے قبیلوں نے اپنے حصار حفاظت میں لے لیا تو قریش کا طیش و غضب ہر طرف سے سمٹ کر ان غریبوں پر ٹوٹا جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا، قریش نے ان کو اس طرح ستانا شروع کیا کہ جور و ستم کی تاریخ میں اس کی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی کی تحقیر ہے قریش نے جور و ظلم کے عبرت انگیز کارنامے شروع کئے جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو وہ عرب مسلمانوں کو پکڑتے، عرب تیز دھوپ، ریتلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا توا بنا دیتی ہے وہ ان غریبوں کو اسی توے پر لٹاتے، چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں،

بدن پر گرم بالو بچھاتے، لوہے کو آگ پر گرم کر کے اس سے داغتے، پانی میں ڈبکیاں دیتے (سیرۃ النبی جلد ۱ر صفحہ ۱۶۷) یہ ان کا برتاؤ تھا جو کافر تھے، اسلام کے دشمن تھے رسولؐ کے خون کے پیاسے تھے، مگر انہوں نے کسی مسلمان کو تلوار نہیں ماری، کسی اہل اسلام کو نیزہ نہیں لگایا، کسی کلمہ گو کی گردن نہیں کاٹی، کسی کی بوٹیاں ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیں، کسی کو پہاڑ پر سے نہیں گرایا، کسی کو کنویں میں الٹا نہیں لٹکایا، کسی کو آگ میں نہیں جلایا، اور حضرت رسولؐ خدا کی مسند پر بیٹھنے والے رحمۃ للعالمین کی جگہ مسلمانوں کی سرداری کرنے والے اول صاحب نے یہ سب کچھ کیا، وہ بھی کافروں کے ساتھ نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے ساتھ کیا، رسولؐ کا کلمہ پڑھنے والوں کے ساتھ کیا، حد یہ کہ باقاعدہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ کیا، پابندی کے ساتھ روزہ رکھنے والوں کے ساتھ کیا۔ ع۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

کیوں مسلمانو! کیا حضرت علیؑ سے بھی ایسی امید رکھتے ہو کہ وہ کسی ایک شخص کے ساتھ بھی یہ سب کرتے، ان کو تم نے کیا سمجھا ہے؟ بس رحمۃ للعالمین کی سچی تصویر دیکھنی ہو تو علیؑ کو دیکھو وہ علیؑ جنہوں نے اپنے قاتل کے بارے میں بھی وصیت کی کہ اس نے مجھے ایک تلوار ماری ہے، اس کو بھی قصاص میں ایک ہی وار لگایا جائے، بس اس سے زیادہ نہیں، حضرت علیؑ کی رحم سے بھری ہوئی وصیت اور نور سے بھرے ہوئے الفاظ پھر سے سن لو اور یاد رکھو کہ رسولؐ کا قائم مقام ایسا ہی ہوتا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا تھا:

انظر یا حسن ان أنا متُّ من ضربته هذه فاضربه ضربة بضربة (طبری صفحہ ۸۶ رجلد ۶)

بیٹا حسنؑ! دیکھو اگر میں اس تلوار کے وار سے مر گیا تو تم بھی میرے قصاص میں ابن ملجم کو تلوار کا ایک ہی وار لگانا کیونکہ اس نے بھی مجھے ایک ہی وار لگایا ہے۔

سچ ہے۔ گر ہو نبیؐ کے بعد تو ایسا امامؑ ہو۔

اول صاحب اپنے کو نائب رسولؐ اور خلیفہ خاتم انبیاء کہتے تھے، اس وجہ سے ان کو بھی وہی کام کرنا چاہیئے تھا جو انبیاء و مرسلین کے شایان شان ہو لیکن افسوس ہزار افسوس حضرت آدمؑ سے حضرت سید المرسلین تک کسی نبی یا وصی نے اپنے مخالفوں کے ساتھ اس برتاؤ کا ہزاروں حصہ بھی نہیں کیا جو حضرت اول نے کر دکھایا، حضرت ابراہیمؑ کو نمرود سے مقابلہ کرنا ہوا، حضرت موسیٰؑ کو فرعون سے جھیلنا پڑا، حضرت رسول آخر الزمان کو ابوسفیان سے کیسے کیسے دن دیکھنے پڑے مگر کبھی ان حضرات نے کوئی معمولی سختی بھی کسی کے ساتھ کی؟ ہاں اپنی حفاظت کرتے رہے اور ہمیشہ اپنی ذات اور اپنے تابعین کو دشمنوں سے بچانے ہی کی کوشش کی، خود کبھی کوئی حملہ نہیں کیا، کسی پر فوج کشی نہیں کی، کسی کو گرفتار نہیں کیا، کسی کے قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا کسی کو اس

وقت تک ہلاک نہیں کیا جب تک اسی کی طرف سے مجبور نہیں کر دیئے گئے، جب بھی کوئی صلح کی صورت ہوئی فوراً اس کو قبول کر لیا اپنا ہر قسم کا نقصان گوارا کر لیا مگر امن و آشتی سے کبھی منہ نہیں موڑا جس کو دین خدا کی طرف بلایا یا جس سے خدائی مذہب قبول کرنے کو کہا اس کو سمجھاتے اور نصیحت ہی کرتے رہے، اس سے کبھی خوج کا نام بھی نہیں لیا، اس کے متعلق تلوار اٹھانے کا ارادہ بھی نہیں کیا، کسی قیدی کو مار ڈالنے کا تو ان کو وہم بھی نہیں ہوا اور کسی آدمی کو آگ میں جلانے کا تو انہوں نے خواب بھی نہیں دیکھا، چنگیز خاں وغیرہ اپنی فوجوں کو دوسری طرف بھیجتے تھے تو وہ خوشی سے جاتی تھیں مگر اول صاحب تو لوگوں کو زبردستی بھی لڑنے کے لئے روانہ کرتے تھے، مورخین نے لکھا ہے کہ جب اول صاحب کے سردار فوج ان مخالفوں سے لڑنے میں کامیاب ہوئے تو ان میں سے کچھ لوگ مدینہ میں چلے آئے اور اول صاحب سے درخواست کی کہ اسلام پر ان کی بیعت لے لیں اور ان کو امن دے دیں، اس کے جواب میں اول صاحب نے کہا میرا تم سے بیعت لینا اور تم کو امن دینا اسی وقت ممکن ہے کہ تم یہاں سے فوراً روانہ ہو جاؤ اور میرے سردار فوج کے ساتھ مل کر میرے مخالفوں کو خوب قتل کرو اور انہیں آگ میں جلاؤ (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۳۳) اول صاحب کو جو کچھ کامیابی ہوئی وہ دوسروں ہی کی ممنون ہے، جس طرح عہد رسولؐ میں آپ نے کافروں کو قتل نہیں کیا اسی طرح اپنے زمانہ خلافت میں بھی اس سے محفوظ رہے، دوسرے مسلمان ہی آپ کی فوج لے کر جاتے اور فتح کی خوش خبری آپ کو بھیجتے، اگر کبھی آپ کو کسی جنگ میں تشریف لے جانے کا موقع ملا تو اس سے آپ اسی شان سے واپس آئے جس طرح عہد رسولؐ میں آپ کا دستور العمل تھا، مورخین نے لکھا ہے، حضرت رسولؐ کی وفات کے بعد پہلی لڑائی ملک یمن میں اسود عنسی سے ہوئی، پھر جنگ خارجہ بن حصین و منظور بن زبان بن سیار غطفان میں ہوئی۔ اس وقت حضرت اول نے بھاگ کر ایک جھاڑی میں پناہ لی اور وہاں چھپ رہے۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۱) مسلمانوں نے فرار کیا اور حضرت اول ایک درخت پر چڑھ کر چھپ رہے اور نا پسند کیا کہ کوئی ان کو پہچانے۔ (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۲۲۷)

مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "حضرت ابوبکر کے عہد میں مرتدین عرب اور مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا، خلافت کے دوسرے ہی برس یعنی ۱۲ھ میں عراق پر لشکر کشی ہوئی اور حیرۃ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے، ۱۳ھ مطابق ۶۳۴ء میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں تمام اضلاع میں پھیل گئیں۔" (الفاروق صفحہ ۷۳) اس بات سے ثابت ہوا کہ جن لوگوں کو غلط طور پر مرتد کہا جاتا ہے جب ان کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا اس کے بعد فتوحات ملکی کا آغاز ہوا اور لشکر کشی ہوئی، حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے، پھر شام پر حملہ کیا گیا، اور اسلامی فوجیں تمام اضلاع میں پھیلا دی گئیں، اس کا واضح مطلب یہی تو ہوا کہ ان ملکوں میں نہ کوئی فتنہ و فساد تھا نہ ان ملکوں نے مسلمانوں کا کچھ بگاڑا تھا نہ اسلام کو نقصان پہنچایا نہ وہاں والوں نے

جنگ کی نہ اس کا ارادہ کیا کہ جس سے بچنے کے لئے دفاعی جنگ کا کوئی انتظام کیا گیا ہو بلکہ خود خلافت کی طرف سے ان دور دراز ملکوں کے فتح کر لینے کا عزم کیا گیا اور وہ سب ملک فتح بھی کیے گئے چنانچہ حیرۃ کو مع تمام عراق عرب کے جو فرات کے مغرب میں مسلمانوں نے ایرانیوں سے چھین لیا اور کتنے مقامات شام وغیرہ ان کی سلطنت میں شامل کر لئے گئے اگر اول صاحب بجائے دو سال کے بیس برس سلطنت کرنے پاتے تو جولیس سیزر، سکندر، بخت نصر، چنگیز، تیمور، ہلاکو خاں، اکبر، وغیرہ سے زیادہ آپ کے فتوحات ہوتے بلکہ دنیا کا کوئی فاتح آپ کی ہمسری نہیں کر سکتا اور مسلمانوں کو دنیا کے بہت بڑے حصہ کی سلطنت مل جاتی، اس لئے آپ کی فوجیں جس جگہ کا ارادہ کرتیں وہاں ایسی حالت میں پہنچتیں کہ وہاں والوں کو لڑنے کے لئے آمادہ ہو جانے کا موقع بھی نہیں ملتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ کی فوج والے جو کہتے وہ ان لوگوں کو مجبور ہو کر مان لینا ہی پڑتا تھا، مثلاً جب آپ نے عراق کی طرف فوجیں بھیجی ہیں اور سردار فوج اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچے ہیں تو سردار نے ان لوگوں کو پیغام دیا کہ یا فوراً از بردستی اسلام قبول کر لو نہیں تو جزیہ دو، ورنہ ہم سے لڑو، وہ لوگ نہ لڑ سکے نہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوئے قتل کے خوف سے جزیہ دینا منظور کر لیا، (تاریخ کامل جلد ۲ رصفحہ ۱۴۷) اول صاحب کی فوج سوتے ہوئے لوگوں پر بھی حملہ کر دیتی اور شبخون مارنے میں بھی بہت مشاق تھی، مثلاً مورخین نے لکھا ہے کہ اول صاحب کے سردار فوج نے اپنے ساتھیوں کو تحریر کیا کہ میں وہاں آتا ہوں تم لوگ رات کو فلاں وقت مضیح کے قریب پہنچ جانا غرض وعدہ کی رات کو کسی وقت سب مسلمان وہاں پہنچ گئے، اور ہذیل اور اس کے ساتھیوں پر جب کہ سب کے سب اطمینان کی نیند سو رہے تھے تین طرف سے ان کو گھیر کر حملہ کر دیا او اس طرح شبخون مار کر ان میں کے بہت سے آمیوں کو قتل کر ڈالا، ان میں سے صرف چند آدمی بھاگ سکے، باقی لوگ اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہیں پائے، یہ بھی لوگوں کو نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ بیچارے اپنی نیند سے جگ گئے تھے یا سوتے کے سوتے ہی رہ گئے۔ (تاریخ کامل جلد ۲ رصفحہ ۱۵۳) اول صاحب کی فوج والے ہتھیار ڈال دینے اور معافی طلب کرنے والوں کے قتل کر دینے میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے، عین التمر کی فتح کے ذیل میں مورخین نے لکھا ہے کہ جب شکست یافتہ لوگوں نے قلعہ میں پناہ لی تو اول صاحب کے سردار فوج نے قلعہ سے ان کو اتار دینا چاہا اس پر ان لوگوں نے سردار فوج سے امان طلب کی مگر سردار فوج نے اس سے بھی انکار کیا، تب ان کے حکم کے مطابق قلعہ سے اتر آئے جس کے بعد سردار فوج نے ان بیچاروں کو بھی پکڑ کر ان کی مشکیں بندھوا دیں پھر سب کو قتل کرادیا قلعہ میں جس قدر عورتیں بچے ملے سب کو لونڈی غلام بنالیا، اور جس قدر مال نظر آیا سب لوٹ لیا ان میں چالیس کم سن لڑکے بھی ملے جو انجیل پڑھتے تھے، ان سب کو گرفتار کر کے اور غلام بنا کر فوج والوں میں تقسیم کر دیا، (تاریخ کامل جلد ۲ رصفحہ ۲۲) ان چالیس لڑکوں کو کس طرح گرفتا کیا؟ وہ بیچارے دروازے

بند کر کے اندر جان بچا کر چھپے ہوئے تھے مگر اول صاحب کی فوج والوں نے دروازے توڑ کر ان سب کو پکڑ لیا۔(تاریخ طبری جلد ۳، صفحہ ۲۲) ان لوگوں کی مہربانی کس حد تک بیان کی جائے؟ اُف! سننے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے، بعض قیدیوں کو سامنے کھڑا کرتے اور فوج کو حکم دیتے کہ ان لوگوں پر تیروں کی بارش کرو، وہ لوگ تیروں کی بوچھار، بیچاروں کے سینوں پر کرتے رہتے، (طبری جلد ۳، صفحہ ۲۲۳) بعض لوگوں کی مشکیں باندھ کر ان پر بڑے بڑے پتھر پھینکتے جس سے ان کے بدن چور چور ہو جاتے تھے، انہیں لوگوں میں وہ بے بس بھی تھے جن کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے جاتے پھر ان کو پتھروں سے کوٹا جاتا، (طبری جلد ۳، صفحہ ۲۲۳) تقریباً ہر ملک اور ہر زمانہ میں وہ کم سن کوپا ہے زبان لڑکیاں جن کی شادی ہوتی ہے اس وقت ہمدردی کی مستحق سمجھی جاتی ہیں، اور بڑے بڑے دشمن بھی اس موقع پر اپنی عداوت ظاہر کرنی اصول شرافت ہی نہیں بلکہ لوازم انسانیت کے خلاف سمجھتے ہیں، مگر حضرت اول کے فتوحات میں ان اخلاقی باتوں کی کوئی پرواہ نہیں کی گئی، ایک نئی دلہن کا واقعہ علامہ طبری وغیرہ نے اس طرح لکھا ہے کہ ہر حرقص قبیلہ بنی ہلال کی ایک عورت ام تغلب کو بیاہ کر اپنے گھر لایا تھا مگر حضرت اول کی فوج نے اس دلہن کو بھی اسی رات میں ذبح کر ڈالا، (طبری جلد ۳، صفحہ ۲۴) مورخین نے یہ تصریح لکھا ہے کہ صرف ایک موقع پر جنگ فراض میں حضرت اول کی فوج نے لڑ کر اور بھاگے ہوئے لوگوں کو پکڑ کر جس کثرت سے قتل کیا ان کی تعداد ایک لاکھ تھی، (طبری جلد ۳، صفحہ ۱۲۶) حضرت اول کی فوجوں نے اس قدر لوگوں کو قتل کیا کہ اس طرف کے راستے تک بدبودار ہو گئے تھے، وقتلوهم كل قتلة وانتت السبيل لقتلهم، حضرت اول کی فوجوں نے ہر طرح لوگوں کو قتل کیا یہاں تک کہ مقتولین کی لاشوں سے اس طرح کی راہیں بدبودار ہو گئی تھیں، (طبری جلد ۳، صفحہ ۲۶۵) ایک موقع پر اول صاحب کے سردار نے کہا اے خدا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے ان مخالفین کے کاندھوں پر ہمارے ہاتھ پہنچا دیے تو جتنے لوگوں کو ہم گرفتار کر سکیں گے ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ ان کا دریا انہیں کے خون سے بہا دیں گے، چنانچہ یہ لوگ فتحیاب ہوئے تو واقعا سردار فوج نے ان لوگوں کے خون سے دریا بہا دیے فجری دما عبیطا فسمی نهر الدم لذالک الشان الی الیوم، یعنی ان مقتولین کے تازہ خون اس کثرت سے بہائے گئے کہ اسی سبب سے اس دریا کا نام نہر الدم (خون کا دریا) رکھ دیا اور اس دریا کا نام آج تک یہی ہے۔

(تاریخ طبری جلد ۳، صفحہ ۱۰)

مسلمانو! بولو مگر انصاف سے بولنا تعصب اور مذہب کی اندھی محبت سے نہ کہنا کہ کیا اسی طرح حضرت علیؑ بھی اپنے مخالفین کے خون سے دریا بہاتے؟ کیا وہ بھی اسی طرح خون کی ندیاں جاری کرتے تو تم لوگ ان کی قدر کرتے؟ کیا وہ بھی اسی

طرح خون کی بارش کا سامان کرتے تو تم لوگ ان کے مداح ہوتے اگر ایسا ہی ہے تو بہتر ہے، تم لوگ ان کی قدر نہ کرو، ان کے مداح نہ بنو، ان سے الگ ہی رہو، ان کی پیروی کا دعویٰ بھی نہ کرو، مگر یاد رکھو پھر تم لوگوں کو حضرت آدمؑ پیغمبر کی قدر بھی نہیں کرنی ہوگی، کیونکہ انہوں نے بھی خون کی ندیاں نہیں بہائیں، حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی تعریف بھی نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ انہوں نے بھی اول صاحب کی طرح خون کی ندیاں نہیں بہائیں، حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ کی خوبی نہیں بیان کرنی چاہیئے کیونکہ انہوں نے بھی اول صاحب کی طرح خون کی ندیاں نہیں بہائیں، بلکہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کو بھی نہیں ماننا چاہیئے کیونکہ حضرتؐ نے بھی خون کی ندیاں نہیں بہائیں، مختصر یہ کہ دنیا میں جن لوگوں نے خون کی ندیاں بہائیں ان لوگوں کی صف میں حضرت اول اور دوم کو رکھو، اور جن لوگوں نے خون کی ندیاں نہیں بہائیں بلکہ ہدایت کے چشمے جاری کر دیئے، تزکیہ نفس کے دریا بہائے اور انسانوں کو فرشتہ صفات بنانے کے سمندر میں پہنچایا ان لوگوں کی صف میں حضرت رسولؐ اور ان کے بھائی علی ابن ابی طالبؑ کو رکھو، اگر ہمارے رسولؐ اچھے تو علیؑ بھی اچھے، اگر ہمارے رسولؐ قابل قدر تو علیؑ بھی قابل قدر اور اگر علیؑ قابل الزام تو حضرت رسولؐ بھی قابل الزام، اگر حضرت علیؑ نا قابل مدح تو حضرت رسولؐ بھی نا قابل مدح وثنا، کیونکہ دونوں کی زندگی ایک طرح گزری، دونوں کی ہدایت ایک ہی ایسی رہی، دونوں کی اسلامی خدمات ایک ہی قسم کی تھیں، دونوں دین حق ہی کی اشاعت کرتے رہے، دونوں صراط مستقیم ہی کی طرف لوگوں کے بلانے کا فرض ادا کرتے رہے۔

دوسری خلافت کے کارنامے

اب دوسری خلافت کے واقعات بھی پڑھو اور بتاؤ کیا علیؑ بھی انہیں کے ایسے ہو جاتے؟ کہ علیؑ بھی انہیں ایسے فاتح بننے کی کوشش کرتے کیا علیؑ بھی تلوار کے زور سے اسلام پھیلاتے کیا علیؑ بھی بے قصور لوگوں پر فوج کشی کرتے رہتے؟ کیا علی بھی ملکی فتوحات کے نشہ میں چور ہو جاتے، کیا علیؑ بھی دوسروں کو زبردستی رعایا بنا ڈالتے؟ کیا علیؑ بھی مذہب کے نام پر لاکھوں عورتوں کو بیوہ کر دیتے؟ کیا علیؑ بھی اسلام کے پردے میں لاکھوں بچوں کو یتیم اور لاکھوں بچیوں کو یتیمہ کر دیتے؟ کیا علیؑ بھی روپیے کے لالچ میں ہمارے احکام کو پس پشت ڈال دیتے؟ کیا علیؑ بھی حکومت کی طمع میں مسلمانوں کو جنگجو قوم بنا دیتے؟ کیا علیؑ بھی اس زمانے کے کروڑوں غیر مسلم قوموں کا یہ طعنہ سنتے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا؟ کیا علیؑ بھی رسولؐ کے طرز عمل سے آنکھیں بند کر لیتے؟ کیا علیؑ بھی اپنے آقا کی روشنی کو بالائے طاق رکھ کر دنیا پرستی میں مشغول ہو جاتے؟ کیا علیؑ بھی انبیاء ومرسلین کی سیرت چھوڑ کر چنگیز خاں اور ہلاکو خاں بن جاتے،؟ کیا علیؑ بھی ہم کو بھول جاتے؟ کیا علیؑ انبیاء ومرسلین کی بعثت کے اغراض کو فراموش کر دیتے؟ کیا علیؑ بھی ایسی چال چلنے لگتے جس کی وجہ سے وہ بھی ہماری ان خوفناک آیتوں کی ہو بہو تصویر اور پورا فوٹو نظر آتے؟

(۱) وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿۲۷﴾ يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۔ (پارہ۱۹ر ع ۱۸)

اور جس دن نافرمان آدمی مارے افسوس کے اپنا ہاتھ کاٹنے لگے گا اور کہے گا اے کاش میں بھی بھی ان پیغمبر کے ساتھ اصلی دین کے رستہ پر لگ لیتا ہائے میری کم بختی کاش میں فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بناتا اس نے تو نصیحت کے آگے پیچھے بھی مجھے اس سے بہکا دیا اور شیطان کا تو قاعدہ ہے کہ وقت پڑنے پر انسان کو چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے اور اس وقت پیغمبر (یعنی محمدؐ) خدا کی جناب میں عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار میری امت نے اس قرآن کو بکواس ہی سمجھا

ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها وجعلوا أعزة أهلها أذلة وكذالك يفعلون۔ (پارہ۱۹ر ع ۱۸)

بادشاہ جب کسی شہر کو بزور فتح کر کے اس میں داخل ہوا کرتے ہیں تو ان کا دستور ہے کہ اس کو خراب اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔

مسلمانو! کیا تم علیؑ سے بھی اس کی امید رکھتے تھے کہ وہ ہماری ان تاکیدی آیتوں کو بالکل ترک کر دیتے اور آنکھیں بند کر کے خلاف عمل کرتے؟

(۱) ولا تعثوا في الارض مفسدين۔ (پارہ۱ر ع ۷)

دیکھو تم لوگ زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو؟

(۲) فاذكروا آلاء الله ولا تعثوا في الارض مفسدين۔ (پارہ۸ر ع ۱۷)

اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔

(۳) واذا قيل لهم لا تفسدوا في الارض قالوا انما نحن مصلحون۔ (پارہ۱ر ع ۲)

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم لوگ تو زمین کی بھلائی ہی کے یہ کام کر رہے ہیں۔

(۴) ولا تفسدوا في الارض بعد اصلاحها۔ (پارہ۸ر ع ۱۸)

اور زمین کی حالت درست ہونے کے بعد اب تم اس میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

(۵) فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوا في الارض وتقطعوا أرحامكم۔ (پارہ۲۶ر ع ۷)

کیا تم لوگوں سے کچھ بعید ہے کہ اگر کسی جگہ کی حکومت پا جاؤ تو زمین میں فسادات کرتے پھرو اور رشتوں ناطوں کو توڑنے لگو۔

(۶)ومن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ۔(پارہ ۳۰)
جوشخص ذرہ برابر بھی اچھا کام کرے گا اس کا اچھا بدلہ ضرور دیکھے گا، اور جوشخص ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کی سزا ضرور پائے گا۔

(۷)الذین ینقضون عھداللّٰہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما أمراللّٰہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک ھم الخاسرون۔(پارہ ۱ع ۳)
جو پکا کئے پیچھے خدا کا عہد توڑ دیتے اور جن تعلقات کے جوڑے رکھنے کو خدا نے کہا ہے ان کو قطع کرتے اور زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں یہی لوگ آخرکار نقصان اٹھائیں گے۔

(۸)والذین صبروا ابتغاء وجہ ربھم واقاموا الصلوٰۃ وانفقوا مما رزقنٰھم سرّاً وعلانیۃً ویدرء ون بالحسنۃ السیّئۃ اولئک لھم عقبی الدار جنات عدن یدخلونھا ومن صلح من اٰبائھم وازواجھم وذرّیاتھم والملائکۃ یدخلون علیھم من کل باب۔سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والذین ینقضون عھداللّٰہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما أمراللّٰہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک لھم اللعنۃ ولھم سوء الدار۔(پارہ ۱۳ر ع ۹)
اور وہ لوگ جو اپنے خدا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے اس میں سے چھپا کر اور کھل کر خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت کی بھلائی مخصوص کردی گئی ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے بہشت جن میں وہ آپ جائیں گے اور ان کے باپ دادا ان کی بیبیوں اور ان کی اولاد میں سے جو لوگ نیکوکار ہیں وہ سب بھی اور فرشتے بہشت کے ہر ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے اور سلام علیکم کے بعد کہیں گے دنیا میں صبر جو کیا تھا یہ اسی کا صلہ ہے۔دیکھو تو آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے اور جو لوگ خدا سے عہد و پیمان کو پکا کرنے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں اور جن تعلقات باہمی کے قائم رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے انہیں قطع کرتے ہیں اور روئے زمین پر فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے لعنت اور برا گھر جہنم ہے۔

(۹)فاتقوااللّٰہ واطیعون ولا تطیعوا أمر المسرفین الذین یفسدون فی الارض ولا یصلحون۔(پارہ ۱۹ر ع ۱)
تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور بندگی کی حد سے بڑھ جانے والوں کے کہے میں نہ آجانا جو زمین میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

(۱۰) وکان فی المدینة تسعة رهط یفسدون فی الارض ولا یصلحون۔ (پارہ ۱۹ ر ع ۱۹)

شہر میں نو آدمی تھے جو زمین میں فساد کرتے پھرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔

(۱۱) أم نجعل الذین أمنوا و عملوا الصالحات کالمفسدین فی الارض أم نجعل المتقین کالفجار۔ (پارہ ۲۳ ر ع ۱۲)

کیا جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کئے ان کو ہم ان ہی جیسا کر کے رکھیں گے جو زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں؟ یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر کے رکھیں گے؟

(۱۲) وابتغ فی ما اٰتاک الله الدار الأخرة ولا تنس نصیبک من الدنیا وأحسن کما أحسن الله الیک ولا تبغ الفساد فی الأرض ان الله لا یحب المفسدین۔ (پارہ ۲۰ ر ع ۱۱)

اور جو تم کو خدا نے دے رکھا ہے اس میں سے پچھلا آخرت کے گھر کی بھی فکر کرو اور دنیا سے جو تمہارا حصہ ہے اس کو نہ بھول جاؤ اور جس طرح خدا نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے تم بھی اوروں کے ساتھ احسان کرو اور زمین میں فساد نہ کرو کیوں کہ خدا فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اگر تم کہو گے کہ کسی ملک کو فتح کرنا فساد کرنا کیوں کہا جائے گا تو ابھی ہم بیان کر چکے کہ بادشاہ جب کسی گاؤں میں داخل ہوتے ہیں تو ضرور فساد کرتے ہیں اس سے واضح دلیل ان کے فساد کرنے کی کیا ہو سکتی ہے۔

ان بارہ آیتوں کو سامنے رکھ کر دوسری خلافت کے واقعات کو دیکھو تو خود فیصلہ کر لو گے کہ ان کے فتوحات کو سچا اسلام کیا سمجھتا ہے اور خود ہم (خدا) کس نظر سے دیکھتے ہیں دوسری خلافت کے زمانے میں لاکھوں مخلوق خدا قتل کئے گئے۔ لاکھوں عورتیں بیوہ کر دی گئیں اور لاکھوں بچے یتیم بنا دئے گئے۔ مورخ طبری نے ۱۵ھ کے واقعات میں فتح قیساریہ اور حضرغزہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: فبلغت قتلاهم فی المعرکة ثمانین الفاو کملها فی هزیمتهم مائة ألف.............النعی یزید بن معاویة الی عمر بالخبر فجمع الناس وأباتهم علی الفرح لیلاً فحمد الله وقال لتصمدوا الله علی فتح قیساریة۔ یعنی دوسرے صاحب کے سردار فوج نے قیساریہ اور غزہ میں جس قدر لوگوں کو قتل کیا ان بیچاروں کی تعداد اسی ہزار تھی اور جو لوگ ہار کر بھاگے ان کو پیچھا کر کے قتل کیا گیا تو وہ بھی بیس ہزار تھے اس طرح ایک لاکھ آدمی صرف اسی جنگ میں قتل کئے گئے۔ معاویہ نے اس فتح کی خوشخبری دوسرے صاحب کو بھیج دی تو انھوں نے مدینہ میں مسلمانوں کو جمع کیا رات بھر اسی خوشی میں جشن کیا۔ دوسروں سے بھی جشن کرایا اور خدا کا شکر کیا اور کہا تم لوگ بھی

قیساریہ کی فتح پر خدا کی حمد بجالاؤ۔ (تاریخ طبری جلد ۴، صفحہ ۱۵۲) مولوی شبلی صاحب نے دوسری خلافت کے حالات کو بڑے جوش سے لکھا ہے اور اس کی بھی بعض عبارتیں سنتے اور فیصلہ کرتے چلو کہ کیا حضرت علیؑ بھی ایسی عالمگیری صفت اپنے میں پیدا کرتے؟ مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر عراق کی سرحد حیرۃ وابلہ کی طرف غارت گری شروع کی۔" (الفاروق صفحہ ۸۰")

کیوں مسلمانو! کیا حضرت علیؑ بھی غارت گری کو پسند کرتے؟ اور سنو یہ حضرت ابوبکر کی خلافت کا زمانہ تھا۔ مثنیٰ نے حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی (صفحہ ۸۰) اول صاحب کو روکنا چاہیئے تھا کہ ان بیچاروں پر کیوں حملہ کروگے، ان لوگوں کا کیا قصور ہے؟ کیا غریب اپنے گھروں میں رہنے بھی نہیں پائیں؟ کیا کسی کو زبردستی مسلمان کروگے؟ کیا خدا نے لا اکراہ فی الدین نہیں فرمادیا ہے؟ لیکن انہوں نے خوشی خوشی اجازت دے دی۔ حضرت ابوبکر کی خدمت سے واپس آ کر انہوں نے ایک بڑا گروہ لے کر عراق کا رخ کیا ادھر حضرت ابوبکر نے خالد کو مدد کے لئے بھیجا، خالد نے عراق کے تمام سرحدی مقامات فتح کرلئے، حضرت عمر مسند خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ کی۔ کئی دن تک وعظ کہا لیکن کچھ نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن اس جوش سے تقریر کی کہ حاضرین کے دل ہل گئے۔ (الفاروق صفحہ ۸۱)

مسلمانو! سنتے ہو رسولؐ کے دوسرے جانشین کی کتنی مدح وثنا ہو رہی ہے؟ حاضرین کے دل کس بات سے ہل گئے؟ کیا خدا کی توحید قائم کرنے کے لئے؟ کیا رسالت کی طرف دعوت کرنے کے لئے؟ کیا عبادت خدا کے لئے؟ نہیں بلکہ جنگ کے لئے، لوٹ کے لئے، قتل وغارت کے لئے، خون بہانے کے لئے، دولت سمیٹنے کے لئے، سلطنت قائم کرنے کے لئے، بادشاہت کا ارمان پورا کرنے کے لئے، ہمارے رسول بھی وعظ کہتے تھے، مگر کس لئے، کیا تلوار بازی کے لئے۔ نہیں بلکہ مولوی شبلی صاحب ہی کے الفاظ میں سنو "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی۔" (سیرۃ النبی جلد ا، صفحہ ۱۶۱) بتاؤ دونوں وعظوں کا فرق تم کو نظر آتا ہے؟ آگے بڑھو، دوسرے صاحب کی تقریر سے حاضرین کے دل دہل گئے تو کیا ہوا؟ مثنیٰ شیبانی نے اٹھ کر کہا کہ مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزمالیا ہے، وہ مردمیدان نہیں ہیں عراق کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کرلیا ہے اور عجم ہمارا لوہا مان گئے ہیں۔ حاضرین میں ابوعبیدہ ثقفی بھی تھے وہ جوش میں آ کر کھڑے ہوئے اور کہا کہ "انا" یعنی اس کام کے لئے میں ہوں، ابوعبیدہ کی ہمت نے تمام حاضرین کو گرمادیا اور ہر طرف سے غلغلہ اٹھا کہ ہم بھی حاضر ہیں حضرت عمر نے مدینہ منورہ اور اطراف سے ہزار آدمی (یہ بلاذری کی روایت ہے ابو حنیفہ دینوری نے ۵/ہزار تعداد لکھی ہے) انتخاب کئے اور ابوعبیدہ کو سپہ سالار مقرر کیا" (الفاروق صفحہ ۸۱)

مسلمانو! دیکھو کیا یہ کسی قوم کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعہ اسلام کی طرف بلانے کا سامان کیا گیا؟ کسی مذہبی تبلیغ کے لئے سپہ سالار مقرر کیا گیا، کیا دین کی طرف متوجہ کرنے کے لئے فوج بھیجی گئی؟ کیا دعوت اسلام کے لئے تلوار، نیزے، تیر، گرز جمع کئے جاتے ہیں؟ حضرت عمر نے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ تم کو جو شرف تھا وہ سبقت اور استقلال کی وجہ سے تھا لیکن اس شرف کو تم نے خود کھو دیا، یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ جو لوگ لڑنے سے جی چرائیں وہ افسر مقرر کئے جائیں" (الفاروق صفحہ ۸۲) معلوم ہوا کہ کچھ صحابہ ایسے بھی تھے جو ان بے قصور لوگوں کے ساتھ لڑنے سے جی چراتے تھے، اس وجہ سے دوسرے صاحب کو ان پر اعتبار نہیں تھا، غرض فوج گئی اور تبلیغ کا کوئی کام نہیں کیا، ہدایت کی کوئی خدمت نہیں کی وعظ و پند سے کوئی تعلق نہیں رکھا صرف خون ریزی کے کارنامے انجام دیئے گئے" (ابوعبیدہ نے اسی اثنا میں فوج کو سروسامان سے آراستہ کرلیا اور پیش قدمی کرکے خود حملے کے لئے بڑھے" (الفاروق صفحہ ۷۸)

مسلمانو! بتاؤ کیا حضرت علی بھی کسی سے لڑنے کے لئے گئے تو کبھی پیش قدمی کی؟ خود کبھی حملے کے لئے بڑھے؟ صفین میں جو جنگ ہوئی اس کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے "وتقدم علی الی اصحابه ان لا يقاتلهم حتى يبدوهم بالقتال ولا تقتلوا مدبرا ولا ياخذن واشياء من اموالهم ولا يكشفوا العورة" لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت علی نے اپنے اصحاب کو بلا کر کہا کہ جب تک جنگ کی ابتداء فوج مخالف کی طرف سے نہ ہوجائے تم لڑائی پر اقدام نہ کرنا اور جو بھاگے اس کو نہ مارنا اور دشمن کا کوئی مال نہ لینا اور کسی کو برہنہ کرنا (تاریخ ابن الوردی وغیرہ) غرض دوسری خلافت کی اسلامی فوج گئی اور ایرانیوں سے خوب لڑی، کثرت سے ان بیچاروں کا خون بہایا، دوسروں کی بھی جان لی اور اپنی جان بھی دی، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو بری طرح شکست ہوئی حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار رہ گئی، جن لوگوں کو یہ ذلت نصیب ہوئی تھی وہ مدت تک خانہ بدوش پھرتے رہے اور شرم سے اپنے گھر وں کو نہیں جاتے تھے، اکثر رویا کرتے اور لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے" (الفاروق صفحہ ۸۶) اب بھی دوسرے صاحب کو سمجھ نہیں کرتے کہ مذہب کے نام پر کسی سلطنت کو برباد کرنا کس شریعت میں جائز ہے"۔ اس شکست نے حضرت عمر کو بہت برہم کیا اور نہایت زور وشور سے حملہ کی تیاریاں کیں، تمام عرب میں خطباء اور نقیب بھیج دیئے گئے، جنھوں نے پر جوش تقریروں سے تمام عرب میں ایک آگ لگادی اور ہر طرف سے عرب کے قبائل امنڈ آئے" (الفاروق صفحہ ۸۷)

مسلمانو! دوسرے صاحب کے کارنامے بھی سن رہے ہو حضرت رسول صلعم بھی خطباء اور نقیب بھیجتے تھے، مگر کیا کسی کی گردن مارنے کے لئے؟ مذہبی مولوی شبلی نے کیا بتایا ہے؟ آنحضرت کا معمول تھا کہ حج کے زمانے میں رؤسائے قبائل کے

پاس جا کر تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے، اس سال رجب ۱۱ نبوی میں آپ متعدد قبائل کے پاس تشریف لے گئے آپ نے دعوت اسلام دی اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا دیکھو! یہود ہم سے اس اولیت میں بازی نہ لے جائیں، یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا، دوسرے سال بارہ شخص مدینہ منورہ سے آئے اور بیعت کی اس کے ساتھ اس بات کی بھی خواہش کی کہ احکام اسلام سکھانے کے لئے کوئی معلم ان کے ساتھ کر دیا جائے، آنحضرتؐ نے مصعب بن عمیر کو اس خدمت پر مامور فرمایا ان کا روزانہ معمول تھا کہ انصار کے ایک ایک گھر کا دورہ کرتے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن مجید پڑھ کر سناتے روزانہ ایک دو نئے آدمی اسلام قبول کرتے، رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا، قبیلہ اوس کو مصعب نے جب ان کے پاس جا کر اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے پہلے نفرت ظاہر کی لیکن جب مصعب نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں تو پتھر موم تھا، ان کا اسلام لانا تمام قبیلہ اوس کا اسلام قبول کر لینا تھا۔ آپ نے اس گروہ میں سے بارہ شخص نقیب انتخاب کئے، آں حضرتؐ نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی یہ تھیں: شرک، چوری، زنا، قتل اولاد اور افتراء کے مرتکب نہ ہوں گے اور رسولؐ اللہ ان سے جو اچھی بات کہیں گے اس سے سرتابی نہ کریں گے" (سیرۃ النبی جلد ا/صفحہ ۱۹۵)

مسلمانو! ہمارے رسولؐ کے نقیبوں کے فرائض کو ثانی صاحب کے نقیبوں کے کارناموں سے موازنہ کرو تو تم کو کہنا پڑیگا۔ ؎

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

دوسری خلافت کے ابھی بہت کام باقی ہیں کچھ اور سن لو! مثنیٰ نے عراق کے تمام سرحدی مقامات میں نقباء بھیج کر ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی۔ اسلامی فوج کی لڑائی کا یہ قاعدہ تھا کہ سردار تین دفعہ اللہ اکبر کہتا تھا، پہلی تکبیر پر فوج حربہ و ہتھیار سے آراستہ ہو جاتی تھی، دوسری تکبیر پر لوگ ہتھیار تول لیتے تھے اور تیسرے نعرے پر حملہ کر دیا جاتا تھا (الفاروق صفحہ ۸۹) مطلب یہ ہوا کہ دشمن کے حملہ کے جواب میں اسلامی فوج حملہ نہیں کرتی تھی بلکہ خود ہی پیش قدمی کرتی تھی، مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا، عجم نہایت ابتری سے بھاگے، مثنیٰ نے فوراً پل کے پاس پہنچ کر رستہ روک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں، ,,مورخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اس قدر بے شمار لاشیں اپنی یادگار میں نہیں چھوڑیں چنانچہ مدتوں کے بعد جب مسافروں کا ادھر گزر ہوا تو انہوں نے جا بجا ہڈیوں کے انبار پائے (الفاروق صفحہ ۹۰)

مسلمانو! کیا ان لاشوں پر اسلام فخر کر سکتا ہے؟ اور سنو جہاں اب بغداد آباد ہے اس زمانہ میں وہاں بہت بڑا بازار لگتا تھا، مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا، بازاری جان بچا کر ادھر اُدھر بھاگ گئے اور بے شمار نقد اور اسباب ہاتھ آیا۔" (الفاروق صفحہ ۹۱) بازاریوں پر حملہ کیوں شریفوں کا کام سمجھا جائے جہاں کوئی تلوار اور نیزہ لے کر نہیں جاتا بلکہ سودا خریدنے کے لئے

سب لوگ تھیلے ہو کرے اور دھیلیں لے کر جاتے ہیں۔ سچ

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

یزدگرد کی تخت نشینی کے ساتھ سلطنت میں نئے سرے سے جان آ گئی اور تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے، حضرت عمر کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً مثنیٰ کو حکم بھیجا کہ فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آؤ اس کے ساتھ خود بڑے سروسامان سے فوجی تیاریاں شروع کیں، ہر طرف نقیب دوڑائے کہ اضلاع عرب میں جہاں جہاں کوئی بہادر، رئیس، صاحب تدبیر، شاعر، خطیب، اہل الرائے ہو فوراً دربار خلافت میں آئے ہر طرف سے قبائل عرب کا طوفان اُمڈ آیا جہاں تک نگاہ جاتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا، حکم دیا کہ لشکر نہایت ترتیب سے آراستہ ہو اس مستعدی سے ایک عام جوش پیدا ہو گیا اور سب نے مرنے پر کمر باندھ لیں، گھوڑے جو سواری میں رانوں سے نکلے جاتے تھے اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے چنانچہ ٹاپوں کی آواز یزدگرد کے کانوں تک پہنچی اور اس نے دریافت کیا کہ کیسی آواز ہے؟ معلوم ہوا کہ اسلام کے سفراء آئے ہیں یہ سن کر بڑے سروسامان سے دربار سجایا اور سفراء کو طلب کیا سوال کیا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ نعمان بن مقرن جو سرگروہ تھے جواب دینے کے لئے آگے بڑھے، پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کئے، پھر کہا ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں، جزیہ یا تلوار" (الفاروق صفحہ ۹۸) اس عبارت کے ایک ایک لفظ میں تم مسلمانوں کو دوسری خلافت کے جہادوں اور ملکی فتوحات کی غرض وغایت، وجہ و سبب کی تصویریں چلتی پھرتی نظر آئیں گی، ایرانیوں نے کوئی قصور نہیں کیا جس کی سزا دینے کو اسلامی فوج وہاں بھیج دی گئی، ایرانیوں نے مسلمانوں کو اپنی ہدایت کے لئے بھی نہیں بلایا ایرانیوں نے اہل اسلام کو تجارت کی غرض سے بھی طلب نہیں کیا، یہ لوگ خود بھی ایران میں صلح و آشتی سے نہیں گئے، بلکہ بنا جماعت بھی نہیں تھی بس وہاں فوجیں لئے ہوئے دفعۃً پہنچ گئے اور وہاں کے بے خبر لوگوں کو ان کے داخل ہونے کی اطلاع اس وقت ہوئی جب گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز ان کے کان تک پہنچی، بادشاہ اس قدر بے خبر تھا کہ ان سے پوچھا یہ کیسی آواز ہے اور جب معلوم ہوا کہ اسلام کے سفراء آئے ہیں تو ان کو بلا کر پوچھا کس غرض سے آئے ہو، انہوں نے اسلام کا نام لیا نہ مذہب کی بات کی، نہ ہدایت کی غرض ظاہر کی نہ آتش پرستی کی خرابی سمجھائی بلکہ جواب دیا کہ ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں، جزیہ یا تلوار یعنی یا دولت دو، خزانے خالی کر کے ہمارے حوالے کر دو خود بھوکے مرو ہمارا پیٹ بھرو دو خوش نکلے

پھر دو ہم تمہارے کپڑوں سے عیش کریں، نہیں تو تلوار کا مقابلہ کرو، تیروں کے وار سہو، تیروں سے اپنے سینے چھلنی کراؤ۔

کیوں مسلمانو! سچ بتاؤ کیا ہم نے اسلام اسی لئے قبول کیا تھا کہ اس کے بہانے سے ہمارے بندوں کی دولت لوٹی جائے

؟ان کے خزانے خالی کرائے جائیں؟ان کو مفلس بنادیا جائے؟ان کو بھیک مانگنے پر مجبور کیا جائے؟اور وہ اپنا مال نہ دیں تو ان کو قتل کر دیا جائے،ان کی گردنیں اڑادی جائیں ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دئے جائیں ؟ان کی اولاد ختم کر دی جائے ان کی بیبیوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دیا جائے؟ کیا ہم نے اپنے رسولؐ کو یہی حکم دیا تھا کہ جو شخص دین اسلام قبول نہ کرے اس سے یا جزیہ وصول کر و یا اس کو خنجر سے ذبح کر دو،اس کے خون میں لوٹنے کی کوئی پروانہ کرو،اس کے متعلقین کے تڑپنے کی فکر نہ کرو؟ کیا ہمارے اس حکم ''ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ کا مطلب ہمارے رسولؐ نے ان مسلمانوں کو یہی سمجھایا تھا،کیا اس حکم کو اس طرح الٹ نہیں دیا گیا کہ ''ادع الی سبیل ربک بالسیوف و الجزیۃ،یعنی اپنے خدا کے مذہب کی طرف لوگوں کو تلواروں اور جزیہ کے ذریعہ سے بلاتے رہو؟ کیا ہمارے رسولؐ بھی کسی جگہ فوج لے کر گئے تھے اور وہاں والوں سے کہا تھا کہ جزیہ دو،ورنہ ہم تلوار سے تمہارا کام تمام کر دیتے ہیں؟ کبھی ایسا ہوا؟اگر ہوا تو ایک ہی موقع بتادو،اس کے بعد لکھا ہے لیکن مغیرہ بن زرارہ.........نے کہا.......اس نے ہم کو حکم دیا کہ اس مذہب کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو،جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں تمہارے برابر ہیں،جن کو اسلام سے انکار ہو اور جزیہ پر راضی ہوں وہ اسلام کی حمایت میں ہیں جن کو دونوں باتوں سے انکار ہو اس کے لئے تلوار ہے(الفاروق صفحہ ۹۹)

کیوں مسلمانو! کیا ہمارے اس مشہور قول لا اکراہ في الدین (مذہب کے بارے میں کسی قسم کی سختی نہیں ہے) کا یہی مطلب ہے کہ لوگوں سے کہا جائے یا زبردستی مسلمان ہو جاؤ نہیں تو جزیہ (مذہبی ٹیکس یا اپنے مذہب پر قائم رہنے کا جرمانہ)دو،نہیں تو ہم تلوار سے تمہارا کام ہی تمام کر دیتے ہیں،کیا حضرت علیؑ بھی یہی کرتے تھے،کیا وہ بھی اسلام کو اسی چنگیز خانی شریعت کے مطابق پھیلاتے،بے شک ہم نے جزیہ ان لوگوں کے لئے مقرر کر دیا تھا،جو غیر مسلم رہ کر اسلامی حکومت میں مقیم ہوں۔مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے''اسلام کے سایہ میں بعض غیر مسلم قومیں بھی داخل ہو چکی تھیں،ان کے لئے جزیہ کی یہ آیت اتری''حتیٰ تعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون، تا آں کہ چھوٹے بن کر وہ جزیہ نہ ادا کریں''(سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۵ ۴)اور مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے''ہمیشہ سے تمام سلطنتوں کا دستور چلا آتا ہے کہ بادشاہ اپنی رعیت سے خراج لیتا ہے،پھر جو بادشاہ نیک دل اور رعیت پرور ہوتا ہے وہ خراج کو رعیت کے فائدے،رعیت کے آرام و آسائش کے کاموں میں خرچ کرتا ہے جیسے سڑکیں مدرسے،شفاخانے وغیرہ،اور جو عیاشی اور تن پرور ہیں رعیت سے لیتے اور مال مفت دل بے رحم کی طرح بیہودہ مصارف میں اڑادیتے ہیں تو ویسے ہی ان کی سلطنت کمزور اور رعیت بے چین رہتی ہے،نہ ان کے پاس قوی فوج ہوتی ہے نہ مستعد پولیس نہ بے لوث عدالت،جزیہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے وہ بھی ایک خراج تھا جو مسلمان

بادشاہ غیر مذہب کی رعایا سے لیا کرتے تھے، اس خراج کے بدلے میں ملک کی حفاظت کرتے اور رعایا میں امن قائم رکھتے، (حمائل مترجم مولوی نذیر احمد صاحب صفحہ ۳۰۲) اس تفسیر سے صاف معلوم ہوا کہ اسلامی ملک میں جو رعایا غیر مسلم ہو وہ چونکہ زکوٰۃ نہیں دیتی اس وجہ سے اس کے عوض وہ جزیہ دے تا کہ اس کی حفاظت کے مصارف کا انتظام بھی ہو سکے، مگر غیر اسلامی ملک کو تلوار کی طاقت سے زیر کرنے اور وہاں کے باشندوں سے جزیہ وصول کرنے کا اصول کس نے جائز رکھا ہے؟ اس وقت مدینہ میں اہل کتاب (عیسائی اور یہود) وغیرہ تھے یا اور اسلامی شہروں میں اہل کتاب تھے ان سے جزیہ جائز رکھا گیا تھا، مگر مدینہ سے عراق میں فوج لے کر ان سب سے کہنا کہ یا جزیہ دو یا اسلام قبول کرو ورنہ تلوار کا سامنا کرو کس خدا کا حکم تھا، پھر سنو "اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا، رستم جو سلطنت فارس کی طرف سے اس مہم پر مامور تھا ساباط میں لشکر لئے پڑا تھا اور یزدگرد کی تاکید پر بھی لڑائی کو ٹالتا جاتا تھا، ادھر مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے لئے مویشی لوٹ لاتے (الفاروق صفحہ ۹۹)

ہمارے پیارے مسلمانو! ان کارناموں کو سن رہے ہو! اسلام کا کیسا خوبصورت شاہکار ریکارڈ کیا جاتا تھا، کیا تم لوگوں نے اسی لئے اسلام قبول کیا تھا کہ دوسروں کے ملکوں میں گھس پڑو ان کے دیہاتوں پر چڑھ جایا کرو اور وہاں کے باشندوں کے مویشی لوٹ لاؤ؟ ابھی سنتے جاؤ "ایک دفعہ طلیحہ رات کے وقت رستم کے لشکر میں لباس بدل کر گئے، ایک جگہ ایک بیش قیمت گھوڑا تھان پر بندھا دیکھا تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکالی، اس عرصہ میں لوگ جاگ اٹھے اور ان کا تعاقب کیا۔ (الفاروق صفحہ ۱۰۰)

دنیا کے حالات جاننے والے لوگو بتاؤ! چور اور ڈاکو ایسی حرکتوں کے سوائے کیا کرتے ہیں کیا حضرت رسولؐ کے جانشین کے کارنامے ایسے ہی ہوتے ہیں؟ اور ایسے ہی کام رسولؐ کے نفس اور ہمارے مولی حضرت علی ابن ابی طالب بھی کرتے تو تم لوگ خوش ہو جاتے؟ پھر کیا علی رسولؐ کو قیامت میں منہ دکھانے کے قابل بھی رہتے؟ کیا وہ ہمارے نیک بندوں میں شمار بھی کئے جاتے؟ اور سنو اسلامی فوج کے سردار "سعد نے ربعی بن عامر کو اس خدمت پر مامور کیا وہ عجیب و غریب ہیئت سے چلے۔۔۔۔۔۔ درباریوں نے رستم سے عرض کی اس نے اجازت دی، یہ نہایت بے پروائی کی ادا سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے لیکن برچھی جس سے عصا کا کام لیا تھا اس کی انی کو اس طرح فرش میں چبھوتے جاتے تھے کہ پرتکلف فرش اور قالین جو بچھے ہوئے تھے جابجا سے کٹ پھٹ کر بے کار ہو گئے تخت کے قریب پہنچ کر زمین پر نیزہ مارا جو فرش کو آر پار کر کے زمین میں گڑ گیا" (الفاروق صفحہ ۱۰۲) (صفحہ نمبر ۳۹۲ کا مسلمانوں ہم نے اپنے رسول کو اسی غرض سے بھیجا تھا۔۔۔۔ یہ

پوری عبارت لکھتی ہے۔۔۔۔تو اس سے فیصلہ ہوگا الفاروق صفحہ ۱۰۳)

مسلمانو! تمام دنیا میں شور ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا، تلوار گردن پر رکھ کر ان سے کلمہ پڑھوایا گیا موت کے ڈر سے ان کو اس مذہب میں داخل کیا گیا مگر تم لوگ ان باتوں کو سن کر چراغ پا ہوتے اور کہتے ہو کہ یہ اسلام پر غلط اعتراض ہے، اسلام پر تہمت ہے، اسلام پر بہتان ہے لیکن تم ہی انصاف سے بتاؤ دوسرے لوگ غلط کیا کہتے ہیں؟ پہلی اور دوسری خلافتوں میں تلوار سے اسلام نہیں پھیلایا گیا تو کیا وعظ و نصیحت سے اس کی اشاعت کی گئی؟ کیا اوپر کی عبارتیں اسی وعظ و پند، تعلیم و تفہیم کا نمونہ ہیں اور سنو" تمدن کے ابتدائی زمانے میں فن جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزی طبع اور لیاقت جنگ کی دلیل ہے" (الفاروق صفحہ ۱۰۴) کچھ اور سن لو ایرانی گھبرا کر ادھر اُدھر بھاگے لیکن جس طرف جاتے تھے کوکھر دبچے ہوئے تھے، مسلمانوں نے بے دریغ قتل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ مورخ طبری کی روایت کے موافق لاکھ آدمی جان سے مارے گئے اور تین کروڑ غنیمت ہاتھ آئی" (الفاروق صفحہ ۱۲۳) ایک لاکھ تو آدمی مارے گئے اور ان کی وجہ سے کتنی عورتیں بیوہ اور کتنے بچے بچیاں یتیم ہوگئیں؟ فتح دمشق کے حالات میں لکھا ہے" اسی اثناء میں اتفاق سے ایک واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کے حق میں تائید غیبی کا کام کر گیا یعنی بطریق دمشق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا جس کی تقریب میں تمام شہر نے خوشی کے جلسے کئے اور اس کثرت سے شرابیں پیں کہ شام سے پڑ کر سو رہے، خالد راتوں کو سوتے کم تھے اور محصورین کی ذرا ذرا سی بات کی خبر رکھتے تھے، اس سے عمدہ موقع کہاں ہاتھ آسکتا تھا، اسی وقت اٹھے اور چند بہادر افسروں کو ساتھ لیا، شہر پناہ کے نیچے خندق پانی سے لبریز تھی، مشک کے سہارے پار اترے اور کمند کے ذریعہ سے دیوار پر چڑھ گئے اور جا کر رسی کی سیڑھی کمند میں اٹکا کر نیچے لٹکا دی، اس ترکیب سے تھوڑی دیر میں بہت سے جان نثار فصیل پر پہنچ گئے، خالد نے اتر کر پہلے دربانوں کو تہ تیغ کیا، پھر قفل توڑ کر دروازے کھول دئے، ادھر فوج پہلے سے تیار کھڑی تھی، دروازہ کھلتے ہی سیلاب کی طرح گھس آئی اور پہرے کی فوج کو تہ تیغ کر دیا، (الفاروق صفحہ ۱۲۷)

مسلمانو! ہم نے اپنی کتاب قرآن مجید میں تم لوگوں کو تقوی اور پرہیز گاری کی بڑی تاکید کی ہے صاف کہہ دیا کہ:

انما یتقبل اللہ من المتقین (پارہ۶/ع۹)

اللہ تو صرف ان لوگوں کے کاموں کو قبول کرتا ہے جو پرہیز گاری کی صفت رکھتے ہیں۔

تم ہی بتاؤ، اس طرح کمند کے ذریعہ سے کسی کی دیوار پر چڑھ جانا کیا پرہیز گاروں کا کام ہے؟ تم کہو گے کہ لڑائی میں سب جائز ہے، مگر جب کوئی خود تم سے لڑنے آئے اور تم کو اس سے اپنی جان بچانی ہو اس وقت ایسے کاموں کو جائز کہو گے یا بے

وجہ کسی ملک پر حملہ کرکے کشت کے ذریعے وہاں کی دیوار پر چڑھ جانے کو بھی کوئی اچھا کہہ سکتا ہے؟ پھر جو لوگ اسلام کو لٹیروں اور ڈاکوؤں کا مذہب کہتے ہیں ان پر تم کو غیظ و غضب کیوں آیا ہے؟

تیسری خلافت

تیسری خلافت کے کچھ حالات بھی سن لو، تیسرے صاحب نے (۱) منیٰ کو خیمہ گاہ بنایا اور حسب دستور ایام جاہلیت تزک واحتشام سے لوگوں کی دعوتیں اور ضیافتیں کیں۔ (۲) ایک گروہ صحابہ کو معزول کرکے اپنے نااہل رشتہ داروں کو صوبہ جات کا والی بنادیا (۳) بیت المال میں بے حساب فضول خرچی کی (۴) ہمارے رسولؐ نے ان کے چچا حکم بن عاص کو مدینہ سے جلاوطن کردیا تھا تیسرے صاحب نے اس کو مدینہ میں واپس بلایا اور بیت المال سے اس کو ایک لاکھ درہم دے دیئے حکم کے بیٹے حارث کے نام (جو تیسرے صاحب کا داماد تھا) مدینہ کی تہ بازاری یعنی فروخت مال کا دسواں حصہ مقرر کردیا جو ہمارے رسولؐ نے مسلمانوں پر تصدق کی تھی، اور دوسرے داماد مروان بن حکم کو افریقہ کا خمس مال دے دیا اور بروایت ابوالفدا (جلد ا، صفحہ ۱۶۹) فدک اسے جاگیر میں دے دیا جو اس کی اولاد کے قبضہ میں عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک رہا، عمر بن عبدالعزیز نے اولاد فاطمہ کو دے دیا، ایک انگریز مورخ ایروِنگ نے لکھ دیا کہ تیسرے صاحب نے اپنے داماد مروان کو کل پانچ لاکھ اور چار ہزار اشرفی سے کم نہیں دیئے اور خمس افریقہ جو دیا گیا بالطبع رسول کا حق تھا، اور ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ یہ حق اللہ اور رسول اور ذوی القربیٰ اور یتیموں اور مسکینوں کا تھا جو سب کا سب مروان کو دے دیا گیا، عبداللہ بن خالد بن اسید ان کے پاس آیا تو اسے تین چار لاکھ اشرفیاں دے دیں، مدینہ میں اپنے سات محل، ایک نائلہ کے لئے اور ایک ایک اپنے بیٹوں کے لئے بنوائے، مروان نے خمس کے مال کو محل وغیرہ بنوانے میں صرف کیا، پھر آپ نے ایسے لوگوں کو جاگیریں دیں روزینے اور وظیفے دیئے جو گھر میں پڑے عیش مناتے تھے، (۵) مروان کو اپنا وزیر بنالیا اور اس کو سیاہ و سفید کا مختار کردیا، وہ جو چاہتا کرتا اور ثالث صاحب اس کی تائید اور تصدیق کردیا کرتے۔ (۶) ابوذر جیسے بزرگ صحابی رسول کو ربذہ کی طرف جلاوطن کردیا جو پردیس ہی میں مر گئے (۷) عمار بن یاسر ایسے محترم صحابی کو اتنا مارا کہ وہ بیہوش ہوگئے اور ان کے پیٹ اور پیڑو پر جوتوں کی لاتیں ماریں کہ وہیں ان کو عارضہ فتق لاحق ہوگیا (۸) بارش کا پانی جو ہماری طرف سے بندوں کے لئے کارآمد ہے اس کے ذخیرے کو اپنے عزیزوں کے حوالے کرکے باقی لوگوں کو اس سے محروم کردیا (۹) مدینہ میں حکم جاری کردیا کہ جب تک خلیفہ صاحب کا پیادہ ان کے اونٹوں کے واسطے آکر حسب ضرورت چارہ نہ خریدے اس وقت تک سب چاروں کی خرید و فروخت بند رہے (۱۰) سمندر میں ممانعت کردی کہ ہمارے سوا کسی اور کا تجارتی جہاز نہ چلے (۱۱) اپنے اصحاب اور رشتہ داروں کو اسلامی ملکوں

سے بہت سی جاگیریں دے دیں، (۱۲) عبادہ بن صامت شام کے ایک لشکر میں ان کے پاس سے اونٹوں کی ایک قطار گزری معلوم ہوا کہ ان اونٹوں پر شراب ہے جو معاویہ کے واسطے خرید کر لے جارہے ہیں عبادہ نے ایک راپنی لے کر سب مشکوں کو چیر دیا پھر اہل شام سے خلیفہ ثالث اور معاویہ کی بُرائیاں کرنے لگے اس کی اطلاع معاویہ نے خلیفہ ثالث کو دیدی تو آپ نے معاویہ کو سزا دینے کے عوض عبادہ بن صامت ہی پر غضب ظاہر کیا (۱۳) وعدہ خلافی کی تو حد ہی نہیں چھوڑی اہل مصر سے وعدہ کیا کہ تم جس کو چاہو گے اسے مصر کا والی بنادوں گا، تب لوگوں نے محمد بن ابی بکر کو تجویز کیا، آپ نے لوگوں کے دکھانے کو محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر بنا کر روانہ کیا اور مخفی طور پر ابن ابی سرح کو لکھ بھیجا کہ جب محمد بن ابی بکر مصر میں پہنچیں تو پکڑ کر ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالنا۔ غرض ان کے کارنامے بھی بے حساب ہیں، بتاؤ کیا ایسی ہی کاروائیاں علیؑ بھی کر سکتے تھے؟ تب ہی وہ تم لوگوں کے اعتراضات سے محفوظ رہتے؟ مختصر یہ کہ اس میں شبہ نہیں کہ پہلی دوسری اور تیسری خلافتوں کو عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں، کروڑوں بلکہ اربوں کی دولتیں ملیں اور بڑی بڑی کامیابیوں نے ان لوگوں کے قدم چومے، ہمارے رسولؐ نے ہمارے حکم سے حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور اپنے اعلان رسالت کے وقت سے زندگی کی آخری حالت تک سب لوگوں سے کہتے رہے کہ تم لوگوں میں میرے خلیفہ علیؑ ہی ہیں مگر حضرت اول و دوم نے حضرت علیؑ کو علیٰحدہ کر کے خلافت کے تخت کو اپنے ہی قدم سے زینت بخشی، جن مسلمانوں نے ان لوگوں کو خلیفہ ماننے سے انکار کیا ان سے اپنی بیعت لے کر اپنی خلافت منوا کر رہے، جن لوگوں نے ان کو زکوۃ دینے سے انکار کیا ان لوگوں پر چڑھائی کر کے سب کو مغلوب کیا اور اس کثرت سے مال پایا جس کا حساب بھی دنیا والے نہیں بتا سکتے ہمارے وہ رسولؐ جو فرمایا کرتے الفقر فخري (ناداری میرے ایسے رسولؐ کے لئے باعث فخر ومباہات ہے) ان کی جگہ بیٹھ جانے والوں کے پاس ہر طرف خزانے پر خزانے برسنے لگے، محمود غزنوی وغیرہ ہی شاید ان لوگوں کی لوٹ مار کی دولت کا مقابلہ کر سکیں۔

اب مسلمانو! سوال یہ پیدا ہوتا ہے جس پر اچھی طرح غور کرو اور تعصب کی وجہ سے اس سوال سے آنکھیں نہ بند کر لو کہ ان تینوں صاحبوں کے یہ فتوحات اور قتل وغارت واحراق مسلمین واستیصال کفار کے واقعات کیا کسی دنیوی پیشوا اور مذہبی رہنما کے شایان شان ہو سکتے ہیں، حضرت آدمؑ سے ہمارے آخری رسول محمد مصطفےؐ تک کوئی نبی یا وصی یا ہادی یا ولی ایسا گزرا جس نے ان امور کو کبھی پسند کیا ہو؟ کیا انبیاء ومرسلین، اوصیاء واولیاء دنیا میں ملکوں کو فتح کرنے کے لئے آتے تھے،؟ کیا وہ لوگ زمین کے باشندوں کے خون کی ندیاں بہانے کو بھیجے جاتے؟ کیا مخلوق خدا کے مال واسباب کو لوٹنے کے لئے مقرر کئے جاتے تھے؟ کیا ان کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ لوگ جو خدا کو نہ مانیں تم کو پیغمبر یا تمہارے قائم مقام وصی نہ تسلیم کریں ان کو گرفتار کرو، قتل

کر دو، آگ میں پھونک دو، پہاڑ پر سے گرا دو، کنوئیں میں لٹکا دو، ان کی عورتوں، بچوں تک کو ذبح کر ڈالو، دنیا میں کسی پیغمبر نے یہ سفاکیاں کیں؟ کسی نبی یا رسول نے یہ بربریت دکھائی؟ کسی وصی یا خلیفہ نبی نے ان باتوں کا لاکھواں حصہ بھی کیا؟ خود حضرت رسولؐ نے کسی کو اس سبب سے قتل کیا کہ وہ اسلام کیوں قبول نہیں کرتا؟ خدا کو ایک کیوں نہیں مانتا؟ آپ کو پیغمبر کیوں نہیں تسلیم کرتا؟ قرآن مجید میں ہماری بے حساب آیتیں ہیں جو ہر ادنیٰ سے ادنیٰ ذرہ عقل رکھنے والوں کو بتا دیتی ہیں کہ کوئی نبی لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے ان سے اسلام کا کلمہ پڑھوانے ان سے خدا کا سجدہ کرانے، ان سے نماز ادا کرانے، ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا بلکہ سب کا فرض صرف اس قدر تھا کہ لوگوں کو سمجھا دیں اور دین خدا تک پہنچنے کا راستہ دکھا دیں، اگر وہ مانیں تو خیر ورنہ ان کو چھوڑ دیں، مرنے پر ہم ان سے خود سمجھ لیں گے، اور اسی لئے ہم نے بہشت و دوزخ کو پیدا کیا جو ہمارا کہنا مانے گا اس کو ہم دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں یہ انعام دیں گے کہ اس کو بہشت میں جگہ دیں گے اور جو نہیں مانے گا اس کو ہم دنیا میں کچھ نہیں بلکہ آخرت میں جہنم میں جھونک دیں گے، اب آسانی سے فیصلہ کر لو کہ اول و ثانی و ثالث صاحبان کی فتوحات، بلکہ خلافت کا ہر کام کس اصول کے ماتحت تھا، بحیثیت پیشوائے دین یا بطور فاتح جبار وقہار۔

ہمارے بھولے بھالے مسلمان اقوام میں جو لوگ کہتے ہیں کہ اے ہما حضرت اول و ثانی و ثالث نے بڑے بڑے ملک فتح کئے، بڑی بڑی زمینوں پر قبضہ کیا، بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر کر ڈالا، بڑی بڑی بادشاہتوں کو لے لیا، کروڑوں اشرفیوں کی دولتیں حاصل کیں، اسلام کی عظیم الشان سلطنت قائم کی، غیر مسلمانوں کو بے حد مالدار کر دیا، نادار مسلمانوں کو بادشاہوں کے محلوں میں پہنچا دیا، ان کا سکہ دنیا بھر پر بٹھا دیا مگر اے ہما تیرے ولی حضرت علیؑ نے تو کوئی ملک فتح نہیں کیا، کسی زمین پر قبضہ نہیں کیا، کسی سلطنت کو زیر نہیں کیا، کسی کی بادشاہت کو نہیں لیا، کسی شہر پر اسلامی جھنڈا نہیں لہرایا، اسلامی دنیا میں کسی حد کا اضافہ نہیں کر سکے، مسلمانوں کی سلطنت کو نہیں بڑھا سکے اہل اسلام کے لئے دنیا نہیں حاصل کر سکے، ان کے گھروں کو اشرفیوں سے نہیں بھرا ان کے مکانوں کو سونے اور جواہر سے نہیں سنوارا، نادار مسلمانوں کو دولت مند نہیں بنا سکے ان کی زندگی کو عیش و عشرت کا سامان نہیں مہیا کر سکے اور حضرت اول و ثانی و ثالث سے یہی فائدے مسلمانوں کو حاصل ہوئے، انہیں تینوں حضرات سے اہل اسلام کو آرام و اطمینان کی زندگی میسر ہوئی اور انہیں بزرگوں سے اہل قبلہ کا دبدبہ دیاروں پر قائم ہوا لیکن پیارے مسلمانو! کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ اگر حضرت علیؑ نے ایسا نہیں کیا تو ہمارے کسی نبی یا پیغمبر نے یہ (تمہارے قول کے مطابق) برکات ظاہر کئے، کیا حضرت آدمؑ نے کیا؟ کیا حضرت نوحؑ سے یہ کام ہو سکے؟ کیا حضرت ابراہیمؑ کے یہ کارنامے کہیں بھی ملتے ہیں؟ کیا حضرت موسیٰؑ کا اس قسم کا کوئی واقعہ کوئی شخص بتا سکتا ہے؟ کیا حضرت عیسیٰؑ نے یہ باتیں انجام دیں؟ کیا ہمارے حبیب اور آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰؐ سے یہ فوائد حاصل

ہوئے؟ اگر نہیں اور ہر گز نہیں تو حضرت علیؑ کو اس جماعت میں رکھو جس میں یہ پیشوایان دین گزرے ہیں جو دین کے لئے سب کچھ کر گئے مگر دنیا پرستی نہیں سکھائی اور حضرت اول وثانی وثالث کو اس طبقہ میں سمجھو جو دنیا کے لئے سب کچھ کر گئے مگر آخرت سے آنکھیں بند کئے رہے اور جس میں دنیا کے عظیم الشان فاتحین وسلاطین گزرے ہیں کیوں کہ شروع سے دنیا میں دوقسم کے سردار گزرے ہیں (۱) ایک دنیا کے حاکم (۲) دوسرے دین کے پیشوا، اگر حضرت اول وثانی وثالث دنیوی سرداروں میں بڑی جگہ کے مالک ہوئے تو حضرت علیؑ دین کے پیشواؤں میں ہمارے رسولؐ کے نفس اور ان سے ملتے جلتے ہوئے قرار پائے اور ان کے واقعات زندگی سے ان لوگوں کی تقسیم اس طرح کی جائے گی:۔

دنیا کے بڑے فاتح	دنیا کے بڑے ہادی
(۱) سکندر اعظم	(۱) حضرت حضرت آدمؑ
(۲) جولیس سیزر	(۲) حضرت نوحؑ
(۳) بخت نصر	(۳) حضرت ابراہیمؑ
(۴) نپولین بونا پارٹ	(۴) حضرت داؤدؑ
(۵) چنگیز خاں	(۵) حضرت ایوبؑ
(۶) محمود غزنوی	(۶) حضرت موسیٰؑ
(۷) ہلاکو خاں	(۷) حضرت ہارونؑ
(۸) تیمور	(۸) حضرت عیسیٰؑ
(۹) اکبر	(۹) حضرت یحییٰؑ
(۱۰) حضرت اول	(۱۰) حضرت محمد مصطفیٰؐ
(۱۱) حضرت ثانی	(۱۱) حضرت علی مرتضیٰؑ

غالباً اسی مناسبت کو پیش نظر رکھ کر ہمارے رسولؐ نے اپنی مشہور حدیث تشبیہ ارشاد فرمائی تھی کہ:

قال قال رسول اللہ من أراد ان ینظر الی اٰدم فی علمہ والی نوح فی فھمہ والی ابراھیم فی حلمہ والی یحیٰ بن ذکریا فی زھدہ والی موسیٰ بن عمران فی بطشہ فلینظر الی علی بن ابی طالب

(ریاض نضرہ جلد ۲ ر صفحہ ۲۱۸)

جو شخص چاہے کہ حضرت آدمؑ کو ان کے علم سمیت اور حضرت نوحؑ کو ان کے فہم سمیت حضرت ابراہیمؑ کو ان کے حلم

سمیت حضرت یحیٰ بن زکریا کو ان کے زہد سمیت اور حضرت موسیٰ بن عمران کو ان کی صولت سمیت دیکھے اس کو ضروری ہے کہ صرف علی بن ابی طالبؑ کو دیکھ لے۔

اس حدیث کے ذیل میں علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے:

ھٰذا الحدیث یدل علی ان علیا کان مساویاً لھؤلاء الانبیاء فی ھٰذہ الصفات ولا شک ان ھؤلاء الانبیاء کانو افضل من سائر الصحابۃ والمساوی لافضل افضل فوجب ان یکون علی افضل منھم۔

(اربعین فی اصول الدین وارجح المطالب صفحہ ۳۵)

یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ ان صفات (علم، فہم، حلم، زہد، بطش) میں حضرت علیؑ مذکورہ بالا انبیاء کرام کے برابر تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کل انبیاء حضرت رسول خداؐ کے تمام صحابہ سے افضل تھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ جو شخص افضل کے برابر ہوتا ہے وہ بھی افضل ہوتا ہے تو نتیجہ نکلا کہ حضرت علیؑ بھی کل صحابہ رسولؐ سے افضل تھے۔

ہمارے حبیب اور تم لوگوں کے مولا و آقا حضرت محمد مصطفیٰؐ نے حضرت علیؑ کو اپنی ذات کے مثل بھی فرمادیا ہے۔

قال قال رسول اللہ ما من نبی الا ولہ نظیر فی امتہ فعلی نظیری اخرجہ الثعلبی والدیلمی۔

انس بن مالک، صحابی رسولؐ بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ ہر نبی کی کوئی مثال اس کی امت میں ضرور ہوتی ہے اور میری مثال امت میں علیؑ ہیں اس حدیث کو ثعلبی اور دیلمی نے ذکر کیا ہے۔

اب یہ سمجھ لینا آسان ہے کہ جس طرح ہمارے حبیب محمد مصطفیٰؐ فاتح ممالک و بلاد اور قاسم اموال واملاک نہیں تھے اسی طرح حضرت علیؑ کو بھی یہ سب دنیوی خطابات نہیں مل سکے لیکن جس طرح ہمارے رسولؐ دنیا کے سب سے بڑے ہادی سب سے بڑے مذہبی پیشوا اور سب سے بڑے پیغمبرؐ تھے اسی طرح حضرت علیؑ بھی سب سے بڑے ولی اور سب سے بڑے امامؑ و وصی تھے، جس طرح ہمارے رسولؐ نے لوگوں کو ایمان کی راہ دکھائی اسی طرح حضرت علیؑ بھی لوگوں کو ہدایت کرتے اور

صراط مستقیم دکھاتے[1]۔ اور جس طرح ہمارے رسولؐ پر جب دشمنوں نے حملہ کیا تو حضرت نے اپنی ذات اور مسلمانوں کو بچانے کے لئے ان سے دفاعی جنگ کی بالکل اسی طرح جب حضرت علیؑ پر جمل وصفین ونہروان میں آپ کے دشمنوں نے یورش کی تو حضرت نے اپنی ذات اور مومنین کی حفاظت کے لئے ان سے جہاد کئے، چنانچہ ہمارے رسول نے ان باتوں کی پیشن گوئیاں بھی فرمادی تھیں جن سے بھی ان کا حق پر ہونا ثابت ہے:

قال رسول الله لعلیانك تقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیله۔ (صواعق محرقہ باب ۱۱ رصفحہ ۱۰۸)

ہمارے رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمادیا تھا کہ اے علی تم بھی قرآن کا مطلب بتانے کے لئے لوگون سے اسی طرح جہاد کروگے جس طرح میں قرآن کا حکم پہنچانے کے لئے ان لوگوں سے جہاد کررہا ہوں۔

روی ابن عساکر عن علیؑ قال أمرنی رسول الله بقتال الناکثین والمارقین والقاسطین والمراد بالناکثین طلحة والزبیر واصحاب الجمل وبالمارقین الخوارج وبالقاسطین معٰویة (سیرۃ محمدیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۴۵۹ ومجمع بحار الانوار لغت نکث صفحہ ۳۹۵ وانوار اللغۃ پارہ ۲۵ رصفحہ ۱۲۸)

ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے، مجھے حضرت رسول خدا صلعم نے حکم دیا تھا کہ تم ناکثین ومارقین وقاسطین سے جہاد کرنا ناکثین سے مراد طلحہ وزبیر جنگ جمل والے ہیں، مارقین سے مراد خوارج ہیں اور قاسطین سے مراد جنگ صفین میں لڑنے والے معاویہ وغیرہ ہیں۔

---

[1] مسلمانو! جن دوسرے صاحب کو تم لوگ اپنا بڑا سردار اور اسلام کا بڑا فاتح کہتے ہو انہوں نے بھی حضرت علیؑ کی اس خصوصیت کا اعلان کردیا تھا علامہ محب طبری نے لکھا ہے:

عن عمر انه قال حین طعن واوصی ان ولوها الاجلح سلك بهم الطریق المستقیم یعنی علیاً. وفی لفظ ان ولوها الاصیلع یحملهم علی الحق ان کان السیف علی عنقه۔ (ریاض نضرہ جلد ۲ رصفحہ ۲۴۱) حضرت عمر جب زخمی کئے گئے تو اپنی وصیتون میں یہ بات بھی کہی کہ اگر اجلح خلیفہ بنائے جائیں تو یہ تم لوگوں کو صراط مستقیم پر لے چلیں گے اجلح سے انہوں نے حضرت علیؑ کو مراد لیا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ کہا اگر لوگوں نے اصیلع کو خلیفہ بنایا تو وہ لوگوں کو حق پر قائم رکھیں گے اگرچہ ان کی گردن پر تلوار بھی دھردی گئی ہو۔

اجلح اور اصلع اس شخص کو کہتے ہیں جس کے سر پر آگے کے بال اڑ گئے ہوں یا پیدا ہی نہیں ہوئے ہوں اسی طرح حضرت کو بطین کہتے تھے اس کا معنی بھی وہی ہے بعضوں نے یوں ترجمہ کیا ہے کہ شرک سے خالی اور علم سے پیٹ بھرا ہوا (انوار اللغۃ پارہ ۲۵ صفحہ ۴۴) مسلمانوں ذرا یہاں بھی غور کرو کہ ثانی صاحب کو حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اور کوئی لفظ نہیں ملا کیا وہ ابن عم رسول اللہ (رسول خدا) کے چچازاد بھی نہیں کہہ سکتے تھے؟ کیا وہ ابوالحسن (امام حسن کے والد) نہیں کہہ سکتے تھے؟ کیا وہ فاتح احزاب وخیبر (جنگ خندق وخیبر کے سر کرنے والے) نہیں کہہ سکتے تھے؟ کیا وہ مولائے مومنین بھی نہیں کہہ سکتے تھے؟ اسی طرح ان کے بہت سے اوصاف کو چھوڑ کر ان الفاظ سے یاد کرنا بتاتا ہے کہ ان کے دل میں حضرت علیؑ کی کون سی بات جوش مارتی رہتی تھی افسوس!!!!

اگر ہمارے رسولؐ کو کبھی اس کا موقع مل گیا کہ حضرت اول وثانی اور حضرت علیؑ کی جنگ اور ان سب کی ایمانی حالت پر تبصرہ فرمائیں تو حضرت علیؑ ہی کی جنگ کو دینی جہاد فرمایا اور آپ ہی کے ایمان کی تصدیق کی۔ اور اول وثانی کے بارے میں سوال بھی کیا تو حضرت نے سوائے ”لا“ (نہیں) کے کچھ نہیں فرمایا، چنانچہ مسلمانوں کے علماء محققین ومحدثین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا،،

یا معشر قریش واللہ لیبعثن اللہ علیکم رجلاً منکم قد امتحن اللہ قلبہ للایمان ولیضربکم علی الدین او یضرب بعضکم قال ابوبکر انا ھو یا رسول اللہ؟ قال لا قال عمر انا ھو یا رسول اللہ؟ قال لا ولکن ذلک الذی یخصف النعل وقد اعطی علیاً نعلہ یخصفھا۔ (کتاب ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۲۵۶)

اے گروہ قریش خدا کی قسم تم لوگوں پر اللہ اس شخص کو مقرر کرے گا جو تم ہی میں سے ہے اور جس کے دل کا امتحان اللہ نے کرلیا ہے۔ وہ تم لوگوں سے یا تمہاری ایک جماعت سے دین حق پر جہاد کرے گا اس پر حضرت ابوبکر نے پوچھا اے رسول خدا کیا وہ شخص میں ہوں گا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا نہیں تب حضرت عمر نے پوچھا میں ہوں گا؟ فرمایا نہیں بلکہ یہ وہ ہوگا جو میری جوتی ٹانک رہا ہے۔ اس وقت حضرت نے اپنی جوتی حضرت علیؑ کو ٹانکنے کے لئے دے رکھی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت رسول خداؐ نے پیشین گوئی فرمادی تھی کہ حضرت علیؑ کا جہاد خالص طور پر دینی ہوگا۔ دنیوی اغراض سے اس کو دور کا لگاؤ بھی نہیں ہوگا۔ سلطنت حاصل کرنے کے لئے وہ نہیں لڑیں گے، بادشاہت لینے کے وہ لوگوں سے نہیں لڑیں گے، دولت سمیٹنے کے لئے وہ کبھی تلوار نہیں اٹھائیں گے اور یہ کہ حضرت علیؑ کے ایمان کا امتحان خدا لے چکا ہے، برخلاف اس کے حضرت اول وثانی ورسالت کے فتوحات کو ہمارے رسولؐ نے دینی کارنامہ بتایا اور نہ ان تینوں صاحبوں کے ایمان کی تصدیق کی، یہ تو حضرت علیؑ کے جہاد کی حالت تھی کہ جدھر مجبوری اس پر آمادہ ہوئے تو اس میں بھی بالکل رسولؐ کی پیروی کی، لیکن حضرت کے اصلی فرائض وہ تھے جو ہمارے رسولؐ کے تھے اور جو اوپر بیان کئے گئے جس طرح ہمارے رسولؐ لوگوں پر آیات خدا کی تلاوت کرتے تھے، لوگوں کے اخلاق کی اصلاح فرماتے تھے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے تھے، بالکل اسی طرح حضرت علیؑ نے بھی یہی خدمات انجام دیں، آیات خدا کی تلاوت اس شان سے کی کہ اب تک لوگ آپ کے ارشادات سے ایمان تازہ کررہے ہیں اور لوگوں کے اخلاق اس طرح درست کئے کہ اس وقت تک دنیا حضرت علیؑ کی تعلیم سے بہرہ ور ہورہی ہے، حضرت موسیٰؑ کو توریت دی گئی، حضرت داؤدؑ کو زبور عطا کی گئی، حضرت عیسیٰؑ کو انجیل مرحمت ہوئی اور ہمارے آخری رسولؐ پر قرآن اتارا گیا، ان چار کتابوں کے ایک ایک لفظ کو پیش نظر رکھ کر حضرت علیؑ کی چار کتابوں کا مطالعہ کرو، (۱) دستور معالم الحکم (۲) صحیفہ علویہ اور دعائیں (۳) دیوان حضرت علیؑ کے وہ اشعار جو صحیح طور پر آپ کے تسلیم کئے گئے ہیں، (۴) نہج البلاغہ

خودتم بول اٹھو گے کہ جن معارف کا ذخیرہ ان چار کتابوں میں بھرا ہوا ہے، انہیں حقائق کے انوار حضرت علیؑ کی چاروں کتابوں میں بھی موجود ہیں خاص کر حضرت علیؑ کی مشہور کتاب نہج البلاغہ کو آج عیسائی اور یہودی علماء ادباؤ محققین بھی پڑھ کر اپنا سر دھنتے اور اسلام کی اس عظیم الشان ہستی کے نفس روح اور دل و دماغ کو سجدہ کر رہے ہیں اس میں زیادہ تر خدا اور تزکیۂ اخلاق ہی کا فلسفہ بھرا ہوا ہے جس پر اگر انسان عمل کرے تو فرشتہ ہو جائے، رہی کتاب و حکمت کی تعلیم تو یہ صفت بھی ہمارے رسولؐ کے بعد پورے طور پر حضرت علیؑ میں پائی گئی، قرآن مجید پر سینکڑوں اعتراضات اول و ثانی و ثالث کے زمانے میں ہوئے اور حضرت علیؑ ہی نے ان سب کو حل کیا، قرآن مجید کی تفسیر بیان کرنی شروع کرتے تو شام سے صبح تک ایک لفظ کی بھی تفسیر ختم نہیں ہوتی، بہت کثرت سے علماء نے اس روایت کو لکھا ہے:

عن ابن عباس قال یشرح لنا علی نقطة الباء من بسم الله الرحمن الرحیم لیلة فانفلق عمود الصبح فرأیت نفسی فی جنبه کالفوارة فی جنب البحر المثعجر۔ (انوار اللغۃ پارہ ۴ صفحہ ۳۶)

ابن عباس صحابی رسولؐ کہتے تھے کہ ایک رات کو حضرت علیؑ باء بسم اللہ الرحمن الرحیم کے نقطہ کی شرح بیان کرنے لگے تو صبح ہو گئی مگر تفسیر پوری نہیں ہوئی اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ مجھ کو جو قرآن کا علم ہے وہ حضرت علیؑ کے علم کے مقابل ایسا ہے جیسے ایک چھوٹا پانی کا گڈھا سمندر کے بازو کہاں، سمندر اور کہاں ایک گڈھا؟

اور حکمت کی تعلیم حضرت نے ایسی اعلیٰ درجے سے کی کہ کتابوں میں اس کے خزانے بھرے ہوئے ہیں، یورپ کی کئی زبانوں میں بھی ان کے ترجمے ہو چکے ہیں، مختصر یہ ہے ہمارے رسولؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق بہت صحیح فرمایا تھا کہ "أنا مدينة العلم وعلي بابها، میں علم کا شہر اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں، أنا دار الحكمة وعلي بابها، میں حکمت کا گھر اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں، اب جن لوگوں کو روحانی فیوض و برکات اور نورانی منافع و فوائد دیکھنے ہوں جو ہمارے رسولؐ سے لوگوں کو ملے وہ حضرت علیؑ کی طرف رجوع کریں اور جن کو حکومت دنیا، ملک گیری اور تحصیل مال و دولت کا تماشہ دیکھنا ہو وہ دوسری جماعت کا خیال کریں کیوں کہ جب حضرت علیؑ ہمارے پیارے رسول رحمۃ للعالمینؐ کے نفس اور جانشین تھے تو کسی پر بے وجہ حملہ کیوں کرتے؟ کسی ملک پر فوجیں کس غرض سے بھیجتے؟ اور جب یہ باتیں آپ نے حرام سمجھیں تو کوئی ملک کس طرح فتح ہوتا؟ اور جب کسی سلطنت کو لوٹا ہی نہیں تو اپنا خزانہ کیسے بھرتے اور جب ہماری مرضی کے تابع رہے تو عیش کا سامان کہاں سے مہیا ہوتا؟

حضرت علی علیہ السلام کا روحانی حلیہ، دربار معاویہ میں حضرت علی علیہ السلام کی مدح،

مسلمانوں کے بڑے بڑے علماء نے لکھا ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ امیر معاویہ نے ضرار صیدائی سے کہا اے ضرار مجھ سے علیؑ کے اوصاف بیان کر، ضرار نے کہا اے امیر مجھے اس سے معاف رکھ معاویہ نے کہا تجھے ضرور ان کے اوصاف بیان کرنا ہوں گے ضرار نے کہا مجھے ان کے اوصاف بیان کرنے پر مجبور ہی کیا جاتا ہے تو کہتا ہوں، سنیئے واللہ وہ دور کے کام والے اور بڑی قوتوں والے تھے بزرگی سے بات کرتے تھے اور عدل سے حکم دیتے تھے، علم کا دریا ان کے دل سے موجزن تھا حکمت ان کی زبان سے بولتی تھی وہ دنیا اور دنیا کی خوبیوں سے گریز کرتے تھے، وہ اندھیری رات اور اس کی وحشت سے مانوس تھے وہ رونے کو پسند کرتے تھے اور وہ دور و فکر میں ڈوبے رہتے تھے، ان کو کپڑا چھوٹا اچھا لگتا تھا اور ان کو کھانے میں کرخت چیز بھلی معلوم ہوتی تھی وہ ہم میں ہمارے جیسے تھے وہ ہم کو جواب دیتے تھے جبکہ ہم ان سے پوچھتے تھے وہ ہمارے پاس آتے تھے جب ہم ان کو بلاتے تھے، خدا کی قسم ہے کہ باوجود ان کے قرب کے ہم ہیبت کی وجہ سے ان سے کلام نہیں کر سکتے تھے اور اہل دین کی تعظیم کرتے تھے مسکینوں کو اپنے پاس بٹھاتے تھے ان کے خوف سے کوئی زبردست اپنی بیہودگی کی طمع اہل دل میں نہیں میں لا سکتا، ضعیف ان کے عدل سے ناامیدی کا منہ نہیں دیکھتا تھا میں نے ان کو بعض مقامات پر دیکھا جب کہ رات کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور ستارے سیاہی میں ڈوبے ہوئے تھے وہ اپنی ریش مبارک کو پکڑے ہوئے آہستہ آہستہ ہل رہے تھے اور نرم آواز سے رو رہے تھے اور فرما رہے تھے اے دنیا! میرے سوائے کسی اور کو فریب دے میرے سامنے کیوں آئی ہے؟ یا مجھ سے کیوں شوق رکھتی ہے؟ افسوس افسوس! میں نے تجھے تین طلاقیں دی ہیں جن میں ہرگز رجعت کی گنجائش نہیں، تیری عمر بہت تھوڑی ہے اور تیری مدد کو بہت بڑے ہیں، آہ! آہ! تھوڑا زاد ہے اور دور کا سفر ہے امیر معاویہ یہ سن کر رونے لگے اور کہنے لگے، خدا ابوالحسن پر رحم کرے، واللہ وہ ایسے ہی تھے، اے ضرار ان کے مرنے سے تجھے کیسا رنج ہوا ہے؟ ضرار کہنے لگا ایسا رنج ہے کہ جس طرح سے کسی عورت کی گود میں اس کا بیٹا ذبح کیا جائے (ارجح المطالب صفحہ ۱۰۰) اصل عربی عبارت لکھ کر مؤلف ارجح المطالب نے لکھا ہے اخرجه الدولابی و ابو عمر و ابن عبد البر فی الاستیعاب والمتقی فی کنز العمال و ابن حجر فی صواعق محرقة یعنی اس روایت کو علامہ دولابی اور علامہ ابن عبد البر نے اپنی کتاب استیعاب (مطبوعہ ریاست حیدرآباد) میں اور علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں نقل کیا ہے۔

پانچواں باب

معاذ اللہ حضرت علیؑ کی کمزوریاں سیاست کی غلطیاں

خدا پر مسلمانوں کا اعتراض،

اے خدا تو نے حضرت علیؑ کے بارے میں جو فرمایا اس کا جواب تو نہیں ہوسکتا مگر ہم لوگوں کا دل کہتا ہے کہ حضرت علیؑ میں بہت سی کمزوریاں بھی تھیں، خود رائی سے بہت نقصان اٹھایا، پالیسی برتنا جانتے ہی نہیں تھے، ڈپلومیسی ان کو چھو بھی نہیں گئی تھی، حضرت ثانی کے مرنے پر حضرتؑ سے کہا گیا کہ سیرت شیخین پر عمل کرنے کا وعدہ کیجئے تو آپ ہی کو خلیفہ بنا دیا جائے، مگر حضرت نے بالکل انکار کر دیا، اس سے ثابت ہوا کہ آپ پالیٹیشن نہیں تھے اس وقت اقرار کر لیتے بعد کو کون پوچھتا تھا کہ آپ سیرت شیخین پر کیوں عمل نہیں کر رہے ہیں، جس طرح معاویہ نے صلح کے وقت امام حسنؑ کی کل شرطوں کو مان لیا، مگر ایک کو بھی وفا نہیں کیا، تو اس کا کس نے کیا بگاڑ لیا؟ اسی طرح حضرت علیؑ کو بھی مصلحت وقت کے مطابق عمل کرنا چاہیئے تھا، پھر حضرت ثالث کے انتقال کے بعد جب آپ کو خلافت ملی تو آپ معاویہ کو شام کا گورنر باقی رکھ کر اس کو ملا لیتے تو جنگ صفین وغیرہ کی نوبت ہی نہیں آتی، حضرت اول ثانی و ثالث نے یہی تو کیا تھا کہ اس کو ملا کر اپنی خلافت مضبوط کر لی تھی۔

مسلمانوں کو خدا کا جواب،

مسلمانو ہم نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ حضرت علیؑ وہی کرتے تھے جس میں ہماری مرضی پاتے تھے اور اسی روش کو اختیار کرتے تھے جس پر ہمارے رسول کو دیکھ چکے تھے تم لوگ جو ان پر خود رائی کا الزام لگاتے ہو تو یہی الزام اس سے ہزاروں درجہ بڑھ کر ہمارے رسولؐ پر بھی لگاؤ کہ جب وہ اہل مکہ کو دین حق پر لگانے کے لئے آمادہ ہوئے تو حق کے مقابلے میں کسی کی ایک نہیں سنی (معاذ اللہ) اپنی خود رائی سے خود بھی مصائب جھیلتے رہے اور ابتدائی مسلمانوں کو بھی انہیں عذابوں میں رکھا، مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "آپ نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کیا اس لئے دفعۃً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، اور ہر طرف سے لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے، آں حضرتؐ کے ربیب حارث بن ابی ہالہ گھر میں تھے، ان کو خبر ہوئی، دوڑے ہوئے

آئے اور آں حضرتؐ کو بچانا چاہا لیکن ہر طرف سے ان پر تلواریں پڑیں اور وہ شہید ہو گئے اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا جس سے زمین رنگین ہوئی۔'' (سیرۃ النبی جلد ا رصفحہ ۱۵۴)

کیوں مسلمانو! یہ ہمارے رسولؐ کی (معاذ اللہ) خودرائی تھی جس کی وجہ سے حارث شہید ہوئے یا حق کی پابندی اور استقلال تھا، اگر مسلمانوں کی ابتدائی مصیبتوں کو یاد کرو تو تم کو کہنا پڑے گا کہ سب کے باعث حضرت رسولؐ تھے، اگر وہ اپنی بات چھوڑ دیتے، اگر دین حق کی طرف دعوت دینا ترک کر دیتے تو سب بات بن جاتی مگر کیا اسلام باقی رہ جاتا، اسی طرح اور بالکل اسی طرح اگر حضرت علیؑ بھی دنیاداروں کی باتیں مان لیتے تو آپ کی دنیا بن جاتی مگر کیا ایمان زندہ رہ سکتا تھا،؟ تم کہتے ہو کہ حضرت علیؑ نے سیرت شیخین پر عمل کرنے کا وعدہ کیوں نہیں کرلیا، تو یہی سوال حضرت رسولؐ سے بھی کرو کہ اہل مکہ کی خواہش کیوں پوری نہیں کردی؟ مولوی شبلی صاحب کے الفاظ سنو ''جب آں حضرتؐ نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی، تو قریش کے چند معززوں نے ابوطالبؑ سے آکر شکایت کی۔ ابوطالبؑ نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کردیا لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آنحضرتؐ ادائے فرض سے باز نہ آسکتے تھے اس لئے یہ سفارت دوبارہ ابوطالبؑ کے پاس آئی ان لوگوں نے ابوطالبؑ سے کہا کہ یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ، ابوطالبؑ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ جان عم! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں، رسولؐ اللہ کے ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے ابوطالبؑ تھے آں حضرتؐ نے دیکھا کہ اب ان کے پائے ثبات میں لغزش ہے آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔

(سیرۃ النبی جلد ا رصفحہ ۱۶۲)

مسلمانو! بتاؤ، ہمارے رسولؐ نے بت پرستی سے نفرت کرنے کے لئے جو کہا وہی تو علیؑ نے بھی سیرت شیخین کی پیروی کے بارے میں کہا؟ کیا علیؑ نے کوئی زیادتی کی جس بات کو رسولؐ نے باطل سمجھا اس سے انکار کردیا، اسی طرح جس امر کو علیؑ نے باطل جانا اس سے انکار کردیا، دونوں میں فرق کیا ہے؟ جس طرح اس انکار سے حضرت علیؑ نے بہت نقصان اٹھایا بالکل اسی طرح اپنے انکار سے ہمارے رسولؐ بھی بہت اذیتیں اٹھا چکے تھے، خلافت ثالثہ کے بعد حضرت علیؑ نے اگر معاویہ کو شام کا گورنر رکھنا پسند نہیں کیا تو پہلے یہ بتاؤ کہ ہمارے رسولؐ نے بھی اہل مکہ کو انہیں کے حال پر کیوں چھوڑ نہیں دیا؟ اگر ان کو اسی حالت پر رہنے دیتے تو نہ مسلمانوں کو حبشہ وغیرہ کی طرف ہجرت کرنی پڑتی نہ حضرت ہی کو اپنے آبائی وطن مکہ معظمہ سے ہمیشہ کے لئے نکل جانا پڑتا، رسولؐ نے کیوں اہل مکہ کی بات نہیں مان لی؟ بس اسی طرح حضرت علی نے بھی مشورہ دینے والوں کی رائے نہیں مانی کیونکہ نبی ہوں یا ولی رسول ہوں یا خلیفہ، ان کا فرض ہے کہ جس چیز کو ہم ناپسند کریں اس کو وہ لوگ کبھی پسند نہ کریں، اور ہم

باطل کو ایک منٹ کے لئے بھی گوارا نہیں کرتے معاویہ کو اگر حضرت علیؑ اپنی طرف سے شام کا گورنر باقی رکھتے تو اس کی کل بد اعمالیوں کے ذمہ دار آپ ہی قرار پاتے کیونکہ ہم نے قرآن مجید میں سخت تاکید کی ہے کہ جو لوگ باطل طریقے پر چلتے ہیں بھی ان کی روش نہ اختیار کرنا نہ ان پر اعتبار کرنا۔

(۱) ولا تتخذوا آیات اللہ ھزوا۔ (پارہ ۲ رع ۱۴)

اور اللہ کے احکام کو ہنسی، کھیل نہ سمجھو۔

(۲) ولا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم قل ان الھدی ھدی اللہ۔ (پارہ ۳ رع ۱۶)

اور جو شخص تمہارے دین کی پیروی کرے اس کے سوائے دوسرے کی بات کا اعتبار نہ کرو اے پیغمبران سے کہو کہ اصلی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے۔

(۳) وقال اللہ لا تتخذوا الٰھین اثنین انما ھو الٰہ واحد فایای فارھبون۔ (پارہ ۱۴ رع ۱۳)

اور لوگو! خدا نے حکم دیا ہے کہ دو دو معبود نہ ٹھہراؤ بس وہی خدا ایک معبود ہے تو صرف ہمارا ہی خوف رکھو۔

(۴) یا أیھا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم أولیاء تلقون الیھم بالمودۃ الآیۃ۔
(پارہ ۲۸ رع ۷)

اے ایمان والو! تم لوگ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو بھی اپنا دوست مت بناؤ کہ تم ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ۔

(۵) ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار ومالکم من دون اللہ من أولیاء ثم لا تنصرون واقم الصلوٰۃ طرفی النھار وزلفا من اللیل ان الحسنات یذھبن السیئات ذالک ذکری للذاکرین واصبر فان اللہ لا یضیع أجر المحسنین۔ (پارہ ۱۲ رع ۱۰)

اور جن لوگوں نے ظلم کیے ان کی طرف جھکنا بھی نہیں ورنہ دوزخ کی آگ تم کو بھی لگ جائے گی اور خدا کے سوائے تمہارا کوئی مددگار تو ہے نہیں تو (ظالموں کی طرف جھکنے کی صورت میں اس کی طرف سے بھی) تم کو مدد نہیں ملے گی اور دن کے دونوں طرف اور رات کو بھی نماز پڑھا کرو کیونکہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں جو لوگ ذکر الٰہی کرنے والے ہیں ان کے لئے یہ بات بھی ایک یاد دہانی ہے اور صبر کرو کیونکہ اللہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیا کرتا۔

(۶) فان للذین ظلموا ذنوبا مثل ذنوب اصحابھم فلا یستعجلون۔ (پارہ ۲۷ رع ۲)

تو ظالموں کے واسطے بھی عذاب کا کچھ حصہ ہے جس طرح ان کے ساتھیوں کے لئے کچھ حصہ ہے تو ان کو ہم سے جلدی نہیں کرنی چاہیئے۔

(۷)ونقول للذین ظلموا ذوقوا عذاب النار التی کنتم بها تکذبون۔(پارہ ۲۲/ع ۱۱)

اور ہم ظالم لوگوں سے کہیں گے کہ جہنم کے جس عذاب کو تم جھٹلاتے تھے، اب اس کا مزہ چکھتے رہو۔

(۸)بل اتّبع الذین ظلموا أهوائهم بغیر علمٍ۔(پارہ ۲۱/ع ۷)

مگر ظالم لوگوں نے تو بغیر جانے بوجھے اپنی خواہشوں کی پیروی کر لی ہے۔

(۹)ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت أیدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملو لعلهم یرجعون۔(پارہ ۲۱/ع ۸)

ان لوگوں کے ہاتھوں کی کارستانیوں کی بدولت زمین اور پانی (ہر جگہ) میں فساد ظاہر ہو گیا ہے تاکہ جو کچھ ان لوگوں نے کیا ان کا مزہ ان کو چکھا دے تاکہ یہ لوگ اب بھی باز آئیں۔

(۱۰)فتلك بیوتهم خاویةً بما ظلموا انّ فی ذٰلك لاٰیةً لقومٍ یّعلمون وأنجینا الذین اٰمنو او کانوا یتقون۔(پارہ ۱۹/ع ۱۹)

یہ بس ان کے گھر ہیں کہ ان کے ظلموں کی وجہ سے خالی ویران پڑے ہوئے ہیں اس میں جاننے والوں کے لئے نشانی ہے اور جو ایمان رکھے اور پرہیزگاری کرتے رہے ان کو ہم نے بچا لیا۔

حضرت علی علیہ السلام کی اصابت رائے،

مسلمانوں کے ایک بہت بڑے علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے حضرت علیؑ کے بارے میں جو لکھا ہے اس کو بھی دیکھو تاکہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو' سب لوگوں سے زیادہ حضرت علیؑ کی رائے صائب ومحکم وصحیح اور سب کی تدبیروں سے زیادہ آپ کی تدبیر مناسب اور مفید ہوتی تھی چنانچہ جب حضرت عمر نے چاہا کہ خود جنگ روم وایران میں جائیں اور حضرت علیؑ سے مشورہ طلب کیا تو حضرتؑ نے اس سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ ہم رائے نہیں دے سکتے، حضرت عمر نے حضرت علیؑ کی رائے مان لی۔ ان کے مفید مشورہ کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا اور اپنے ارادہ سے باز رہے(۱) اور حضرت عثمان کو بھی قیمتی مشورے دئے جن کو اگر وہ قبول کرتے تو انہیں جن حوادث وآفات سے سامنا ہوا ان سے محفوظ رہ جاتے اور حضرت کے دشمنوں نے یہ جو مشہور کیا ہے کہ حضرت صاحب رائے نہیں تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت دین اور شریعت کے نہایت سخت پابند تھے۔

(۱): ممکن ہے علامہ مذکورہ کے اس جملہ سے کوئی یہ سمجھے کہ حضرت علیؑ سے برابر مشورہ لیا کرتے اور حضرتؑ اپنی قیمتی رایوں سے ان کی مدد کرتے رہتے تھے مگر واقعہ ایسا نہیں ہے اول اور دوسرے صاحب دوسروں پر حملہ کرنے، ملکوں پر فوج کشی کرنے، لوگوں کو زبردستی اپنی رعایا بنانے، بزور سلطنت حاصل کرنے اور بہ تشدد

بادشاہت قائم کرنے کے جتنے کام کرتے رہے، ان سب میں حضرت علی کا ذکر نہ ملے گا اور حضرت علی تو خدا گئے ہے لیکن اہل اخلاق اور عقل والوں کا یہ اصول ہے کہ
جب ان کا شدید ترین دشمن بھی ان سے کوئی علمی یا عقلی بات دریافت کرتا ہے تو وہ جوابات کو ترک نہیں کرتے ہیں بلکہ ضرور دیتے ہیں، بس اسی اصول کے مطابق خلفاء ثلاثہ
جب کسی علمی مسئلہ میں پریشان ہو جاتے کسی قضیہ امر میں بے دست و پا ہونے لگتے، کسی مشکل تدبیر میں عاجز آ جاتے تو ہر طرف سے مجبور ہو کر حضرت علی کی طرف رجوع
کرتے اور "فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون" (اگر تم نہیں جانتے تو صاحبان ذکر سے دریافت کرو) کے مطابق حضرت کا جواب چاہتے، ایسی حالت میں
ہر صاحب علم صاحب عقل صاحب تدبیر کا فرض ہے جب کوئی شخص مشورہ طلب کرے اس وقت خاموشی نہ اختیار کرے بلکہ اس کی مشکل میں جو صحیح ہو بتا دے۔
اس کے علم میں جو امر درست ہو اس کی تعلیم کرے۔ حضرت امیر المومنینؑ کے علوم کی جب جستجو کی جائے گی تو معلوم ہوگا کہ مذہب اسلام کی کتنی مشکل اور عقل
حیران کر دینے والی باتیں مجلس صاحبوں کو پیش آتی رہیں، اور حضرت امیر المومنینؑ کی طرف ان لوگوں نے رجوع کیا تو حضرت مشکل کشا نے ایسے خوبصورت
جوابات دیئے کہ لوگوں کو حیرت ہوگی، بلکہ آج تک اہل علم ان جوابات کو دیکھ کر اور کتابوں میں پڑھ کر تعجب کرتے ہیں۔ بس اسی اصول پر اگر کسی دینی مسئلہ میں بھی
کبھی کسی نے حضرتؑ سے دریافت کیا تو حضرت خاموش نہیں رہ سکتے تھے اگر خدا نے بے علم لوگوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اہل الذکر سے دریافت کرو تو اہل ذکر کو بھی حکم دیا
ہے کہ اپنے علم اور اپنی عقل، اپنے مشورہ اور دینی رائے سے پریشان لوگوں کو محروم نہ کرو اس میں بخل نہ کرو۔ حضرت رسول خدا صلعم کا بھی یہی اصول تھا کہ کسی کے
کفار حضرت کے دشمن تھے مگر کبھی کسی امر میں حضرت سے مشورہ کرنے آئے تو حضرت نے کبھی انکار نہ کیا کہ تم میرے مخالف ہو، تم میرے دشمن ہو میں تم کو کیوں
بتاؤں؟ میں تم کو کیوں مشورہ دوں؟ عیسائی حضرات مسلمانوں کے کتنے مخالف ہیں لیکن وہی عیسائی جب عربی پڑھنا چاہتے ہیں جب عربی کتابوں کا کوئی مطلب سمجھنا
چاہتے ہیں تو مسلمان علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کیا ایسے موقع پر مسلمان صاحبان کو یہ جواب دے سکتے ہیں کہ تم تو میرے مخالف اسلام ہو کیوں پڑھاؤں، تم
کو کتاب کا مطلب کیوں بتاؤں، اگر کوئی مسلمان عالم کسی کو اس قسم کا جواب دے تو دنیا اس کو برا کہے گی یا نہیں۔ اسی طرح اگر امیر المومنینؑ ان لوگوں کو کچھ مشورہ نہیں
دیتے تو اہل دنیا حضرت کو کیا کہتے؟ لیکن جس طرح علمی مسائل بتانے سے کوئی مسلمان اور عیسائی ہم مذہب نہیں ہو سکتا اسی طرح حضرت علی کے ان لوگوں کو
مناسب مشورے دینے سے وہ دونوں حضرات ہم مذہب ہم مسلک نہیں ہو سکتے بلکہ یہی کہا جائیگا ... ۔ ۱۲

اسکے خلاف تو چونکہ نہیں کرتے، اور دینی حیثیت سے جو امور حرام ہوتے وہ خواہ دنیوی اعتبار سے کتنے ہی مفید ہوتے حضرت
بھی ان کا ارادہ تک نہیں کرتے تھے، آپ خود فرماتے تھے لولا الدین والتقی لکنت ادهی العرب، اگر دین کی
پابندی اور خدا کا خوف نہ ہوتا تو چالاکی اور ہوشیاری میں عرب کا کوئی شخص میرا مقابلہ نہیں کرسکتا، اور حضرتؑ کے سوا جتنے خلفاء
تھے وہی راہ اختیار کرتے جس میں دنیوی حیثیت سے مصلحت دیکھتے اور جس کو اپنے مفید مطلب پاتے، خواہ وہ راہ شرع کے
مطابق ہوتی یا اس کے خلاف، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص صرف اپنی عقل و تدبیر کے مطابق عمل کرے گا کسی شریعت
یا اصول کی پابندی نہیں کرے گا، جس کے سبب سے اس کو اپنے ان اصولوں کو ترک کرنا پڑے جن میں وہ اپنی مصلحت اور نفع
دیکھے، غرض جو شخص بغیر کسی مذہب کی پروا اور خوف کے صرف اپنے دنیوی نفع کا لحاظ کر کے کام کرے گا اس کی دنیوی زندگی
کہیں زیادہ کامیاب، درست اور منتظم ہوگی بمقابلہ اس شخص کی زندگی کے جو اپنے ہر کام میں دین کا لحاظ رکھے اور قدم قدم پہ
خوف خدا کا خیال کرے کہ ایسے شخص کے دنیوی امور یقیناً منتشر اور غیر منتظم ہوں گے اور اس کی زندگی زیادہ ناکامیاب نظر آئے گی۔

حضرت علی علیہ السلام کی سیاست،

علامہ مذکور ہی نے حضرتؑ کی سیاست کے بارے میں بھی جو لکھا ہے سُن لو اب صرف حضرتؑ کی سیاست کے بارے میں کچھ لکھنا رہ گیا تو ”کان شدید السیاسة خشناً فی ذات الله، حضرت بہت زبردست سیاست کے اور ذات خدا یعنی حق باتوں میں بڑے سخت اور غیر متزلزل تھے، اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس کو ایک مقام کی حکومت دی تو ان کے ساتھ بھی قاعدہ کو پوری پابندی سے برتا، وہاں ان سے کچھ نامناسب باتیں ظاہر ہوئیں جو حاکم یا والی کے شان کے خلاف تھیں تو حضرتؑ نے ان سے بھی چشم پوشی نہیں کی اور پورے عدل سے پیش آئے، آپ کے حقیقی بھائی نے اپنا وظیفہ زیادہ کرانا چاہا تو ان کا بھی (حق کے خلاف) خیال نہیں کیا، غرض خدا کے خلاف جو بھی چلا اس کو شرعی سزائیں دینے میں کبھی تامل نہیں کیا اور کسی قرابت یا ذاتی خصوصیت کے سبب سے خدائی فیصلہ سے باز نہ رہے، جو خدا نے کہا وہی کرتے رہے، خواہ ان کا غیر ہو یا اپنا ہو، حضرت کے سیاسی کارناموں سے جنگ جمل وصفین ونہروان بھی ہیں جو آپ کی ابتداء خلافت سے آخر تک جاری رہیں اور سب میں آپ نہایت استقلال جوانمردی سے جہاد کرتے اور کامیاب ہوتے رہے، اگر ان واقعات کا صرف اقل قلیل ظاہر ہوتا جب بھی حضرت کا کمال سیاست ثابت کرنے کے لئے کافی تھا چہ جائیکہ اس کثرت سے آپ کی مخالفتیں ظاہر ہوتی رہیں اور حضرتؑ نے سب کا تنہا مقابلہ کیا اور اس قدر لوگوں کی مخالفتوں نے کسی وقت آپ کو گھبرایا نہیں اور نہ ضعیف ہونے دیا، امور سیاست میں بھی حضرتؑ کے بے مثل ونظیر ہونے کہ وجہ یہ ہے ان لڑائیوں میں جو قوت وشجاعت، دبدبہ وشوکت، دلجمعی واطمینان، حملہ وگرفت، دشمن سے انتقام اور باطل کا توڑ حضرتؑ کے اعوان وانصار سے ظاہر ہوا اس کا دسواں حصہ بھی دنیا کے کسی زبردست سے زبردست تر سیاست والے سے نہیں دیکھا گیا۔“ شرح نہج البلاغہ جلد ۱ رصفحہ ۷۔

حضرت علیہ السلام کی سیاست کے تین نمونے،

علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ ہمدان سے نکلے تو دو جماعتوں کو لڑتے دیکھا حضرتؑ نے دونوں کو الگ کر دیا، وہاں سے آگے بڑھے تو کچھ فاصلہ سے آواز سنی کہ کوئی فریاد کر رہا ہے حضرتؑ اس کی طرف دوڑے اور فرماتے جاتے تھے کہ میں پہنچا، میں آ گیا، جا کر دیکھا کہ ایک شخص دوسرے سے لپٹا ہوا ہے، اس نے حضرتؑ کو دیکھ کر کہا یا حضرتؑ میں نے اس کے ہاتھ ایک کپڑا (نو درہم کو) بیچا اور شرط کی کہ مجھے کوئی خراب درہم نہیں دے گا، مگر اس نے کپڑے پر قبضہ کر لینے کے بعد مجھ کو جو درہم دئے ان میں چند خراب ہیں میں نے اس سے کہا کہ بدل دے تو اس نے مجھے طمانچے مار دیئے اور درہم بھی نہیں بدلتا، حضرتؑ نے اس سے وہ درہم بدلوا دیئے، پھر فریاد کرنے والے سے پوچھا کہ کس کے سامنے اس نے طمانچے

مارے ہیں اس نے گواہ پیش کئے تو حضرتؑ نے فرمایا اب تو بھی اس سے بدلہ لے مگر اس نے عرض کی حضورؑ میں نے اس کو معاف کر دیا حضرتؑ نے فرمایا میں نے یہ چاہا کہ یہ ظالم تیرے حق میں انصاف کرے، پھر اس ظالم کو تو کوڑے مارے اور فرمایا کہ اگرچہ اس مظلوم نے تجھ کو معاف کر دیا مگر یہ نو کوڑے جو میں نے مارے یہ سلطنت کی طرف سے تیری سزا ہے تاکہ آئندہ تو پھر کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرے۔ (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۹۰)

اس زمانے کا کیا ذکر ہے اس عہد میں جب دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی اس قسم کا عدل وانصاف قائم رکھنا اور امن باقی رکھنے کے لئے یہ حسن انتظام، یہ اعلیٰ سیاست، یہ دوراندیشی کسی سلطنت میں بھی نظر آسکتی ہے؟

(۲) حضرتؑ کی مشہور کتاب نہج البلاغہ کا یہ فرمان پڑھنے کے قابل ہے جس سے معلوم ہوگا کہ حضرتؑ ہر انسان کی راحت رسانی کا کس درجہ خیال رکھتے تھے۔

ومن کتاب له علیه السلام الی الأشعث ابن قیس وهو عامل اذربایجان ان عملك لیس لك بطعمة ولکنه فی عنقك أمانة وأنت مسترعیٰ لمن فوقك. لیس لك ان تفتات فی رعیة ولا تخاطر الا بوثیقة وفی یدیك مال من مال الله عز وجل وأنت من خزانه حتیٰ تسلمه الیّ ولعلی ان لا اکون شر ولاتك والسلام۔

حضرت کے ایک فرمان کا کچھ حصہ اشعث بن قیس کے نام جو حضرتؑ کی طرف سے صوبہ آذربائیجان (ملک ایران) کا حاکم تھا، اے اشعث! خوب یاد رکھو کہ تمہارا یہ عہدہ کچھ تمہاری جاگیر نہیں بلکہ وہ تمہاری گردن میں (خدا کی) ایک امانت ہے اور تم اپنے سردار کی طرف سے رعایا کے صرف نگہبان ہو، اس وجہ سے تم کو جائز نہیں کہ رعیت کے امور میں خود رائی برتو اور نہ بغیر کسی قاعدہ اور دستور کے کسی امر میں دخل دو، خوب سمجھ لو کہ تمہارے قبضہ میں خدا کا کچھ مال ہے اور تم صرف اس کے خزانچی ہو یہاں تک کہ اس کو مجھ تک پہنچا دو تب امید ہے میں تمہارا برا حکمران نہیں ہوں گا، ورنہ تم جانو والسلام۔

اس فرمان کا ایک ایک لفظ پڑھ جاؤ اور غور کرو کہ حضرتؑ رعایا پر کس درجہ مہربان تھے اور حاکموں کے ظلم و جور سے کس قدر بچانے کی کوشش کرتے تھے، عام طور پر کسی مقام کے حاکم رعیت سے بے حساب مالی نفع اٹھانے کی فکر میں رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے مالک ہو گئے ان کو جس طرح چاہیں رکھیں، اور ان سے جس قدر روپیہ ممکن ہو وصول کرتے رہیں، یہ بیچارے نہ کچھ بول سکیں گے نہ کہیں فریاد کر سکیں گے، نہ ہمارے قبضہ سے نکل سکیں گے وہ اپنے علاقہ کے بادشاہ ہیں جن کی نہ داد ہے نہ فریاد جو چاہیں گے بادشاہ وقت کو دیں گے اور باقی سب اپنا خزانے میں رہے گا حضرت امیر المومنینؑ نے ایسے حاکموں کی مطلق العنانی کا لحاظ کر کے یہ فرمان بھیجا تم خیال نہ کرو جو تمہارا مشاہرہ معین ہو چکا ہے اس سے ایک پیسہ بھی زیادہ نہ لو، یہ تمہارے عیش کرنے کا عہدہ تم کو نہیں دے دیا گیا، بلکہ تم کو خدا کی ایک امانت سپرد کی گئی ہے جو تمہاری گردن میں ہے تم

اپنے حلقہ کے باشندگان پر نگران مقرر کئے گئے ہو کہ برابر ان کی حفاظت کرتے رہو، ان کو آرام پہنچاتے رہو ان کو ہر مصیبت اور دکھ سے بچاتے رہو، ان پر کوئی ظلم نہ کرے، کوئی نقصان نہ پہنچائے اور تم خود بھی اپنے کو ان کا افسر نہ سمجھو کہ اپنی رائے سے جو چاہو کرو بلکہ اپنے کو ان کا خادم ان کا ہمدرد، ان کا مددگار، ان کا حامی اور ان کا بہی خواہ جانتے رہو، ان سے جو زکوۃ وغیرہ کی رقمیں وصول کرو وہ خدا کا مال ہے تم صرف اس کے خزانچی اور محافظ ہو جب تک مجھ تک پہنچا دو گے تب ان رقموں کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی اور میں ان رقموں کو مسلمانوں کی حفاظت، ان کے آرام، ان کی خوشحالی، ان کی ترقی ان کی بہبودی کے ان کاموں میں خرچ کروں گا جن کا حکم مجھ کو خدا اور رسولؐ نے پہلے ہی سے دے رکھا ہے۔

(۳)ومن كتاب له الى عثمان بن حنيف الانصاري وهو عامله على البصرة وقد بلغه انه دعي الى وليمة قوم من أهلها فمضى اليها. اما بعد يا بن حنيف فقد بلغني ان رجلاً من فتية أهل البصرة دعاك الى مأدبة فاسرعت اليها تستطاب لك الألوان وتنقل اليك الجفان وما ظننت انك تجيب الى طعام قوم عائلهم مجفوٌّ وغنيهم مدعوٌّ فانظر الى ما تقضمه من هذا المقضم فما اشتبه عليك فالفظه وما أيقنت بطيب وجوهه فنل منه ألا وان لكل ماموم اماماً يقتدي به ويستضئ بنور علمه ألا وان امامكم قد اكتفى من دنياه بطريه من طعمه بقرصيه۔

حضرت علیؑ کے ایک فرمان کا کچھ حصہ جو آپ نے عثمان بن حنیف انصاری کے نام جو آپ کی طرف سے بصرہ کے حاکم تھے لکھا جن کے متعلق حضرتؑ کو معلوم ہوا تھا، بصرہ کے کچھ لوگوں نے ایک دعوت کی تو آمیں ان کو بھی بلایا اور وہ اس میں شریک ہوئے، سلام دعا کے بعد واضح ہو اے عثمان بن حنیف! مجھے معلوم ہوا ہے کہ بصرہ کے معززین سے کچھ لوگوں نے دعوت کا سامان کیا اور تم کو بھی اس میں بلایا تم نے وہاں جانے میں بڑی مستعدی ظاہر کی اس دعوت میں تمہارے لئے بھی انواع واقسام کے کھانے چنے اور تمہارے سامنے بڑے بڑے پیالے رکھے اور لگائے جاتے تھے اور تم نے خوب مزے لے لے کر اس دعوت کے کھانے کھائے حالانکہ تمہارے بارے میں میرا گمان بھی نہ تھا کہ تم ایسی قوم کی دعوت قبول کرو گے جس میں محتاجوں کو تو پوچھا نہ جاوے اور صرف مالدار لوگ بلائے جائیں تمہیں چاہیئے کہ وہاں جو کھایا ہے اس کا پتہ لگاؤ جس چیز کے بارے میں شبہ ہو کہ حلال تھی یا نہیں اور پاک تھی یا نجس اس کو پھینک دو اور جس چیز کے حلال اور پاک ہونے کا تم کو یقین ہو اس کو قبول کرو اور اس بات کو برابر یاد رکھنا کہ ہر ماموم یا رعیت کے لئے ایک امام یا سردار ہوتا ہے جس کی پیروی اس کو کرنی چاہئے اور جس کے نور علم سے اس کو روشنی ہدایت ضروری ہے اور تمہارے اس امام علی بن ابی طالبؑ، کی جو حالت ہے اس کو پیش نظر رکھو کہ اس نے اپنی دنیا سے پہننے کے لئے صرف دو چادروں اور کھانے کیلئے صرف دو روٹیوں پر قناعت کر لی ہے۔

اس فرمان سے حضرت علیؑ کا وہ کمالِ عدل و انصاف اور شدتِ حفاظتِ رعایا و احبّاء رحم و شفقت بر فقراء و مساکین ظاہر ہوتی ہے جس کی نظیر کسی ملک اور کسی زمانے میں نہیں مل سکتی۔ آج بھی جب دنیا کس درجہ ترقی کر گئی ہے، یورپ، ایشیاء، افریقہ اور امریکہ کا کوئی بادشاہ، پریزیڈنٹ ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جو اپنے ملک کے نادار، محتاج اور پریشان حال لوگوں کے لئے ایسا مہربان ثابت ہو، جیسے حضرت علیؑ اپنی رعایا کے لئے رحمت ثابت ہوئے تھے۔ اس زمانے میں خود بادشاہوں اور پریزیڈنٹوں کی بڑی بڑی دعوتیں ہوتی ہیں، مگر ان میں وہی لوگ بلائے جاتے ہیں جو بڑے اونچے درجے کے ہوں، وزراء ہوں، سفراء ممالک ہوں، ملک التجار ہوں، اعلیٰ درجے کے مہاراجہ ہوں، نواب ہوں، کروڑ پتی ہوں، لکھ پتی ہوں، ہوائی جہازوں سے سفر کرتے ہوں، اور زمین پر موٹروں ہی سے آتے جاتے ہوں، کوئی بھی کسی نادار کو نہیں پوچھتا، نہ دعوت دینے والے ہی محتاجوں کو بلاتے ہیں اور نہ وہ بادشاہ یا پریزیڈنٹ ہی دریافت کرتے ہیں کہ نادار لوگوں کی جماعت کس طرف ہے؟ ان کو دعوت میں کیوں نہیں بلایا گیا؟ اگر ان کو بلایا نہیں تو ان کے پاس کھانا بھیجا گیا یا کچھ نقدی دے کر ایک وقت بھی ان کا پیٹ بھر دینے کا سامان کر دیا گیا ہے، لیکن حضرت علیؑ اپنے ماتحتوں کو بھی اس پر ٹوکتے ہیں اور اپنی ملامت بھی ظاہر فرماتے ہیں کہ مجھے دیکھو، کبھی ایسی دعوت کو قبول کرتا ہوں کسی لذیذ غذا کی خواہش کرتا ہوں؟ یہ عثمان بن حنیف حضرت رسولؐ کے صحابی اور حضرت علیؑ کی ظاہری خلافت سے پہلے عراق زمین کی پیمائش اور وصول خراج و تحصیل صدقات وغیرہ کے عامل تھے، حضرت علیؑ نے اپنے عہد حکومت میں ان کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا، وہاں کسی رئیس نے دعوت کی جس میں ان کو بھی بلایا، عثمان اس دعوت میں گئے شریک ہوئے اور خوب خوب کھایا، ان باتوں کی خبر حضرت علیؑ کو ہوگئی، ان کو حکومت بصرہ سے علیحدہ کیا، کوئی سزا دی بلکہ کس درجہ شفقت آمیز خط لکھ کر ان کو اسی طرح سمجھایا جس طرح ڈاکٹر حکیم اپنے مریضوں کو بہ ہمدردی سے یا مہربان استاد اپنے شاگردوں کو تحصیل کو دے، یا شفیق والدین اپنی اولاد کو بداخلاقیوں اور نقصان دہ زندگی سے بچانے کے لئے میٹھے الفاظ میں سمجھاتے ہیں، حضرت علیؑ نے ان کو بتایا کہ دعوت کی غرض یہ ہونی چاہیے کہ فقراء و مساکین جو لذیذ غذاؤں اور پیٹ بھر کھانے کا سامان خود نہیں کر سکتے ان کو اس ذریعہ سے بھی کبھی شکم سیر کرنے کا موقع مل سکے لیکن جن لوگوں نے دعوت کی اور تم کو مدعو کیا انہوں نے نادار بھائیوں کی طرف توجہ بھی نہیں کی اور صرف امراء، اغنیاء و متمولین ہی کو اس میں بلایا (جو خود ہی روزانہ ایسی غذا کھاتے رہتے ہیں) تو ان لوگوں کا فقراء اور محتاجین کو نہ پوچھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس دعوت سے ان کی غرض اپنی دولت کا صحیح مصرف اور منعم حقیقی کی رضا جوئی نہیں بلکہ صرف دنیوی عزت و ثروت کا اظہار، دولت و حشمت کا اعلان اور ریا و شہرت کی تمنا ہوتی ہے پس جو لوگ ایسے ہوتے ہیں ان کی دعوت قبول کر لینا ان کے افعال پر راضی ہو جانا ہے، حالانکہ یہ اغراض خدائی ناراضگی کے باعث ہیں تو جو شخص کسی جائز امام

وقت کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو اس کا ایسی دعوت قبول کرنا لوگوں کی گمراہی کا باعث ہو گا کیونکہ عوام اس سے سمجھیں گے کہ اگر یہ فعل ممدوح نہ ہوتا تو حاکم اسلام جو احکام وآداب اسلام کا سمجھنے والا اور خدا کی خوشنودی کے اسباب کا شائع کرنے والا ہے کیونکر اس دعوت میں شرکت قبول کرتا، حضرتؑ نے آخر میں جو جملہ فرمایا ہے اس میں دو امروں کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ حضرت نے اپنے کو امام اور عثمان بن حنیف کو ماموم قرار دیا ہے تو مطلب یہ ہے کہ میں تمہارا امام ہوں، تم کو میری ایسی زندگی اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، تم کو میرے قدم بقدم چلنا مناسب ہے، میرے زہد فی الدنیا کا نمونہ قائم کرنا چاہیئے، دوسرا یہ کہ تم جن لوگوں میں ہو تمہارے ماموم ہیں اور تم ان کے امام ہو تو جب تم ہی ایسی دعوت کو پسند کرو گے جس میں فقراء ومساکین تو نہ بلائے جائیں اور صرف دولت مندوں کو بلایا جائے تو تمہارے اس فعل سے تمہارے مامومین سمجھیں گے کہ ایسا کرنا اچھا ہے تو وہ لوگ بھی آئندہ اپنی دعوتوں میں صرف خوشحال لوگوں کو شریک کریں گے اور پریشان حال بھائی برابر نظر انداز ہی ہوتے رہیں گے، اس کے بعد اپنی خاص حالت بتادی کہ میں جو تم کو نصیحت کر رہا ہوں اپنی حالت بھی تم پر واضح کئے دیتا ہوں کہ تمام مملکت اسلام کا (ظاہری) بادشاہ بن کر بھی صرف دو چادریں اپنے لباس میں رکھتا اور دو روٹیوں سے اپنا پیٹ بھر لیتا ہوں۔

(۴) ومن وصية له عليه السلام، كان يكتبها لمن يستعمله على الصدقات وانما ذكرنا هنا جملا منها ليعلم بها انه كان يقيم عماد الحق ويشرع أمثلة العدل فى صغير الأمور و كبيرها ودقيقها وجليلها۔

صدقات وصول کرنے کے لئے حضرت علیؑ جس شخص کو اپنا عامل (تحصیلدار) مقرر فرماتے تھے اس کو جو وصیت فرماتے تھے اس کا بعض حصہ (علامہ سید رضی فرماتے ہیں کہ ہم نے اس وصیت کے صرف چند جملوں کو نقل کیا ہے تا کہ ان سے معلوم ہو سکے کہ حضرت علیؑ حق کے ستونوں کو کس طرح مضبوط رکھتے اور چھوٹے بڑے ادنی اور اہم امور میں بھی عدل کی مثالیں کیوں کر واضح کرتے رہتے تھے)

انطلق على تقوى الله وحده لا شريك له ولا ترعن مسلما ولا تحتازن عليه كارها ولا تأخذن منه أكثر من حق الله فى ماله فاذا قدمت على الحى فانزل بمائهم من غير ان تخالط ابياتهم، ثم امض اليهم بالسكينة والوقار حتى تقوم بينهم فتسلم عليهم ولا تخدج بالتحية لهم ثم تقول عباد الله أرسلنى اليكم ولىّ الله وخليفته لآخذ منكم حق الله فى أموالكم من حقٍ فتؤدوه الى وليه فان قال قائل لا فلا تراجعه وان أنعم لك منعم فانطلق معه من غير ان تخيفه أو توعده أو تعسفه أو ترهقه فخذ ما أعطاك من ذهبٍ أو فضة فان كان له ماشية أو ابل فلا تدخلها الا باذنه فانّ أكثرها له فاذا أتيتها فلا تدخل عليها دخول متسلطٍ عليه ولا عنيفٍ به ولا تنفرنّ بهيمةً ولا تفزعنّها ولا تسوأنّ صاحبها فيها الخ۔

اے بھائی! اپنے کام پر اس طرح جاؤ کہ قدم قدم پر اللہ کو حاضر و ناظر سمجھتے رہو، دیکھو صدقہ کا مال وصول کرنے میں کسی مسلمان کو ڈرانا نہیں اور نہ اس پر جبر اً چڑھ دوڑنا اور اس کے مال میں جس قدر حق خدا کا ہے اس سے ذرہ برابر بھی زیادہ وصول نہ کرنا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تم صدقات وصول کرنے کے لئے کسی قبیلہ میں پہنچو تو کسی آدمی کے گھر اس کے زبردستی مہمان نہ بنو بلکہ وہاں پانی کا جو چشمہ یا کنواں ہو اس پر اترنا اور ان کے گھروں کے پاس سے گزرنا بھی نہیں، پھر سکینہ و وقار سے بطور عامل ان کی طرف جاؤ اور جب ان لوگوں کے سامنے پہنچو تو پہلے ہی تم ان پر سلام کرو اور اس سلام کرنے میں رکنا نہیں نہ کسی قسم کی کوتاہی کرنا پھر ان سے کہنا بندگان خدا! مجھے تمہارے پاس خدا کے ولی اور اس کے خلیفہ نے اس غرض سے بھیجا ہے کہ تمہارے مالوں میں خدا کا جو حق ہے اسے لے جاؤں، اب اگر تمہارے مالوں میں اس کا کوئی حق ہو تو اس کے ولی کے حوالے کر دو اس پر اگر کوئی شخص کہے کہ اس کے پاس اتنا مال نہیں ہے جس میں خدا کا حق ہو تو اس سے حجت بحث نہ کرنا، اور اگر کوئی کہے کہ ہاں خدا کا حق اس کے ذمہ ہے تو بغیر اس کو ڈرائے دھمکائے، سختی کئے یا پریشان کئے ہوئے اس کے ساتھ جاؤ اور دینار یا درہم یا سونے چاندی سے جو بھی وہ دے دے لو اور اگر اس کے پاس جانور ہوں تو ان کے گلے میں بھی بغیر مالک کی اجازت کے نہ گھس جانا کیوں کہ ان جانوروں میں زیادہ حصہ مالک کا ہے تو تم غیر ہو کر اس گلے میں سختی اور ظلم کرنے والے کی طرح نہ جا پہنچنا اور نہ کسی جانور کو بھڑکاؤ، نہ ڈراؤ نہ اس کے بارے میں اس کے مالک کو تنگ کرو۔

مسلمانو! غور کرو، اس خطبہ کا ایک ایک لفظ سونے بلکہ ہیرے سے لکھنے کے قابل ہے یا نہیں۔ حضرت رسولؐ کو چھوڑ کر دنیا بھر کے سرداروں، حاکموں، عاملوں، والیوں، تحصیلداروں، گورنروں، وزیروں اور بادشاہوں کے حالات پڑھ جاؤ، کسی ملک، کسی زمانے اور کسی قوم میں اس دل و دماغ کا شخص مل سکتا ہے اس درجہ احتیاط کرنے والا بزرگ دکھائی دیتا ہے؟ رفاہ عام کا اس درجہ خیال کرنے والا کوئی سردار نظر آتا ہے؟ کمزور رعایا پر اس درجہ رحم کھانے والا کوئی حاکم ڈھونڈھنے سے مل سکتا ہے ہم تو کہتے ہیں کہ اگر رسولؐ کے بعد علیؑ ہی مسلمانوں کے سردار مان لئے جاتے تو دینی حکومت، بادشاہت اور سلطنت کے بھی بہترین اصول نظم اور دستور عمل کا وہ لازوال دفتر مہیا ہو جاتا جس کو دیکھ کر کبھی اور کسی زمانے میں دنیا کے کسی شہنشاہ یا سردار یا پارلیمنٹ کو بھی اس سے بہتر قواعد و قوانین کا مدون کرنا ممکن نہیں ہوتا، اس کے مقابلے میں اگر ہم ان لوگوں کی حالت بتائیں جو بغیر ہمارے بٹھائے ہوئے رسولؐ کی جگہ بیٹھ گئے اور بغیر ہمارے رسولؐ کے اشارہ تک کئے ہوئے مسلمانوں کے سردار بنا دئے گئے تو روشن ہو جائے کہ انہوں نے اور ان کے عاملوں اور نائبوں نے ایسے کام کئے اور ایسے قاعدے بنائے جن کی وجہ سے قیامت تک کے لئے اسلام میں نہ مٹنے والا داغ لگ گیا حضرت علیؑ تو اپنے عاملوں کو ایسی ایسی تاکید کرتے تھے جن کا

نمونہ اس فرمان میں دکھایا گیا اور آپ کے برخلاف اول صاحب یہ تاکید کرتے اور خود ہماری قسمیں کھا کر لوگوں سے کہتے تھے واللہ لو منعوني عقالا لقاتلتهم۔ خدا کی قسم اگر ہماری رعایا وہ سڑی رسی بھی جن سے جانور (بھیڑی وغیرہ) باندھے جاتے ہیں ایک عدد روک لے گی اور ہم کو نہیں دیگی تو ہم ان لوگوں سے لڑ کر اور ان سب کا خون بہا کر رہیں گے ان کا عام فرمان اپنے عاملوں اور نائبوں کے لئے یہ ہوتا۔

اگر تم کو ان لوگوں پر جو صرف زکوٰۃ کو روکتے ہیں غلبہ حاصل ہو جائے تو سب کو آگ میں ڈال کر پھونک دینا، (تاریخ خمیس صفحہ ۲۳۱) پہلے صاحب کا دوسرا فرمان یہ ہوتا تھا۔

و كتب معي له بوصايا وفي أخرها ان أظفرك الله بأهل اليمامة فأياك والا بقاء عليهم أجر على جريحهم واطلب مدبرهم واحمل على اسيرهم على السيف وهول فيهم القتل وأحرقهم بالنار وأياك ان تخالف أمري۔ (تاریخ خمیس صفحہ ۲۴۳)

اول صاحب نے اپنے سردار فوج کو جو وصیتیں کیں ان کی آخری تاکید یہ تھی کہ اگر تم یمامہ والوں پر فتح پاؤ تو ہرگز کسی پر رحم نہ کھانا، کسی کو زندہ نہ چھوڑنا بلکہ جو زخمی ہو کر گر جائے اس کو بھی ذبح کر ڈالنا، جو بھاگ جائے اس کا بھی پیچھا کرنا، جو تمہاری قید میں پھنس جائے اس کو بھی تلوار کی باڑھ پر رکھ لینا، سب کا قتل عام کر دینا اور سب کو آگ میں جلا دینا دیکھو ہمارے حکم کے ذرہ برابر بھی خلاف نہ کرنا۔

اور ایک قبیلہ بنو حنیف تھا، اس کے بارے میں اول صاحب اپنے کارندوں کو اس قسم کے فرمان لکھ کر بھیجتے رہتے تھے:۔

اما بعد فاذا جاءك كتابي فانظر فان اظفرك الله بني حنيف فلا تستبق منهم رجلا جرت عليه الموسى۔ (تاریخ خمیس صفحہ ۲۴۳)

جب تم کو میرا فرمان پہنچے تو جنگ کے معاملہ میں غور کرو، اگر خدا تم کو بنو حنیف پر فتح دے تو ان میں کا ایک شخص بھی زندہ نہ چھوڑنا جس پر استرا چل چکا ہو۔

یہ تو اول صاحب کی رعایا پروری، شفقت اور مہربانیوں کا مختصر مرقع ہے دوسرے صاحب کے مزاج کا اندازہ صرف اسی مختصر بیان سے کرنا بہت آسان ہے کہ جب اپنے انتقال کے وقت اول صاحب نے آپ کو خلیفہ رسولؐ نامزد کر دیا تو سب مسلمانوں میں سخت شورش پیدا ہو گئی، سخت بے چینی کی زندگی بسر کرنے لگے۔

ایک دوسرے سے شکایت کرنے لگا کہ یہ تو ہم لوگوں کے لئے بڑی مصیبت کا سامنا ہو گیا، ازواج رسولؐ تک کو یہ انتظام ناگوار ہوا اس وقت جو ممتاز صحابہ رسولؐ مدینہ میں موجود تھے ان سے دو شخصوں طلحہ وزبیر نے اول صاحب کے پاس آ کر شکایت کی کہ:

ما کنت قائلاً لربك اذ ولیته مع غلظته وفی روایة قال طلحة اتولی علینا فظاً غلیظاً ما تقول لربك اذا لقیته۔

یعنی اے جناب اول! آپ نے جا ایسے غلیظ کو خلیفہ بنادیا تو خدا کو کیا جواب دیجئے گا۔ اور طلحہ نے کہا کیا آپ ہم پر فظ غلیظ کو خلیفہ بناتے ہیں؟ تو خدا کو کیا جواب دیجئے گا۔

بلکہ خود ثانی صاحب سے بھی لوگوں نے آکر اس امر کی شکایت کی، شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے ان سب باتوں کو اپنی کتاب میں لکھا ہے: وشکوا اصلت عنف السیاق وشدۃ النهر للرعیة (ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۵)

اے جناب ثانی لوگ رعیت کے ساتھ تمہاری درشت مزاجی اور شدت زجر و توبیخ کے شاکی ہیں۔

ان نفرا من المسلمین کلموا عبدالرحمن بن عوف فقالوا کلم لنا عمر بن الخطاب فقد واللہ احسانا حتی لا نستطیع ان ندیم الیه ابصارنا۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۹۸)

مسلمانوں کی ایک جماعت نے آکر عبدالرحمن بن عوف سے کہا کہ تم ہم لوگوں کی طرف سے عمر بن الخطاب سے گفتگو کرو کیوں کہ خدا کی قسم انھوں نے ہم لوگوں کو کتوں کی طرح دھتکارا ہے کہ اب ہم ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے۔

اللہ اکبر! رحمۃ للعالمین کی جگہ بیٹھنے کے لئے ایسے شخص کا سامان کیا گیا جو ہمارے رسولؐ کے اصحاب اور ابتدائی مسلمانوں کے معززین کے ساتھ کتوں کے ایسا برتاؤ کرتے تھے جب وہ اصحاب رسول کو کتوں کی طرح دھتکار دیتے تھے تو عراق ایران اور شام کے یہود و نصاریٰ و مجوس کے ساتھ ان کا برتاؤ کس قسم کا ہوگا یہ صحابہ رسولؐ کے ساتھ کتوں جیسا برتاؤ اس وقت تک تھا جب خلیفہ نہیں ہوئے تھے پھر جب مسند رسولؐ پر بیٹھ گئے اس وقت مزاج کی کیا حالت ہوگئی ہوگی؟ دوسروں سے کیوں پوچھو خود ان کے بڑے مداح مولوی شبلی صاحب کی مشہور کتاب الفاروق سے سوال کرو تو وہ بتا دے گی کہ حضرت عمر نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ یہ خود اپنے اشعار گا کیں چنانچہ میں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا، مزاج قدرتی طور پر نہایت تند، تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا، جاہلیت کے زمانہ میں تو وہ قہر مجسم تھے لیکن اسلام کے بعد بھی مدتوں تک اس کا اثر نہیں گیا، ووالخویصرہ ایک شخص نے ایک دفعہ آنحضرتؐ سے گستاخانہ کہا کہ عدل اختیار کر حضرت عمر غصے سے بیتاب ہوگئے اور چاہا کہ اس کو قتل کر دیں لیکن حضرتؐ نے منع کیا، ان واقعات سے کو تم کو اندازہ ہوگا کہ کس طرح ہر موقع پر ان کی تلوار نیام سے نکل پڑتی تھی، اور کافر تو کافر خود مسلمانوں کے ساتھ ان کا کیا سلوک تھا۔ (الفاروق حصہ ۲ صفحہ ۲۹۵)

اس طرح کے ہزاروں واقعات ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے رسولؐ کے بھائی اور رحمۃ للعالمین کے نفس حضرت علیؑ اس زمانے میں جس عدل و انصاف اور رحم و شفقت سے اپنی رعایا کے ساتھ برتاؤ کرتے وہ صاف صاف بتا رہا

کہ حضرت مصداق خلق عظیم کے خلیفہ بلا فصل درحقیقت آپ ہی تھے اور ہم خدا پر بقاعدۂ لطف واجب تھا کہ حضرت ہی کو اپنے پیارے رسول کا جانشین بنائیں اسی سبب سے ہم نے بعثت میں حضرت علی کو اپنے رسولؐ کا خلیفہ بنا کر اعلان عام کرا دیا تھا ، نہ وہ حضرات جن کی طرف تکنے تک کی جرأت رعایا کو نہیں تھی ، حالانکہ اس زمانے میں یورپین سلطنتیں بھی اسی شدت واستبداد کی نظیر پیش نہیں کرسکتیں ، جو اس رحمۃ للعالمین کے (خود یا مسلمانوں کی تجویز سے) جانشینوں کے متعلق صفحات تاریخ سامنے لاتے ہیں ، اسی طرح اگر معمولی تحقیقات سے بھی کام لیا جائے تو آسانی سے ثابت ہو کر رہے کہ عدل ورحم اور شفقت وانصاف کی جو نظیریں ہمارے ولی نے علم وحکمت کے مطابق اس زمانے میں قائم کی تھیں وہ اس زمانے میں باوجود اس قدر علم وعقل تہذیب وادب کی ترقی کے بھی کہیں خواب وخیال میں نظر نہیں آتی ہیں حالانکہ زمین عرب کی فطری حالت اور اہل عرب کے تہور جہالت کا نتیجہ تو یہ تھا کہ انسان کے خون کی بھی کوئی وقعت نہیں سمجھی جاتی تھی لیکن ہمارے عدل ورحم وتدبیر وسیاست سے اس زمانہ کے اہل حکومت وسیاست کو بھی سبق لینا چاہیئے کہ حضرت اپنے عاملوں (تحصیلداروں اور حاکموں) کو جو ہدایتیں فرمارہے تھے ان میں انسانی رعایتوں کے علاوہ معمولی جانور تک کے دل دکھانے گھبرا دینے اور ڈرانے سے منع فرمارہے تھے ، یہ نہج البلاغہ کے ایک معمولی فرمان کا ذکر تھا ، ایسے ایسے بکثرت فرمان اس میں موجود ہیں جو آج بھی حاکموں اور والیوں کے لئے شمع ہدایت وانوار سیاست وقوانین عدالت کا کام دے سکتے ہیں اسی طرح حضرت کے کل کلاموں کی عظمت وجلالت ہے خواہ وہ بڑے بڑے خطبے ہوں یا مختصر جملے ، فرمان ہوں یا وصیتیں ، خطوط ہوں یا حکیمانہ مقولے فلسفی مسائل ہوں یا حکیمانہ تحقیقات مثال کے طور پر یہ جملہ بھی دیکھتے چلو ، اہل حدیث کے بڑے مذہبی پیشوا اور غیر متعصب علامہ جناب مولوی وحید الزمان خانصاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے۔ ”لایزال الناس یخیر ماتفاضلوا فاذا تساووا ھلکوا ، جب تک لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر رہیں گے یعنی علم وفضلیت ، مال دولت حاصل کرنے کا عموماً شوق ہوگا اور ہر ایک دوسرے سے علم وفضیلت مال دولت میں زیادہ رہنا چاہے گا اچھے رہیں گے ، جہاں برابر ہوئے تباہ ہوئے ، برابر ہونے سے یہ مطلب ہے کہ ترقی علمی اور عملی پروگریس progress کا شوق جاتا رہے گا ، حیوانات کی طرح حالت موجودہ پر قناعت کرنے لگیں گے ، یا سب جاہل یا سب نادار ، مفلس یا سب مالدار اور متمول ہوں ، بعضوں نے کہا تساووا سے مراد ہے کہ ہر ایک اپنی اپنی ایک اینٹ کی جدا مسجد بنائے خود رائے ہو کر اپنے تئیں امامت کے لائق سمجھے ، ایک امام پر لوگ متفق نہ ہوں یعنی گروہ گروہ ہو جائیں ان میں پھوٹ پڑ جائے ایسی حالت میں تباہی میں کیا شک ہے؟ کذا في النھایة ، میں کہتا ہوں حضرت علیؑ کا یہ قول بڑے اعلیٰ درجے کا فلسفہ ہے آپ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک دنیا کا انتظام یوں ہے کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت اور فوقیت ہے ایک امیر ہے اور دوسرا

غریب ایک بادشاہ، ایک رعیت، ایک حاکم ہے ایک محکوم، ایک توانا اور طاقتور ہے دوسرا ناتواں اس وقت تک دنیا اچھی حالت میں رہے گی اور لوگ امن اور آسائش اور رفاہیت کے ساتھ بسر کریں گے لیکن جب یہ انتظام توڑ دیا جائے اور اباحت اور اشتراک اور مساوات کا قاعدہ جاری ہو جیسے مزدک حکیم نے قباد کے عہد میں جاری کیا تھا کہ سب آدمی برابر برابر سارے اموال تقسیم کرلیں اور عورتیں سب مشترک ہو جائیں، ہر مرد کو جس عورت سے وہ چاہے اس کی رضامندی سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہو، شوہر کو اس کی مزاحمت کا کوئی حق نہ ہو تو بس دنیا کی تباہی آ گئی، سب ہلاک ہوں گے اور ایسی حکومت کبھی قائم نہ رہے گی، ہمارے زمانے میں جو نیچری بے دین پھیلے ہوئے ہیں ان کا بھی اصلی بڑا وہی مزدک حکیم تھا، اور قرامطہ اور باطنیہ بھی اسی کے اصول پر تھے آخر کیا ہوا؟ تباہ اور برباد ہو گئے جس حکومت یا سلطنت میں نیچر، بے دین گھسیں گے اس کو تباہ کر کے چھوڑیں گے اور خود بھی تباہ ہوں گے انارکسٹ اور سوشلسٹ اور نہلسٹ اور کمیونسٹ فرقے ملک روس اور جرمن میں بہت ہیں وہ بھی انہیں نیچریوں کے ہم ملت اور ہمزاد بھائی ہیں ان کی ساری کوشش بادشاہ کو تباہ کرنے کی اور سب لوگوں کو برابر کر دینے کی رہتی ہے، یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، فرمایا لیتخذ بعضهم بعضا سخریا۔ اسی میں ان کی بھلائی اور بہبودی ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۱۲، صفحہ ۱۷۲) اس قسم کے بلکہ اس سے بہتر انسان ترقی و رفعت کے کلاموں سے حضرت کی کتاب نہج البلاغہ بھری ہوئی ہے اور بالکل سچ کہا ان لوگوں نے جو بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی کتاب تحت کلام الخالق وفوق کلام المخلوق (خدا کے کلام قرآن مجید کے بعد دنیا بھر کے کلاموں سے افضل و اعلیٰ ہے) کتاب کیا حکمت و معرفت و سیاست و ہدایت و عدالت و تہذیب و تادیب کے انوار اور معراج روحانیت کے اسباب ہیں چونکہ اس کتاب میں حضرتؑ کی کتاب نہج البلاغہ کا ذکر بار بار آیا اور آگے بھی آئے گا اس وجہ سے اس کتاب کی حقیقت بھی سمجھ لینی چاہیے کہ جناب سید رضیؒ نے اس کتاب کو حضرت کے کلاموں سے جمع کیا تھا جس کے بارے میں ذیل کا مضمون جو علی گڑھ کالج کے پروفیسر کا ہے تحقیق سمجھا جائے گا۔

کتاب مستطاب نہج البلاغہ پر تبصرہ از مولانا شیخ فدا حسین صاحب مرحوم پروفیسر علیگڑھ کالج

کتاب مقدس نہج البلاغہ کے متعلق میرا مدت سے خیال تھا کہ اس مقدس تالیف میں جو کچھ کلام ہدایت نظام جناب امیر المومنین علیہ السلام کا جناب سید رضیؒ نے مختلف کتب احادیث و سیر و تواریخ مستند عامہ و خاصہ سے اپنے طرز خاص پر انتقاط و انتخاب فرمایا ہے چونکہ اس زمانے میں کچھ تو بوجہ بعد زمان و ضیاع مآخذ و تفرد وصول بر اصول و مواد اور کچھ بوجہ اتحاد و مناسبت چند

تنگ خیالی اشخاص کو یہ گمان پیدا ہوگیا ہے کہ معاذ اللہ اس مقدس کتاب میں اصل کلام امیر المومنین علیہ السلام کا بہت کم ہے اور بیشتر کلام یا خود جناب سید رضیؒ کا ہے، یا کچھ حکماء و فلاسفۂ شیعہ نے مثل شریف رضیؒ کے تتبع و تقلید کلام امیر المومنینؑ کی کر کے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے اس بدگمانی کے رفع کرنے کی کوشش کی جائے، حقیقت حال یہ ہے کہ بہ استثناء قرآن مجید (زادہ اللہ عزاً و شرفاً) کہ جس قدر بھی وہ موجودہ حالت میں ہمارے ہاتھ میں ہے باقی ماندہ اخبار و احادیث کو کسی درجہ صحت و ماثوریت پر فائز ہوں گے مگر مستثنیٰ متواتر لفظی کو نکال کر سب اس قسم کے احتمال کی گنجائش ہے اور سب کے سب مظنون کی حد سے گزر کر مقطوع کی حد تک نہیں پہنچ سکتے بار ثبوت وضعیت کا اس کے مدعی کے اوپر ہے ورنہ سکوت مخالفین مع کثرۃ الدواعی خود ایک قرینہ صحت خبر کا ہے اور بیشتر اخبار معجزات جناب رسالت مآب صلوات اللہ علیہ وسلامہ کا اثبات اسی طریق سے کیا جاتا ہے کہ ان سب میں نکیر مع کثرۃ الدواعی مفقود ہے یہی حال بالکل کلام بلاغت نظام امیر المومنینؑ کا ہے کہ ایسے عجائب خطب توحید کی نسبت صرف یہی نہیں کہ مخالفین کا سکوت یا فقدان نکیر رہا ہے بلکہ اکثر ائمہ حدیث و ائمہ جراح و تعدیل اہلسنت اسے اپنے ذاتی طرق اسانید سے روایت کرتے رہے ہیں اگر ذہبی یا ابن تیمیہ ایسے چند تنگ خیال متاخرین نے منقولات نہج البلاغہ میں کچھ شبہ محض جوش ناصبیت سے کیا بھی تو اس کا واقعیت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اول تو دونوں حضرات نے خیر سے با کمال وضاحت کی وجہ سے کوئی ضعیف سے ضعیف یا کمزور سے کمزور دلیل اپنے شبہ و شک کی نہیں پیش کی، اسی سے پوری وقعت ان کے کلام کی معلوم ہوتی ہے دوسرے یہ کہ ایسے ہفوات کا وہی اثر ہو سکتا ہے جو حلیمی کے کلام کا معجزۂ شق القمر کے انکار یا عجاردہ کے سورۂ یوسف کے جزو قرآن ہونے سے انکار ہو سکتا ہے، بہر کیف میرا مدت سے ارادہ تھا کہ اول تو اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کروں کہ نہج البلاغہ میں جس قدر کلام امیر المومنینؑ کا ہے وہ ان کتابوں سے لیا گیا ہے جو شریف رضیؒ سے بہت بیشتر ہو چکی تھیں تاکہ یہ ناجائز الزام جو ان کی ذات مقدس پر لگایا جاتا ہے وہ دفع ہو جائے، دوسرے یہ دکھایا جائے کہ جو کچھ کلام امیر المومنینؑ کا نہج البلاغہ میں درج ہے وہ اگرچہ اس کتاب میں محذوف الاسناد نقل ہے لیکن در حقیقت یہ کل کلام مسنداً بہ اسانید خاصہ و عامہ ثقات محدثین کے دفاتر و ذخائر حدیث میں از قبیل صحاح ستہ و اسانید معاجم و اجزاء و غیرہ وغیرہ کے مروی ہے، اور ہر گاہ یہ کل بہ اسانید مروی ہے تو جب ان رجال اسانید پر نظر کی جائے گی تو بالیقین نہ صرف امر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے گا کہ شریفؒ کی ساحت عظمت و جلالت اس غلط الزام وضع و اختلاق سے منزہ و مبرا ہے بلکہ یہ امر بھی واضح ہو جائے گا کہ حکماء و فلاسفہ شیعہ یا مشاہیر متکلمین امامیہ میں یہ کسی کا فعل نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے وضع و اختلاق سے کام لیا ہو بلکہ علی العموم محدثین ثقات خواہ وہ عامہ سے ہوں یا خاصہ سے انہوں نے یہ اسانید خود جیسا ان تک ان کے مشائخ و رواۃ سے پہنچا اپنے اخلاف و تلامذہ تک پہنچا دیا وضع و اختلاق کا شائبہ نہیں آسکتا۔

مقصد اول

مقصد اول میں تو مجھے باایں ہمہ بے بضاعتی وکم یابی تنگی وقت زمانہ و صعوبت اطلاع اتنی ضرور کامیابی ہوئی کہ کتاب عقد فرید ابن عبد ربہ المغربی میں چند خطبے توحید نہایت طولانی امیر المومنینؑ کے عجائب مسائل توحید و فلسفہ الٰہیات سے متعلق دستیاب ہو گئے ابن عبد ربہ المغربی اراکین و مخصوصین دربار خلفاء بنی امیہ سے تھا جو اندلس میں حکمران تھا، اور شریف رضیؒ کی ولادت باسعادت سے ایک سو تیرہ سال پیشتر پیدا ہوا تھا اور اکتیس سال قبل ان کی ولادت کے مر چکا تھا کیونکہ شریف رضیؒ کی ولادت ۳۵۹ھ اور وفات ۴۰۶ھ میں واقع ہوئی اور علامہ ابن عبد ربہ کی ولادت ۲۴۶ھ اور وفات ۳۲۸ھ میں ہوئی اس حساب سے یہ شخص معاصر حضرت امام حسن عسکریؑ کا تھا، اول تو یہ خود مشاہیر علماء اہلسنت سے تھا اس پر طرہ یہ کہ خلفاء بنی امیہ کے اراکین و مخصوصین سے تھا اول تو اس باوصف اختصاص بنی امیہ امیر المومنینؑ کے خطب و فضائل و مناقب کا اپنی کتاب میں ذکر کرنا سخت حیرت انگیز اور اعاجیب قدرت خداوندی سے ہے دوسرے یہ امر بھی کچھ قابل تعجب نہیں ہے کہ اس عصر میں بھی خطب امیر المومنینؑ اس اعلیٰ درجہ شہرت و اشتہار پر پہنچ چکے تھے کہ ممالک بغداد و مشرق زمین سے ان کی شہرت متجاوز ہو کر مغرب زمین و بلاد فرنگ تک اس حد پر پہنچ گئی تھی کہ ابن عبد ربہ سا شخص مخصوصین بنی امیہ سے اپنی کتاب عقد میں مثل دیگر واقعات و روایات کے جن کے درج سے کوئی چارہ و گریز نہیں ہے بطور اخبار و حدیث مقطوع بہا کے نقل کرتا ہے اور اس کے عصر میں کسی کو ان کی صحت و مقطوع الصدور ہونے میں تاب شک و شبہ باقی نہیں رہی تھی، یہ ظاہر ہے کہ یہ خطب ابن عبد ربہ نے یا تو اپنے زمانے کی کتب قدیمہ سے جو اس کے نزدیک موثوق بہا تھیں نقل کیے ہوں گے یا اپنے ذاتی سلسلہ روایات سے اپنے مشائخ حدیث سے اسے پہنچے ہوں گے دونوں صورتوں میں اندلس جیسے مقام دور دست مرکز ناصبیت میں ان خطبوں کی اس قدر شہرت سخت مایہ حیرت ہے، مگر میرے نزدیک شق اول زیادہ راجح ہے کیوں کہ اگر یہ خطب اس کی ذاتی مرویات سے ہوتے تو وہ سلسلہ سند ضرور غالباً نقل کر دیتا اگرچہ اس نے اپنی کتاب عقد فرید میں اس کا التزام بھی نہیں کیا ہے جیسا کہ اس نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں اس کا ذکر کر دیا ہے اور وجہ یہ لکھی ہے کہ اس کتاب کے کل منقولات ماخذ صحیحہ موثوق بہا سے ماخوذ اور اعلیٰ درجہ کی شہرت پر ہیں اگرچہ اس وقت سوائے کتاب عقد فرید کے دوسری کتاب مثل اخبار طوال ابو حنیفہ دینوری و کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ و کتاب ادب الکاتب ابن قتیبہ دینوری و تاریخ یعقوبی و تاریخ طبری و تاریخ نصر ابن مزاحم منقری معروف بہ کتاب الصفین وغیرہ کے جو عصر ائمہؑ کی تالیف ہیں مجھے اور کوئی کتاب ایسی نہیں ملی جس میں امیر المومنینؑ کے خطوط و فرامین کے سوائے خطب وغیرہ بکثرت دستیاب ہوتے ہوں اور یہ سب کتابیں شریف رضیؒ سے صدہا برس پیشتر کی تصانیف

ہیں، البتہ خطب امیر المومنین کی نسبت اس وقت تک کوئی مفرد تصنیف عہد قدیم کی مجھے نہیں ملی جو شریف رضیؒ سے بہجد مقدم ہو مگر کتب رجال شیعہ سے مثل فہرست شیخ الطائفہؒ وفہرست ابن ندیم ورجال نجاشیؒ وغیرہ کے اور نیز کتب رجال وتراجم علماء اہلسنت سے مثل معجم الادباء یاقوت حموی وغیرہ کے ایسی کتابوں کا پتہ چلتا ہے جو عصر صحابہ وتابعین میں بہ استثناء حضرت ابن ابی رافعؓ کے کہ وہ صحابی اور امیر المومنینؑ کے پرائیویٹ سیکریٹری تھے انہوں نے صرف قضایائے امیر المومنینؑ کو علیحدہ جمع کر لیا تھا، بہ استثناء ان کے تابعین میں جناب زید بن وہب وجناب اصبغ بن نباتہ وجناب حارث ابن اعور وغیرہمؒ نے خاصۃً خطب امیر المومنینؑ کو جمع فرمالیا تھا بلکہ جناب حارث ابن اعور کے بارے میں طبری کے ذیل مذیل سے بہ اسناد صحیح علی شرط البخاری مجھے پتہ لگا ہے کہ ان بزرگوار نے اس قدر علیحدہ علم امیر المومنینؑ کا اپنے قلم سے جمع فرمالیا تھا کہ حضرت امام حسنؑ کی فرمائش سے اس علم کا صرف ایک حصہ حضرت کے پاس بھیجدیا تھا تو وہ بھی ایک اونٹ کا بوجھ تھا، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ امیر المومنینؑ کے کلام کا کس قدر حصہ صرف ایک ان کے پاس ہوگا، پھر جناب اصبغ بن نباتہ سا فلسفی مشرب روشن خیال حکیمانہ مذاق کا تابعی انسان اس کے پاس کیا کچھ نہ ہوگا اور وہ سب کتابیں معلوم ہوتا ہے کہ صدر اول میں مشاہیر کتب اسلام سے تھیں گو بوجہ بعد عہد وغفلت اصحاب وبدمذاقی افراد قوم اول تو شاید سب نابود ہوگئی ہیں، ورنہ ان کا ملنا مشکل تو ضرور ہے لیکن اگر قوم اب بھی توجہ کرے اور مثل علامہ مجلسیؒ زر خطیر ایسی کتب اصول وغیرہ کی تلاش کے لئے مہیا کرے تو افضال ایزدی سے کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ جواہر بے بہا جن کو زمانہ تلاش کر رہا ہے اب بھی مل جائیں کون جانتا تھا کہ کتاب الصفین نصر بن مزاحم کی ایک نہیں متعدد جلدیں شاہ ایران خلد اللہ ملکہ کے کتب خانہ میں موجود ہیں کسے امید تھی کہ حضرت امام حسن عسکریؑ کی تفسیر قرآن ایک سو بیس جلدوں میں ہوگی جس کا پتہ کتاب منتہی المقال سے لگا ہے معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس کا ایک نسخہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں اور دوسرا حدیدہ میں مکمل موجود ہے مستشرقین جرمن کا ہم پر بڑا احسان ہے کہ نوادر کتب قرون اولی کی تلاش کر کے شائع کر دیا ہے امید ہے کہ وہ جیسا اب تک نوادر کتب اہلسنت کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اسی طرح شیعوں کی بھی نوادر اصول وسیر وتواریخ کو شائع کریں گے، علاوہ تابعین کے اتباع تابعین وغیرہم نے بھی مثل مدائنی وغیرہ کے مفرد کتابیں خطب امیر المومنین کے جمع کی تصنیف فرمائی تھیں اور امام زادوں میں شاہزادہ عبدالعظیمؒ نے بھی ایک مفرد خطب امیر المومنینؑ کی تصنیف فرمائی تھی، مدائنی کی کتاب غالباً یاقوت حموی کے زمانے تک موجود تھی اور جلودیؒ کی غالباً شریف رضیؒ کے زمانے تک پائی جاتی تھی یاد نہیں کہ جناب استاذ علامہ سید حبیب حیدر صاحب طاب ثراہ لکھنوی نے کس کتاب کے حوالہ سے فرمایا تھا کہ جس وقت حضرت زید شہیدؒ نے کوفہ میں بنی امیہ کا مقابلہ کیا تھا تو واصل بن عطاء الشیخ امام اول معتزل نے کہا کہ زید خطب امیر المومنینؑ کو درس بدرس پڑھتے تھے،

اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خطب امیر المومنینؑ نہ صرف صدر اول میں مشہور تھے بلکہ باقاعدہ داخل درس بھی تھے علامہ ابن عبد ربہ کی کتاب عقد فرید کے علاوہ بیشتر کتب صدوق ” مثل توحید وغیرہ نیز جامع کافی میں بھی کہ وہ شریف رضیؒ سے بہت مقدم ہیں بیشتر خطب امیر المومنینؑ مروی و منقول ہیں، ابن ابی الحدید نے ابن الخشاب کا نام بھی لیا ہے اور میں اس کے علاوہ ابو ہلال عسکری کی کتاب الاوائل کا نام بھی لیتا ہوں، یہ دونوں شخص بھی شریف رضیؒ سے مقدم تھے اور انہوں نے بھی نہج البلاغہ کے بعض خطب کو اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔

مقصد دوم،

مقصد دوم کے متعلق عرض ہے کہ میں نے اب تک بیشتر خطب امیر المومنینؑ مندرجہ نہج البلاغہ وغیرہ کو بالکل مسند باسانید ائمہ حدیث اہلسنت ان کی کتابوں میں مروی و مکتوب پایا ہے مثلاً حلیۃ الاولیاء، حافظ ابو نعیم اصفہانی و تاریخ حافظ ابن عساکر دمشقی وغیرہ ملا علی متقی نے کنز العمال میں جو جمع الجوامع سیوطی کا خلاصہ ہے بیشتر ایسے خطب و کلمات امیر المومنینؑ کو نقل کیا ہے مگر اسانید کو حذف کر دیا ہے اصل کتاب جمع الجوامع بالکل مسند ہے مگر وہ میری نظر سے ابھی تک نہیں گزری ہے لیکن چنداں کمیاب بھی نہیں اگر کوئی شخص چاہے تو ان خطب امیر المومنینؑ کو ان کی اسانید کیساتھ ابھی ایک جگہ فراہم کر سکتا ہے اور اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ائمہ حدیث دیر یا وصف اس کے کہ ان کو فلسفہ و عقلیات وغیرہ سے بھی کوئی ربط نہ تھا اور وہ علم کلام کی تحصیل کو ایک حد تک بدعت و ناجائز معصیت سمجھتے تھے، جیسا کہ کتب فقہیہ اہلسنت سے ظاہر ہے تاہم ان خطب کو ان کی موجودہ صورت میں اپنے حفظ و اتقان کے موافق روایت کرتے تھے اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان خطبوں کے رواۃ اسانید ہر قرن میں ان کی روایت کرتے رہے تھے مجھے سب سے زیادہ امیر المومنینؑ کے خطبہ بلا الف کا تعجب تھا جسے علامہ ابن ابی الحدید نے آخر شرح نہج البلاغہ میں نقل کیا ہے، الحمد للہ میں نے وہ خطبہ تمام مسند باسانید رجال ثقات حافظ محمد بن مسلم گنجی شافعی سے اس کی کتاب میں مروی پایا اور اس کے رواۃ سب ثقات و اثبات و حفاظ حدیث ہیں، غرض قرون اولیٰ سے ہر قرن میں یہ خطبے یقیناً مشہور و مروی رہا کئے ہیں نہ صرف شیعوں میں بلکہ ائمہ رواۃ اہلسنت میں افسوس کہ میرے شیخ فی الحدیث مولانا حسن الزمان ترکمانی جو اس زمانے میں اپنی تصنیف کی غزارت و کثرت و تفقہ و حدیث و رجال کے اعتبار سے حافظ حجر عسقلانی و جلال الدین سیوطی و ابو الفرج ابن الجوزی کے امثال سے تھے اور علم درایۃ الحدیث و علم جرح و تعدیل اور جامعیت و حفظ متون و اسانید میں انہیں لوگوں کا پایہ رکھتے تھے ان کا حال میں انتقال ہو گیا ہے وہ ایک مستقل تصنیف گویا ایک دوسری نہج البلاغہ بہ مرویات اہلسنت مرتب کرنے والے تھے اور نہ صرف نہج البلاغہ بلکہ ایک صحیفہ سجادیہ بھی تیار کرنے کا ارادہ تھا کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ

سنیوں سے الزام علیٰحدگی از اہل بیتؑ کا برطرف ہوجائے جیسا کہ انہوں نے مقدمہ کتاب فقہ اہلبیتؑ میں اس کی تصریح فرمادی تھی حسن اتفاق سے ان کے کتب خانہ واقع شہر حیدرآباد دکن میں قرون اولی کے ائمہ حدیث کی نوادر کتب جمع ہوگئی تھیں اسی بنیاد پر انہوں نے شیعوں کے مقابل اتنا بڑا دعوی (نہج البلاغہ اور صحیفہ سجادیہ لکھنے کا) کیا تھا لیکن افسوس عمر نے ان کو مہلت نہ دی ، وہ صرف اپنے کتب خانہ میں نوادر کتب جمع کرسکے اور اپنے انتخابات اور تخریجات پر نشان لگا سکے مگر قالب تحریر و تصنیف میں نہ لا سکے، اب بھی اگر ہماری قوم اس کار خیر پر آمادہ ہوجائے کہ کسی طرح ان کے اور خدا بخش صاحب پٹنہ کے کتب خانہ سے کچھ فائدہ حاصل کرسکے تو یہ کار خیر بہت آسانی سے انجام پذیر ہوسکتا ہے، جناب علامہ حسن الزمان کی تصانیف مثل قول مستحسن وغیرہ اب بھی متکلمین شیعہ کے بہت بکار آمد ہیں، چنانچہ جناب ناصر الملۃ مولانا سید ناصر حسین صاحب اور ان کے والد ماجد طاب ثراہما برابر مجلدات عبقات الانوار میں ان کی کتب سے احقاق حق فرماتے رہے ہیں، الحاصل خطب امیر المومنینؑ کا مسند بہ اسانید ائمہ اہلسنت میں مل جانا اب بھی ناممکن کام نہیں بشرطیکہ مومنین ہمت کریں۔

ایک اہم مسئلہ

یہاں سے میرا روئے سخن معارف پسند حضرات شیعہ کی طرف ایک خاص اہم مسئلہ کی نسبت ہے جو کتاب مقدس نہج البلاغہ کے مشمولات و متضمنات کی حقانیت و صحت انتساب سے ان کے جناب امیرؑ کی طرف متعلق ہے، میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ بعض ائمہ اہلسنت میرے شیخ المشائخ ذہبی دمشقی و شیخ المشائخ ابن تیمیہ حرانی وغیرہ نے ظاہر بظاہر اس کتاب مقدس کی نسبت بوجہ اپنے جوش عناد کے کہ کیوں ایسے خطب عجائب توحید و فلسفہ کے امیر المومنینؑ سے ماثور ہیں اور حضرت ثلاثہ سے برعکس اس کے سوائے تشبیہ و تجسیم اور کچھ مروی نہیں ہے، اسی خیال سے انہوں نے اپنی خام خیالی سے اسے مخترعات شریف مرتضیٰؒ برادر کلاں شریف رضیؒ سے قرار دے دیا، افسوس! یا تو صدہا سال بیشتر کے احوال رواۃ احادیث میں تاریخی طور سے جرح و تعدیل سے کام لیتے ہیں اور یا ایسے سادہ لوح ہوجاتے ہیں کہ ایک کتاب کے مصنف کا نام بھی صحت کے ساتھ نہیں معلوم کرسکتے اور اپنی بے خبری پر مدت العمر قائم رہتے ہیں اول تو اتنے بڑے ائمہ نقل و جرح و تعدیل سے یہ تاریخی بے خبری اور غفلت کس درجہ بعید ہے کہ ایک بھائی کی تصنیف کو دوسرے بھائی کی طرف بغیر غور و فکر کئے نسبت دیدی جو کہ درحقیقت عوام کالانعام کا کام ہے اور اس غفلت اور خطا پر ان کے بعد جتنے بزرگوار ائمہ اہلسنت سے دنیا میں تشریف لائے سب بہ استثناء معدودے چند از محققین و مدققین سب کے سب علامہ ذہبی و علامہ ابن تیمیہ کی ہاں میں ہاں ملانے والے نکلے چنانچہ اہل اسلام یہ سنکر کس درجہ حیرت کریں گے کہ نہج البلاغہ کو علامہ شوکانی ایسے ناقد بصیر اور فن حدیث و اخبار کے امام مطلق بھی شریف مرتضیٰ سے روایت

کرتے ہیں نہ شریف رضی سے اور اس طور پر چونکہ بحمداللہ علامہ شوکانی سے دو واسطوں سے روایت کرتا ہوں میرے اور شریف مرتضیٰؒ کے درمیان جس قدر بھی رجال نہج البلاغہ کی سند روایت میں واقع ہے سب کے سب قاطبہ ائمہ حدیث مذہب اہلسنت کی اور مشاہیر علماء و رواۃ ثقات و حفاظ حدیث سے ہیں صرف میں اور شریف مرتضیٰ شیعہ ہیں ولا غیر چنانچہ اس سند کو امام شوکانی نے خود اپنے ثبت معروف میں بہ تفصیل نام بنام درج کیا ہے اور مجھے ان سے حق روایت حاصل ہے مگر چونکہ اس سند میں اتنا بڑا عیب موجود ہے اس وجہ سے میں کتاب مذکور کو اس سند سے روایت کرنا پسند نہیں کرتا ورنہ اس مضمون میں اہل علم کو اس سند سے روشناس کر دیتا کہ کیسے ائمہ حدیث، اہلسنت کے پوری کتاب نہج البلاغہ کو بار بار اس واسطین روایت کرتے ہیں، یہ ایک جملہ معترضہ تھا، میرا اصل مقصود اس سے علاوہ یہ ہے کہ اس قسم کی بدگمانی سے بعض مشاہیر مستشرقین فرنگ بھی محفوظ نہیں رہ سکے، چنانچہ ڈاکٹر گولڈ سیہر Igrazgddagihore مشہور آفاق جرمنی مستشرق نے اپنی کتاب مسمی بہ Vorleasungenuler Drag Islam Harlenrg 1910 یعنی لکچرز دین اسلام میں اس کے متعلق کچھ استبعاد ظاہر کیا ہے اور ڈاکٹر ہارووڈ نے بھی جب وہ گورنمنٹ کی طرف سے السنہ شرقیہ کے پروفیسر ہو کر علیگڑھ کالج میں آئے تھے ایک موقعہ پر مجھ سے اپنا استبعاد ظاہر کیا تھا اور دونوں جرمنی مستشرقین کا یہی منشاء تھا کہ صدر اول کے مسلمانوں سے ایسی امید نہیں ہو سکتی کہ مسائل فلسفہ و توحید کے ایسے عجائب و دقائق پر ایسی فاضل اور پر مغز رائیں قائم کر سکیں لہذا چونکہ اہلسنت کو حضرت علی سے زیادہ تعلق نہیں ہے اور شیعہ ہی ان کے لئے کوئی داعی وضع اختلاق پر ہو سکتا ہے پس لامحالہ متاخرین حکماء و متکلمین شیعہ ہی میں سے کسی نے ایسے خطبے وضع کر کے امیر المومنینؑ کی طرف منسوب کر دیئے اور شریف رضیؒ نے ان پر اعتماد کر کے نہج البلاغہ میں درج کر دیئے میں اسی وقت اپنے بنگلہ پر آیا اور ایک طولانی خط انگریزی زبان میں ان کو لکھ بھیجا چند دنوں کے بعد میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کی رائے میں کچھ تغیر ہوا یا نہیں کہا آپ کے خط سے مجھے پورا اطمینان ہو گیا کہ واقعا یہ سب خطبے ضرور صحیح النسب ہیں اور اب مجھے کوئی شک نہیں رہا، افسوس ڈاکٹر موصوف جرمنی واپس چلے گئے اور میرا وہ خط بھی ان کے ساتھ چلا گیا کیونکہ مذہب شیعہ کے فلسفی و تاریخی اصول و مباحث کے متعلق انہوں نے مجھ سے نہایت ضخیم نوٹ تیار کر لئے تھے، میں انگریزی بولتا تھا، وہ جرمنی میں لکھ لیتے تھے، انہیں نوٹوں کے ساتھ یہ خط بھی انہوں نے رکھ لیا تھا میں نے اسی بات پر زور دیا تھا کہ ایک محقق انصاف پسند پر بیا مر قرائن عقلیہ سے بکمال واضح ہے کہ عقلی طور پر احادیث و اخبار اہلسنت کے مقابلہ میں شیعوں کی احادیث و اخبار زیادہ قابل وثوق ہیں کیونکہ عصر ائمہ طاہرینؑ میں شدت تقیہ کی وجہ سے شیعوں کی جو حالت تھی واضح ہے، کون نہیں جانتا کہ شیعوں کا وجود خلفاء بنی امیہ و خلفاء بنی عباس کے لئے (ان کے خیال میں) عظیم الشان

خطرہ تھا اور یہی سبب ہے کہ ان خلفاء کے زمانے میں ہر ایک ذمی کافر کو اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے کی پوری آزادی تھی حالانکہ خدا اور رسولؐ دونوں کے دشمن تھے مگر بیچارے شیعہ ہر ہر شجر و حجر کے نیچے سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالے جاتے اور نہایت سختی وعذاب سے قتل کئے جاتے تھے، سادات کا حال ان سے بھی بدتر تھا، دور نہ جایئے جناب ابن ابی عمیرؓ کا معرکہ امتحان ہارون رشید کے دربار میں کس درجہ عبرتناک تھا؟ ائمہ طاہرینؑ خود تقیہ میں بسر فرماتے تھے ان کے اصحاب ان سے ظاہر بظاہر ملنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے تھے مگر پھر معلوم نہیں باوصف خوف جان کس طرح آستینوں میں لکڑی کی تختیاں اور قلم سرمہ لے کر ان حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو کلمہ ان کے منہ سے نکلتا لکھ لیتے اور اسی طرح مکان پر جا کر اسے بہ حفاظت تمام کتابی صورت میں لاتے تھے اور اپنے عزیز قریب سے بھی بلاتقیہ مباشرت نہیں کر سکتے تھے، زمین ہر روز و شب شیعوں کے خون سے رنگین ہوتی رہتی تھی علامہ ابوبکر خوارزمی خواہرزادہ مورخ طبری کے خطوط علامہ ابن شہر آشوب کی کتاب الثالث، حقیر کی کتاب الکشف عن الثناشا الکائنۃ فی مناقب الخلفاء الثلاثۃ کی قسم اول کے کسی اصل از جملہ اصول قدح روایات، مناقب کے پڑھنے نیز حقیر کے مقتل ابن عیش یعنی عبرات العین علی مصائب الحسینؑ کی جلد اول کے کسی مقطع مجملہ مقاطیع متعلقہ باثبات رسوم عزاداری کے مطالعہ سے یہ امر باجمال (جو تفصیل سے بڑھ کر ہے) بخوبی تمام ظاہر ہوتا ہے جب یہ حالت تھی تو شیعوں کا اپنے مذہب پر قائم رہنا اور اپنے ائمۂ طاہرینؑ کی حدیثوں کو ضبط و تحریر میں لانا جس قدر دشوار تھا واضح ہے انہیں کن کن زحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا؟ ایسی حالت میں کون ذی ہوش شخص خیال کر سکتا ہے کہ شیعوں نے ایسی حدیثیں اپنے ائمہ پر کذب و افتراء کر کے تراشی ہونگی، جن کے وضع و افتراء میں قطع نظر اس سے کہ انہیں کے عقائد کے بموجب وہ مخلد فی النار ہوتے دنیا میں بھی ان کی جان و مال و آبرو ہر وقت معرض خطر میں رہتی، کم از کم شیعہ ایسے پاگل نہ تھے کہ خواہ مخواہ جھوٹی حدیثیں تراش کر اپنے کو خسر الدنیا و الآخرۃ بناتے ورجب عقل انسانی کسی ذی ہوش شخص سے ایسے افعال کا صدور محال سمجھتی ہے تو لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ وہ اپنی روایات میں ضرور سچے اور پوری صحت کے پابند تھے، باوصف اس کے کتب سیر و رجال شیعہ سے یہ امر بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بایں ہمہ شدت بلا و ابتلا و غلاۃ اور واقفیہ وغیرہ سے اس درجہ پرہیز کرتے تھے کہ ان کا نام انہوں نے کلاب ممطور رکھ دیا تھا حالانکہ غلاۃ و واقفیہ وغیرہ خود بھی آخر شیعوں میں محسوب ہوتے تھے کہ اور وہ بھی شدت تقیہ میں بسر کرتے تھے مگر ان پر دنیا کی محبت غالب تھی کہ امام کا حق غصب کر لیتے تھے اور وکلاء ناحیہ بن کر دنیوی زخارف سے متمتع ہوا کرتے تھے، تو ان کو صحیح الاعتقاد شیعوں کی نمامی اور سعایت وغیرہ کے ذریعہ سے نقصان پہنچانے کا بڑا موقع تھا تاہم یہ لوگ ان سے سخت محترز رہے تھے، برعکس اس کے ان فرق باطلہ کو ان سے کچھ احتراز و اجتناب نہ تھا اور ان کے حالات پر انہیں

غیر اصلاح حاصل تھی اس کا منشاء سوائے فرط تدوین و شدت اہتمام تحقیق روایات ماثورہ عن الائمہ الاطہار کے کیا ہو سکتا ہے؟ ان لوگوں کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ ذرہ برابر کے اتہام غلو میں اس شخص کی کل روایتوں کو ترک کر دیتے اور اس سے روایت کرنا حرام جانتے تھے، اگرچہ وہ در حقیقت اس عیب سے بری ہی ہو، اسی فرط احتیاط شدت توقی و تحقیق حال کی وجہ سے ائمہ حدیث شیعہ نے اشعر وقمیین کا کسی حدیث کے سلسلہ سند میں ہونا ایک مستقل دلیل صحت حدیث کی فن درایت الحدیث میں قرار دی ہے یہی وجہ ہے کہ ابن المطار کا تحت جرح روایت میں ابن حسین کے تحت سے کہیں بڑھا ہوا تھا بہ نسبت کہ ابن مہدی و ابن ابی حاتم کے تحت کو بھی ان کے تحت سے کوئی نسبت نہ تھی جب عصر ائمہ کے شیعوں کا یہ حال تھا تو کون عاقل ان کی روایات پر بھروسہ نہ کریگا برخلاف اہلسنت کی روایات کے کہ وہاں اس وقت بھی صدہا کتابیں صرف عنوان موضوعات سے جو قرن اول میں وضع کی گئی تھیں، متاخرین نے لکھ ڈالی ہیں، شیعوں میں اس وقت ایک کتاب بھی موضوعات کی نہیں ہے بلکہ شہید اول نے کتاب ذکریٰ میں جناب ادریس نے غالباً سرائر میں دعویٰ فرمایا ہے کہ شیعوں کے موضوعات بالکل مفقود ہیں، علاوہ بریں زمانہ ہمیشہ حدیث اہلسنت کا مساعد رہا، انہیں اپنے علم کے اظہار میں کسی قسم کی زحمت و صعوبت برداشت نہیں کرنی پڑی، امرا و سلاطین کے نزدیک ان کی مرجعیت و مقبولیت کی کوئی حد نہیں تھی خلفاء و سلاطین ہمیشہ ان کا اعزاز و اکرام کرتے تھے اور وہ بھی ان کے اشاروں پر احکام و فتاوی جاری کرتے تھے اور صلات و جوائز گراں بہا ان سے پاتے تھے، خصوصاً معاویہ کے زمانے کی کیفیت بروایت ابوالحسن مدائنی مشہور آفاق ہے جب یہ حال تھا تو طرفداران ثلاثہ کی کسی ایک حدیث پر کیوں کر اعتماد ہو سکتا ہے؟ ان کی کل حدیثوں میں احتمال وضع و اختلاق کار فرما ہے بیچارے شیعہ ہمیشہ قتل ہوتے ان کی کتابیں ان کے سامنے جلائی جاتیں،، پھر بھی ان کے مذہب و احادیث کا اس زمانے تک باقی رہنا خدا کی عجیب و غریب قدرت نہیں تو کیا ہے؟ علاوہ بریں ہم دیکھتے ہیں کہ اسی قسم کے خطب توحید و فلسفہ امیر المومنینؑ کے ائمہ حدیث اہلسنت اپنے مخصوص طرق و اسانید سے روایت کرتے رہتے ہیں انہیں تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہ ایسے خطب عجائب توحید کے خود تراشتے اور امیر المومنینؑ کی طرف نسبت دیتے بلکہ انہیں زیادہ تر حق اس کا تھا کہ خلفاء ثلاثہ سے کسی ایک کی طرف منسوب کرتے اس لئے کہ شیعہ سلف سے ان کے خلفاء پر ہر قسم کی عدم قابلیت کا الزام لگاتے آئے ہیں، وہ کاش ان سے اسی الزام کی دفعیہ کی کوشش کرتے اور خطبوں میں سے کسی ایک ہی کو کسی خلیفہ کی طرف منسوب کر دیتے علاوہ بریں یہ عقلاً ناممکن ہے کہ کسی ایک خطبہ کو شیعہ اور سنی دونوں وضع کریں، برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اہلسنت ان خلفاء ثلاثہ سے تشبیہ و تجسیم کی حدیثیں روایت کرتے ہیں دیکھو علامہ ذہبی کی کتاب العرش والعلو" جس سے معلوم ہوگا کہ کس طرح عمر نے تعلیم دی تھی کہ خدا عرش پر بیٹھا ہے اور عرش سے چار چار انگل اس

کا جسم باہر ہے اور عرش اس کے بوجھ سے چرچرا رہا ہے، اسی قسم کی حدیثیں ان خلفاء سے ماثور ہیں۔

ان مستشرقین فرنگ کا خیال زیادہ تر اس بنیاد پر ہے کہ صدر اول میں مسلمان فلسفہ و توحید کے ایسے عالی خیالات نہیں رہ سکتے مگر افسوس وہ نہیں جان سکتے کہ انہیں امیر المومنینؑ نے جن کے خطب توحید پر اس قدر استبعاد کیا جاتا ہے علوم ریاضیہ وطبعیات وحقائق عالم کون وفساد واجرام علویہ میں وہ عجائب وغوامض مسائل حل فرمائے تھے جو قاطبۃً آفرینش عالم سے آخر سولہویں صدی تک کبھی حکماء روم ویونان وچین ودیگر اقوام متمدنہ عالم کے وہم وگمان میں نہ آسکتے تھے حل کرنا کیا معنی؟ علوم ہیئت وعلم طبیعیات الارض وعلم مناظر دار ثماطیقی وعلم مخروطات ومثلثات وغیرہ علوم کیمیا وصبغیات کے وہ عجیب اکتشافات ان حضرت نے اپنی حدیثوں میں ظاہر بظاہر ارشاد فرمائے ہیں جو سترھویں، اٹھارویں اور انیسویں صدی کے مختصات سے ہیں، ایسی صورت میں مستشرقین فرنگ کیوں کر اس پر استبعاد کر سکیں گے کہ جو شخص ایسے غوامض اکتشافات کر چکا ہو کیا وہ دقائق فلسفۂ توحید کو نہیں بیان کر سکتا تھا؟ مثلاً عرض کرتا ہوں کہ یہی امیر المومنینؑ ہیں جنھوں نے سیارات کے توابع واقمار کو دریافت کیا صحیح ترین مقدار جرم شمس جو آج تک کسی ریاضی دان ماہر علم مناظر ومرایا کو نہیں معلوم ہو سکے کیونکہ زاویہ اختلاف النظر شمس کا ابھی تک معلوم ہی نہیں ہو سکا ہے، دریافت فرمائی جو بروج دوازدہ گانہ کا برج حمل میں منتقل ہوتے رہنا غبار الجو سے بادلوں کو تکون زمین کی حرکت یومیہ وسنویہ باتیزی استارس ہباءً منثوراً کا گرد آفتاب سے تکون وغیرہ وغیرہ جن کو نور چشم شیخ بادشاہ حسین خانصاحب بی، اے نے اپنی انگریزی تصنیف موسوم بہ سائنس اینڈ اسلامک ٹریڈیشن میں بوضاحت تمام دکھایا ہے، ایسی وضاحت ہے کہ کسی غیر مذہب عربی دان کو ان کلمات امیر المومنینؑ کے ظاہری معنی سے بجز اس کے دوسرے معنی ذہن میں تبادر ہی نہیں ہو سکتے تاویل وتکلف کا کیا ذکر، موصوف نے امیر المومنین ودیگر ائمہ معصومینؑ کے اظہار کمالات علمیہ کی یہ وہ نمایاں خدمت کی ہے جو صدر اول سے آج تک کسی سے نہیں ہو سکی کیونکہ سنیوں اور شیعوں میں آج تک بجز موصوف کوئی مسلمان ایسا پیدا نہیں ہوا جو ان علوم وحکمیات فرنگ کا اس درجہ ماہر بھی ہو اور پھر ان علوم کے ذریعہ سے ائمہ اطہارؑ کی حدیثوں کو حل کر سکے، بہر حال جب امیر المومنینؑ ایسے ایسے عجائب اکتشافات علوم ہیئت وطبیعات جدیدہ پر قادر تھے جو سترھویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی کے مخصوصات سے ہیں تو ان عجائب مسائل توحید کا حضرت سے کیا استبعاد ہو سکتا ہے؟ مگر جب انسان کو خود علم نہ ہو تو پھر بجز اس کے کہ مخالفین شک واستبعاد کریں اور کیا نتیجہ ہو سکتا؟ اسی قبیل کے مضمون کو میں نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ باروز صاحب کے خط میں لکھ دیا تھا جو ان کے اطمینان کا باعث ہوا، اگر ولیم میسور صاحب ومسٹر چبولڈ وغیرہ کی طرح وہ بھی متعصب ہوتے تو کچھ اثر نہیں ہوتا، جناب امیرؑ کے مخالفین کا ذکر نہیں، انہیں کب گوارا ہو سکتا ہے کہ امیر المومنینؑ کے لئے ایک

فضیلت بھی گو وہ ایسی ہی ہو جیسی وہ اپنے خلفاء کے لئے تراشا کرتے ہیں پایہ ثبوت کو پہنچے چہ جائیکہ ایسے فضائل و کمالات جن کے آیات باقیہ سے صرف ایک نہج البلاغہ کافی ہے وہ کیوں کر اس عظیم الشان کتاب ہدایت و معرفت کو ٹھنڈی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں، ان کا تو ذکر نہیں لیکن جو انصاف پسند اہلسنت میں بڑے بڑے علماء حکماء و ادباء مترسلین و ائمہ حدیث و متکلمین نے نہ صرف اس کتاب ہدایت انتساب کو علی الراس والعین قبول کیا ہے بلکہ ان میں اکثر نے شریف رضیؒ کے بعد سے اب تک اس کی شروح و حل غوامض میں دفتر کے دفتر سیاہ کر دیئے شیعوں کا ذکر نہیں اور نہ ان کے احصاء کی مجھے ضرورت ہے کہ اب تک ان میں کتنی شرحیں لکھی گئی ہیں، مگر علماء اہلسنت میں سب سے بڑھ کر جو شرح علامہ ابن ابی الحدید معتزلی کی ہے جو بیس جلدوں میں اور اب مصر میں بھی چھپ گئی ہے موصوف نے اپنے قصائد علویات میں ایک قصیدہ کہا ہے

واجب دین الاعتزال انني لهوى لاجلک کل من يتشيع

علوم فلسفہ و کلام و ادبیات کے اتنے بڑے علامہ متبحر حکمت نظریہ و عملیہ کے اتنے بڑے ماہر مورخ و فیلسوف و متکلم و ادیب و امام عربیت و ماہر سیاست و نبض شناس ملک و ملت ہی کا حق ہو سکتا ہے کہ نہج البلاغہ سی کتاب کی شرح کرے لیکن میرا افسوس ہزار چند بڑھ گیا جب مجھے ابن ابی اصیبعہ کی تاریخ اور ابن القفطی الوزیر کی تاریخ الحکماء سے معلوم ہوا کہ امام فخر الدین رازی سے عالی پایہ متکلم و فیلسوف نے بھی اس کتاب کی شرح لکھی تھی مگر افسوس کہ وہ شرح ابھی تک میری نظر سے نہیں گزری ابن ابی الحدید کی شرح سے یہ شرح بہت مقدم ہے کیونکہ امام رازی نے ۶۰۶ھ میں اور ابن ابی الحدید ۶۵۵ھ میں انتقال کیا امام رازی کی شرح نہج البلاغہ کس پایہ کی ہوگی مگر افسوس کہ اس وقت وہ نایاب ہے نہ کوئی اس کی تلاش کی فکر کرتا ہے اور اس سے بڑھ کر افسوس مجھے ایک اور بڑے رتبہ کے حکیم و فیلسوف علی بن زید بیہقی کی شرح کا ہوا جو مشاہیر فلاسفہ اسلام سے تھا جو امام رازی سے بھی مقدم تھا اور جس کی کل مصنفات علوم فلسفہ میں تھیں اس نے بھی نہج البلاغہ کی شرح لکھی تھی وہ کس پایہ کی ہوگی مجھے اس کی شرح کا پتہ یاقوت حموی کی معجم الادباء سے ملا، یہ علی ابن زید ابوالحسن بن ابی القاسم البیہقی ۵۶۵ھ میں مرا، ہزار افسوس کہ یہ کتابیں زمانے کے دست برد سے نہ بچ سکیں اور ابھی معلوم نہیں کہ کون سی شرحیں آئندہ معلوم ہوں گی جو زمانے کے دست برد سے نابود ہو چکی ہیں، میں علماء متاخرین اہلسنت کی شروح کا اس وقت ذکر نظر انداز کرتا ہوں"

(مضمون شائع شدہ رسالہ معارف ۱۳۲۳ھ)۔

مگر افسوس اسلام کے ایسے قابل فخر و مستحق مباہات خلیفہ رسول کو لوگوں نے ان کی جگہ سے ہٹا کر گوشہ تنہائی میں بٹھا دیا اور حضرت کے انوار ہدایت و لآلی معرفت و در حقیقت سے اہل عالم کو محروم کر دیا جس کی دردناک پیشین گوئی ہمارے رسولؐ نے بار بار کر دی تھی جس کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے۔

قال رسول الله یا علی کیف أنت اذا زهد الناس فی الأخرة ورغبوا فی الدنیا وأکلوا التراث أکلاً لما وأحبوا المال حباً جماً[1] واتخذوا دین الله دغلاً[2] ومال الله دولاً فقلت اترکهم وما اختاروا واختا رالله ورسوله والدار الأخرة واصبر علی مصیبات الدنیا وبلواها حتی الحق ربك ان شاء الله تعالیٰ، قال صدقت اللّٰهم افعل ذالك به اخرجه الحافظ الثقفی فی الأربعین۔

(کتاب ریاض النضرۃ باب ۴ فصل ۹ ص ۲۴۳ ج ۲ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۶۹ وغیرہ)

حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا اے علیؑ تمہارا کیا حال ہوگا اور تم کیا کروگے جب یہ لوگ آخرت سے نفرت اور دنیا پر فریفتہ ہوجائیں گے، میراث کے مال بھر پیٹ کھاتے رہیں گے دین خدا کو مکر فریب اور خدا کے مال کو دولت قرار دے لیں گے ؟ حضرت علیؑ نے کہا ہم ان لوگوں کا ساتھ چھوڑ کر ان کی روش سے الگ ہوجائیں گے خدا اور رسولؐ اور آخرت ہی کو اختیار کئے رہیں گے اور دنیا کی مصیبتوں اور آزمائشوں اور ظلموں پر صبر کرتے رہیں گے یہاں تک کہ مرکر آپ کی خدمت میں پہنچ جائیں انشاء اللہ تعالیٰ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کے اس جواب کو سنکر فرمایا ہاں اے علیؑ! تم نے سچ کہا تم ایسا ہی ضرور کروگے اور ان لوگوں سے جنگ نہیں کروگے اے خدا تو واقعاً علی علیہ السلام کو اسی طرح صبر کرنے اور ہمارا تیرا ساتھ پکڑے رہنے دے۔

مسلمانو! خوب غور کرو، رسولؐ نے یہ پیشین گوئی ۱۱ ہجری سے ۴۰ ہجری تک ہی کی مدت کے لئے کی تھی اب بتاؤ وہ کون لوگ تھے جو ہمارے رسولؐ کے قول کے مطابق ۱۱ ہجری سے ۴۰ ہجری تک آخرت کو چھوڑ کر دنیا پر فریفتہ ہوگئے تھے دوسروں کی میراث کو بھر پیٹ کھاتے رہے، دین خدا کو مکر وفریب بنالیا اور حضرت علیؑ ان لوگوں کے ان ظلموں پر صبر کرتے رہے، ہمارے رسولؐ غلط تو نہیں کہہ سکتے، اب تم لوگ تلاش کرو وہ کون حضرات تھے جن میں یہ صفتیں پائی گئیں، اور علیؑ نے صبر کیا، حالانکہ ہمارے رسولؐ نے علیؑ کے بارے میں ایسی ایسی ہدایات وتعارف کی حدیثیں ارشاد فرمائی تھیں جن کے پیش نظر ان کے مقابلہ میں کسی کو

---

[1] جما جما بڑی محبت بہت الفت، حدیث ہے کہ علیؑ سے وہی محبت رکھے گا جو مومن ہو اور علیؑ سے بغض وہی رکھے گا جو منافق ہو انوار اللغۃ پارہ ۸ صفحہ ۷۹) لأدخل الجنة من أطاع علیا وان عصاني وأدخل النار من عصاه وان أطاعني۔ اللہ نے فرمایا جو کوئی علیؑ کی اطاعت کرے اگرچہ وہ گنہگار ہو اسے بہشت میں لے جاؤں گا اور جو کوئی علیؑ کی نافرمانی کرے وہ اگرچہ میرا مطیع ہو اس کو دوزخ میں لے جاؤں گا اس کا صحابی ہونا کچھ کام نہ آئیگا، مطلب یہ ہے کہ محبت علیؑ جزو ایمان ہے اور بغض آپ کا کفر ہے اس حدیث کو زمخشری نے روایت کیا ہے "فائدہ" مجھ سے میرے شیخ جناب حافظ عبد العزیز صاحب محدث لکھنوی نے بیان کیا کہ لکھنو میں ایک صاحب جو اپنے تئیں سنی کہتے تھے کہنے لگے کہ جب تک آدمی کے دل میں انڈے برابر حضرت علی کا بغض نہ ہو اس وقت تک وہ سنی نہیں ہوسکتا، معاذ اللہ خدا کی پناہ ایسے سنیوں سے، یہ کم بخت خارجی اور ناصبی ہیں ان کو سنی کون کہتا ہے ؟ انوار اللغۃ مولوی وحید الزمان خانصاحب حیدرآبادی پارہ ۸ صفحہ ۱۳۲)

[2] اتخذوا دین اللّٰہ دغلاً، انہوں نے اللہ کے دین کو مکر اور فریب کا ذریعہ بنالیا، دل میں مکر اور فریب دنیا کمانے کی کی غرض معاذ اللہ (انوار اللغۃ پارہ ۸ صفحہ ۵۸)

بھی کوئی چیز نہ دیکھے مثلاً جس روز حضرت علیؑ نے غزوہ خیبر فتح کر کے اسلام کا جھنڈا اور اونچا کر دیا تو ہمارے رسولؐ نے ان سے فرمایا اے علیؑ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میری امت کے لوگ تمہارے حق میں بھی وہی کہنے لگیں گے جو نصاریٰ حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کے حق میں کہتے ہیں تو تمہارے حق میں وہ باتیں بھی بیان کر دیتا کہ اگر تم مسلمانوں کے گروہ کے پاس سے گزرتے تو وہ تمہارے قدموں کی مٹی تک نہ چھوڑتے اور تمہاری طہارت سے بچا ہوا پانی لے کر اس سے شفاء ڈھونڈتے مگر ہم اسی قدر کہنا کافی ہے کہ تم مجھ سے اور میں تم سے ہوں تم میرے وارث ہو اور میں تمہارا وارث ہوں، تمہاری منزلت میرے ساتھ وہی ہے جو ہارون کی جناب موسیٰ کے ساتھ تھی، فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اے علیؑ! تم میرا قرض ادا کرو گے، میری سنت پر جہاد کرو گے، تم آخرت میں سب سے زیادہ میرے قریب ہو گے، قیامت میں بھی حوض کوثر پہ تم میرے خلیفہ ہو گے، حوض کوثر پہ سب سے پہلے تم ہی میرے پاس پہنچو گے، تم ہی میرے حوض پر سے منافقوں کو ہٹاؤ گے، میری امت میں سب سے پہلے تم ہی جنت میں داخل ہو گے، بہ تحقیق تمہارے محب اور تابعین نور کے منبروں پر ہوں گے، خوب سیر و سیراب ہوں گے، اور سیراب کئے جاتے رہیں گے ان کے چہرے سفید نورانی ہوں گے، میرے گرد ہوں گے اور میں ان کی شفاعت کروں گا تو قیامت میں تمہارے سب پیرو میرے ہمسایہ ہوں گے اور تمہارے دشمن قیامت میں پیاسے ہوں گے اور پیاس کی مصیبت میں گرفتار کئے جائیں گے ان کے چہرے سیاہ کر دیئے جائیں گے، ان کو مقامع (گرزوں) سے مارا جائے گا جو آگ کے کوڑے ہوں گے وہ سر اٹھائے ہوں گے۔[1]

---

[1] [illegible]

اور اے علیؑ! تم سے لڑنا بالکل مجھ سے لڑنا اور تم سے صلح رکھنا بالکل مجھ سے صلح رکھنا ہے تمہارا راز میرا راز، تمہارا اعلان میرا اعلان ہے، تمہارے دلی خیالات میرے خیالات ہیں تم میرے علم کے دروازہ ہو، تمہاری اولاد میری اولاد ہے تمہارا گوشت میرا گوشت ہے، تمہارا خون میرا خون ہے بہ تحقیق حق تمہارے ساتھ ہے اور حق تمہاری زبان پر ہے اور تمہارے دل میں اور تمہاری آنکھوں کے درمیان ہے اور ایمان تمہارے گوشت اور خون میں اس طرح مخلوط ہے جس طرح میرے گوشت اور خون میں اور اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس امر کی خوشخبری دوں کہ تم اور تمہاری عترت اور تمہارے محب جنت میں ہیں اور تمہارے دشمن جہنم میں تم سے بغض رکھنے والا حوض پر وارد نہ ہوگا اور تمہارا محب اس سے محروم نہ رہے گا حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ یہ سن کر میں سجدہ میں گر پڑا اور حمد خدا بجالایا کہ اس نے مجھے اسلام اور قرآن کی نعمت عطا کی اور مجھ کو جناب خاتم النبین کا محبوب قرار دیا۔ اس حدیث کو صاحب کتاب المناقب نے جناب جابر بن عبداللہ سے بھی روایت کیا ہے اور مسند احمد بن حنبل میں انہیں کی سند سے حضرت علی کرم اللہ کی وجہ سے بھی مروی ہے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

والذي نفسي بيده لولا ان تقول طوائف من امتي فيك ماقالت النصارى في عيسى ابن مريم لقلت فيك مقالألاتمر بملاء من المسلمين الا أخذواالتراب من تحت قدمك للبركة أيضاً أخرج أحمد في مسنده هذاالحديث بلفظه عن ابن مسعود أيضاً أخرج هذاالحديث موفق بن أحمد الخوارزمي (ینابیع المودۃ صفحہ ۱۰۷)

خدا کی قسم اگر مجھ کو یہ خوف نہیں ہوتا کہ اے علیؑ میری امت کے بہت لوگ تمہارے بارے میں بھی وہی اعتقاد رکھنے لگیں گے جو عیسائی لوگ حضرت عیسیٰؑ پیغمبر کے بارے میں کہنے لگے ہیں تو میں تمہارے بارے میں ایسی بات کہہ دیتا کہ تم مسلمانوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے وہ لوگ برکت کے لئے تمہارے پاؤں کے نیچے کی مٹی اٹھا کر لے جانے لگتے امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو بھی اپنی مسند میں بن مسعود سے درج کیا ہے اور موفق احمد خوارزمی نے بھی اس حدیث کو درج کیا ہے۔

اور علامہ شیخ سلیمان قندوزی وغیرہ علماء کرام نے اس حدیث کو بھی اپنی تحقیقی کتابوں میں لکھا ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لوكان الأشجار أقلاماًو البحر مداداًو الجن حساب والانس كتاب مااحصوا فضائل علي ابن ابيطالب۔ (ینابیع المودۃ ۹۹)

حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے کہ اگر دنیا بھر کے درختوں کے قلم اور سمندروں کے پانی کی روشنائی بنادی جائے اور جن لوگ گننے والے ہوں اور آدمی لوگ لکھنے والے ہوں جب بھی یہ سب لوگ علی ابن ابی طالب کی فضیلتوں کو پوری طرح جمع نہیں کر سکتے

خود دوسرے صاحب برابر کہا کرتے لولا علي لهلك عمر۔ اگر حضرت علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک برباد ہو جاتا۔

(ازالۃ الخفاء مقصد ۲ رصفحہ ۱۵۹)

حضرت علی ہی کے بارے میں یہ سب خصوصیات نہیں بلکہ ان کے دونوں فرزند امام حسنؑ و حسینؑ کے بارے میں بھی ایسی ایسی نشانیاں ہمارے رسولؐ کے صحابیوں نے بیان کر دی تھیں جن کے بعد کسی کو نہ حضرت علیؑ پر بڑھانا مناسب تھا نہ امام حسنؑ پر اور نہ امام حسینؑ پر مثلاً جناب عباس حضرت رسولؐ کے چچا زاد بھائی اور بڑے جلیل القدر صحابی تھے، ایک دفعہ امام حسینؑ سوار ہونے لگے تو انہوں نے آپ کی رکاب پکڑ کر حضرتؑ کو سوار کیا اس پر کسی شخص نے کہا اے ابن عباس! آپ تو رشتے اور عمر دونوں میں امام حسینؑ سے بڑے ہیں پھر آپ ان کے سامنے ایسی ذلت برداشت کرتے ہیں؟ اس پر وہ بگڑ کر بولے اے کمبخت! تجھے کیا معلوم کہ یہ دونوں صاحبزادے کس عزت کے ہیں؟ یہ دونوں حضرت رسولؐ خدا کے فرزند ہیں ان کے طفیل میں خدا نے جو نعمتیں مجھے دی ہیں کیا میں ان کے مقابلے میں ان کی رکاب بھی نہ پکڑوں اور انہیں گھوڑے پر سوار بھی نہ کروں ؟ اور ہمارے رسولؐ کے مشہور صحابی ابو ہریرہ کا طرز عمل بھی دیکھو اور خوب یاد رکھو بھولنا نہیں ایک جنازہ کے ساتھ بہت سے مسلمان جاتے تھے اور ابو ہریرہ بھی تھے امام حسینؑ بھی ساتھ ساتھ تھے راستہ میں ابو ہریرہ اپنے کپڑوں سے امام حسینؑ کے پاؤں کو جھاڑنے لگے تو امام حسینؑ نے کمال تواضع سے کہا اے ابو ہریرہ آپ کیوں میرے پاؤں جھاڑنے لگے؟ اس کے جواب میں ابو ہریرہ نے کہا دعنی فلو یعلم الناس منک ما اعلم لحملوک علی عواتقھم۔ یعنی اے صاحبزادے! آپ مجھ کو چھوڑ دیجئے کہ میں اچھی طرح آپ کے پاؤں کو جھاڑوں اور اس عزت سے مجھے محروم نہ کیجئے آپ کے فضائل و مناقب جس قدر مجھے معلوم ہیں وہ سب اگر دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائیں تو سب لوگ پیدل چلنے سے آپ کو روک دیں بلکہ اپنے کندھوں پر بٹھا کر آپ کو لئے پھریں (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۱۳ صفحہ ۱۹) باوجود ان سب فضیلتوں ،ان سب عزتوں ،ان سب خصوصیتوں کے مسلمانوں نے ہمارے رسولؐ کے اس شمع مبارک اور ہمارے ولی برحق کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جس کی عبرتناک حالت سے تاریخ اور حدیث کے اوراق بھرے ہیں اور اس برتاؤ کی مثال کسی زمانے اور کسی ملک میں کسی مذہبی رہبر کسی دینی پیشوا اور کسی روحانی سردار کے ساتھ نہیں مل سکتی اور یہی کہنا پڑتا ہے فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔ اسی وجہ سے ہمارے رسولؐ نے بہت پہلے اس کی پیشین گوئی کر کے ان سب مہربانیوں کی وجہ بھی بیان کر دی تھی۔

مسلمانو! اچھی طرح سنو کہ ہمارے رسولؐ نے اپنی زندگی ہی میں کتنی کیسی باتیں فرما دی تھیں، تمہارے ایک بڑے عالم شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اور دوسروں نے بھی لکھا ہے:

عن علی ابن ابی طالب قال بینا رسول اللہ آخذ بیدی و نحن نمشی فی بعض سکک المدینۃ اذا أتینا علی حدیقۃ فقلت یا رسول اللہ ما أحسنھا من حدیقۃ قال لک فی الجنۃ أحسن منھا . ثم مررنا بأخری فقلت یا رسول اللہ ما أحسنھا من حدیقۃ قال لک فی الجنۃ أحسن منھا حتی مررنا بسبع حدائق کل ذلک

أقول ما أحسنها ويقول لك في الجنة أحسن منها فلما خلاله الطريق أعتقني ثم أجهش باكياً۔ قال قلت يا رسول الله ما يبكيك قال ضغائن في صدور أقوام لا يبدونها لك الا من بعدي قال قلت يا رسول الله في سلامة من ديني ؟قال في سلامة من دينك۔ (کتاب ازالۃ الخفاء مقصد ۲ رصفحہ ۲۷۵)

حضرت علیؑ بیان کرتے تھے کہ ایک روز حضرت رسولؐ خدا ہمارا ہاتھ پکڑے ہوئے مدینہ کی ایک گلی سے جارہے تھے کہ ہم دونوں آدمی جاتے جاتے ایک باغ کے پاس پہنچے ہم نے کہا اے رسولؐ خدا! یہ باغ کیسا اچھا ہے، فرمایا بہشت میں اس سے اچھا باغ تمہارے لئے ہے پھر جاتے جاتے ہم لوگ ایک دوسرے باغ کے پاس پہنچے تو ہم نے کہا اے رسولؐ خدا یہ باغ بھی کتنا عمدہ ہے فرمایا بہشت میں تمہارے لئے اس سے بہتر باغ موجود ہے یہاں تک کہ ہم لوگ سات باغوں کے پاس سے گزرتے گئے، اور ہر باغ پر ہم نے یہی کہا کہ کیا خوصورت باغ ہے؟ اور حضرت فرماتے رہے بہشت میں تمہارے لئے اس سے بھی عمدہ باغ ہے پھر جب ہم لوگ اکیلے ہوئے (کہ ادھر سے کوئی آدمی نہیں گزرتا تھا) تو ہم سے حضرت لپٹ گئے اور چیخ کر رونے لگے ہم نے پوچھا اے رسولؐ خدا آپ رونے کیوں لگے؟ فرمایا ان کینوں کا خیال آگیا جو تمہاری طرف سے ان لوگوں کے دلوں میں ہیں جن سب کو یہ لوگ ہمارے بعد ظاہر کریں گے، ہم نے کہا اے رسولؐ خدا اس وقت ہمارا دین تو بچا رہے گا ؟ فرمایا ہاں تمہارا دین صحیح و سالم رہے گا۔

مسلمانو! اس حدیث پر خوب غور کرو کہ وہ کینے کیا تھے، کن لوگوں کے دلوں میں تھے، کن لوگوں نے رسولؐ کے بعد علیؑ سے ظاہر کئے اور وہ کس درجہ سخت تھے کہ ان کو یاد کر کے ہمارے رسول چیخ چیخ کر رونے لگے۔

چھٹا باب

حضرت رسولؐ کے بعد صحابہ کا حضرت علیؑ سے برتاؤ،

تاریخ کی کتابوں میں دیکھو کہ ہمارے رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی صحابہ نے علیؑ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جن کو رسولؐ نے ضغائن (کینوں، عداوتوں اور دشمنیوں) سے یاد کیا، بس رسولؐ کے بعد جو ہوتا گیا انہیں سب کی تصویر رسولؐ نے مذکورہ بالا عبارت میں کھینچ دی تھی، اسی اجمال میں پوری تفصیل بھری ہوئی ہے۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے''جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہوگئی اور اس بات کا انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلعم کی تجہیز وتکفین سے فراغت حاصل کرلی جائے کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسولؐ اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق ومحبت کا دعوی ہو وہ ان کو بے گور وکفن چھوڑ کر چلے جائیں اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضے میں نہ آجائے (الفاروق صفحہ ۶۵)'' پھر لکھا ہے کہ حضرت عمر وابوبکر وغیرہ آنحضرت کی تجہیز وتکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے سقیفہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا، یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنوہاشم اور حضرت علیؑ سے بھی بزور منوانا چاہا، گو بنوہاشم نے آسانی سے ان کی خلافت تسلیم نہیں کی۔'' (الفاروق صفحہ ۶۶)

مسلمانو! ہمارے رسولؐ نے کتنی سچی خبر پہلے ہی دیدی تھی کہ اے علیؑ ان لوگوں کے دلوں میں تمہارے کینے اور دشمنیاں بھری ہوئی ہیں جو میرے بعد ہی یہ لوگ تم پر ظاہر کرنے لگیں گے، وہ دشمنیاں ظاہر ہو رہی ہیں یا نہیں؟ اگر وہ کینے اور دشمنیاں یہ باتیں نہیں تھیں جن کو مولوی شبلی صاحب نے بھی لکھا تو اور کن چیزوں کو سمجھا جائے؟ ہمارے رسولؐ کی خبر غلط تو ہو ہی نہیں سکتی پہاڑوں کا اپنے مقاموں سے ہٹ جانا آسان ہے مگر ہمارے رسولؐ کے ایک لفظ، ایک حرف ایک نقطہ کا غلط اور خلاف واقع ہونا محال ہے اب تم لوگ خود سمجھ لو کہ حضرت علیؑ کی دشمنیاں کن لوگوں نے ظاہر کیں اور کس کس طرح ظاہر کیں جب ان دشمنیوں کو یاد کر کے ہمارے رسولؐ اس طرح روتے تھے، تو یہ لوگ رسولؐ کے رُلانے والے ہوئے یا نہیں؟ اور سنو یہی مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں''بنوہاشم اپنے ادعا پر رکے رہے اور حضرت فاطمہؑ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے حضرت عمر نے بزور ان سے بیعت لینی چاہی لیکن بنوہاشم حضرت علیؑ کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے، ابن ابی شیبہ نے مصنف

میں اور علامہ طبری تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے حضرت فاطمہؑ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا یا بنت رسول اللہ خدا کی قسم آپ ہم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں تاہم اگر آپ کے پاس لوگ اس طرح مجمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا (الفاروق صفحہ ۱۷۱)

مسلمانو! رسولؐ نے جن کینوں اور دشمنیوں کی پیشین گوئی کردی تھی ان کا پتہ تم کو مل رہا ہے یا نہیں؟ پھر لکھا ہے "روایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں" (صفحہ ۱۷۱) کہو !!ان دشمنیوں کی تفصیل مل گئی یا نہیں؟ بتاؤ ہمارے رسولؐ کی زبان پر ایک لفظ یا ایک حرف یا ایک نقطہ بھی غلط جاری ہوا تھا؟ مورخین نے لکھا ہے "بنی ہاشم کی ایک جماعت نیز زبیر، مقداد بن عمرو، سلمان فارسی، ابوذر، عمار یاسر اور براء بن عازب وغیرہم نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا اور حضرت علیؑ کی بیعت کی کوشش کی، اس کے متعلق ابن ابی لہب نے کچھ اشعار بھی پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ رسول خدا کی خلافت خاندان بنی ہاشم سے نکال لی جائے گی اور خاص کر حضرت علیؑ سے جو سب سے پہلے ایمان لائے اور اس فضیلت میں سب پر سبقت حاصل کی اور جو قرآن مجید اور احادیث رسولؐ کے سب سے زیادہ عالم ہیں جو حضرت رسولؐ کی خدمت میں سب کے آخر تک رہے اور جن کی مدد رسول خدا کے غسل دینے اور کفن پہنانے میں جبرئیلؑ ایسے مقرب فرشتے نے کی وہ حضرت علیؑ کہ دوسروں میں جس قدر فضائل ہیں وہ سب حضرت علیؑ میں بھی ہیں لیکن حضرت علیؑ میں جو شرف و بزرگی و فضیلت ہے وہ تمام مسلمانوں سے کسی میں بھی نہیں ہے مذکورہ بالا لوگوں کی طرح ابوسفیان نے بھی جو خاندان بنی امیہ سے تھا حضرت ابوبکر کی خلافت سے انکار کر دیا (تاریخ ابوالفدا ء جلد صفحہ ۱۰۶) اور حضرت علیؑ نے ان لوگوں سے کہا "اے گروہ مہاجرین! اللہ سے ڈرو، خدا کے عذاب سے بچو عرب میں حضرت رسول خدا کو جو اقتدار اور تسلط حاصل ہے اس کو حضرت کے گھر اور حضرت کے خاص مکان سے نکال کر اپنے گھروں اور اپنے خاص مکانوں کی طرف نہ لے جاؤ اور حضرت کے اہلبیت کو مسلمانوں میں جو درجہ حاصل ہے اس سے اور ان کے حق سے جو ان کو ہٹاتے ہو ایسا نہ کرو کیونکہ اے گروہ مہاجرین خدا کی قسم سب سے زیادہ ہم لوگ ہی اس خلافت کے حقدار ہیں، اس لئے کہ ہم ہی اہلبیت رسولؐ ہیں اور جب تک ہم لوگوں میں کتاب خدا کا پڑھنے والا، دین خدا کا سمجھنے والا، رسول خدا کی سنتوں کا جاننے والا، امور رعایا کی خبر رکھنے والا اور ان کے لئے آگے بڑھنے والا، ان کی مشکلات پریشانیوں اور برائیوں کا دفع کرنے والا اور ان کے درمیان برابر سے تقسیم کرنے والا رہے گا اس وقت تک تم سب سے زیادہ ہم لوگ ہی اس خلافت کے مستحق رہیں گے اور خدا کی قسم ان صفات کا شخص یقیناً ہم اہلبیتؑ میں موجود ہے پس تم لوگ اپنے ہوا و ہوس نفسانی کی پیروی نہ کرو جس کے سبب خدا کی

راہ سے گمراہ ہو کر حق سے اور زیادہ دور ہوتے چلے جاؤ گے (کتاب الامامت والسیاست مطبوعہ مصر صفحہ ۳۰)

مسلمانو! بتاؤ کیا ان لوگوں نے خلافت چھوڑ دی؟ کیا رسولؐ کی مسند حضرت علیؑ کے حوالہ کر دی؟ اگر نہیں تو اب رسولؐ کے اس کلام میں کیا شبہ ہو سکتا ہے جو علیؑ سے فرمایا تھا کہ ان لوگوں کے دلوں میں تمہارے کینے اور دشمنیاں بھری ہوئی ہیں جن کو یہ لوگ میرے بعد ہی ظاہر کرنے لگیں گے؟ اسی کتاب الامامت والسیاست کی ایک عبارت کا ترجمہ یہ بھی ہے "حضرت ابو بکر نے اس جماعت کو جس نے آپ کی بیعت سے انکار کر دیا تھا اپنے پاس سے غائب پایا تو حضرت عمر کو ان کی طرف بھیجا، یہ گئے اور پکار کر حکم دیا کہ حضرت علیؑ کے گھر سے نکل کر حضرت ابو بکر کی بیعت کریں، سب نے انکار کیا تو حضرت عمر نے جلانے کی لکڑیاں طلب کیں اور کہا سب نکل چلو ورنہ اس گھر میں آگ لگا کر اس کو جو لوگ اس کے اندر ہیں سب کو پھونک ڈالوں گا۔ لوگوں نے کہا اس گھر میں حضرت فاطمہ بھی ہیں کہا ہوا کریں! یہ باتیں سن کر حضرت فاطمہؑ دروازے پر کھڑی ہوئیں اور فرمایا مجھے یاد نہیں پڑتا کہ مجھے کسی ایسی قوم سے سابقہ پڑا ہو جو تم لوگوں سے زیادہ برے کام پر آمادہ ہوئی ہو! یہ سن کر حضرت عمر حضرت ابو بکر کے پاس گئے اور کہا تم علیؑ کو گرفتار کیوں نہیں کرتے؟ تو حضرت ابو بکر نے اپنے غلام قنفذ کو حضرت علیؑ کے پاس بھیج دیا مگر حضرت علیؑ نہیں گئے تو حضرت عمر ایک جماعت کو لیکر حضرت فاطمہؑ کے گھر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا جناب سیدہؑ نے آواز سنی تو چیخ کر رونے اور چلا کر حضرت رسولؐ خدا کی روح سے فریاد کرنے لگیں کہ اے رسولؐ خدا! آپ کے بعد ہم لوگوں پر خطاب اور ابو قحافہ کے بیٹوں (یعنی عمر اور ابو بکر) سے کیسی کیسی مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں جناب سیدہؑ اس کرب سے فریاد کرتی تھیں کہ اس کو سن کر قریب تھا لوگوں کے دل ٹکڑے اور ان کے جگر شق ہو جائیں، پھر آپ نے حضرتؑ ابو بکر و عمر سے فرمایا میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھ کو غضب ناک کیا، جب میں حضرت رسول خدا کی خدمت میں پہنچوں گی تو حضرتؐ سے ضرور تم دونوں کی شکایت کروں گی، خدا کی قسم جو نماز بھی پڑھوں گی اس کے بعد تم دونوں کے لئے بد دعا ضرور کروں گی۔ (الخ کتاب الامامت والسیاست صفحہ ۲۳) جناب سیدہ کو ان دونوں صاحبوں سے اتنا دکھ پہنچا کہ ان لوگوں پر غضبناک ہی رہیں اور مرتے دم تک ان لوگوں سے ایک حرف بھی نہیں بولیں، مریں تو حضرت علیؑ نے رات کو دفن کر دیا اور ان دونوں صاحبوں کو خبر بھی نہیں کی، (صحیح بخاری جلد ۳ر صفحہ ۱۴۰ اور صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۱، تاریخ طبری جلد ۳ر صفحہ ۲۲۰ وغیرہ) حد ہو گئی کہ ان مہربانوں اور مسلمانوں کے پیشواؤں نے حضرت علیؑ کے برادر رسولؐ ہونے سے بھی ڈنکے کی چوٹ پر انکار کر دیا، علامہ ابن قتیبہ وغیرہ نے لکھا ہے "حضرت عمر حضرت علیؑ کو گرفتار کر کے حضرت ابو بکر کے پاس لے گئے اور کہا بیعت کرو، حضرتؑ نے فرمایا اگر نہیں کروں گا تو کیا ہوگا؟ کہا خدا کی قسم ہم لوگ تم کو قتل کر دیں گے، حضرتؑ نے فرمایا تو خدا کے ایک بندے اور حضرت رسولؐ

کے بھائی کا خون کرو گے؟ حضرت عمر بولے خدا کے بندے تو ہو مگر رسولؐ کے بھائی نہیں ہو، وہاں سے حضرت علی پہلے تو چیختے اور روتے ہوئے قبر رسولؐ پر پہنچ کر فریاد کرنے لگے کہ اے بھائی ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھ لیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں ۔(کتاب الامامت والسیاست صفحہ ۲۲) خاندان بنی عباس کا مشہور خلیفہ مامون کہتا تھا کہ حضرت رسولؐ کی وفات پر حضرت ابوبکر خلیفہ ہوگئے تو ان کے حکم سے اہلبیتؑ پر جو گزری اس کو جانتے ہو، پھر حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ان حضرت کے ساتھ وہی کیا حضرت عثمان ہوئے تو بالکل بنی امیہ پر جھک پڑے پھر یہ خلافت حضرت علیؑ کی طرف چلی مگر ویسی صاف نہیں تھی جیسی دوسروں کے لئے رہی بلکہ اس میں بہت سی کانٹیں بھری تھیں ۔(تاریخ مروج الذہب بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۲) انہیں سب برتاؤ کو دیکھ کر معاویہ نے حضرت ابوبکر کے بیٹے محمد ابن ابی بکر کو ایسا خط لکھا تھا جس کے ایک ایک لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے رسولؐ نے جو کہا تھا کہ ان لوگوں کے دلوں میں تمہارے کینے اور دشمنیاں بھری ہوئی ہیں اور جن کو یاد کرکے حضرتؐ رو پڑے تھے ان لوگوں سے کون لوگ مراد تھے بس وہی تھے جن کی سچی بھری تصویریں ان ہزاروں کتابوں میں نظر آتی ہیں جن سے بعض کی عبارتیں اوپر نقل کی گئیں۔

محمد بن ابی بکر اور معاویہ کا خط و کتابت:

حضرت ابوبکر کے بیٹے محمد نے خاندان بنی امیہ کے پہلے بادشاہ معاویہ کو خط لکھا تھا کہ "حضرت علیؑ نے اسلام کے اوپر احسانات کئے تھے اب تو ان کا مقابلہ کرتا ہے حالانکہ تو کوئی ہے اور وہ وہی ہیں جو وہ ہیں تو کیسے اپنے کو حضرتؑ کے مقابلے کیسے کر پاتا ہے؟"

اس خط کے جواب میں معاویہ نے محمد بن ابی بکر کو لکھا "تم نے حضرت علیؑ کی فضیلت، ان کے اسلامی احسانات اور حضرت رسولؐ کی حمایتوں کا لکھا ہے تو بات یہ ہے کہ ہم لوگ جن میں تمہارے باپ ابوبکر بھی شامل تھے علیؑ کے فضائل کو اچھی طرح جانتے تھے اور یہ بھی ہم سب کو معلوم تھا کہ خلافت کے بارے میں ان کا حق ہم لوگوں پر لازم اور ہمارے لئے ضروری ہے مگر تمہارے باپ ابوبکر اور ان کے دوست عمر یہی اول وہ لوگ تھے جنہوں نے علیؑ کا حق غصب کرلیا اور ان کی خلافت کے بارے میں ان کی مخالفت پر آمادہ ہوگئے اسی بات کو دونوں نے اپنے اتفاق سے طے کرلیا، اور اسی کو کر دکھایا، پھر ان دونوں نے علیؑ کو بلایا کہ ان کی بیعت کریں مگر علیؑ نے دونوں سے کنارہ کشی کی اور ان کی بیعت سے انکار کیا اس پر دونوں دوستوں نے ان کو مختلف قسم کی مصیبتوں میں مبتلا کرنے کا ارادہ کیا اور بڑی بڑی آفتوں میں ڈالنے کی کوشش کی پھر ان دونوں نے خلافت کی تو علیؑ کو اپنے انتظام سے کسی امر میں شریک نہیں کرتے تھے وہ اپنے بھیدوں کی ان کو خبر ہونے دیتے اب جس مسئلہ خلافت میں ہم لوگ بحث کر رہے ہیں اگر درست ہے تو تمہارے باپ ابوبکر ہی نے

اکیلے اکیلے الگ اس کا انتظام کرلیا،¹ اور ہم لوگ تو صرف ان کے کام میں شریک ہو گئے کیونکہ اگر تمہارے باپ (ابوبکر) اس کے قبل ایسا برتاؤ نہیں کئے ہوتے تو ہم بھی علیؑ کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ اس خلافت کو ان کو حوالے کر دیتے مگر ہم نے دیکھا کہ تمہارے باپ ہی نے ہم سے پہلے ایسا کیا تو انہیں کی پیروی ہم نے بھی کی، اب تم کو کچھ عیب لگانا ہو اپنے باپ ہی میں لگا دو یا اس سے باز آؤ۔ (تاریخ مروج الذہب بر تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۷۹) اسی خط و کتابت کے بارے میں علامہ طبری و ابن اثیر نے لکھا ہے "جب معاویہ خلیفہ ہوا تو اس میں اور محمد بن ابی بکر میں ایسی خط و کتابت ہوئی جس کے مضامین عام مسلمانوں سے سنے نہیں جاسکتے ہیں (تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۲۳۲ و کامل جلد ۳ صفحہ ۱۰۸ وغیرہ) ہمارے رسولؐ نے کیسی سچی پیشین گوئی کی تھی کہ اے علیؑ ان لوگوں کے دلوں میں تمہاری دشمنیاں بھری ہوئی ہیں جن کو یہ سب میرے بعد ہی ظاہر کرنے لگیں گے اسی طرح بنی ہاشم کے کچھ جوانوں کو آتے دیکھ کر حضرت رسول کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور حضرت کے چہرے کا رنگ بدل گیا کسی صحابی نے پوچھا یا حضرت کیا بات ہے؟ تو حضرتؐ نے فرمایا میرے بعد بہت جلد میرے اہلبیتؑ مصیبتوں میں مبتلاء کئے جائیں گے اور آوارہ وطن کر کے شہر بہ شہر پھرائے جائیں گے، (سنن ابن ماجہ صفحہ ۳۰۹) اس کے ساتھ حضرت نے یہ پیشین گوئی بھی صاف فرمادی تھی کہ اگر تم لوگ علیؑ ہی کو میرا خلیفہ اور اپنا امام مانتے رہو گے تو وہی تم کو سیدھی راہ پر لے چلیں گے مگر تم لوگ ایسا کرو گے نہیں جس کا مطلب صاف ہے کہ خدا اور رسولؐ نے تو علیؑ ہی کو خلیفہ رسولؐ مقرر کیا تھا مگر مسلمان اس کے ماننے والے نہیں ہوں گے، فرمایا:

ان تؤمروا علیا ولا أراکم فاعلین تجدوه هادیاً مهدیاً یأخذ بکم الطریق المستقیم (مشکوٰۃ جلد ۸ صفحہ ۱۲۸)

اگر تم علیؑ ہی کو اپنا حاکم اور پیشوا مانتے رہو گے تو ان کو ہدایت کرنیوالا اور خود بھی ہدایت ہی پر چلنے والا پاؤ گے مگر میں جانتا ہوں کہ تم لوگ ایسا کرو گے نہیں۔

ہمارے رسولؐ نے صاف کہہ دیا تھا کہ تم لوگ ایسا نہیں کرو گے، اس سے ثابت ہوا کہ حضرتؐ کا مطلب یہ تھا کہ تم لوگ ان کو میرا خلیفہ بلافصل نہیں مانو گے، اس لئے کہ خلیفہ چہارم تو ان لوگوں نے حضرت کو مان ہی لیا اور ہمارے رسولؐ کا قول غلط نہیں ہوسکتا اس وجہ سے یقیناً اس سے مراد یہی تھی کہ میرے وفات پاتے ہی تم لوگ فوراً ان کو اپنا خلیفہ نہیں مانو گے لیکن اگر ایسا کرو تو وہی تم لوگوں کو سیدھی راہ پر چلائیں گے اور خود بھی ہدایت کی راہ سے الگ نہیں ہوں گے مگر جب حضرت ابوبکر و عمر نے ہمارے رسولؐ کے ان قوال کی عزت نہیں کی تو معاویہ کیوں کرتا؟ اس نے اچھی طرح علیؑ اور اہلبیتؑ کا نام دنیا سے مٹا دینے کے لئے گھٹنے ٹیک دئے اور ایسی تدبیریں کیں کہ ان لوگوں کی ایک فضیلت بھی دنیا میں باقی نہ رہے نہ کوئی ان کو جانے نہ ان کا نام رہے۔

---

¹ مولوی وحید الزمان خانصاحب نے لکھا ہے کہ فاستبدو تم علینا تم نے اکیلے الگ ہی خلافت کا انتظام کرلیا ہم کو صلاح و مشورے میں بھی شریک نہیں کیا یہ حضرت علیؑ کا قول ہے۔ (انوار اللغۃ پارہ ۲ صفحہ ۴)

ساتواں باب

معاویہ اور بنی امیہ کے وہ انتظامات جن کے بعد حضرت علیؑ کا نام بھی کہیں نہیں ملتا

حضرت ابوبکر وعمر کے برتاؤ کی پوری پیروی کر کے معاویہ اور بنی امیہ نے ایسے زبردست انتظامات کئے کہ اگر خدا اپنی خاص قدرت سے ان حضرات کے فضائل وکمالات کی حفاظت نہ کرتا تو کسی کو یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ حضرت علیؑ بھی دنیا میں کوئی گزرے ہیں جنہوں نے اسلام کو عالم ایجاد میں قائم کر دیا اور یہی بات اس امر کی دلیل ہے حضرت علیؑ اور حضرات اہلبیتؑ کے فضائل کا آج اس کثرت سے مل جانا اسلام کا معجزہ حضرت علیؑ کا معجزہ اور اہلبیتؑ کا زندہ معجزہ ہے، مولوی شبلی صاحب ہی کی عبارتوں سے اس نتیجہ کو نکال سکتے ہو، لکھتے ہیں:۔

عرب میں تاریخ کی ابتداء

جب تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی، امیر معاویہ المتوفی ۶۰ھ کے زمانے میں عبید بن شریہ ایک شخص تھا معاویہ نے اس کو صنعاء سے بلایا اور کاتب اور محرر متعین کئے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلمبند کرتے جائیں، کتاب الفہرست میں اس کی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کتاب کا نام کتاب الملوک واخبار الماضیین لکھا ہے غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کا مسودہ امیر معاویہ کے حکم سے تیار ہوا تھا، عبید کے بعد عوانۃ بن الحکم المتوفی ۱۴۷ھ کا نام قابل ذکر ہے جو اخبار وانساب کا بڑا ماہر تھا اس نے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنو امیہ اور امیر معاویہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی ۱۱۷ھ میں ہشام بن عبدالملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔" (الفاروق صفحہ ۴) اس عبارت سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس زمانے میں حضرت علیؑ اور اہلبیتؑ طاہرین کی فضیلت میں ایک حرف کا ملنا بھی محال تھا کیوں کہ کتابوں کی ایجاد معاویہ اور ہشام وغیرہ کے زمانہ میں ہوئی جو ان حضرت کا نام بھی دنیا سے مٹا دینے اور نسیاً منسیاً کر دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے،

مولوی شبلی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے "بنوامیہ نے علماء سے تصنیفیں لکھوائیں، قاضی عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے "کنا نکرہ کتابۃ العلم حتی اکرھنا علیہ ھؤلاء الامراء" "ہم لوگ علم کا قلمبند کرنا پسند نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ امراء نے ہم کو مجبور کیا (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۳) اس ایک جملہ میں سب بھرا ہوا ہے بنوامیہ نے جب علماء کو مجبور کر کے کتابیں لکھوائیں اور علماء دل سے اس کام پر آمادہ نہیں تھے لیکن بنوامیہ کے بادشاہوں اور امراء کے ڈر سے کتابیں لکھنے پر بے بس ہو گئے تو انہوں نے وہی باتیں لکھی ہوں گی جو بادشاہ لکھوانی چاہتے ہوں گے وہ سب حضرت علیؑ اور اہلبیتؑ کے حق میں زہریلی ہی رہی ہوں گی تو اب حضرت علیؑ وغیرہ کے فضائل کیوں کر مل سکتے تھے؟ باوجود اس کے لاکھوں کتابوں کا ان حضرات کے فضائل سے بھرا ہوا رہنا، بلکہ کتب خانوں کا بھرا ہوا ہونا اور دن رات سینکڑوں مطبعوں کا ایسی کتابوں کو چھاپتے رہنا کیا خدا کی قدرت اور جناب امیرؑ کا معجزہ نہیں ہے؟ پھر لکھا ہے سب سے پہلے امیر معاویہ نے عبید بن شریہ کو یمن سے بلا کر قدماء کی تاریخ مرتب کرائی جس کا نام اخبار الماضیین ہے (صفحہ ۱۳) قدماء کی تاریخ جب معاویہ کی کوشش سے مرتب کرائی گئی تو اس میں جناب امیرؑ کے والد ماجد حضرت ابوطالبؑ کا حال بھی ضرور جمع کیا گیا ہوگا اور معاویہ کے اختیار میں جس قدر ہوگا جناب ابوطالبؑ کی برائیاں اس میں بھر دی گئی ہوں گی، اب جو اہل سنت کی کتابوں میں بہت کثرت سے ایسی حدیثیں ہیں جن میں جناب ابوطالبؑ کے مسلمان نہ ہونے، ایمان قبول نہ کرنے اور معاذ اللہ حالت کفر پر باقی رہنے کا شبہ ہوتا ہے یہ سب اسی عبید بن شریہ کی کتاب الملوک و اخبار الماضیین سے مسلمانوں میں پھیلی ہوں گی، تو اب حضرت ابوطالبؑ کے اصلی مذہب کا پتہ کس کتاب سے مل سکتا ہے؟ معاویہ کا حکم تھا، عبید بن شریہ کے ہاتھ میں قلم تھا معاویہ جو حکم دیتا مجبوراً عبید بن شریہ لکھتا جاتا، دن کو کہہ دیا رات لکھو اس کو لکھنا پڑا اسلام کو کہہ دیا کفر لکھ دو تو وہ بیچارہ کیونکر نہیں لکھتا؟ اس کے بعد لکھا ہے "امیر معاویہ کے بعد عبدالملک بن مروان نے جو ۶۵ھ میں تخت نشین ہوا ہر فن میں علماء سے تصنیفیں لکھوائیں" (صفحہ ۱۳) معاویہ ۶۰ھ میں مرا اور ۶۱ھ میں امام حسینؑ شہید کئے گئے، اس کے چار ہی برس کے بعد اسی کے خاندان سے اسی کے پایہ تخت میں اسی کے تخت پر اسی کا نور چشم عبدالملک بادشاہ ہوا اور اس نے ہر فن میں علماء سے تصنیفیں لکھوائیں تو کس فن کی کسی کتاب میں کوئی عالم حضرت علیؑ کے موافق ایک حرف بھی لکھ سکا ہوگا؟ علم ادب میں بھی جناب امیرؑ کے خلاف، علم سیرت میں بھی حضرتؑ کے مخالف، علم حدیث میں بھی حضرتؑ کے خلاف علیٰ ہذا القیاس ہر قسم کی چیزیں بھر دی گئی ہوں گی باوجود اس کے آج دنیا بھر کے کتب خانوں میں حضرت علیؑ کے فضائل کی لاکھوں کتابیں کہاں سے آگئیں؟ کس نے لکھوائیں؟ کس نے لکھنے دیں کس نے ان کتابوں کی حفاظت کی؟ کیا خدا کے سوا بھی یہ کسی کا کام ہو سکتا ہے؟ پھر لکھا ہے سعید بن جبیر جو اعلم العلماء تھے ان کو

حکم بھیجا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھیں چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی جو کتب خانہ شاہی میں رکھی گئی، عطا بن دینار کے نام سے تفسیر مشہور ہے انہی کی تفسیر ہے عطاء کو خزانہ شاہی سے یہ نسخہ ہاتھ آگیا تھا اور انہوں نے اپنے نام سے مشہور کر دیا'' (صفحہ ۱۴) جب سعید ابن جبیر نے خلیفہ عبدالملک کے حکم سے تفسیر لکھی اور ایسی جو کتب خانہ شاہی میں رکھی گئی تو کیا سعید ابن جبیر کی مجال تھی کہ اس میں ایک حرف بھی جناب امیرؑ کے موافق لکھتے؟ باوجود اس کے آج ہزاروں معتبر، صحیح اور مقبول عام عربی، فارسی، اردو کی تفسیروں میں حضرت علیؑ کے فضائل کا بھرا ہونا کیا خدا کی قدرت اور حضرت علیؑ کا اعجاز نہیں ہے؟ پھر لکھا ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ آیا تو انہوں نے تصنیف و تالیف کو زیادہ ترقی دی، تمام ممالک میں حکم بھیج دیا کہ احادیث نبوی مدوّن اور قلمبند کی جائیں، سعید بن ابراہیم جو بہت بڑے محدث اور مدینہ منورہ کے قاضی تھے ان سے دفتر کے دفتر حدیثوں کے قلمبند کرائے اور تمام ممالک مقبوضہ میں بھیجے، (صفحہ ۱۴) یہ خلیفہ بھی بنی امیہ سے ہی تھا اس نے تصنیف و تالیف کو جس قدر ترقی دی وہ کتابیں بھی حضرت علیؑ کے فضائل سے بالکل کوری ہوں گی اور حدیثوں کے جس قدر دفتر اور خزانے اس وقت مدون ہوئے وہ بھی حضرت علیؑ کے نام تک سے خالی ہوں گے کیوں کہ خلیفہ بنی امیہ کی تلوار کے سایہ میں نہیں خلفاء کے پیرو عالموں نے وہ چیزیں جمع کیں تو کیا ان کی شامت آئی تھی کہ حضرت علیؑ کے موافق ایک حرف بھی لکھ سکتے؟ اگر کوئی کہے کہ عمر بن عبد العزیز معاویہ کی طرح متعصب نہیں تھا جب بھی تھا بنی امیہ ہی کے خاندان کا اور اگر تعصب میں کمی تھی تو صرف اس کے دل میں رہی ہوگی لیکن سلطنت کے باقی کل وزراء ارکان حکومت اعیان دولت، سرداران ملک تو سب بنی امیہ ہی تھے اور انہیں کی پیروی کے نشہ میں مست رہتے تھے تو ان کے خوف سے کس عالم کو ہمت ہوتی کہ حضرت علیؑ کی ایک خوبی بھی ان حدیثوں میں لکھ سکے، اس وجہ سے آج دنیا بھر کی کسی ایک کتاب میں بھی حضرت کی فضیلت نہیں ملنی چاہیے تھی لیکن لاکھوں کتابیں اور ہزاروں کتب خانے ان کتابوں سے بھرے ہوئے ہیں جن میں حضرت علیؑ کے فضائل کی بے حد و حساب حدیثیں بھری ہوئی ہیں، پھر یہ کتابیں کیونکر مدون ہو سکیں؟ ان لاکھوں کتابوں میں حضرتؑ کے فضائل اس کثرت سے کیوں برس گئے؟ کیا یہ بارش خدا کی قدرت کا نمونہ حضرت علیؑ کے کمالات کا معجزہ نہیں ہے؟ پھر لکھا ہے، ابوبکر بن محمد بن عمر بن حزم انصاری جو اس زمانے کے بہت بڑے محدث اور امام زہری کے استاد اور مدینہ کے قاضی تھے ان کو بھی خاص طور پر احادیث کے جمع کرنے کا حکم بھیجا (صفحہ ۱۴) جب بنی امیہ کے بادشاہ نے امام زہری کے استاد سے بھی حکم دے کر احادیث جمع کرائیں تو وہ حضرت علیؑ کی فضیلت میں کوئی حدیث کیوں کر لکھ سکتے تھے؟ پھر لکھا ہے عمر بن عبدالعزیز نے اس فن (مغازی و سیر) کی طرف توجہ کی اور حکم دیا کہ غزوات نبیؐ کا حلقۂ درس قائم کیا جائے، عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری المتوفی ۱۲۱ھ میں اس فن میں خاص کمال رکھتے تھے

ان کو حکم دیا کہ جامع مسجد دمشق میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی اور مناقب کا درس دیں۔ (صفحہ ۱۵) سب جانتے ہیں کہ حضرت رسولؐ کے کل غزوات کی کامیابیوں کا سہرا صرف حضرت علیؑ کے سر ہے کوئی دوسرا شخص اس میں حضرت کا شریک نہیں، مگر غزوات نبیؐ کی تعلیم وتالیف کا کام بنی امیہ کا بادشاہ انجام دے رہا تو ان میں حضرت علیؑ کا نام کیوں کر آتا؟ وہ بھی اس شخص کے قلم اور زبان سے جو بنی امیہ کے انتہائے عروج کے زمانے میں ان غزوات کا درس دیتا ہو ایسی صورت میں تو حضرت علیؑ کا نام کسی غزوہ نبیؐ میں آنا عقل کے خلاف اور امکان کے برعکس ہونا چاہیے تھا مگر آج ہزاروں کتب خانوں میں ان کی کتابوں کا بھرا ہونا جو پکار کر کہہ رہی ہیں کہ غزوات نبویؐ سب کے سب سو فیصدی حضرت علیؑ ہی کی جانفشانیوں کے ممنون احسان ہیں کیا خدائے قادر علی الاطلاق کی قدرت کا کاملہ کا کرشمہ اور حضرت علیؑ ایسے مظلوم بیکس، بے بس، بے ناصر و شکستہ، بے عدم و مددد اسلام کا معجزہ نہیں کہا جائے گا؟ خود مولوی شبلی صاحب کی سیرۃ النبی بھی اعلان کرتی ہے کہ غزوات نبوی کے فاتح اعظم حضرت علیؑ ہی تھے اور اکیلے علیؑ ہی، دوسرا کوئی نہیں، پھر لکھا ہے "اسی زمانے میں امام زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی اور جیسا کہ امام سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے یہ اس فن کی پہلی تصنیف ہے۔ (صفحہ ۱۵) جب فن مغازی کی پہلی تصنیف بنی امیہ ہی کے زمانے میں لکھی گئی تو اس میں حضرت علیؑ کا نام تلاش کرنا بھی بیکار ہوگا پھر لکھا ہے "امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلماء تھے فقہ اور حدیث میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں، انہوں نے حدیث و روایت کے حاصل کرنے میں یہ محنتیں اٹھائیں کہ مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر پر جاتے جوان بڈھے، عورت مرد جو مل جاتا یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے جا کر آنحضرتؐ کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلمبند کرتے وہ نسبا قریشی تھے ۵۰ھ میں پیدا ہوئے بہت سے صحابہ کو دیکھا تھا ۸۰ھ میں عبدالملک بن مروان کے دربار میں گئے اس نے بہت قدر و منزلت کی کتاب المغازی غالبا حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہدایت کے موافق لکھی یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوف سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے اور مقربین خاص میں داخل تھے ہشام بن عبدالملک نے اپنے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔ (صفحہ ۱۵) جب امام زہری بنی امیہ کے بادشاہوں اور دربار سے تعلق رکھتے تھے تو ان کی کتاب میں بھی حضرت علیؑ کا نام آنا تقریبا محال تھا، انہوں نے یہ محنتیں اٹھائیں کہ مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر پر جاتے اور اقوال رسول قلمبند کرتے، مگر خاص رسولؐ کے گھر جو جوان، بڈھے عورت مرد ان سے رسول اللہؐ کے کل اقوال اور حالات پوچھنے کی اور قلمبند کرنے کی ہمت نہ ہوئی، اگر آزادی دل سے چاہتے کہ اس حضرتؐ کے اقوال اور حالات صحیح صحیح قلمبند کرے جائیں تو ان کو نہ کہیں جانے کی ضرورت ہوتی نہ یہ محنتیں اٹھانے کی نوبت آتی، صرف امام زین العابدینؑ اور حضرت کے

صاحبزادے امام محمد باقر کافی ہوتے اور آنحضرتؐ کے اصلی اقوال اور حالات سے زہری کے علمی ذخیروں کو مالا مال کر دیتے لیکن اس وقت اسلامی ملکوں کی ہوا تک زہر آلود ہو گئی تھی خاندان رسول کا نام سننا تک گوارا نہیں تھا تو کوئی شخص ان حضرات سے ملتا کیوں کر؟ اور ان کی حدیثیں کس عقل سے لیتا؟ اور ان کو اپنی کتابوں میں کس طرح درج کرتا؟ پھر زہری کی کتاب مغازی میں بھی حضرت علیؑ کی مدح کا کوئی جملہ تک ملنا تقریباً غیر ممکن تھا باوجود اس کے حضرت کے حالات اس طرح چمک رہے ہیں جس طرح آفتاب صبح سے شام تک اپنی روشنائی پھیلائے رہتا ہے پھر لکھا ہے "زہری کے تلامذہ سے دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی اور یہی دو شخص ہیں جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے موسی بن عقبہ اور محمد بن اسحاق' (صفحہ ۱۶) اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ زہری نے اپنی کتابوں میں لکھا اور اپنی روایتوں میں بیان کیا ان میں اپنا خلیفہ اور قائم مقام انہیں دونوں شخصوں کو چھوڑ گئے تو نتیجہ یہ نکلا کہ موسی بن عقبہ اور محمد بن اسحٰق نے جو کچھ لکھا ہوگا یہ سب امام زہری کی تعلیم اور استادی کا ذخیرہ ہوگا اور امام زہری نے جو لکھا یا کہا یہ سب خلیفہ عبدالملک وغیرہ خلفاء بنی امیہ کی رضامندی، خوشامد، چاپلوسی، درباداری کے خزانے تھے مختصر یہ کہ موسی بن عقبہ اور محمد بن اسحاق کی کتابوں میں بھی حضرت علیؑ کی کسی فضیلت کا ملنا گویا خلفاء بنی امیہ کے زبان سے اس کا ادا ہونا ہے اور جب خلفاء بنی امیہ ایک حرف بھی حضرت علیؑ کے موافق نہ لکھ نہ بول سکتے تھے تو امام زہری یا ان کے شاگردوں کو بھی حضرت علیؑ کی فضیلت کی حدیث ملی ہی نہیں ہوگی۔ پھر یہ لوگ اپنی کتابوں میں درج کیا کرتے؟ یا اپنے شاگردوں سے بیان کس طرح کر سکتے؟ باوجود اس کے آج یورپ، افریقہ، ایشاء، اور امریکہ کے انگریزی، جرمنی، فرنچ، اٹالین اور عبرانی کتب خانے بھی حضرتؑ کے فضائل والی کتابوں سے چھلک رہے ہیں، کوئی سیاح جائے اور ہر مقام پر تلاش کرے کہ جن کتابوں میں حضرت علیؑ کی فضیلت نہیں ہے وہ کتنی ہیں اور جن کتابوں میں حضرت علیؑ کے عقل کو حیران کرنے والے فضائل و کمالات بھرے ہوئے ہیں ان کی تعداد کس قدر ہے تو غالباً اس کی رپورٹ یہی ہوگی کہ جن کتابوں میں حضرت علیؑ کے فضائل نہیں ہیں ان کی تعداد ایک فیصدی سے بھی بہت کم ہے اور جن کتابوں میں حضرت علیؑ کے فضائل موجود ہیں ان کی تعداد ۹۹ فیصدی سے بہت زیادہ ہے، خدا کا انکار کرنے والوں خدا کی قدرت پر تعجب کرنے والو! بتاؤ اگر خدا نہیں ہے تو کس قدرت نے حضرت علیؑ کی عداوتوں اور اتنی شدید مخالفتوں کے بعد بھی حضرتؑ کے فضائل اس طرح گھر گھر پہنچا دئے کہ مسلمانوں کے اہل علم حضرات کا کیا ذکر ہے عیسائیوں، یہودیوں اور لامذہبوں کی کتابیں ہی نہیں، بلکہ ان کے مدرسے، ان کے اسکولس، ان کے کالج، ان کی یونیورسیٹیاں، ان کے مطابع ان کی عبادت گاہیں ان کے کتب خانے اور ان کے عجائب خانے حضرت کے فضائل و کمالات اور ان اسلامی احسانات سے بھرے ہوئے دکھائی دیتے اور تبلیغ حق کا فرض ادا کر رہے ہیں، پھر

لکھا ہے "موسیٰ کی کتاب آج موجود نہیں لیکن ایک مدت تک شائع وذائع رہی اور سیرت کی تمام قدیم کتابوں میں کثرت سے اس کے حوالے آتے ہیں (صفحہ ۱۶) جب موسیٰ کی کتاب مدت تک شائع رہی تو اس زمانے کے سب لوگوں کے دماغ میں اسی کتاب کی حدیثیں اور مضامین بھرے ہوں گے جو موسیٰ کو امام زہری سے ملے تھے یعنی سلاطین بنی امیہ کی رضا جوئی، ہوا خوری اور خوشامد کی روایتیں، "بس اور کچھ نہیں تو ان روایتوں میں حضرت علیؑ کے فضائل کا ملنا گویا عنقا کا ملنا رہا ہوگا باوجود اس کے کہ کس ذات نے اپنی مخفی طاقت سے حضرت علیؑ کے کم از کم وہی فضائل پھیلا دئے جو آج استیعاب، اسد الغابہ، اصابہ، طبقات ابن سعید، ازالۃ الخفاء، ارجح المطالب، مدارج النبوۃ، نور الابصار، وسیلۃ النجات، فصول مہمہ، روائح المصطفیٰ، مشکوٰۃ، تذکرۃ خواص الائمہ، تیسیر الوصول، جمع الجوامع، کنز العمال وغیرہ کے ہزاروں صفحات پر ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں؟ پھر لکھا ہے "محمد بن اسحاق نے فن مغازی میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی وہ امام فن مغازی کے نام سے مشہور ہیں محمد بن اسحاق کی کتاب کثرت سے پھیلی اور بڑے بڑے مشہور محدثوں نے اس کے نسخے مرتب کئے، اسی کتاب کو ابن ہشام نے زیادہ تنقیح اور اضافہ کر کے مرتب کیا جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے چونکہ اصل کتاب آج کم ملتی ہے اس لئے آج اس کی جو یادگار ہے وہ یہی ابن ہشام کی کتاب ہے۔ (صفحہ ۱۷) دوسرے الفاظ میں یہ کہے کہ آج جو مشہور کتاب سیرت ابن ہشام ملتی ہے چھپ گئی ہے اس کی شرح بھی چھپ گئی ہے یہ ابن اسحاق ہی کی سیرت زیادہ تنقیح اور اضافہ کر کے مرتب ہوئی ہے اور ابن اسحاق کی سیرت اس کے استاد علامہ زہری کے ایک ایک لفظ کا آئینہ ہے جو خلفاء بنی امیہ کے زہر آلود خیالات، اعتقادات، آراء اور مسموعات کا فوٹو ہے اس سلسلے میں سیرۃ ابن ہشام میں بھی جو کچھ درج ہوتا وہ در حقیقت خلفاء بنی امیہ ہی کی تعلیمات کا مجموعہ ہوتا مگر اس سیرت ابن ہشام میں بھی حضرت علیؑ کے فضائل باوجود اس درجہ کتمان واخفاء کے اس کثرت سے بھرے ہوئے ہیں کہ اگر دنیا بھر کی دوسری کتابیں بالفرض مفقود ہو جائیں دوسری کوئی کتاب پردۂ دنیا پر نہ رہے کسی فن کی کوئی کتاب ملے ہی نہیں جب بھی صرف یہی سیرۃ ابن ہشام، دنیا والوں کے بتانے کو کافی ہے کہ اسلام صرف دو بزرگوں کے احسانوں سے دنیا میں قائم ہو سکا اور زندہ رہ سکا ایک حضرت محمد مصطفیٰؐ اور دوسرے حضرت نبیؐ کے بھائی، حضرتؐ ہی کے نفس حضرت علی مرتضیٰ تیسرا کوئی نہیں، پھر اس کو خدائے تبارک کا انتظام نہ کہا جائے تو کیا سمجھا جائے؟ اس کو رب قدیر کی طاقت کا نمونہ نہ خیال کیا جائے تو کیا کہا جائے؟ اور اگر یہ حضرت علیؑ کا زندہ معجزہ نہیں ہے تو اس کا اور کیا نام ہو سکتا ہے؟ پھر لکھا ہے "ابن ہشام کا نام عبد الملک ہے وہ نہایت ثقہ اور نامور محدث اور مورخ تھے ۲۱۳ھ میں وفات پائی۔ (صفحہ ۱۷) اتنی قدیم کتاب میں بھی جو بنی امیہ کے بادشاہوں سے بہت قریب زمانے میں لکھی گئی حضرت علیؑ کے اتنے فضائل کیوں کر جمع ہو گئے، کوئی عقل اس گتھی کو حل کر سکتی ہے

؟ آگے چل کر لکھا ہے یہ قدما کی تصنیفات تھیں، مابعد کی تصنیفات کا ہم ایک مختصر نقشہ ذیل میں درج کرتے ہیں یہ تصنیفات قدیم تصنیفات اور احادیث کی کتابوں سے ماخوذ ہیں، اس نقشہ میں ان کتابوں کا ذکر ہے جو قدماء کی تصنیفات کے متعلق شرح کے طور پر لکھ گئی ہیں (صفحہ ۱۶) اس سے ثابت ہوا کہ اس زمانے میں حدیث، تاریخ، تفسیر، رجال وغیرہ کی جو کتابیں موجود اور اہل علم کے استعمال میں ہیں یہ سب کی سب قدماء کی تصنیف اور احادیث کی کتابوں سے موخوذ ہیں، جب یہ سب قدیم کتابوں سے ماخوذ ہوئیں اور قدیم کتابیں معاویہ، عبدالملک، ہشام بن عبدالملک وغیرہ کے زیر اثر لکھی گئیں جو حضرت علیؑ کا نام سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے جو حضرت علیؑ کی ایک فضیلت لکھنے پر قتل ہی کا حکم جاری کر دیتے، جو حضرت علیؑ کا ذکر کرنے پر دنیا کی زندگی ہی تنگ کر دیتے تو اس زمانہ کی کتابوں میں حضرت علیؑ کے اس کثرت سے فضائل کا موجود ہونا کس کی قدرت کا نتیجہ سمجھا جائے؟ پھر آپ کے اس انجام کو آپ کا اعجاز نہ کہا جائے تو کیا سمجھا جائے؟ قرآن مجید کی تو حفاظت کا پورا اہتمام کیا گیا اس وجہ سے اہل اسلام اس کے اعجاز پر فخر کر رہے ہیں مگر حضرت علیؑ کا تو نام تک مٹا دینے کیلئے سلطنت کی پوری طاقت صرف ہوتی رہی، بادشاہت کی کل قوت خرچ ہوتی رہی، حکومت کا سب زور کام کرتا رہا خزانوں کے دروازے اس غرض کے لئے کھول دیئے گئے اور تلواروں کے وار، مکانوں کے انہدام، جائدادوں کی تباہی، خونریزی کے انعام ایسے مہیب انجام دکھائے جا رہے تھے پھر بھی اس نور خدا کو کون ذات تمام کرنے پر تلی رہی اور آج تک تلی ہوئی ہے **واللہ علی کل شئی قدیر**، اسی کو خدا نے فرمایا اور خوب فرمایا ہے کہ **مکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین**، خدا اور رسولؐ کے دشمن مکر کرتے اور خدا بھی مکر کرتا رہا تو خدا سب سے اچھا مکر کرنے والا رہا۔

ضروری نکتہ

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی کی مذکورہ بالا عبارتوں سے جو انہوں نے حضرات اہلسنت کی معتبر ترین کتابوں سے لکھی ہیں یہ نتیجہ واضح طریقہ سے نکلتا ہے کہ بنی امیہ نے لوگوں کو مجبور کر کے ان سے تصنیفیں لکھوائیں، اور سب سے پہلے معاویہ نے تاریخ کی کتاب مرتب کرائی تو جو کتابیں معاویہ کے حکم اور بنو امیہ کے زور حکومت سے لکھی گئیں ان میں معاویہ کی مدح کس درجہ ہوگی؟ بنو امیہ کے مناقب کس قدر درج کئے گئے ہوں گے؟ اور خلیفہ اول و دوم و سوم کے فضائل کس کثرت سے بھرے گئے ہوں گے یہ باتیں محتاج توضیح نہیں اس لئے کہ معاویہ کی خلافت موقوف تھی حضرت عثمان کی خلافت پر اور وہ موقوف تھی حضرت عمر کی خلافت پر اور وہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر، تو جو کتابیں معاویہ نے لکھوائی ہوں گی ان میں یہ ممکن بلکہ واقع ہے کہ مصنفین نے خوشامد یا مال و دولت کی طمع یا جائداد و حکومت کی لالچ میں ان لوگوں کے بے حد و حساب فضائل بھر دئے ہوں

لیکن یہ تقریباً محال تھا کہ قدیم مصنفین حضرت علیؑ کے فضائل میں کچھ بھی لکھ سکتے، اگر وہ بیچارے اس قسم کا ارادہ کرتے بھی تو ان کی زبان گدی سے کھینچ لی جاتی یا وہ قتل ہی کر دیئے جاتے غرض بنو امیہ کے زمانے میں کس کی مجال تھی کہ ان لوگوں کی خواہش کے خلاف کوئی بات زبان سے نکالتا یا ان کے خلاف صریحی کوئی مضمون یا روایت اپنی کتاب میں لکھتا اور صرف اپنے ہی کو نہیں بلکہ خاندان بھر کو ہلاکت میں ڈال دیتا، یہی مولوی شبلی صاحب اپنی کتاب میں لکھ چکے ہیں ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتداء ہوئی، خود صحابہ کے عہد میں اہل بدعت نے سیکڑوں ہزاروں حدیثیں ایجاد کر لی تھیں، زبانی روایت سے گزر کر تحریروں میں جعل شروع ہو گیا تھا لوگوں کو وضع حدیث کی زیادہ جرأت اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اس وقت تک اسناد روایت کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا قلیبوں کا سلسلہ برابر جاری رہا، بنو امیہ کا دور شروع ہوا اور بڑے زور شور سے حدیث نے ترویج پائی، روایتوں میں اس قدر بے احتیاطیاں ہوئیں کہ موضوعات اور اغلوطہ کا ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا یہاں تک کہ امام بخاری نے اپنے زمانے میں صحیح حدیثوں کو جدا کرنا چاہا تو چھ لاکھ میں سے انتخاب کر کے جامع صحیح لکھی جس میں کل ۷۳۹۷ حدیثیں ہیں اس میں بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائیں تو صرف ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں سیکڑوں، ہزاروں، لاکھوں حدیثیں دانستہ لوگوں نے وضع کر لیں، احمد بن زید کا بیان ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ نے وضع کر لیں، عبدالکریم وضاع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثیں اس کی موضوعات سے ہیں (سیرۃ النعمان صفحہ ۱۶۰) یہ سب حدیثیں خلفاء ثلاثہ اور خلفاء بنی امیہ ہی کی مدح اور خوشی کی ہو سکتی ہیں کیوں کہ ان پر بڑے بڑے انعامات ملتے تھے، بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں، بڑے بڑے عہدے حاصل ہوتے تھے، برخلاف اس کے حضرت علیؑ کا نام لینے پر قتل کی سزا دی جاتی تھی تو کس کے لئے ممکن تھا کہ حضرتؑ کی شان کی کوئی حدیث بھی بیان کر سکے؟ پھر مولوی صاحب نے لکھا ہے "وضع کے بعد غلط فہمیاں، بے احتیاطیوں کا دور تھا جس کی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول اللہ کی طرف بے قصد منسوب ہو گئے، غرض امام ابوحنیفہ کے زمانے میں (۱۳۰ھ سے ۱۵۰ھ تک) احادیث کا جو دفتر تیار ہو چکا تھا ہزاروں موضوعات اغلاط، مدرجات سے بھرا ہوا تھا امام مالک نے اول جب موطا لکھی تو اس میں دس ہزار حدیثیں تھیں، پھر زیادہ تحقیق کرتے گئے تو یہ تعداد کم ہوتی گئی یہاں تک کہ صرف سات سو رہ گئیں۔

(سیرۃ النعمان صفحہ ۱۷۰)

مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح ہوا کہ احادیث کی ایجاد اور وضع میں کس قدر وسعت سے کام لیا گیا خاص کر خلفاء ثلاثہ و خلفاء بنی امیہ کے فضائل میں زیادہ کوشش کی گئی جس کے حسب ذیل اولہ ہیں:

(۱) مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے علامہ ابن تیمیہ حاکم کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں کہ حاکم کا اس قسم کی حدیثوں کو صحیح

کہنا ائمہ حدیث نے اس بناء پر انکار کیا اور کہا ہے کہ حاکم بہت سی جھوٹی اور موضوع حدیثوں کو صحیح کہتے ہیں، اسی طرح حاکم کی مستدرک میں بہت سی حدیثیں ہیں جن کو حاکم نے صحیح کہا ہے حالاں کہ وہ ائمہ حدیث کے نزدیک موضوع ہیں، ابوالشیخ اصفہانی کی کتاب میں بہت سی حدیثیں ضعیف اور موضوع اور مہمل ہیں اور اسی طرح وہ حدیثیں جو صحابہ کے فضائل میں روایت کرتے ہیں وہ حدیثیں جو ابونعیم اصفہانی نے ایک مستقل کتاب میں خلفاء کے فضائل میں روایت کی میں یہ لوگ خلفاء اور صحابہ کے فضائل میں ضعیف حدیثیں بے تکلف روایت کرتے تھے۔ (سیرۃ النبی جلد ۱ رصفحہ ۳۹)

یہ سب تفصیل انہیں حدیثوں کی ہے جو خلفاء اور بنو امیہ کے فضائل میں بالکل غلط جھوٹ، خلاف توقع گڑھی گئیں، ایجاد کی گئیں، بنائی گئیں اور وضع کی گئیں تا کہ خلفاء بنی امیہ خوش ہوں اور دنیوی ترقی بیحد وانتہا حاصل ہوتی رہے، اس کے مقابلے میں حضرت علیؑ کی فضیلت میں کوئی حدیث غلط اور موضوع ہو ہی نہیں سکتی کیوں کہ کوئی حکومت اور بادشاہت اس کام کے لئے تھی ہی نہیں، تو حدیثیں بنتیں کیوں کر اور وضع ہوتیں کس طرح؟ حضرتؑ کے فضائل کی اصلی صحیح اور واقعی حدیثیں تو کوئی زبان سے نکال نہیں سکتا تھا پھر موضوع کا تو وہم بھی نہیں کرنا چاہیے، مولوی شبلی صاحب نے پھر لکھا ہے ”فضائل ومناقب کے متعلق جس قسم کی مبالغہ آمیز روایتیں بیہقی، ابونعیم، بزار، طبرانی وغیرہ میں پائی جاتی ہیں بخاری اور مسلم میں ان کا پتہ نہیں لگتا بلکہ اس قسم کی حدیثیں جو نسائی، ابن ماجہ، ترمذی وغیرہ میں پائی جاتی ہیں، صحیحین میں وہ بھی مذکور نہیں، سیرت پر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں کثرت سے کمزور روایتیں درج ہوگئیں اور اسی بناء پر محدثین کو کہنا پڑا کہ سیر میں ہر قسم کی روایتیں ہوتی ہیں۔
(سیرۃ النبی جلد ۱ رصفحہ ۴۰)

خلفاء ثلاثہ اور خلفاء بنو امیہ کے فضائل میں موضوع حدیثوں کی وجہ،

موصوف نے کسی مصلحت سے اصلی راز کو نہیں کھولا کہ کیوں خلفاء ثلاثہ وخلفاء بنو امیہ کے فضائل ومناقب میں اس کثرت سے حدیثیں وضع کی گئیں، ہر فعل کی کسی علت کا ہونا ضروری ہے، خلفاء ثلاثہ و بنو امیہ کے فضائل میں احادیث موضوعہ (غلط، جھوٹ، بنائی ہوئی اور جعل وفریب کی ہوئی حدیثوں) کی بھرمار ہونے کا بھی کوئی نہ کوئی سبب ضروری ہے، آؤ اس کا پتہ لگایا جائے، حضرات اہلسنت کے عالم جلیل اور محقق نبیل جناب محمد بن عقیل بن عبد اللہ نے لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ہر مسلمان اس کے ایک ایک لفظ کو پڑھے، اس پر غور کرے، اسی پر اپنی عقل سے کام لے اور فیصلہ کرے کہ کیا حضرت علیؑ کے فضائل میں (اگر خدا اپنی غیبی طاقت نہیں استعمال کرتا تو) ایک لفظ کا ملنا بھی ممکن تھا؟ وہ ترجمہ یہ ہے جس سال ۴۱ ھ میں معاویہ نے حضرت امام حسنؑ سے صلح کرلی اس کے بعد ہی اس نے دنیائے اسلام کے ہر گورنر، والی اور ہر حاکم کو یہ پُر ہیبت اور خطرناک فرمان لکھ کر

روانہ کیا کہ جو شخص بھی ابوتراب (حضرت علیؑ) اور ان کے اہلبیتؑ کی فضیلت میں کوئی حدیث روایت یا کوئی خوبی بیان کرے گا اس سے حکومت بری الذمہ ہو جائے گی، اور سلطنت اس کے کسی نقصان کی پروا نہیں کر سکتی، اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شہر اور دیہات میں بلکہ ہر منبر پر خطبہ دینے اور وعظ کہنے والے کھڑے ہو کر حضرت علیؑ پر لعنت کی بوچھاڑ اور حضرتؑ سے تبرا کرنے لگے اور حضرتؑ کے اہلبیت کو برا کہنے اور ان حضرتؑ کی ملامت کرنے میں مشغول ہو گئے اس مصیبت میں اس وقت سب سے زیادہ بیچارے کوفہ والے مبتلاء ہوئے کیونکہ اس زمانے میں وہاں حضرت علیؑ کے شیعہ بہت تھے اسی سبب سے معاویہ نے ان لوگوں پر زیاد بن سمیہ کو مسلط کر دیا اور اس کو کوفہ و بصرہ دونوں مقام کی گورنری دے دی زیاد شیعوں کو خوب پہچانتا تھا کیونکہ حضرت علیؑ کی ظاہری خلافت کے زمانہ میں خود بھی شیعہ ہی تھا، اس نے ایک ایک شیعہ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گرفتار کیا اور کسی مکان یا کسی جھونپڑے یا کسی پتھر تک میں جو شیعہ بھی ملا گیا اس کو اس نے قتل کر کے چھوڑا اور جنہیں زندہ رکھا ان کو دھمکیاں دیں ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے، ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں اور ان کو درختوں کی شاخوں پر سولی دے دی، ان کو عراق سے نکال دیا، ان کو ان کے گھروں میں آوارہ وطن کر دیا یہاں تک کہ شیعوں کا کوئی جانا پہچانا شخص عراق میں نہیں بچا، اور معاویہ نے دنیائے اسلام کے کل والیوں کے نام یہ فرمان بھی جاری کیا کہ حضرت علیؑ کے کسی شیعہ کی گواہی قبول کریں اور اپنے ماتحت لوگوں کے نام یہ فرمان بھی لکھ بھیجا کہ دیکھو تم لوگوں کی طرف حضرت عثمان کا عقیدہ ماننے والے، ان کو دوست رکھنے والے، اور ان کی ولایت کا اقرار کرنے والے جو لوگ ایسے ہوں جو ان کے فضائل و مناقب لوگوں سے بیان کرتے رہتے ہیں ان سب کی بڑی عزت کرو، ان کو اپنے دربار میں خاص جگہ دو ان کو مقرب بارگاہ بناؤ ان کے اکرام و احترام میں اہتمام کرو، ان کی عزت افزائی میں مبالغے کام لو اور جو شخص حضرت عثمان کے فضائل میں کوئی بات بھی بیان کرے اس کی ولدیت اور اس کا اور اس کے باپ کا اور اس کے دادا اس کی قوم و قبیلہ کا نام میرے پاس لکھ بھیجو چنانچہ جس جس والی کے پاس یہ فرمان پہنچا سب نے اس حکم کی تعمیل کی یہاں تک کہ حضرت عثمان کے فضائل و مناقب کا ڈھیر لگ گیا کیونکہ جو لوگ ان کی فضیلت میں کوئی روایت یا حدیث بھی لکھ کر بھیج دیتے تھے ان کو معاویہ کی طرف سے بڑے بڑے جاتے، خلعتیں، بخششیں اور جاگیروں کے پروانے انعام میں پہنچ جاتے تھے اور عرب و عجم سب ہی ان نعمتوں اور بے حساب دولتوں سے فیضیاب ہوتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ہر گھر میں اس کی کثرت ہو گئی اور لوگوں نے حدیثیں بنانے رسولؐ پر جعل و فریب کرنے کے ذریعہ سے دنیا حاصل کرنے اور اپنی منزلت بڑھانے میں بڑی جدوجہد کی، یہاں تک نوبت پہنچی کہ جو شخص بھی معاویہ کے کسی عامل کو پاتا اور اس سے حضرت عثمان کی فضیلت یا منقبت میں کوئی بات بیان کر دیتا تو فوراً وہ عامل اس شخص کا نام لکھ لیتا اس کو مقرب بارگاہ بنا لیتا اور معاویہ کے ہاں

اس کی سفارش لکھ بھیجتا اسی طرح ایک مدت دراز تک ہوتا رہا۔ ان سب انتظامات میں کامیاب ہونے کے بعد معاویہ نے اپنے عاملوں کو لکھ بھیجا کہ حضرت عثمان کے فضائل میں حدیثیں بہت زیادہ ہوگئیں اور ہر شہر ہر دیہات میں پھیل گئیں، اب ان کی ضرورت نہیں ہے بلکہ میرا یہ خط پانے کے بعد تم سب لوگوں کو بلا کر تاکید کرو کہ اب صحابہ اور خلیفہ اول و دوم کے فضائل میں حدیثیں بیان کریں اصول یہ رہے کہ ابوتراب (حضرت علیؑ) کی فضیلت میں جو لوگ حدیثیں بیان کرتے ہیں ویسی ہی اور انہیں کے مقابلے کی حدیثیں لوگ اب صحابہ کے لئے پیش کریں اس کی پوری کوشش کرو کہ حضرت علیؑ کے بارے میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں ویسی ہی بہت حدیثیں صحابہ کے لئے بھی ضرور بنائی جائیں، علیؑ کی فضیلیت کی کوئی حدیث چھوٹنے نہ پائے جس کے ایسی صحابہ کے لئے بھی نہ بنادی جائے کیونکہ یہ تدبیر مجھے بہت پسند، میرے لئے نہایت درجہ موجب اطمینان و باعث مسرت ہے اور بوتراب اور ان کے شیعوں کی حجت باطل کرنے کی بہترین صورت ہے اور خلیفہ اول و دوم کی فضیلت میں حدیثوں کا انبار لگ جانا شیعوں کے لئے حضرت عثمان کے فضائل کی حدیثوں سے بھی زیادہ ناگوار اور گراں ہوگا، ان سب انتظاموں کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاویہ کے یہ سب فرمان عام طور پر ہر جگہ کے مسلمانوں کے سامنے پڑھے اور سب مردوں عورتوں کو سنائے جاتے رہے جس پر نہایت کثرت سے ایسے جعلی، جھوٹی اور بالکل غلط حدیثیں صحابہ رسولؐ کے فضائل میں گڑھ دی گئیں جن کی کوئی بھی اصلیت نہیں تھی اور نہ ہی اور لوگوں نے ان موضوع حدیثوں اور ڈھالی ہوئی روایتوں اور ان کے مثل دوسری چیزوں کے بیان کرنے اور ہر شخص سے روایت کرنے میں بڑا اہتمام اور پوری جدوجہد کی، یہاں تک کہ لوگوں نے ان بنائی ہوئی جھوٹی اور ڈھالی ہوئی بالکل بے اصل حدیثوں کو منبروں پر بھی بیٹھ کر پڑھنا اور لوگوں کو سنانا شروع کیا اور مکتبوں میں بچوں کے پڑھانے والے معلموں اور مدرسوں میں تعلیم دینے والے استادوں کو وہ بھی بنائی اور ڈھالی ہوئی حدیثیں دیدی گئیں تو ان سب لوگوں نے ان بنائی ہوئی بالکل جھوٹی اور محض غلط حدیثوں کی تعلیم چھوٹے بچوں کو بھی دیدی تو اس طرح نئی نسل کے سارے دماغوں میں بھی ان جعل وفریب کی کارروائیوں کا بہت زیادہ حصہ بھر دیا گیا، یہاں تک کہ عام طور پر لوگوں نے ان بنائی ہوئی حدیثوں کو بھی اسی طرح لوگوں سے بیان کرنا اور خود پڑھنا اور یاد کرنا شروع کیا جس طرح قرآن مجید کو پڑھتے اور پڑھاتے تھے (گویا قرآن مجید اور جھوٹی فریبی بنائی ہوئی حدیثیں ایک درجہ کی مان لی گئیں) ان جعلی حدیثوں کی تعلیم لوگوں نے (اپنے ہی تک محدود نہیں رکھی بلکہ) اپنی لڑکیوں، بیویوں، خدمتگاروں اور مصاحبوں میں اچھی طرح پھیلادی۔

جب اس حالت کو بھی ایک مدت گزرگئی اور لوگوں کے دماغوں میں یہ بنائی ہوئی حدیثیں اچھی طرح ذہن نشین ہوگئیں تب معاویہ نے ہر شہر میں یہ فرمان بھیجے کہ اب پتہ لگاؤ جس شخص کے متعلق کوئی شخص (سچی یا جھوٹی محض غلط بالکل اتہام کر کے

اور بہتان لگا کر بھی) گواہی دے کہ وہ علیؑ اور ان کے اہلبیتؑ کو دوست رکھتا ہے اس کا نام حکومت کے دفتر سے مٹا دو (یعنی گویا کہ وہ دنیا میں موجود ہی نہیں ہے) اور اس کو بطور بخشش یا بغرض مدد معاش جو کچھ بھی ملتا ہے اسے بالکل بند کر دو، اس کے ساتھ دوسرا فرمان اس مضمون کا بھی تھا کہ جس شخص پر اس بات کی تہمت بھی لگا دی جائے کہ ان لوگوں (یعنی حضرت علیؑ اور ان کے اہلبیتؑ) سے محبت رکھتا ہے اس کو پوری سزا دو اور اس کا گھر تک ڈھا دو، مسمار کر دو ان فرمانوں کی تعمیل میں سب سے زیادہ آفت عراق والوں اور خاص کر کوفہ کے لوگوں پر نازل ہوئی۔ ان بیچاروں (اس وقت معاویہ کی زندگی میں کوفہ کے جو شیعہ باشندے تھے ان) کی حالت (خوف، وحشت، تردد، پریشانی اور گھبراہٹ سے) یہاں تک پہنچ گئی کہ اگر کسی شیعہ کے پاس اس کا کوئی نہایت سچا، قابل اعتبار اور وفادار دوست بھی ملاقات کی غرض سے جاتا تو وہ دوسرے لوگوں کے ڈر سے اپنے اس دوست سے باہر ملاقات بھی نہیں کر سکتا تھا بلکہ اس کو کسی بند کمرے یا کوٹھری میں لے جاتا اور وہاں تنہائی میں اس سے اپنی مصیبت وغیرہ کا حال بیان کرتا اس خوف سے کہ کہیں اس کا اپنا نوکر یا غلام بھی ان باتوں کو سن لے اور جا کر معاویہ والوں کو اس کی خبر نہ کر دے۔ اور وہ اپنے اس بے حد معتبر اور مخلص دوست سے بھی اپنا اصلی حال اس وقت تک بیان نہیں کر سکتا تھا جب تک اس سے بڑی سخت قسمیں نہ کھلوا لیتا کہ وہ ان باتوں کو اپنے ہی تک رکھے گا اور کسی پر بھی ظاہر نہیں ہونے دے گا۔ غرض ان بادشاہی انتظاموں، حکومتی تدبیروں، سلطنتی اہتماموں، حاکمانہ سختیوں، فوجی حملوں اور جابرانہ تشددوں سے یہ حالت ہو گئی کہ نہایت کثرت سے موضوع حدیثیں ہر طرف پھیل گئیں، بے بنیاد روایتوں کا عام چرچا ہو گیا اور جعل و فریب بلکہ افتراء، بہتان تک کی خبریں ملک بھر میں منتشر ہو گئیں، اس وبا میں بڑے بڑے فقہاء، قاضی، عالم، وزراء اور والی تک مبتلا ہو گئے، مگر اس مصیبت میں سب سے زیادہ وہ لوگ پھنس گئے جو لوگوں کے دکھانے اور اپنے تقدس کا سکہ جمانے کیلئے قرآن مجید کے قاری اور مذہبی علوم کے عالم بنے ہوئے تھے اور ایمان کے وہ کچے لوگ بھی تھے جو عوام پر اپنے خشوع و خضوع، زہد و ورع اور تقدس، پارسائی کا رنگ جمانا چاہتے تھے کہ وہ بھی نئی حدیثیں بنا کر اور اپنے دل سے جھوٹی روایتیں گھڑ کر اپنے حاکموں کے پاس سرخروئی حاصل کرتے اور ان کے درباروں میں اپنی عزت و وقار بڑھاتے اور اس فن حدیث سازی و روایت بازی کے ذریعہ سے بے حساب مال و متاع اور جاگیریں نیز جائدادیں پیدا کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ انہیں دنیا پرست عالموں، زاہدوں اور بندۂ زر و مال مذہبی پیشواؤں کے ذریعہ سے ان کی ڈھالی ہوئی اور من گھڑت حدیثیں اور بنائی ہوئی جھوٹی بے بنیاد روایتیں ان ایماندار اور واقعی پابند دین و مذہب لوگوں تک میں پھیل گئیں جو جھوٹ فریب اور بہتان کو جائز نہیں سمجھتے تھے، اس طرح ان لوگوں نے بھی اپنی سادہ لوحی سے ان مکار اور دھوکے باز حدیث سازوں کے فریب میں مبتلا ہو کر ان جعلی اور فرضی حدیثوں کو قبول کر لیا اور اپنی جگہ یہ گمان

کرنے لگے کہ یہ سب سچی حدیثیں ہیں حالانکہ اگر ان کو پتہ چل جاتا کہ ان وضعی حدیثوں کو روپیہ پیسہ کے لالچ، دنیوی عزت وترقی وجاہ واقتدار کی طمع اور جاگیروں، جائدادوں، عہدوں اور انعاموں کی تمنا میں ابن الوقت اور دنیا پرست لوگوں نے اپنے دل سے ڈھالا ہے اور ان کی ذرہ برابر اصلیت نہیں ہے تو وہ لوگ کبھی ان حدیثوں کی روایت نہیں کرتے اور نہ ان حدیثوں پر عمل کرنے کا کبھی نام لیتے، غرض دنیائے اسلام کی یہی حالت دن بدن ترقی کرتی گئی (اس کی ہوا تک میں یہی پروپیگنڈا پھیلتا اور یہی زہر منتشر ہوتا رہا) یہاں تک کہ حضرت امام حسنؑ کا بھی ۴۹ھ میں انتقال ہوگیا، (اور حضرتؑ اسی معاویہ کے زہر سے دنیا سے جانے پر مجبور ہوگئے) پھر کیا تھا ہر طرف فتنہ وفساد کا بازار اور زیادہ گرم ہوگیا، مذہبی مصیبتیں پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئیں، اسلام کی حالت سابق سے زیادہ خطرناک ہوتی گئی، اب تو سچے مذہب کے پابند لوگوں سے کوئی بھی نہ بچا جو اپنی جان کو ہتھیلی پر نہ لئے پھرتا ہو، یا ہر وقت اس کو اپنی ہلاکت اور اپنی زندگی کے خاتمہ کا خوف نہ رہنے لگا، یا وہ اپنی زندگی بچانے کے لئے آوارہ وطن ہو کر ہر طرف مارا مارا پھرنے لگا پھر ۶۱ھ میں جب حضرت امام حسینؑ شہید کردیے گئے اس کے بعد اور پھر مذہبی لوگوں کی حالت سقیم اور ان کی زندگی خطرناک ہوگئی خصوصاً جب عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوا تو شیعوں کے مصائب پہلے سے بھی زیادہ ترقی کر گئے، عبدالملک نے لوگوں کے اوپر حجاج بن یوسف ایسے عذاب کو حاکم بنا کر مسلط کردیا، اس کے دربار میں عابد، زاہد، مقدس اور پارسا لوگ بھی حضرت علیؑ کے دشمن ہونے اور حضرتؑ کے دشمنوں کو دوست رکھنے کا دعویٰ کر کے تقرب حاصل کرتے اور عزت کے مستحق ہوجاتے تھے بلکہ جو لوگ دعویٰ کردیتے تھے کہ وہ حضرت علیؑ کے دشمن ہیں ان کی دوستی کا اقرار کر کے بھی مسلمان اس وقت کے حاکموں کے دربار میں اپنا مرتبہ بڑھا لیتے تھے، غرض جس نے خوب ترقی کرنی چاہی اس نے یہی پیشہ اختیار کرلیا کہ حضرت علیؑ واہلبیتؑ سے خوب دشمنی کرو اور خلفاء ثلاثہ کی شان میں اچھی طرح جھوٹی جھوٹی حدیثیں بناتے رہو، اس طرح لوگوں نے صحابہ اور خلفاء ثلاثہ کی شان، ان کے فضائل، مناقب کمالات اور سوابق میں بہت کثرت سے غلط بنائی ہوئی روایتوں کا ڈھیر لگا دیا، اور حضرت علیؑ کا رتبہ کم کرتے، حضرتؑ کی شان گھٹانے، حضرتؑ کا درجہ نیچا کرنے بلکہ حضرتؑ کی مذمت، عیب، اعتراض، طعن، بدنامی، برائی، اہانت، رسوائی، اور تحقیر کے متعلق بھی اسی کثرت سے جھوٹی جعلی، اور مکاری کی حدیں بنائیں گئیں، یہاں تک تماشا ہوا کہ ایک شخص جس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ وہ اصمعی عبدالملک ابن قریب کا دادا تھا حجاج کے سامنے کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے امیر میرے بزرگوں نے مجھ پر بڑا ظلم کیا کہ میرا نام علی رکھ دیا اور میں ایک پریشان حال بھوکا، نادار فقیر شخص اور سرکاری بخشش وعطا کا محتاج ہوں، یہ سن کر حجاج ہنس پڑا اور کہا تو نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے بہت اچھا بہانہ تراشا، اچھا جا میں نے تجھ کو فلاں مقام کا تحصیلدار مقرر کردیا، اور ابن عرفہ معروف بہ نفطویہ نے بھی جو اکابر محدثین اور ان

کے اعلام سے بھی اپنی تاریخ میں اسی کے قریب مضمون لکھا ہے اور کہا ہے کہ صحابہ کے فضائل میں اکثر حدیثیں بنی امیہ ہی کے زمانہ میں وضع کی اور گھڑی گئی ہیں، اسی زمانہ کے لوگ ایسی حدیثیں بنی امیہ میں ایجاد کرتے اور ڈھالا کرتے تھے کہ ان کی وجہ سے حکومت ان کی بڑی قدر اور پوری عزت کرے گی اور وہاں ان کا رسوخ بڑھتا رہے گا کیوں کہ وہ لوگ سمجھتے تھے اس ترکیب سے خاندان بنی ہاشم کے حضرات خوب چڑھیں گے ان کی شکست ہوگی اور وہ ذلیل و خوار ہوتے رہیں گے میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحابہ اور خلفاء ثلاثہ کا ذکر خیر یا ان کے فضائل کا بیان حضرت علی کو ناگوار ہوتا ہو لیکن معاویہ اور بنی امیہ یہ سب کوششیں اسی غلط خیال سے کرتے کہ وہ سمجھتے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلفاء ثلاثہ کے مخالف اور ان کے دشمن تھے حالانکہ وہ جو گمان کرتے تھے حقیقت میں ایسا نہیں تھا، ہاں یہ ضرور تھا کہ حضرت علی اپنے کو خلفاء ثلاثہ سے افضل سمجھتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان لوگوں نے حضرت کو حضرت کی ہی کی جگہ (خلافت) سے ہٹا کر خود خلافت پر قبضہ کر رکھا ہے لیکن حضرت علی علیہ السلام اس کی وجہ سے خلفاء ثلاثہ کو فاسق کہتے تھے نہ ان پر تبرا کرتے تھے (کتاب نصائح کافیہ مطبوعہ بمبئی صفحہ ۷۰ تا ۷۲)

اور علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے لکھا ہے جس کا اردو ترجمہ ہے "عراق و شام وغیرہ ملکوں کے لوگوں کو معاویہ نے عام حکم دے دیا کہ حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دیا کریں اور ان سے تبرا کریں، اور اسلامی منبروں پر اس بات کا خطبہ بھی بیان کیا جو بنی امیہ کی سلطنت میں واجب العمل قانون بن گیا اور ضروری دستور قرار پا گیا، ابو عثمان نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ایک قوم نے معاویہ سے کہا کہ اے امیر اس شخص (حضرت علی) کو گالیاں دینے میں آپ اپنی مراد کو پہنچ گئے (بہت کچھ گالیاں دلوا دیں) اب اس سلسلہ کو موقوف کر دیجئے اور اس شخص پر لعنت کرنے سے باز رہیے (کہ کوئی ضرورت باقی نہیں رہی) معاویہ نے اس کا جواب دیا نہیں خدا کی قسم! میں اس سلسلے کو کبھی موقوف نہیں کروں گا یہاں تک کہ اس کو دیکھتے اور سنتے ہوئے بچے بوڑھے ہو جائیں اور بوڑھے لوگ پیر فرتوت کی آخری حد تک پہنچ جائیں، اور دنیا میں ایسا کوئی شخص باقی نہ رہے جو علی کی فضیلت میں ایک لفظ بھی بیان کر سکے، ابو عثمان یہ بھی بیان کرتے تھے کہ معاویہ کے کچھ ہی دنوں بعد بنی امیہ کا جو مشہور بادشاہ عبد الملک بن مروان ہوا وہ ایسا نادان نہیں تھا کہ حضرت علی کے فضائل سے ناواقف ہوتا لیکن حضرت پر لعنت اور گالیوں کا سلسلہ جاری رکھ کر اس نے چاہا کہ اپنی سلطنت کو خوب مضبوط کر دے اور حضرت علی کی عداوت میں اس کے بزرگ (معاویہ، یزید، مروان وغیرہ) جو کچھ کرتے رہے اس کی تائید کر دے اور لوگوں کے دلوں میں یہ بات راسخ اور ان کے دماغوں میں یہ امر ذہن نشین کر دے کہ خاندان بنی ہاشم کو خلافت و حکومت میں کوئی حق ہی نہیں ہے اور ان کے سردار جس پر وہ فخر کرتے اور جس کی وجہ سے وہ خلافت کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی حالت و منزلت اتنی ہی تھی کہ ہم لوگ آج ان پر لعنت کر رہے ہیں پھر جو شخص ان کی طرف منسوب اور ان کی ذات سے

وابستہ ہونے کی وجہ سے اس خلافت کا دعوی دار رہے وہ تو اور بھی اس کے استحقاق سے دور تر اور اس تک پہنچنے سے بہت زیادہ محروم رہے گا اور بنی امیہ کی طرف سے جو مشہور گورنر عراق یعنی حجاج تھا اس نے معمول کر لیا تھا کہ حضرت علیؑ پر خود بھی لعنت کرتا اور دوسروں سے بھی لعن کراتا، ایک دفعہ اس سے ایک شخص نے کہا اے امیر! میرے اہل خاندان نے مجھ پر بڑا ستم کیا کہ میرا نام علیؑ رکھ دیا، اب حضور میرا اخراب اور گندہ نام بدل کر دوسرا اچھا نام رکھ دیں اور مجھے اتنا انعام دیں جو میری ضرورتوں کے لئے کافی ہو کیوں کہ ایک نادار شخص ہوں، حجاج نے کہا واہ بھائی واہ! تم نے تو اپنی مطلب براری کے لیے اچھا حیلہ نکالا، خیر لو میں نے تمہارا وہ نام بدل کر فلاں نام رکھ دیا تم کو فلاں مقام کا حاکم بھی مقرر کر دیا وہاں چلے جاؤ، اور حضرت علیؑ کی دشمنی ظاہر کرنے کا مزہ اٹھاؤ، معاویہ نے ایک بڑا انتظام یہ بھی کیا کہ صحابہ اور تابعین کی ایک ایک جماعت کو اس بات پر مقرر کیا کہ وہ حضرت علیؑ کے بارے میں بری باتیں مذمت کی خبریں اور ذلت واہانت کی حدیثیں بیان کیا کریں، جن کی وجہ سے حضرت علیؑ اچھی طرح رسوا اور بدنام ہوتے رہیں، اور لوگ حضرت سے تبرا کیا کریں، ان باتوں کے لئے معاویہ نے بڑی بڑی رشوتیں اور انعام دینے کا انتظام کر رکھا تھا جن کی وجہ سے لوگ ایسی حدیثوں کے وضع کرنے میں ٹوٹے پڑتے اور معاویہ کی خوشامد میں سب کچھ سیاہ کا سفید اور سفید کا سیاہ کرنے پر آمادہ رہتے تھے، ان میں ابوہریرہ، عمر بن العاص، مغیرہ بن شعبہ وغیرہ صحابہ اور عروہ بن زبیر وغیرہ تابعین خاص کر قابل ذکر ہیں، ایک دفعہ معاویہ نے سمرہ بن جندب سے کہا کہ تم کو ایک لاکھ درہم دیتا ہوں تم صرف اتنا کر دو کہ لوگوں سے برابر بیان کرتے رہو کہ قرآن مجید کی یہ آیت:

ومن الناس من یعجبك قوله فی الحیوة الدنیا ویشهد الله علی ما فی قلبه وهو الدّ الخصام وذا تولّٰی سعی فی الأرض لیفسد فیها ویهلك الحرث والنسل والله لا یحب الفساد۔ (پارہ ۲، سورہ بقرہ، رکوع ۸)

اے رسولؐ منافقین سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کی چکنی چپڑی باتوں سے اس دنیوی زندگی میں تم بہت خوش ہوتے رہتے ہو اور وہ اپنی دلی محبت پر خدا کو گواہ بھی مقرر کرتے ہیں حالانکہ وہ تمہارے دشمنوں میں سب سے زیادہ جھگڑالو ہیں اور جب وہ حاکم ہوں گے تو زمین میں کوشش کریں گے کہ اس میں خوب فساد پھیلاتے رہیں اور زراعت اور مویشی کو تباہ کریں اور خدا تو فساد کو اچھا نہیں سمجھتا۔

حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی تھی اور یہ دوسری آیت:

ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد۔ (پارہ ۲ رکوع ۹)

اور لوگوں میں سے خدا کے بندے کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور خدا ایسے بندوں پر بڑی ہی شفقت والا ہے۔

ابن ملجم کی شان میں نازل ہوئی تھی*۔ مگر سمرہ بن جندب نے اس کو منظور نہیں کیا تب معاویہ نے کہا دو لاکھ دیتا ہوں، اس پر بھی سمرہ بن جندب نے انکار کیا تب معاویہ نے کہا چار لاکھ درہم لے لو مگر اس مضمون کی روایت ضرور کر دو، آخر سمرہ بن جندب نے قبول کر لیا اور اس بات کی حدیث بنا کر گڑھ کر اور وضع کر کے روایت کر دی، یہ بھی صحیح واقعہ ہے کہ بنو امیہ نے لوگوں کو حضرت علیؑ کے فضائل زبان تک پر لانے سے نہایت سختی کے ساتھ روک دیا تھا اور جو شخص ایسا کرتا اس کو سخت سزا دیتا تھا، یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ اگر کوئی شخص حضرت علیؑ سے کوئی ایسی حدیث روایت کرتا جو حضرت کے فضائل سے نہیں بلکہ دوسرے مذہبی احکام سے متعلق ہوتی جب بھی اس کی مجال نہیں تھی کہ حضرت علیؑ کا نام تک لے سکے بلکہ یوں کہتا کہ زینب[۲] کے والد نے اس طرح بیان کیا تھا، اور عطاء نے عبداللہ بن شداد بن الہاد سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے ارادہ کیا کہ میں چھوڑ دیا جاؤں اور مجھے اتنا موقع مل جائے کہ حضرت علیؑ کے فضائل کو ایک رات دن بیان ہی کرتا رہوں اگرچہ اس کی وجہ سے میری گردن ہی کاٹ دی جائے جس سے ثابت ہوا کہ لوگ اگر چاہتے بھی تھے کہ حضرت علیؑ کے فضائل بیان کریں تو ان کو کوئی

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت رسول خدا کی وفات کے بعد حاکم ہوئے تو دوسرے ملکوں میں فوج کشی کر کے وہاں والوں کو تہ تیغ کرتے اور ان کے درمیان فساد پھیلاتے رہے اور زراعت کے کھیتوں کو برباد کرتے اور وہاں کے باشندوں کی نسلوں کو تباہ کرتے رہے، تاہم لیجئے کی فہرست نہ خدا کو تھی اور نہ ہم لوگوں کو ہے۔ آیت کا ایک ایک لفظ بتانے کے لئے کافی ہے کہ ان لوگ رسول خدا صلعم کے خوش کرنے کی باتیں کرتے رہتے تھے حالانکہ وہ حضرتؐ کے (دل میں) سخت ترین دشمن تھے، اور جب ان کے قبضے میں بادشاہت آ گئی تو کس طرح انہوں نے زمین میں فساد کئے، کس طرح زراعتوں کو ضائع کیا، لوگوں کو قتل کر کے ان کی بیویوں کو بیوہ، ان کے بچوں کو یتیم اور ان کی نسلوں کو ختم کیا۔ ۱۲

* حالانکہ یہ حضرت علیؑ کی شب ہجرت جان نثاری کی یادگار آیت ہے کہ خدا نے اس پر مہر کر دی کہ حضرت علیؑ نے شب ہجرت بستر رسولؐ پر سو کر حضرتؐ کو بچا لیا اور اپنے کو ہلاکت میں ڈال دیا، مولوی شبلی صاحب نے بھی اس کا اقرار ان لفظوں میں کیا ہے، یہ سخت خطرہ کا موقع تھا، جناب امیرؑ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۹۷) اسی واقعہ کی یادگار قائم کرنے کے لئے خدا نے یہ آیت نازل فرمائی (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۳۷۴ و اسد الغابہ و احیاء العلوم و روضۃ الاحباب و حبیب السیر و مدارج النبوۃ و تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۰۰ وغیرہ)

[۲] حضرت علیؑ کی بڑی بیٹی جناب زینبؑ۔ ۱۲

موقع نہیں مل سکتا تھا۔

پھر حضرت علی علیہ السلام کے فضائل باقی کیونکر رہ گئے،

مختصر یہ کہ حضرت علیؑ کے فضائل کی حدیثیں اگر مشہور ہونے ہر شخص کے کانوں میں پڑ جانے اور بہ کثرت مقبول ہونے کہ وجہ سے غیر معمولی حد پر نہیں پہنچ گئی ہوتیں تو آج ان کا پتہ بھی نہیں ملتا، اور کہیں ذکر بھی دکھائی نہیں دیتا کیوں کہ مدت دراز تک بنوامیہ کی حکومت اور حضرت علیؑ واہلبیتؑ کیساتھ ان کی شدید عداوت کی وجہ سے لوگ ایسی حدیثوں کا کوئی لفظ تک اپنی زبان پر نہیں لا سکتے اور ان حدیثوں کا ایک حرف تک سننے کی ہمت نہ کر سکتے تھے، اور اگر اس بزرگ (حضرت علیؑ) کی شان بہت اونچی، بہت اعلی اور بہت ارفع رکھنے میں خدا کا کوئی خاص بھید نہ ہوتا جس کی حقیقت سے صرف وہی واقف ہے جس کو اس کا شرف حاصل ہوا تو حضرتؑ کے فضائل وشرف میں ایک حدیث بھی کہیں روایت نہ کی جاتی اور نہ آپ کی کسی مدح یا خوبی کا کہیں نام ونشان ہی مل سکتا، کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر کسی شہر یا کسی بستی کا چوہدری یا سردار وہاں کے کسی شخص پر خفا ہو جاتا ہے اور لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ کوئی آدمی اس شخص کا ساتھ نہ دے نہ اس کو خیر وخوبی سے یاد کرے تو اس کا ذکر غائب اور وہ شخص گم نام ہو جاتا ہے؟ وہ موجود رہتا ہے مگر معدوم کے حکم میں، اور زندہ رہتا ہے مگر گویا مردہ (پھر جس بزرگ یعنی حضرت علیؑ کے خلاف بنوامیہ کی اتنی زبردست سلطنت اتنی مدت دراز تک کوشش کرتی رہی اس کے فضائل کیسے باقی رہ سکتے ہیں؟ لیکن خدا کی قدرت کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ کہ باوجود اتنی مخالفت کے آج بھی حضرت علیؑ کے فضائل ومناقب وکمالات واحسانات سے کتابیں بھری ہوئی پڑی ہیں اور ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ صحابہ وتابعین ومحدثین سے بہ کثرت لوگ صرف دنیا حاصل کرنے اور اس زندگی کا مزہ اٹھانے کیلئے حضرت علیؑ کے خلاف رہتے تھے کہ حضرت کی برائیاں کرتے اور حضرت کے دشمنوں کی تائید وحمایت میں مشغول رہتے (شرح نہج البلاغہ از علامہ ابن ابی الحدید معتزلی مطبوعہ مصر جلد ا رصفحہ ۳۵۸)

اس عبارت سے احادیث موضوعہ کی علت غائیہ پر جو پردے پڑے تھے ان میں سے اکثر ہٹ گئے اور واضح ہو گیا کہ جس طرح خلفاء ثلاثہ وصحابہ کے فضائل ومناقب میں جھوٹی حدیثیں بنانے جعل وفریب کی باتیں روایت کرنے اور گڑھی ہوئی خبروں کے کتابوں میں نقل کر کے تمام پھیلانے میں کوئی کوشش چھوڑی نہیں گئی اسی طرح حضرت امیر المومنینؑ کی زندگی میں اور حضرتؑ کے بعد آپ کی تنقیص وتوہین کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا، پھر فضائل کو کون بیان کرتا؟ جب ایسی زبردست سلطنت نے اپنی سزا وعقوبت کے اسلحہ کے ساتھ اپنے خزانوں کے منہ بھی کھول رکھے تھے تو حضرت کا نام کوئی کیونکر لیتا؟

وضع احادیث کے متعلق خود جناب امیرؑ کا ارشاد

حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے ایک خطبہ میں بیان فرمایا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم کے زمانے میں ہی احادیث گڑھنے کی مصیبت نازل ہو گئی تھی جس کا اثر آنحضرت صلعم کے انتقال کے بعد بہت ہوا جب ایک شخص نے حضرت علیؑ سے نئی نئی حدیثوں اور ان کے مختلف روایتوں کے بارے میں جو لوگوں میں پھیل گئی ہیں پوچھا کہ ایک دوسرے کی ضد کیوں ہیں؟ تو فرمایا ایک قسم کے وہ منافق ہیں جو ایمان ظاہر کرتے اور اسلام کے دعوے میں تصنع کرتے ہیں، وہ نہ گناہ سے رکتے اور نہ فتنہ وفساد سے بچتے ہیں بلکہ وہ جان بوجھ کر حضرت رسول خدا صلعم پر جھوٹ کے انبار لگاتے ہیں اب اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ منافق اور جھوٹے ہیں تو کبھی ان کی حدیثیں قبول نہ کریں اور نہ ان کے قول کو سچا جانیں لیکن لوگ اس دھوکے میں پڑ جاتے ہیں کہ کہتے ہیں وہ منافقین حضرت رسول خدا کے صحابہ ہیں، آنحضرت کو دیکھا تھا حضرت کی صحبت اٹھائی تھی حضرتؐ سے سنا اور حضرتؐ ہی کی باتیں لی تھیں، غرض اس فریب میں پڑ کر وہ ان منافقوں کی حدیثیں لے لیتے ہیں حالاں کہ خدا منافقین کی جو حالت بیان کر چکا ہے اس سے تم لوگ اچھی طرح سے واقف ہو کہ محض افترا و بہتان کرتے ہیں اور ان منافقین کی صفت جس طرح واضح کر دی ہے اس سے بھی باخبر ہو یہ منافقین حضرت رسولؐ کے بعد بھی باقی رہے اور پیشوایان ضلالت، وداعیان جہنم کے دربار میں ان لوگوں نے پیغمبر رسولؐ پر افترا و بہتان کے انبار لگانے شروع کئے اور اس ذریعہ سے ان حاکمان وقت کے دربار میں مقرب بارگاہ ہو گئے تو اس فن حدیث سازی وروایت سازی کے انعام میں ان بادشاہان وقت نے ان منافقوں کو مختلف مقامات کی حکومتیں دے دیں اور امیر بنا کر لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا، اس طرح سب منافقین نے ان پیشوایان ضلالت اور بادشاہان گمراہی کی خوشامد میں حدیثیں وضع کر کے اور روایتیں ڈھال ڈھال کر خوب ہی دنیا کمائی اور یہ تو مشہور ہی ہے کہ ہر زمانے کے لوگ اپنے بادشاہوں کی طرف ہو جاتے اور دنیا ہی کا ساتھ دیتے ہیں سوائے ان مخصوص لوگوں کے جنھیں خدا اس سے محفوظ رکھے (نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۱، صفحہ ۴۳۹)

حضرت کے اس کلام مبارک سے معلوم ہوا کہ حضرت رسول خدا صلعم کے زمانے ہی میں صحابہ نے جھوٹی حدیثیں بیان کرنی اور حضرت پر کذب وافترا کا بھی باندھنا شروع کر دیا تھا جس پر مجبور ہو کر آنحضرتؐ نے لوگوں کو جمع کیا اور ان کے حلقہ میں کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا جس میں صاف صاف فرما دیا کہ جو شخص میری طرف جھوٹی حدیث کی نسبت دیگا وہ جہنم میں

جائیگا یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی حدیثیں لوگوں سے بیان کیں ان میں اول نمبر پر وہ صحابہ تھے جو ظاہر میں مسلمان اور دل سے منافق تھے وہ اپنے مصنوعی اسلام اور زبانی ایمان سے لوگوں کو دھوکا فریب دیتے رہتے تھے، اور آنحضرت کے بعد وہ باقی رہے تو ہر طرف جھوٹی اور وضعی حدیثوں کے جال پھیلا دیئے اور حضرت رسول خدا صلعم کے بعد جو صاحب اقتدار و مالکان حکومت حضرات ہوئے ان کے پاس وہ منافق صحابہ پہنچے اور ان کی جھوٹی حدیثوں اور افتراء و بہتان کی روایتوں سے ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی، ان کو بڑے بڑے انعام دیئے گئے اور چونکہ ان لوگوں کے قبضہ میں دنیا تھی اس سبب سے ان کا مالکان حکومت نے ان منافقین کو مختلف مقامات کی حکومتیں بھی دیدیں اور مسلمانوں پر ان کو امیر بھی مقرر کر دیا، اس کا نتیجہ واضح ہے جب ہر طرف جھوٹی اور بنائی ہوئی حدیثیں اور اپنے گھر کی ڈھالی ہوئی روایتیں گڑھنے والے منافقین ہی کی حکومت قائم ہوگئی تو ان شہروں، قصبوں اور دیہاتوں کے باشندے بھی صرف جھوٹی اور وضعی حدیثیں ہی سنتے تھے اور راویوں کے گھر کی ڈھالی ہوئی روایتیں ہی ان کو مل سکتی تھیں کیونکہ بادشاہان وقت کی طرف سے ان کے حاکم وہی منافقین مقرر کر دیئے گئے تھے جو آنحضرت پر جھوٹ اور افتراء کرتے اور اسی کے صلہ میں حکومت پر فائز ہوئے تھے اسی طرح غلط اور دل سے بنائی ہوئی حدیثیں تو خوب پھیلیں اور حضرت علیؑ کے فضائل کی صحیح اور یقینی حدیثیں گوشہ کسمپرسی میں پڑی رہیں۔

حضرت علیؑ کے مذکورہ بالا خطبہ کی شرح میں علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے لکھا ہے ''حضرت امیر المومنینؑ کی یہ تقسیم بالکل صحیح ہے کیونکہ حضرت رسول خدا کے زمانے میں حضرتؐ کے صحابہ سے بہت لوگ منافقین تھے جو حضرت کے بعد باقی رہے اور یہ کہنا غیر ممکن ہے کہ حضرت صلعم کے انتقال پر نفاق کی موت بھی آ گئی (بلکہ نفاق تو اسی طرح قائم اور منافقین زندہ رہے) اور آنحضرت کے بعد جو صاحب مسلمانوں کے بادشاہ بنے وہ سب لوگوں کو رواداری، نرمی اور ملائمت کے دوش پر چڑھاتے اور ان کے ظاہری اسلام کے مطابق ان سے برتاؤ کرتے رہے اور چوں کہ آنحضرتؐ کے بعد حضرتؐ کے خلفاء نے ان منافقین سے چشم پوشی اختیار کی اس وجہ سے ان کا چرچا بھی غائب ہو گیا، اس کے بعد ان لوگوں پر شہروں کی فتوحات اور مال و متاع کی بھرمار کا دروازہ کھل گیا تو وہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے جو حضرت رسولؐ خدا کے زمانہ میں کرتے تھے باز رہے اور انہیں دنیوی چمک میں پھنس گئے اور ان منافقین کو خلفاء نے سرداروں اور افسروں کے ساتھ روم و عجم کے شہروں کی طرف روانہ کیا تو دنیا پرستی، نے ان لوگوں کا منہ ان شرارتوں کی کیطرف سے جو یہ لوگ حضرت رسولؐ خدا کی زندگی میں کرتے رہتے تھے دوسرے

ا جلیل القدر عالم اہلسنت مولوی وحید الزمان خانصاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار، جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ لگائے گا وہ دوزخ میں جو اس کا ٹھکانا ہے اس میں اترے گا اس حدیث کو بہت علماء نے متواتر کہا ہے'' (انوار اللغۃ پارہ ۲۸ صفحہ ۷۶)

امور کیطرف موڑ دیا مختصر یہ کہ جب یہ لوگ اپنے حال پر چھوڑ دیئے گئے تو انہوں نے بھی اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے سکوت اختیار کر لیا، البتہ ان لوگوں کی بعض تحقیق مکر و فریب کی ریشہ دوانیاں باقی رہیں جن پر یہ لوگ برابر عمل کرتے رہے جیسے وضعی حدیثوں کی ایجاد اور غلط یا جھوٹی روایتوں کی اشاعت جس کی طرف حضرت امیر المومنینؑ نے اشارہ فرمایا ہے کیونکہ حضرت رسول خدا کی حدیثوں میں بہ کثرت کذب وافترا اور جعل و فریب کی آمیزش ہوگئی تھا ایسے لوگوں کی طرف سے گڑھی گئیں جو درست عقیدے کے نہیں تھے اور ان حدیثوں سے ان منافقین کا مقصود لوگوں کو گمراہ اور ان کے دلوں اور عقیدوں کو بگاڑنا تھا اور بعض لوگوں کی غرض ان جعلی حدیثوں سے یہ تھی کہ کسی جماعت کی عزت زیادہ اور شان کو بلند کر دیں تا کہ ان کی اس خوشامد کے ذریعہ سے ان (حدیث گڑھنے والوں) کا مطلب پورا ہو جائے اور ان کے دنیوی کام بن جائیں اور لوگوں نے بیان کیا ہے خاص کر معاویہ کے زمانے میں اس قسم کی جعلی حدیثیں بہت کثرت سے گڑھ لی گئیں، اور جو محدثین علم حدیث میں ماہر تھے وہ ان باتوں کی طرف سے خاموش نہیں رہے بلکہ انہوں نے اکثر ایسی وضعی ڈھالی ہوئی غلط خلاف واقعہ اور بے بنیاد حدیثوں کا ذکر کر دیا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ سب بنائی ہوئی ہیں اور ان کی روایت کرنے والے لائق اعتبار و قابل وثوق نہیں ہیں مگر یہ بات بھی ہے کہ محدثین صرف ان لوگوں پر ہی اعتراض کر سکتے ہیں جو صحابہ کے بعد ہوئے (کہ ان کی وضعی حدیثوں کو بیان کر کے کہتے ہیں جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر سب لوگوں میں پھیلا دی ہیں ان) کے بارے میں کسی کو بولنے کی جرأت نہیں ہوتی کیونکہ "صحابی" ایسے (دھوکے کا لفظ) ہے جو کسی محدث کو ان کے متعلق زبان تک نہیں کھولنے دیتا [۱] اب اگر تم پوچھو کہ وہ پیشوایان ضلالت کون ہیں جن کا ذکر یہاں کیا گیا جو جہنم کی طرف لوگوں کو بلانے والے بھی اور جن کے دربار میں پہنچ کر وہ منافقین جنہوں نے حضرت رسول خدا صلعم کو دیکھا اور حضرتؐ کے صحابی ہونے کا شرف حاصل کیا تھا افترا و بہتان کا انبار لگا کر مقرب بارگاہ ہو گئے اور کیا حضرت امیر المومنینؑ کا یہ کلام شیعوں کے (اس) اعتقاد و قول کی صریح تصدیق نہیں ہے (جو وہ خلفاء ثلاثہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہی ائمہ ضلالت تھے) تو میں کہوں گا کہ تم نے جو گمان کیا اور شیعہ جو کہتے ہیں وہ بات نہیں

۱۔ ان اکابر صحابہ کے متعلق بھی مذمت کی اتنی حدیثیں معتبر کتابوں میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو جو لوگ آنے والے تھے ان سے بھی زیادہ حضرت کے صحابہ ہی حضرت کی نظروں میں برے اور قابل نفرت تھے چنانچہ مشہور حدیث ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم قیامت میں مسلمانوں کی شفاعت کریں گے مگر صحابہ سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ آنحضرت کا ان کی شفاعت کرنا کیا، حضرت تو ان کا حوض تک نہیں دیکھیں گے اور خدا پاسبان کو روک لیں گے، مولوی وحید الزمان خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ان من اصحابی من لا یرانی بعد ان افارقہ (میرے اصحاب میں سے بعض ایسے ہیں کہ اپنے مرنے کے بعد میں ان کو پھر کبھی نہ دیکھوں گا) اصحاب جھگڑے دیکھیں گے یہ حدیث سن کر حضرت عمر ڈرتے ہوئے بی بی ام سلمہ کے پاس آئے اور کہنے لگے تم کو خدا کی قسم کیا میں بھی ان اصحاب میں سے ہوں؟ انہوں نے کہا نہیں مگر اب میں کسی کو ایسا نہیں کہوں گی اور بعد اس کی روایت کرنے کی کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ ان میں سے ہے یا نہیں (انوار اللغۃ پارہ ۱۲ صفحہ ۱۸) اسی طرح حدیث حوض سے ان صحابہ کا مرتد ہو جانا کھلے طور پر ثابت ہے ۱۲

بلکہ حضرت امیر المومنینؑ کا مقصود ان ائمہ ضلالت سے معاویہ و عمر عاص اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی میں ان لوگوں کی پیروی کی[1] اور علماء محدثین نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ اپنے بعض اصحاب سے فرماتے تھے کہ اے بھائی! قریش نے ہم لوگوں پر اور ہم لوگوں کے خلاف، ایکا کر کے جس طرح ان لوگوں نے ہمیں ستایا اور ہمارے شیعوں اور دوستوں پر ان لوگوں نے جو مظالم کئے اس کی داستان بہت طویل ہے، حضرت رسول خدا صلعم نے تو اپنے انتقال سے پہلے فرما دیا تھا کہ مسلمانوں کی حکومت کا حق سب سے زیادہ ہم لوگوں کا ہے۔ فتمالأت علينا قريش اخرجت الأمر عن معدنه مگر قریش ہم لوگوں کے خلاف ایک ہو گئے اور انہوں نے اس حکومت کو اس کی اصلی جگہ سے نکال لیا۔ حالانکہ انصار نے بھی ہم لوگوں کے حق اور حجت پر ان سے بحث کی مگر سب بیکار پھر قریش یکے بعد دیگرے اس خلافت کو اپنے ہی میں گھیرے ہوئے رہے یہاں تک کہ چوتھی مرتبہ یہ ہم لوگوں کی طرف پلٹی (حضرت امیر المومنینؑ ظاہری خلیفہ ہوئے) مگر فوراً ہی حضرتؑ کی بیعت توڑی اور ہم لوگوں کے خلاف جنگ جمل و صفین چھیڑ دی گئی غرض ہم میں کے ظاہری خلیفہ (حضرت امیر المومنینؑ) برابر رنج و مصیبت ہی کی حکومت میں مبتلاء رہے یہاں تک کہ درجہ شہادت پر فائز ہو گئے، آپ کے بعد آپ کے فرزند امام حسنؑ کی بیعت کی گئی اور حضرت سے معاہدہ بھی کیا گیا مگر پھر حضرت کے ساتھ بھی غداری برتی گئی، حضرت سے منہ موڑ لیا گیا اور عراق

---

[1] لیکن علامہ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کا یہ جواب عرفی قاعدہ اور سابق کلام کی حیثیت سے درست نہیں ہو سکتا اس لئے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے کلام میں (تقربوا الى ائمة الضلالة) ضلالت کے سرداروں کے پاس پہنچ گئے لکھا ہے اور ائمہ ضلالت صیغہ جمع ہے جس کے لئے کم از کم تین سرداروں کا ہونا ضروری ہے اور معاویہ کا ایک ہونا واضح ہے رہا عمر عاص تو وہ معاویہ کا ماتحت تھا وہ ائمہ ضلالت میں کیوں کر داخل ہو سکتا ہے اور اس کا یا ان دونوں کی پیروی کرنے والوں کا دربار کہاں تھا جہاں وہ منافقین مقرب بارگاہ ہوئے اور حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ وہ منافقین باقی رہے اور حضرت رسولخدا صلعم کے بعد جو ائمہ ضلالت متمکن ہوئے ان کے دربار میں مقرب بارگاہ ہوئے اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کم از کم تین ائمہ ضلالت حضرت رسول خدا صلعم کے بعد اور حضرت میر المومنینؑ کے سامنے ہوئے ہوں۔ حضرت کے بعد جو ائمہ ضلالت ہوئے ان کی طرف حضرت کا اشارہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ان لوگوں کے وقت تو جناب امیر زندہ ہی نہیں تھے ان کی تصویر کشی کس طرح فرماتے؟ ہر طرح ماننا پڑے گا کہ وہ ائمہ ضلالت یقیناً وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو جناب امیر کے ظاہر خلیفہ ہونے سے پہلے لوگوں کو گمراہی کی طرف کھینچ رہے تھے، اگر صرف معاویہ مقصود ہوتا تو جناب امیر اس کو لفظ امام ضلالت سے یاد فرماتے مگر ائمہ ضلالت کہنا ثابت کرتا ہے کہ معاویہ کے پہلے والے سرداران ضلالت کی طرف ہی پورا اشارہ ہے۔ ۱۲

[2] وحید الزمان خانصاحب نے لکھا ہے والله ماقتلت عثمان ولا مالأت في قتلته۔ حضرت علی نے فرمایا خدا کی قسم نہ میں نے عثمان کو قتل کیا نہ ان کے قتل میں کوئی مدد دی بلکہ برخلاف اس کے آپ نے امام حسنؑ اور امام حسین علیہما السلام کو ان کی حفاظت کے لئے روانہ کیا، یہ صرف معاویہ کی ایک پولیٹکل چال تھی، انہوں نے شام والوں کو جنگ پر ابھارنے کے لئے یہ مشہور کرایا کہ حضرت علیؑ نے حضرت عثمان کو قتل کیا اور لطف یہ ہے کہ خود معاویہ کو اس کا اقرار تھا وہ اپنے رازداروں سے کہتے ہیں میں خوب جانتا ہوں کہ حضرت عثمان کے قتل میں شریک نہ تھے مگر کیا ہم کریں، ہمارا مطلب بغیر اس جھوٹی خبر کے مشہور کئے حاصل نہیں ہوتا" (انوار اللغۃ پارہ ۲۴ صفحہ ۱۶)

والوں نے تو حضرتؑ پر حملہ بھی کر دیا یہاں تک کہ حضرت کے پہلو میں خنجر مار کر حضرتؑ کو زخمی کر دیا، حضرتؑ کا لشکر لوٹ لیا گیا اور حضرتؑ کی عورتوں کے زیور تک چھین لیے گئے جس کے بعد (الٰہی مصلحت کے تحت) حضرت نے معاویہ سے صلح کر لی اور اس طرح اپنا اور اپنے اہلبیتؑ کا خون بچا لیا حالانکہ یہ لوگ بہت ہی کم تھے پھر عراق والوں سے بیس ہزار آدمیوں نے حضرت امام حسینؑ کی بیعت کی مگر فوراً ہی حضرت کے ساتھ بھی غداری کی حضرتؑ کی بیعت اپنی گردن میں رکھنے کے بعد وہی لوگ حضرت سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے اور حضرتؑ کو قتل کر ڈالا، پھر تو ہم اہلبیتؑ برابر ذلیل، مظلوم، آوارہ وطن، حقیر، اپنے حقوق سے محروم ہوتے اور قتل کیے جاتے رہے ہم لوگوں کی زندگی خوف و بیم میں بسر ہوتی رہی اور ہمیں نہ اپنے ہی خون کے محفوظ رہنے کا اطمینان تھا نہ اپنے دوستوں ہی کی زندگی کا سامان دکھائی دیتا تھا اور جھوٹے لوگ ہمارے فضائل سے انکار ہی کرتے رہنے پر تلے ہوئے تھے اپنے جھوٹ اور انکار کے ذریعہ سے ہر شہر میں اپنے والیوں، بڑے قاضیوں اور ظالم حاکموں کے پاس معزز عہدے پاتے رہے جہاں ان کی خوب آؤ بھگت ہوتی رہی اور وہ مقرب بارگاہ بنا لیے جاتے تھے پھر یہ لوگ ان حاکموں سے جھوٹ جعل و فریب کی اور دل سے گڑھی ہوئی حدیثیں بیان کرتے اور ہم لوگوں کے نام سے وہ حدیثیں روایت کرتے جو ہم نے کبھی بھی نہیں کہی تھیں اور ہماری طرف ان باتوں کی نسبت دیتے رہے جو ہم نے کی ہی نہیں تھیں تاکہ یہ لوگ ہمیں مسلمانوں کی نظر میں قابل نفرت بنا دیں، یہ مصیبت سب سے زیادہ معاویہ کے زمانہ میں حضرت امام حسنؑ کے بعد نازل ہوئی کہ اس زمانے میں ہمارے شیعہ ہر شہر میں قتل کیے گئے صرف شبہ پر ہمارے دوستوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جاتے اور جس شخص کو بھی کوئی کہہ دیتا کہ وہ ہمیں دوست رکھتا ہے یا ہمارے لگاؤ کا ہے وہ فوراً قید کر لیا جاتا اسی وقت اس کا کل مال لوٹ لیا جاتا اور اس کا مکان ڈھا دیا جاتا، غرض یہ آفت و مصیبت حضرت امام حسینؑ کے قاتل ابن زیاد کے زمانے تک ترقی ہی کرتی رہی پھر حجاج کا دور شروع ہوا اس نے تو ان لوگوں کو اور زیادہ بے دردی سے قتل کرنا اور بات بات پر تباہ کرنا شروع کیا یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ اگر کوئی شخص کافر اور زندیق ہوتا تو اس کو اس سے بھی اتنی دشمنی نہیں ہوتی جس قدر حضرت علیؑ کے شیعوں سے عداوت ہوتی تھی حد ہو گئی کہ کبھی کوئی شخص جو بھلائی سے یاد کیا جاتا اور غالباً وہ متقی اور سچا بھی ہوتا سابق خلفاء کی فضیلت میں ایسی عجیب و غریب حدیثیں بیان کرتا جن سے ایک بھی سچی نہیں ہوتی اور وہ گمان کرتا کہ وہ سب حدیثیں سچی ہیں کیونکہ ان حدیثوں کو اس کثرت سے اور ایسے راوی بیان کرتے جو نہ جھوٹے سمجھے جاتے اور نہ ہلکے درجے کے تھے (شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۵) معاویہ اور بنی امیہ کی کاروائیوں سے جو حدیثیں بنائی اور جھوٹی روایتیں گڑھی گئیں ان کی بہت مختصر فہرست کا نمونہ بھی ملاحظہ ہو۔

حدیثیں گڑھنے والوں کی ایک مختصر فہرست کا نمونہ

(۱)ابن حبان نے کہا کہ ابان بن جعفر اور ابو سعید شیخ بصری نے تین سو سے زیادہ حدیثیں گڑھیں تھیں (میزان الاعتدال صفحہ ۱۰)(۲)امام بیہقی نے بیان کیا کہ احمد جویباری نے ایک ہزار سے زیادہ حدیثیں بنائیں (میزان الاعتدال صفحہ ۴۴)(۳) قاسم مطرز کا بیان ہے کہ احمد محمد بن عمر نے پانچ سو حدیثین ایسی بنائیں جن کا ایک حرف بھی صحیح نہیں (میزان الاعتدال صفحہ ۵۸)(۴)ابن حبان نے کہا کہ احمد بن فضل نے تین ہزار سے زائد وضعی حدیثیں روایت کیں اور پانچ سو سے زیادہ حدیثیں میں نے لکھیں جو سب جھوٹی اور بنائی ہوئی ہیں (میزان الاعتدال صفحہ ۶۰)(۵)ابن حبان نے کہا کہ احمد بن محمد بن عمرو نے شاید دس ہزار حدیثوں سے زیادہ میں الٹ پلٹ کر دیا مثلاً حضرت علیؑ کی فضیلت کی حدیث کو دوسروں کے نام بتادیا اور تین ہزار سے زیادہ میں نے اس سے لکھیں دار قطنی نے کہا کہ یہ حدیثوں کو وضع کرتا تھا (میزان الاعتدال صفحہ ۶۰)(۶)ابن عدی نے کہا کہ اسحاق بن ابی یحیٰ کعبی قریب دس منکر کاروای ہے(۷)ابن حبان نے کہا کہ بشر بن الحسین کی ایک کتاب ہے جن میں ۱۵۰/حدیثیں ہوں گی وہ سب موضوع ہیں (میزان الاعتدال صفحہ ۱۲۷)(۸)بشیر بن عون قرشی وثانی کے ایک نسخہ میں قریب سو حدیث کے ہیں جو سب موضوع ہیں (۹) شعبہ نے کہا کہ جعفر بن زبیر نے چار سو جھوٹی حدیثیں رسول اللہؐ پر بنادیں (۱۰)ابن قطان نے کہا کہ جعفر بن سعد کی سو حدیثیں مجہول ہیں (۱۱) جعفر بن عبدالواحد وضعی حدیثیں بناتا تھا (صفحہ ۱۶۷)(۱۲)حرب ابن اسد محاشی کی سب کتابیں بدعت وضلالت ہیں (صفحہ ۱۷۴)

(۱۳) حبیب بن ابی حبیب جھوٹی حدیثیں بناتا تھا (صفحہ ۱۸۳)(۱۴)ابن عدی نے کہا کہ حسن بن علی بن زکریا حدیثین وضع کرتا تھا، ابن حبان نے کہا کہ اس نے ایک ہزار سے زیادہ جھوٹی حدیثیں بناڈالیں (صفحہ ۲۰۸)(۱۵)حسن ابن علی ابن ابراہیم کی ایک کتاب میں بہت سے موضوعات اور فضائح جمع کئے گئے ہیں (صفحہ ۲۰۹)(۱۶)ابن جوزی نے کہا کہ حسین بن یحیٰ ختانی نے یہ حدیث وضع کی کہ حضرت رسولؐ نے معاویہ سے فرمایا لکھ تو آیت الکرسی کہ اگر کوئی اسے پڑھے گا تو اس کا ثواب ہمیشہ تجھے ملتا رہے گا (۱۷)ابو حاتم نے کہا کہ حکم بن عبداللہ بڑا جھوٹا ہے وضع کرتا تھا حدیث زاہری قریب پچاس حدیث کے روایت کی جس کی مطلق اصلیت نہیں (صفحہ ۲۳۶)(۱۸)احمد نے کہا کہ حکم بن عبداللہ کی کل حدیثیں جھوٹی بنائی ہوئی ہیں (صفحہ ۲۳۷)(۱۹)خارجہ بنت مصعب کی حدیثیں جامع ترمذی وسنن ابی ماجہ میں موجود ہیں مگر ابن عدی نے قریب بیس حدیث کے مناکر وغرائب سے اس کے ترجمہ میں لکھی ہیں (میزان الاعتدال صفحہ ۲۷۹)(۲۰)داؤد بن عفان انس بن مالک سے پورے ایک نسخہ موضوعہ کی روایت کرتا ہے جس کی ایک روایت یہ بھی کہ امین سات ہیں لوح، قلم اسرافیل،

میکائیل، جبرئیل، حضرت محمد مصطفیٰ اور معاویہ (صفحہ ۲۸۴)(۲۱) دارقطنی نے کہا کہ میسرہ بن عبد ربہ نے کتاب العقل کو وضع کیا، پھر اسے داؤد بن محبر نے چرالیا اور دوسرے اسناد سے اس کی ترکیب دی، اور پھر چرایا اس کو عبدالعزیز رجا نے پھر اس کو چرایا سلیمان بن عیسیٰ حزی نے (صفحہ ۲۸۸)(۲۲) دارقطنی نے کہا کہ ذوالنون مصری کی حدیثیں قابل نظر ہیں، مصر میں ان پر کفر اور زندقہ کی حکم بھی دیا گیا تھا (صفحہ ۲۹۳)(۲۳) ربیع بن محمود نے ۵۹۹ھ میں دعویٰ کیا کہ میں رسول اللہ کا صحابی ہوں، علامہ ذہبی اس کو دجال مفتری لکھتے ہیں (صفحہ ۲۹۸)(۲۴) رتن ہندی شیخ رجال تھا جو ۶۰۰ھ میں مدعی ہوا کہ میں بھی رسول کا صحابی ہوں (۲۵) ابن مدینی سے روایت ہے کہ روح بن عبادہ جیسی مشہور حافظ کی ایک لاکھ سے زیادہ حدیثوں سے دس ہزار حدیثیں میں نے لکھیں (صفحہ ۳۱۵)(۲۶) ابو داؤد نے کہا کہ زیاد ابن میمون نے خود مجھ سے اقرار کیا کہ میں نے جھوٹی حدیثیں بنائی ہیں (صفحہ ۳۲۰)(۲۷) زید بن حسن بن زید بن امیرک نے بھی جھوٹی حدیثیں بنائی ہیں (صفحہ ۳۴۳)(۲۸) ابن جوزی نے کہا کہ زید بن رفاع کذاب وضاع رجال تھا جھوٹی حدیثیں گھڑنے میں مشہور ہے (صفحہ ۳۴۴)(۲۹) زید بن عبد اللہ جھوٹی حدیثیں ڈھالنے میں متہم ہے (صفحہ ۳۲۵)(۳۰) سعد بن طریف برجستہ جھوٹی حدیثیں بنا دیتا تھا (صفحہ ۳۳۳)(۳۱) سلیمان بن عمر ابو داؤد نخعی ظاہر میں بڑا عابد و زاہد اور نہایت مرد صالح تھا مگر جھوٹی حدیثیں بنانے میں اول نمبر پر تھا (صفحہ ۳۷۶)(۳۲) جوزجانی نے کہا کہ سلیمان بن عیسیٰ صریح اول نمبر کا جھوٹا ہے یہ وضع کرتا تھا جھوٹی حدیثوں کو اسی کی روایت بھی ہے ان اللہ أمرنی بحب اربعة ابی بکر و عمر و عثمان و علی (خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ چار شخصوں ابوبکر، عمر، عثمان اور علی کو دوست رکھا کروں۔ (صفحہ ۳۷۷)(۳۳) سلیمان بن عثمان ثوری کی حدیثیں بھی جھوٹی اور بنائی ہوئی ہیں (صفحہ ۳۸۳)(۳۴) ابن عدی نے لکھا ہے کہ سوید بن ابراہیم بصری صاحب ابو حاتم بھی جھوٹی حدیثیں بناتا تھا (صفحہ ۳۹۰)(۳۵) سیف محمد کوفی جو اہر زادہ سفیان ثوری کو لکھا ہے کہ کذاب خبیث اور کاہن تھا (صفحہ ۳۹۴)(۳۶) طلحہ بن زید رقی، اس کے موضوعات (جھوٹی بنائی ہوئی حدیثوں) میں یہ بھی ہے ان رسول اللہ قال لعمر انت ولی فی الدنیا و ولی فی الآخرة (یعنی حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت عمر سے فرمایا کہ تم دنیا میں بھی میرے ولی ہو اور آخرت میں بھی میرے ولی ہی ہو) علی بن مدینی کا قول تھا کہ یہ طلحہ جھوٹی حدیثیں بناتا تھا (صفحہ ۳۲۸)(۳۷) محمد حمید رازی کہتا تھا کہ عبداللہ ابن ابی جعفر رازی سے میں نے دس ہزار حدیثیں سنیں اور میں نے سب پھینک دیں کہ وہ مرد فاسق تھا (۳۸) ابن حبان نے کہا کہ عبداللہ بن حرب صنعانی دجال تھا عبدالرزاق اور دوسرے شیوخ عراق پر جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا، اس نے عبدالرزاق سے ایک کتاب روایت کی جو سب وضعی ہے (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۶)(۳۹) عبداللہ بن محمد بن جعفر

ابوالقاسم قاضی شافعی یہ مذہب شافعی کا بڑا عالم تھا جس کا مصر میں بہت بڑا حلقہ تھا اور عبادت وتقوی ظاہر کرتا بہت سی جھوٹی حدیثیں بنائی اس کے سامنے اس کی کتابیں پھاڑ ڈالی گئیں اس نے کتاب سنن شافعی تصنیف کی جس میں دوسو کے قریب ایسی حدیثیں ہیں جن کو امام شافعی نے ہرگز نہیں بیان کیا (جلد ۲ رصفحہ ۳۷) (۴۰) عبدالرحمن بن داؤد واعظ کی کتاب اربعین اس کے قضا حوائج میں جھوٹی موضوع ہے (جلد ۲ رصفحہ ۹۳) (۴۰) ابن حبان نے کہا کہ عبدالرحیم بن حبیب فاریانی نے پانچ سو سے زیادہ جھوٹی حدیثیں رسول اللہؐ سے بناڈالیں (جلد ۲ رصفحہ ۱۱۳) (۴۲) ابن حبان نے کہا کہ عبدالعزیز بن روماد جس کی روایت صحاح ستہ میں موجود ہے، ایک جھوٹی بنائی ہوئی حدیثوں کی کتابوں ہی کا راوی ہے (صفحہ ۱۲۳) (۴۳) عبدالکریم بن ابی العوجاء اس کو محمد بن سلیمان عباس امیر بصرہ نے قتل کیا، قتل ہوتے وقت اس نے بیان کیا کہ میں نے تم لوگوں میں چار ہزار جھوٹی حدیثیں بناڈالی ہیں جن میں حلال چیزوں کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال کردیا ہے (صفحہ ۱۳۰) (۴۴) عبدالمنعم بن ادریس مشہور قصہ گو کے بارے میں ابن حبان نے کہا کہ یہ جھوٹی حدیثوں کو گڑھا کرتا تھا (صفحہ ۱۲۰) (۴۵) عبدالمنعم بن بشیر ابوالخیر انصاری کے بارے میں حنبلی نے کہا کہ سنا میں نے ابن معین کو اس نے قریب دوسو حدیثوں کو ابی موودود سے تخریج کی تو میں نے کہا یہ سب دروغ ہے (صفحہ ۱۴۰) (۴۶) ابوموودود عبدالعزیز بن ابی سلیمان عبدالمنعم کا شیخ ہے جس کی دوسو جھوٹی بنائی ہوئی حدیثوں پر ابن معین نے کہا موضوعیت کا حکم کیا ہے (۴۷) عثمان بن مقسم برّی جوزجانی نے کہا کہ یہ کذاب ہے یحیٰی بن معین نے کہا کہ عثمان بری مشہور وضاعین وکذابین میں سے تھا، ابن عدی نے کہا کہ شیبان کے پاس ۲۵ ہزار حدیثیں اسی عثمان کی تھی جو نہ لی گئی ابوداؤد کہتے تھے میرے سینے میں دس ہزار حدیثیں عثمان بری کی ایسی ہیں جن کو میں بیان نہیں کرتا (صفحہ ۱۷۳) (۴۸) ابن حبان کہتے تھے کہ علا بن زید ثقفی بصری نے روایت کی انس سے ایک نسخہ موضوعہ کی، قطب وابدال کی جھوٹی روایت کا گڑھنے والا بھی یہی ہے (صفحہ ۱۹۰) (۴۹) عمر بن ہارون بلخی جو بڑا علامہ تھا کہا ابوغسان زنیج نے کہا کہ اس کی ستر ہزار حدیثیں پھینک دیں صالح جزرہ کہتے تھے کہ یہ بڑا جھوٹا ہے اور یحیٰی نے کہا کہ یہ کذاب خبیث ہے (صفحہ ۲۴۵) (۵۰) امام احمد بن حنبل کہتے تھے کہ عمر بن حکام چار ہزار حدیثیں روایت کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کی حدیثیں ترک کردی گئیں (صفحہ ۲۵۵) (۵۱) کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن زید مزنی، امام ترمذی اس کی روایت کو سمجھتے ہیں جس سے خود ان کی کتاب پر وثوق نہیں رہا، ابن حبان کہتے تھے کہ کثیر اپنے باپ دادا سے جھوٹی بنائی ہوئی حدیثوں کے نسخہ کا راوی ہے (صفحہ ۳۳۰) (۵۲) محمد بن احمد بن عبداللہ بن عبدالجبار عامری کے بارے میں ابن یونس کہتے تھے کہ جھوٹی حدیثیں بناتا تھا اور اس نے ایک جھوٹی بنائی ہوئی حدیثوں کی کتاب کی روایت کی ہے (صفحہ ۳۴۲) (۵۳) محمد بن اسحاق جس کی

کتاب سیرۃ ابن اسحاق مشہور ہے جو اسی کا مشہور شاگرد ہے جس کا ذکر ابھی مولوی شبلی صاحب کی سیرۃ النبی سے ہو چکا ہے اس کے بارے میں سلیمان تیمی کہتے تھے کہ بڑا جھوٹا ہے ہشام بن عروہ نے بھی کہا کہ یہ کذاب (اول نمبر کا جھوٹا ہے) امام مالک نے کہا کہ ابن اسحاق تو دجال ہے (صفحہ ۳۴۴) (۵۴) محمد بن حفص حرانی ابوبکر بن ابی عیاش سے اربعین کا راوی ہے جس کی آفت یہی شخص ہے (صفحہ ۳۷۰) (۵۵) محمد بن حمید رازی جو حافظ اور بڑے عالم کہا جاتا ہے ابو زرعہ نے اس کی تکذیب کی ہے طنافسی رازی نے کہا کہ محمد بن حمید کے پاس پچاس ہزار حدیثیں ایسی ہیں جن سے ایک حرف کی روایت بھی میں نہیں کرتا، صالح جزرہ اس کے بارے میں کہتا تھا کہ میں اس کو ہر حدیث میں متہم جانتا ہوں، اور صالح جزری کہتے تھے کہ دروغ گوئی میں اس سے بڑھ کر کوئی بھی کامل نہیں تھا (جلد ۲، صفحہ ۳۷۱) (۵۶) محمد بن عبدالرحمن بن سلیمان کے بارے میں ابن حبان کہتے تھے کہ یہ شخص اپنے باپ سے جھوٹی حدیثوں کی ایک کتاب کی روایت کرتا تھا جس میں قریب دو سو جھوٹی بنائی ہوئی حدیثیں بھری ہیں (صفحہ ۴۰۵) (۵۷) محمد بن عمر بن واقدی کے بارے میں احمد کہتے تھے کہ اول درجہ کا جھوٹا ہے اور ابو حاتم اور نسائی نے کہا کہ یہ حدیث وضع کرتا تھا ابن مدینی کہتے تھے کہ واقدی جھوٹی حدیثوں کو دل سے گڑھ کر پیش کرنے والا ہے اور کہتے تھے کہ واقدی تیس ہزار عجیب و غریب حدیثوں کا راوی ہے میں تو اس کی کسی بات کو پسند نہیں کرتا خواہ وہ حدیث کی ہو یا نسب کی یا اور کسی فن کی (۵۸) محمد بن محمد بن اشعث کوفی، اس نے قریب ایک ہزار حدیث کے ایک مجموعہ میں روایت کی ہے اور ابن عدی نے اس کی کئی جھوٹی بنائی ہوئی حدیثیں ذکر کی ہیں اور دار قطنی نے کہا اس کی وضاحت کی یہی دلیل ہے جو روایت خرافات بیان کرتا ہے (۵۹) محمد بن مزید بن ابی الازہر زبیر بن بکار سے روایت کرتا ہے علامہ خطیب کہتے تھے کہ اس نے بہت سی جھوٹی حدیثیں دل سے گڑھ کر بیان کی ہیں، مگر دار قطنی اس سے روایت کرتے ہیں (۶۰) محمد بن یوسف بن یعقوب رازی، ابوبکر بن زیاد نقاش اس سے روایت کرتے تھے، اس نے بہت سی حدیثیں قرآت میں بنا لیں، علامہ خطیب کہتے تھے کہ اس شخص پر یہ الزام ہے کہ یہ جھوٹی حدیثیں بہت بنایا کرتا تھا اور علامہ دار قطنی کہتے تھے کہ قرآت میں اس نے قریب ساٹھ نسخوں کے بنائے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے اور جھوٹی حدیثیں اتنی بنائی ہیں جن کا شمار آسان نہیں (صفحہ ۳۶۰) (۶۱) محمد بن یونس بن قرشی شامی کدیمی حافظ، ابن حبان کہتے تھے کہ اس نے ایک ہزار سے زیادہ جھوٹی حدیثیں گڑھ ڈالی ہیں (صفحہ ۳۶۱) (۶۲) محمد بن یوسف فریابی شیخ بخاری نے ۱۵۰ حدیثوں میں غلطی کی ہے (صفحہ ۳۶۰) (۶۳) معلی بن عبدالرحمن واسطی، علامہ دار قطنی کہتے تھے کہ یہ ضعیف اول نمبر کا جھوٹا ہے ابن مدینی کہتے تھے کہ یہ جھوٹی حدیثیں دل سے گڑھا کرتا۔ ۷۰ یا ۹۰ جھوٹی حدیثوں کے گڑھنے کا اس نے خود اقرار کیا ہے

(صفحہ ۴۸۹)(۶۴)معلّیٰ بن بلال بن سوید طحان کوفی عابد کے بارے میں ابن المبارک ابن المدینی کہتے تھے کہ جھوٹی حدیثیں گڑھا کرتا تھا،اور ابن معین کہتے تھے وہ مشہور اور اول نمبر کے جھوٹوں اور جھوٹی حدیثیں گڑھنے والوں سے تھا،احمد کہتے تھے کہ اس کی کل حدیثیں جھوٹی اور بنائی ہوئی ہیں (صفحہ ۴۹۹)(۶۵) مقاتل بن سلیمان بلخی مفسر جس کے بارے میں ابن المبارک کہتا تھا کہ اس کا علم دریا کے ایسا تھا اور امام شافعی کہتے کہ علم تفسیر میں ہر شخص اس کا محتاج ہے مگر وکیع کہتے تھے کہ مقاتل اول نمبر کا جھوٹا تھا اور عباس بن مصعب کہتا کہ مرو کی جامع مسجد میں وعظ کیا کرتا تھا، جب جہم وہاں آیا اور دونوں میں عداوت ہوئی تو ہر ایک نے جھوٹی گڑھی ہوئی روایتوں کی کتابیں ایک دوسرے کی رد میں بنا ڈالیں جوزجانی کہتے تھے کہ یہ مقاتل بڑا بے باک، بے ڈھب دجال تھا،اس کی کتاب خمس مأۃ (پانچ سو) جس کی روایت ابونصیر کرتا ہے،ابن حبان کہتے کہ مقاتل یہود ونصاری کی روایتیں قرآن مجید کی تفسیر میں داخل کرتا رہتا اور حدیثیں گڑھا کرتا تھا(۶۶) منصور بن عبدالحمید حرزی عن ابی امامہ باہلی ابن حبان کہتے تھے کہ یہ ایک کتاب روایت کرتا ہے جس میں قریب تین سو حدیثیں ہیں جن کی زیادہ تر جھوٹی بنائی ہوئی ہیں، کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے (۶۷) موسیٰ بن عبدالرحمن ثقفی صنعانی، ابن حبان کہتے تھے کہ یہ بھی دجال ہے اس نے ایک جھوٹی بنائی ہوئی حدیثوں کی ایک کتاب تفسیر میں بہ سلسلہ ابن جریج عن عطا عن ابن عباس وضع کی ہے (۶۸) موسیٰ بن مطیر عن ابیہ وعنہ ابوداؤد الطیالسی، یحیٰ ابن معین نے اس کو جھوٹا کہا ہے ابن حبان کہتے تھے کہ عجیب وغریب باتوں کا راوی ہے کہ ہر سننے والا اسکو جھوٹی اور بنائی ہوئی کہے، یہ اپنے باپ سے ایک بڑی کتاب روایت کرتا ہے (صفحہ ۵۲۰)(۶۹) میسرہ بن عبدربہ فارسی ثم البصری، سور قرآن کے فضائل کا یہی راوی ہے محمد بن عیسیٰ طباع نے اس سے پوچھا کہ فضائل قرآن میں تو یہ روایتیں کہاں سے لاتا ہے؟ تو جواب دیا خود گڑھ لیتا ہوں تا کہ لوگ ان کی طرف توجہ کریں، ابن حبان کہتے تھے کہ یہ اثبات سے موضوعات کی روایت کرتا ہے اور خود بھی جھوٹی حدیثیں گڑھا کرتا ہے،ابوزرعہ نے کہا کہ اس نے فضائل قرآن میں چالیس حدیثیں گڑھ ڈالی ہیں اور کہتا تھا کہ میں اس خدمت پر خدا سے ثواب کا امیدوار ہوں، ۲۰ ورق کی ایک حدیث معراج کے قصہ میں بنائی ہے (صفحہ ۵۲۲)(۷۰) نافع ابن نعیم، قراء سبعہ سے مشہور شخص ہے ابن عدی نے کہا اس کی ایک کتاب ہے جس میں سو جھوٹی حدیثیں ہوں گی (۷۱) نوح ابن مریم ابوعلقمہ مروزی عالم وقاضی مرو، حاکم کہتے تھے کہ ابوعلقمہ نے فضائل قرآن میں طولانی جھوٹی حدیث گڑھ ڈالی ہے (۷۲) ہشام بن محمد بن سائب کلبی ابوالمنذر علامہ اخبار، نسابہ، احمد کہتے تھے کہ میں گمان نہیں کرتا کہ اس نے کسی سے حدیث لی ہو یہ بڑا قصہ گو تھا، اس کی تصنیفیں ۱۵۰ سے زیادہ ہیں (صفحہ ۵۱۰)(۷۳) ہشیم بن بشر سلمی ابومعاویہ واسطی الحافظ احد الاعلام یہ تدلیس کو جائز جانتا تھا، اس

کے پاس بیس ہزار حدیثیں تھیں (صفحہ ۵۵۱) (۷۴) حماد بن ابراہیم ابوالمظفر نسفی ۵۰۰ھ کے بعد اس کی روایتیں بہت ہیں مگر اکثر جھوٹی بنائی ہوئی ہیں (صفحہ ۵۵۲) (۷۵) وہب بن کثیر قاضی ابوالبختری قرشی مدنی م ۲۰۰ھ یزید بن سفیان ابوالمہزم صاحب ابوہریرہ ابن معین کہتا تھا کہ یہ بہت جھوٹ بولتا تھا۔ عثمان بن ابی شیبہ کہتا تھا کہ مجھے گمان ہے قیامت کے روز یہ بھی دجال ہوگا۔ شعبہ کہتے تھے کہ اگر اس کو کوئی ایک پیسہ بھی دیتا تھا تو یہ ستر حدیثیں پیش کر دیتا تھا آخری جملہ پر شاید ناظرین کتاب کو تعجب ہو تو ہم اصل عربی جملے بھی مزید اطمینان کے لئے نقل کر دیتے ہیں او عطاہ انسان فلسا لحدثہ سبعین حدیثا۔ اگر کوئی شخص اس کو پیسہ بھی دیتا تھا تو یہ ستر حدیثیں پیش کر دیتا تھا (میزان الاعتدال صفحہ ۶۰۲)

یہ ایک نہایت مختصر فہرست ہے میزان الاعتدال کی دو جلدوں سے (جو ہزاروں صفحوں سے زیادہ کی بڑی ضخیم کتاب ہے) انتخاب کر کے لکھی گئی۔ یہاں صرف ان راویوں کے نام ہیں جن کی موضوعات (جھوٹی بنائی ہوئی حدیثوں) کی تعیین کر دی گئی ہے کہ ایک ہزار جھوٹی حدیثیں بنانے والا ہے کوئی بیس ہزار، کوئی تیس ہزار اور دس بیس چالیس حدیثوں کا بنا دینا تو بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ علامہ ذہبی کس بے تکلفی سے ان کے حالات میں لکھتے کہ لو اعطی درھما لوضع حدیثا۔ اگر کوئی شخص ان کو ایک درہم (۳۰ پیسہ) بھی دیدیتا تو وہ ایک جھوٹی حدیث بنا کر پیش کر دیتا تھا۔ (صفحہ ۶۰۳) اب سمجھ سکتے ہیں کہ جب معاویہ لاکھ لاکھ درہم دے کر جھوٹی حدیثیں بنوایا کرتا تھا تو ڈھالی ہوئی حدیثوں کی تعداد کتنی ہو گئی ہوگی۔

اب غور کرنا چاہیے کہ جن لوگوں کے مقدس علماء کی یہ حرکتیں ہوں جو حافظ احادیث کہلائیں جو منصب قضاء پر ہوں کہ ان کے زمانے کے کل مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ ان کے ہاتھ میں ہو علم کے دریائے ناپید کنار ہوں، امیر المومنین فی الحدیث ان کا لقب ہو ان کی تصنیفوں پر آج تک کروڑوں مسلمانوں کے دین و ایمان کا دارو مدار ہو جب وہ لوگ ہزار جھوٹی حدیثیں خلفاء ثلاثہ و خلیفہ بنی امیہ و بنی عباس کے لئے یا ان کی فرمائش سے یا ان کے خوش کرنے کی غرض سے بناتے رہیں تو حضرت علی کے صحیح فضائل و مناقب کی حدیثیں کس کو ملتیں؟ کون ان کی روایت کر سکتا تھا؟ کون ان کو سن سکتا تھا؟ کون ان کو یاد رکھ سکتا تھا؟ کون ان کو لکھ سکتا تھا؟ اور کون ان کا نام لے سکتا تھا باوجود ان حالات کے آج حضرتؑ کے فضائل کی حدیثوں سے انہیں حضرات کی کل کتابوں کا بھرا رہنا کیا اس امر کی دلیل واضح نہیں ہے کہ ان اللہ علی کل شیء قدیر؟ لکھنؤ کے زمانہ حال کے بڑے پیشوائے اہلسنت مولوی عبدالحئی صاحب فرنگی محلی نے جھوٹی وضعی حدیثوں کے بارے میں لکھا ہے کہ حدیثوں کی خرابی کی چند قسمیں ہیں۔ (۴) ان غفلت شعاروں کی بدولت خرابی ہوئی جو لوگوں کے بتانے اور سکھانے سے حدیثیں روایت کرتے۔ (۵) ان راویوں کی بدولت فساد پیدا ہوا جو صحیح سمجھ کر روایت کرتے تھے حالانکہ وہ روایتیں غلط تھیں (۶) وہ لوگ

ہیں جنھوں نے کذابین و وضاعین اول نمبر کے جھوٹوں ،مکاروں اور اول درجے کے حدیثیں دل سے گڑھنے والوں سے روایت کی اور جانتے بھی تھے کہ یہ سب کذاب ووضاع ہیں اور جب خود ان روایتوں کو بیان کرنے لگے تو ان کذابین ووضاعین کا نام نکال دیا یا چھاپ دیا اسی کو تدلیس کہتے ہیں تا کہ یہ روایتیں مقبول ہوں اور رواج پا جائیں انہیں میں امام بخاری بھی ہیں (۷) وہ لوگ جنھوں نے بالقصد اور بالعمد جھوٹی حدیثیں بنائیں اور ان کی روایت کی خواہ وہ اسناد میں جھوٹ بولے خواہ نفس حدیث میں، اس آخری قسم وضاعین وکذابین کی بھی چند قسمیں ہیں پہلی قسم تو ان زندیقوں اور ملحدوں کی ہے جنھوں نے مذہب اسلام میں فساد کرنے اور امت میں غلط، بیہودہ، خراب باتیں پھیلا دینے کے لئے حدیثیں بنا ڈالیں جیسے عبدالکریم جب قتل ہونے لگا تو کہا میں نے چار ہزار جھوٹی حدیثیں بنادی ہیں جن میں خدا اور رسولؐ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام اور حرام کی ہوئی باتوں کو حلال کہہ دیا ہے، دوسری قوم ان لوگوں کی ہے جنھوں نے اپنے مذہب کی حمایت میں جھوٹی حدیثیں بنائیں جیسے اہل بدعت سے ایک شخص نے توبہ کرکے تو کہا ہم لوگ جس شخص کو پسند کرتے تھے اس کے موافق حدیث بنا دیتے تھے، اور ابن لہیعہ ایک شخص سے ناقل ہے کہ جب ہم لوگ کوئی بات چاہتے تھے تو اس کی حدیث بنا دیتے تھے چوتھی قسم وہ ہے جو عام طور پر رسولؐ پر جھوٹ اور افتراء کو جائز سمجھتے ہیں، پانچویں قسم ان لوگوں کی ہے جنھوں نے اغراض دنیا سے خاص خاص غرضوں کے لئے جھوٹی حدیثیں بنائیں مثل بادشاہوں کی خوشامد وغیرہ کے جیسا کہ غیاث بن ابراہیم سے منقول ہے کہ بخوشامد مہدی عباس اس نے حدیث بنائی، چھٹی قسم ان لوگوں کی ہے جنھوں نے مذہبی تعصب اور تقلیدی جوش سے حدیثیں بنائیں، ساتویں قسم ان لوگوں کی ہے جو محبت میں اندھے اور بہرے ہو گئے اور اسی جذبے کے ماتحت جھوٹی حدیثیں بنا دیں، آٹھویں قسم ان لوگوں کی ہے جنھوں نے صرف اس غرض سے جھوٹی حدیثیں بنائیں کہ لوگوں کو معلوم ہو ان کے پاس عجیب وغریب حدیثوں کا ذخیرہ موجود ہے ان کے علاوہ اور بھی بہت قسمیں ہیں کہ ہر ہر غرض کے لئے وہ جھوٹی حدیثیں بناتے ہیں (آثار مرفوعہ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۵۲)

جھوٹی حدیثوں کے صرف چند نمونے۔

ناظرین کو حیرت ہوگی کہ وہ سب حدیثیں کیا ہوئیں کہاں ہیں؟ کس جگہ تلاش کی جائیں اور ان سب میں کون سے مسائل بھرے ہوئے ہیں؟ جن کی وجہ سے جھوٹی حدیثوں کی تعداد اس کثرت سے ہوگئی، اور جب ایک درہم لے کر کوئی شخص جھوٹی حدیث بنا دیا کرتا بلکہ ایک پیسہ پر ستر ستر حدیثیں پیش کر دیتا تو اس زمانے میں ان کا پتہ کیوں کر لگایا جائے؟ تو ہم عرض کریں گے اگر وہ سب نہیں تو ان کی بہت سی حدیثیں آج بھی موجود ہیں اور جو شخص تعصب کی عینک اتار کر دیکھے گا فوراً کہہ دے کہ یقیناً یہ حدیثیں قیامت تک اسلام کو شرمندہ رکھیں گی، دین خدا پر لوگوں کو مضحکہ کرنے کا موقع دیتی رہیں گی اور

مسلمانوں کو ہمیشہ ذلیل ثابت کریں گی سب سے زیادہ مگر معتبر مقبول کتابیں بھی ان حدیثوں کی پرورش کرتی رہتی ہیں یہاں صرف حدیثیں بیان کر دیتے ہیں۔ ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

یہ سب حدیثیں حضرت علیؑ کی ضد میں بنائی گئیں کیونکہ حضرتؑ کی مشہور کتاب نہج البلاغہ کے ایک ایک لفظ کے خلاف ہیں۔
خدا کے بارے میں کسی شاعر نے خوب کہا ہے ع

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں   تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

قرآن مجید نے تو خدا کو کہا لیس کمثلہ شیء (اس کے ایسی کوئی چیز نہیں ہے) لیکن سب سے زیادہ مشہور اور دلچسپ کتابیں خدا کے بارے میں کیا کہتی ہیں؟ دل کو سنبھال کر سنیے اور پھر بتائیے کیا ان حدیثوں کی وجہ سے اہل اسلام دنیا کے سمجھدار لوگوں، اور ارباب حل و فہم کو منہ دکھانے کے قابل باقی رہے ہیں مولوی وحید الزمان خانصاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے "انہ لیئط بہ اطیط الرحل الجدید" "عرش حضرت اسرافیل کے مونڈھے پر ہے اور وہ پروردگار کی عظمت سے اس طرح چرچر کرتا ہے جیسے زین پر کوئی سوار ہوا اور وہ چرچر کرتی ہے" "وانہ لیئط بہ اطیط الرحل بالراکب" "عرش پروردگار کے اس پر بیٹھنے سے ایسا چرچراتا ہے جیسے زین سوار کے تلے چرچر کرتا ہے۔" "یوم ینزل اللہ علی کرسیہ فلغط کما ئیط الرحل" "جس دن اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر سے کرسی پر اتر آئے گا وہ زین کی طرح چرچرائے گی۔

ان حدیثوں سے مجسموں کی جان نکلتی ہے اس حدیث کے بعد یہ ہے پھر میں اللہ جل جلالہ کے داہنے طرف کھڑا ہوں گا سبحان اللہ اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ہمارے پیغمبرؐ کی فضیلت ایسی نکلتی ہے کہ مخالفین کے دانت کھٹے ہو جاتے ہیں اس روایت میں یہ بھی ہے کہ کرسی تنگی کی وجہ سے چرچرائے گی حالانکہ قرآن میں ہے کہ اس کی کرسی نے زمین و آسمان کو گھیر لیا ہے۔ (انوار اللغۃ پارہ ۱ ر صفحہ ۳۹) اگر یہاں یہ کہا جائے کہ یہ حدیثیں کسی معمولی درجہ کی کتابوں میں ہوں گی بڑی اور اعلیٰ درجے کی کتابوں میں نہیں مل سکتیں تو کہا جائے گا کہ جو کتابیں مشہور عالم اور مقبول خاص و عام ہیں ان میں بھی یہ حدیثیں بھری ہوئی ہیں۔ (مشکوۃ شریف جلد ۷ ر صفحہ ۱۲۲ و ۱۵۶ مطبوعہ لاہور) یہ روایت بھی بنائی گئی کہ خدا ابر (بادل) میں اڑا پھرتا تھا "صحابہ نے آنحضرتؐ سے پوچھا ہمارا پروردگار مخلوقات پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا فرمایا وہ عما میں تھا یعنی ابر میں (انوار اللغۃ پارہ ۱۸ ر صفحہ ۲۱۳ و مشکوۃ شریف جلد ۷ ر صفحہ ۵۵)۔

کما عند النبی فنظر الی القمر لیلۃ فقال انکم سترون ربکم کما ترون ھذا القمر۔ ایک چاندنی رات میں

حضرت رسولؐ نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ تم لوگ جلد خدا کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھتے ہو (صحیح بخاری پ ۳۰/صفحہ ۳۱۳) ستروں ربکم اعیان، عنقریب تم لوگ خدا کو برہنہ دیکھو گے (پارہ ۳۰/صفحہ ۱۲۳) استاذن علی ربی فیؤذن فاذا رأیت ربی وقعت ساجدا، رسولؐ نے فرمایا کہ میں خدا سے اجازت چاہوں گا جب وہ اجازت دے دے گا تو خدا کو دیکھ لوں گا اور دیکھتے ہی سجدہ کے لئے گر پڑوں گا (صحیح بخاری پارہ ۱۸/صفحہ ۱۱۴) حالانکہ قرآن مجید پکار کر فرماتا ہے لاتدرکه الابصار، کوئی شخص خدا کو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا (پارہ ۷/ع ۱۸) قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی، حضرت موسیٰؑ نے خدا سے کہا مجھے اپنے کو دکھا دے کہ میں تجھے آنکھ سے دیکھ لوں گا، جواب ملا تم مجھ کو ہرگز ہرگز آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے (پارہ ۹/ع ۷) صحیح حدیث میں وارد ہے بخاری اور مسلم نے نکالا آنحضرتؐ نے فرمایا جس دن مالک ہمارا پنڈلی کھولے گا تو ہر مومن مرد اور مومن عورت اس کو سجدہ کریں گے (تفسیر وحیدی صفحہ ۷۳۶) کیا خدا کی پنڈلی ہونے اور اس کے کھولے جانے کا ذکر سن کر آج دنیا بھر کے مذہب والے اسلام پر زور کا قہقہہ نہیں لگائیں گے یہ بھی لکھا ہے دوزخ اور جنت اللہ تعالیٰ کے حکم سے بات کر سکتے ہیں صحیح حدیث میں دوزخ برابر یہی کہتی رہے گی اور کچھ ہے؟ یہاں تک کہ پروردگا اپنا قدم اس میں رکھ دے گا، وہ سمٹ جائے گی اور کہے گی بس بس میں بھر گئی، اہل حدیث اللہ تعالیٰ کے قدم کو مانتے ہیں اور اس کی تاویل نہیں کرتے جیسے اور صفات کو مانتے ہیں (تفسیر وحیدی صفحہ ۶۷۵) یہ سب مضامین مشکوٰۃ، صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ معتبر کتابوں میں ہیں، ان سے زیادہ جھوٹی اور بنائی ہوئی باتیں اور کیا چاہئیں؟ یہ کل حدیثیں تو روح اسلام کی ذبح کرنے والی اور تمام اہل اسلام کو روسیاہ کر دینے والی ہیں۔

بندروں کے بارے میں،

بندروں کے بارے میں بھی چند حدیثیں ایسی ہیں جن کو دیکھ کر اہل عقل معلوم نہیں مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہوں گے صرف ایک بطور نمونہ نقل کی جاتی ہے، عن عمرو بن میمون قال رأیت فی الجاهلیة قردة اجتمع علیها قردة قدزنت فرجموها فرجمتها معهم، عمرو بن میمون بیان کرتے تھے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک بندریا کو میں نے دیکھا کہ اس کے پاس بہت سے بندر جمع ہیں، اس بندریا نے زنا کیا تھا تو ان بندروں نے اس بندریا کو زنا کی سزا میں پتھروں سے خوب مارا تو میں نے ابھی ان سب کے ساتھ اس پر پتھر مارے (صحیح بخاری پارہ ۱۵/صفحہ ۴۳۳) کسی جانور کا زنا کسی نے بھی سنا ہے؟ اس حدیث سے اس زمانے کی نئی روشنی والے اسلام کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے اور یہ سنیں گے تو کیا کہیں گے؟ تعلیم یافتہ طبقہ کو خبر ہوگی تو مذہب اسلام کا کیسا مذاق اڑائیں گے؟

موت کے ذبح ہونے کے بارے میں۔

حضرت رسول خدا صلعم نے (معاذ اللہ) فرمایا کہ فرشتے قیامت میں موت کو ایک مینڈھے کی طرح گرفتار کر کے لائیں گے تو اس وقت ایک منادی پکار کر کہے گا اے بہشت والو اپنی گردنیں اونچی کر کے اس طرف دیکھنا شروع کریں گے تب وہ منادی کہے گا اس کو تم لوگ پہچانتے ہو؟ وہ لوگ کہیں گے ہاں یہ موت ہے اور سب لوگوں نے اس کو دیکھ لیا ہے، اس کے بعد وہ موت ذبح کر دی جائے گی (صحیح بخاری پارہ ۱۹ صفحہ ۲۰۱) موت کا گرفتار کیا جانا خدا کے سامنے حاضر کیا جانا اور اس کو ذبح ہونا دنیا کے کس شخص کی عقل میں آسکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں۔

(معاذ اللہ) حضرت رسول مقبول صلعم نے فرمایا بنو اسرائیل کی عادت تھی کہ ننگے ہو کر نہاتے تھے جس کی وجہ سے ہر آدمی دوسرے کے پوشیدہ مقامات دیکھا کرتا تھا، مگر حضرت موسیٰ پیغمبر اپنے مقام کے لوگوں کے ساتھ نہیں بلکہ اکیلے غسل کرتے تھے، اس پر بنو اسرائیل کہتے تھے کہ خدا کی قسم ہم لوگوں کے ساتھ اس وجہ سے نہیں نہاتے کہ ان کو آب نزول کی شکایت ہے، ایک مرتبہ حضرت موسیٰ غسل کرنے گئے اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیے تو پتھر ان کے سب کپڑے لے کر بھاگ گیا یہ دیکھتے ہی حضرت موسیٰ اس پتھر کے پیچھے دوڑے اور فرماتے جاتے تھے ارے پتھر او پتھر میرے کپڑے کیوں لے جاتا ہے ارے پتھر میرے کپڑوں کو لے کر کہاں بھاگا جاتا ہے؟ اس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو ننگا دیکھ لیا اور کہنے لگے خدا کی قسم حضرت موسیٰ کو کوئی بیماری نہیں ہے اور حضرت موسیٰ اس پتھر کے پیچھے دوڑتے ہی رہے یہاں تک کہ اس کو گرفتار کر لیا تو لگے اس کو مار کر سزا دینے ابوہریرہ کہتے تھے کہ خدا کی قسم حضرت موسیٰ نے اس پتھر کو اس قدر مارا کہ اس پر چھ یا سات نشان یا داغ پڑ گئے (صحیح بخاری پ ۲ / صفحہ ۱۹۳)

اگر فرض کر لیا جائے (جو بالکل خلاف عقل فرض ہے) کہ یہ واقعہ ہوا بھی تو امام بخاری صاحب کو اس روایت کے درج کرنے کی ضرورت ہی کیا پڑی تھی، کیا وہ نہیں سمجھتے تھے کہ ایسی حدیثوں سے اسلام ہنسا جائے گا؟ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ ایسی حدیثوں کے درج کرنے سے بچے بھی حضرت رسولؐ پر مسخرہ کریں گے؟ لیکن جس دائرۂ ایمان و اعتقاد و عمل میں ایک درہم دینے سے ایک جھوٹی حدیث بنا دی جاتی تھی، اور ایک بیسہ دینے سے ستر حدیثیں تک پیش کر دی جاتی تھیں اس کے بارے میں آدمی کیا کہے اور کیا رائے قائم کرے، افسوس اسلام کیا بازیچۂ اطفال بنا دیا گیا؟ یہ حدیث بھی اسی قبیل سے ہے کہ خدا نے ملک الموت کو حضرت موسیٰ کی طرف بھیجا کہ جا کر ان کی روح قبض کریں جب وہ تشریف لائے تو حضرت موسیٰؑ نے ان

کی آنکھ پر اس زور کا طمانچہ مارا کہ ان کی آنکھ ہی پھوڑ ڈالی جس پر ملک الموت خدا کے پاس واپس گئے اور خدا کی عدالت میں حضرت موسیٰؑ پر نالش کردی کہ انہوں نے تو میری آنکھ ہی پھوڑ دی جس سے میں اندھا کانا ہو گیا، اس پر خدا نے ان کو دوسری آنکھ دے دی (صحیح بخاری پ ۵ رصفحہ ۶۹)

حضرت رسول خدا کے بارے میں

(معاذ اللہ) حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ جناب جبریل نے بیان کیا ہے، اے رسولؐ! جو شخص آپ کی امت میں سے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانے گا وہ بہشت میں داخل ہوگا، یا وہ جہنم میں کبھی نہیں جاسکتا، پوچھا کیا اگر وہ زنا اور چوری کرے جب بھی جہنم میں نہیں جائے گا؟ فرمایا ہاں جب بھی وہ بہشت ہی میں جائیگا اور جہنم میں نہیں جاسکتا۔ (صحیح بخاری پ ۱۳ رصفحہ ۱۹۴) اس حدیث نے پورے قرآن مجید کو رد اور دین اسلام کو ختم کردیا، دین اسلام کی روح تو اعمال صالحہ ہیں اور انہیں اعمال صالح کے لئے اچھے عقائد بنیاد قرار دیے گئے ہیں اگر انسان ایک خدا کو نہیں مانے گا تو وہ اعمال صالح بھی نہیں بجالاسکتا اور جب اعمال صالح کو بجالائے گا اور اعمال سیئہ سے بچے گا تب وہ بہشت میں داخل ہوگا (مگر صحیح بخاری کی اس حدیث نے اعمال صالح کی ضرورت ہی باقی نہیں رکھی، خدا کو ایک مان لینے کے بعد آدمی دن رات زنا کرتا رہے، رات دن چوری اور ڈاکہ زنی میں عمر گزارتا رہے وہ جہنم کی صورت بھی نہیں دیکھ سکتا، سیدھا بہشت میں پہنچ جائے گا، اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہی ایک حدیث اسلام کو دنیا بھر کے مذہبوں سے زیادہ خراب، گندہ، گھناؤنا اور باعث نفرت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو کہے آدمی خدا کو ایک مان لے اس کے بعد جو چاہے کرے، زنا اور چوری بھی کرتا رہے تو سیدھا بہشت ہی میں جائے گا حالانکہ قرآن مجید پارہ ۳۰ رمیں خدا نے فرمادیا ہے" **ومن یعمل مثقال ذرۃ خیر أیرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شر أیرہ**۔ جو شخص ذرہ برابر اچھا کام کرے گا اس کا انعام ضرور پائے گا۔ اسی طرح اس کتاب اعجاز الولی کے پچھلے صفحات میں حضرتؐ کے (معاذ اللہ) شراب پینے کی حدیثیں، پھر صفحہ ۷۰ رمیں حضرتؐ کے چوری کرنے کی حدیثیں پھر صفحہ ۷۱ رمیں حضرتؐ کے بتوں کی تعریف کرنے کی حدیثیں، صفحہ ۷۰ رمیں حضرتؐ کے معاذ اللہ کسی عورت سے ۔۔۔۔۔۔ کرنے کی کوشش کی حدیثیں لکھی جاچکی ہیں، یہ سب انہیں جھوٹی بنائی ہوئی حدیثوں سے ہیں، پھر حضرت ابوبکر کے یار غار ہونے، آنحضرت صلعم کے ان کو اپنے ساتھ لے جانے اور بیماری کی حالت میں آپ کو نماز پڑھانے کا حکم دینے کی حدیثیں، پھر حضرت عمر کے حضرت ام کلثومؑ سے شادی کرنے کی حدیثیں بھی انہیں بنائی ہوئی جھوٹی روایتوں سے ہیں، عبادات اور اعمال میں بھی وضوء میں پاؤں دھونے، نماز میں ہاتھ باندھنے وغیرہ کی کل حدیثیں جھوٹی اور بنائی ہوئی

ہیں، حضرات ائمہ طاہرینؑ کی برائیوں میں جس قدر روایتیں ان کی کتابوں میں مل جاتی ہیں وہ سب بھی انھیں جھوٹی دل سے گڑھی ہوئی اور حکومت کی مشینوں میں ڈھالی ہوئی حدیثوں سے ہیں، غرض اسی طرح لاکھوں حدیثیں ہیں، اسی کتاب اعجاز الولی کے صفحہ ۵۳ پر میں مولوی شبلی صاحب کی یہ عبارت نقل کی جا چکی ہے کہ خلیفہ ہشام ابن عبدالملک نے ایک شخص کو خط لکھا کہ حضرت عثمان کے مناقب اور علیؑ کے معائب لکھ کر میرے پاس بھیج دے، پوری عبارت یہ ہے "سلیمان اعمش جو امام حدیث اور سفیان ثوری کے استاد تھے وہ بھی عجمی غلام تھے اور ان کا یہ رتبہ تھا کہ جب خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے ان کو خط لکھا کہ حضرت عثمان کے مناقب اور علیؑ کے معائب لکھ کر میرے پاس بھیج دے تو انہوں نے ہشام کے خط کو قاصد کے سامنے بکری کے منہ میں دیدیا کہ وہ چبا گئی اور قاصد سے کہا کہ ہشام سے کہہ دینا کہ اس خط کا یہ جواب ہے۔ (ابن خلکان تذکرہ سلیمان اعمش۔ از الندوہ اکتوبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۴) اس سے بھی واضح ہوا کہ خلفاء بنی امیہ خلفاء ثلاثہ کی مدح اور حضرت علیؑ کی برائی میں کس کس طرح جھوٹی حدیثیں بنوایا کرتے تھے، ہوسکتا ہے سلیمان اعمش نے ایک مرتبہ ہشام کے خط کا وہ جواب دیا ہو لیکن پھر ہشام نے اس کو تہدیدی خط لکھا ہوگا تو اس بیچارے نے کیا کیا ہوگا؟ اس کے علاوہ اعمش کے سوائے ہزاروں علمائے حدیث بھرے ہوئے تھے اور ایک پیسہ پر ستر حدیثیں پیش کردی جاتی تھیں تو اس نے دوسرے کتوں سے کتنی حدیثیں بنوائی ہوں گی، یہ بھی خیال رہے کہ ہشام خاندان بنی امیہ کا دسواں خلیفہ تھا جس نے ۱۰۵ھ سے ۱۲۵ھ تک بادشاہت کی جب اس نے اس اہتمام سے سلیمان اعمش سے حدیثیں بنوانے کی کوشش کی تو اس کے قبل یزید بن عبدالملک نے جو ۱۰۱ھ سے ۱۰۵ھ تک بادشاہ رہا۔ اور اس کے پہلے سلیمان بن عبدالملک نے جو ۹۶ھ سے ۹۹ھ تک بادشاہ رہا، اور اس کے پہلے ولید بن عبدالملک نے جو ۸۶ھ سے ۹۶ھ تک بادشاہ رہا، اور اس کے پہلے عبدالملک بن مروان نے جو ۶۵ھ سے ۸۶ھ تک سلطنت کرتا رہا، اور اس کے پہلے مروان بن الحکم نے ۶۴ھ سے ۶۵ھ تک خلیفہ رہا اور اس کے پہلے یزید نے جو ۶۰ھ سے ۶۴ھ تک بادشاہ رہا اور اس کے پہلے معاویہ نے جو ۴۱ھ سے ۶۰ھ تک خلافت پر مسلط رہا، حضرت علیؑ کے معائب میں لاکھوں جھوٹی حدیثیں بنوا ڈالی ہوں گی؟ وہ سب جوڑی جائیں تو کس حد کو پہنچ جائیں گی وہی سب جھوٹی بنائی ہوئی حدیثیں کچھ انگلیوں پر گننے کے قابل صحیح حدیثوں میں مخلوط ہوکر ہزاروں کتابوں میں بھری ہوئی ہیں۔

اہلبیت علیہم السلام کے ساتھ آخری خلفاء بنی امیہ کی سختیاں،

مختصراً اس کو بھی دیکھ لیجئے کہ خاندان بنی امیہ نے صرف جھوٹی حدیثیں بنوا کر ہی نہیں بلکہ جسمانی طور پر، اخلاقی طور پر تہذیبی عنوان سے ادبی حیثیت سے بھی حضرات اہلبیتؑ کی زندگی کس درجہ تلخ کردی تھی، پھر ان مظلوموں اور مصیبت زدوں کے

فضائل کی حدیثیں بیان کرنے یا سنانے یا لکھنے یا پھیلانے کی جرأت کون کرسکتا تھا؟اس کے ہزاروں واقعات ہیں مگر ہم صرف دو چار بطور نمونہ ذکر کردیتے ہیں: (۱) ۹۱ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے خانہ کعبہ کا حج کیا، وہاں سے مدینہ آیا تو ایک دن منبر رسولؐ پر خطبہ پڑھتے ہوئے اس کی نظر امام حسنؑ کے صاحبزادے حسن مثنی پر پڑگئی جو جناب سیدہ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، ولید نے حاکم مدینہ سے کہا کہ ان لوگوں کو کیوں اب تک اس مکان میں رہنے دیا؟ اسی وقت سب کو اس سے نکال دو، جناب حسن مثنی اور ان کی بیوی بچوں نے کچھ عذر کیا تو ولید نے حکم دیا کہ اس مکان کو ان لوگوں پر گرادو تب اس کے آدمیوں نے بیچاروں کے اسباب زبردستی اس مکان سے نکال کر باہر پھینک دئے، ان کا گھر ویران کردیا اور چاہتے تھے کہ اس کو مسمار کردیں مجبوراً بے چارے گھر سے باہر نکل پڑے روز روشن میں مخدرات اہلبیتؑ اپنا گھر چھوڑ کر مدینہ سے باہر چلی گئیں اور اپنی سکونت دوسری جگہ اختیار کرلی اس کے خلاف جب حضرت عمر کی اولاد سے کہا گیا کہ حضرت حفصہ کا مکان خالی کردو اورانہوں نے اپنے گھر سے نکلنا منظور نہیں کیا تو ولید بن عبدالملک نے حاکم مدینہ کو لکھ بھیجا کہ اولاد عمر بن الخطاب کی رضا جوئی میں کمی نہ کرنا بلکہ ان کی پوری عزت واحترام کرو اور اگر وہ لوگ اپنا مکان بیچنے پر راضی نہ ہوں تو ان کے رہنے کو اس مکان کا ایک حصہ چھوڑ دو اور ان کی آمدرفت کے لئے مسجد کی جانب ایک دروازہ بھی رہنے دو، (وفاء الوفاء جلد ا ر صفحہ ۳۶۳ر وجذب القلوب صفحہ ۱۷۳) اللہ اکبر! حضرت رسول خداصلعم کی اولاد کے ساتھ وہ برتاؤ! اور خلیفہ دوم کی اولاد کی یہ عزت!

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

(۲) یکم صفر ۱۲۵ھ کی رات میں حضرت امام زین العابدینؑ کے ایک اور فرزند جناب زید نے خلیفہ ہشام کے ظلموں سے عاجز آکر اس کی اطاعت سے انکار کردیا، آخر بادشاہ کی فوج نے آپ کو قتل کردیا تو آپ کے خادموں نے آپ کی لاش اٹھالی اور مخفی طور پر ایک قبر کھود کر اس میں دفن کردیا اور اس پر کسی نہر کی نالی کاٹ کر پانی جاری کردیا تاکہ کسی کو ان کی قبر کا پتہ نہ چلے اور بادشاہ آپ کی لاش کی ذلت نہ کرے، مگر ہشام کے آدمیوں نے بہت کچھ تلاش کے بعد آپ کی قبر کا پتہ پالیا، آپ کی لاش مبارک اس پانی کے اندر کی چھپی ہوئی قبر سے نکال کر آپ کا سر کاٹ کر خلیفہ ہشام کے پاس بھیج دیا اور باقی لاش کو سولی پر چڑھادیا جو چار سال تک اسی طرح سولی پر چڑھی رہی، اس کے بعد وہ لاش جلا کر اس کی راکھ دریائے فرات میں بہادی گئی، (عمدۃ الطالب صفحہ ۲۴۸)![1]

(۳) مصنف کتاب روض نضیر نے لکھا ہے **تلمذ ابو حنيفة على زيد مدة سنتين ولم يمتعه من التجاهر**

---

[1] جناب زید شہید کے ضروری حالات ہم اپنی کتاب تاریخ ائمہ کے صفحہ ۳۰۰ رمیں لکھ چکے ہیں یہاں صرف آپ کی لاش کے ساتھ بنی امیہ کا برتاؤ دکھانے کو اس قدر نقل کردیا ہے۔

بملک الاسلطان بنی امیۃ، یعنی مشہور امام فرقہ حنفی کے امام ابوحنیفہ صاحب دو سال تک حضرت زید سے پڑھتے رہے مگر بنی امیہ کی اس درجہ سختی اہلبیتؑ پر تھی کہ ابوحنیفہ صاحب کو اس کی جرأت نہیں ہوئی کہ حضرت زید کی شاگردی کا اعلان کر سکیں۔ (کتاب زید الشہید صفحہ ۲۳)

(۴) حضرت امام جعفر صادقؑ کل سیاسی امور سے الگ محض دینی اور علمی خدمات میں زندگی بسر کرتے تھے مگر حضرتؑ پر بھی اتنی سختی تھی کہ باہر کسی سے باتیں کرنی دشوار تھی۔ ایک شخص فضیل کہتے تھے "دخلت علی ابی عبد اللہ بعد ما قتل زید بن علی ؑ فدخلت بیتاً فی جوف بیت وقال لی یا فضیل قتل عمی زید قلت نعم جعلت فداک فقال رحمہ اللہ اما انہ کان مؤمناً عارفاً وکان عالماً وکان صدوقاً۔ حضرت زید کے قتل کے بعد میں حضرت امام جعفر صادقؑ کے پاس گیا تو میں ایک کمرے میں بلایا گیا، اس کمرے کے جوف میں ایک کوٹھری تھی پھر میں اس کوٹھری میں بٹھایا گیا، اس طرح جب پوری تنہائی ہوگئی تو حضرت نے پوچھا کیوں فضیل کیا چچا زید شہید کر دیئے گئے میں نے کہا ہاں، حضرتؑ نے فرمایا خدا ان پر رحمت نازل کرے وہ بڑے عارف مومن اور عالم اور سچے تھے (کتاب زید الشہید صفحہ ۲۹) اس جملہ سے معلوم ہوا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ بھی فضیل سے کھل کر نہیں مل سکے بلکہ ایک بند کمرے کے جوف میں جو کوٹھری تھی اس میں بند ہو کر باتیں کیں (۵) عن معتب قال قرع باب مولائے الصادق الحرجت فاذا زید بن علی فقال الصادق ؑ لجلسائہ ادخلوا ہذا البیت وردوا الباب ولا یتکلم منکم احد فلما دخل قام الیہ واعتنقہ وجلسا طویلاً۔ یعنی معتب کہتے تھے ہمارے امام جعفر صادق کے مکان کی کنڈی ایک دفعہ کھٹکھٹائی گئی، تو ہم باہر نکلے دیکھا حضرت زید ہیں تو حضرت جعفر صادقؑ نے اپنے پاس کے بیٹھنے والوں سے فرمایا آپ لوگ اس کمرے کے اندر چلے آئیں اور دروازہ لگا دیں اور ایک دوسرے سے باتیں نہ کرے۔ اس قدر اہتمام کے بعد جب جناب زید داخل ہوئے تو حضرتؑ نے گلے سے لگا لیا اور دونوں بزرگ دیر تک باتیں کرتے رہے (کتاب زید الشہید صفحہ ۷۳)

(۶) جناب زید شہید ہو گئے تو چار بیٹے چھوڑے ایک جناب یحییٰ ابن زید ان کی والدہ جناب محمد بن الحنفیہ کی پوتی ریطہ تھیں جناب زید کوفہ میں شہید ہو گئے تو جناب یحییٰ خلیفہ وقت ہشام کے خوف سے مدائن کی طرف چلے گئے ہشام کے سپہ سالار نے ان کو گرفتار کرنا چاہا تو رے کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں سے نیشاپور کا رخ کیا وہاں بھی آپ کو بچانے والا کوئی نہیں ملا تو سرخس چلے گئے، اتنے میں خلیفہ ہشام مر گیا اور ولید بن یزید خلیفہ ہوا تو اس کے سپہ سالار نے اپنے ماتحت سردار فوج کو لکھا کہ یحییٰ بن زید حریش کے مکان میں ہیں ان کو گرفتار کر لو، حریش گرفتار ہو کر خلیفہ کے حاکم کے پاس لائے گئے اس نے پوچھا

یحیٰ کہاں ہیں؟ حریش نے کہا میں کیا جانوں؟ اس پر حریش کو چھ سو کوڑے مارے گئے مگر اس سزا کے بعد بھی انہوں نے کہا خدا کی قسم اگر یحیٰ ابن زید میرے دونوں قدموں کے نیچے بھی چھپے ہوں تو میں اپنے قدم تک نہیں اٹھاؤں گا اور کسی طرح ان کا پتہ نہیں لگنے دوں گا تیرے اختیار میں جو ہو کر لے، مگر حریش کے بیٹے سے اپنے باپ کی سزا نہیں دیکھی گئی اس نے کہا میرے باپ کو قتل نہ کرو، وہ نہیں بتاتے تو میں یحیٰ کا پتہ بتائے دیتا ہوں، غرض اس نے ایک بند مکان کے بند کمرے کے اندر جو بند کوٹھری تھی اس کے اندر سے جناب یحیٰ کو گرفتار کرا دیا، جس کے بعد جناب یحیٰ قید پر قید ہوتے رہے، اس وقت ان کی عمر صرف ۱۸ر سال کی تھی (تاریخ طبری جلد ۸ر صفحہ ۳۰)[1]۔

(۷) جناب یحیٰ کے بھائی عیسیٰ ابن زید بھی بڑے بہادر تھے آپ کو مؤتم الاشبال (شیر کے بچوں کا یتیم کرنے والا) کہتے تھے ،آپ پر بھی خلفاء بنی امیہ کی اتنی سختیاں تھیں کہ ان کے ڈر سے اِدھر اُدھر چھپتے پھرتے تھے، ایسے عبادت گزار تھے کہ پیشانی پر سجدے کا گھٹا پڑا ہوا تھا، مگر خلفاء بنی امیہ اس درجہ آپ لوگوں کے خون کے پیاسے تھے کہ آپ اپنا نام و نسب بھی ظاہر کرنے کا موقع نہیں پاتے تھے، کوفہ میں پانی کھینچنے کا کام اختیار کر لیا تھا اور وہیں ایک عورت سے شادی کر لی تھی مگر وہ عورت اور اس کے خاندان والے تک نہیں جانتے تھے کہ آپ کس خاندان سے ہیں اس عورت سے آپ کی بیٹی پیدا ہوئی جو بڑی ہو کر شادی کے قابل ہو گئی مگر آپ اس وقت تک بھی اپنی بی بی یا بیٹی سے یہ نہ ظاہر کر سکے کہ کون ہیں اس وقت آپ ایک خوش حال بہشتی کے پاس ملازم تھے اس بہشتی کا ایک لڑکا تھا جو جوان ہوا تو اس بہشتی اور اس کی بیوی نے رائے کی کہ اسی اپنے ملازم (جناب عیسیٰ بن زید) کی اس لڑکی سے شادی کی جائے، دونوں نے اپنی خواہش جناب عیسیٰ کی بیوی سے بیان کی وہ تو خوشی سے پھولی نہیں سمائی اس خیال سے کہ میری لڑکی کیسی خوش قسمت ہے جس کی شادی میرے مالک کے لڑکے سے ہوگی، جب دن بھر کام کرنے کے بعد جناب عیسیٰ گھر پر آئے تو اس عورت نے ان سے کہا میری لڑکی بڑی خوش قسمت نکلی کہ جس مالک کے پاس تم نوکر ہو وہ اپنے لڑکے سے میری لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہے، جناب عیسیٰ نے سنا تو صدمہ سے بُرا حال ہو گیا (اس خیال سے کہ ہائے آج خاندان رسولؐ کی مصیبت اور ذلت اس درجہ کو پہنچ گئی کہ رسول زادی کی شادی اس بہشتی کے لڑکے سے مقرر ہوتی ہے) اس عورت سے تو کچھ کہہ نہیں سکتے تھے لیکن تنہائی میں خدا سے دعا کی کہ اے خدا تو میری بیٹی کو تو دنیا سے اٹھا لے تاکہ وہ اس بہشتی کے لڑکے سے نہ بیاہی جائے اور میں رسول خدا صلعم کی اس پارۂ جگر کو اس طرح ذلیل کر کے حضرت رسولؐ کی روح سے

---

[1] جناب یحیٰ بن زید، عیسیٰ بن زید اور محمد بن زید کے حالات ہم زیادہ تفصیل سے اپنی کتاب تاریخ ائمہ صفحہ ۳۰۳ر سے ۳۰۶ر تک لکھ چکے ہیں اس وجہ سے یہاں صرف چند جملے لکھ کر یہ دکھایا گیا ہے خلفاء بنی امیہ کے آخری بادشاہوں نے بھی خاندان رسولؐ کے ساتھ سختیاں کرنے میں اپنے بزرگوں کی طرح بہت زیادہ حصہ لیا اور یادگار واقعات تاریخ و سیر کے اوراق پر چھوڑے گئے ہیں۔ ۱۲

شرمندہ نہ ہوں ان کی دعا فوراً قبول ہوئی۔ اسی روز لڑکی مر گئی اور اس ذلیل نسبت سے بچ گئی مگر اب جناب عیسیٰ بہت روئے، آپ کے بعض رازدار دوستوں نے جو آپ کے نام و نسب اور اصلی حالت سے کسی طرح باخبر ہو گئے تھے کہا تم اپنی لڑکی کے مرنے پر اس درجہ روتے ہو؟ جناب عیسیٰ نے کہا خدا کی قسم میں اس کی موت پر نہیں بے چین ہوں بلکہ اس پر کہ وہ مر گئی اور یہ تک نہیں جان سکی کہ وہ حضرت رسولؐ کے جگر کا ٹکڑا تھی، آپ نے یہ اس وجہ سے کہا کہ وہ اپنے کو اپنی بیوی اور بچی سے بھی چھپائے ہوئے تھے اس خوف سے کہ کہیں اس کا راز نہ فاش ہو جائے اور سلطنت کے لوگ واقف ہو کر آپ کو گرفتار نہ کر لے جائیں (کتاب عمدۃ الطالب صفحہ ۲۷۸)

اب دنیا خود فیصلہ کر لے کہ خاندان رسولؐ، حضرت امیر المومنینؑ اور اہلبیتؑ پر جب اتنی سختیاں کی جاتی رہیں تو ان کے فضائل کون بیان کر سکتا تھا؟ ان حضرات کی خوبیاں کوئی کس طرح زبان پر لا سکتا تھا؟ ان حضرات کے اسلامی احسانات کا نام بھی کس طرح لیا جاتا؟ ان کی حدیثیں کیوں کر گھڑی جاتیں؟ باوجود اس کے آج تمام دنیا کی عربی کتابیں خواہ ہندوستان میں ہوں یا پاکستان میں، عراق میں ہوں یا شام، حجاز اور مصر میں، یورپ میں ہوں یا امریکہ میں ان حضرات کی بچی کھچی ہوئی فضیلتوں سے بھری ہوئی ہیں کیا یہ حضرت علیؑ کا معجزہ نہیں ہے؟ کیا یہ "اعجاز ولی" نہیں ہے۔

جناب زید اور علی کی شہادت بھی عجیب دردناک حادثہ اسلام ہے جس پر امام ابو حنیفہ جیسے مشہور علمائے اسلام تک نے بنی امیہ کے ظلم کا اعلان کر دیا، جناب مولوی وحید الزماں خان صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے [illegible] امام ابو حنیفہ خود چھپکے چھپکے لوگوں کو حضرت زید کی مدد کو ابھارتے تھے اور ایک رقم خطیر سے ان کی امداد کی تھی اور کہتے تھے [illegible] انصاف کی بات [illegible] لیکن حق بات کی اظہار میں کوئی ڈر نہیں ہے۔

انصاف یہ ہے کہ معاویہ سے لے کر محمد عباسی بادشاہ یعنی معتصم باللہ تک کوئی خلیفہ راشد نہ تھا بلکہ ان میں سے ظالم اور جابر بادشاہ تھے الا ماشاء اللہ جیسے خود حدیث سے ثابت ہے کہ ثم یصیر ملکا عضوضا (انوار اللغۃ پارہ ۲۳ صفحہ ۱۰۳) ایک اور جگہ لکھا ہے اس حدیث سے کہ جب حضرت علیؑ معاویہ اور ان کے طرفداروں سے لڑے چونکہ وہ باغی تھے، حضرت علیؑ کی خلافت بموجب نصوص ثابت تھی اکثر ارباب حل و عقد ہو گئی تھی اور ان کی امامت صحیح اور برحق تھی لیکن معاویہ اور ان کے حامیوں نے خلاف کیا اس وجہ سے باغی قرار پائے ایک جگہ اور لکھا ہے معاویہ کو خلافت کا بالکل استحقاق نہ تھا جب وہ امام برحق سے باغی ہو چکے تھے وہ تو از روئے قانون کورٹ مارشل کے لائق تھے نہ مہاجرین میں سے تھے نہ انصار میں سے بلکہ طلقاء میں سے جو معاویہ سے ہوا تھا معاویہ نے نقض عہد کر کے اس پر عمل نہیں کیا بلکہ یزید کو خلیفہ بنانے اور امام حسنؑ کی جان لینے کی فکر کی خطابی نے کہا حدیث میں میرے جانشین سے امام حسینؑ اور آپ کی اولاد مراد ہیں جو آپ کے ساتھ شہید ہوئے غرض یزید پلید نے آنحضرتؐ کے جگر گوشوں کا لحاظ کیا نہ آپ کی اولاد کو چھوڑا نہ دوسرے مہاجرین اور انصار کو جنہوں نے آنحضرتؐ پر سے اپنا جان اور مال تصدق کیا اور ان ہی کی جوتیوں کے طفیل سے یزید کے باپ کی اتنی بڑی حکومت اور بادشاہت ملی ورنہ جنگل میں سر چھپاتا پھرتا [illegible] اونٹ کا دودھ اور [illegible] گوشت کھاتا رہتا [illegible] کوئی ٹھکانہ ہے؟ حضرت علیؑ کا فرمانا پورا ہوا کہ معاویہ چاہتا ہے کہ بنی ہاشم میں سے کوئی آگ [illegible] (انوار اللغۃ پارہ ۱۸ صفحہ ۱۷۰)

آٹھواں باب

خلفاء بنی عباس کے زمانے میں حضرت علیؑ اور آل رسولؐ کے فضائل کی حالت

سن ۱۳۲ھ میں خلفاء بنی امیہ کا زمانہ ختم ہو گیا اور خلفاء بنی عباس کی حکومت شروع ہوئی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم اپنے محترم دوست جناب ماسٹر ذاکر حسین دہلوی کی کتاب المستمر سے جو رسالہ اصلاح کے ساتھ ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئی تھی ایک عبارت نقل کر دیں۔ مرحوم نے لکھا تھا: مقدمہ: دور علیؑ اور ان کے شیعوں کی ابتدائی حالت

رسول اللہ کے عہد کرامت مہد میں علیؑ و شیعان علیؑ کی جو حیثیت تھی وہ محتاج بیان نہیں ہے جس روز حسب حکم وانذر عشیرتک الاقربین اسلام کا اعلان عام کیا گیا اسی روز سے اسلام کی بنیاد توحید، عدل، نبوت، امامت، قیامت پر قائم ہوئی آں حضرتؐ تا دم وفات حضرت علیؑ کے فضائل بیان کرتے اور ان کی محبت کا حکم دیتے رہے حب و بغض علیؑ کو مومن ومنافق کی شناخت کا معیار قرار دیا تھا اور شیعۃ علی ہم الفائزون اور ہم خیر البریہ فرمان فیض ترجمان زبان پر جاری فرمایا تھا مگر پیغمبر خدا کی آنکھ بند ہوتے ہی زمانے نے وہ پلٹا کھایا کہ وہ خدائی جرنیل جس نے کنار رسول میں پرورش پائی تھی جس نے دس گیارہ برس کی عمر میں آغاز زمانہ بعثت میں رسول اللہ صلعم سے وعدہ کیا تھا کہ یا رسول اللہ آپ کے مخالفوں کے دانت توڑ دوں گا آنکھیں پھوڑ ڈالوں گا پیٹ پھاڑ ڈالوں گا ٹانگیں توڑ ڈالوں گا۔ جس پر آں حضرتؐ نے اسے گلے لگا کر فرمایا تھا یہی میرا بھائی ہے یہی میرا وزیر ہے یہی میرا وصی ہے، اسی کی تم سب اطاعت کرنا جو تمام معرکوں میں رسول کا کمانڈر ان چیف رہا تھا۔ جس نے بدر، احد، خیبر، خندق، حنین، غرض تمام معرکوں میں دشمنان اسلام کو نیچا دکھایا تھا۔ جس نے آں حضرت صلعم کی وفات سے بیشتر تمام عرب پر اسلام کا سکہ بٹھا دیا تھا۔ رسول اللہ صلعم کے وفات پاتے ہی اس کی تمام خدمتیں جو اس نے اسلام کی کی تھیں نسیاً منسیا کر دی گئیں خلفاء ثلاثہ کے عہد حکومت میں وہی جرنیل جس نے مرحب و عنتر و عمرو بن عبدود جیسے پہلوان کو پچھاڑا تھا اور خیبر پر اسلام کا جھنڈا گاڑا تھا نظر بندی کی حالت میں بسر کرتا تھا البتہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اپنے عہد حکومت میں ایسے ایسے معاملات و مشکلات میں جن کے حل کرنے میں سب عاجز ہوتے تھے ان حلال مشکلات اور رسول اللہؐ کے قاضی

القضاۃ کی طرف جسے خدا نے نفس رسولؐ فرمایا ہے اور جس کے بارے میں رسول اللہ صلعم نے ''علي مني و انا منه'' اور ''لحمک لحمي و دمک دمي'' اور ''انا مدينة العلم و علي بابها'' اور ''الحق مع علي و علي مع الحق اللهم ادر الحق معه حيث ما دار'' اور ''أقضاكم علي'' فرمایا ہے رجوع کیا کرتے تھے اور حضرت عمر تو امور مشکلہ میں جناب امیرؑ سے اس قدر مشورہ لیتے تھے اور حضرت کی طرف اس قدر رجوع کرتے تھے کہ لو لا علي لهلک عمر اعوذ بالله من معضلة ليس لها ابو الحسن علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ جناب امیر کا یہی حال تھا کہ اگر چہ ان کو اپنے حق سے محروم رہنے کا ضرور ملال تھا کیونکہ بے بسی کی حالت میں کما حقہ اشاعتِ حق کا موقع محال تھا مگر تمام ایسے امور میں جو اسلام اور بہبود خلائق کا باعث ہوں کبھی اپنی رائے صائب اور مشورہ نیک سے دریغ نہیں فرماتے تھے۔ حضرت عمار یاسر اور جناب ابوذر کے ساتھ جو شیعیان علیؑ سے تھے خلافت ثلاثہ میں جو جو سلوک ہوئے وہ ناظرین تواریخ پر مخفی نہیں ہیں خلفاء ثلاثہ کی اس چوتھائی صدی کے عہد حکومت نے جس میں آخری پورا ایک جگ جناب عثمان کی حکومت کا تھا حضرت علیؑ کی عظمت اور محبت کو کچھ ایسا لوگوں کے دلوں سے محو کیا تھا اور کچھ ایسی بدنظمی پھیل گئی تھی کہ جب خود چوتھے نمبر پر خلیفہ ہوئے بھی تو ایک دن بھی امن سے گزارنا میسر نہ ہوا۔ ام المومنین جناب عائشہ، حواری رسول طلحہ و زبیر اور حضرت معاویہ ابن سفیان کی جنگوں اور مخالفتوں نے دم نہ لینے دیا۔ آخر ۴۰ھ میں ابن ملجم کی تیغ زہر آلود سے شہید ہو گئے۔

۴۱ھ میں معاویہ حضرت امام حسنؑ کو خلافت کے ترک کرنے پر مجبور کر کے تمام اسلامی دنیا کا بادشاہ بن گیا اور اس سال کا نام عام الجماعت رکھا۔ معاویہ کے حکم سے متقی و زاہد حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کا صرف محبت علیؑ کے جرم میں حالت صبر میں قتل کیا جانا دیندار مسلمانوں کو خون کے آنسو رلاتا ہے یہی حالت رہی تا ایں کہ حسن بن علیؑ نے دنیا سے رحلت کی یعنی ۵۰ھ میں معاویہ نے زہر سے ہلاک کرا دیا (دیکھو مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۵۵ و ابو الفدا جلد ۱) اسوقت بلا و فتنہ میں اور شدت ہوئی اور ایک متنفس بھی اس گروہ کا نہ رہا مگر یا تو اپنی جان پر خائف رہتا یا وطن آوارہ کوہ و صحرا میں مارا مارا پھرتا تھا۔ دوسری صدی کے ابتداء میں لوگوں کو مذہبی مباحثات کا موقع ملا۔ ۴۱ھ یوم استقرار خلافت معاویہ تا ۹۹ھ ناصبی معتزلہ، خارجی، بہ اتفاق ہر جمعہ میں دشمنی علیؑ کا اظہار بذریعہ لعن کرتے رہے۔ اس دوسری صدی کی ابتداء میں انہیں مسلمانوں کو ذکر اور اذکار کا موقع ملا جو ناصبی و معتزلہ یا خارجی تھے۔ شیعوں کو اس زمانے میں بھی علوم مذہبی کے ذکر کی آزادی نہیں ملی۔ جب بنی ہاشم کے ساتھ بنی امیہ کے جور و ستم میں کسی طرح کمی نہ ہوئی بلکہ دن بدن زیادتی ہی ہوتی گئی تو محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کے دل میں داعیہ حکومت پیدا ہوا اور خفیہ خفیہ اپنے داعی خراسان میں بھیجنے شروع کیئے جو لوگوں کو سمجھاتے تھے کہ اہلبیتؑ کے حقوق کی نگرانی اور حمایت

کرنی لازم ہے چونکہ بنی امیہ کے جور و ستم سے سب لوگ عاجز تھے وہ خوشی خوشی داعیان بنی عباس کے ساتھ ہو گئے اور مشرق کی محکوم اقوام نے حمایت حقوق اہلبیتؑ کی آواز میں لالا کر جمع کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ خراسان داعیان بنی عباس کے طرف داروں کا مرکز بن گیا تھا صیان بنی امیہ کے مقابلہ میں حقوق اہلبیتؑ کی حمایت وجہ بغاوت بنائی گئی۔ آل رسولؐ کے طرف داروں کو بنی عباس کے داعی جو نقیب کہلاتے تھے یقین دلاتے تھے کہ ہم آل رسولؐ کے حقوق کے لیے کوشش کر رہے ہیں اولاد فاطمہؑ کے طرف دار بس یہ دو کسی دغا اور جعل سازی کا گمان نہ کر کے بغیر ائمہ اہلبیتؑ کے علم اور بغیر ان کی اجازت کے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس (جو اصل محرک اس دعوت کا تھا) ساتھ ہو گئے اور اسی طرح اس کی پشتی اور حمایت پر آمادہ ہو گئے گویا کسی امام کی منظوری اس کے فعل کے لیے ہو چکی تھی۔ مگر ابو مسلم کے خروج کے وقت ائمہ اہلبیتؑ کے بہت سرگرم اور پر جوش مقلدوں نے سکوت کیا اور ان میں یہ خواہش پیدا ہو گئی کہ بنی امیہ کے خاندان کو الٹ دینے کے واسطے جس سردار کی ضرورت ہے اسے کہیں اور تلاش کریں۔ اسی وجہ سے انھوں نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کی سرداری اس کام میں قبول کی تھی محمد بن علی بن عبداللہ ۱۲۶ھ میں مر گیا اور اپنے بیٹوں کو اس دعوت کے جاری رکھنے کی وصیت کر گیا پس داعیان بنی عباس برابر اپنے کام میں مصروف رہے یہاں تک کہ ابو مسلم خراسانی کی کوششوں سے محمد بن علی بن عبداللہ کی طرف سے خراسان میں نائب تھا خاندان بنی امیہ کا خاتمہ ہوا اور سلطنت بنی عباس میں منتقل ہو گئی اور ۱۳۲ھ میں ابو العباس عبداللہ سفاح تخت پر بیٹھا۔ بنی فاطمہؑ (جناب امیرؑ اور جناب سیدہؑ کی اولاد) نے جو صرف امن و امان اور عدل و داد کے خواہاں تھے اور دنیوی حکومت کی کچھ خواہش نہیں رکھتے تھے اس پہلے عباسی بادشاہ کے عہد میں باہمی دوم سفاح اور سفاح نے بھی ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی۔ علوی اور عباسی شل سابق اس کے عہد میں بھی امن و صلح کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے مگر ابو جعفر منصور دوانقی جو سفاح کے بعد ۱۳۶ھ سے ۱۵۸ھ تک بادشاہ رہا بڑا شکی وسواسی اور بے رحم تھا جس کسی پر اسے ذرا سا بھی شبہ ہوتا تھا اس کی ذات یا اس کے خاندان کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے اسے ہرگز زندہ نہیں چھوڑتا تھا اس نے تخت پر بیٹھتے ہی علویوں کو اپنا مدمقابل سمجھ کر ان کی تخریب اور بیخ کنی کے در پے ہو گیا جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتا ہے علویوں اور عباسیوں میں عداوت کا بیج منصور کا بویا ہوا ہے۔ صاحب عباس المومنین لکھتے ہیں کہ منصور نے بہت سے سیدوں اور علویوں کو قتل کیا اور جامع منصور کی دیوار کے نیچے جو بغداد میں ہے بہت سے بنی فاطمہ کو زندہ دفن کروا دیا امام حسنؑ کی اولاد نے اب تک ملکی معاملات میں حصہ نہیں لیا تھا۔ امام زین العابدینؑ کی اولاد بنی حسن سے بھی زیادہ خلوت نشینی کی زندگی گزارتی تھی۔ وہ علمی اور فلسفی باتوں میں مشغول رہتی اور تمام مناقشوں سے جن میں ان کے رشتہ دار بنی عباس مصروف تھے الگ تھلگ رہتی تھی بنی حسنؑ اور بنی حسینؑ مدینہ میں رہتے اور یہاں اس

تھوڑی سی جاگیر کی آمدنی پر گزارہ کرتے تھے جو ان کے لیے چھوڑی ہوئی تھی کچھ تجارت سے بھی نفع ہو جاتا تھا اور اپنے درس تدریس میں شب و روز مشغول رہتے مگر باوجود ان کے تنگ دستی کے اہل شہر ان کی ایسی تعظیم و تکریم کرتے کہ کسی کی نہ کرتے تھے۔

اس شہر (مدینہ) میں خلفاء ثلاثہ اور زبیر اور رسول اللہؐ کے دیگر جلیل القدر صحابیوں کی اولاد بھی سکونت پذید تھی اور یہ سب مختلف طریقوں سے خاندان علیؑ سے وابستہ تھے۔ خاندان علیؑ کا رعب داب اور عزت و توقیر دیکھ کر سیاہ دل اور وسواسی منصور دوانیقی بہت ڈرا اور چونکہ خاندان بنی امیہ بہت آسانی سے الٹ دیا گیا تھا اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں میرے خاندان کا بھی یہی حال ہو اس امر کی تحقیقات کی غرض سے کہ کہیں میرے خلاف تو کوئی سازش نہیں ہو رہی ہے اس نے جاسوسوں کے مختلف طریقے اختیار کیے۔ جاسوسوں کو لکھا پڑھا کر روانہ کیا گیا کہ علویوں سے رابطہ اتحاد بڑھا کر اپنے کو ان کا معتمد بنائیں اور ان کے دلوں میں گھس کر ان کے عندیے دریافت کریں ان کو ایسی ایسی باتیں کرنے کی ترغیب و تحریص کریں کہ بعد میں ان پر الزام لگانے کا موقع ہاتھ لگ جائے مگر منصور کے عہد میں علویوں پر ظلم ڈھانے کا صرف یہی ایک سبب نہ تھا بلکہ جب بنوامیہ کی سلطنت کا شیرازہ بکھر رہا تھا تو خاندان رسالتؐ نے قدرتی طور پر اس حادثہ سے دلچسپی ظاہر کی تھی مدینہ میں ایک جلسہ کیا گیا تھا جس میں اکثر افراد بنی ہاشم اور خود منصور بھی موجود تھا امام اہلبیتؑ امام جعفر صادقؑ اس میں شریک نہیں ہوئے تھے) اس جلسہ میں امام حسن علیہ السلام کے پرپوتے محمد بن عبداللہ بن حسن مثنےٰ بن حسن بن علی بن ابیطالب کو جن کو بنی حسن کا سردار سمجھا جاتا تھا خلیفہ انتخاب کیا گیا تھا حالانکہ ان کے والد عبداللہ ابھی زندہ تھے۔ محمد بن عبداللہ کی شریفانہ اور پاکیزہ عادات و خصائل ان کے بلند خیالات اور اعلیٰ درجے کی نیک سیرتی نے انہیں نفس زکیہ کا خطاب دلایا ہوا تھا ان کی قابلیت و افضلیت کا ہر شخص معترف تھا تمام حاضرین جلسہ نے مع ابوجعفر منصور کے ان کی بیعت کر لی تھی اور حلف اطاعت اٹھایا ہوا تھا۔ جب منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا تو وہ اس حلف اطاعت و بیعت کو بھولا نہ تھا۔ اس کی یاد نے اس کی زندگی تلخ کر رکھی تھی اور اس کے وہم و شک کو زیادہ کر دیا تھا۔ اس کے جاسوسوں نے امام حسنؑ کی اولاد پر جھوٹے جھوٹے الزام لگا کر اس کے کان اور بھی بھر دیئے تھے۔

اس نے محمد بن عبداللہ اور ان کے بھائی ابراہیم کو گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر وہ ہاتھ نہ آئے پھر اس نے امام حسنؑ کے خاندان کے تمام سربرآوردہ افراد کو جن میں نفس زکیہ کے والد عبداللہ بھی تھے گرفتار کر لیا یہ لوگ مدینہ میں قید رکھے گئے یہاں تک کہ جب ۱۴۴ھ میں منصور حج کو آیا تو ان سب کو عراق کی طرف لے چلا۔ عراق میں یہ لوگ قلعہ ہبیرہ میں قید کر دیئے گئے اور ان بیچاروں کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کیا کہ مظلوم پکار اٹھے کہ اس سے تو ہم بنی امیہ ہی کے زمانے میں اچھے تھے اب ہر طرف محمد اور ابراہیم کی تلاش ہونے لگی۔ یہ بیچارے عرب کا بھیس بدلے جنگلوں بیابانوں اور پہاڑوں میں مارے مارے

پھرتے تھے بدو جاسوس پانی کے چشموں پر مقرر کیے گئے کہ ان کا خیال رکھیں۔ ایک ایک جھونپڑی کی جس میں مفرورین کے پناہ لینے کا شبہ ہوا تھا تلاشی لی گئی اور جس شخص پر بھی ان کو پناہ دینے کا شک ہوا اس کو تازیانے لگائے گئے اور جیل خانہ بھیج دیا گیا آخر منصور نے نفس زکیہ کو ۱۴۵ھ میں قتل کرادیا اور ان کی لاش کو سولی پر چڑھادی پھر ان کے بھائی ابراہیم کو بھی قتل کرایا اور دونوں بھائیوں کے سر ان کے بوڑھے باپ عبداللہ کے پاس جو قید میں بند تھے بھیج دیئے ابراہیم کے ساتھی پکڑ کر قتل کر دیئے گئے ان کے مکان مسمار اور ان کے کھجوروں کے باغ کاٹ ڈالے گئے مدینہ میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی جائیدادیں ضبط کرالیں اور مدینہ کے تمام حقوق و مراعات واپس لے لیے مصر کی طرف سے وہاں غلہ کی درآمد بندی کر دی۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنی جائیداد کے واگزاشت کی درخواست کی تو حضرت کو قتل کی دھمکی دی اور آخر ۱۴۸ھ میں حضرت کو بھی زہر سے شہید کرادیا قلعہ ہیرہ کے بعض قیدی تو فوراً قتل کر دیئے گئے اور بعض کو قید خانہ میں سونے دیا کہ زہریلے بخارات سے ہلاک ہو جائیں۔

بعض کہتے ہیں کہ انہیں ایک مکان بند کر کے مٹی سے ہوا کی آمد و رفت بالکل بند کر کے گھونٹ کر مار دیا اور بعض کہتے ہیں کہ بعضوں کو دیواروں میں چنوا دیا (المختصر صفحہ ۲۲) صاحب حقائق الاخبار نے لکھا ہے کہ حکومت عباسی کی بنیاد جن اصولوں پر ڈالی گئی اور جن تدابیر کے بل پر وہ قائم ہوئی تھی اگر اس لحاظ سے دیکھا جائے تو کہنا پڑے گا کہ بہ نسبت زور اور طاقت و اتحاد قوم و استقلال کے بنی عباس کا اعتماد زیادہ تر چال بازیوں، جعل سازیوں، دھوکا دہی اور حیلہ کاری پر رہا ہے مکر و فریب کے سوا سے ان کو بہت کم جرأت و دلیری سے غلبہ حاصل ہوا اور ابن الطقطقی نے کتاب الفخری میں لکھا ہے کہ بنی عباس حکومت مکر و حیلہ اور چال بازیوں پر مبنی تھی چونکہ دین اور دنیا دونوں سے محروم تھی اختیار و سطوت مذہبی لحاظ سے اور باقی خوف یا لالچ سے ان کی اطاعت کرتے تھے ایسی سلطنت بھی حضرت علیؑ کی طرف داری کیونکر ہو سکتی اور حضرت کے فضائل کی حدیثیں ان لوگوں کے زمانے میں بھی کیونکر کوئی بیان کرتا اور کون ان کی روایت کی جرأت کر سکتا تھا؟ مختصر یہ کہ خلفاء خواہ وہ ہوں یا خلفاء بنی امیہ یا خلفاء بنی عباس سب ہی حضرت علیؑ کے خلاف رہے۔ بنی امیہ اور بنی عباس آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ضرور ہوئے مگر جناب امیرؑ اور حضرات اہلبیتؑ کی مخالفت میں دونوں ملے ہوئے تھے۔ اس خیال سے کہ جس قدر یہ لوگ جو حقیقی وارث رسولؐ اور اولاد رسول ہیں کمزور کیے جائیں گے، ستائے جائیں گے، پریشان رہیں گے، قتل کیے جائیں گے اور زہر دیے جائیں گے اتنا ہی ہماری بادشاہت مضبوط ہوتی جائے گی اور ہمارے مقابلے کی کسی کو ہمت نہیں ہوگی۔ بس اسی اصول پر رسولؐ کو کاغذ اور قلم دوات نہیں دیا کہ کہیں حضرتؐ وصیت نامہ نہ لکھ جائیں اسی اصول پر حضرتؐ کا جنازہ چھوڑ دیا گیا کہ جب تک حضرت کو غسل اور کفن دیا جائے اور

دفن کیسے جائیں اس وقت تک ہم لوگ خلافت پر قبضہ کرلیں۔

اسی اصول پر جناب سیدہؑ کے پہلو پر دروازہ گرادیا گیا۔حضرت محسن ساقط کر دیئے گئے۔آپ کے مکان پر آگ اور لکڑی لائی گئی۔جس قدر یہ کمزور ہوگی ہماری سلطنت مضبوط ہوتی جائے گی اسی اصول پر جناب امیرؑ ابن ملجم کے ہاتھ سے شہید کرائے گئے اسی اصول امام پرحسنؑ کو زہر دیا گیا۔اسی اصول پر امام حسینؑ شہید کئے گئے۔اسی اصول پر جناب زید اور یحیٰ قتل کئے گئے۔اسی اصول پر بنی عباس کے زمانے میں آل رسول ہر طرح تباہ وبرباد کئے گئے بلکہ جو لوگ ان کا نام لیتے ان کی بھی خیریت نہیں رہتی جو لوگ ان کی فضیلت کا دم بھرتے ان کا انجام بھی ہلاکت ہوتا تو پھر ان حضرات کے فضائل اس زمانے میں بھی کون بیان کرسکتا تھا؟ اور کس کو اپنی اور اپنی اولاد کی تباہی پسند آتی کہ ان کی ایک خوبی بھی زبان پر لا سکتا؟ حد ہوگئی کہ صاحب حبیب السیر وغیرہ لکھتے ہیں کہ ۲۳۶ھ ہجری ۸۵۱ء میں اسی خاندان بنی عباس کے دسویں بادشاہ متوکل نے حکم دیا کہ کوئی شخص مزار حیدر کرارؑ اور ان کی اولاد بزرگوار کی زیارت کو نہ جایا کرے۔اور حکم دیا کہ امام حسینؑ اور شہداء کربلا کے روضے ہموار کر کے ان پر ہل چلا کر زراعت کے لیے پانی چھوڑ دیں اور تاریخ گزیدہ میں ہے کہ ہر چند فرماں برداروں نے کوشش کی مگر پانی امامؑ انام اور شہدائے عترت طاہرہؑ کی قبروں سے کسی قبر پر جاری نہیں ہوا جس سے خلقت کو سخت حیرت ہوئی اور اس وقت سے اور اسی سبب سے اس مشہد مقدس کو"حائر" کہنے لگے۔متوکل کی اس حرکت سے مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا اہل بغداد نے مسجدوں اور گھروں کی دیواروں پر اسے گالیاں لکھیں اور اس کی ہجویں کیں (تاریخ خلفاء صفحہ ۲۳۷) اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ ۲۳۶ھ ہجری میں متوکل عباسی نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کا مزار اور اس کے گرد کل مکانات وغیرہ منہدم کر کے وہاں زراعت کی جائے اور لوگوں کو اس مقام میں جانے تک کی ممانعت کر کے یہ منادی کرادی کہ جو شخص وہاں دکھائی دے گا وہ قید کیا جائے گا چنانچہ اس منادی سے لوگ اسقدر خائف ہوئے کہ انہوں نے روضہ امام حسین علیہ السلام کی زیارت ترک کردی (تاریخ کامل جلد ۷ ص ۱۸) متوکل کے اس فعل پر شاعروں نے خوب خوب ہجویں کیں۔ایک شخص نے یہ تین شعر کہے۔

بالله ان كانت امية قد اتت قتل ابن بنت نبيها مظلوما

فلقد أتاه بنوامیه بمثله هذالعمری قبره مهدوما

اسفواعلى ان لايكونوا شاركوا فى قتله فتتبعوه رميما

(تاریخ خلفاء صفحہ ۲۳۷)

خدا کی قسم اگر بنو امیہ نے اپنے رسولؐ کے نواسہ امام حسینؑ کو ظلم اور غداری سے قتل کر دیا تو حضرت رسولؐ کے چچا کی اولاد (بنی عباس) نے بھی حضرت کی قبر منہدم کرا کے ویسا ہی ظلم کر دکھایا۔ان لوگوں کو اس بات کا افسوس ہورہا ہے کہ یہ بھی امام

حسینؑ کے قتل میں کیوں نہ شریک ہوئے اس وجہ سے ان لوگوں نے حضرت کی ہڈیوں ہی پر دھاوا بول دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۳۷)

بعض حافظان اخبار بیان کرتے ہیں کہ متوکل کے سامنے ایک عورت نے سیدانی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ متوکل نے دریافت کیا کہ کوئی ایسی صورت ہے جس سے اس عورت کی اس دعوے میں آزمائش کی جائے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت امام علی نقی سے دریافت کیا جائے۔ اس پر متوکل نے حضرت کو بلوا کر اپنے تخت پر بٹھایا اور اس عورت کے دعوائے سیادت میں امتحان کرنے کی صورت پوچھی۔ حضرتؑ نے فرمایا خدا نے درندوں پر امام حسن و حسین کی اولاد کا گوشت حرام کیا ہے۔ تم درندوں کو اس کے پیچھے ڈال دو پس اگر وہ سچی ہوگی تو درندے اسے کچھ نہ کہیں گے اور جھوٹی ہوگی تو پھاڑ ڈالیں گے۔ یہ سن کر اس عورت نے اپنے جھوٹ کا اقرار کر لیا۔ تب دربار والوں نے متوکل سے کہا تم خود حضرتؑ کا امتحان بھی اسی طرح کیوں نہیں کرتے؟ متوکل نے تین درندے (شیر وغیرہ) اپنے قصر کے صحن میں چھڑوا دیے۔ پھر حضرت کو بلایا اور اسی قصر میں داخل کر کے دروازہ بند کرا دیا اور خود چھت پر چڑھ کر تماشہ دیکھنے لگا۔ جب درندوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو خاموش ہو گئے اور جب آپ صحن میں پہنچ کر سیڑھی چڑھنے لگے تو وہ سب درندے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے متوکل چھت پر تھا اور حضرتؑ نیچے صحن میں تھے متوکل نے خوف سے سیڑھی کا دروازہ بند کرا دیا تھا تا کہ وہ درندے چھت پر نہ چڑھ جائیں لیکن حضرت امام علی نقی نہایت اطمینان سے ٹہلتے ہوئے صحن میں درندوں کے پاس تشریف رکھتے تھے متوکل اوپر ہی سے باتیں کرتا رہا اور دیکھ لیا کہ درندے حضرت کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ اس کے بعد وہ بھی چھت سے اتر آیا۔ پھر حضرت صحن سے باہر تشریف لائے اس کے بعد لوگوں نے متوکل سے کہا تم بھی ایسا ہی کر کے دکھاؤ تو اس نے جواب دیا اور تم لوگ اس طرح مجھے ہلاک کرانا چاہتے ہو؟ (صواعق محرقہ ص ۱۲۳) حضرت امام علی نقی کا یہ معجزہ دیکھنے کے بعد بھی متوکل نے حضرت کو قید خانے میں بھیج دیا ایک دفعہ لوگوں نے اس سے چغلی کھائی کہ حضرت علی نقی کے گھر میں ہتھیار اور خطوط وغیرہ جمع ہیں جو ان کو ان کے ہوا خواہ بھیجا کرتے ہیں۔ متوکل نے چند سپاہی مقرر کیے کہ رات کے وقت حضرت کو گرفتار کر لائیں۔ سپاہیوں نے شب کو اچانک حضرتؑ کے گھر میں پہنچ کر دیکھا کہ آپ بالوں کا کرتا پہنے اور صوف کی چادر اوڑھے تنہا اپنے حجرے میں ریگ اور سنگریزوں کے فرش پر رو بقبلہ بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں۔ سپاہیوں نے حضرت کو اسی حالت میں لے کر متوکل کے روبرو پیش کر دیا۔ متوکل اس وقت ہاتھ میں جام شراب لیے مے نوشی کر رہا تھا۔ سپاہیوں نے بیان کیا کہ حضرت کے گھر میں کوئی ہتھیار وغیرہ نہیں ہے (وفیات الاعیان جلد صفحہ ۳۲۲) غرض پورا خاندان بنی عباس بھی بالکل سو فیصدی بنو امیہ ہی کی طرح حضرت علیؑ اور اہلبیت طاہرینؑ کا دشمن ہی رہا۔ اسی وجہ سے اس عہد میں بھی جو ۱۳۲ھ (۷۵۰ء) سے ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) تک رہا حضرت علیؑ کی کسی فضیلت کے بیان کرنے کی صورت (ظاہری عنوان سے) پیدا ہی نہیں ہو سکی۔ ظاہر ہے کہ جب بادشاہ، وزراء، ارکان دولت، حکام سب ہی حضرتؑ کے دشمن تھے تو دوست کہاں سے آتے جو یہ چیزیں بیان کرتے۔

نواں باب

جب سب راہیں بند تھیں اور اسلامی بادشاہتیں پوری طاقت سے روکتی ہی رہیں تو حضرت علیؑ کے موجودہ فضائل باقی کیونکر رہے؟

ہم تو اس کو اسلام ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کا اور خلقت حضرت آدمؑ سے اس زمانے تک کا نہایت حیرت خیز اور اس حل میں عقل کو بالکل تھکا دینے والا مسئلہ سمجھتے ہیں ہم ہی نہیں بلکہ جس قدر صاحب عقل اور انصاف پسند حضرات گزرے سب ہی انگشت بدنداں ہیں کہ جب ۱۱ھ ہجری سے ساتویں صدی ہجری تک مسلسل وہی بادشاہتیں وہی سلطنتیں وہی حکومتیں وہی طاقتیں قائم رہیں جو ہمیشہ اسی امر کی کوشش کرتی رہیں کہ حضرت علیؑ کا نام ہی دنیا سے مٹ جائے۔ حضرتؑ کا ذکر ہی معدوم ہو جائے۔ حضرتؑ کا وجود ہی نہ مانا جائے۔ حضرتؑ کی ہستی ہی نہ تسلیم کی جائے۔ اگر کوئی حضرتؑ کو جانے بھی تو اس درجہ ذلیل جس سے تبرا کرنا ضروری۔ جس پر لعن کرنا واجب۔ جس کو گالیاں دینی عبادت۔ جس سے نفرت کرنی لازم ہو۔ باوجود ان سب اہتمامات کے وہ کون طاقت ہے جس نے اس ذات کو اسلام کا آفتاب تاباں ہی بنا کر رکھا اور کروڑوں مسلمانوں اور سیکڑوں مسلم بادشاہوں نے اس نیر تاباں پر جس قدر خاک ڈالی اسی قدر اس کی چمک دمک سے دنیا اسلام اور عالم حقائق و معارف روشن تر ہی ہوتا رہا ہمارا تو اعتقاد ہے کہ یہ صرف اسی قادر علی الاطلاق کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے جس نے اسلام کو زندہ رکھا جس نے حضرت رسول خدا صلعم کے نام کو آج تک بلند رکھا جس نے قرآن مجید کی ہدایت باقی رکھی اور جس نے خانہ کعبہ کو قائم رکھا۔ اسی نے اور صرف اسی نے ایسے اسباب مہیا کئے کہ کروڑوں اہل اسلام حضرت علیؑ کو آج تک حضرت رسولؐ خدا کے بعد دنیا بھر کا سب سے افضل آدمی مانتے ہیں کروڑوں اہل اسلام سوائے صفت نبوت کے ہر وصف میں رسول کے برابر جانتے ہیں اور کروڑوں افراد (نصیری وغیرہ) حضرت کو خدا مانتے رہے اور اب بھی مانتے ہیں ہمارا تو قول ہے کہ ممکن ہے خدا نے حضرت علیؑ کے فضائل اور حضرت امام حسینؑ کی عزاداری کے بارے میں یہ آیت اپنے کلام مجید میں ارشاد فرمادی ہو:

(۱) تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علیٰ کل شیءٍ قدیر (پ ۳ ع ۱۱)

اے پیغمبرؐ کہو اے خدا تو ہی جس کو چاہتا ہے عزت دیتا اور تو ہی جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے ہر طرح کی خیر و خوبی بس تیرے ہی ہاتھ میں ہے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے اور کسی چیز سے تو عاجز نہیں ہو سکتا

آج نہ خلفاء بنی امیہ ہیں نہ خلفاء بنی عباس۔ نہ ان کی کوئی عزت ہے نہ شان لیکن حضرت علیؑ کو ہر روز سلام کرنے والے کروڑوں مسلمان موجود ہیں خلفاء بنی امیہ کا نام لینا بھی کوئی پسند نہیں کرتا ایک لفظ بھی ان کی تعریف میں نہ بولا جاتا ہے

اور نہ سنا جاتا لیکن حضرت علیؑ کا ذکر خیر اسی طرح جاری ہے جس طرح حضرت رسول خدا صلعم کا وجود ہے بلکہ صوفی حضرات تو گویا خدا کی طرح حضرت علی علیہ السلام کا نام بھی لیتے رہتے اور نہ معلوم کیا مانتے ہیں:

(۲) ان ینصر کم اللہ فلا غالب لکم و ان یخذلکم فمن ذا الذی ینصر کم من بعدہ (پارہ ۴ رکوع ۸)

اگر خدا تمہاری مدد پر ہے تو پھر کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور اگر تم کو چھوڑ بیٹھے تو اس کے چھوڑے پیچھے کون ہے جو تمہاری مدد کو کھڑا ہو سکے گا

یہ خدا ہی کی مدد کا کرشمہ ہے کہ آج کروڑوں اہل اسلام اٹھتے بیٹھتے غالب کل غالب علی ابن ابی طالبؑ کہتے اور ہر وقت گرتے پڑتے، یا علیؑ یا علیؑ، ہی پکارتے ہیں (کبھی بھی یا اول۔ یا دوم۔ یا سوم۔ یا معاویہ۔ یا یزید۔ یا فلاں کسی جاہل کی زبان سے بھی نہیں نکلتا)

(۳) واللہ غالب علیٰ امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ (پارہ ۱۲ رکوع ۱۳)

اور اللہ اپنے ارادے کے نافذ کرنے پر ہر طرح قادر اور غالب ہے مگر اکثر لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اس راز کو نہیں سمجھتے۔

(۴) یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ (پارہ ۱۰ رکوع ۱۱)

یہ لوگ چاہتے رہے، چاہتے رہتے ہیں اور چاہتے رہیں گے کہ خدا کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں مگر اللہ کو منظور ہے اور منظور رہیگا کہ ہر طرح اپنے نور کی روشنی کو پورا کر کے رہے اگر چہ انکار کرنے والوں کو برا ہی کیوں نہ لگے۔

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرین (پارہ ۲۸ ع ۹)

یہ لوگ چاہتے ہیں اور چاہتے رہینگے کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے پھونک مار کر بجھا دیں مگر اللہ تو اپنے نور کو کامل طور پر پھیلا کر رہیگا انکار کرنیوالوں کو برا ہی کیوں نہ لگے

اور اسلام کے بہت بڑے محقق اور مسلمانوں کے قابل فخر و ناز علامہ ابن ابی الحدید نے اس حیرت کو (کہ باوجود اتنی شدید کوششوں کے حضرت علیؑ کے فضائل کیوں کر زندہ رہ سکے) اس عقیق کو رفع کیا ہے کہ لکھا ہے:

فالاحادیث الواردۃ فی فضلہ لو لم تکن فی الشھرۃ والاستفاضۃ و کثرۃ

النقل الی غایۃ بعیدۃ لا تستطیع نقلھا للخوف والتقیۃ من بنی مروان مع طول

المدۃ وشدۃ العداوۃ ولولا ان اللہ تعالیٰ فی ھذا الرجل سر العلمہ من

یعلمہ لم یرد فی فضلہ حدیث ولا عرفت لہ منقبہ (شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ا ص ۳۵)

حضرت علیؑ کے فضائل کی حدیثیں اگر مشہور ہونے، ہر شخص کے کانوں میں پڑ جائے اور بہ کثرت منقول ہونے کی

حیثیت سے غیر معمولی حد پر نہ پہنچ گئی ہوتیں تو آج ان کا پتہ بھی نہ ملتا اور کہیں ذکر بھی دکھائی نہ دیتا کیونکہ مدت دراز تک بنو امیہ کی حکومت اور حضرت علی و اہلبیت کیساتھ ان کی شدید عداوت کیوجہ سے لوگ ایسی حدیثوں کا کوئی لفظ تک زبان پر نہ لا سکے۔ اور اگر اس بزرگ کی شان اعلیٰ وارفع رکھنے میں خدا کا کوئی خاص بھید نہ ہوتا تو حضرتؑ کے فضائل کی کوئی حدیث نہیں ملتی نہ حضرتؑ کی کسی خوبی کا کہیں پتہ چل سکتا۔

خدا نے اس امر میں اپنی قدرت کس کس طرح ظاہر کی اس کے بیان کی تو کوئی حد نہیں ہم یہاں صرف چھ ۶ ذریعوں کو بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

پہلا ذریعہ

(۱) ہر زمانے میں خدا کو خوش رکھنے والے کچھ نہ کچھ ایسے مسلمان ضرور موجود رہے جو اپنی جانوں کو اپنی ہتھیلیوں پر لیے رہتے اپنے عیال اپنی اولاد اور اپنی جائداد کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے اور بے دھڑک حضرت علیؑ کے فضائل لوگوں کے کانوں میں ڈالتے چلے جاتے تھے اور ہزاروں مسلمان ان حدیثوں کو سن کر یاد کر لیتے تھے مثلاً: (الف) جناب ابوذر جو حضرت رسولِ خدا صلعم کے مشہور صحابی ہیں۔ رسول خدا نے فرمایا تھا آسمان نے سایہ نہیں کیا اور زمین نے اپنے اوپر نہیں اٹھایا کسی ایسے شخص کو جو ابوذر سے زیادہ راست گفتار ہو۔ خلیفہ ثالث نے آپ کو ربذہ میں جلاوطن کر دیا۔ وہیں آپ کی وفات ہوئی (ب) جناب سلمان فارسی یہ کہا کرتے تھے انا بایعنا النبی علی نصح المسلمین و الائتمام بعلی بن ابی طالب علیہ السلام میں نے رسولؐ کی بیعت اس بات پر کی تھی کہ مسلمان کی بھلائی کروں گا اور حضرت علیؑ ہی کو اپنا امام سمجھوں گا آپ کی وفات بھی مدینہ میں نہیں ہوئی بلکہ مدائن میں ہوئی (استیعاب جلد ۲ ص ۵۷۳) (ج) جناب عمار بن یاسر خلیفہ دوم ان کے بارے میں کہتے تھے ھو من نجباء اصحاب محمدؐ عمار حضرت رسول صلعم کے چنے ہوئے اعلیٰ درجے کے اصحاب تھے (د) جناب مقداد آپ بھی حضرت رسولؐ کے مقدس صحابی تھے و کان من الفضلاء النجباء الکبار من اصحاب النبی۔ آپ رسول خدا کے فاضل نجیب عظیم الشان اور نیکوکار صحاب سے تھے۔ رسولِ خدا نے فرمایا مجھے چودہ ایسے رفیق ملے ہیں جن میں حمزہ، جعفر، علی، حسن، حسین، سلمان، عمار، ابوذر، مقداد، بلال بھی ہیں (استیعاب جلد ۱ ص ۲۱۰) (ہ) جناب جابر بن عبداللہ انصاری جن کا انتقال ۷۸ھ میں ہوا (اصابہ جلد ۱ ص ۲۲۳) (و) جناب حذیفہ بن یمان انصاری جن کی وفات ۳۶ھ میں ہوئی (ز) جناب سعد بن عبادہ جو رسول صلعم کے مشہور صحابی اور چچا زاد بھائی تھے (ح) جناب حجر بن عدی آپ بھی حضرت رسول خدا کے مشہور صحابی تھے۔ خلفاء ثلاثہ کی غلطیوں پر خاموش نہیں رہتے تھے معاویہ نے ان کو ان کے ساتھیوں کے ساتھ اپنے پاس گرفتار کر کے بلا بھیجا۔

دمشق کے پاس عذراء نامی ایک دیہات میں سب کو قتل کرادیا۔ آپ کی حق پرستی کی یہ حالت تھی کہ معاویہ کے گورنر زیاد نے آپ کو گرفتار کر کے جب بلایا اور کہا کہ علی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا حضرت علیؑ کی تعریف کرتا ہوں۔ اس پر زیاد نے اپنے آدمیوں سے کہا انہیں مارو۔ سب نے اتنا مارا کی آپ زمین پر گر گئے۔ پھر چھوڑ کر پوچھا اب کیا کہتے ہو؟ انہیں نے جواب دیا خدا کی قسم اگر تو چھرے سے میری بوٹی کاٹ ڈالے تب بھی حضرت کے بارے میں وہی کہے جاؤں گا۔ جو حضرت رسولؐ سے آپ کے فضائل و مناقب میں سنا ہے۔ جب جناب حُجر اوران کے ساتھیوں کو قتل کیا جانے لگا تو قاتل نے پہلی تلوار لگائی۔ پھر کہا اب بھی علیؑ سے برأت کرو تو چھوڑ دیئے جاؤ۔ آپ نے جواب دیا یہ نہیں ہوسکتا۔ آخر معاویہ کے حکم سے قتل کر دیئے گئے (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۹۲۔)[1]۔ مرد تو خیر مرد ہی تھے۔ انتہائی حیرت یہ ہے کہ بعض ایماندار عورتیں بھی معاویہ وغیرہ سے نہیں ڈرتی تھیں اور بے دھڑک حضرت امیرالمومنینؑ کے فضائل اور بنی امیہ کے ظلموں اور غیر اسلامی باتوں کو کہہ کر گزرتی تھیں اس زمانے کے مشہور عالم اہلسنت مولوی ابوالکلام صاحب نے جو اس وقت حکومت ہندوستان کے وزیر تعلیم ہیں اور عربی کے بہت بڑے فاضل، ادیب، خطیب اور مصنف بھی رہ چکے ہیں بہت مدت قبل اپنے معزز اخبار الہلال کلکتہ میں لکھا تھا "اگر چہ طرح طرح کی بدعات و محدثات کا بازار خلفاء راشدین کے بعد) گرم ہوگیا تھا تاہم چونکہ عہد نبوت کا فیضان روحانی اور تعلیم قرآنی کا اثر بھی بالکل تازہ تھا اس لیے پھر بھی امر بالمعروف کی آواز کی گرج کو فہ و دمشق کے ایوان محل کو لرزا دیتی تھی۔ ساٹھ برس کی ایک بڑھیا عورت برسر دربار بلائی جاتی تھی اور امیر معاویہ کے سامنے بے دھڑک اپنے وہ اشعار جوش وخروش کے ساتھ پڑھتی تھی جن میں نہ صرف حضرت امیر علیہ السلام کے مناقب ہوتے تھے بلکہ کھلے کھلے لفظوں میں بنی امیہ کے فظایع ومثالب بیان کئے گئے تھے الخ (الہلال جلد ۲ نمبر ۱۰ صفحہ ۲) امیر معاویہ کے سامنے اس طرح کی محب اہلبیت اور صداقت پرست وجرات فرما عورتوں کے آنے، سوال وجواب میں خطبات بلیغہ موثرہ دینے اور اپنے اشعار مدحیہ حضرت امیر سنانے کے متعدد واقعات تاریخ ومختارات ادبیہ میں منقول ہیں اور فی الحقیقت عرب کی آزادی، اسلام کی تعلیم حریت اور قرون اولی کے امر بالمعروف کی تاریخ میں ان میں سے ہر عورت شرف واحترام اور عظمت وکمال کا ایک درجہ مخصوص وممتاز رکھتی ہے۔ صاحب عقد الفرید وغیرہ اور امام ابوالفضل بن طاہر نے بلاغات النساء میں سودہ بنت عمارہ زرقا، بنت عدی بکارۃ الہلالیہ عکرشہ بنت الاطراش اور رام البراء بنت صفوان کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے جنگ صفین میں شرکت کی تھی اور حضرت امیرؑ کی

---

[1] جناب ابوذر، سلمان، عمار، مقداد، حذیفہ، حجر بن عدی، وغیرہ کے بہت زیادہ اور دلچسپ حالات ہماری کتاب تاریخ ائمہ میں بہت جامعیت سے کئی کئی صفحوں میں درج ہو چکے ہیں۔ اس وجہ سے یہاں صرف چند جملے ان حضرات کے بارے میں نقل کر لیے گئے جن سے اس موقع کا کام نکل سکے)

نصرت وحمایت میں جانبازانہ حصہ لیا تھا۔ مگر امیر معاویہ کے تسلط کے بعد یہ لوگ مختلف تقریبات میں اس کے سامنے پیش ہوئی ہیں اور ان کو امیر معاویہ نے وہ زمانہ یاد دلایا ہے اس پر نہایت دلیرانہ حق گویانہ حضرت امیرؑ کے فضائل بیان کیے ہیں اور تمام اہل دربار کو اپنی عظمت وحق گوئی سے متحیر ومتعجب بنا دیا ہے ازاں جملہ بکارۃ الہلالیہ کے وفد کا واقعہ نہایت موثر ہے۔ صاحب بلاغات النساء نے لکھا ہے کہ بکارۃ الہلالیہ بالکل بڑھاپے اور ضعف وناتوانی کے عالم میں ایک مرتبہ امیر معاویہ کے دربار میں گئی وہ اس قدر ضعیف تھی کہ دو عورتیں دو طرف سے اسے تھام کر لائی تھیں۔ وہاں مروان بن حکم اور عمرو بن عاص بھی موجود تھے۔ انھوں نے امیر معاویہ سے کہا کہ آپ نے پہچانا؟ یہ وہ عورت ہے جس نے جنگ صفین میں ہم لوگوں سے مقابلہ کیا تھا اور یہ اشعار پڑھ کر لوگوں کو سنائی تھی ۔

اتری ابن ہندۃ للخلافۃ مالکا ہیہات ذاک ومااراد بعید

منتک نفسک فی الخلاء ضلالۃ اغراک عمرو للشقاء وسعید

فارجع بانکد طائر بنحوسہا لاقت علیا اسعد وسعود

سعید بھی موجود تھا۔ اس نے کہا کہ اتنا ہی نہیں بلکہ یہ اشعار بھی اسی کے ہیں ۔

قد کنت امل ان اموت ولا اری فوق المنابر من امیۃ خاطب

فاللہ اخر مدتی فتطاولت حتی رائت من الزمان عجائبا

فی کل یوم لا یزال خطیبہم وسط الجموع لآل احمد عائبا

یعنی میری آرزو تھی کہ مجھے موت آجائے مگر اس وقت کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھوں جبکہ بنی امیہ کا کوئی فرد منبر پر خطیب نظر آئے! مگر افسوس کہ یہ آرزو پوری نہ ہوئی اور اللہ نے میری موت کے وقت کو بڑھا دیا یہاں تک کہ آج میں زمانے کے انقلاب سے عجیب عجیب رنگ دیکھ رہی ہوں۔ مسجدوں کے منبر پر بنی امیہ کے خطیب چڑھتے ہیں اور آل محمدؐ پر علانیہ لعن طعن کرتے ہیں۔

بکارہ نے یہ بیانات کو سن کر امیر معاویہ سے کہا تیرے یہ کتے مجھ پر حملہ کر رہے ہیں اور میرا عصا نے ونگاہ ضعیف ہے کہ ان کو ہٹا نہیں سکتی۔ بیشک ان اشعار کی میں ہی مصنف ہوں۔ میں پسند نہیں کرتی کہ اس سے انکار کروں۔ اب میں واپس جاتی ہوں۔ سچ یہ ہے کہ امیر المومنین علیؑ کے بعد زندگی میں کوئی خوشی نہیں (بلاغات النساء صفحہ ۳۴) اسی طرح سودہ بنت عمارہ رحمہا اللہ کا واقعہ بھی مسلمانوں کے لیے حق گوئی اور صدق لہجہ کی ایک مثال عظیم اور اسوہ حسنہ ہے یہ جب امیر معاویہ کی تخت نشینی

کے بعد اس کے سامنے آئی تو امیر نے پوچھا کیا تو وہی عورت نہیں ہے جس نے جنگ صفین میں یہ اشعار کہے تھے ۔

شمر کفعل ابیک یا بن عمارة   یوم الطعان وملتوی الاقران
وانصر علیا والحسین ورهطه   واقصد لهند وابنها بهوان
ان الامام اخو النبی محمد   علم الهدی ومنارة الایمان
فقد الحتوف وسحرا امام لوائه   قد مایابیض صارم وسنان

سودہ نے کہا:۔ واللہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو حق سے وقت پر پھر جاتے ہیں اور کذب گوئی کے لیے حیلہ طرازیاں کرتے ہیں۔ بیشک میں ہی ہوں جس نے یوم صفین میں یہ اشعار کہے تھے۔

امیر نے کہا: کیا شئے تھی جس نے ان اشعار کے کہنے پر تجھ کو آمادہ کیا؟ سودہ نے بیباکانہ و مسلمانانہ کہا۔ حب علی علیہ السلام واتباع الحق۔ حضرت علی کی محبت اور حق کی پیروی (ایضاً ص ۳۶)

ایک زمانہ تھا کہ ہم میں سے بوڑھیا عورتوں کے اندر اسلام کا ایسا ایسا اتباع، حق اور حریت کا ایسا گراں مایہ امتثال، امر بالمعروف کا ایسا سچا ولولہ اور آزادی وصداقت کی ایسی غیر متزلزل محبت تھی اور ایک زمانہ آج کا ہے۔ اللہ اللہ! اس مقدس مسلمہ ومومنہ کا مقام عالی اور مرتبہ ارفع جس کے دل کو خدا نے خاندان نبوتؐ کی محبت وعشق کا کاشانہ بنایا۔ جس کو حق کی معیت کی توفیق عظیم ملی۔ جس نے اہلبیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت ونصرت میں اپنے سیف لسان کے جوہر دکھائے اور جس کی حریت وآزادی اور حق پرستی وصداقت پژوہی کو تخت دمشق کی شوکت قیصری اور ابہت عجمی مرعوب نہ کر سکی! حق کی بحث فریقانہ تعصبات سے ارفع واعلیٰ ہے اور اہل حق کا مسلک عدل واعتدال اور افراط تفریط سے اجتناب ہونا چاہئے۔ الحمد اللہ اہلبیت نبوتؐ کی محبت سے فائز المرام وایمان اندوز ہوں اور اس عالم میں ہوں کہ جب خدا کے حضور میں عبادت کے لیے جاتا ہوں تو میری نماز بھی اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک کہ آل محمدؐ پر درود سلام تحیہ کا ہدیہ پیشکش بارگاہ حضرت تبارک وتعالیٰ نہ کرلوں کہ اللهم صل وسلم سیدنا محمد وعلی آل محمد کما صلیت وسلمت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انك حمید مجید

یااهل بیت رسول الله حبکم   فرض من الله فی القران انزله
کفاکم من عظیم القدر انکم   من لم یصل علیکم لا صلوة له

میں تشہد میں درود کو اصطلاحی واجب نہیں بلکہ حقیقی واجب یعنی فرض سمجھتا ہوں فنسئال الله تعالی ان یجعلنا

علیٰ اتباع الکتاب وقرنائه اهل بیت النبی الکریم علیه وعلیٰ آله واصحابه الصلوٰة والتسلیم۔

اس قسم کے مباحث ومذاکرہ کی نسبت ارباب عصر کی مختلف رائیں ہیں۔ بعض حضرات ان کو اس درجہ اہم اور مقدم سمجھتے ہیں کہ دین ودنیا کا کوئی خیال اور اسلام ومسلمین کی کوئی مصلحت ان کی نظروں میں ان سے اہم تر نظر نہیں آتی۔ دوسرا روشن خیال اتحاد دوست اور مصلحت فرما طبقہ ہے جس کا خیال ہے کہ اس طرح کے تمام مباحث چونکہ اس کی مصطلحہ مصلحت کے وقت کے خلاف ہیں اس لیے بہتر ہے کہ ہمیشہ کے لیے ان کو مدفون متروک و معدوم و نسیان کر دیا جائے اور کبھی ان کی طرف اشارہ بھی نہ ہو گویا اس خیال کے بزرگوں کے نزدیک سیاہ وسفید، حق وباطل، صدق وکذب، نور وظلمت اور معروف ومنکر کی بنیاد حقیقت نہیں بلکہ مصلحت ہے اور تمام تاریخی اسفار (اور مجلدات آثار) دنیا سے نابود کر دینے چاہئیں کیونکہ وہ مصلحت وقت کے خلاف ہیں۔ لیکن میں دونوں جماعتوں کو افراط وتفریط میں دیکھتا ہوں میں اس مصلحت اندیشی کا بھی قائل نہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ تاریخی مباحث وتحقیقات کا سد باب کر دیا جائے، تصحیح خیال وتعدیل اعتقاد وتوجیہ اعمال حسنہ وذم افعال سیئہ کو روک دیا جائے اور دفاتر اخبار واسفار وآثار کے دروازوں پر یک قلم قفل چڑھا دیا جائے۔ الہلال کی گزشتہ جلد کے اختتام اور نئی جلد کے فاتحہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تاریخ مختصر اشارہ کیا گیا تھا:

ہر زمانہ میں حکومت الٰہیہ نے احیاء شریعت وامر بالمعروف کے لیے برگزیدگان امت کو منتخب کیا اور ان کے ذریعہ حق کا اعلان اور باطل کا استیصال ظہور میں آیا۔ اسی ضمن میں یہ ذکر بھی آگیا تھا کہ اسلام کا اصلی دور صرف ابتدائی عہد راشد تھا اور پھر اس کے بعد ہی بدعات ومحدثات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ واقعات سے بالکل چشم پوشی کر لی جائے اور یہ کیا استبداد وقہر اور جبر بندش قلم وزبان ہے کہ ضمناً بھی کہیں صاحبان اعمال خیر کی مدحت اور موسسین بدعات ومحدثات کی طرف اشارہ منکشف ہو۔ یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے الہلال کے چند صفحات اس ذکر کی نذر ہو گئے: (اخبار الہلال کلکتہ جلد ۲)

معاویہ کے بعد ایسے دلیر مومنین کبھی کبھی اعلان حق اور اظہار فضائل امیر المومنین کا فرض ادا کرتے رہے جس سے یہ حدیثیں پھیلتی ہی رہیں۔ کیا خدا کی قدرت ہے کہ خود اسی معاویہ کا پوتا اپنے باپ (امام حسینؑ کے قاتل یزید) کے مرنے پر ۶۴ھ میں شام کے تخت پر بیٹھا، مسلمانوں کا بادشاہ اور مالک کل بنا دیا گیا وہ اپنے خاندان کے ظلموں اور برائیوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا اور حضرت علیؑ اور اولاد علیؑ کو مستحق خلافت سمجھتا تھا وہ خلیفہ ہونے کے بعد فوراً منبر پر بیٹھا اور خطبہ میں بیان کر دیا کہ میرے دادا معاویہ نے امر خلافت میں اس شخص سے جھگڑا کیا جو اس امر کے لیے اس سے اور اس کے علاوہ ہر شخص سے بہتر تھا بہ سبب قرابت رسول اللہ کے اس کی فضیلت اور سبقت بڑی تھی بلحاظ قدر کے مہاجرین میں سب سے بڑا تھا اور از روئے

قلب کے سب سے بہادر تھا از روئے علم کے سب سے زیادہ تھا۔ ایمان میں سب سے اوّل منزلت میں سب سے اشرف اور صحبت میں سب سے مقدم رسولؐ اللہ کا ابن اعم داماد اور بھائی، رسول اللہ صلعم نے اپنی بیٹی فاطمہؑ کا اُن سے نکاح کیا۔ جو آپ کے نواسوں کے باپ تھے جو دونوں سردار ہیں اہل جنت کے اور افضل ہیں اس امت کے پروردہ رسولؐ، فرزندان بتول اور شجرہ طاہرہ زکیہ سے ہیں۔

میرے دادا معاویہ نے جو کچھ ان کے ساتھ کیا ہے وہ سب تم لوگ جانتے ہو یہاں تک کہ میرے دادا کو تمام باتوں میں کامیابی حاصل ہوگئی مگر جب اس کی موت آئی تو وہ اپنے اعمال اپنے ساتھ لے گیا۔ اب اپنے قبر میں اکیلا اپنے اعمال میں گرفتار ہے۔ اپنے کئے کو بھگت رہا ہوگا پھر خلافت میرے باپ (یزید) کی طرف آئی اس نے اپنے باپ (معاویہ) کی پیروی کی خواہش نفسانی کی پرستش کرنے لگا۔ اور البتہ میرا باپ یزید اپنی سیاہ کاریوں کے سبب سے ہرگز خلافت کے قابل نہ تھا مگر وہ اپنی خواہش کے تابع ہوا، اس نے اپنے ظلموں کو اچھا سمجھا۔ اس نے خدا پر جرات کی۔ اولاد رسولؐ سے سرکشی کی اور ان کی حرمت کو نگاہ میں نہیں رکھا۔ اس کی مدت حکومت کم ہوئی اس کا اثر منقطع ہو گیا وہ اپنے گناہوں میں گرد ہو کر اپنے گڑھے میں جا پڑا اور وہاں جا کر نادم ہوا جہاں ندامت بے سود ہے وہ بھی اپنے کئے کو بھگت رہا ہوگا اب مجھے یہ خلافت منظور نہیں مجھے واجب ہے کہ تم کو بتادوں کہ امام زین العابدینؑ مجھ سے زیادہ اس کے مستحق ہیں اگر چاہو ان کو خلیفہ بنالو، اگرچہ میں جانتا ہوں وہ منظور نہیں کریں گے (حیواۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۵۵ و تاریخ خمیس جلد صفحہ ۳۳۲ وغیرہ)

یہ تو معاویہ کے بعد اس کے پوتے کا اظہار حق تھا معاویہ کی زندگی ہی میں اس کے خاص غلام کا واقعہ بھی یاد آ گیا کہ اس نے معاویہ کے سامنے اہلبیتؑ کے فضائل کا ذکر کر دیا۔ امیر معاویہ کا غلام ذکوان بیان کرتا تھا کہ ایک دفعہ معاویہ نے کہا میں نہیں جانتا کہ ان دونوں لڑکوں (حسنؑ و حسینؑ) کو کس نے جناب رسالت مآب کا بیٹا قرار دیا ہے۔ ان کو تو علی کا بیٹا کہنا چاہیئے۔ ذکوان کہتا ہے کہ اس کے بعد مجھ کو معاویہ نے دفتر میں اپنی اولاد کے نام لکھنے کا حکم دیا۔ میں نے اس کے بیٹوں اور پوتوں کا نام لکھا اور اس کے نواسوں کا نام چھوڑ دیا پھر وہ کاغذ معاویہ کو دکھلانے کو لایا اس نے کہا میرے بیٹوں کے نام درج کرنا بھول گیا؟

میں نے پوچھا وہ کون؟ بولا میری فلاں بیٹی کے بیٹے کیا میرے بیٹے نہیں ہیں؟ میں نے کہا اللہ اکبر سرکار کی بیٹی کے بیٹے تو آپ کے بیٹے ٹھہرے اور حضرت فاطمہؑ کے بیٹے رسول اللہ کے بیٹے نہیں ہوئے معاویہ نے کہا ارے چپ رہ تجھ سے کوئی یہ بات نہ سُن پائے۔ اسی طرح شعبی اور قاری عاصم بن النجود بیان کرتے تھے کہ حجاج کو خبر ملی کہ یحیٰی ابن یعمر تابعی کہتے ہیں کہ امام حسنؑ و حسینؑ حضرت رسول خدا صلعم کی ذریت ہیں، تو اس نے ان کو بلا بھیجا اور کہا کیا تمہارا دعوی ہے حسنؑ و حسینؑ

حضرت رسولؐ کی ذریت ہیں؟ یحییٰ نے کہا ہاں۔ حجاج نے کہا قرآن مجید سے اس کی کوئی واضح دلیل بیان کرو مگر آیہ مباہلہ کو نہ پیش کرنا۔ یحییٰ نے یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے:

اور دیا ہم نے اسحاق اور یعقوب اور ان کی ذریت سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو (پارہ ۷ سورہ انعام رکوع ۱۴۔۱۰) اے حجاج ذرا بتاؤ تو حضرت عیسیٰ کے باپ کہاں تھے جس کی وجہ سے خدا نے حضرت عیسیٰ کو بھی حضرت نوحؑ کی اولاد میں داخل کیا؟ اس استدلال کو سن کر حجاج نے سر جھکا لیا اور دیر تک سوچتا رہا پھر اپنا سر اٹھا کر کہا معلوم ہوتا ہے میں نے اس آیت کو آج تک پڑھا ہی نہیں۔ اب یحییٰ ابن یعمر کی بیڑیاں اتار دو اور ان کو اس قدر مال دے دو (تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۹۰۰ و در منثور جلد ۳ ص ۲۸ و فتح البیان جلد ۳ ص ۱۸۷ و وفیات الاعیان جلد ۲ ص ۲۲۷ و مراۃ الجنان جلد ۱ ص ۲۷۱ وغیرہ)

جناب رشید ہجری بھی جناب امیرؑ کے اصحاب سے تھے۔ ابن زیاد نے ان کو گرفتار کر کے کہا علیؑ سے تبرا کرو۔ وہ نہیں مانے تو ابن زیاد نے ان کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ کر زبان چھوڑ دی اور اپنے دربار سے نکال دیا وہ باہر نکلے تو حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب بیان کرنا شروع کیے جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ رشید ہجری اب اطمینان سے حضرت علیؑ کی خوبیاں بیان کر کے لوگوں کو ان کی طرف کھینچنے لگے تو اس نے حجام کو بھیج کر ان کی زبان کٹوا دی (رجال کشی ص ۵۲) جناب میثم تمار بھی حضرت علیؑ کے اصحاب تھے ابن زیاد نے ان کو بھی گرفتار کر کے کہا ابو تراب سے تبرا کرو۔ کہا میں ابو تراب کو کیا جانوں؟ کہا علیؑ سے تبرا کرو کہا اگر نہ کروں تو کیا ہوگا؟ کہا قتل کر دوں گا جواب دیا میرے آقا و مولا حضرت علیؑ تو پہلے ہی مجھ سے فرما گئے کہ تم مجھے قتل کرو گے اور مجھے سولی بھی دو گے۔ غرض ابن زیاد کے حکم سے آپ سولی پر چڑھا دیئے گئے آپ نے اسی طرح سولی پر چڑھے ہوئے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ جو کچھ تم کو پوچھنا ہو مجھ سے جلد پوچھ لو۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا اور آپ بھی ان کو ایک ہی بات بتانے پائے تھے کہ ابن زیاد کا آدمی آیا اور ایک لگام آپ کے منہ میں لگا دی جس کے بعد آپ کوئی بات نہ بیان کر سکے (رجال کشی ص ۵۳) جناب کمیل بن زیاد بھی حضرتؑ کے مخصوص صحابی تھے حضرت علیؑ کو کل صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔ ۸۲ھ میں بنی امیہ کے مشہور گورنر حجاج نے ان کی گرفتاری کا وارنٹ بھی جاری کر دیا وہ حجاج کے ظلم کے خوف سے چھپ رہے اور ان کی قوم نے حجاج کو ان کا پتہ نہیں لگنے دیا۔ حجاج نے غضبناک ہو کر انکے پورے خاندان کی آمدنی ضبط کر لی اور سب وظیفے بند کر دیے جناب کمیل نے یہ سنا تو خود حجاج کے پاس حاضر ہو گئے حجاج نے ان کو دیکھ کر گالیاں دینی شروع کیں۔ کمیل نے کہا تم کو جو کرنا ہو کرو۔ مجھے حضرت امیر المومنینؑ آج سے بہت پہلے خبر دے گئے ہیں کہ تم مجھے قتل کرو گے۔ حجاج بولا ہاں

میں تم کو ضرور قتل کروں گا۔ غرض جلاد کو حکم دیا گیا اور وہ اسی وقت شہید کر دیئے گئے بنی عباس کے زمانے میں بھی ایسے لوگ اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر حضرت علیؑ کے فضائل بیان کرتے ہی رہتے تھے ان میں سے یعقوب وزیر کا ذکر بھی ضروری ہے منصور دانیقی نے امام حسنؑ کے پرپوتوں جناب ابراہیم، جناب نفس زکیہ کو بڑے ظلم سے قتل کیا اور جناب ابراہیم کے پرائیویٹ سیکریٹری یعقوب کو جو بڑی عقل وفضل کے بزرگ تھے قید کر دیا مگر منصور کے مرجانے پر اس کے بیٹے مہدی نے یعقوب کے حسن وانتظام واعلی تدبر سے ان کو قید سے نکال کر اپنا وزیر بنالیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں آپ سیاہ وسفید کے مالک ہو گئے مگر لوگوں نے بادشاہ سے چغلیاں کھانی شروع کیں کہ یہ اولاد علیؑ کے جان نثار ہیں۔

بادشاہ نے یعقوب سے کہا کہ میں تم کو فلاں خاص اعلیٰ درجہ کا باغ اور اپنی فلاں نہایت خوبصورت لونڈی اور ایک لاکھ درہم انعام دیتا ہوں ان سب کے بدلے صرف فلاں سید (حضرت علیؑ کی اولاد سے ایک شخص) کو قتل کر دو جو ہمارے ہاں قید ہے غرض وہ سید یعقوب کے حوالہ کر دیئے گئے مگر یعقوب نے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال کر ان سید کو چھوڑ دیا۔ بادشاہ کو اس کا پتہ مل گیا تو یعقوب وزیر کو ایک اندھیرے کنوئیں میں قید کر دیا۔ پندرہ برس تک وہ اسی قید میں رہے جب اس سے نکالے گئے تو اندھے ہو گئے تھے (مرآۃ الجنان جلد ۱ ص ۴۱۹) بن سکیت کا واقعہ بھی نہایت حیرت خیز ہے خلیفہ متوکل کے دونوں معتز اور موید کے یہ استاذ تھے بے حساب دولت ملتی رہتی تھی۔ ایک روز متوکل ان سے پوچھ بیٹھا کہ میرے یہ دونوں بیٹے تم کو زیادہ محبوب ہیں یا علیؑ کے فرزند امام حسنؑ وامام حسینؑ۔ ابن سکیت نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میرے نزدیک حضرت علیؑ کے غلام قنبر بھی آپ (بادشاہ متوکل سے) اور آپ کے صاحبزادوں سے لاکھ درجہ اچھے تھے یہ سنناتھا کہ بادشاہ متوکل اپنے آپے سے باہر ہو گیا۔ جلاد کو حکم دیا کہ ابن سکیت کی زبان گدی سے کھینچ لے اس پر بھی ابن سکیت نے نہ توبہ کی نہ کچھ کہا اور اپنی زبان کھینچوا ڈالی جس کے بعد فوراً مر گئے۔ (تاریخ ابولفداء جلد ۲ ص ۴۱)

دوسرا ذریعہ

سچے فضائل اور حقیقی احادیث مناقب کی کثرت۔ آج ہندوستان بہت بڑی سلطنت ہے اس میں باشندے بھی کثرت سے ہیں اور اس کی دولت بھی بے انتہا ہے اگر یہاں کی حکومت کوشش کرے کہ دریائے گنگا کا سب پانی خشک کر دے تو کیا ممکن ہے کیا اتنی بڑی بادشاہت اپنے اس ارادے میں کامیاب ہو سکتی ہے یہاں کا ہمالیہ پہاڑ بھی بہت بڑا ہے اس کا وزن کرنا کس قدر دشوار ہے فرض کیجئے کہ وہ پہاڑ پورا کھود ڈالا جائے اور اس کے پتھروں کو دریائے گنگا میں بھر بھر کر اس کے پانی کو بہنے سے روک دیا جائے تو کیا ہو سکتا ہے؟ کیا اس پانی کا خلیج بنگال میں گرنا موقوف ہو جائے گا اسی طرح خدا کی قدرت کو خلفاء ثلثہ کی

سلطنت خلفاء بنی امیہ کی حکومت اور خلفاء بنی عباس کی بادشاہت کیا روک سکتی تھی جب خدا نے حضرت علی کے فضائل کو زندہ رکھنا چاہا تو کون طاقت ان کو مردہ کرتی؟ اب خدا کی قدرت کو بھی ملاحظہ کر کے دیکھئے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے جناب امیرؑ اور حضرات اہلبیتؑ کے فضائل اس کثرت سے بیان کر دیے تھے کہ خلفاء غضب خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس نے اھ سے ۶۵۶ھ تک ان سب کی مٹانے کی کوشش کرتے ہی رہے اور کامیاب بہت کچھ ہوتے رہے پھر بھی ان صحیح احادیث فضائل کی اتنی کثرت تھی کہ سب مٹتے مٹتے بھی اتنی رہ گئیں جو اس وقت ہزاروں کتابوں میں موجود ہیں کسی شاعر نے تقریباً اسی مضمون کو یوں بیان کیا ہے

تعریف علی بہ گفتگو ممکن نیست   گنجائش بحر در سبو ممکن نیست

عالم اہلسنت مولوی عبداللہ صاحب امرتسری نے یہ بھی لکھا ہے

ذات حیدرؑ کو کوئی کیا جانے   یا نبی جانے یا خدا جانے

(ارجح المطالب ص ۳)

امام حاکم نے احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے وہ کہتے تھے کہ جناب رسالت مآبؐ کے اصحاب میں سے کسی کے لیے اس قدر فضائل نہیں وارد ہوئے جس قدر کہ جناب امیر علیہ السلام کے لیے وارد ہوئے ہیں۔ اسمٰعیل بن اسحاق القاضی اور ابو علی نیشاپوری بھی یہی کہتے تھے اور امام احمد بن شعیب نسائی کا قول ہے کہ صحابہ میں سے کسی کی شان میں جناب امیرؑ کی شان سے زیادہ حدیثیں جید اسناد کے ساتھ روایت نہیں ہوئیں۔ (استیعاب و صواعق محرقہ و مناقب خوارزمی و کفایۃ الطالب و تفسیر ثعلبی ومطالب السئول ینابیع المودۃ ص ۹۹) امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور امام بیہقی نے اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جو شخص حضرت آدمؑ کو ان کے علم میں، حضرت نوحؑ کو ان کے عزم میں، ابراہیمؑ کو ان کے حلم میں، حضرت موسیٰؑ کو ان کی ہیبت میں، حضرت عیسیٰؑ کو ان کے زہد میں دیکھے وہ صرف علی ابن ابیطالبؑ کو دیکھ لے (ینابیع المودۃ ص ۹۹) اس حدیث میں حضرت علیؑ کے ہزاروں دروازے کھول دیے۔ کیونکہ حضرت آدمؑ میں جس قدر علوم و فنون و حقائق و معارف خدا نے بھر دیے تھے وہ سب حضرت علیؑ میں نظر آتے ہیں حضرت نوحؑ میں خدا نے عزم و ہمت استقلال و پختگی ارادہ کے جو فضائل جمع کئے تھے وہ سب حضرت علیؑ میں دکھائی دیتے ہیں حضرت ابراہیمؑ میں حلم، صبر، ضبط، بردباری، غمخواری کی جس قدر خوبیاں موجود تھیں وہ سب صرف حضرت علیؑ میں پائی جاتی تھیں۔ حضرت عیسیٰؑ میں زہد، قناعت، توکل، دنیا پرستی سے نفرت آخرت کی طرف رغبت کی جس قدر صفتیں موجود تھیں ان سب کا ذخیرہ حضرت علیؑ کی ذات میں تھا۔ اور حضرت رسول خدا نے اپنے کو اس جگہ ذکر نہیں فرمایا کیونکہ سینکڑوں مستقل حدیثیں ایسی ہیں جن میں فرما چکے ہیں کہ میری سب خوبیاں علیؑ میں ہیں (سوائے پیغمبری کے) امام احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس (مشہور صحابی رسولؐ) سے کہا سبحان اللہ!

حضرت علیؑ کے فضائل ومناقب بھی کس کثرت سے ہیں، میں تو اندازہ کرتا ہوں کہ تین ہزار سے کم نہ ہوں گے جناب ابن عباس نے جواب دیا کیا خوب ارے بھائی تیس ہزار کیوں نہیں کہتے (ینابیع المودۃ ص۹۹) سلیمان اعمش بن مہران کہتے تھے کہ خلفاء بنی عباس کے مشہور خلیفہ منصور دوانیقی نے اپنی خلافت کے زمانے میں مجھ سے کہا کہ اے سلیمان بتاؤ۔ حضرت علیؑ کے فضائل میں کتنی حدیثیں روایت کرتے ہو۔ میں (سلیمان) نے کہا بہت کم۔ منصور نے کہا واہ ہوتم پر صاف کیوں نہیں کہتے کہ حضرت علیؑ کے فضائل میں کتنی حدیثیں تم کو زبانی یاد ہیں۔ میں نے کہا دس ہزار حدیثیں یا شاید ایک ہزار ہی حدیثیں ہوں سلیمان کہتے تھے کہ جب میری زبان سے ایک ہزار حدیثوں کا لفظ نکلا تو خلیفہ منصور دوانیقی نے اتنی تعداد کو بہت کم سمجھا اور جھنجھلا کر) کہنے لگا اے سلیمان! تم پر واے ہے بلکہ دس ہزار حدیثیں ہی ہیں جیسا تم پہلے بولے ہو (ینابیع ص۹۹) جناب سعید بن جبیر بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ حضرت علیؑ کے فضائل کی حدیثوں میں لوگوں کے درمیاں اس قدر اختلاف کیوں ہے؟ تو ابن عباس نے کہا اے سعید بن جبیر تم مجھ سے اس بزرگ کے بارے میں کیا پوچھتے ہو جس کو صرف ایک رات میں تین ہزار فضائل حاصل ہوئے اور وہ غزوہ بدر میں اس کے کنویں کی رات تھی جس میں تین ہزار فرشتوں نے خدا کی طرف سے حضرت علیؑ پر سلام کیا تھا۔ والذی نفس عبد الله بن العباس بیده لو کانت بحار الدنیا مدادواشجارھا اقلاما واھلھا کتابا فکتبوا مناقب علی ابن ابی طالب وفضائله ما احصوھا

جس کے قبضہ میں عبداللہ بن عباس کی جان ہے اس کی قسم کھا کر میں کہتا ہوں کہ اگر دنیا بھر کے سمندروں کی روشنائی اور دنیا بھر کے درختوں کے قلم بنوا دیئے جائیں اور دنیا بھر کے لوگ لکھنا چاہیں جب بھی نہ لوگ حضرت علیؑ کے فضائل کو لکھ سکیں گے نہ سب فضائل ہی ختم ہوں گے (ینابیع المودۃ ص۱۰۰) علامہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ ہمدان کا ایک شخص جنکا نام برد تھا کسی کام سے معاویہ کے پاس گیا تو اس نے سنا کہ عمرو بن العاص جناب امیر علیہ السلام کو برا کہہ رہا ہے برد نے اس سے کہا اے عمرو عاص! ہمارے بزرگوں نے حضرت علیؑ رسولخدا صلعم سے سنا تھا کہ فرماتے تھے جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ بھی ہیں کیا یہ بات سچ ہے؟ عمرو عاص نے جواب دیا بیشک صحیح ہے بلکہ میں تو اس سے بھی بڑھ کر تجھ کو سناتا ہوں کہ جس قدر فضائل علیؑ کے ہیں حضرت رسولؐ کے صحابہ سے کسی کے فضائل بھی اتنے نہیں ہیں (کتاب الامامت والسیاست صفحہ ۱۶۷)

تیسرا ذریعہ

ان حدیثوں کی عظمت ہے حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علیؑ کی شان میں ایسی اہم ضروری، مفید، جان دار، روشن حدیثیں بیان فرمائیں جو عظمت، جلالت، وزن، نتیجہ اور اثر میں بے مثل ونظیر ہیں، جس طرح آفتاب ایسی کوئی روشن چیزوں کو

نظر نہیں آسکتی اسی طرح حضرت علی کے ایسے روشن فضائل کسی کو نہیں میسر ہوئے۔ جس طرح ماہتاب ایسی کوئی روشن چیز رات کو نہیں مل سکتی اسی طرح حضرت علی ایسی جنگی خوبیاں کسی شخص کو نہیں حاصل ہو سکیں۔ جناب سیدہ کا نکاح حضرت علی سے ہوا مگر خلیفہ اول و دوم اس سے محروم رہے۔ اس فضیلت کو کوئی کیونکر مٹا سکتا تھا؟ حضرت علی کی شان میں آیہ ومن الناس من یشری نفسہ۔ نازل ہوا اس کو کون مسلمان بھلا سکتا ہے؟ جناب امیرؑ نے اپنی جان رسولؐ پر نثار ہونے کو پیش کر دی۔ اس واقعہ کو کون مسلمان فراموش کر سکتا تھا؟ جناب امیر کو خدا کے حکم سے جناب رسولؐ نے سورۂ برات کی تبلیغ کے لیے بھیجا اور حضرت اول و دوم کو اس سے محروم کر دیا کون مسلمان اس عظیم الشان انتظام سے انکار کر سکتا تھا؟ جناب امیرؑ کے بارے میں ابتداء اسلام ہی میں حضرت رسولؐ نے فرما دیا تھا کہ یہی میرے بھائی، میرے وزیر، میرے وصی اور تم لوگوں پر میرے خلیفہ ہیں کس مسلمان کو اس کے متعلق عذر کی گنجائش مل سکتی تھی؟ دنیا سے رخصت کے قبل حضرت رسولؐ نے جناب امیر کو اپنا ولی عہد کر کے یہ بھی فرمایا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اس سے بھی کون مسلمان اپنا ذہن معطل کر سکتا تھا

چوتھا ذریعہ،

بعض بہت کم راویوں کی صوت، ایمانداری اور خوف خدا اور اتقاء جو وہ بنی امیہ و بنی عباس کے زمانے میں انگلیوں پر گنے کے قابل ایسے راویان حدیث بھی موجود تھے جن کی پیشانیوں سے نور ایمان چمکتا تھا جن کی صوت جھوٹے راویوں کے مقابلہ میں آفتاب کی طرح نمایاں تھی جن کی ایمانداری بدیہی معلوم ہوتی تھی جن کا خوف خدا عام طور پر مشہور تھا۔ لوگ ان کے چہروں کو دیکھ کر سمجھ جاتے تھے کہ خدا نہیں کہتے دلائیں گے۔ ان کے حالات سے لوگ اندازہ کر لیتے تھے کہ خوف خدا ان پر غالب ہے لوگ ان کے پاس جاتے تو مذہب کی باتیں سنتے۔ بیٹھتے تو دین کے تذکرے سنتے۔ ان کی سادگی، ان کی بلنداری، ان کی خستہ حالی پکار کر کہتی ہے کہ یہی وہ حضرات ہیں جو دنیا کے لیے اپنے دین کو نہیں بیچتے۔ یہی وہ حضرات ہیں جن کی صفت خدا نے کلام مجید میں ان زرین الفاظ کے ذریعے سے کھینچ کر مسلمانوں کو ہدایت کر دی ہے کہ ہماری اگلی باتوں کو بس متقین سے حاصل کرو

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل (پارہ ۲۶ ع ۱۲)

ان کی شناخت یہ ہے کہ سجدے کے گٹے ان کی پیشانیوں پر ہیں یہی اوصاف ان کے توراۃ میں بھی مذکور ہیں اور یہی اوصاف ان کی انجیل میں بھی مرقوم ہیں

انھیں اوصاف سے ان کے پھٹے ہوئے کپڑوں، بوسیدہ لباس، دبلے بدنوں، میلے جسموں، دھنسی ہوئی آنکھیں اور سوکھے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ دیکھ کر لوگ سمجھ جاتے تھے کہ حضرت رسولؐ کی سچی حدیثیں انھیں کے پاس ملیں گی اور وہاں

جا کر ان کا مقصد حاصل ہو جاتا تھا۔ بڑے عالم اہلسنت مولوی وحید زماں خانصاحب نے لکھا ہے من احبنا أهل البیت فلیعد للفقر جلبابا۔ جو شخص ہم لوگوں یعنی اہلبیت رسالت سے محبت رکھے وہ فقیری کا لباس تیار رکھے۔ یہ حضرت علیؑ کا قول ہے مطلب یہ ہے آنحضرت اور آپ کے اہلبیت کی محبت اس وقت سچی ہوگی جب دنیا و مافیہا سے بیزار ہو، مولے کا طلبگار ہو جیسے ان بزرگوں کا شیوہ تھا ۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں　　　　این خیال است و محال است و جنون

(انوار اللغۃ پ۵ صفحہ ۵۴)

ظاہر ہے کہ جو لوگ شب و روز دور دراز ملکوں پر چڑھائی کرنے۔ فوج کشی کے انتظام میں مشغول رہنے، دوسری قوموں پر اپنا سکہ بٹھانے، غیروں کو اپنی رعایا بنانے، دولت اور مال سمیٹنے، زر و جواہر ہتھیانے تلواروں اور تیروں کا انبار لگانے اور فاتح اعظم بن جانے کی فکروں میں دن رات بسر کرتے ہوں ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان کسی طرح نہیں پڑ سکتے تھے

پانچواں ذریعہ

تقیہ رہا جس عمل کو خدا اچھا کہے اسے کسی مسلمان کو برا نہیں سمجھنا چاہیے اور نہ اس پر کسی طرح کا اعتراض ہو سکتا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے:

وقال رجل مومن من آل فرعون یکتم ایمانه۔ (پارہ ۲۴ رکوع ۹)

اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مرد ایماندار تھا اور اپنے ایمان کو چھپاتا تھا وہ یہ سب باتیں سن کر بولا۔

مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہتے ہیں یہ مرد قبطی تھا۔ فرعون کا چچا زاد بھائی حضرت موسیٰؑ کو آن کر یہ خبر دی تھی کہ درباری لوگ تجھ کو مار ڈالنا چاہتے ہیں تو بھاگ جا۔ بعضوں نے کہا یہ بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا اس کا نام حبیب یا شمعان یا حزقیل یا جبرئیل۔ اس آیت سے یہ نکلتا ہے کہ اگر جان کا ڈر ہو تو آدمی اپنا ایمان چھپا سکتا ہے یعنی تقیہ کر سکتا ہے عمار بن یاسر نے بھی مشرکوں کے ڈر سے تقیہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا اگر پھر ایسا موقع آن پڑے تو پھر کر (تفسیر وحیدی صفحہ ۶۱۱) اسی طرح خدا نے قرآن مجید میں تقیہ کو اور زیادہ کھلے الفاظ میں بیان کر کے اس پر عمل کرتے رہنے کا حکم واضح ارشاد فرمایا ہے

لا یتخذ المومنون الکٰفرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذٰلك فلیس من الله فی شئ الا أن تتقوا منهم تقٰةً (پارہ ۳ رکوع ۱۱)

مومنین کو چاہیے کہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے یعنی کافروں سے دوستی

جوڑے تو اسکو اللہ سے کچھ تعلق نہیں کافر اللہ کے دشمن ہیں ان سے دوستی کرنا اللہ سے دشمنی کرنا ہے مگر ہاں جب ایسے امر کا ڈر ہو جس سے بچنا ضروری ہے

مولوی وحید الزمان خاں صاحب نے لکھا ہے مثلاً جان جاتی ہو تو ضرورت کے وقت کافروں سے ظاہر داری کرے۔ پر دل میں ہمیشہ ان سے دشمنی رکھے۔ بعضوں نے یوں ترجمہ کیا ہے مگر ہاں اپنا بچاؤ ان سے کر سکتے ہو۔ اکثر علماء کے نزدیک ضرورت کے وقت کافروں سے ایسی ظاہری دوستی کرنا درست ہے اور ایک جماعت علماء نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اب اس کی ضرورت نہیں اللہ تعالے نے مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھا دی ہے اور اسلام کو عزت دے دی ہے ابن عباسؓ نے کہا یہ تقیہ ہے یعنی زبان سے ایسی بات کہنا جو اگر نہ کہے تو آفت میں پڑتا ہے لیکن دل سے اس کو برا سمجھے یہ ضرورت کے وقت جائز ہے مگر کسی گناہ کا ارتکاب درست نہیں نہ خون کرنا۔ ابوالعالیہ نے کہا تقیہ صرف زبان سے ہوتا ہے نہ عمل سے۔ بخاری نے حسن سے نکالا کہ تقیہ قیامت تک درست ہے (تفسیر وحیدی ص ۷۰) اور اپنی دوسری کتاب میں لکھا ہے التقیہ الی یوم القیامۃ امام حسن بصری نے کہا تقیہ قیامت تک باقی رہے گا یعنی جب جان جانے کا ڈر ہو یا بے عزتی کا یا کوئی عضو کاٹے جانے کا یا ضرب شدید کا جس کا تحمل نہ ہو سکے تو کسی حیلے سے اپنے تئیں بچانا اس کا نام تقیہ ہے اور یہ قرآن سے ثابت ہے الا ان تتقوا منہم تقاۃ۔ اور ناواقف تقیہ کو روافض کا خاص طریق سمجھتے ہیں حالانکہ تقیہ اہلسنت کے نزدیک بھی اپنے موقع پر جائز ہے (انوار اللغۃ پ ۲۶ ص ۸۳) جب خود حضرت رسول خدا صلعم نے جناب عمار سے فرمایا کہ دشمنوں سے تقیہ کرو اب تو کوئی مسلمان اس پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ یہ تقیہ حضرت رسولؐ کے زمانے میں کیا ہی جاتا تھا۔ ایماندار صحابہ حضرت کے بعد خلفاء ثلاثہ، خلفاء بنی اُمیہ اور خلفاء بنی عباس کے زمانے میں برابر تقیہ کرتے اور اسی عالم میں جناب امیرؑ اور حضرات اہلبیت طاہرینؑ کے فضائل لوگوں سے بیان کرتے رہتے تھے۔ خلفاء کے دربار میں گرفتار ہو کر جاتے ٹکڑے کئے جاتے سزا دی جاتی ہر قسم کی سختی کی جاتی۔ وہاں بادشاہ وقت کے موافق باطل چیزیں زبان پر جاری بھی کر دیتے۔ مگر وہاں سے ہٹ کر اپنی جگہ آ جاتے تو لوگوں سے پوشیدہ کر کے اور خاص دربار تک پہنچنے والوں سے بچ کر اپنے اعزاء اور احباب اور مخلصین سے ان حضرات کے صحیح اور یقینی فضائل بیان کرتے رہتے وہ لوگ ان حدیثوں کو لکھ لیا کرتے۔ برابر ان کو دیکھ کر یاد کرتے جاتے۔ دوسروں کو سناتے اور مرتے وقت قیمتی مالوں کی طرح ان مذہبی خزانوں اور دینی ذخیروں کو بھی بطور میراث چھوڑ جایا کرتے تھے۔ اس طرح ان حضرات کے فضائل کی بہت زیادہ حدیثیں صحیح طور پر لوگوں میں پھیلی اور محفوظ ہوتی رہیں۔ چوں کہ اس تقیہ کے ذریعہ سے مومنین کی بڑی حفاظت اور ترقی ہوتی رہتی تھی اور یہ بیچارے دشمنوں کے ظلموں سے بچ گئے جس سے ان کی اور ان کی اولاد کی

زندگی قائم رہی اس وجہ سے مخالفین کو نہایت ناگوار ہوا کہ سچے مومنین کیوں تقیہ کر کے بچ جاتے اور سچے اسلام کی ترویج کرتے رہتے ہیں اس وجہ سے عام اہل اسلام قرآنی حکم چھوڑ کر اور حضرت رسولخدا صلعم کی تاکید کو پس پشت ڈال کر شیعوں پر اعتراض کرنے لگے کہ یہ تقیہ کرتے ہیں بیشک شیعہ اسی طرح تقیہ کرتے ہیں جس طرح جناب عمار وغیرہ اصحاب کرام حضرت رسولؐ کے زمانے میں کرتے رہے ہیں اور علماء اہلسنت بھی بہت کثرت سے تقیہ کرتے آئے ہیں خلیفہ مامون کے زمانے میں علماء اہلسنت کا بے حساب تقیہ کرنا اور اپنی جان بچانا مشہور واقعہ ہے جس سے اہل علم اچھی طرح واقف ہیں۔

چھٹا ذریعہ

خوابوں سے بھی فضائل کی اشاعت کا ذریعہ خدا نے پیدا کر دیا تھا بکثرت حدیثوں میں ہے کہ الرؤیا جزوء من النبوۃ۔ خواب نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے بہ کثرت زمانے میں خدا نے ذی اثر لوگوں کو خواب دکھایا جس سے ان لوگوں نے مذہب حق شیعہ اختیار کیا پھر جناب امیرؑ کے فضائل کی جستجو شروع کی۔ لوگوں سے حدیثیں پوچھیں۔ اہل علم سے حضرت کے مناقب کے پتے لگائے۔ ان کو تلاش کرایا لکھا اور دوسروں کو تعلیم کی۔ ان خوابوں کی تفصیل تو انشاء اللہ اس سوانح مبارک کی آئندہ جلدوں میں بھی ثابت کی جائے گی۔ اس جلد میں صرف تین خوابوں کا بیان مختصر طور پر کر دیا جاتا ہے جن سے خدا کی قدرت بھی ثابت ہوگی اور جناب امیرؑ کا اعجاز بھی واضح ہوگا کہ کس طرح خدا نے حضرتؑ کے فضائل کی اشاعت ونشر کا سامان مہیا کیا اور لوگوں کو مذہب حق کی طرف آسانی سے آنے کی دعوت دی ۱۹۱۴ھ سے ۱۹۶۱ء تک ہندوستان کی دکن کی ریاستوں میں ایک ریاست احمد نگر تھی۔ اس کا والی برہان نظام شاہ پہلے مہدویہ مذہب رکھتا تھا۔ اس کا چہیتا بیٹا عبدالقادر تپ محرقہ میں گرفتار ہوا۔ تمام حکیموں کے علاج کر ڈالے مگر فائدہ نہ ہوا پھر برہمنوں کے بت خانوں میں صدقات اور نذرانے بھجوائے۔ ہندو مسلمان سب سے دعا کرائی لیکن کوئی نتیجہ نہ ہوا۔ تب جناب مولانا شاہ طاہر علیہ الرحمہ نے جو ایران سے وہاں آئے تھے اور بادشاہ کی خدمت میں حالت تقیہ میں بسر کرتے تھے بادشاہ سے عرض کی کہ حضور! شاہزادے کی شفا کے بارے میں بندے نے ایک تدبیر سوچی ہے۔ اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ بادشاہ نے اصرار کیا تو طاہر رضی اللہ عنہ نے جرأت کر کے کہا کہ اگر شاہزادہ آج کی شب شفا پا جائیں تو بادشاہ عہد کریں اور نذر مانیں کہ زر خطیر حضرات ائمہ معصومینؑ کی اولاد کو یعنی سادات کو پہنچائیں گے۔ برہان نظام شاہ نے کہا ائمہ معصومینؑ یعنی دوازدہ امام کون ہیں؟ شاہ طاہر رضی اللہ عنہ نے بارہ اماموں کے نام مع ولدیت (حضرت علیؑ سے امام مہدیؑ تک) بتائے، برہان نظام شاہ نے کہا کہ جب میں بت خانوں میں نذر گزران چکا تو کیا حضرت علی مرتضیٰ اور بی بی فاطمہ کے فرزندوں کے نام لوازم نذر بجالاؤں گا؟ شاہ طاہر رضی اللہ عنہ نے

کہا بس تو آج شب جمعہ ہے بادشاہ نذر کریں کہ اگر جناب باری حضرت پیغمبر آخر الزماں اور دوازدہ امام کے قرب منزلت کی برکت سے آج شب کو شاہزادہ عبدالقادر کو شفا عطا فرمائے تو خطبہ اثنا عشری پڑھوا کر ان کے مذہب کی ترویج میں کوشش کروں گا ۔ برہان نظام شاہ جس کو اپنے لڑکے کے اچھے ہونے کی ذرہ برابر بھی امید نہیں تھی اور اس کی زندگی سے بالکل مایوس ہو گیا تھا۔ یہ سن کر بہت خوش ہوا اور اسی وقت شاہ طاہر کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عہد و پیمان بجا لایا۔ بادشاہ اس رات کو عبدالقادر کے پلنگ کی پٹی سے لگا بیٹھا رہا۔ ہر چند عبدالقادر کو لحاف اڑھانے کی کوشش کی جاتی تھی مگر وہ بے چینی سے ہاتھ پاؤں مار کر لحاف کو پھینک دیتا تھا ناچار لحاف اڑھانے سے منع کر دیا اور کہا اسی رات کا مہمان معلوم ہوتا ہے ایک ساعت اور اسے دنیا کی ہوا سے خوش حال ہونے دو اور خود اسی طرح سے پٹی سے لگا بیٹھا رہا صبح ہوتے ہی پٹی پر سر رکھ کر سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک بزرگوار نورانی صورت اس کے سامنے آئے اور ان کے داہنے بائیں بارہ شخص ہیں برہان نظام شاہ استقبال کر کے مؤدب کھڑا ہوا تو ایک صاحب نے ان میں سے فرمایا کہ تو ان بزرگوار کو جانتا ہے کہ کون ہیں؟ یہ حضرت مصطفیٰ صلعم ہیں اور یہ بزرگوار جو ان کے داہنے ہیں دوازدہ امام علیہم السلام ہیں۔ اسی درمیان حضرت رسالت پناہ صلعم نے فرمایا اے برہان احق سبحانہ تعالیٰ نے علیؑ اور ان کے فرزندوں کی برکت سے عبدالقادر کو شفا بخشی تم کو لازم ہے کہ میرے فرزند طاہر کے کہنے سے تجاوز نہ کرو۔ برہان نظام خواب سے خوشحال بیدار ہوا۔ دیکھا کہ عبدالقادر پر لحاف پڑا ہوا ہے اور اس کی دایہ اور والدہ سے جو برابر جاگتی رہی تھیں معلوم ہوا کہ کسی نے اس پر نہیں ڈالا بلکہ اسی وقت خود بخود حرکت کر کے شاہزادہ عبدالقادر پر جا پڑا۔ بادشاہ نے ہاتھ ڈال کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ عبدالقادر خواب راحت میں سوتا ہے اور بالکل اچھا ہو گیا ہے اس کے بعد برہان نظام شاہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ مذہب شیعہ اختیار کیا اور خطبہ میں بارہ امام کا نام جاری کر دیا (۲)

صاحب تاریخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ مورخین توران و ایران کا اتفاق ہے کہ غازان خان نے مسلمان ہونے کے بعد دو مرتبہ حضرت رسالتؐ پناہ کو خواب میں دیکھا اور ہر مرتبہ حضرت امیر المومنین یعسوب الدین علی ابن ابی طالب حضرت کے ساتھ تھے۔ حضرت رسولؐ نے حضرت طاہرہ کی تعریف کے بعد فرمایا تم کو لازم ہے کہ میرے اہلبیتؑ کے بارے میں طریق اخلاص رکھو اور ان کی پیروی کرو اور سادات کو گرامی رکھو۔ اسی سبب سے غازان نے اہلبیت پیغمبرؐ کی محبت اپنے صفحۂ دل پر نقش کی اور سادات کربلا و نجف کو گرامی رکھ کر شیعہ مذہب والوں کو مقرب درگاہ کر کے منصب مناسب پر منصوب فرمایا۔ اب صاحب تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں کہ میں حیرت میں ہوں کہ اگر مذہب شیعہ حق ہے تو دوسرے مذہب والوں کا کیا حشر ہوگا؟ اگر دوسرا مذہب حق ہے تو مذہب شیعہ کے رواج دینے کی سفارش حضرت رسولؐ نے کیوں کی؟ اللھم افتح بیننا و بین قومنا

بالحق وانت خیر الفاتحین انتھی ملخصاً دیکھو تاریخ فرشتہ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ جلد ۲ ص ۱۱۲)

(۳) ترکی سلطنت مشہور ہے جو یورپ میں بھی ہے اور ایشاء میں بھی۔ پہلے اس کا رقبہ بہت تھا۔ اب مختصر سارہ گیا ہے ۔اس کے چھٹے بادشاہ مراد خاں ثانی کا ایک بیٹا یوسف تھا۔ مراد خاں ثانی کے بعد جب اس کا بیٹا محمد روم کا بادشاہ ہوا تو اس نے اپنے بھائیوں (مراد کی اولاد نرینہ) کو قتل کرنا شروع کیا۔ یوسف کی ماں نے یوسف کو کسی طرح ٹرکی سے سے بھگا دیا پر بیچارہ ادھر اُدھر مارا پھرا۔ راستے میں کئی بار خواب دیکھا کہ تم شیعہ ہو جاؤ اور گھبراؤ نہیں جلد ایک بڑی سلطنت کے مالک ہو گے۔ یہ بھاگتے بھاگتے ہندوستان دکن میں آیا اور رفتہ رفتہ سلطنت بہمنی کے امراء کے زمرہ میں داخل ہو گیا۔ یہاں تک کہ ریاست بیجاپور کی نظامت اس کے سپرد ہو گئی اور عادل خاں خطاب پایا جب بہمنی سلطنت ضعیف ہو گئی تو یوسف عادل خود مختار ہو کر بادشاہت کرنے لگا اور خواب کے ذریعہ سے مذہب شیعہ اختیار کر کے حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل کی خوب اشاعت کی (تاریخ فرشتہ جلد ۲ صفحہ ۱۲)

انشاء اللہ کسی مناسب موقع پر یوسف عادل شاہ کے اپنے وطن (ٹرکی یورپ) سے نکلنے اور ایشیاء کے ملک ہندوستان دکن میں داخل ہو کر بیجاپور کے بادشاہ ہونے اور مذہب شیعہ کو قبول کر کے اس کی اشاعت کرنے کی مفصل سرگزشت بھی اردو زبان میں شائع کر دی جائے گی۔

تتمہ

حضرت امیرالمومنینؑ کی تاریخی حالات کی بہت مختصر فہرست

محض خدا کے فضل وکرم سے حضرت امیرالمومنینؑ کی عظیم الشان سوانح عمری کی مکمل جلد "اعجاز الولی" کے ضروری مضامین ختم کر دیے گئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جلد کے آخر میں حضرت کے تاریخی حالات کی مختصر فہرست بھی درج کر دی جائے جس سے معلوم ہو کہ جس بزرگ کے حالات اس وقت تک لکھے گئے اور آئندہ جلدوں میں بھی لکھے جائیں گے ان کے مختصر سوانح زندگی کیا ہیں تا کہ بعد کو تفصیل کا لطف زیادہ ملے۔

نسب نامہ

حضرت رسول خدا صلعم کی ہجرت سے تقریباً دو ہزار سات سو ترانوے (۲۷۹۳) سال قبل مشہور پیغمبر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے دوسرے بیٹے اسمٰعیلؑ کے ساتھ مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔ اور چونکہ مکہ میں پانی دیکھ کر قبیلہ جرہم بھی وہاں آ کر آباد ہو گیا تھا حضرت اسمٰعیلؑ نے اسی خاندان میں شادی کر لی جس سے بارہ بیٹے پیدا ہوئے جن کی اولاد مکہ میں بڑھتی گئی۔ انہیں میں سے ایک شخص فہر ہوا جو تیسری صدی عیسوی میں گزرا ہے۔ اسی فہر کی نسل سے پانچویں صدی عیسوی میں قصی پیدا ہوئے۔ قصی کے بیٹے عبد مناف ہوئے اور عبد مناف کے بیٹے ہاشم ہوئے جو حضرت امیرالمومنینؑ کے پردادا تھے۔ جناب ہاشم کے بیٹے جناب عبدالمطلبؑ ہوئے جن کے ایک فرزند جناب عبداللہؑ کے بیٹے حضرت محمد مصطفےؐ اور دوسرے فرزند جناب ابوطالبؑ کے بیٹے حضرت علیؑ تھے۔ جناب ہاشم کے دوسرے بیٹے کا نام اسد تھا جن کی بیٹی جناب فاطمہ کی شادی جناب ابوطالبؑ سے ہوئی اور انہیں سے حضرت امیرالمومنینؑ پیدا ہوئے۔ اس طرح حضرت کے والد جناب ابوطالب بھی ہاشمی تھے اور آپ کی والدہ جناب فاطمہ بنت اسد بھی ہاشمیہ تھیں۔ جناب ہاشم حضرت علیؑ کے پردادا بھی تھے اور پرنانا بھی۔

ولادت

سنہ ۳۰ عام الفیل (غالباً ۵۹۹ء یا ۶۰۰ء) میں جب کہ حضرت رسول خدا صلعم ۳۰ سال کے ہو چکے تھے۔ ۱۳ رجب

کو جمعہ کے دن خانہ کعبہ کے اندر حضرت امیر المومنینؑ پیدا ہوئے۔

(مروج الذہب جلد ۵ ص ۱۷۵ ازالۃ الخلفاء مقصد ۱ صفحہ ۲۵۱ ومطالب السؤل صفحہ ۳۷ وفصول مہمہ وروائح المصطفےٰ صفحہ ۱۰ وارجح المطالب صفحہ ۳۴۵ وغیرہ)

نام، کنیت اور القاب

آپ کی والدہ نے آپ کا نام حیدر واسد رکھا۔ جناب ابوطالبؑ نے زید اور خدا نے علیؑ رکھا۔ آپ کی کنیتیں بہت ہیں مثلاً ابوالحسن، ابوحسین، ابوالسبطین، ابوالرحانتین، ابوتراب اور القاب صدیق اکبر، فاروق اعظم، امیر المومنین، اسد اللہ، المرتضیٰ، حیدر کرار، صفدر وغیرہ

بچپن کا زمانہ

حضرت رسول خداؐ ہی نے خدا کے حکم سے آپ کا نام علیؑ رکھا اور حضرت ہی اپنے لعاب دہن سے بہت دنوں تک حضرت علیؑ کو غذا دیتے رہے (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۸ وغیرہ)

اظہار اسلام

حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت علیؑ کو بچپن ہی میں اپنے سے ملا لیا اس وقت سے برابر حضرت علیؑ حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ رہے یہاں تک کہ خدا نے حضرت محمد مصطفےٰ کو اپنا پیغمبر بنایا تو حضرت علیؑ فوراً حضرتؐ کے پیرو ہو گئے، آپ پر ایمان ظاہر کر دیا اور آپ کی پوری تصدیق کی اسی وجہ سے حضرت رسول خداؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے اور سب سے پہلے اسلام ظاہر کرنے والے حضرت علیؑ ہی تھے اسی سبب سے حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے کہ صدیق تین ہوئے ہیں: (۱) مومن آل یاسین (۲) مومن آل فرعون اور (۳) حضرت علیؑ اور ان سب میں سب سے افضل واعلیٰ حضرت علی ہی ہیں (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۳۱۷) اسی وجہ سے حضرت علیؑ فرمایا کرتے انا الصدیق الاکبر میں ہی صدیق اکبر ہوں۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۰)

صورت وشکل

حضرت کا رنگ گورا، آنکھیں بڑی کشادہ تھیں، پیٹ پر بال نہیں تھے۔ میانہ قد کے اور نہایت حسین تھے (اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۵۲)

حضرت رسول خداؐ کی جاں نثاری

حضرت امیر المومنین ابھی ۱۳ برس کے ہونے پائے تھے کہ اسلام کو ایک حامی اور رسول خدا صلعم کو ایک ناصر کی ضرورت ہوئی تو حضرت امیرؑ اکیلے اس کے لیے آمادہ ہو گئے جس کی تفصیل اس کتاب کے شروع میں گزر چکی ہے آپ نے اس وقت جو کہا تھا عمر بھر ویسا ہی کرتے رہے۔ شب ہجرت آپ نے جو جان نثاری کی دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے حضرت رسول خدا نے دو مرتبہ صحابہ میں مواخاۃ کرائی اور دونوں مرتبہ آپ کو حضرت علیؑ ہی کا اور حضرت علی کو اپنا ہی بھائی بنایا ۲ھ میں مدینہ منورہ آ کر خدا کے حکم سے آپ کی شادی سیدہؑ کے ساتھ حضرت رسولؐ نے کر دی۔ ۱ھ میں حضرت علی نے بلال کو اذان تعلیم کر دی اور اس عبادت کی ابتدا ہو گئی۔

۲ھ

ماہ رمضان ۲ھ میں حضرت رسول خدا صلعم کا مشہور غزوہ بدر ہوا۔ مکہ کے کافروں سے سخت لڑائی ہوئی۔ مسلمانوں کو خدا نے مدد دی جس سے وہ لوگ فتحیاب ہو گئے۔ ۷۰ کافر اس لڑائی میں مارے گئے اور ۷۰ ہی قید بھی ہوئے اس لڑائی کی کامیابی کا سہرا بھی حضرت علیؑ ہی کے سر ہے کہ تنہا آپ نے ۳۶ کافروں کو قتل کیا باقی کافروں کو زر فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا جنگ کے قیدیوں پر رسولؐ نے بڑا رحم کیا۔

۳ھ

جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لیے مکہ کے کافروں نے اس سال مدینہ پر چڑھائی کی مگر مسلمانوں نے رسولؐ کی بات نہیں مانی جس سے اہل اسلام کی شکست ہو گئی۔ اور سب مسلمان حضرت کو چھوڑ کر بھاگ گئے اس جنگ میں ۳۰ یا ۲۲ کافر مارے گئے جن میں سے صرف ۱۲ کو حضرت علیؑ نے قتل کیا۔ اس جنگ میں بھی اسلام کے علمبردار حضرت علیؑ تھے جب صحابہ رسولؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تب بھی حضرت علی رسولؐ کی حمایت میں جمے رہے جس پر رسولؐ نے فرمایا اے علی تم کیوں نہیں بھاگے؟ فرمایا کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا؟ اس جنگ میں حضرت علیؑ کی تلوار ٹوٹ گئی تو حضرت رسولؐ نے آپ کو ذوالفقار عطا کی۔ چونکہ اس میں حضرتؑ نے نہایت درجہ شجاعت دکھائی اور آنحضرتؐ کی مدد کی تو رسولؐ نے فرمایا اے علیؑ اپنی تعریف سنتے ہو کہ رضوان فرشتہ آسمان پر کہہ رہا ہے لافتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار یہ غیبی آواز سنائی دی کہ لا سیف الا

ذو الفقار ولافتی الاعلی (تاریخ کامل جلد صفحہ ۵۸) غزوہ احد کے بعد حضرت رسولؐ مدینہ واپس آئے تو پتہ ملا کہ کفار مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں حضرتؐ اسی طرح روانہ ہوگئے علم حضرت علیؑ کو دیا۔ کفار حضرت کی خبر سن کر مکہ واپس چلے گئے۔
(تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۶۸)

۵۴

غزوہ احد سے واپسی کے وقت ابوسفیان کہتا گیا تھا کہ آئندہ سال ہم لوگ پھر آئیں گے تو اس نے ایک شخص کو مدینہ بھیج دیا کہ کفار قریش کے سامان سے مسلمان کو ڈرا دے۔ اس پر حضرت رسولؐ ایک جماعت کے ساتھ بدر تک گئے مگر کفار نہیں آئے اس غزوہ میں بھی علم بردار حضرت علی ہی تھے۔

۵۵

ایک قبیلہ بنی مصطلق نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا تو ۲ شعبان ۵ھ ہجری کو حضرت رسولؐ اس طرف گئے اور مسلمان کامیاب ہوئے اس غزوہ میں بھی مسلمانوں کی فوج کے سپہ سالار اور علم بردار حضرت علیؑ ہی تھے۔

غزوہ خندق

بنی نضیر کے یہودی جو خیبر میں جلاوطن ہوگئے تھے حضرت رسولؐ سے انتقام لینے کے درپے تھے۔ غرض تمام قبائل عرب سے لشکر گراں تیار ہوکر مدینہ کی طرف بڑھا تو حضرت رسول بھی مدینہ سے نکلے اور ایک پہاڑ کو پیٹھ پر رکھ کر سامنے خندق کھدوائی۔ مگر کافروں نے ہر طرف سے مسلمانوں کا محاصرہ کرلیا تو اہل اسلام کے ہوش جاتے رہے خاص کر عمرو بن عبدود نامی پہلوان کی وجہ سے جس کو اہل عرب ہزاروں بہادروں کے برابر جانتے تھے ایک دن وہ خندق پھاند کر مسلمانوں کی طرف آ گیا اور لڑنے والوں کو پکارا۔ مگر فوج اسلام میں سے اس کے مقابلے پر کوئی بھی نہیں نکلا صرف حضرت علیؑ بار بار اُٹھے آخر رسولؐ نے آپ کو اجازت دی۔ خوب زور شور کی لڑائی ہوئی پھر حضرت علیؑ نے اس زور کا حملہ کیا کہ عمرو بن عبدود پر تلوار پڑ گئی اور اس کا سر کٹ گیا حضرت علیؑ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہوگیا (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۳۱۴) جب جناب امیرؑ عمرو بن عبدود کے مقابلے میں نکلے تو رسولؐ نے فرمایا برز الایمان کلہ الی الشرک کلہ یعنی پورا ایمان پورے کفر کے مقابلے کو نکل پڑا ہے۔ (سیرۃ محمدیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۲) حدیث میں آیا ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا یقیناً جنگ خندق میں علیؑ کا

جہاد میری امت کے کل اعمال سے افضل ہے وہ قیامت تک کرتی رہے گی (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۱۳)

غزوہ بنو قریظہ

جنگ خندق کے بعد حضرت رسول بنو قریظہ سے لڑنے کو ذی قعدہ ۵ھ میں گئے اور لشکر کا علم اس میں بھی حضرت علی ہی کو دیا (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۵۲)

۶ھ

شعبان سنہ ۶ھ میں خبر ملی کہ بنو بکر اور خیبر کے یہودی مدینہ پر چڑھائی کرنی چاہتے ہیں تو حضرت رسول نے حضرت علی کو سو آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ فدک پر مقابلہ ہوا دشمن کو شکست ہوئی اور مسلمان مال غنیمت لے کر پلٹے۔

غزوہ حدیبیہ

ذیقعدہ ۶ھ (۶۲۸ء) میں حج کے ارادہ سے حضرت رسول خدا مکہ کی طرف چلے قریش کو مکہ میں خبر ہوگئی تو آکر روکا حضرت ایک کنویں پر جس کا نام حدیبیہ تھا رک گئے آخر کو صلح ہوگئی حضرت رسول نے صلح نامہ حضرت علی سے لکھوایا اور اس پر طرفین سے گواہیاں ہوگئیں۔

محرم ۷ھ (مطابق ۶۲۸ء) میں مشہور خیبر کی جنگ ہوئی۔ خیبر میں یہودی رہتے تھے۔ یہ بڑی زبردست جنگ تھی کیونکہ یہودی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ وہ اس دین کو مطلقاً ناپسند کرتے تھے۔ پہلے حضرت ابوبکر علم لے کر گئے اور فوج اسلام نے لڑائی کی مگر وہ فتح نہ کرسکے واپس آئے۔ پھر حضرت عمر گئے اور ان کی فوج بھی پہلے سے زیادہ تھی مگر یہ بھی فتح نہ کرسکے بلکہ بھاگ آئے۔ اب فوج آنحضرتؐ سے کہتی تھی کہ یا حضرت ہمارے سردار علم نے نامردی کی اس وجہ سے ہم لوگ فتح نہیں کرسکے اور حضرت عمر ارشاد فرماتے تھے کہ یا حضرت میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں۔ میری فوج بالکل بزدل تھی اس وجہ سے ہم لوگوں کو شکست ہوئی (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۹۳) مگر حضرت رسول صلعم نے حضرت عمر کی بات نہیں مانی اور فوج کو سچا سمجھ کر فوج تو وہی رکھی اور سردار کو بدل دینا چاہا اپنی مشہور حدیث ارشاد فرمائی۔ لاعطین الرایۃ غدا رجلا کرارا غیر فرار یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ یفتح اللہ علی یدیہ یعنی کل یہ علم اس بہادر کو دوں گا جو بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے بھاگنے والا نہیں ہے اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسول بھی اس کو دوست رکھتے ہیں خدا اس کے

ہاتھ پر ضرور اس قلعہ کو فتح کردے گا (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۹۳ وصحیح بخاری کتاب المغازی پ ۱۷ باب غزوہ خیبر وغیرہ) صبح ہوئی تو حضرت نے جناب امیرؑ کو وہ علم دے کر بھیجا۔ حضرتؑ گئے خوب لڑے جنگ فتح کرلی اور مرحب کا سر کاٹ کر اسلام کا ڈنکا بجادیا۔ رسولؐ نے مارے خوشی کے حضرت علیؑ سے فرمایا تمہارا قابل شکر کارنامہ اور نہ بھولنے والا احسان مجھ تک پہنچا خدا نے تمہاری اس خدمت کو بہت پسند کیا اور میں تم سے راضی ہوں۔

آفتاب کا پلٹنا

خیبر سے واپس ہوتے وقت منزل صہباء میں نماز عصر پڑھنے کے بعد رسولؐ جناب امیر کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے اور آفتاب ڈوب گیا حضرت علیؑ باقاعدہ نماز نہ پڑھ سکے۔ جب رسولؐ جاگے تو دعا کی آفتاب پلٹ آئے تاکہ جناب امیرؑ نماز عصر باقاعدہ پڑھ لیں۔ فوراً آفتاب طالع ہوگیا اور جناب امیرؑ نے نماز عصر باقاعدہ پڑھ لی۔
(تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۶۴ ومدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۱۱ وغیرہ)

۸ھ فتح مکہ: ماہ رمضان ۸ھ میں حضرت رسولؐ مکہ کی طرف تشریف لے گئے یہاں بھی سپہ سالار فوج حضرت علیؑ ہی تھے۔ حضرت بلامزاحمت مکہ میں داخل ہوگئے اور خانہ کعبہ کے اندر داخل ہو کر نیچے کے بتوں کو توڑ دیا اور جو اونچے تھے ان کے توڑنے کے لیے حضرت علیؑ کو اپنے کاندھے پر چڑھایا تو جناب امیر نے سب بتوں کو توڑ گرادیا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۹۶ وغیرہ)

دعوت بنوخزیمہ: فتح مکہ کے بعد حضرت رسولؐ نے آپ کو بنوخزیمہ کی طرف روانہ کیا۔ حضرت علیؑ وہاں پہنچے اور اپنے کارناموں سے رسول کو خوش کردیا (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۴)

غزوہ حنین

حضرت ۶ رشوال ۸ھ (۶۳۰ء) کو کئی قبائل کے حملے روکنے کے لیے نکلے حضرت علیؑ ہی سپہ سالار فوج تھے۔ وادیٔ حنین میں داخل ہوئے۔ جنگ ہوئی تو مسلمان بھاگ گئے مگر حضرت علیؑ نے رسول کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اس جنگ میں ۷۰ کافر مارے گئے۔ کافروں کو زیادہ تر حضرت علیؑ نے قتل کیا جس کے بعد پھر مسلمان کامیاب ہوگئے۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ وغیرہ)

غزوہ طائف

حنین کی باقی فوج طائف میں جا کر پناہ گزیں ہوئی حضرت رسولؐ نے محاصرہ کرلیا اور حضرت علیؑ نے اس جنگ کو بھی فتح کیا

غزوہ تبوک

حضرت رسولؐ کو معلوم ہوا کہ نصاریٰ شام مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو حفظ ما تقدم کیلئے حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام کر کے شام کی طرف روانہ ہوئے جناب امیرؑ نے فرمایا مجھے عورتوں اور بچوں میں حضور چھوڑ جاتے ہیں! فرمایا الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لیس نبی بعدی۔ اے علیؑ کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو جناب ہارون کو موسیٰ پیغمبر سے تھی مگر میرے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے (صحیح بخاری پ ۱۸ صفحہ ۸۹ وغیرہ)

۹ھ تبلیغ سورہ برأت: غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ یا ذی الحجہ ۹ھ میں حضرت رسولؐ نے حضرت ابوبکر کو حاجیوں کا امیر مقرر کر کے سورہ برأت دی کہ مکہ میں اس کی تبلیغ کر دیں۔ ان کی روانگی کے بعد جناب جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا یا حضرت آپ کی طرف سے سوائے آپ کے یا اس شخص کے جو آپ ہی سے ہو اور کوئی شخص اس کام کو نہیں کر سکتا تب حضرتؐ نے جناب امیرؑ کو دوڑایا حضرتؑ گئے حضرت ابوبکر سے سورہ برأت لے لی اور مکہ میں جا کر اس کی شاندار تبلیغ کی۔ حضرت ابوبکر اس سے معزول ہو کر مدینہ واپس آئے تو رونے لگے (صحیح بخاری پ ۲ ص ۲۳)

۱۰ھ۔ سریہ جناب امیر

۱۰ھ میں حضرت رسولؐ نے جناب امیرؑ کو اہل یمن کی طرف بھیجا تو یہ اثر ہوا کہ ایک ہی دن میں پورا قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا۔ پھر اہل یمن پے در پے اسلام میں داخل ہونے لگے۔ آنحضرتؐ نے یہ سب سنا تو خوشی میں سجدہ شکر ادا کیا اور بار بار فرمایا قبیلہ ہمدان پر سلام ہو (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۹ وغیرہ)

حجتہ الوداع

۱۰ھ (غالباً ۶۳۲ء) میں ۲۵ ذیقعدہ کو حضرت رسولؐ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کے ساتھ آخری حج کرنے مکہ کی طرف تشریف لے چلے اور ۴ ذی الحجہ کو وہاں پہنچ گئے حج سے فارغ ہو کر ۱۴ ذی الحجہ کو مکہ واپس چلے تو راستہ میں غدیر خم پر یہ حکم خدا نازل ہوا۔ یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس اے رسول تمہیں جو حکم ہم نے بھیجا ہے اب پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو سمجھا جائے گا کہ رسالت کا کوئی کام نہیں کیا اور اللہ تمکو لوگوں کے شر سے بچائے گا (پ ۶ سورہ ع ۱۴) حضرت فوراً اتر پڑے۔ منبر بنوایا اس پر جناب امیرؑ کو لے جا کر فرمایا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ جس کا میں مولا ہوں اس کے مولا علیؑ بھی ہیں اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی الیوم

اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتي ورضیت لکم الاسلام دیناً، اب ہم نے تمہارے دین کو کامل کردیا تمہارے اوپر اپنی نعمت تمام کردی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کرلیا۔ (تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ وغیرہ)

مباہلہ

۲۴رذی الحجہ نجران کے عیسائی مدینہ میں آئے تو رسولؐ اور عیسائیوں میں مباہلہ طے ہوا رسولؐ اس قرارداد کے مطابق امام حسنؑ امام حسینؑ جناب سیدہؑ اور جناب امیر کو لے کر مباہلہ کے میدان میں تشریف لائے مگر عیسائی سب ڈر گئے مباہلہ سے معافی مانگ لی اور صلح کر کے واپس گئے آپس میں کہنے لگے رسولؐ کے ساتھی ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ اگر خدا سے دعا کریں گے تو خدا ان کی خاطر پہاڑوں کو ابھی اکھاڑ پھینکے گا۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۱۲)

۱۱ھ

صفر میں رسولؐ نے اسامہ کے تحت ایک فوج کو حکم دیا کہ روم سے جنگ کرنے کو جائے اس میں حضرت ابوبکر و عمر کو بھی مدینہ سے چلے جانے کا حکم دیا مگر حضرت علیؑ کو اپنے پاس ہی رکھا لیکن حضرت ابوبکر و عمر مدینہ سے نہیں گئے تو رسولؐ نے فرمایا خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جو اسامہ کے ساتھ نہیں جاتے (ملل و نحل جلد ۲ صفحہ ۲۰) یہ سب سننے کے بعد بھی یہ لوگ نہیں گئے اور رسولؐ کی وفات کا انتظار کرنے لگے۔

وفات رسولؐ: ۲۸رصفر ۱۱ھ کو حضرت رسولخدا صلعم نے انتقال فرمایا تو حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ آپ کی لاش کو چھوڑ کر خلیفہ بننے چلے گئے اور حضرت علیؑ عباس و فضل و قثم و اسامہ و شقران وغیرہ نے غسل دے کر کفن پہنا کر رسول کو دفن کر دیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا اور حضرت علیؑ کو آپ کے حق سے محروم کر کے فدک پر بھی قبضہ کرلیا پھر جناب سیدہؑ کے مکان پر آگ، لکڑی لائے کہ اس کو جلا دیں۔

خلافت حضرت ابوبکر و عمر و عثمان

میں حضرت امیر المومنینؑ پر بڑے بڑے ظلم ہوتے اور حضرت جناب رسول صلعم کی وصیت کے مطابق صبر فرماتے اور خاموشی، عبادت، سچے مومنین کی تعلیم و ہدایت اور اسلام کی حقیقی حفاظت و حمایت کا فرض انجام دیتے رہے۔

حضرت علیؑ کی ظاہری خلافت

خلیفہ سوم حضرت عثمان کے قتل پر صحابہ نے جناب امیرؑ کو خلافت قبول کرنے پر مجبور کیا مگر حضرتؑ کے خلیفہ ہوتے ہی حضرت عائشہ نے طلحہ و زبیر کے ساتھ آپ سے لڑائی ٹھان دی اور بصرہ جا کر حضرت علیؑ سے جنگ کی جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے اور ماہ جمادی الاخری ۳۶ھ میں ہوئی۔ حضرت عائشہ وغیرہ شکست کھا کر مدینہ واپس آ گئیں۔ ادھر شام میں معاویہ نے حضرت علیؑ سے بغاوت کر دی اور مقام صفین میں ارصفری ۳۷ھ سے کئی دن تک لڑائی ہوتی رہی معاویہ ہارنے لگا تو نیزوں پر قرآن بلند کر کے اسکا واسطہ دے کر کہا اس سے فیصلہ کرو اور لڑائی روک دو حضرت علیؑ کی فوج اس دھوکے میں آ گئی اور حضرتؑ کو جنگ سے روک دیا پھر طے ہوا کہ ایک شخص حضرت علیؑ کی طرف سے اور ایک شخص معاویہ کی طرف سے پنچ ہو کر دونوں کا فیصلہ کر دیں مگر بعد میں خوارج نے شور مچایا کہ حکم دینا صرف خدا کا کام ہے وہ لوگ بھی اسی طرح جناب امیرؑ کے مخالف ہو گئے اور ۳۷ھ کے آخر میں جناب امیرؑ کو ان سے بھی لڑنا پڑا۔ خارجیوں کی جنگ کا نام جنگ نہروان ہے۔

اس کے بعد معاویہ اور زیادہ جناب امیرؑ کو پریشان کرنے لگا۔ ۳۸ھ سے ۴۰ھ تک ملک میں مختلف مقامات پر غارت کرتا رہا۔ پھر تھوڑے دنوں کے بعد عبدالرحمان ابن ملجم کے ذریعہ سے ۱۹ ماہ صیام ۴۰ھ کو حضرتؑ پر زہر آلودہ تلوار کا وار کر دیا جس سے ۶۳ سال کی عمر میں حضرتؑ نے ۲۱ ماہ صیام ۴۰ھ کو شہادت پائی اور نجف اشرف میں جو کوفہ کے قریب ہے دفن کئے گئے۔ حضرتؑ کا دارالخلافہ کوفہ تھا جو بعد جنگ جمل ۱۶ رجب ۳۶ھ کو دار الحکومت قرار پایا تھا حضرتؑ کے صلب اور جناب سیدہؑ کے بطن مبارک سے امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور جناب زینبؑ و ام کلثومؑ تھیں۔ اور جناب محسنؑ کا حمل ساقط ہوا دوسری بیوی خولہ سے جناب محمد بن حنفیہ ہوئے۔ جناب ام البنین کے بطن سے حضرت عباس علمبردار، جعفر، عثمان، اور عبداللہ ہوئے یہ چاروں حضرات کربلا میں شہید ہوئے اور دوسری بیبیوں سے مختلف اولاد ہوئیں جنکی تفصیل بعد کی جلدوں میں ہوتی رہے گی۔